نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ ہشتم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— 592

کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان' شار سائنس مارکیٹ'

تکیہ املی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور

پرنٹر ——— پیر بھائی پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک

یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ ہشتم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ الۡمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰی وَحَشَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ

اور اگر تحقیق ہم اتاریں طرف ان کے فرشتے اور کلام کریں ان سے مردے اور جمع کردیں ہم ان پر

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز

کُلَّ شَیۡءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ

ان کی ہر چیز آمنے سامنے تو نہیں ہیں وہ کہ ایمان لاویں مگر یہ کہ چاہے اللہ اور لیکن بہت سے ان

ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا لیکن ان میں

یَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

میں کے جہالت کرتے ہیں

بہت نرے جاہل ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اجمالاً ارشاد ہوا تھا کہ ان مطالبہ کرنے والے کفار کے پاس اگر نشانیاں آجائیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے کہ ارشاد تھا **انها اذا جاءت لا یومنون**۔ اب اسی اجمال کی تفصیل ہے کہ اگر ان کے پاس فرشتے آجائیں' ان کے مردے زندہ ہو کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے دیں' بلکہ ہر چیز ان کے سامنے آجائے۔ یہ ایمان لانے والے نہیں۔ گویا یہ آیت اس آیت کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ان کی آنکھیں' ان کے دل پھیر دیئے۔ اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ چونکہ یہ کفار بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم ہیں' اسی لئے انہیں کوئی نشانی دکھانا مفید نہیں۔ گویا پہلے ان کی بیماری کا ذکر تھا۔ اب اس بیماری کے انجام کا۔ تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار اپنے کفر کے جنگل میں حیران و پریشان پھر رہے ہیں' انہیں کسی بات پر یقین نہیں **فی طغیانهم یعمهون** اب ارشاد ہے کہ ان کی یہ پریشانی لاعلاج ہے۔ کوئی نشانی ان کی پریشانی کا علاج نہیں بن سکتی گویا مرض کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور اس کے لاعلاج ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے۔

شان نزول: ایک دفعہ پانچ سرداران قریش ولید ابن مغیرہ مخزومی' عاص ابن وائل سہمی' اسود ابن عبد یغوث زہری' اسود

ابن مطلب' حارث ابن حنظلہ اپنے ساتھ بہت سے کفار قریش کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے' بولے کہ ہماری قوم میں قصی ابن کلاب اور جدعان ابن عمرو بڑے سچے اور بزرگ گزرے ہیں۔ سارے قریش ان کی بات مانتے تھے۔ انہیں مرے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے اگر آپ ان دونوں کو زندہ کر دیں اور وہ ہمارے سامنے آکر آپ کی حقانیت اور اسلام کی سچائی کی گواہی دے دیں تو ہم لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' خازن' روح البیان' خزائن العرفان)۔ نوٹ : ان کفار کے یہ مطالبے محض شغل اور دل لگی کے لئے تھے۔ ورنہ چاند پھٹنا' سورج لوٹنا' کنکروں' پتھروں کا کلمہ پڑھنا' ان کے ان مطلوبہ معجزہ سے کہیں زیادہ حیرت ناک تھے' جب وہ ان معجزات کو جادو کہہ کر ٹال جاتے تھے تو وہ ان معجزات پر ایمان کیا لاتے۔

تفسیر : **ولو اننا نزلنا الیھم الملٰئکۃ** لو حرف شرط ہے۔ ان۔ لو۔ اذا وغیرہ کے فرق بارہا بیان کر چکے ہیں کہ لو وہاں بولا جاتا ہے جہاں شرط و جزاء دونوں معدوم ہوں مگر معلق ہو کر۔ یعنی جزاء اس لئے معدوم ہو کہ شرط معدوم ہو۔ جیسے اگر تم آتے تو انعام پاتے۔ یعنی تم کو انعام نہ ملا اس لئے کہ تم آئے نہیں مگر یہاں اس معنی میں نہیں یہاں بمعنی ان ہے کیونکہ یہ کلام معلق کرنے کے لئے ہے ہی نہیں۔ بلکہ کفار کی ڈھٹائی دکھانے کے لئے ہے کہ اگر ہم فرضاً" یہ نشانیاں دکھا دیں جب بھی یہ کفار ایمان نہ لائیں' یہ مطلب نہیں کہ ان کا ایمان نہ لانا ہمارے ان نشانیاں دکھانے پر موقوف ہے۔ نزلنا ز کے شد سے ارشاد فرما کر یہ بتایا کہ اگر ان پر فرشتے یکے بعد دیگرے ہم اتارتے رہتے یا اتارتے رہیں کہ دو چار آج ان کے پاس آجائیں دو چار کل' یہ سلسلہ برابر جاری رہے۔ اتارنے سے مراد ہے اس طرح اتارنا جسے وہ دیکھیں' ورنہ ہر انسان کے ساتھ اعمال لکھنے والے حفاظت کرنے والے فرشتے رہتے ہیں جن کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں مگر وہ انہیں نظر نہیں آتے یا **ملائکہ** سے مراد مطلقاً فرشتے ہیں جو خود اپنی شکل میں ان کے پاس آئیں ورنہ حضرات صحابہ نے بلکہ ان کفار نے انسانی شکل میں فرشتے بارہا دیکھے تھے۔ **و کلمھم الموتی** یہ عبارت **اننا نزلنا** الخ پر معطوف ہے اور **لو** کے تحت ہے۔ **کلم** فرما کر بتایا کہ اگر بار بار صراحتہ" مردے ان سے صاف صاف گفتگو کریں۔ **ھم** کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں **الموتی** جمع ہے میت کی۔ اس سے مراد یا تو وہی قصی ابن کلاب اور جدعان ابن عمرو ہیں جن کو زندہ کرنے اور ان سے گواہی دلوانے کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا تھا یا اس سے عام مردوں کی جماعت مراد ہے یعنی ان لوگوں سے وہ مردے یا عام مردے زندہ ہو کر حقانیت اسلام کے متعلق صاف صاف گفتگو کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی پر زور گواہی دیں کہ بیداری کی حالت میں مردے ان سے کلام کریں خواب کا کلام مراد نہیں بعض مقبولین بارگاہ بیداری میں مردوں سے کلام کر لیتے ہیں۔ ویسے عام حالات میں بھی مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں جو زندے سنتے نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ جیسے جمعرات کے دن مردوں کا اپنے زندہ عزیزوں کے گھر آنا' ان سے ثواب کی درخواست کرنا یا جو قبرستان سے گزرے ان سے مردوں کا درخواست دعا کرنا۔ لہذا یہ احادیث اس آیت کے خلاف نہیں **و حشرنا علیھم کل شی" قبلا"** یہ عبارت معطوف ہے **و کلمھم الموتی** پر۔ اس میں ان کے مطالبوں سے زیادہ چیز کا ذکر ہے۔ **حشرنا** بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا۔ اس لئے قیامت کو حشر اور میدان قیامت کو محشر کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ذالک حشر علینا یسیر۔ علیھم** میں **علی** یا بمعنی عند ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے **کل شی** سے مراد فرشتوں اور مردوں کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں۔ جانور' اینٹ' پتھر' لکڑیاں وغیرہ جو کفار

کے سامنے جمع ہو کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دیں بلکہ اگر سارا عالم غیب فرشتے جنت دوزخ وغیرہ بھی ان کے سامنے کر دی جائیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں۔ **قبلا** " ہماری قرات میں ق اور ب کے پیش سے ہے' مصدر ہے بمعنی مقابلہ و معاینہ یعنی سامنے ہونا یہ حشر نا کا ظرف ہے یعنی ہم ساری چیزیں ان کے سامنے جمع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ **قبلا**" قابل کی جمع ہو بمعنی مقابل۔ تب یہ کل شی سے حال ہو گا یہ بھی ممکن ہے کہ قبیل کی جمع ہو بمعنی کفیل و ذمہ دار جیسے رغیف کی جمع رغف اور تضیب کی جمع تضب یا یہ جمع ہے قبیلہ کی بمعنی جماعت لہذا اس لفظ کے بہت معنی ہو سکتے ہیں مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ بعض قراتوں میں **قبلا**" ق کے کسرہ ب کے فتحہ سے ہے (تفسیر کبیر و معانی) **ما کانوا لیومنوا** یہ عبارت **لو** کی جزا ہے **ما امنوا** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی **ما کانوا لیومنوا** تاکہ معلوم ہو کہ ان کا ایمان لانا قریبا" ناممکن ہے۔ نہیں ہیں وہ کہ ایمان قبول کر لیں۔ اس لئے مفسرین نے اس عبارت کے معنی کئے ناصح اور ما استقامہ اور **ما امکن ایمانہم**۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر کے ان سے کلام کرا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ستر اسرائیلیوں کو کوہ طور پر لے جا کر رب کے کلام کا نظارہ کرا دیا مگر جن کے مقدر میں ایمان نہ تھا وہ ایمان نہ لائے **الا ان یشاء اللہ** یہ عبارت **لیومنوا** کا ظرف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **لیومنوا فی حالتہ من الحالات الا ان یشاء اللہ** یعنی وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے چاہے کسی صورت سے ایمان نہیں لا سکتے۔ **ولکن اکثرھم یجھلون** اس عبارت میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے' جو ان مطالبہ کرنے والوں کی سفارش کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ مطلوبہ معجزات دکھا دیئے جائیں' شاید یہ لوگ اسی ذریعہ سے ایمان قبول کر لیں۔ جہالت سے مراد اصل حقیقت سے بے خبری ہے۔ یعنی ان سفارشی لوگوں میں بہت سے لوگ جاہل ہیں جو عقیدے کے اس مسئلہ سے خبردار نہیں کہ بغیر ارادہ الٰہی ذرہ جنبش نہیں کر سکتا انہیں چاہئے کہ ان کے ان مطالبوں کے پورا نہ ہونے پر دل تنگ نہ ہوں اگر ان کے مطالبہ کرنے اور ادھر سے مطالبات پورا کرنے کا یہی سلسلہ رہا تو نبوت کا مقصد تبلیغ وغیرہ بالکل فوت ہو جائے گا یہ مطالبے کرتے رہیں گے اور ہم ان کے مطالبے پورے کرتے رہیں گے۔ سب وقت اسی میں ضائع ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانوں ان مطالبات والے کفار کے مطالبوں پر نہ دھیان دو' نہ ان کے پورا کرنے کی بارگاہ نبوت میں سفارش کرو' یقین کرو کہ اگر ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بار بار فرشتے اپنی اصل شکل و صورت میں ان کے پاس آئیں اور یہ انہیں ان کی اصل شکل میں دیکھ بھی لیں اور وہ فرشتے ان سے اسلام اور صاحب اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیں اور اگر ہم ان کے بتائے ہوئے یا عام مردے زندہ کر کے ان کے سامنے کھڑے کر دیں اور وہ ان سے بار بار کلام کریں۔ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیں بلکہ اگر ہم دنیا کی ہر خشک و تر شجر و حجر بحر و بر ان کے سامنے لا کھڑی کریں وہ سب اسلام کی حقانیت' کفر کی برائی بیان کریں۔ یہ سب کچھ ہو جائے یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر بھی یہ سب لوگ وہی کہیں گے اور دوسرے مطالبے کرتے ہی رہیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ فرشتوں اور مردوں کا کلام سن کر یہ کہیں گے کہ اب ہم کو نبی کے ماننے کی کیا ضرورت ہے' ہم تو ان فرشتوں یا مردوں کے کلام کے ذریعہ خدا کو اور اس کی توحید وغیرہ کو مانتے ہیں پھر بھی کافر ہی رہیں گے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی انہیں ہدایت دیتا تو یہ اسلام قبول کر سکتے۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی بہت سے لوگ بے علمی کی باتیں کرتے ہیں' ان کے مطالبے پورے کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ اے مسلمانو تم کفار کی فکر میں مبتلا

نہ رہو اپنی فکر کرو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب تعالیٰ کی دکان ہے جس میں ایمان' عرفان' تقویٰ ولایت شریعت و طریقت ہر طرح کے سودے ہیں مگر وہاں سے خیر وہی لے سکتا ہے جس کے پاس عقیدت' محبت' اخلاص کی نقدی ہو پھر جتنا اخلاص وغیرہ زیادہ اتنا ہی اسے سودا اعلیٰ ملے گا۔ ان کفار کے دل کی جیب اس نقد سے خالی تھی تو انہیں ایمان وغیرہ کیسے ملتے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** فرشتوں کا انسانوں کے پاس آنا ان سے کلام کرنا' انسانوں کا انہیں دیکھنا' ان کی سننا یہ سب کچھ ممکن ہے' محال نہیں۔ انہیں شکل انسانی میں دیکھنا تو واقعہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت مریم نے جناب جبرئیل کو شکل انسانی میں دیکھا' ان سے کلام و گفتگو کی' انہیں ان کی اصل شکل میں دیکھنا بھی ممکن ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا یہ فائدہ **لو اننا نزلنا الخ** سے اشارۃً حاصل ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اس دنیا میں مردوں کا زندوں سے ملاقات کرنا ان سے گفتگو کرنا ان کی سننا یہ سب کچھ ممکن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کرکے' زندوں کی ان سے ملاقات بھی کرا دی' ان سے گفتگو بھی۔ یہ فائدہ اشارۃً **و کلمھم الموتی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر خشک و تر چیز کا ہمارے سامنے آجانا' ہم سے کلام کرنا ممکن ہے اگرچہ واقع نہیں۔ یہ فائدہ **و حشرنا علیھم الخ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن' معجزات' تبلیغ و وعظ مستقل ہادی نہیں بلکہ یہ ہدایت کا ذریعہ' ہدایت تو رب کے کرم سے ملتی ہے جیسے دوائیں شافی الامراض نہیں بلکہ شفا کا ذریعہ ہیں۔ شافی تو رب تعالیٰ ہے یہ فائدہ **الا ان یشاء اللہ الخ** سے حاصل ہوا جو مومن ہوا وہ اللہ کے ارادے سے ہوا جو کافر ہوا وہ اللہ کے ارادے سے ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ارادہ' مشیت' رضا' حکم ان سب میں بہت فرق ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو کفر کا حکم نہیں دیا نہ کفر سے راضی ہے' ہاں کفار کا کفر اس کے ارادے سے ہے کوئی کام اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ خدا نہیں۔

لطیفہ : ایک معتزلی فرقہ والے نے ایک یہودی سے کہا کہ تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا تو وہ بولا اس لئے کہ اللہ نے میرے ایمان کا ارادہ نہیں کیا اگر وہ ارادہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ معتزلی بولا کہ اللہ تعالیٰ نے تو تیرے ایمان کا ارادہ کیا ہے مگر شیطان تجھے ایمان سے روکے ہوئے ہے۔ یہودی بولا کہ پھر تو میں شیطان کے ساتھ رہنا ہی پسند کرتا ہوں کہ وہ خدا پر غالب ہے کہ خدا کے چاہے میں مومن نہ بنا مگر شیطان کے چاہے میں کافر بن گیا۔ مغلوب خدا کے ساتھ رہنا نقصان دہ ہے۔ معتزلی حیران رہ گیا (شرح عقائد)۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ شیطان' کفار' کفر اور بری چیزوں کو رب نے پیدا فرمایا تو اس پیدا فرمانے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں مگر ان حکمتوں کا پالینا' انہیں سمجھ جانا ہر ایک کا کام نہیں یہ فائدہ **ولکن اکثرھم یجھلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : نحوی قاعدے سے یہاں **ولو اننا** فرمانا درست نہیں کیونکہ **لو جزاء** کی نفی کو شرط کی نفی پر معلق کرنے آتا ہے جیسے ان جزاء کے ثبوت کو شرط کے ثبوت پر معلق کرنے کے لئے ہوتا ہے مگر یہاں یہ تعلق درست نہیں کیونکہ کفار کا ایمان لانا' فرشتوں کے اترنے پر موقوف نہیں لہذا یہاں لو درست نہیں۔ **جواب:** معترض نے یہاں لو کو شرطیہ سمجھا ہے اس لئے یہ اعتراض کیا یہ درست نہیں یہاں **لو** ظرفیہ ہے جیسے کبھی ان ظرفیہ ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم** اس آیت میں ان ظرفیہ ہے نیز جب ان یا لو کے ساتھ واؤ وصلیہ آجائے تو یہ دونوں حرف

ظرفیہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ اگر ہم فرشتے اتار دیتے تو یہ ایمان نہ لاتے یا اگر ہم فرشتے اتار دیں تو یہ ایمان نہ لائیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اگر فرشتے اتار دیں تو اس وقت بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اور کسی وقت لانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لو ظرفیہ بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا ایمان نہ چاہا لہٰذا وہ ایمان نہ لائے جس سے لازم آیا کہ رب نے ان کا کفر چاہا لہٰذا وہ کافر رہے۔ حالانکہ کفر بری چیز ہے بری چیز کا چاہنا بھی برا ہے۔ اگر کوئی شخص کافر ہو جانے کا ارادہ کرلے تو کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس بری چیز کو کیوں چاہا اس کا ارادہ کیوں کیا؟ **جواب:** کسب کفر کا ارادہ کرنا برا ہے یعنی خود کافر ہو جانے کا ارادہ برا ہے مگر خلق کفر کا ارادہ بلکہ خود خلق کفر برا نہیں اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ بندہ کسب کفر کا ارادہ کرتا ہے یہ بالکل درست ہے۔ لیکن اگر بندہ کسی کو قتل کرے یا قتل میں مدد دے یا قتل کا ارادہ کرے تو گنہگار ہے خلق اور کسب کا یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے تو کافر مجرم کیوں' وہی کر رہا ہے جو اللہ کا ارادہ ہے بلکہ وہ تو اس کفر میں معذور ہے؟ **جواب:** اس کا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر رہا ہے۔ رب نے فرمایا ہے **امنوا باللہ و رسولہ** حکم کی خلاف ورزی جرم ہے اور چونکہ کفر میں کافر کا اپنا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے یعنی رب کے ارادہ اور کافر کے کفر کے درمیان اس کا ارادہ کسب ہے اس لئے وہ مجرم ہے جیسے قاتل قتل کا مجرم ہے اگرچہ مقتول کی موت اللہ کے ارادہ سے ہے۔ غرضیکہ ہمارے غیر اختیاری کاموں پر سزا و جزا نہیں مگر اختیاری کاموں پر سزا بھی ہے جزاء بھی۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **اکثرھم یجھلون** ان میں سے بہت نرے جاہل ہیں حالانکہ کفار تو سارے ہی جاہل ہیں پھر **اکثرھم** کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** **اکثرھم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **ھم** سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ان کے مطالبات پورے فرما دینے کی سفارش کرتے تھے۔ تب مطلب یہ ہے کہ ان سفارش کرنے والوں میں سے اکثر وہ حضرات ہیں جنہیں یہ خبر نہیں کہ یہ لوگ ان مطالبوں کے پورے ہونے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں۔ چونکہ بہت سے مسلمان اس سے واقف تھے' لہٰذا **اکثرھم** فرمایا۔ دوسرے یہ کہ **ھم** سے مراد مطالبہ کرنے والے کفار ہوں تب مطلب یہ ہے کہ ان مطالبہ کرنے والوں میں سے اکثر تو نرے جاہل ہیں کبھی ایمان نہ لائیں گے اور بعض وہ بھی ہیں جو آگے چل کر ایمان قبول کرلیں گے۔ ابوجہل کافر مراد نرا جاہل تھا ابوسفیان آخر کار ایمان لے آئے۔ بہرحال **اکثرھم** فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض کفار کا کفر عارضی اور ہلکا ہے کہ ان کا مومن ہو جانا ارادۂ الٰہی میں آچکا ہے ان کے لئے معمولی اشارہ کرنی سا معجزہ' کوئی سی نشانی کافی ہے۔ یہ لوگ اس سونے والے کی طرح ہیں جو معمولی سی حرکت دینے سے جاگ جائے بعض کفار کا کفر ہے تو عارضی مگر ہے سخت۔ ان کے ایمان کے لئے زیادہ کوشش ضروری ہے وہ کسی بڑی نشانی' بڑے معجزے کے منتظر ہیں۔ جیسے بیہوش آدمی اگرچہ ہوش میں آسکتا ہے مگر لخلخہ سونگھانے اور بہت کوشش کرنے پر مگر تیسرے قسم کے کفار وہ ہیں جن کا کفر اصلی ہے ان کے ایمان کی کوئی صورت نہیں اور انہیں کوئی معجزہ مفید نہیں حتیٰ کہ اگر یہ لوگ قیامت اور وہاں کے سارے حالات بھی آنکھوں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔ انہی کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ** اگر یہ قیامت کے بعد بھی دنیا میں واپس کر دیئے جائیں تب بھی کفر ہی کریں گے یہ لوگ اس مردہ کی طرح ہیں جنہیں کوئی تدبیر جگا نہیں سکتی۔ کپڑے پر غبار لگ گیا ہو تو جھاڑ دینے سے صاف ہو جاتا ہے' اگر سخت کالا ہو گیا ہو تو پانی صابن سے دھونے پر سفید

ہو جاتا ہے ٗ لیکن اگر کپڑا پختہ کالے سوت سے ہی بنا گیا ہو تو کسی تدبیر سے سفید نہیں ہو سکتا انسان کے دل کے یہی حالات ہیں یہاں **ولو اننا** الخ میں اس آخری تیسری قسم کے کفار کا ذکر ہے اور **الا ان یشاء اللہ** میں ان پہلی دو قسم کی طرف اشارہ ہے کہ اصلی کافر نہ فرشتے دیکھ کر ایمان لائیں نہ مردوں سے گواہی سن کر نہ تمام معجزات دیکھ کر۔ ہاں جن کا ایمان مشیت الٰہی میں آچکا ہے وہ ابھی یا بدیر ایمان قبول کرلیں گے لہٰذا ان کے ہر مطالبے پورے کرنے کی کوشش نہ کرو اور ان کے کفر سے ملول نہ ہو۔ حضرت عمر کی آنکھیں ایک اشارہ سے کھل گئیں۔ حضرت ابو سفیان بہت جھنجھوڑنے پر ایمان لائے مگر ابو جہل جیسا تھا ویسا ہی گیا یہ رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عالم اجسام میں رب تعالیٰ کی ہر نعمت واسطوں وسیلوں سے ملتی ہے۔ ماں کے وسیلہ سے رزق وغیرہ ٗ ایسے ہی عالم ایمانیات میں نبی کو احکام وغیرہ حضرت جبرئیل کے واسطے سے ملتے ہیں اور کو نبی کے واسطے وسیلہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے وسیلہ کبھی اٹھا بھی دیتا ہے مگر نبی کا واسطہ کبھی نہیں اٹھاتا۔ دیکھو حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے وسیلہ کے پیدا کئے گئے۔ حضرت آدم و حوا بغیر ماں باپ کے وسیلہ کے پیدا کئے گئے۔ بنی اسرائیل کو بغیر وسیلہ ء کسان و باورچی من و سلویٰ کی روزی دی گئی۔ اصحاب کہف والوں کو بغیر وسیلہ غیبی دستر خوان دیا گیا بلکہ خود نبی کو بغیر وسیلہ جبرئیل کلام عطا ہوا۔ موسیٰ کلیم اللہ طور پر بغیر وسیلہ رب سے کلام کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وسیلہ جبرئیل معراج میں رب سے کلام کیا مگر ایسی مثال نہیں ملے گی کہ بغیر وسیلہ نبی کسی کو ایمان یا احکام دیئے ہوں۔ امت کو جو ملے گا نبی کے وسیلہ سے ملے گا۔ ابلیس نے بغیر وسیلہ نبی فرشتوں وغیرہ کے ذریعہ مومن ہونا چاہا ٗ مردود کر دیا گیا تو جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتوں کو اترتا دیکھنا یا مردوں کا کلام سننا مانگتے تھے اگر وہ ان وسیلوں واسطوں سے اللہ کی توحید وغیرہ مان بھی لیتے ٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر تب بھی مومن نہ بنتے۔ ہاں اگر پھر بھی ان کے ذریعہ نبی کو مانتے اور نبی کے ذریعہ خدا کو پہچانتے پھر مومن بنتے ٗ یہ مطلب ہے **الا ان یشاء اللہ** کا۔ مگر اکثر لوگ ان واسطوں وسیلوں میں فرق نہیں کرتے وہ نرے جاہل ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
اور یوں ہی بنائے ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطان انسانوں اور جنات کے
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمی اور جنوں میں کے شیطان
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
کہ اشارے کرتے ہیں بعض ان کے طرف بعض کے چکنی باتیں دھوکے کے لئے اور اگر
کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو اور تمہارا رب
رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِ
چاہتا رب آپ کا تو نہ کرتے وہ یہ حرکتیں بس چھوڑ دو ابھی انہیں اور اسے جو گھڑتے ہیں اور تاکہ مائل ہوں طرف
چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں انکی بناوٹوں پر چھوڑ دو اور اس لئے کہ اس طرف ان کے دل

يْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

انکے دل ان لوگوں کے جو نہیں ایمان رکھتے ساتھ آخرت کے اور تاکہ پسند کریں اسکو اور تاکہ کمائیں وہ جو وہ کمانیوالے ہیں۔

جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو انہیں کمانا ہے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مطالبے کرنے والے کفار بڑے سے بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں جس دل میں رسول کی دشمنی ہو اس میں ایمان کیسے آئے۔ گویا پچھلی آیت میں ان کفار کی بیماری کا ذکر تھا اب اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں مطالبہ کرنے والے کفار کی بیماری کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ ایسے مطالبے گذشتہ انبیاء کرام سے بھی ان کے دشمنوں کی طرف سے ہوتے رہے ہیں لہٰذا آپ غم نہ کریں۔ گویا پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کرنے والی چیز کا ذکر تھا اب اس غم کا ازالہ فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ ہم کفار کے دل اور آنکھیں پھیر دیتے ہیں کہ وہ نہ تو حق کو سمجھتے ہیں نہ اسے دیکھتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ حالات آج کے نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں کہ نبیوں کی باتیں سب نے نہیں مانیں بعض نے مانیں کہ نظام عالم اسی سے قائم ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ بعض لوگ غور نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت مطالبات میں ضائع کرتے ہیں اب ان آیات میں ارشاد ہے کہ بعض دوسرے لوگ ان مطالبہ والوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں گویا مطالبے کرنے والوں کا ذکر پہلے تھا اور ان کی حمایت کرنے والوں کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **و کذالک جعلنا لکل نبی عدوا** " یہ عبارت یا تو معطوف ہے۔ **و کذالک زینا لکل امۃ** الخ پر۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہے اور اس جملہ کی وہی ترکیب ہے جو اس جملہ کی تھی اور یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے تب اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ **کما جعلنا ھؤلاء عدوا لک**۔ **کذالک جعلنا** الخ اگر اس میں روئے سخن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو اس کا مقصد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ نبیوں کے اجمالی واقعات سنا کر تسکین دینا تاکہ کفار مکہ کی مخالفت سے قلب پاک پر میل نہ آئے کہ ان کے دم سے اسلام کی بہار ہے' ان کا دل پریشان ہو گیا تو یہ کام کیسے چلے گا یا تا قیامت سارے علماء اولیاء سے خطاب ہے' تو مقصد یہ ہے کہ تم لوگ مخالفین سے گھبرا نہ جانا۔ مخالفت پر صبر کرنا' سنت انبیاء ہے اس پر بڑا اجر ہے ہم کو چاہئے کہ کھانا پینا سونا جاگنا جینا مرنا سب میں سنت کی نیت کریں کہ ثواب ہے **جعلنا** یا تو بمعنی **خلقنا** ہے تو ایک مفعول کو چاہے گا اور وہ ہے **عدوا** اور اگر **صیرنا** کے معنی میں ہے تو دو مفعول چاہے گا۔ پہلا مفعول عدوا ہے اور دوسرا مفعول شیاطین ہے۔ **جعلنا** فرما کر یہ بتایا کہ مخالفین کا ہونا' ان کی مخالفتیں شاہی انتظام ہے کہ جیسے عالم اجسام توڑ پھوڑ سے قائم ہے' بھوک کو غذا سے' پیاس کو پانی سے' بیماری کو دوا سے' تاریکی کو نور سے توڑتے رہو دنیا قائم رہے گی۔ ایسے ہی عالم ارواح میں توڑ پھوڑ رہنی چاہئے۔ طغیان کو ایمان سے' گناہوں کو توبہ سے' کفار کو غازیوں سے' غفلت کو بیداری سے توڑتے رہو۔ ایمان کے باغ میں بہار رہے گی' اگر شیاطین نہ ہوتے تو یہ توڑ پھوڑ کیسے قائم رہتی۔ نبی' رسول' مرسل ان کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے

ہیں۔ حضرات انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں تین سو تیرہ رسول بھی ہیں اور چار مرسل بھی۔ نبی فرماکر یہ بتایا کہ صرف رسولوں یا مرسلوں کے ہی دشمن نہیں ہوتے بلکہ ہر نبی کے دشمن رہے۔ نبی فرماکر یہ بتایا کہ فرشتوں' حوروں' غلمان کے دشمن کوئی نہیں۔ صرف انسانوں کے دشمن رہے کہ نبی انسان ہی ہوئے کیونکہ حور و غلمان کو' فرشتوں کو نہ تو مراتب ملتا ہے نہ انہیں دوسروں کے لئے مثال بناتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے درجے بلند کرنا ہیں ان کی تکالیف کو لوگوں کے لئے مثال بناتا ہے۔ ان وجوہ سے دشمن انہیں انبیاء کے ہوئے۔ **عدوا** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے یہ لفظ ایک اور جماعت سب پر بولا جاتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا انا لم انفع صدیقی لوده فان عدوی لم یضرهم بغضی!

اس شعر میں عدو جمع ہے۔ یعنی اے محبوب جیسے آپ کے دنیا میں بہت دشمن ہیں ایسے ہی تمام نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور یہ انتظام ہماری طرف سے ہے۔ اس میں صدہا حکمتیں ہیں آپ اس سے ملول نہ ہوں۔ خیال رہے کہ جیسے حضرات انبیاء کرام کے دشمن کفار و شیاطین رہے ایسے ہی ان کے نائبین یعنی علماء' اولیاء' صالحین کے دشمن رہے بھی اور ہیں بھی اور رہوں گے بھی۔ یہ بھی وراثت انبیاء ہے **العلماء ورثة الانبیاء** ۔ خیال رہے کہ سواء ان دو مخلوقوں یعنی انس و جن کے کسی مخلوق میں نبی کے دشمن نہیں۔ مخلوق آسمانی ہو یا زمینی وہ سب کی سب انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع فرمان اور ان سے عشق رکھنے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں لکڑیاں روئیں' احد پہاڑ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑنے سے وجد آگیا۔ اونٹوں' چڑیوں نے فریادیں کیں۔ حضرت یوشع کے اشارہ پر سورج ٹھہرا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹا۔ یہ ہے ان کی محبوبیت و سرکاریت۔ **شیاطین الانس والجن**۔ یہ عبارت یا تو **جعلنا** کا دوسرا مفعول ہے یا **عدوا** کا بدل۔ شیاطین جمع ہے شیطان کی۔ اس لفظ کے معنی اور اس کی لفظی تحقیق پہلے پارہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ شیطان لقب ہے ابلیس کا مگر پھر ہر گمراہ کن کو شیطان کہا جانے لگا۔ نیز شیاطین کی بہت قسمیں ہیں اور ان کی مختلف ڈیوٹیاں ہیں۔ کوئی ہروقت انسان کے ساتھ رہتا ہے کوئی کسی خاص مقام پر رہتا ہے ان وجوہ سے یہ جمع بھی ارشاد ہوتا ہے اس کی اضافت انس و جن کی طرف یا منی والی ہے یا لام والی۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی شیطان دو قسم کے ہیں جنات' شیطان اور انسان شیطان۔ جیسے عام گمراہ کن کفار یہ دونوں ہی نبیوں کے دشمن رہے ہیں۔ حسن' قتادہ' مجاہد کا یہی قول ہے مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابلیس نے اپنی ذریت کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ انسانوں کو بہکانے کے لئے' انہیں شیاطین انس کہا جاتا ہے یعنی انسانوں کو گمراہ کرنے والے۔ دوسرا گروہ جنات کو بہکانے' ورغلانے کے لئے انہیں شیاطین جن کہا جاتا ہے۔ یعنی جنات کو بہکانے والے۔ وہی یہاں مراد ہے (تفسیر کبیر و خازن' معانی وغیرہ) یا کہو کہ شیاطین کبھی تو ہم سے چھپے رہتے ہیں تب وہ جن ہیں یعنی چھپی مخلوق اور کبھی انسانی شکل میں بلکہ مولویوں کی پیروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ بلکہ نبی بلکہ خدا بن کر سامنے آجاتے ہیں اس صورت میں وہ شیاطین انس یعنی انسانوں کو نظر آنے والے ہوتے ہیں۔ حضور غوث پاک کی بارگاہ میں خدا بن کر آگیا تھا جبکہ آپ تہجد پڑھ رہے تھے۔ مگر پہلا قول قوی ہے کہ بعض انسان بھی شیطان ہوتے ہیں بلکہ جنی شیطان سے سخت تر۔ (1) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ ابلیس جب جناتی شیطان کے ذریعہ کسی کو بہکانے سے عاجز ہو جاتا ہے تو انسانی شیاطین سے مدد لیتا ہے۔ (2) جناتی شیطان چھپے رہتے ہیں مگر انسانی شیطان ہمارے سامنے ہمارے دوست و

احباب بن کر آتے ہیں اور بہکاتے ہیں۔ (3) لاحول سے جناتی شیطان بھاگ جاتے ہیں مگر انسانی شیطان نہیں بھاگتے۔ (4) حضرت ابوذر غفاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں اور یہ شیطان جنات شیطان سے بدتر ہیں۔ بغوی' مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ انسانی شیطان بدتر اور سخت تر ہیں جن شیطانوں سے کہ جن شیطانوں سے پناہ مل سکتی ہے۔ لاحول کے ذریعے۔ مگر انسانی شیطانوں سے پناہ کہیں نہیں۔ ان وجوہ سے یہاں شیاطین انس کا ذکر پہلے ہوا اور شیاطین جن کا ذکر بعد میں (خازن' معانی' کبیر' ابن کثیر وغیرہ)۔ **یوحی بعضہم الی بعض** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا شیاطین کا حال یا عدوا کی صفت۔ چونکہ یہاں **عدوا** جمع ہے اس لئے **بعضہم** میں ضمیر جمع لائی گئی۔ **یوحی** بنا ہے وحی سے جس کے لغوی معنی ہیں مخفی اشارہ اچھا ہو یا برا لہٰذا وسوسہ' الہام اور وحی الٰہی سب پر بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و اوحی ربک الی النحل**۔ اور فرماتا ہے **و اوحینا الی ام موسی**۔ ان دونوں آیتوں میں وحی معنی دل میں ڈالنا ہے اور فرماتا ہے۔ **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح** مگر وحی سے مراد وحی نبوت ہے اور یہاں وحی معنی وسوسہ ہے۔ یعنی جناتی شیطان انسانی شیطانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ پھر یہ انسانی شیطان لوگوں کو انہی وسوسوں سے گمراہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے محبوب بندوں کی دستگیری ہوتی ہے انہیں اچھی راہ پر لگایا جاتا ہے۔ بروں کے دلوں میں برے وسوسے شیطان کی طرف سے پڑتے ہیں اچھوں کے دلوں میں اچھے الہامات اللہ و رسول کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پھر جیسے ابلیس اپنے نمائندے انسانوں میں سے چھانٹتا ہے' ان کے ذریعہ عوام کو بہکاتا ہے کہ اپنے نمائندوں کے دلوں میں وسوسہ وہ ڈالتا ہے پھر یہ نمائندے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ اسی طرح روحانیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے کارندے چھانٹے جاتے ہیں۔ جن کو اولیاء علماء دین کہا جاتا ہے کہ ان کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اور ساری خلقت کی دستگیری وہ کرتے ہیں۔ **زخرف القول** یہ عبارت یوحی کا مفعول بہ ہے **زخرف** کے لفظی معنی ہیں وہ دھوکے کی زینت جو ملمع یا نقش و نگار سے حاصل ہو۔ اصطلاح میں **زخرف** وہ ادنیٰ یا بری چیز ہے جو ملمع سازی کرکے اچھی بنا دی گئی ہو جیسے ملمع کی ہوئی پیتل جو سونا معلوم ہو لوگ اسے دھوکا کھا جائیں **زخرف** صفت ہے **قول** موصوف۔ یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے یعنی جھوٹی اور باطل بات جو بھلی اور سچی کرکے دکھائی جائے۔ خیال رہے کہ شیطان مختلف لوگوں کے پاس مختلف شکلوں میں جاتا ہے۔ نفسانی شکل میں اور بدعملیوں پر خوبصورت رنگ کی پالش کرتا ہے گانا' ناچنا' کھیل تماشے وغیرہ کی پالش نفسانی لوگوں کے لئے کرتا ہے مگر روحانی لوگوں کے پاس روحانی لباس پہن کر پہنچتا ہے گمراہ کن مولوی' بے دین پیر بن کر آتا ہے۔ بدعملیاں' بدعقیدگیاں آیات قرآنی سے ثابت کرتا ہے۔ ہم نے بعض بے دین مولویوں کو دیکھا کہ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن ہاتھ میں لے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم وہابی نہیں ہم تو بڑے پختہ سنی ہیں یہ سب **زخرف القول** میں داخل ہیں۔ نوافل اتنے پڑھواتا ہے کہ فرائض سے انسان معذور ہو جائے یہ بھی اسی مردود کا حیلہ ہے۔ **زخرف القول** سب کو شامل ہے **غرورا** " یہ **یوحی** کا مفعول لہ ہے یا بمعنی غارین ہو کر **بعضہم** کا حال یا۔ غیرون پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے۔ **غرور** کے معنی ابھی بیان ہو چکے کہ دھوکہ' فریب کو غرور کہتے ہیں اسی لئے تکبر و شیخی کو غرور کہتے ہیں اور متکبر کو مغرور کہ وہ اپنے متعلق دھوکہ میں ہے کہ ہے کچھ نہیں مگر اپنے کو سمجھتا ہے سب کچھ۔ یعنی شیاطین وسوسے کیوں ڈالتے ہیں محض دھوکہ کے لئے یا دھوکا دیتے ہوئے یا وہ پورا پورا دھوکہ دیتے ہیں۔ غرضیکہ **غرورا** کی تین تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ

جیسے شیطان نے لوگوں کے لئے مختلف جال بنا رکھے ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو پھانستا ہے' عورتیں اس کا بد ترین جال ہیں۔ وہ شکاری اس جال سے بہت شکار کرتا ہے اللہ کے مقبول بندوں کے پاس خوف خدا و عشق جناب مصطفیٰ کے ایسے مضبوط جال ہیں جن سے وہ لوگوں کو دریاء ظلمات سے نکال لیتے ہیں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے دل میں اللہ کا خوف حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ بندہ بندہ بن جاتا ہے **ولو شاء ربک ما فعلوہ** یہ جملہ نیا ہے اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو دوسری طرح تسکین دی گئی ہے۔ **شاء** کا مفعول پوشیدہ ہے عدم العداوۃ یا عدم الوحی فعلوہ میں ہ ضمیر یا تو اس عداوت کی طرف ہے جو کفار مکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے رکھتے تھے یا اس عداوت کی طرف ہے جو گذشتہ کفار اپنے نبیوں سے رکھتے تھے یا وحی کی طرف۔ لہذا اس جملہ کی بھی تین تفسیریں ہیں یعنی اگر رب تعالیٰ چاہتا کہ یہ لوگ آپ سے دشمنی نہ کریں یا گزشتہ قومیں اپنے نبیوں سے دشمنی نہ کریں یا یہ شیاطین بعض بعض کو وسوسہ نہ دیں تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے۔ اس ارادہ میں صدہا حکمتیں ہیں اس سے آپ کے اور ان انبیاء کرام کے درجے بڑھتے ہیں' عروج ہوتا ہے اور صدہا حکمتیں ہیں **فذرھم وما یفترون** یہ عبارت گذشتہ مضمون پر مبنی ہے **ذر** کی تحقیق ہم بارہا کر چکے ہیں۔ **وما یفترون** میں واؤ یا تو عاطفہ ہے یا معنی مع اور ما مصدریہ ہے۔ افتراء کے معنی ہیں گھڑنا' بناوٹ کرنا۔ اس سے مراد یا تو ان کفار کا کفر بے دینی ہے یا ان کے ایک دوسرے کو وسوسے۔ یعنی جب واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے تو آپ ان کو ان کے کفر و عداوت کے ساتھ ہی چھوڑ دیں۔ اس کی پرواہ نہ کریں ان پر غم نہ کریں۔ لہذا یہ حکم منسوخ نہیں محکم ہے۔ **مومن کو چاہئے کہ** کفار اور ان کی حرکتوں کی پرواہ نہ کرے ہاں اپنی احتیاط ضرور کرے' اپنے بچاؤ کا سامان رکھے۔ غرضیکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے پروگرام طے شدہ کے مطابق ہو رہا ہے۔ یہ تو اسی طرح ہوتا رہے گا۔ اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ ان کی تردید نہ کریں' لوگوں میں تبلیغ نہ فرمائیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان چیزوں کی پرواہ نہ کریں۔ **و لتصغی الیہ** یہ فرمان عالی یا تو علیحدہ مستقل جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے **فعلنا ذالک یا اردنا شنا ذالک** یا یہ عبارت معطوف ہے **غرورا** پر اور **یوحی** کا دوسرا مفعول لہ **لتصغی** میں لام معنی کے ہے اور **تصغی** بنا ہے **صغو** سے معنی میل یا جھکنا **الیہ** میں **ضمیر** کا مرجع وہی وسوسہ ہے جس کا ذکر پہلے ہوا! **افئدۃ الذین لا یومنون بالاخرۃ** - **افئدہ** جمع ہے **فواد** کی معنی دل- **خیال** رہے کہ یہاں عقل' یا نفس' یا قلب نہیں فرمایا بلکہ فواد فرمایا- کیونکہ نفس امارہ اور عقل انسانی تو کبھی شیطان سے دھوکہ کھا جاتے ہیں' نیک لوگوں کی عقل وغیرہ کبھی ان سے اثر لے لیتی ہے مگر مومن کا فواد کبھی ادھر متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ **قلب اور فواد** دونوں قریبا" ہم معنی ہیں دونوں کے معنی ہیں دل مگر کبھی فواد دل کے اندرونی سطح کو کہتے ہیں۔ خصوصا" دل کا اندرونی سیاہ دانہ جسے حب سوداء کہا جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ مومن کے اندرونی دل میں اللہ تعالیٰ کا نور اس کے حبیب کی الفت رہتی ہے مگر کافر کے دلوں کے اندرون میں شیطان رہتا ہے۔ اس لئے ان کا دلی میلان اس کی طرف ہوتا ہے۔ **الذین** الخ سے مراد سارے کفار ہیں مشرکین ہوں یا دوسرے۔ آخرت سے مراد قیامت اور جنت دوزخ وغیرہ ہیں یعنی ان شیاطین کے وسوسوں کی دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق ہیں کہ کفار انہیں پسند کرتے ہیں اور مومنین ان سے نفرت کرتے ہیں یہ میلان اور نفرت خود ان کے اپنے کفر و ایمان کی علامت ہے **ولیرضوہ** یہ عبارت معطوف ہے **لتصغی** پر اور اس کی تیسری حکمت کا بیان ہے۔ ہ ضمیر اسی وحی کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا یعنی ان وسوسوں کی ڈھیل دینے میں تیسری حکمت یہ ہے کہ کفار ان وسوسوں کو

اپنے لئے پسند کرتے ہیں ان سے راضی ہوتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں میلان ولی اور چیز ہے اور پسند کرنا خوش ہونا دوسری چیز۔ میلان پہلے ہوتا ہے رضا بعد میں اس لئے یہاں پہلے میلان کا ذکر ہوا پھر رضا کا **و لیقترفوا ما هم مقترفون** یہ اس وسوسہ وغیرہ کی چوتھی حکمت کا بیان ہے۔ یہ عبارت معطوف ہے **لیرضوہ** پر۔ اقتراف بنا ہے قرف سے۔ قرف کے معنی ہیں درخت کی چھال یا زخم کی کھال الگ کرنا اب اصطلاح میں کسب کرنے 'کمانے' ظاہری عمل کرنے کو اقتراف کہتے ہیں مگر اس کا استعمال عموماً" برے کام کرنے کے لئے ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔ قرفت فلانا میں نے فلاں کو عیب لگایا (روح المعانی) یعنی ان وسوسوں کا چوتھا نتیجہ یا چوتھی حکمت یہ ہے کہ ان وسوسوں کو کفار مشرکین قبول کرکے ان پر عمل کرتے ہیں اور پھر بد سے بدتر اعمال کرتے ہیں۔ مومنین ان پر لاحول پڑھ کر الگ ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ وسوسے بظاہر بھلے حقیقتہ" برے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں شمع ایمانی منور ہے۔ اس شمع پر رحمت خداوندی کی صاف و شفاف چمنی چڑھی ہے جس کی وجہ سے نہ ان کے دل دنیا کی طرف جاتے ہیں نہ دنیا ان کے دلوں میں آسکتی ہے۔ خیال رہے کہ کبھی تو انسان برائی کی طرف جاتا ہے اور کبھی برائی اس کے پاس پہنچتی ہے۔ چوری کرنے چور نکلا یہ گناہ کے پاس گیا۔ رشوت کا پیسہ گھر بیٹھے آیا یہ گناہ اس کے پاس آیا۔ رب تعالیٰ دونوں سے بچائے۔ نہ بکری بھڑیئے کے پاس جائے نہ بھیڑیا بکری کے پاس آئے۔ جنت دشواریوں سے گھیر دی گئی ہے۔ دوزخ ظاہری ٹیپ ٹاپ سے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے اس سے ملول نہ ہونا چاہئے۔ خیال رہے کہ کسب اور قرف دونوں کے معنی ہیں کمانا مگر کبھی ان میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ اعمال کے کنارہ پر رہ کر عمل کرنا کسب ہے اس میں گھس کر عمل کرنا اقتراف ہے۔ مکھی شہد کے کنارہ رہ کر شہد کھائے تو محفوظ رہتی ہے شہد میں گھس جائے تو ہلاک ہو جاتی ہے۔ مومن گناہ کر لیتا ہے مگر اس سے کنارہ پر رہ کر گناہ اس کے دل میں نہیں آتا مگر نیکی کرتا ہے اس میں گھس کر کہ نماز' روزہ اس کے قلب و قالب دل دماغ اعضاء سب میں سرایت کر جاتے ہیں گویا گناہ کا کسب کرتا ہے۔ نیکی کا اقتراف کافر منافق اس کا عکس ہے کہ وہ اگر نیکی کرتا ہے تو جسم سے نہ کہ دل سے۔ گویا نیکی کا ظاہری کسب کرتا ہے اقتراف نہیں کرتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کفار مکہ وغیرہ آپ کے سخت تر دشمن ہیں ایسے ہی از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام جتنے نبی' رسول' مرسل دنیا میں آئے ہم نے ان کے مقابل دشمن پیدا کئے۔ یہ دشمن انسانی' شیطانی اور جناتی شیطان تھے۔ یہ سارے شیاطین حضرات انبیاء کی عداوت میں برابر کے شریک اور ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ چنانچہ بعض انسانی شیطان دوسرے انسانی شیطانوں کو یونہی بعض جنی شیطان دوسرے جنی اور انسانی شیطانوں کو بطور وسوسہ بری باتیں' برے ہتھکنڈے ملمع کرکے اچھے بنا کر بتاتے سکھاتے ہیں کہ لوگوں کو نبی کی اطاعت سے اس طرح روکو اس تدبیر سے پھیرو ان پالیسیوں میں وہ سب آپس میں متفق ہیں یہ سب کچھ اتفاقاً" نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر رب تعالیٰ یہ نہ چاہتا تو ہرگز نہ ہوتا لہذا آپ ان کی مخالفتوں پر ملول و غمگین نہ ہوں۔ انہیں چھوڑیئے' ان سے منہ موڑیئے' انہیں جھوٹ و افترا کرنے دیجئے۔ آپ اپنا کام کئے جایئے ان مخالفتوں میں ہزار ہا راز ہیں۔ (1) جو کوئی دنیا میں چمکتا اور اونچا ہوتا ہے وہ مخالفین کی مخالفت سے ہی اونچا ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی شان نظر آئی تو ابلیس کی مخالفت سے حضرت ابراہیم' موسیٰ علیہم السلام کی تجلی نمرود اور فرعون کے مقابلہ سے لوگوں نے دیکھی۔ (2) یہ مخالفتیں اور دشمنیاں کھرے کھوٹوں میں فرق کا ذریعہ ہیں کہ کھوٹے لوگ ان مردود جماعت کی طرف مائل ہوتے ہیں' کھرے لوگ ان سے متنفر۔ (3) ان مخالفتوں'

دشمنیوں کی وجہ سے رحمت والے اور لعنت والے دلوں کی چھانٹ ہوتی ہے کہ رحمت والے دل ان دشمنیوں سے سخت ناراض ہوتے ہیں 'لعنتی دل ان سے راضی ہوتے ہیں۔ (4) انہیں مخالفین کی وجہ سے سعید و شقی ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں کہ سعید لوگ ان مخالفین کی سرگرمیوں کے باوجود ہمیشہ نیک کام کرتے ہیں اور بد نصیب لوگ وہی کرتے ہیں جو یہ دشمن ان سے کراتے ہیں۔ جب ہمارا ہی ارادہ یہ ہے کہ دنیا میں دونوں قوتیں ہمیشہ زور آزما رہیں تو آپ ان کی پرواہ کیوں کرتے ہیں آپ بے دھڑک تبلیغ و عبادات میں مشغول رہیں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ و سلم اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا دل میلا نہیں ہونے دیتا گذشتہ نبیوں کے واقعات سنا کر اپنی حکمتیں بتا کر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا غم غلط فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **و کذالک** الخ اور **و لتصغی** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** تمام نبیوں' ولیوں' علماء' صالحین کے دشمن ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔ جس عالم کا کوئی بے دین دشمن نہ ہو وہ عالم خود بے دین ہے کہ اپنے پلپلے پن سے تمام بے دینوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ بے دینوں کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو رب کو راضی کرو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا اچھا کہا۔

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید! ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

یہ فائدہ **لکل نبی** سے حاصل ہوا۔ سانپ انسان کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ یونہی کافر مومن کا کبھی یار نہیں ہو سکتا۔ ان دشمنوں کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو ان سے محفوظ رہنے کی کوشش کرو۔ **تیسرا فائدہ:** جس کے دل میں نبی سے عداوت ہو وہ بحکم قرآن شیطان ہے اگرچہ عالم کی شکل میں ہو یا پیر مرشد کی صورت میں اور اس کی مجلس شیطانی ہے۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس** سے حاصل ہوا اس کے برعکس جس دل میں نبی کی الفت و محبت ہو وہ محبوب رحمان ہے اگرچہ گدڑیوں میں ہو اس کی مجلس رحمانی ہے اس کا کلام اس کے کام سب رحمانی جس کاغذ میں قرآن لکھ دیا جائے اسے انسان چومتے ہیں جس دل میں حب نبی 'الفت رسول نقش ہو اسے فرشتے بوسے دیتے ہیں۔ جن لبوں زبانوں سے ان کی داستان بیان ہو وہ بوسہ گاہ ملائکہ ہیں دشمن رسول کی زبان پر شیطان بولتا ہے خادم رسولوں کی زبان پر رحمان کلام فرماتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفتہ ء او گفتہ ء اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوتھا فائدہ: ابلیس اور اس کی ذریت سارے انسانوں کے دل و دماغ پر تصرف کر سکتے ہیں۔ کہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالیں۔ ان کو سارے انسانوں کی خبر بھی ہے 'ہر ایک پر نظر بھی' ہر ایک کا مقام و درجہ بھی معلوم کہ کون میرے بہکانے میں آئے گا کون نہیں۔ یہ فائدہ **یوحی بعضھم الی بعض** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **انہ یرا کم ھوو قبیلہ من حیث لا ترونھم** شیاطین تم سب انسانوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں تم انہیں نہیں دیکھتے لہٰذا اللہ کے مقبول بندے خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نظر حضور کا تصرف بھی سب پر ہے ورنہ پھر بیماری علاج سے قوی ہو جائے گی۔ شیطان کی نظر فرش پر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نظر فرش پر بھی ہے عرش پر بھی ہے۔ فرماتا ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** اور فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمتہ للعلمین** رحمت قریب ہی چاہئے۔ فرماتا ہے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین**

-**پانچواں فائدہ:** جن وانس کے سوا ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و فرمانبردار ہے 'کوئی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن نہیں۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس والجن** سے حاصل ہوا۔ صرف انسان و جن وہ مخلوق ہیں جن میں نبیوں' ولیوں کے دشمن ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان صرف جنات ہی میں نہیں بلکہ بعض انسان بھی شیطان ہیں۔ یہ فائدہ بھی **شیاطین الانس والجن** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** شیطان جن سے شیطان انس زیادہ خطرناک ہے کہ جن شیطان لاحول سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ خبیث لاحول کیا کسی وظیفہ سے نہیں بھاگتے۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس** کو پہلے فرمانے اور **والجن** کو بعد میں فرمانے سے حاصل ہوا۔ انسانی شیاطین سے بچنے کا صرف ایک ذریعہ ہے ڈنڈا اور ان سے نفرت و بیزاری۔

لطیفہ: ایک شخص نے کسی عالم سے پوچھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ماہ رمضان میں شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس مہینہ میں لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں؟ ان سے گناہ کون کراتا ہے؟ معلوم ہوا حدیث جھوٹی ہے۔ ان عالم نے فوراً جواب دیا تم جیسے شیاطین جب آزاد پھر رہے ہیں تو دنیا میں گناہ کیوں نہ ہوں۔ جناتی شیاطین رمضان میں قید ہوتے ہیں نہ کہ انسانی شیاطین وہ حدیث بالکل درست ہے۔

دوسرا لطیفہ: کسی بے دین نے کہا کہ آدم علیہ السلام ہم کو جنت سے زمین پر لے آئے۔ باپ کی خطاء اولاد بھگت رہی ہے۔ دوسرے نے جواب دیا یہ غلط ہے بلکہ تم جیسے خبیث آدم علیہ السلام کو زمین پر لائے۔ رب جانتا تھا کہ ان کی پشت میں شیاطین انس موجود ہیں اگر آدم علیہ السلام جنت میں رہے تو یہ شیاطین یہاں ہی پیدا ہو جائیں گے۔ فرمایا اے آدم زمین پر جاؤ ان شیاطین کو اپنی پشت سے نکال آؤ پھر تم یہاں ہی آنا۔ **آٹھواں فائدہ:** جو شخص کسی کو خلاف شرع بات کی رغبت دے وہ شیطان ہے خواہ وہ ہمارا عزیز ہو' یا مولوی' یا پیر ہو یا کوئی اور۔ ایسے لوگ ہمارے دشمن ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم**۔ تمہاری بعض بیویاں 'بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے احتیاط کرو۔ **نواں فائدہ:** جیسے بعض انسان صورۃ" انسان ہیں سیرۃ" شیطان ان کی صحبت سراپا نقصان ایسے ہی بعض انسان صورۃ" انسان ہیں سیرۃ" فرشتے ہیں' سراپا نور ہیں۔ ان کی صحبت اکسیر ہے جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام غرضیکہ بعض انسان ناری ہیں بعض نوری۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عکس نور حق ہمہ نوری بود عکس دور از حق ہمہ دوری بود

دسواں فائدہ: کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں کہ خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر مگر اس کی علامت ضرور موجود ہے۔ دل کا کفار کی طرف میلان' ان کی بے دینی کی باتوں پر دھیان خراب خاتمہ کی علامت ہے۔ یونہی دل کا اچھوں کی طرف جھکاؤ' بروں سے نفرت' اچھی باتوں کا قبول کرنا ان شاء اللہ اچھے خاتمہ کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **ولتصغی الیہ افئدۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** شیطان اور شیطانی لوگ برے ہیں مگر رب تعالیٰ کا انہیں پیدا فرمانا برا نہیں ان کی پیدائش میں صدہا حکمتیں ہیں۔ یہ فائدہ **ولتصغی** اور **ولیرضوہ** اور **ولیقترفوا** الخ سے حاصل ہوا ہم شیطان کی پیدائش کی حکمتیں پہلے سیپارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ اس سے دنیاوی دینی نظام قائم ہے۔ **بارہواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ ظاہری اعضاء کو دنیا میں لگائے مگر گوشہ دل میں دنیا کو نہ آنے دے کہ یہ صرف اللہ و رسول کی منزل ہے۔ بروں کی طرف دل کا جھکاؤ خرابی خاتمہ کی

علامت ہے۔ یہ فائدہ **و لتصغی الیہ افئدۃ الذین** الخ سے حاصل ہوا کہ یہاں عقل یا نفس یا قلب ارشاد نہ ہوا۔ **افئدۃ** فرمایا گیا۔ **تیرہواں فائدہ:** گنہگار مومن گناہ کا کسب کرلیتا ہے مگر اس کا اقتراف نہیں کرتا۔ بفضلہ تعالیٰ نیکی کا اقتراف کرتا ہے کہ دل و جان سے اسے اچھا سمجھ کر کرتا ہے کافر نیکی کا کسب کرتا ہے گناہ کا اقتراف۔ کسب اور اقتراف کا فرق ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ یونہی گنہگار مومن اگرچہ گناہ کرلیتا ہے اس کا نفس اس پر خوش بھی ہو جاتا ہے مگر گناہ سے راضی نہیں ہوتا۔ کافر گناہ سے راضی بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **ولیرضوہ** اور **لیقترفوا** سے حاصل ہوا۔ رضا اور خوشی میں بڑا فرق ہے۔ **چودھواں فائدہ:** گناہ کی حمایت کرنا گناہ ہے۔

پہلا اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ جن و انس کے سوا کوئی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن نہیں۔ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عیر پہاڑ ہم سے دشمنی رکھتا ہے۔ دیکھو عیر پہاڑ جو پتھر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن پھر تمہارا یہ کلام کیسے درست ہوا؟ **جواب:** اس حدیث میں عیر پہاڑ کے پتھر مراد نہیں بلکہ وہاں کے باشندے یہودی مراد ہیں۔ محققین محدثین کا یہی قول ہے اور یہودی انسان تھے لہذا ہمارا قول بفضلہ تعالیٰ درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کی تین علامتیں ہیں اس کا دل بروں کی طرف مائل ہوتا ہے' وہ برائیوں سے راضی ہوتا ہے' وہ برے کام کرتا ہے۔ یہ تینوں باتیں بہت سے فاسق مسلمانوں میں موجود ہیں تو کیا وہ سب کافر ہیں۔ **جواب:** یہاں **فوا** اور **اقتراف** فرمایا گیا ہے یعنی کافر کے اندرونی دل میں شیطان کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے مومن کے دل میں یہ بات نہیں ہوتی وہ برائی کرتا ہے تو شرمندہ بھی ہوتا ہے۔ نیز وہ گناہ کا کسب کرلیتا ہے اس کا اقتراف نہیں کرتا۔ دل سے اسے برا جانتا ہے۔ جو مکھی شہد میں اس طرح گرے کہ اس کے پر پاؤں سب شہد میں لتھڑ جائیں مر جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اقتراف گناہ سے بچائے کہ گناہ قلب و قالب میں سما جائے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ دل کے اندرون میں خدا کے سوا کوئی نہ رہے تو کیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ رہیں۔ **جواب:** جیسے بلب یا ٹیوب سے روشنی قائم ہے' سورج سے شعاعیں وابستہ ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے خوف خدا' ایمان' عرفان قائم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے غیر نہیں اگر دل میں وہ نہ ہوں تو نور خدا بھی نہ ہو۔ **چوتھا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام تو اللہ کے محبوب بندے ہیں پھر ان کے لئے دشمن کیوں پیدا کئے اور انہیں دشمنوں میں کیوں رکھا یہ بات تو محبت کے خلاف ہے۔ **جواب:** ان کے دشمنوں کا پیدا فرمانا ان حضرات کی محبوبیت و نورانیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ تاریکی کے بغیر روشنی کی رات کے بغیر دن کی' بھوک کے بغیر سیری کی' پیاس کے بغیر پانی کی قدر معلوم نہیں ہوتی یونہی مردودوں کے بغیر محبوبوں کی پہچان کیسے ہو۔ نیز ان کے بغیر اپنے غیروں' مخلص و منافق کی پہچان کیسے ہو۔ نیز یہ دشمن ہی ان حضرات کے ترقی درجات کا ذریعے ہوتے ہیں۔ ہاں رب تعالیٰ محبوبوں کو دشمنوں میں رکھتا نہیں ان پر غالب فرماتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گزارد ترا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زور اس طرح معلوم ہوا کہ سارے عرب والے آخر کار ایمان لا کر قدموں میں گرے۔ ایک ذات نے دنیا میں رنگ جما دیا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

تندیء باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب   یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کے دشمن ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی دشمن نہیں۔ مسلمان' عیسائی' یہود سبھی آپ کو مانتے اور اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو بھی آپ کو کرشن کہہ کر آپ کا احترام کرتے ہیں۔ **جواب:** آپ کی یہ مقبولیت' محبوبیت آپ کے بعد ظاہر ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے دعا کی تھی **واجعل لی لسان صدق فی الاخرین**۔ اس دعا کا یہ ظہور ہے مگر آپ کی زندگی شریف میں تو خود گھر والے اور نمرود اس کی ساری پولیس و فوج آپ کی دشمن رہی۔ اگر یہ لوگ دشمن نہ ہوتے تو آپ کو آگ میں کون ڈالتا اور آپ ہجرت کیوں کرتے بلکہ اب بھی بعض بدباطنوں نے آپ کے خلاف کتابیں لکھی ہیں لہذا یہ آیت بالکل درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں زخرف القول کیوں ارشاد ہوا باطل قول کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** زخرف کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ والا پالش یا ملمع کیا ہوا کلام کہ جو ہو تو برا مگر بظاہر اچھا معلوم ہو۔ شیاطین کی ہر بات بلکہ ہر کام ایسا ہی ہے کہ لڈو میں زہر ہے۔ بظاہر بہت بھلا' حقیقت میں بہت برا ان کی زبانیں نہایت میٹھی' دل نہایت کڑوے۔ یہ بات باطل کہنے سے حاصل نہ ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا کا نظام اس طرح قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ضدین بلکہ اضداد چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور ہم کو حکم دیا ہے کہ بعض ضدوں کو بعض سے توڑو بلکہ قدرتی طور پر بھی بعض' بعض سے ٹوٹتی ہیں اسی توڑ سے یہ نظام قائم ہے دیکھو قدرت رات کو دن سے' اندھیرے کو اجیالے سے' گرمی کو سردی سے' خشکی کو سردی سے توڑتی ہے۔ ہم کو حکم ہے کہ بھوک کو غذا سے' پیاس کو پانی سے' مرض کو علاج سے توڑتے رہو قائم رہو گے۔ اسی طرح عالم روحانیت میں گناہوں کو توبہ سے کفر کو ایمان سے غفلت کو بیداری سے' جفا کو وفا سے' ریا کو اخلاص سے توڑتے رہو سلامت رہو گے۔ غرضیکہ متقابل چیزوں سے نظام عالم قائم فرمایا ہے تو سمجھ لو کہ نبوت کی ضد ہے شیطنت نبی کے مقابل رہتے ہیں شیطان۔ شیطان کبھی نور نبوت والوں سے راضی ہو سکتا ہی نہیں۔ پھر جس قدر نبی شاندار اس قدر اسی کے مقابل شیاطین سخت ترین ہوتے ہیں اگر رب چاہتا تو ایسا نہ ہوتا مگر چونکہ اس نے عالم روحانیات کا نظام قائم رکھنا تھا اسی لئے یہ نظام قائم کیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا رسی کے لئے بہت سی سواریاں ہیں۔ عبادات' ریاضات' درستی معاملات سب اس راستے کی سواریاں ہیں مگر آفات' بلیات پر صبر' دشمنوں کا مقابلہ بہت ہی تیز سواری ہے جو طالب کو مولیٰ تک بہت جلد پہنچاتی ہے۔ حضرت حسین میدان کربلا میں تین دن میں بلاؤں کی سواری پر سوار ہو کر وہاں پہنچے جہاں برسوں کی عبادات' ریاضات سے نہ پہنچ سکتے تھے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ شیاطین انس ہمارے نفس امارہ ہیں یہ تمام دشمنوں سے سخت تر دشمن ہیں ان کے مقابل شیطان جن اور اس کے فریب بہت ہلکے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ان کید الشیطان کان ضعیفا** اور فرماتا ہے **ان کید کن عظیم** دیکھو شیطان کے مکر کو ضعیف فرمایا اور شیطانی عورتوں کے مکر کو عظیم کہا۔ حضرات اولیاء اللہ کے دشمن جس قدر سخت دشمنی کرتے ہیں اسی قدر ان کا ایمان قوی ہوتا ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

وفا کنیم ملامت کشیم و خوش باشیم　　　که در طریقت ما کافری است رنجیدن

خیال رہے کہ بری نظر' حرام کلام' حرام طعام' لوگوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط سے شیطان انسان پر غلبہ کرتا ہے اور آنکھوں کے آنسو دل میں خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ وہ ہتھیار ہیں جن سے ابلیس شکست فاش پاتا ہے۔ خلوت' خاموشی' حلال نظر' حلال غذا شیطان سے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلب کی شکل صنوبری ہے جیسے گلاب کی کلی اس کے اندرونی

حصہ میں ایک سیاہ دانہ ہے جسے حب سوداء کہتے ہیں اس دانہ اور اندرونی حصہ کو فواد کہا جاتا ہے اگر کسی شے کی محبت اوپری دل سے ہو تو وہ فنا ہو سکتی ہے مگر جس کی محبت فواد یعنی حب سوداء میں اتر جائے وہ کسی چیز سے نہیں نکلتی۔ مومن کے ہاتھ پاؤں' آنکھ' کان بلکہ کبھی قلب کا اوپری حصہ گنہگار ہو سکتا ہے مگر مومن کے فواد میں برے عقیدے' بروں کی محبت داخل نہیں ہوتی کہ وہاں تو اللہ و رسول رہتے ہیں۔ جہاں گھر والا ہو وہاں کوڑا کچرا نہیں رہتا۔ اسی لئے یہاں **افئدۃ** ارشاد ہوا کہ کفار کے اندرونی دل شیطان کی طرف مائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا **لا تخذت ابا بکر خلیلا**"۔ یہاں بھی خلت سے مراد وہ فواد والی محبت ہے۔ خدا کرے فواد میں یار ہی رہے۔ انسان کو تین نفس عطا ہوئے ہیں۔ نفس امارہ جو مست گھوڑے کی طرح ہے اس کے منہ میں شریعت کی لگام دو۔ دوسرا نفس لوامہ جو گناہ پر ملامت کرتا ہے۔ تیسرا نفس مطمئنہ۔ مومن نفس امارہ کو اپنے قابو میں رکھتا ہے اور نفس مطمئنہ کے قابو میں خود رہتا ہے۔ کافر اس کے برعکس۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا

کیا پس غیر خدا کو تلاش کروں میں پنچ اور وہ وہ ہے جس نے اتاری طرف تمہارے یہ کتاب تفصیل کی ہوئی

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا

اور وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب جانتے ہیں کہ بیشک وہ اتارا ہوا ہے طرف سے رب تمہارے کے حق کے

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے سننے والے

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا

کے ساتھ پس ہرگز نہ ہو تم تو شک کرنیوالوں میں سے اور پورا ہو گیا تمہارے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف میں نہیں

تو ہرگز شک لانے والوں میں سے نہ ہو اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں

مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ج وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾

ہے بدلنے والا کوئی اس کے کلموں کو اور وہ سننے والا جاننے والا ہے

اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ضد و ہٹ دھرمی سے اپنے منہ مانگے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں' ان کے یہ مطالبے قابل قبول نہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار اپنے پیش کردہ لوگوں سے حقانیت اسلام پر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں سے کہلوا دو کہ اسلام حق ہے ان کا یہ مطالبہ بھی

قابل قبول نہیں۔ گویا معجزات کے غلط مطالبوں کے بعد غلط فیصلوں کے مطالبوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیاطین انس ایک دوسرے کی سنتے مانتے قبول کرتے ہیں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ دیکھو کفار مکہ بے ایمانوں کو اپنا اور آپ کا پنچ بنانا چاہتے ہیں' آپ سے اور مسلمانوں سے بھاگتے ہیں۔ گویا پہلے ایک دعویٰ تھا اور اب اس کا زندہ ثبوت ہے۔ کفار مکہ عقیدۃ" یہاں یہود و نصاریٰ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمانوں کے' مگر مسلمانوں کی دشمنی میں انہیں ایسے بدترین دشمنوں سے ملنا ان کی مدد لینا منظور تھا۔ آج یورپ کے عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی مدد کر رہے ہیں حالانکہ بمقابلہ یہود کے مسلمان ان سے مذہبا" قریب ہیں کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب مریم کو گالیاں دیتے بہتان لگاتے ہیں۔ یہود نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی تھی' بلکہ عیسائیوں کے عقیدے میں انہیں نہایت ذلت سے سولی دے دی۔ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی ان کی والدہ کو اللہ کی ولیہ مانتے ہیں۔ یہ ہے اس حدیث کی شرح کہ **الکفر ملۃ واحدۃ** - **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے محبوب ان کفار کو ان کی افتراء پردازیوں کو آپ قابل توجہ نہ قرار دیں' اب ان افتراپردازیوں کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ گویا اجمال کے بعد قدرے تفصیل ہے تاکہ اسی اجمال کا نقشہ نظر آجائے۔

شان نزول: ایک بار قریش کے سرداروں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کہتے ہیں کہ آپ نبی ہیں' اسلام سچا دین ہے۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے' ہم ان چیزوں کے انکاری ہیں تو آیئے ہم اور آپ اس کا فیصلہ یہود و نصاریٰ کے پوپ و پادریوں سے کرالیں۔ یہ لوگ نہ ہمارے ہم مذہب ہیں نہ آپ کے۔ نیز ان لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم بھی ہے اگر وہ آپ کی تصدیق کردیں تو ہم آپ کے تمام دعووں کو مان لیں اور اگر وہ آپ کے دعووں کو جھٹلادیں تو آپ ان دعووں سے دست بردار ہو جائیں ہمارا آپ کا جھگڑا ختم ہو جائے گا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان پوپ پادریوں کو رشوت دے کر اور انہیں یہ بتا کر کہ اسلام ہمارے تمہارے دونوں کے خلاف ہے اس کا خاتمہ کرو' اسلام کے خلاف فیصلہ کرالیں۔ تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' خزائن' روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر: **افغیر اللہ ابتغی حکما**" - یہ علیحدہ مستقل کلام ہے۔ جس میں اولا" قل پوشیدہ ہے اور قل میں خطاب انہیں مشرکین مکہ سے ہے۔ جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پنچ بنانے کی درخواست کی تھی۔ قل میں خطاب کی آٹھ نوعیتیں ہوتی ہیں کسی خاص صحابی سے خطاب' عام صحابہ سے خطاب' تاقیامت مومنین سے خطاب' سارے انسانوں سے خطاب' تمام جن و انس سے خطاب' ساری مخلوق سے خطاب' کسی خاص قوم سے خطاب' تاقیامت سارے کفار سے خطاب۔ یہاں ساتویں نوعیت کا خطاب ہے۔ ہم آج لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ بڑی جماعت سے خطاب کرتے ہیں۔ ریڈیو پر بیٹھ کر ساری دنیا سے خطاب کرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام نبوت کے ریڈیو کے ذریعہ موجودین اور غیر موجودین تاقیامت کے لوگوں سے خطاب کرلیتے ہیں۔ ان کا ریڈیو غیر موجودین کو بھی ان کا کلام پہنچادیتا ہے۔ حضرت خلیل نے ایک بار پکار دیا کہ اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ۔ تاقیامت ان کے خطاب کا جواب حاجی لوگ لبیک لبیک سے دے رہے ہیں یعنی حاضر جناب۔ یہاں ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے۔ **ف** عاطفہ ہے اس میں معطوف علیہ پوشیدہ ہے۔ یعنی **امل الی زخارف الشیطان یا اعدل**

عن الحق غیر عربی میں تین معنی میں آتا ہے۔(1) سواء 'خواہ کوئی ہو اپنا یا پرایا۔(2) غیریت والا یعنی اجنبی پرایا جیسے کہا جائے کہ یہ ہمارا اپنا ہے یہ غیر۔(3) دشمن یا مخالف۔ یہاں تو دوسرے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں۔ پہلے معنی میں نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور یہود مدینہ کے درمیان حضرت سعد ابن معاذ کو حکم بنایا تھا۔ نیز قرآن مجید فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما" من اھلہ و حکما من اھلھا** نیز ایک موقعہ پر حضرت علی نے ابو موسیٰ اشعری کو اور حضرت معاویہ نے جناب عمرو ابن عاص کو حکم بنایا تھا۔ لہذا یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن یہود وغیرہ ہیں۔ ابتغی بنا ہے **ابتغاء** جس کا مادہ **بغی** ہے نہ کہ بغاوۃ۔ ابتغاء کے معنی ہیں تلاش کرنا ڈھونڈنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یہاں بمعنی چاہنا اختیار کرنا پسند کرنا۔ **حکما** بنا ہے حکم یا حکومت سے بمعنی فیصلہ۔ خیال رہے کہ حاکم اور حکم دونوں کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والا۔ مگر ان دونوں لفظوں میں چند طرح فرق ہے۔(1) حاکم عام لوگوں کا فیصلہ کرنے والا' حکم خاص خاص کا فیصلہ کرنے والا۔(2) حاکم وہ فیصلہ کرنے والا جسے سلطنت نے اس کام کے لئے منتخب کیا ہو۔ حکم وہ جسے اپنے فیصلہ کے لئے دو شخصوں نے منتخب کرلیا ہو یعنی پنچ' حاکم ہر طرح کا فیصلہ کردینے والا حق ہو یا باطل مگر حکم حق فیصلہ کرنے والا۔ حاکم مطلقاً فیصلہ کرنے والا ایک بار ہو یا چند بار' مگر حکم بار بار فیصلہ کرنے والا۔ کیونکہ حاکم اسم فاعل ہے اور حکم صفت مشبہ۔ حکم صرف فیصلہ کرنے والا حاکم بزور حکومت فیصلہ کرنے والا اور اپنے فیصلہ کو زور سے منوانے والا۔(از روح المعانی)۔ یعنی اے بیوقوفو کیا میں شیاطین کی طرف مائل ہو جاؤں' حق سے پھر جاؤں اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا پنچ مان لوں۔ **وھو الذی انزل الیکم الکتاب** چونکہ گزشتہ جملہ میں اشارہ فرمایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے میرے نبی ہونے کا فیصلہ فرمادیا ہے تو اب کسی اور کو میں کیسے پنچ بناؤں۔ اب ارشاد ہوا کہ رب کا فیصلہ میری نبوت کے متعلق یہ ہے کہ اس نے مجھ پر قرآن اتارا جیسے یونیورسٹی کی سند اس محکمہ کی گواہی ہوتی ہے ایسے ہی قرآن مجید میری نبوت کی سند ہے۔ یہ عبارت گزشتہ مضمون کا حال ہے۔ لہذا اس میں واؤ حالیہ ہے۔ **ھو** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے چونکہ وہ ذات کریم جانی پہچانی ہے اسی لئے بغیر ذکر بھی اس کی ضمیر آسکتی ہے یہاں تو لفظ اللہ مذکور ہے۔ **انزل** بمعنی نزل ہے کیونکہ قرآن مجید آہستہ آہستہ تیس سال میں نازل ہوا۔ **الیکم** میں انہیں کفار مکہ سے خطاب ہے جنہوں نے یہ عرض و معروض کی تھی چونکہ قرآن مجید کفار کو ایمان کی ہدایت دینے آیا ہے' اس لئے یہاں **الیکم** فرمایا گیا **الکتاب** سے مراد قرآن مجید ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سارے کے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی زبانی گواہی ہے مگر قرآن مجید وہ معجزہ ہے جو قیامت تک لوگ دیکھتے رہیں گے۔ دوسرے معجزے اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھے اس لئے خصوصیت سے یہاں اس کا ذکر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن مجید مظہر قدرت الٰہی ہیں اس لئے ان کے لئے **ھو الذی** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ نزول قرآن کی انتہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول کا منتہا ہیں۔ تبلیغ و اشاعت کا مبداء آپ تک قرآن آیا۔ آپ سے دنیا میں پھیلا' جاری ہوا' آپ کے ذریعہ اس پر عمل ہوا اور مسلمانوں کی ہدایت اعمال کے لئے آیا' کفار کی ہدایت ایمان کے لئے آیا اس لئے کہیں انزل کے بعد **الیک** فرمایا جاتا ہے' کہیں مسلمانوں سے **الیکم** فرمایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا معجزہ ہونا اب بھی دیکھا جارہا ہے جیسے سمندر کے موتی ختم نہیں ہوتے ایسے ہی قرآن کے نکات ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اس کی لاکھوں تفسیریں لکھی گئیں مگر کوئی مفسر یہ دعوٰی نہیں کرسکا کہ میں قرآن کی تہ تک پہنچ گیا نیز یہ بغیر سمجھے لذت دیتا ہے' ہزاروں دفعہ پڑھو پرانا نہیں ہوتا۔ ہر بار بے شمار لذتیں بخشتا ہے ان وجوہ سے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم کا معجزہ اعظم ہے **مفصلا** " یہ الکتاب کا حال ہے بناہے تفصیل سے جس کا مادہ ہے فصل ' بمعنی جدائی۔ یا تو اس کے معنی ہیں بعض آیات بعض سے نزول میں الگ۔ یعنی یہ کتاب یکدم نہیں اتری بلکہ تیئس سال میں اتری یا اس کے معنی ہیں کہ اس میں حق و باطل ' حلال و حرام ' ایمان و کفر وغیرہ تمام عقائد و احکام الگ الگ تفصیل وار بیان فرمادیئے گئے اس صورت میں یہ مجمل کا مقابل ہے۔ دوسرے معنی قوی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم میرے متعلق حکم و پنچ تلاش کرتے ہو اللہ تعالیٰ میری نبوت کی حقانیت کا فیصلہ فرماچکا کہ اس نے مجھ پر یہ کتاب معجزہ بنا کر اتاری اس کتاب کا اتارنا رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ جب کتاب ایسی اعلیٰ ہے تو سوچ لو کہ کتاب والا محبوب کیسا اعلیٰ شاندار ہو گا' صلی اللہ علیہ وسلم۔ خلاصہ یہ ہے کہ **مفصلا**" کے دو معنی ہیں الگ الگ کی ہوئی کتاب جو دوسری کتابوں کی طرح یکدم نہ آئی بلکہ تیئس سال میں آیت آیت ہو کر آئی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو دو قسم کے معجزے عطا فرمائے ایک تو محض وقتی جیسے حضرت صالح کی اونٹنی ' عیسیٰ علیہ السلام کو غیبی دستر خوان یا حضرت یوشع کے لئے سورج ٹھہرا۔ دوسرے وہ جن کی عطا وقتی مگر ان کی بقاء عرصہ تک جیسے عصاء موسوی اور ید بیضاء کہ عطا ایک بار ہو گئی مگر اس کا استعمال زندگی بھر۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض معجزے وقتی دیئے گئے جیسے چاند چرنا' سورج کا واپس ہونا وغیرہ بعض تاحین حیات دائمی جیسے جسم پاک کا بے سایہ ہونا' معطر ہونا۔ مگر قرآن وہ معجزہ ہے۔ جس کی عطا دائمی کہ اخیر تک آتا رہا اور بقاء بھی دائمی کیا قیامت بلکہ جنت میں بھی رہے گا۔ لہٰذا یہ معجزہ مفصل ہے۔ یا مفصل کے معنی ہیں تفصیل دار کتاب جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرتا قدم حلیہ کا مختلف آیات میں ذکر' آپ کی سیرت کی تفصیل ' آپ کی ہر ادا کی تفصیل حتیٰ کہ آپ کے چلنے پھرنے ' سونے جاگنے ' آپ کے ہاں دعوت کھانے ' آپ کے ساتھ چلنے ' آپ کے پاس گفتگو کرنے کے آداب کی تفصیل ہے لہٰذا یہ کتاب مفصل ہے اس کے ہوتے کس کے فیصلہ کی خواہش کی جائے۔ رب تعالیٰ نے دوسرا فیصلہ یہ فرمایا ہے **والذین اتینا ھم الکتاب** حق یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے۔ پہلے جملہ پر معطوف نہیں بلکہ علیحدہ ہے **الذین** سے مراد یہود و نصاریٰ کے علماء مومنین ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کتاب سے مراد توریت و انجیل ہے۔ کتاب دینے سے مراد ان کتابوں کی سچی فہم ' صحیح علم دینا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **الذین** سے مراد بدر و احد کے غازی صحابہ ہیں اور کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ (تفسیر روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ خیال رہے کہ کسی کو کتاب اللہ کے صرف الفاظ ملتے ہیں ' کسی کو صرف معانی ' کسی کو صرف احکام اور کسی کو نور کتاب۔ جسے نور کتاب مل گیا وہی بڑا خوش نصیب ہے ' وہی یہاں مراد ہے اور نورانیت کتاب صرف زبانی پڑھنے سے نہیں ملتی یہ عطا ربانی ہے۔ اسی لئے **اتینا** فرمایا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

علم و حکمت از کتب دیں از نظر   دیں مجو اندر کتب اے بے خبر

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس سوال کے جواب کا پہلے ہی انتظام فرمایا تھا کہ بچپن شریف میں یہودیوں کے بڑے پوپ ' مانے ہوئے درویش بحیرہ راہب کی گواہی سب کے سامنے دلوادی ' پھر نبوت کی ابتداء ہوتے ہی ورقہ ابن نوفل جو قرشی اور انجیل کے ماہر عالم تھے ان کی گواہی دلوادی اور یہ گواہیاں سب مکہ والوں نے دیکھ لیں ' سن لیں نیز اطراف مکہ معظمہ میں پوپوں پادریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دھوم مچادی تھی۔ اب کفار مکہ کا یہ مطالبہ بالکل بے معنی تھا۔ عبداللہ ابن سلام وغیرہ کی گواہیاں بھی اس وقت موجود تھیں جن کا ظہور بعد ہجرت ہوا۔ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

لئے عجیب و غریب پروگرام پہلے ہی بنا دیا تھا یہ پیش بندی پہلے ہی کی جا چکی تھی۔ **یعلمون انہ منزل من ربک**۔ یہ عبارت
الذین کی خبر ہے علم سے مراد صرف جاننا نہیں بلکہ جاننا مع ماننے کے مراد ہے ورنہ صرف جاننا تو تمام مشرکین کو حاصل تھا۔
یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم' ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ من ربک فرمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار
ہے یعنی اس اللہ نے قرآن اتارا جو آپ کا رب ہے اور آپ کے ذریعہ تمام مخلوق کا رب۔ چونکہ قرآن مجید کا اتارنا روحانی
ربوبیت کا اظہار ہے اس لئے یہاں **من ربک** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ جیسے رب تعالیٰ کا پیدا فرمایا ہوا دودھ ہم کو ماں کے سینے
سے ملتا ہے تو وہ ہماری مربیہ ہوتی ہے اس کے احسان کا بدلہ ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قرآن 'ایمان عرفان'
ایقان ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے و زبان سے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں ماں نے صرف دو
سال دودھ پلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہم کو اس زندگی میں' قبر میں' حشر میں برابر ملتا ہے اور ملتا رہے گا لہٰذا **من
ربک** فرمانا بالکل درست ہے۔ **بالحق** یہ عبارت ملتبساً" کے متعلق ہو کر منزل کی ضمیر سے حال مؤکدہ ہے حق اور صدق کے
فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یعنی ہم نے جن علماء اہل کتاب کو آسمانی کتب کا صحیح علم دیا ہے وہ یقین سے جانتے ہیں کہ قرآن کریم
اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچائی کے ساتھ اترا ہے۔ بالحق میں دو چیزیں قابل غور ہیں ایک تو الصاق کی ب دوسرے حق کے معنی۔
ب نے بتایا کہ حق قرآن کے ساتھ وابستہ ہے جہاں قرآن وہاں حق جیسے گرمی آگ سے وابستہ ہے تو اگر آگ گھر میں ہے تو گرمی
گھر میں' اگر دکان پر ہے تو گرمی دکان میں۔ یونہی روشنی سورج کے ساتھ وابستہ ہے تو جس وقت جس ملک میں سورج کا طلوع
وہاں ہی دن کا ظہور۔ یونہی جہاں قرآن وہاں حق۔ لہٰذا قرآن سچا جس رب نے قرآن بھیجا وہ رب سچا جو فرشتہ قرآن لایا وہ سچا۔
جس نبی نے قرآن لیا وہ نبی سچا' جن صحابہ نے قرآن جمع کیا اور پھیلایا وہ سب سچے تاقیامت تمام حافظ' قاری' عالم' صوفی جو صحیح
معنی میں قرآن کی خدمت کریں وہ سب سچے۔ جو مومنین قرآن کریم پر عمل کریں وہ سب سچے بلکہ یوں کہو کہ جس زبان میں
قرآن اترا وہ زبان حق جس ماہ یعنی رمضان میں قرآن آیا وہ مہینہ سچا۔ جس سرزمین پاک یعنی زمین حرمین طیبین میں قرآن آیا وہ
سرزمین حق جو زبان عقیدت سے قرآن پڑھے وہ زبان حق جس سینہ میں قرآن رہے وہ سینہ حق کا گنجینہ۔ غرضیکہ قرآن کریم
سے حق ایسا وابستہ ہے۔ جیسے سورج کے ساتھ روشنی وابستہ۔ اب پڑھو **انہ منزل من ربک بالحق**۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن
کے ساتھ وابستہ رکھے۔ حق کے تین معنی ہیں زائل کا مقابل یعنی لازوال' باطل کا مقابل یعنی سچ' لغو کا مقابل یعنی حکمت والا۔
قرآن کتاب لازوال ناقابل نسخ ہے تو چاہئے تھا کہ وہ نبی لازوال پر نازل ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ سارے صفات
ابدی ہیں لازوال ہیں بلکہ جس کے سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھ دیں وہ لازوال بن جائے تو قرآن حضور صلی اللہ علیہ
وسلم پر آیا کسی اور نبی پر نہ آیا کیونکہ ان کی نبوتیں قابل زوال' قابل نسخ تھیں' لازوال کتاب ان پر کیسے آتی۔ نیز قرآن ہے
لامحدود اور ان کی نبوتیں تھیں محدود' لامحدود کتاب لامحدود نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی آ سکتی ہے۔ نیز قرآن سچا کہ جو قرآن
کہہ دے وہی ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی سچی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل جائے وہی ہو
جائے۔ سراقہ سے ہجرت کے راستہ میں فرمایا کہ تم کو شاہ فارس کے سونے کے کنگن دیئے ایسا ہی ہوا۔ خندق کھودتے ہوئے فرمایا
کہ مجھے روم و کسریٰ کے خزانے ملے ایسا ہی ہوا تو حق پر حق آیا **فلا تکونن من الممترین** یہ جملہ پچھلی عبارت پر مرتب ہے
لہٰذا اس میں **ف** ترتیب کی ہے اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

اور اس کا تعلق یعلمون انہ الخ سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقین فرمادیں اس میں کچھ تردد وشک نہ کریں کہ علماء اہل کتاب قرآن مجید کی حقانیت اس کے کتاب الٰہی ہونے کو یقین سے جانتے ہیں حتی کہ ان کے منکرین بھی صرف زبان سے انکار کرتے ہیں دل ان کے مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب تاقیامت قرآن پڑھنے والے سے ہے۔ اس کا تعلق **منزل من ربک** سے ہے یعنی اے قرآن پڑھنے والے تو اس میں شک نہ کر بلکہ شک کرنے والی جماعت سے نہ ہو کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے حق ہے یا اس میں خطاب ان کفار سے جو حکم قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے یعنی اے حکم کا مطالبہ کرنے والے کافر تو قرآن کی حقانیت میں شک نہ کر۔ قرآن اپنی حقانیت کی آپ ہی دلیل ہے پھر علماء اہل کتاب کا اسے جاننا پہچاننا اس کی دلیل ہے اتنے قوی دلائل کے ہوتے ہوئے اب کسی شک کی گنجائش نہیں **و تمت کلمۃ ربک صدقا" و عدلا"** یہ جملہ نیا ہے جس میں قرآن مجید کی حقانیت کی تیسری دلیل دی گئی۔ پہلی دو دلیلیں خارجی اوصاف سے دی گئی تھیں یہ دلیل ذاتی دی گئی اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ کا ذکر ہو جیسا کہ ہم تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے کہ کلمۃ ربک سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا کتاب کی عظمت بتانے کے بعد صاحب کتاب معلم کتاب کی عظمت بیان ہوئی کہ بڑی کتاب کا پڑھانے والا بڑا عالم ہی ہوتا ہے۔ قیمتی نازک چیز اعلیٰ درجہ کے برتن میں ہی رکھی جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ چاروں صفات جو یہاں مذکور ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ **تمت** بنا ہے تمام سے۔ کمال کے معنی ہیں ذات کا پورا ہونا تمام کے معنی ہیں صفات کا پورا ہونا مکان کی دیواریں چھت وغیرہ بن گئیں تو مکان کامل ہو گیا مگر جب اس کا پلاستر ہو گیا رنگ روغن، بجلی کی فٹنگ ہو گئی تو مکان تمام ہو گیا ان شاء اللہ اس کی تحقیق اس آیت میں کی جائے گی۔ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی**۔ ہماری قرأت میں کلمہ واحد ہے بعض قراتوں میں کلمات جمع ہے۔ کلمۃ سے مراد پورا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں ایک لفظ کو بھی کلمہ کہا گیا ہے۔ پورے قرآن مجید کو بھی' دین اسلام کو بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی۔ عربی شعراء پورے قصیدے کو کلمہ کہا کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و کلمۃ اللہ ھی العلیا**۔ اور فرماتا ہے **و کلمتہ القاھا الی مریم** چونکہ قرآن مجید کا ایک ایک کلمہ حق ہے اور یہ سارا حقانیت میں ایک ہی کلمہ کی طرح ہے اس لئے اسے کلمہ فرمایا گیا ہم لوگ کہتے ہیں پہلا کلمہ طیب' دوسرا کلمہ شہادت' تیسرا کلمہ تمجید۔ یہ تمام کلمے پورے جملے بلکہ جملوں کا مجموعہ ہیں مگر انہیں کلمہ کہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں **کلمۃ اللہ** یعنی قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی صفت تمت تمام کے معنی میں قرآن کریم کا فصاحت بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہونا لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی ہونا کہ اس کے ہوتے وہ اب کسی کتاب کے محتاج نہیں۔ جیسے سورج کے ہوتے کسی چراغ کی حاجت نہیں۔ اس میں عقائد و اعمال کا پورا پورا بیان ہے' یہ قابل نسخ نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و اتممت علیکم نعمتی** یعنی توریت و انجیل کے بعد اور آسمانی کتاب کا انتظار تھا مگر قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کا انتظار نہیں دوسری اور تیسری صفات میں صدقا" و عدلا" یہ دونوں کلمۃ ربک کا حال ہیں۔ صدق بمعنی صادق ہے اور عدل بمعنی عادل۔ قرآن کریم نے گذشتہ نبیوں قوموں کے واقعات کی بھی خبریں دی ہیں اور آئندہ واقعات قیامت جنت دوزخ ثواب و عذاب کی بھی خبریں دیں۔ ان خبروں میں وہ صادق بلکہ سراپا صدق ہے اور قرآن نے احکام و قوانین بھی نافذ کئے ان قوانین میں وہ عادل بلکہ سراپا عدل و انصاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے سچے یا عادل نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کا جھوٹ یا ظلم لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا جھوٹ یا ظلم بالکل ناممکن'

لہٰذا قرآن کریم کا جھوٹا ظالم ہونا ناممکن (تفسیر کبیر) قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کی خبریں دیں گزشتہ واقعات اور گزشتہ نبیوں وغیرہم کی موجودہ زمانہ کی اور آئندہ کی تاقیامت یہ تینوں خبریں درست و سچی تھیں۔ جب ماضی اور حال کی تمام خبریں سچی ہیں تو یقین کرلو کہ آئندہ کی خبریں بھی بالکل درست اور سچی ہیں **لا مبدل لکلماتہ** یہ قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہاں **کلماتہ** سے مراد بھی قرآن مجید ہی ہے چونکہ قرآن کریم میں خبریں احکام مثالیں اللہ کی ذات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی شانیں۔ غرضیکہ بہت مضامین کا بیان ہے لہٰذا وہ کلمات اللہ بھی ہے۔ **لا مبدل** کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس میں ردوبدل نہیں کرسکتا جیسے پچھلی کتابوں میں کیا گیا۔ نیز اب اسے کوئی کتاب یا کوئی نبی منسوخ نہیں کرسکتا یہ قیامت تک باقی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاقیامت یا تبش داریم ما   تومترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ

لہٰذا یہ بالکل درست ہے کہ کلمات اللہ یعنی قرآن مجید کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات اللہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں کہ میثاق کے دن جو فیصلے ہو چکے ہیں انہیں کوئی بدلنے والا نہیں۔ دیکھ لو کہ فرعون نے سارا زور لگایا کہ موسیٰ علیہ السلام دنیا میں نہ آنے پائیں مگر وہ آگئے۔ نمرود نے چاہا کہ جناب خلیل نہ آئیں مگر وہ بھی تشریف لے آئے۔ یہود نے چاہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری نہ ہو حضرت عبداللہ کو ہی قتل کردیا جائے مگر ناکام رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا مگر رسوا ہوئے جو پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزشتہ کتابوں میں تھی ان کا بدلنے والا کوئی نہیں۔ یہود نے تحریفیں کیں مگر کچھ نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے اوصاف مذکور تھے۔ وہ بھی پورے ہوئے۔ بیت المقدس فتح ہوا فاروق اعظم کے حلیہ اور اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے داخل ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ سب اس کی تفسیریں ہیں۔ عشاق کے نزدیک کلمۃ اللہ اور کلمات اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان شاءاللہ یہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جائے گا۔ خیال رہے کہ نبوت اصل ہے دین احکام کتاب ولایت وغیرہ شاخیں پھل پھول ہیں۔ چونکہ گزشتہ نبیوں کی نبوتیں قابل نسخ تھیں اس لئے ان کے دین ان کی کتابیں توریت و انجیل وغیرہ قابل نسخ تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قابل نسخ نہیں اس لئے آپ کا دین قرآن مسلمانوں سے ولایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و احکام کوئی چیز قابل نسخ نہیں **لا مبدل لکلماتہ** اللہ تعالیٰ حضور کا صلی اللہ علیہ وسلم حافظ و ناصر ہے **واللہ یعصمک من الناس** ایسے ہی قرآن کا دین کا بلکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو جائے اس کا حافظ و ناصر ہے۔ **وانا لہ لحافظون**۔ دنیا کی دولت عزت شہرت حکومت وغیرہ ہماری غذا لباس مکان بلکہ نام و کام بلکہ دوستوں کو بدل دیتے ہیں کہ غریبی کے دوست اور ہوتے ہیں امیری کے دوست دوسرے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ کو اللہ نے یہ ساری چیزیں عطا فرمائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز نہ بدلی۔ فتح مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹوٹے گھر جو کی روٹی پیوند والے کمبل کو نہ بدل سکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست وہی حضرت بلال اور ابن ام کلثوم رہے۔ نیز بچپن جوانی بڑھاپے میں انسان بدلتا رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان ہے کہ ان حالات میں بھی نہیں بدلے۔ بچپن شریف میں غفلت جوانی میں جوش وغیرہ قریب نہ آئے بلکہ جس کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر کرم سے دیکھ لیں وہ بدلنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

چرخ بدلے دھر بدلے تم بدلنے سے وراء ہو!

اپنی حیات و وفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بدلے بلکہ ہمارے حالات بدلے۔ڈوب جانے پر سورج نہیں بدلتا زمین کا حال بدلتا ہے یونہی سویرا' دوپہر' شام' سردی' گرمی میں سورج نہیں بدلتا زمین کے حالات بدلتے ہیں ان کی حیات وفات کی حقیقت یہ ہے۔

یہ دونوں گھر انہیں کے ہیں جہاں جی چاہا جا بیٹھے کبھی اس گھر میں جا بیٹھے کبھی اس گھر میں آ بیٹھے

علماء فرماتے ہیں کہ نظام میں تبدیلی ہو سکتی ہے مگر جس سے نظام قائم ہو اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔درخت کے پتے پھل پھول شاخوں میں کاٹ چھانٹ ہوتی رہتی ہے کہ یہ نظام ہے مگر جڑ میں کاٹ چھانٹ نہیں ہو سکتی کہ اس سے نظام کا قیام ہے۔ جسم کے ناخن' بال وغیرہ بلکہ کھال اور اعضاء جسم میں کتربیونت ہوتی رہتی ہے کہ یہ نظام ہے مگر دل میں تبدیلی تغیر نہیں ہوتا۔ عالم اسفلیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔جنگل آبادیوں میں آبادیاں جنگلات میں بدل جاتے ہیں مگر سورج میں نہ تبدیلی ہو نہ تغیر کیونکہ اس سے عالم کا نظام قائم ہے۔سارے انبیاء' ان کی کتب روحانی نظام تھے ان میں تبدیلی ہوتی رہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام کے بقاء و قیام کا ذریعہ ہیں۔لہذا نہ آپ میں تبدیلی ہو نہ آپ کی صفات و دین میں۔**وھو السمیع العلیم** یہ جملہ نیا ہے۔جس میں ان مطالبہ کرنے والوں کا بلیغ رد ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی باتیں سننے والا بھی ہے ان کے حالات جاننے والا بھی اس نے اسلام کی حقانیت کا فیصلہ فرما دیا اب بتاؤ کہ اس سے بڑھ کر کون ہے۔جسے حکم بنایا جائے ان دو لفظوں میں یہ بتایا کہ ہماری عطا پر اعتراض نہ کرو ہم نے جسے جو دیا جان کر دیا' حکمت سے دیا جنہیں خلیل بنایا وہ اسی لائق تھے جنہیں کلیم کا درجہ دیا وہ اسی لائق تھے مگر جنہیں حبیب بنایا وہ اسی لائق تھے۔ہنر مند مستری جو پرزہ جہاں سیٹ کرتا ہے وہ وہاں ہی لائق ہوتا ہے۔خیال رہے کہ اللہ بھی سمیع و علیم ہے اس نے اپنے بندوں کو بھی سمیع و علیم بنایا مگر دونوں سمع' دونوں علموں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ہماری ہر صفت وقتی ہے' اس کی دائمی۔ہم جب سو جائیں بیہوش ہو جائیں یا کان یا آنکھ پر کوئی آفت آجائے تو نہ سمیع رہیں نہ بصیر نہ علیم اس کی صفات ان کمزوریوں سے پاک ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب اکبر سارے عالم کے حاکم اعلیٰ آپ ان مطالبہ کرنے والے کفار کو جواب دے دو کہ کیا میں اللہ کے دشمنوں' اللہ کے غیروں کو قرآن مجید کی حقانیت' اسلام کی سچائی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے فیصلہ کے لئے حکم بنا سکتا ہوں کیا تم مجھ سے یہ امید رکھتے ہو یعنی یہ ناممکن ہے۔قرآن مجید کی حقانیت کے تین نہایت قوی دلائل تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکم الحاکمین ہے۔خود اس کی حقانیت کا فیصلہ فرما دیا کہ اسے تم کفار کو ہدایت ایمان دینے کے لئے مفصل کتاب بنا کر بھیجا اس کا کتاب الٰہی ہونا خود اس سے ثابت ہے۔آفتاب خود اپنی دلیل ہے' قرآن خود اپنی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔**ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ** خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی حق ہے۔قرآن کی صفت بھی حق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی حق ہے۔گویا حق نے حق پر حق کتاب حق کے ساتھ بھیجی۔جیسے آئینہ ظاہری اعضاء کے ظاہری صفات کو ظاہر کرتا ہے مگر ایکسرے ہمارے باطنی اعضاء کے باطنی حالات ظاہر کرتا ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری صفات رب کے ظاہری صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی صفات رب کے باطنی صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔حق اللہ

تعالیٰ کے باطنی صفات میں سے ہے اس کی حقانیت میں غور کرنا پڑتا ہے کہ فلاں کام میں کیا حکمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت مظہر ہے' حقانیت خداوندی کی۔ یہی قرآن مجید کی صفت ہے۔ فرماتا ہے **و باالحق انزلناہ و بالحق نزل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے۔ **ارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا**۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ جن علماء اہل کتاب کو ہم نے توریت وانجیل عطا کی ان کتابوں کے نور سے ان کے دل منور فرمائے وہ یقین سے جانتے ہیں کہ قرآن مجید آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ قرآن کریم حق ہے حق سے وابستہ ہے۔ حق اس سے وابستہ ہے۔ تو اے محبوب آپ اس میں ذرا برابر شک نہ کریں کہ علماء اہل کتاب کو اس کی حقانیت کا یقین ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ خود قرآن مجید اپنی حقانیت کی دلیل ہے اس میں چار صفتیں ہیں۔ یہ کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی بات ہے اور لوگوں کی حاجت کے لئے کافی وافی تمام ہے۔ جس کے ہوتے انہیں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ اپنی ساری خبروں میں سچا ہے۔ خواہ گذشتہ کی خبریں ہوں یا آئندہ کی۔ تیسرے یہ کہ یہ اپنے سارے احکام میں عادل ہے جھوٹ و ظلم اس کے قریب بھی نہیں۔ چوتھے یہ کہ اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا نہ یہ منسوخ ہو سکے اس کی ان صفات کو دیکھو اور اس پر ایمان لاؤ اللہ کے بندو اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے' علیم و خبیر بھی۔ پھر اس کے ہوتے کسی کا فیصلہ چاہتے ہو۔ سب سے بڑا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ یاد رکھو کہ کلمۃ ربک میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے وہ پروگرام یا فیصلے مراد ہیں جو دنیا بنانے سے پہلے کئے گئے۔ ایک تحریری کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و تر چیز لکھ دی گئی ایک عملی کہ ارواح پر نور کا چھینٹا دیا گیا بعض پر پڑا بعض محروم رہے۔ نور والے مومن اور مومنوں میں بعض اولیاء بعض انبیاء ہوئے۔ محروم کافر رہے اور تین فیصلے تقریری۔ اپنی الوہیت کا اقرار سب سے کرایا۔ تبلیغ کا اقرار علماء اہل کتاب سے لیا۔ **و اذ اخذاللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب** الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و مدد کا عہد انبیاء سے لیا۔ **اذ اخذاللہ میثاق النبیین** الخ دوسرے یہ کہ کلمۃ ربک سے مراد گذشتہ کتابوں' نبیوں کی بشارتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ سب سچے ہو گئے اور کلمۃ رب پورا ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ کلمۃ ربک سے مراد قرآن مجید ہو۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو کہ پچھلے نبی کتابیں جگمگاتے تارے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ہیں تمام میں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اسلامی عقیدوں اور شرعی مسائل میں کسی کو پنچ بنانا' مشورہ' کثرت رائے وغیرہ کسی چیز کی اجازت نہیں۔ اللہ و رسول کے فرمان بہر حال لازم العمل ہیں کوئی اس کا فیصلہ کرے یا نہ کرے۔ لوگوں کی رائے اس کے موافق ہو یا مخالف یہ فائدہ **افغیر اللہ** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** : دنیاوی کاموں اور دینی غیر منصوص چیزوں میں مشورہ کرنا جائز بلکہ اچھا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و امرھم شوری بینھم** دیکھو وہاں **امرھم** فرمایا **امرنا** نہ فرمایا اور فرماتا ہے **و شاورھم فی الامر** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے بہت مشورے فرماتے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلفاء کا تقرر مسلمانوں کے مشورہ سے ہوا۔ **مسئلہ**: غیر منصوص دینی کاموں میں مشورہ کرنا' حکم بنانا جائز ہے مگر ان میں مسلمانوں سے مشورہ کرے' انہیں ہی حکم بنائے کفار کو حکم نہ بنائے' ان سے مشورہ نہ کرے۔ **مسئلہ**: دنیاوی کاموں میں مشورہ' دنیاوی جھگڑوں میں حکم بنانا کفار کو بھی جائز ہے۔ آج ہم مسلمان روزمرہ کافر حکام سے فیصلے کراتے ہیں۔ بعض دفعہ انہیں حکم بناتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام نے عہد فاروقی میں بہت دفعہ

جہادوں میں کفار سے مشورے کیے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہنا جائز ہے کہ قرآن مجید کفار کی طرف یا کفار کے لئے نازل ہوا۔ یہ فائدہ **انزل الیکم الکتاب** سے حاصل ہوا یعنی کفار کی ہدایت کے لئے' انہیں سنانے کے لئے نازل ہوا۔ سورج کافر و مومن سب پر ہی چمکتا ہے بادل سب پر ہی برستا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں علماء کا بڑا درجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں مومنین علماء یہود کو حقانیت اسلام کی دلیل بنایا یہ فائدہ **والذین اتینا ھم الکتاب** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ و اولوا العلم قائما بالقسط** - دیکھو وہاں علماء کو رب نے اپنی توحید کا گواہ بنایا' فرشتوں کے ساتھ۔ تیسری جگہ ارشاد ہوا۔ **اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل** ایک جگہ ارشاد ہے۔ **قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب** دیکھو وہاں رب تعالیٰ نے علماء کی گواہی اپنی گواہی کے ساتھ بیان فرمائی۔ یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہ میں بھی ہوں اور اہل کتاب کے علماء بھی۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن کریم حق کے ساتھ اور حق قرآن مجید کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہی نہیں۔ جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی یہ فائدہ **بالحق** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید کو کلمۃ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں اور کلمات اللہ بھی۔ کلمۃ اللہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کیے گئے۔ یہ فائدہ **تمت کلمۃ ربک** اور **لا مبدل لکلماتہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتے۔ قرآن مجید آخری کتاب ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی یہ فائدہ بھی **تمت کلمۃ ربک** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** کمال اور تمام میں فرق ہم چھٹے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت عرض کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن مجید ناقابل نسخ کتاب ہے اسے اب کوئی دوسری آسمانی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی یہ فائدہ **لا مبدل لکلمات اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تاقیامت کوئی شخص' کوئی قوم' کوئی طاقت قرآن مجید میں ردوبدل نہیں کر سکتے یہ اٹل کتاب ہے۔ یہ فائدہ **لا مبدل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کتاب اللہ کا علم اس کا نور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جسے یہ ملا اسے سب کچھ مل گیا۔ یہ فائدہ **الذین اتینا ھم الکتاب** سے حاصل ہوا کہ یہاں مراد سارے اہل کتاب نہیں بلکہ وہ علماء مراد ہیں جنہیں توریت و انجیل کا علم و نور ملا۔ اس نور نے انہیں اسلام کی طرف رہبری فرمائی۔ **دسواں فائدہ:** بغیر نور کتاب کے صرف الفاظ کتاب' معنی کتاب جان لینا بالکل بیکار ہے بلکہ مضر ہے۔ ہم نے بعض ہندوؤں عیسائیوں کو دیکھا کہ انہوں نے قرآنی آیات یاد کر رکھی ہیں۔ بعض لوگ ہر جگہ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے پھرتے ہیں مگر ہیں بڑے بے دین۔ جیسے چکڑالوی' مرزائی وغیرہم یہ فائدہ بھی **الذین اتینا ھم الکتاب** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حکم نہ بنانا چاہئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد ابن معاذ کو حکم بنایا جن کا واقعہ تمام کتب احادیث میں مذکور ہے نیز قرآن کریم فرماتا ہے **وابعثوا حکما" من اھلہ وحکما" من اھلھا** جب خاوند بیوی لڑ جھگڑ پڑیں تو ایک پنچ بیوی کی طرف ایک پنچ شوہر کی طرف سے بھیجو۔ نیز ہم کچہری کے ججوں سے فیصلے کراتے ہیں لہذا یہ آیت کریمہ دوسری آیت کے بھی خلاف ہے' احادیث کے بھی خلاف اور ناقابل عمل بھی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں دے دیا گیا کہ یا تو اس سے مراد ہے اللہ کے غیروں دشمنوں کو

حکم بنانا یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن ہیں یا شرعی منصوص احکام میں کسی کو حکم بنانا مراد ہے اللہ و رسول کا حکم ہوتے ہوئے کسی کو حکم، حاکم، پنچ بنانا ممنوع ہے فیصلے مختلف قسم کے ہیں اور ان کے مختلف احکام۔ **دوسرا اعتراض:** **لا مبدل لکمات اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ یثاق کے دن جو فیصلے ہو چکے ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی مگر حدیث شریف میں ہے **الدعاء یرد القضاء** دعا قضا کو رد کر دیتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عرض و معروض پر جناب داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے ایک سو سال ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر امت محمد پر پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں۔ عیسیٰ علیہ السلام مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ تبدیلیاں فیصلہء الٰہی میں کیوں ہوئیں آیت کا مطلب کیا ہے؟ **جواب:** اس اعتراض کا جواب خود قرآن مجید نے دوسری جگہ دے دیا ہے۔ **یمحو اللہ ما یشاء ویثبت** یہاں ارشاد ہے کہ کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے کلمات نہیں بدل سکتا۔ لیکن اگر کسی کی دعا سے یا خود رب تعالیٰ کے کرم سے آپ ہی بدل دے تو یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے لہٰذا آیت میں تعارض نہیں نہ مذکورہ واقعات اس آیت کے خلاف ہیں۔ بیماری دوا کے ذریعہ دفع ہو گئی یہ رب کے حکم میں دوا نے تبدیلی نہیں کی خود رب نے رنگ بدل دیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہے **الیکم الکتاب** اے کافرو تمہاری طرف یہ کتاب رب نے اتاری مگر کہیں ارشاد ہے **الیک** اے محبوب آپ کی طرف اتاری گئی، کہیں مسلمانوں سے خطاب **الیکم** اے مسلمانوں تمہاری طرف کتاب اتاری ان آیتوں میں تعارض ہے بتاؤ کونسی آیت درست ہے۔ **جواب:** قرآن مجید تبلیغ کے لئے سمجھانے سکھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہدایت ایمان دینے کے لئے کفار کی طرف آیا اور ہدایت اعمال ہدایت تقویٰ دینے مومنوں کی طرف آیا برکت دینے کے لئے سارے جہاں کی طرف آیا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں جیسے بارش تری دینے کے لئے ساری زمین پر آتی ہے پھل پھول دینے کے لئے باغوں پر دانہ دینے کے لئے کھیتوں پر اور موتی دینے کے لئے ایک خاص سمندر پر برستی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ سارے توریت وانجیل والے قرآن کریم کو رب کی کتاب مانتے جانتے ہیں حالانکہ کوئی عیسائی یہودی قرآن کو نہیں مانتا اگر مانتے ہوتے تو مسلمان ہو جاتے۔ **جواب:** یہاں توریت وانجیل کو ماننے والے یہود وعیسائی مراد نہیں بلکہ انہیں صحیح طور پر سمجھنے والے جاننے والے ان کے علماء حقانی مراد ہیں جیسے سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یا حضرت سلمان فارسی اور ان کے ساتھی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کامل مکمل تام کتاب ہے پھر حدیث وفقہ کی کیا ضرورت ہے (چکڑالوی)۔ **جواب:** اس کا جواب چھٹے پارہ **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حدیث وفقہ قرآن مجید کی تفسیریں اس کی شرحیں ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات منسوخ ہیں یہ تبدیلی کیوں ہو گئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ کوئی انسان اس میں ردوبدل نہیں کر سکتا اللہ نے اس کی حفاظت فرمائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔ خود قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں یہ نسخ اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں۔ تبدیلی اور نسخ کا فرق ہم تیسرے پارے میں **ما ننسخ من ایۃ اوننسھا** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور انسان ہیں پھر وہ کلمۃ ربک کیسے ہو سکتے ہیں۔ کلمہ بات کو کہتے ہیں انسان بات والا ہوتا ہے نہ کہ بات لہٰذا یہ تفسیر غلط ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب:** **الزامی**

تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر انسان ہیں قرآن مجید نے انہیں کلمۃ اللہ فرمایا ہے کیونکہ انہیں اللہ کے کلمہ کن سے نسبت ہے اسی طرح حضور انور کو کلمۃ الرب یا کلمات اللہ کہا جاتا ہے۔ جواب تحقیق ان شاء اللہ ابھی تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیت کریمہ اصلاح نفس کے لئے اکسیر ہے اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر دوسروں کو حکم حاکم بنانا نفس امارہ کا دھوکہ ہے اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ و رسول کے فرمان پر سر جھکا رہے۔ جو چیز اللہ سے روکے وہی غیر اللہ ہے اس کے مشورہ اس کے حکم پر چلنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا تاکہ وہ شریعت و طریقت کے ہر مرحلے میں ہماری رہنمائی کرسکے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ فیصلے والے چار طرح کے ہیں حکم یعنی ثالث پنچ' حاکم خاص یعنی سلطان کی طرف سے مقرر کردہ خاص علاقہ کا حاکم جیسے تحصیلدار' منصف' جج وغیرہ جو ایک علاقہ کے فیصلے کرتے ہیں اور ان کے فیصلے قابل اپیل ہوتے ہیں حاکم مطلق جو ساری مملکت کا حاکم اعلیٰ ہو جس کے فیصلے کی اپیل نہ ہو سکے جیسے سپریم کورٹ کا جج۔ احکم الحاکمین یعنی حاکموں پر حاکم۔ احکم الحاکمین تو رب تعالیٰ ہے۔ نبیوں ولیوں حاکموں سلطانوں کا بادشاہ۔ اور گزشتہ انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کے حاکم خاص تھے اور اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت میں اولیاء ابدال غوث و قطب حاکم خصوصی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مملکت الٰہیہ کے حاکم مطلق ہیں کہ آپ کی حکومت ساری خدائی پر ہے آپ کے فیصلے کی اپیل نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت و حکومت تاقیامت ہر جگہ ہر چیز پر ہے۔ ہرنی' اونٹ' چڑیوں کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بادل برسے چاند پھٹا سورج لوٹا آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے دیکھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں زکوۃ قربانیاں۔ حج و عمرہ وغیرہ برابر جاری ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر علماء صوفیا فرمایا گیا کہ کیا میں رب کی طرف سے حاکم مطلق ہو کر اپنی نبوت کے لئے کسی کو حاکم بناؤں دنیا میری تحت حکومت ہے سب میرے ماتحت ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی کو کتاب کے صرف نقوش ملتے ہیں کسی کو صرف الفاظ کسی کو صرف معانی و مفہوم و مضامین یہ سب لوگ آڑ میں پھنسے رہ گئے مگر جس کو کتاب اللہ کے اسرار و انوار عطا ہوئے وہی پار تک پہنچے انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم خود حق ہے اس کا بھیجنے والا حق' لانے والا فرشتہ حق لینے والے محبوب حق اس کا اترنا حق کہ جو قرآن کی عطا کے لائق تھے انہیں پر قرآن اترا اور تاقیامت جن لوگوں کو قرآن کا ظاہری باطنی علم دیا گیا وہ علماء بھی حق وہی وارث رسول' نائب رسول ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسیح کلمۃ اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں اور کلمات اللہ بھی ایسے جو کامل اور تمام ہو چکا ہو' کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اب ہر صدق عدل مکمل ہو چکا اس کلمات اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بدلنے والا نہیں اسے کوئی باطل کرنے والا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے۔

الا یا احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل   کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

شریعت از تو روشن شد طریقت ہم مبرھن شد   حقیقت خود معین شد زہے سلطان بے ہمتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قالب شریعت کا مرکز ہے قلب طریقت کا سرچشمہ۔ روح مبارک حقیقت کا مرکز ہے۔ سر مبارک

معرفت کا سرچشمہ اب پڑھو تمت کلمتہ ربک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صدق جاری ہوتا ہے۔ جنان وارکان سے عدل جاری زبان جنان ارکان کلمات رحمان ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کلمہ یعنی بات 'بات والے کی مرضی سے نکلتی ہے اسی طرح حضور انور کی ہر ادا ہر کام وکلام رب تعالیٰ کی رضا سے ہے نیز بات کی شان بات والے کی شان سے ہوتی ہے بڑے کی بڑی بات چھوٹے کی چھوٹی بات نیز بات والے کو اپنی بات کا پاس ہوتا ہے رب تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت لحاظ بہت پاس ہوتا ہے ان وجوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمتہ اللہ یا کلمات اللہ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم احد کے ستر شہیدوں کے عوض ستر کفار مکہ کو قتل کریں گے۔ فتح مکہ میں رب نے یہ بات پوری کرادی کہ حضرت خالد کو بجائے وضع عنهم السیف کے ضع فیہم السیف کا پیغام بحکم فرشتہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رب نے وحی الٰہی فرمایا ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ ان کی بیعت کو اپنی بیعت فرمائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تین ہیں زمانہ جود' دوسرا زمانہ وجود' تیسرا زمانہ نبوت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جود کی ابتداء اول خلق سے ہے کہ حضرات انبیاء کرام بھی عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لیکر دنیا میں آئے۔ تعلیم پہلے ہوتی ہے عہدہ بعد میں دنیا ان حضرات کو عہدہ ملنے کی جگہ تھی تعلیم وہاں مکمل ہو چکی تھی انتہاء جود کبھی نہیں۔ وہ لازوال ہے زمانہ وجود کی ابتداء نزول وحی سے ہوتی۔ انتہاء وفات شریف پر جب کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی بنتے تھے اور زمانہ نبوت کی ابتداء اعلان نبوت سے ہے انتہاء کبھی نہیں۔ ان تینوں زمانوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبدیلی و تغییر سے محفوظ ہیں **لا مبدل لکلماتہ**۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ
اور اگر اطاعت کرے تو بہت سے ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کے راستہ سے نہیں
اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان
يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ
پیروی کرتے وہ لوگ مگر گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اندازے لگاتے بیشک رب تیرا وہ خوب جاننے
کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون
يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
والا ہے اس کا جو بہکتا ہے اس کے راستہ سے اور وہ خوب جاننے والا ہے انکو جو ہدایت یافتہ ہیں
بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کوئی اس کتاب کے ہوتے ہوئے کفار کی باتیں مانے گا وہ سخت ترین گمراہ ہو گا گویا قرآن مجید نے مکمل ہونے کا تذکرہ فرمانے کے بعد اس کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قرآن

کریم کے مکمل صدق' عدل ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں ان کے پاس صرف وہم اندازے اور اپنے پچھلوں کی پیروی ہے گویا اسلام کی قوت کے ذکر کے بعد کفر کی کمزوری کا بیان ہے تاکہ لوگ اسلام کے ہوتے ان کی طرف دھیان بھی نہ دیں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے دشمنوں کو حکم و پنچ نہیں بنایا جا سکتا۔ اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور کفار کی اطاعت گمراہی ہے۔

شان نزول: ایک بار مشرکین مکہ کی ایک جماعت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی بولی کہ جو بکری بغیر ذبح کئے اپنی موت مرجاوے اسے موت دینے والا کون ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ وہ لوگ بولے کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسلمان کہتے ہیں کہ جسے آپ لوگ ذبح کرکے ماردیں وہ تو حلال ہے بلکہ جس شکاری جانور کو شکرہ' باز' شکار کتا مار دے وہ بھی حلال مگر جسے اللہ تعالیٰ مار دے وہ حرام ہے پھر آپ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ آپ لوگ اللہ کے عبادت گزار ہیں کہ اپنے مارے کو حلال کہتے ہیں اور خدا کو مارے کو حرام ان کی تردید میں یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر بیضاوی۔ خازن)۔

تفسیر: وان تطع اکثر من فی الارض۔ حق یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز نہیں' بلکہ یا تو ہر اس صحابی سے ہے جن کے سامنے ان کفار نے یہ گفتگو کی تھی یا تاقیامت ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے **تطع** بنا ہے **اطاعتہ** سے۔ اطاعت' عبادت' اتباع ان کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے ہیں یہاں اطاعت سے مراد ہے بات ماننا اس پر دھیان دینا اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد فرمانبرداری کرنا ہی ہو۔ اس صورت میں فرمانبرداری سے مراد دینی معاملہ میں اسلام کے خلاف کسی کی فرمانبرداری ہے ورنہ کافر حکام کافر بادشاہ کی دنیاوی فرمانبرداری مسلمان کو کرنا ہی پڑتی ہے **الارض** سے مراد زمین مکہ مکرمہ ہے۔ چونکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں سوائے چند کے باقی سارے ہی کفار تھے اس لئے انہیں اکثر فرمایا گیا یعنی اے مسلمانو اگر تم مکہ والوں کی اکثریت کی بات مانو گے یا یہاں مکہ مکرمہ میں اکثر وہ لوگ ہیں کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے **یضلوک عن سبیل اللہ** یہ عبارت **ان تطع** کی جزا ہے **یضلو** بنا ہے اضلال سے 'جس کا مادہ ضلل یا ضلال ہے۔ قرآن مجید میں ضلال بہت معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی گمراہی ہے۔ اضلال بمعنی گمراہ کردینا۔ سبیل اللہ سے مراد خدا رسی کا راستہ (دین اسلام) ہے۔ یعنی ابھی تو کفار تم کو صرف ایک شرعی مسئلہ میں بہکا رہے ہیں اگر تم نے اس موقعہ پر پلپلا پن دکھایا اور ان کی بات کی طرف مائل ہوگئے تو یہ آئندہ چل کر تمہیں توحید و رسالت اور سارے عقائد سے بہکادیں گے ابھی تو ابتداء ہے تمہارا دل ایمان و عرفان کا خزانہ ہے۔ اس خزانہ کے گرد درست عقائد' فرائض واجبات' نوافل' سنن' مستحبات کی دیواریں ہیں۔ شیطان پہلے مستحب کی دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہاں کامیاب ہوجائے تو سنتوں پھر واجبات پھر فرائض کی دیواروں پر نقب لگاتا ہے۔ اس پہلی دیوار سے ہی اس کو روکو تاکہ آگے نہ بڑھے ابھی تو شیطان تم سے ذبیحہ کے ایک مسئلہ کا ذکر کرکے اس میں شبہ ڈالتا ہے اگر تم اس شبہ میں پھنس گئے تو دوسرے مسائل کی' پھر عقائد کی باری آجائے گی یا یہ مطلب ہے کہ مردار کا حرام ہونا' ذبیحہ کا حلال ہونا ایک قطعی یقینی دینی مسئلہ ہے اگر تم اس میں سے کسی مسئلہ میں پھنس گئے تو سبیل اللہ یعنی دین اسلام سے بہک جاؤ گے کہ ایک قطعی مسئلہ کا انکار بھی کفر ہے۔ **ان یتبعون الا الظن۔** اس عبارت میں کفار کی حقیقت ظاہر فرمائی گئی ہے۔ یہاں ان نافیہ ہے بمعنی نہیں۔ اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا پیروی کرنا ظن مقابل یقین کا ہے یہاں

عقائد میں ظن و گمان مراد ہے۔ یعنی خود ان لوگوں کا اپنا یہ حال ہے کہ ان کے پاس اپنے کسی عقیدے پر قطعی دلیل موجود نہیں چند وہمیات کو دین بنا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ رب تعالیٰ کو مجبور مانتے ہیں کہ وہ اکیلا دنیا کا نظام نہیں چلا سکتا اس لئے ہمارے بت اس کا کام چلا رہے ہیں یا کتوں "گائے' بندر' ہاتھی وغیرہ کو معبود سمجھ کر ان کی پرستش کریں یہ سب وہمیات ہیں۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ ذبیحہ کو تم مارتے ہو مردار کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے کتنی بڑی غلطی ہے۔ موت دینے والا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے خواہ ذبیحہ ہو یا مردار۔ جانور کے حلال و حرام ہونے کا دارومدار اس پر نہیں بلکہ جس جانور کا خون اللہ کے نام پر بہایا جاوے وہ حلال ہے ورنہ حرام۔ اسی لئے مچھلی میں ذبح کی ضرورت نہیں کہ اس میں خون نہیں۔ جن لوگوں کو اتنی خبر نہیں وہ کس منہ سے اسلامی عقائد پر اعتراض کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ مرکز اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **فاتبعونی** اگر چکی اپنے مرکز یعنی کیل سے ہٹ جاوے' پرکار کی ایک ٹانگ اپنے مرکز سے ہٹ جاوے' درخت کی شاخ اپنے مرکز درخت سے ٹوٹ جاوے تو چکی پیس نہیں سکتی پرکار درست دائرہ نہیں کھینچ سکتا شاخ ہری نہیں رہتی' ایسے ہی جو انسان اپنے مرکز یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ گیا وہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کفار کا مرکز اتباع ان کے گمان و وہم ہیں مومن کا مرکز اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **وان هم الا یخرصون**۔ اس عبارت میں کفار کے دوسرے عیب کا بیان ہے یہاں بھی ان نافیہ ہے **هم** کا مرجع وہی کفار ہیں **یخرصون** بنا ہے **خرص** سے جس کے معنی ہیں اندازہ لگانا اپنی انکل قیاس دوڑانا اسی سے ہے خرص النخل درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کا اندازہ لگانا۔ پہلے اندازہ ہوتا ہے پھر گمان گویا اندازہ گمان کی اصل ہے لہٰذا ان دونوں جملوں میں تکرار نہیں یعنی یہ لوگ اپنے اندازوں اپنے انکل سے اپنے عقیدے سوچتے ہیں پھر بطور ظن انہیں قبول کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو تم ان کی باتوں میں ہرگز نہ آؤ تمہارے دین کا ماخذ کتاب و سنت ہے جو یقینی چیزیں ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ظن سے مراد ان کے باپ داداؤں کے گمان ہیں جن کی وہ بے سمجھے بوجھے پیروی کرتے تھے اور خرص سے مراد ان کے اپنے انکل و قیاس ہیں (روح المعانی) ان کا دین اپنے باپ داداؤں اور خود اپنے گمانوں کا مجموعہ تھا اور ہو سکتا ہے کہ ظن سے مراد ان کے وہ باطل خیالات ہوں جو بارگاہ الٰہی کے متعلق رکھتے تھے اور خرص سے مراد ان کے وہ باطل اندازے ہوں جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لگاتے تھے کہ انہیں کوئی شاعر کہتا تھا کوئی ساحر کوئی اپنے جیسا بشر حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ اندازوں بلکہ خیال قیاس وہم سے وراء ہیں۔ پیالہ میں سمندر کیسے سمائے تو خیال کے پیالوں اندازوں کے لوٹوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے سمندر کیسے سما سکتے ہیں اس لئے وہ کافر رہے **ان ربک هو اعلم من یضل عن سبیله** یہ عبارت **وان تطع** کا مضمون ثابت فرمانے کے لئے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بعض لوگ اللہ کے علم میں گمراہ ہیں اور بعض لوگ ہدایت پر۔ مسلمان کو چاہئے کہ اپنے پر بھروسہ نہ کرے رب سے خوف کرتا رہے انسان کے بہکنے میں دیر نہیں لگتی لہٰذا اے مسلمان گمراہوں کی بات نہ مان ورنہ تو خود گمراہ ہو جاوے گا یہ خیال ہرگز نہ کر کہ میں تو ہدایت پر ہوں میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ خیال رہے کہ عربی قاعدے سے **من یضل' اعلم** کا مفعول نہیں بن سکتا کہ اسم تفضیل کبھی اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا اِلاّ بالشرائط اس لئے اعلم کے بعد یعلم پوشیدہ ہے اور **من یضل** اس کا مفعول ہے۔ **یضل** میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور وہ لوگ بھی جو پہلے ہدایت پر ہوں بعد میں بہک جاویں لہٰذا یہ فرمان عالی بہت وسیع ہے **سبیله** سے مراد خدا رسی کا ذریعہ ہے یعنی دین اسلام **وهوا علم بالمهتدین**۔ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے مہتدین سے مراد وہ ہیں جن کا خاتمہ

اسلام پر ہو خواہ وہ شروع سے ہدایت یافتہ ہوں یا پہلے گمراہ رہے ہوں بعد میں ہدایت پر آ گئے ہوں یعنی وہ رب ہی خوب جانتا ہے انہیں جو ہدایت یافتہ ہیں تم اپنے متعلق اس کا فیصلہ نہ کرو اس سے دعا کرو ہدایت یافتہ رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمان ہوشیار رہ کفار کے جال میں مت پھنس جانا اگر تم مکہ کی اکثریت کی جو کفار ہیں بات مانے گا یا ان کی بات دھیان سے سنے گا تو یہ تجھے اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے بہکا دیں گے کہ پہلے اسلام کے فرعی مسائل کے متعلق تیرے دل میں شبہات ڈالیں گے کہ ہمارا مارا جانور کیوں حلال ہے اور خدا تعالیٰ کا مارا جانور یعنی مردار کیوں حرام ہے وغیرہ۔ پھر تیرے دل میں اسلامی عقائد کے متعلق شبہات ڈالیں گے جس کا انجام یہ ہو گا کہ تو یا اسلام سے پھر جاوے گا یا اس کی طرف سے شک میں مبتلا ہو جاوے گا خود ان کفار کا اپنا یہ حال ہے کہ ان کے عقائد ان کے اعمال پر انہیں خود یقین نہیں ان پر کوئی عقلی نقلی یقینی دلیل قائم نہیں۔ محض اٹکل پچو گمان و وہمیات کی پیروی کرتے ہیں اور کبھی اپنے باپ دادوں کی ظنی مشکوک باتیں مانتے ہیں۔ کبھی خود اپنے گمان و اٹکل سے عقیدے تراش لیتے ہیں۔ اے مسلمان تو کبھی اپنے پر بھروسہ کر کے کفار کی پیروی اور ان کی صحبت اختیار نہ کر یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک جائے گا اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تو ابھی ہدایت پر ہے بعد میں کفار کی باتوں میں آ کر پھسل جائے۔ جان کے دشمن سانپ سے دور رہ۔ ایمان کے دشمن کفار سے کنارہ کش رہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کا دل اللہ کے قبضہ میں ہے جب چاہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بعض روایات میں ہے کہ انسان کا دل اس سوکھے ہلکے پتہ کی طرح ہے جو جنگل میں پڑا ہوا سے ہوا اڑا سکتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے **یا مقلب القلوب قلب قلبی الی ما تحب و ترضاہ** اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے پسندیدہ محبوب کاموں کی طرف پھیر دے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ و رسول کے مقابلہ میں کسی کی پیروی نہیں کرنی چاہئے خواہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو یا بڑی سے بڑی جماعت۔ یہ فائدہ **وان تطع الخ** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: کثرت رائے وغیرہ مشوروں میں معتبر ہے نہ کہ دینی شرعی منصوص احکام میں رب کی مانو۔ اس کے مقابل سب کی نہ مانو یہ فائدہ بھی **وان تطع الخ** سے حاصل ہوا۔ یہاں جمہوریت لعنت ہے ایک کامل کی پیروی ضروری ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو   کہ از مغز دو صد خر عقل انسانے نمی آید

جمہوری نظام لعنت ہے اس سے بچو۔ مرد کامل کے غلام بنو دو سو گدھوں کے دماغ میں وہ بات نہیں آ سکتی جو ایک مرد کامل کے دماغ میں آ سکتی ہے۔ تیسرا فائدہ: جمہوریت دو قسم کی ہے جمہوریت اسلامی اور جمہوریت شیطانی اسلامی جمہوریت میں دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جو مسئلہ منصوص ہو یا اجماعی ہو اس میں کسی کی رائے معتبر نہیں نہ ایک کی نہ سب کی۔ اگر تمام جہان کی رائے یہ ہو کہ نمازیں چار پڑھو یا باجرہ اور چاول میں سود کو جائز مانو تو معتبر نہیں۔ دوسری یہ کہ اسلامی جمہوریت میں ہر بالغ رائے دہندگی نہیں بلکہ ہر مومن اور ذی رائے کو اس کا حق ہے رب فرماتا ہے **وشاورھم فی الامر** اور فرماتا ہے **وامرھم شوری بینھم** ان دونوں آیتوں میں **ھم** کی ضمیر ہر بالغ کی طرف نہیں بلکہ مومن ذی رائے کی طرف ہے۔ فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیھم** ان چاروں آیتوں میں اسلامی جمہوریت کا حکم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کسی معاملہ میں کفار اور بدکاروں سے منافقوں سے مشورہ نہ لئے نہ قبول

کئے شیطانی جمہوریت یہ ہے کہ ہر بالغ کو حق رائے ہو اگرچہ وہ کافر ہو منافق ہو۔ بے وقوف ہو پاگل ہو جدھر ان بے وقوفوں کی اکثریت ہو جائے اس پر عمل کرو وہی قانون بناؤ یہ شیطانی جمہوریت گمراہ کن ہے یہ فائدہ **اکثر من فی الارض** اور **یضلوک** سے حاصل ہوا اس جمہوری نظام نے آج دنیا میں تہلکہ مچادیا ہے کسی جگہ امن نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ید اللہ علی الجماعت** اور فرماتے ہیں **اتبعوا السواد الاعظم** ان حدیثوں میں جماعت اور بڑے گروہ سے مراد ان ہی صالحین کی جماعت اور انہی کا بڑا گروہ ہے نہ کہ بے دینوں اور بدکاروں کی جماعت۔ آج کل یہ ہے کہ یہاں لوگ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے۔ **چوتھا فائدہ:** ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھو دعا کرو تو قبولیت کی امید پر عبادت کی توفیق ملے تو منظوری کی امید رکھو گناہ ہو جائے توبہ کرو تو بخشش کی امید قوی رکھو۔ مایوسی بدظنی ہے اور بدظنی محرومی ہے یہ فائدہ اشارۃً **"ان یتبعون الا الظن"** سے حاصل ہوا۔ اپنے گناہ میں غور کر کے شرمندہ ہو اور شان غفاری ستاری میں غور کرو تو امیدوار ہو ان شاء اللہ بخشے جاؤ گے۔ حدیث قدسی ہے **انا عند ظن عبدی**۔ **پانچواں فائدہ:** بڑے سے بڑا پختہ ایمان والا اپنے پر بھروسہ نہ کرے اور شیطان کو اپنے سے دور نہ جانے شیطان اور شیطانی لوگوں شیطانی مجلسوں سے دور رہے کہ نہ معلوم کب بہک جاوے یہ فائدہ **یضلوک** الخ سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص اجنبی عورت سے خلوت نہ کرے کیونکہ جب اجنبی مرد و عورت خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ننگی تلوار سے مارنے کا اشارہ نہ کرے اندیشہ ہے کہ شیطان اس سے قتل کراوے۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنے باپ داداؤں کی پیروی سخت جرم ہے کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **ان یتبعون الا الظن** سے حاصل ہوا اپنے رسم و رواج کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالو شریعت کو رسم و رواج کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج اسلام کو یورپ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے لئے ہزار بہانہ حیلے بنا رہے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے اندازہ اٹکل قیاس تخمینہ سے چیزوں کو حرام و حلال نہیں کر سکتے حلال وہ جسے اللہ و رسول حلال فرمادیں حرام وہ جسے اللہ رسول حرام کریں یہ فائدہ **الا یخرصون** سے حاصل ہوا۔ ظن اور خرص میں فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ تمام عیوب کفار و مشرکین کے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** ایمان و کفر سعادت اور شقاوت میں انجام اور خاتمہ کا اعتبار ہے۔ جس کا خاتمہ ایمان و نیک بختی پر ہو جائے وہ مومن بھی ہے سعید بھی اور انجام کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لہٰذا کوئی بڑے سے بڑا مسلمان خرابی خاتمہ سے بے خوف نہ ہو اور کسی کافر کے متعلق یہ یقین نہ کرو کہ وہ کافری مرے گا وہ جو کسی کا شعر ہے۔

ہیچ کافر را بخواری منگریز! — کہ مسلمان بودنش باشد امیر!

اس کا یہی مطلب ہے یہ فائدہ **ان ربک ھوا علم** الخ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہدایت انسان کی اصلی حالت ہے، گمراہی عارضی حالت۔ کیونکہ ہر بچہ ہدایت اور فطرت پر پیدا ہوتا ہے دنیا میں آکر گمراہ ہو جاتا ہے اگر ماحول گندہ ہو۔ یہ فائدہ **یضل** کو مستقبل اور مہتدین کو اسم فاعل فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دنیا میں گمراہی کے راستہ اور اس کے ذریعہ بہت ہیں ہدایت کا راستہ صرف ایک۔ گمراہی کے خطرات بہت ہیں اس لئے انسان کو زندگی بڑی احتیاط سے گزارنی چاہئے۔ یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ ضلال کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور مہتدین کا بعد میں قرآن کی ترتیب ذکری میں بھی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ **گیارھواں فائدہ:** جیسے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو مگر اپنی دولت چوراہے میں نہیں رکھتا بلکہ اسے چوروں

سے بچاتا ہے اپنے کو سردی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے یہ نہیں کہتا کہ چونکہ میں بڑا آدمی ہوں میرا مال چور نہیں چھو سکتا یا مجھے سردی گرمی نقصان نہیں دے سکتی اسی طرح کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اپنے ایمان سے مطمئن نہ ہو جائے اسے بدمذہبوں کے چوراہے میں نہ رکھدے بلکہ جان و مال کی طرح اس کی حفاظت کرے شریعت کے صندوق میں رکھے اور اس پر طریقت کا مضبوط قفل لگائے پھر وہ صندوق بھی چوراہے میں نہ رکھے۔ کسی مقبول بندے کے پاس محفوظ جگہ میں رکھے مال کی حفاظت گھر' مضبوط پیٹی 'مضبوط قفل سے ہوتی ہے یونہی ایمان کی حفاظت کے لئے ان تینوں حفاظتوں کی ضرورت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اکثر **من فی الارض** کیوں فرمایا گیا کہ اگر تم اکثر لوگوں کی اطاعت کرو گے۔ کیا تھوڑے کافروں کی اطاعت کر لینا جائز ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں زمین سے مراد یا تو مکہ مکرمہ کی زمین ہے اور اس آیت کے نزول کے وقت وہاں مشرکین بہت زیادہ تھے 'مومن بہت تھوڑے۔ یا زمین سے مراد عام زمین ہے اور واقعی ہمیشہ کفار تعداد میں عموماً" مسلمانوں سے زیادہ ہی ہوتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** مقصد یہ ہے کہ کفار کی اکثریت سے مرعوب نہ ہو جانا ان بہت سوں کی اطاعت مت کر لینا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی اطاعت کرنا گمراہی ہے مگر بہت جگہ کفار کا راج ہے مسلمان ان کی رعایا ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں کیا وہ سارے مسلمان گمراہ ہیں۔ **جواب:** یہاں اسلام کے مقابلہ میں کفار کی اطاعت مراد ہے یعنی ان کی دینی اطاعت۔ سیاسی اطاعت قانون ملک کی اطاعت مراد نہیں واقعی کفار کی دینی اطاعت گمراہی ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ اندیشہ تھا کہ آپ کو کفار بہکا دیں دیکھو تطع اور ملوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ وہ دونوں خطاب ہر مسلمان سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہو جائے اس سے شیطان کتراتا ہے۔ حضرت عمر جس راستہ سے گزریں شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ جسے زیادہ احتلام کی بیماری ہو وہ سوتے وقت انگل سے اپنے سینہ پر لکھ لیا کرے یا عمران شاءاللہ خواب کے احتلام سے امن میں رہے گا۔ کہ خواب کا احتلام شیطان کے اثر سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے نام سے شیطان بھاگتا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والا شیطان یعنی قرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہو گیا جب بہکانے والا خود ہی ہدایت پر آگیا تو اب انہیں بہکائے کون۔ غرضیکہ یہاں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں مسلمان سے ہے اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے تو بھی فرمایا گیا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور سنایا گیا ہے عام مسلمانوں کو یا اس میں ناممکن کو ممکن پر موقوف کیا گیا ہے جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین**۔ مگر پہلا جواب قوی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں کفار کے دو عیب بیان ہوئے ظن کی پیروی اور انکلیں اندازے کرنا ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ ظن اور خرص الگ الگ کیوں بیان ہوئے۔ **جواب:** ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے ایک فرق وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ظن سے مراد ہے اپنے باپ داداؤں کے ظنیات اور ان کی ایجاد کردہ رسوم خرص سے مراد ہے اپنے گمان و اندازہ کی چیزیں یعنی وہ کفار اپنے باپ داداؤں کے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے تخمینہ انکل سے بعض باتیں ایجاد کرتے ہیں یا کہو کہ عمل گمان ظن میں گھڑے ہوئے عقیدے خرص یا قومی گھڑی باتیں ظن ہیں اور ہر شخص کی اپنی من گھڑت خرص یا

گھڑے ہوئے قانون ظن ہیں اور وقتی گھڑی چیزیں خرص۔ غرضیکہ ظن و خرص ایک ہی نہیں ہیں لہٰذا آیتہ میں تکرار نہیں۔
پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظن کی پیروی طریقہ کفار ہے احادیث ظنی ہیں صرف قرآن قطعی ہے لہٰذا صرف قرآن کی پیروی چاہئے احادیث پر عمل نہ چاہئے اس کی پیروی میں اتباع ظن ہے (چکڑالوی) **جواب:** یہ غلط ہے کہ ساری احادیث ظنی ہیں قرآن مجید کا قرآن اور کلام الٰہی ہونا حدیث سے ہی ثابت ہے نہ خدا تعالٰی ہمارے سامنے آیا نہ حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا کہ یہ الفاظ جو ہم ادا کر رہے ہیں یہ قرآن ہیں۔ نماز کی رکعات' نماز کی تعداد' زکوۃ کی مقدار' قرآن مجید کا تیس پارے ہونا وغیرہ یہ سب کچھ حدیث سے ثابت ہے وہ ساری احادیث قطعی یقینی ہیں جنہیں احادیث متواتر کہتے ہیں۔ عقائد اسلامیہ۔ فرائض اعتقادیہ ان ہی قطعی یقینی احادیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ رہیں احادیث احاد جو ظنی ہیں ان سے ظنی چیزیں ہی ثابت کی جاتی ہیں جیسے سنتیں' واجبات' مستحبات ان سے عقیدے یا فرائض ثابت نہیں ہوتے دیکھو نماز پنجگانہ بھی حدیث سے ہی ثابت ہے اور نماز عید بھی مگر نماز پنجگانہ فرض ہیں نماز و تر و عید فرض نہیں یہاں اس آیت میں عقائد ظن سے ثابت کرنا مراد ہے لہٰذا تمہارا اعتراض درست نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** قیاس مجتہدین ظنی چیز ہے اور ظن کی پیروی کرنا کافروں کا طریقہ ہے لہٰذا تقلید کسی کی نہیں کرنی چاہئے صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے (اہل حدیث)۔ **جواب:**
قرآن مجید میں ظن تین معنی میں استعمال ہوا ہے یقین جیسے **یظنون انھم ملاقوا ربھم** بدگمانی جیسے **ان بعض الظن اثم** غیر یقینی یعنی مشکوک چیز۔ وہی یہاں مراد ہے جہاں یقین کی ضرورت ہو وہاں ظن کی اتباع نہ کرو قرآن و حدیث کے مقابل باپ دادوں کی اندھی پیروی مشرکوں کا طریقہ ہے۔ قیاس مجتہدین کے ذریعہ قرآن و حدیث کو سمجھنا مومنوں کا طریقہ ہے تم بھی غیر منصوص احکام میں اپنے قیاس سے ہی عمل کرتے ہو دیکھو گندم و جو میں سود کا حرام ہونا حدیث سے ثابت ہے مگر چاول' باجرہ' مکئی میں سود حرام ہونا قیاس سے ثابت ہے۔ نیز نہ سارے قیاس ظنی ہیں نہ ساری احادیث قطعی۔ خیال رہے کہ ہر ظن برا نہیں' بعض ظن اچھے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیرا** جب تم نے حضرت عائشہ کے متعلق وہ سنا تو مسلمانوں نے اپنے دل میں اچھا گمان کیوں نہ کیا۔ دیکھو ظن کو خیر فرمایا گیا۔
ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گمراہوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کا علم صرف اللہ تعالٰی ہی کو ہے کسی کو کسی کے انجام کی خبر نہیں۔ دیکھو رب تعالٰی نے فرمایا **ھو اعلم من یضل** اور فرمایا **اعلم بالمھتدین** (وہابی)۔
جواب: واقعی ان چیزوں کا علم خدا تعالٰی ہی کو ہے جسے رب تعالٰی ہی علم دیدے اسے بھی یہ عطا الٰہی علم ہے۔ اس عطا کا یہاں انکار نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابو بکر و عمر جنتی ہیں' حسین حسن جوانان جنت کے سردار ہیں جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ شخص ہمارے پاس آنے والا ہے (حدیث) قرآن مجید شہداء کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** معلوم ہوا کہ شہداء کی روحیں جنتی دوزخیوں کو پہچانتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول** اور فرماتا ہے **کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ** جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی سعادت و شقاوت کی تختی اس کے گلے میں پڑی ہے جسے آنکھ والے پڑھتے ہیں اگر یہ بات کسی کو بتانا نہ ہوتی تو اس کی تختی ہر ایک کے گلے میں ڈالنے کے کیا معنی ہوتے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: خشکی کی سواری سے سمندر میں سفر نہیں کیا جاسکتا اور تری کی سواری سے خشکی کے راستے طے نہیں ہوا کرتے۔ ریل سے سمندر پار نہیں کر سکتے اور بحری جہاز سے عرب کا ریگستان طے نہیں ہوتا۔ ہر شخص کے سامنے دو سواریاں ہیں **ھوی** (خواہش نفسانی) دوسری **ھدی** (ہدایت جنانی) راہ مولیٰ **ھوی** کی سواری سے ہرگز طے نہ ہو گا **ھوی** تو دوزخ کے ہاویہ کی سواری ہے۔ کفار نابکار **ھوی** کی سواری کے سوار ہیں۔ اے مسلمان اگر تو ان کے پیچھے چلے گا تو اللہ کے راستے سے تجھے یہ بہکا دیں گے **ھوی** کی سواری کے دو پہیے ہیں ظن اور خرص یعنی پچھلوں کے گمان اور اپنے اندازے اس سواری کا کھینچنے والا نفس امارہ ہے راہ دکھانے والا شیطان ہے اس کا پلیٹ فارم جہاں سے یہ سواری ملتی ہے شیطانی لوگوں کی صحبتیں ہیں **ھوی** کی سواری کے بھی دو پہیے ہیں۔ خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا انجن قلب مومن ہے اس کے راہبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس گاڑی کا پلیٹ فارم حضرات اولیاء اللہ کے آستانے ہیں۔ رب جانتا ہے کہ گمراہ کون ہے ہدایت پر کون یہ فیصلہ تم نہیں کر سکتے لہٰذا رب جس کے دروازہ پر تمہیں بھیجے وہاں ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ جس سے وہ روکے وہ جگہ گمراہی کی ہے اس سے بچو۔ اس آیت میں **من فی الارض** فرما کر یہ بتایا کہ دنیادار خود بھی زمین میں رہتے ہیں ان کا دل دماغ سارے قویٰ بھی زمین میں یہ فرشی لوگ تم کو عرشی ہدایت کیسے دے سکتے ہیں ایمان و تقویٰ حاصل کرنے کے لئے اس کی اطاعت کرو جس کا جسم اگرچہ فرشی ہو اور وہ **انما انا بشر مثلکم** فرمادے مگر اس کا دل دماغ عرشی ہو۔ جس کی زبان مخلوق کی طرف ہو اور کان خالق کی طرف وہ فی الارض نہیں بلکہ للارض اور فی العرش ہے خود عرشی ہے مگر فرش والوں کے لئے ان کی رہبری کے لئے تشریف لایا ہے وہ حضور محمد مصطفیٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جنہیں رب نے نور فرمایا جس کا جسم فرشی ہے مگر زبان و دہان نور عرشی ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ

پس کھاؤ اس سے کہ ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اس کے اگر ہو تم اس کی آیتوں پر ایمان والے اور کیا حال ہے تمہارا

تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو تمہیں کیا ہوا کہ

اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

یہ کہ نہ کھاؤ تم اس میں سے کہ ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اس کے حالانکہ بے شک تفصیلاً بیان کر دیئے واسطے تمہارے

اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وہ جو حرام کئے اوپر تمہارے سوا اس کے کہ مجبور کر دیئے جاؤ تم طرف اس کے اور تحقیق بہت سے لوگ البتہ گمراہ ہوتے

ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو اور بے شک بہتیرے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾
ہیں اپنی خواہشوں سے بغیر علم کے بے شک رب تمہارا وہ جانتے والا ہے حد سے بڑھنے والوں کو
بے جانے بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی خواہشات کی پیروی سے روکا گیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم مشرکین و کفار کی باتوں میں نہ آو۔ ذبیحہ جانور کھاؤ' مردار نہ کھاؤ۔ گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذبیحہ کے متعلق کفار کے اعتراض کا ذکر تھا کہ تم مسلمان خدا کا مارا جانور یعنی مردار حرام کہتے ہو اور اپنا مارا یعنی ذبیحہ حلال جانتے ہو۔ اب اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیحہ کا خون اللہ کے نام پر بہا دیا جاتا ہے لہٰذا حلال ہے۔ مردار وغیرہ میں یہ بات نہیں لہٰذا حرام ہے اس حلت و حرمت کی وجہ اللہ کے نام پر خون بہنا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں توحید پر بہت زور دیا گیا اب ان غذاؤں کو حرام کیا جارہا ہے جس کا تعلق مشرکانہ افعال سے ہے۔ یعنی مردار اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھانا۔ گویا یہ کلام گذشتہ کا تتمہ ہے۔

شان نزول: عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی مشرکین مکہ کا یہ اعتراض کہ تم خدا کا مارا حرام جانتے ہو اور اپنا مارا حلال۔ مگر امام ابو منصور فرماتے ہیں کہ بعض مسلمان گوشت وغیرہ اچھی غذاؤں سے بچنے لگے تھے یہ سمجھ کر کہ اعلیٰ غذائیں کھانا تقویٰ اور نفس کشی کے خلاف ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ موٹا کھاؤ' موٹا پہنو۔ ان کی فہمائش کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی) **واللہ و رسولہ اعلم**

تفسیر: **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** یہ عبارت اگلی شرط **ان کنتم مئومنین** کی جزا نہیں ہے۔ کیونکہ ف جزائیہ شرط سے پہلے نہیں آتی بلکہ یہ گذشتہ عبارت پر مرتب ہے اور ف ترتیب کی ہے یعنی مشرکین کی خواہشات کی پیروی نہ کرو لہٰذا ذبیحہ کھاؤ۔ کیونکہ کفار کے نزدیک حرام و حلال کا معیار صرف ان کے اور ان کے باپ دادوں کے خیالات ہیں۔ تمہارے لئے اس کا مدار وحی الٰہی اور نبوت مصطفوی ہے۔ **کلوا** میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے جیسا کہ **ان کنتم مئومنین** سے معلوم ہو رہا ہے۔ **کلوا** امر اباحت کے لئے ہے' وجوب کے لئے نہیں کیونکہ گوشت کھانا فرض یا واجب نہیں حلال و مباح ہے۔ کھانا کبھی فرض ہوتا ہے' کبھی سنت' کبھی مستحب' کبھی مکروہ' کبھی حرام۔ جان جانے پر کچھ کھا کر جان بچانا فرض ہے روزہ کے افطار کے لئے کچھ کھانا فرض ہے روزانہ دو تین وقت کھانا' یونہی رمضان میں سحری کھانا سنت ہے' پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ ہے۔ مضر صحت غذائیں کھانا حرام ہے' بھوک سے کم کھانا بھی مستحب ہے غرضیکہ جیسے روزہ' نماز وغیرہ۔ عبادات کبھی فرض ہوتی ہیں' کبھی سنت' کبھی مستحب' کبھی حرام۔ یونہی کھانا بھی مومن کے لئے عبادت ہے۔ اس کے بھی اتنے ہی احکام ہیں۔ **مما** میں **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ جانور کے سارے اعضاء نہیں کھائے جاتے۔ خون' پتہ' ذکر' فوتے' فرج' دبر وغیرہ اعضاء حرام ہیں۔ **ما** سے مراد وہ حلال جانور ہے۔ جس میں بہتا ہوا خون ہو کیونکہ بغیر خون والا جانور بغیر ذبح ہی حلال ہے۔ جیسے ٹڈی اور مچھلی۔ ذکر سے مراد ہے زبان سے اللہ کا نام لینا نہ کہ صرف دل سے سوچ لینا۔ علیہ سے مراد ہے علی ذبحہ۔ اسم اللہ فرما کر دو مسئلے

ارشاد ہوئے۔ ایک یہ کہ جس کے ذبح پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ بھی نہ کھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جس کے ذبح پر اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام بھی لیا جائے وہ بھی نہ کھاؤ کہ یہ دونوں جانور حرام ہیں۔ اتنی قیدیں اس آیت میں بیان ہوئیں ایک شرط حدیث شریف سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ذبح کرنے والا مشرک یا مرتد نہ ہو' مسلمان یا کتابی ہو ان قیود کا ضرور خیال رکھا جائے۔ **ان کنتم بآیاتہ مؤمنین** یہ جملہ علیحدہ ہے یہ عبارت شرط ہے اس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ جو **فکلوا الخ** سے معلوم ہوئی (روح المعانی) اس میں بھی خطاب مسلمانوں سے ہی ہے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر صحیح طور پر ایمان رکھتے ہو تو ایسے ذبیحہ کو کھاؤ اسے حرام نہ جانو حلال جانو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں حصر مقصود ہے ورنہ ایسے ذبیحہ کو مشرکین مکہ بھی حلال جانتے تھے فرق یہ تھا کہ وہ اس کے علاوہ اور جانوروں مردار بتوں کے نام پر ذبح کئے کو بھی حلال سمجھتے تھے۔ مسلمانوں سے کہا گیا تم صرف اسی ذبیحہ کو ہی حلال جانو دوسروں کو حرام (کبیر)۔ چونکہ ایسے ذبیحہ کی حلت اور مردار کی حرمت قرآنی آیت سے صراحۃً ثابت ہے تو ان کا منکر ان آیتوں کا منکر ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے۔ اس لئے **بآیاتہ** جمع ارشاد ہوا **وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے لہٰذا اس میں واو ابتدائیہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ما** نافیہ ہے مگر قوی یہ ہے کہ **ما** استفہام کا ہے اور استفہام انکار اور نفی کے لئے ہے **ما** مبتداء ہے اور لکم خبر **ان لا تاکلوا** سے پہلے فی پوشیدہ ہے اور یہ بھی اس کے متعلق ہے جس کے متعلق لکم ہے۔ اس سوال میں عجیب کرم نوازی ہے بلا تشبیہ سمجھنے کے لئے یوں غور کرو کہ کسی کا پیارا بچہ کھانا چھوڑ دے تو مہربان باپ بار بار پوچھے کہ تیرا کیا حال ہے تو روٹی کھاتا کیوں نہیں؟ تجھے کیا ہوا؟ کیا شکایت ہے؟ یہ سوال اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے بندہ نواز رب جو اپنے محبوب کی امت پر ماں سے زیادہ مہربان ہے ہم سے پوچھتا ہے کہ تم اچھی غذائیں کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا؟ تمہارے اچھا نہ کھانے' اچھا نہ پہننے سے ہمارے حبیب کو دکھ ہوتا ہے۔ ان کے دکھ سے ہم کو ایذاء ہوتی ہے۔ لہٰذا آیت کے معنی واضح ہیں باقی ذکر اور اسم اللہ نیز علیہ کے متعلق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا وہی تفسیر یہاں ہے اور معمائی تحقیق بھی کر دی گئی اس میں بھی خطاب مسلمانوں سے ہی ہے یعنی اے مسلمانو تمہیں کون سا عذر و بہانہ ہے۔ اس بات میں کہ اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی وجہ نہیں' کوئی عذر نہیں کہ تم اسے حلال نہ جانو اور اس کا گوشت نہ کھاؤ اس فرمان عالی میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو گوشت وغیرہ چھوڑنے کو تقویٰ و پرہیز گاری سمجھتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تم کو اچھی غذائیں نقصان نہیں دیں گی کیونکہ جس کھانے پینے کے اول آخر اللہ کا نام لیا جائے وہ نقصان نہیں کر سکتا اس کا نام تریاق ہے اس لئے مومن کھاتے پیتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے' جیتے مرتے اللہ کا نام لیتا ہے۔ لہٰذا تم اعلیٰ غذائیں' حلال گوشت کھاؤ اس سے تمہارا تقویٰ نہیں بگڑے گا۔ یہاں میرا نام اپنا اثر دکھائے گا اور ان لوگوں کو بھی جو اس سے بحیرہ' سائبہ' وسیلہ' حام وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے۔ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے گئے اور اللہ کے نام پر کیا گیا ہو وہ حلال ہے۔ اس کے کھانے میں تم کو کوئی عذر نہ ہونا چاہئے۔ **وقد فصل لکم ما حرم علیکم**۔ ہماری قرات میں فصل اور حرم دونوں معروف کے صیغے سے ہیں ان دونوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے بعض قراتوں میں دونوں مجہول ہیں' فصل ف کے پیش سے اور حرم ح کے پیش سے۔ یہ عبارت گذشتہ آیت کے انکار سے حال ہے۔ فصل بنا ہے تفصیل سے جس کا مادہ فصل بمعنی جدائی ہے۔ تفصیل کے معنی ہیں ہر چیز کو الگ الگ کر کے بیان کرنا **ما** سے مراد وہ جانور ہیں جو اسلام میں حرام ہوں خواہ اصلاً" حرام ہوں جیسے سور کتا وغیرہ یا عارضی حرام جیسے مردار وغیرہ یعنی تم کو

حلال ذبیحہ کھانے میں کیا عذر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تفصیل وار بیان فرمادیا ہے۔ جو تم پر اس نے حرام کئے۔ اس میں گفتگو ہے کہ رب نے کب اور کہاں حرام جانوروں کی تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے **حرمت علیکم المیتۃ** الخ مگر امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے اور سورۂ مائدہ مدنی ہے سورۂ انعام مکی لہٰذا وہ آیت پیچھے آئی یہ آیت پہلے پھر فصل ماضی فرمانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے جو سورۂ انعام میں ہی آگے آئے گی **قل لا اجد فیما اوحی الی** الخ کہ وہ آیت اگرچہ ترتیب میں اس آیت کے بعد ہے مگر نزول میں اس سے پہلے ہے لہٰذا فصل ماضی فرمانا درست ہے۔ تفسیر صاوی نے پہلا قول درست فرمایا اور فرمایا کہ اگرچہ آیت **حرمت علیکم المیتۃ** نزول میں اس آیت کے بعد ہے مگر ترتیب عرشی میں اس سے پہلے ہے اور موجودہ ترتیب قرآنی اسی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے لہٰذا فصل ماضی فرمانا علم الٰہی کے اعتبار سے درست ہے۔ تیسرے یہ کہ **فصل لکم** میں اشارہ ان احادیث کی طرف ہے جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام جانوروں کو باتفصیل بیان فرمایا کہ ہر کیل والا شکاری جانور اور ہر پنجہ والا شکاری پرندہ حرام ہے اور کیڑے مکوڑے 'چوہے' سانپ وغیرہ حرام ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں سوا سور کے کوئی جانور کتا' بلی وغیرہ حرام نہیں کئے اور سور کا بھی صرف گوشت حرام فرمایا اس کے باقی اعضاء حدیث شریف نے ہی حرام کئے۔ حدیث پاک بھی رب تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ اس لئے اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہی مقام۔

قول حق قرآن ہے قول پیمبر ہے حدیث نام ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک

خیال رہے کہ رنگتیں آنکھ محسوس کرتی ہیں لذتیں زبان اچھی بری آوازوں میں کان فرق کرتے ہیں۔ چیزوں کی بھلائی برائی عقل سے معلوم کی جاتی ہے مگر حواس ظاہری غلطی کم کرتے ہیں عقل میں یہ قصور ہے کہ یہ برائی بھلائی معلوم کرنے میں ٹھوکریں بہت کھاتی ہیں۔ خود ہم ایک وقت میں ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں۔ دوسرے وقت برا۔ بچپن میں کھیل کود اچھا معلوم ہوتا تھا علم و ادب برا لگتا تھا مگر جوانی میں اس کے برعکس۔ یہ یک وقت ایک شخص کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے' دوسرا برا لہٰذا بندوں کی یہ مجبوری کسی ایسے معیار کی تلاش میں تھی جس سے برائی بھلائی کا صحیح پتہ لگے وہ معیار حق و باطل ذات پاک مصطفیٰ ہے کیونکہ سب کے پاس صرف عقل ہے اس ذات کریم کے پاس وحی الٰہی ان کی زبان پر رحمان بولتا ہے اس لئے ارشاد ہوا **فصل لکم** اور آگے فرمایا کہ بہت سے لوگ لوگوں کو اپنی خواہشات سے گمراہ کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہوا ہے محبوب کے پاس علم خدا **الا ما اضطررتم الیہ** عبارت مستثنیٰ ہے **ما حرم علیکم** سے۔ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **الا** بمعنی **لکن** ہے **ما** موصولہ ہے بمعنی وہ جانور اور **اضطررتم** الخ اس کا صلہ ہے یعنی لیکن وہ جانور حرام نہیں جس کے کھانے کی طرف تم مجبور کئے جاؤ اس وقت تمہارے لئے ہر حرام جانور حلال ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ **الا** اپنے ہی معنی میں ہے اور **ما** مصدریہ ہے۔ اس سے پہلے وقت پوشیدہ ہے **الیہ** کا مرجع **ما حرم** کا **ما** ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مگر تمہاری مجبوری کے وقت کہ اس وقت وہ حرام جانور حلال ہیں۔ خیال رہے کہ مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔ (1) کسی جگہ مسلمان پھنس گیا' بھوک سے جان نکل رہی ہے اور سواء مردار یا حرام جانور کے اور کوئی چیز نہیں جسے کھا کر جان بچائے۔ (2) کوئی ظالم آدمی کسی مسلمان کو مجبور کر رہا ہے کہ یہ حرام جانور کھا ورنہ تجھے قتل کرتا ہوں ان اوقات میں یہ جانور اس کے لئے حلال ہے

اگر نہ کھائے گا جان دیدے گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ وہ گویا خود کشی کر کے حرام موت مرے گا **و ان کثیرا" لیضلون باھوائھم بغیر علم**۔ یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں کفار کے ایک عیب کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں کو محض اپنی خواہش سے گمراہ کرتے ہیں کہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے ہیں اور مردار کو حلال۔ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا ماخذ وحی الٰہی ہو۔ **ان ربک ھو اعلم بالمعتدین**۔ اس فرمان عالی میں انہی گمراہ کرنے والوں پر سخت عتاب ہے، معتدی بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھنا حرام چیز کو حلال جاننا بھی حد سے بڑھنا ہے اور حلال چیز کو حرام سمجھنا بھی حد سے بڑھنا ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ سخت سزا کے مستحق ہیں کیونکہ ایسے لوگ کافر ہیں اور کافر ہمیشہ کا دوزخی ہے۔ لہٰذا جو گائے بکری کو حرام کہے وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ جو سور وغیرہ کو حلال کہے وہ بھی خارج۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں قسم کے حد سے بڑھنے والوں کو خوب ہی جانتا ہے انہیں وہ سزا دے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا جمال اپنا کمال اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھنا پسند فرماتا ہے اس لئے جگہ جگہ اپنے کو ربک فرماتا ہے ہم اپنا جمال آئینہ میں دیکھتے ہیں ایک صناع اپنا کمال اپنی خاص صنعت میں دیکھتا ہے۔ رب اپنے کو اپنے محبوب کے شیشہ میں دیکھتا ہے۔ جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے کرم کے لئے بھی یہاں غضب کا علم مراد ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : رب نے ہماری غذائیں تین قسم کی بنائی ہیں۔ جمادات جیسے نمک یا کبھی گیرو وغیرہ جو بطور دوا کھائی جاتی ہیں۔ نباتات جیسے سبزیاں، حیوانات، پھر جمادات اور نباتات میں کوئی غذا حرام بعینہ نہیں بلکہ ان کی حرمت کے دو قاعدے ہیں مضر ہونا یا نشہ آور ہونا۔ زہر حرام ہے کہ مضر ہے بھنگ افیون کھانا حرام ہے کہ نشہ آور ہے حتیٰ کہ اگر زہر مضر نہ رہے افیون نشہ نہ دے تو حرام نہیں۔ بعض دواؤں میں سنکھیا مارا ہوا، بعض میں بھنگ افیون اطباء استعمال کراتے ہیں جو نہ مضر ہوتی ہے نہ نشہ دیتی ہے مگر حیوانات چار طرح کے ہیں۔ حرام بعینہ جیسے سور کتا گدھا وغیرہ حرام غیرہ جیسے مردار بکری گائے۔ حرام مع غیرہ جیسے دوسرے کی بکری جو اس کی بغیر اجازت ذبح کرلی گئی کہ وہ حرام ہے لیکن اگر مالک اجازت دیدے تو حلال ہے۔ چوتھے حلال اس آیت کریمہ میں حلال جانوروں کے ذبح کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو جب تم سن چکے کہ ذبیحہ اور مردار میں فرق نہ کرنے والے گمراہ بھی ہیں، گمراہ گر بھی، تو تم ان لوگوں کی بات نہ سنو ہر وہ حلال جانور شوق سے کھاؤ جس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو، اس کے قریب نہ جاؤ۔ ذبیحہ اور مردار میں یہی فرق ہے کہ ذبیحہ کا خون اللہ کے نام پر بہایا گیا اور مردار کا خون اس کے نام پر نہیں بہایا گیا۔ مشرکین یہ فرق نہیں سمجھتے اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو ذبیحہ اور مردار میں ضرور فرق کرو تم خود سوچو کہ اب تم کو کیا عذر ہو سکتا ہے اس میں کہ تم اللہ کے نام کا ذبیحہ کھاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی زبان سے تمام حرام جانور تفصیل وار بیان فرما دیئے پس وہ جانور تو حرام ہیں۔ باقی ان کے سواء سب حلال مگر ہاں جو جانور ہمارے محبوب کی معرفت حرام کئے گئے ان میں بھی یہ رعایت ہے کہ جب تم کسی وقت ان کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ خواہ اس طرح کہ تم کو کوئی وہ کھانے پر مجبور کر رہا ہے ورنہ تمہیں جان سے مار دیتا ہے۔ یا اس طرح کہ بھوک سے تمہاری جان نکل رہی ہے اور سوا اس حرام کے اور کوئی بھی چیز نہیں ہے جسے کھا کر تم جان بچالو تو وہ تم پر حرام نہیں۔ تمہارے لئے بقدر ضرورت حلال ہے۔ بہت کفار محض اپنے خیال سے ہی لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں کہ حرام جانوروں کو حلال کہتے ہیں اور حلال کو حرام تم ان سے بچو یہ لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے انہیں سخت سزا دے گا تم ان کے

کہنے میں نہ آؤ ورنہ تم بھی ان کی طرح سزا پاؤ گے۔
فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نماز' روزہ' حج وغیرہ کی طرح کھانا بھی اللہ کی عبادت ہے مومن کے لئے کیونکہ جیسے دوسری عبادات کا حکم دیا گیا ہے ایسے ہی کھانے کا بھی حکم ہے۔ بہت جگہ ہے **اقیموا الصلوۃ** اور بہت جگہ ہے **کلوا**۔ یہ فائدہ یہاں **کلوا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو نکاح سنت انبیاء ہے مگر حضرت یحیٰی و عیسیٰ علیہم السلام نے نکاح نہیں کیا مگر کھانا وہ سنت ہے کہ از آدم تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی نبیوں نے ضرور کھایا جو شخص بھوک سے جان دیدے بھوک ہڑتال یا مرن برت رکھ کر وہ حرام کی موت مرے گا۔ **دوسرا فائدہ:** جس حلال جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا وہ حلال ہے اس کی زندگی میں اس پر خواہ کسی کا نام لیا ہو لہذا گیارہویں شریف کا بکرا' اولیاء اللہ کی فاتحہ کا مرغ وغیرہ حلال ہیں کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے۔ یہ فائدہ **مما ذکر** الخ کے عموم سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** مگر اس فرمان عالی میں دو قیدیں لگانی ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ جانور کسی بت کے تھان پر ذبح نہ کیا گیا ہو اگر ایسا کیا تو حرام ہو گا اگرچہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کیا جائے۔ رب فرماتا ہے **او ذبح علی النصب** دوسرے یہ کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو مرتد یا مشرک یا کافر ذبح کرے تو حرام ہے اگرچہ اللہ کے نام پر ذبح کرے (حدیث شریف)۔ **تیسرا فائدہ:** حلال جانور کے سارے اعضاء حلال نہیں بعض حرام بھی ہیں جیسے خصیے' ذکر' فرج وغیرہ۔ یہ فائدہ **مما** کے من سے حاصل ہوا کہ یہ من تبعیضیہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اگر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کے وقت کسی اور کا نام بھی لے لیا گیا تو بھی جانور حرام ہے۔ یہ فائدہ ذکر اسم اللہ سے حاصل ہوا لہذا اگر پورا کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ کر ذبح کیا گیا تو جانور حرام ہو گیا کہ ان دونوں چیزوں میں اللہ کے نام کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ہے۔

لطیفہ : بعض عشاق کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رحمت ہے اور ذبح قہر کا کام ہے۔ لہذا قہر والے کام پر رحمت والا نام نہ لو بلکہ اس اللہ کا رحمت والا نام بھی نہ لو اسے رحمٰن و رحیم کہہ کر ذبح نہ کرو اسی لئے صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں۔ پوری بسم اللہ نہیں پڑھتے۔ **پانچواں فائدہ:** حلال جانوروں کو حرام سمجھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ **ان کنتم بایاتہ مومنین** سے حاصل ہوا ایسا شخص گویا ساری آیات قرآنیہ کا منکر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بحیرہ سائبہ' وصیلہ وغیرہ جانور جو بتوں کے نام پر اہل عرب چھوڑ دیتے تھے یونہی ہندوؤں کے سانڈ (بجار) حلال ہیں اگر بسم اللہ کہہ کر مسلمان ذبح کر دے تو کھاؤ۔ یہ فائدہ **وما لکم ان لا تاکلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ سے پیدائشی واقف تھے ہزارہا احکام قرآنی ان کی آیات آنے سے پہلے ہی لوگوں کو بتا دیئے تھے بلکہ ان پر عمل کرا دیا تھا۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول قرآن ظہور وحی سے پہلے بھی کبھی حرام جانور' مرداریوں ہی بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور نہ کھایا شراب وغیرہ محرمات کے قریب نہ گئے۔ گانا ناچ اور دوسرے برے کاموں سے ہمیشہ دور رہے' انہیں قدرت نے خاص حسن کے سانچہ میں ڈھالا تھا۔

خدا نے ان کو اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے ۔۔۔ وہ آئے لیکن آئے سب حسینوں سے حسین ہو کر!!

یہ فائدہ **قد فصل لکم** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی مسلمان کو حرام اور مردار جانور کھانے کی اجازت نہ دی۔ یہ آیات تو بہت عرصہ بعد آئیں۔ وضو غسل کی آیتیں حکم نماز سے آٹھ برس بعد آئیں مگر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کو وضو غسل کرا کر نمازیں پڑھوائیں۔ **آٹھواں فائدہ:** خاص مجبوری کی حالت میں حرام جانور بقدر ضرورت حلال ہو جاتا ہے' حرام رہتا ہی نہیں لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں یہ نہ کھائے اور مرجائے تو گنہگار حرام موت مرے گا خود کشی کا مرتکب ہوگا۔ یہ فائدہ **الا ما اضطررتم** میں الا فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں الا ارشاد ہوا ہے حرم کے بعد' جس نے حرمت توڑ دی (تفسیرات احمدیہ) یہ مقام۔ خیال رہے کہ اس مجبوری کی تین صورتیں ہیں۔ دو صورتوں میں حرام چیز کا کھا پی لینا واجب ہو جاتا ہے کہ اگر بغیر کھائے پئے اپنی جان دیدی تو حرام موت مرا ایک یہ کہ بھوک یا پیاس سے جان نکل رہی ہے اور سواء حرام غذائیں یا نجس پانی یا شراب کے اور کچھ پاس نہیں۔ واجب ہے کہ یہ چیزیں کھائے پئے جان بچائے دوسرے یہ کہ کوئی ظالم ہم کو ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کر رہا ہے نہ کھائیں تو قتل کئے دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی کھانا پینا واجب ہے مگر بقدر ضرورت۔ تیسرے یہ کہ کوئی سخت بیمار ہے۔ طبیب مسلمان متقی حاذق کہتا ہے کہ تیری شفا شراب وغیرہ کے سوا کسی میں نہیں تو بیمار کو اب بقدر علاج حرام چیز کھا پی لینا جائز ہے واجب نہیں۔ اگر نہ کھائے مر جائے تو خود کشی کا مرتکب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس دواء میں شفا ہونا یقینی نہیں طبیب کی تجویز غلط ہو سکتی ہے خود علاج کرنا ہی واجب نہیں کوئی دوا بالکل نہ کرے مرجائے تو گنہگار نہیں ہاں اگر پیغمبر فرمادیں کہ تیری شفا اس حرام میں ہے تو اب اس کا کھانا واجب ہوگا نہ کھائے گا مرجائے گا تو خود کشی حرام موت مرے گا کہ اب اس میں شفا یقینی ہے جیسا کہ عرینہ والے لوگوں کا واقعہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیماروں کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ **نواں فائدہ:** حلال جانوروں کو حرام جاننا اور حرام کو حلال سمجھنا گمراہی اور طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لیضلون باھوائھم** الخ سے حاصل ہوا۔ وہ بحیرہ سائبہ حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر مردار کو حلال جانتے تھے۔ **لطیفہ:** مولوی رشید احمد صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سبیل کے شربت کو حرام لکھا مگر ہندوؤں کی دیوالی' ہولی کی پوری کچوریوں کو حلال کہا افسوس۔ **دسواں فائدہ:** اسلامی قانون یہ ہے کہ حرام چیزوں کا ذکر تفصیل سے ہو اور حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ جسے شریعت حرام نہ کرے وہ حلال ہوتی ہے اسی کو کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ یعنی جس کی حرمت کا ذکر نہ ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **فصل لکم ما حرم علیکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کی تفصیل بیان کی اور حلال عورتوں کے متعلق فرمایا **و احل لکم ما وراء ذالکم** اور فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" علی طاعم**۔ ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو شریعت حرام نہ کرے اس سے خاموشی ہو وہ حلال ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** گمراہ سے گمراہ گر بدتر ہے کہ اس کا نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے سانپ کا زہر جان لیتا ہے گمراہ کن آدمی کا زہر ایمان لیتا ہے۔ یہ فائدہ **لیضلون** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا **فکلوا** اور یہ امر ہے' امر وجوب کے لئے آتا ہے تو کیا حلال جانور کا کھانا مسلمان پر فرض ہے اور کھانا حرام ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں مباح کرنے کے لئے بھی امر آتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذا حللتم فاصطادوا** جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔ دیکھو شکار کرنا اس وقت فرض نہیں صرف مباح و جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ **کلوا** سے مراد ہے اسے کھانا حلال جانو حرام مت سمجھو' واقعی یہ فرض ہے۔ تیسرے یہ کہ مخالفت کفار کے لئے ذبیحہ کھانا

فرض ہے ان کی موافقت کے لئے چھوڑنا حرام ہے۔ ہندو دھرم کی رعایت کے لئے گائے چھوڑنا حرام ہے، دیکھو سیدنا عبداللہ ابن اسلام نے یہودیت کی رعایت کے لئے اونٹ نہ کھانے کا ارادہ کیا تھا تو رب تعالیٰ نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافۃ** اسلام میں پورے پورے آجاؤ، آدھا تیتر آدھا بٹیر نہ رہو۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے نام پر ذبح ہو جائے وہ حلال ہے مگر فقہاء کا یہ قول اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)۔ **جواب:** حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس جانور کو حلال فرماتے ہیں وہ بھی بڑے فقیہ ہیں جن فقہا نے اسے حرام کہا ہے۔ انہوں نے **تقربا" الیھم** کی قید لگائی ہے یعنی جو شخص بادشاہ کی عبادت کی نیت سے اس پر بھینٹ چڑھانے کے لئے جانور ذبح کرے وہ کافر مرتد ہو گیا اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کرے اگر بادشاہ مہمان بن کر کسی کے گھر آوے اور اس کی دعوت کے لئے جانور ذبح کرے تو حلال ہے۔

تیسرا اعتراض: غذا میں نباتات بھی ہیں جمادات بھی اور حیوانات بھی اس کی کیا وجہ ہے کہ نباتات جمادات کے کھانے میں کوئی قید نہیں صرف ضرر یا نقصان نہ دینے کی قید ہے مگر جانوروں کے کھانے کے لئے بہت سی قیدیں ہیں وجہ فرق کیا ہے؟ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ جانور علاوہ کھانے کے اور جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں ان کی قربانی دی جاتی ہے۔ انہیں بتوں پر چڑھایا جاتا ہے، ان کو بت خانوں میں بھینٹ کیا جاتا ہے، مسلمانوں کو ان کفار کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ پابندیاں لگائی گئیں۔ طلوع و غروب کے وقت نماز و سجدہ حرام کیا گیا کہ ان میں کفار سے مشابہت ہے۔ اسی طرح بتوں وغیرہ کے نام کے جانور حرام کئے گئے کہ ان میں کفار سے مشابہت ہے جمادات اور نباتات میں یہ وجود موجود نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **و قد فصل لکم ما حرم علیکم** اللہ تعالیٰ حرام جانوروں کی تفصیل بیان فرما چکا حالانکہ اس آیت سے پہلے تفصیل بیان نہ ہوئی۔ سورۂ مائدہ میں جو آیت گزری ہے وہ مدنی ہے جو اس آیت کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ انعام کی یہ آیت اس کے پہلے ہے پھر فصل ماضی کیسے درست ہوا۔ جواب: اس اعتراض کے تین جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ قوی جواب یہ ہے کہ **فصل** سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل وار بیان فرما دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل خدا تعالیٰ کی تفصیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو حرام جانوروں کی مکمل تفصیل بتا دی تھی قرآن مجید نے بہت کچھ بعد تفصیل کی۔ تیرہ سال مکی زندگی میں نہ وضو کی آیت آئی نہ حرام عورتوں کی تفصیل۔ حرام جانور کی یہ سب چیزیں مدینہ منورہ میں بعد ہجرت نازل ہوئیں مگر کہیں ثابت نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ہجرت سے پہلے حرام جانور کھانے یا حرام عورتوں سے نکاح کرنے یا بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ پتہ چلا کہ سب کچھ رب کے ہاں سے سیکھ کر آئے ہیں دنیا کے معلم بن کر تشریف لائے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** قرآن مجید میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ اپنے کو فرماتا ہے ربک اس کی کیا وجہ ہے وہ تو سب کا رب ہے؟ **جواب:** اس کی بہت حکمتیں بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں صوفیانہ رنگ میں اتنا سمجھ لو کہ ہم جب اپنا جمال دیکھنا چاہتے ہیں تو شیشہ سامنے رکھ کر اس میں دیکھتے ہیں کامل صناع اپنا کمال دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی کوئی خاص صنعت سامنے رکھ کر اسے دیکھتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا آئینہ ہیں وہ خود بھی اپنے کو اپنے حبیب کے شیشہ میں دیکھتا ہے ہم کو بھی حکم ہے کہ اس شیشہ میں اسے دیکھیں اسی کا نام معرفت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں بھی **الا ما اضطررتم** ارشاد ہوا اور کفری بات منہ سے نکالنے کے لئے بھی یہی **الا** ارشاد ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** مگر حکم شرعی یہ ہے کہ جو مسلمان مجبوری میں کفر نہ بکے قتل ہو جائے وہ شہید ہو گا اور جو مجبوری میں حرام نہ کھائے

اور مارا جائے یا مرجائے وہ گنہگار ہو اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: یہ مردار جانور مجبوری میں حرام ہوتا ہی نہیں۔ مجبور کے لئے بقدر ضرورت حلال ہوتا ہے مگر کفر بکنا مجبوری میں بھی حرام ہی رہتا ہے ہاں اس پر پکڑ نہیں ہوتی دیکھو یہاں حرم علیکم کے بعد ارشاد ہوا الا ما اضطررتم الا نے حرمت توڑ دی اور وہاں غضب اور عذاب عظیم کے بعد الا ارشاد ہوا کہ فرمایا گیا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم' الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان جس سے معلوم ہوا کہ ایسے مجبور پر غضب اور عذاب نہیں۔ یہ فرق تفسیرات احمدیہ نے بیان فرمایا۔

نکتہ: شریعت میں کسی چیز کا حرام ہونا اور ہے اور چیز کے استعمال کا حرام ہونا کچھ اور ان دونوں میں فرق ہے دیکھو غیر نکاحی عورت بھی حرام ہے اور اپنی بیوی سے بحالت حیض و نفاس صحبت کرنا یونہی روزے یا احرام میں صحبت کرنا بھی حرام یونہی سور کتا بھی حرام ہے اور چوری کی بکری کا گوشت کھانا بھی حرام۔ ان دونوں حرمتوں میں بڑا فرق ہے غیر منکوحہ عورت خود ہی حرام ہے کہ اس سے بچہ حرام کا پیدا ہو گا مگر ناپاکی میں خود عورت حرام نہیں وہ تو خود اپنی بیوی ہے ہاں اس سے صحبت کرنا حرام ہے کہ اگر اس حالت میں صحبت کر لی جائے تو اس کا بچہ حرامی نہ ہو گا یونہی سور کتا بذات خود حرام ہے۔ چوری کی مذبوحہ بکری کا گوشت بذات خود حلال ہے مگر بغیر مالک کی اجازت اس گوشت کا کھانا حرام جب یہ سمجھ لیا تو سمجھ لو کہ بحالت اضطرار یہ مذکورہ جانور حلال ہو جاتے ہیں اور کلمہ کفر بذات خود تو حرام رہتا ہے مگر اس کا منہ سے نکال دینا حلال ہو جاتا ہے اس فرق کی وجہ سے ان دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اے مومنو! دنیا کی چیزیں کھاؤ پیو مگر طمع کے لئے نہیں شرع کے لئے اور انہیں اللہ کے نام سے طیب و طاہر کر کے کھاؤ کیونکہ غفلت اور نسیان کے ساتھ روزی کھانا عصیان (گناہ) پیدا کرتا ہے اس سے جنان (دل) کی موت واقع ہو جاتی ہے اور یہ جنان جنتوں سے حرمان کا باعث ہے۔ دنیا کی نعمتیں تمہارے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں مگر یہ نعمتیں اللہ کے ذکر کے بغیر زہر ہیں اللہ کا ذکر ان کا تریاق ہے تم اللہ کی نعمتیں اللہ کے ذکر کے ساتھ کھاتے کیوں نہیں حالانکہ جو چیزیں اللہ نے حرام کر دیں' حرص' ہوس' طمع' حسد وغیرہ وہ تو اللہ رسول نے تفصیل وار بیان فرما دی ہیں اور ان محرمات سے بچو باقی چیزیں شوق سے کھاؤ۔ بہت لوگ نفسانی' شیطانی' اور ایمانی غذاؤں میں فرق نہیں کرتے یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے باطن بھی۔ غذاؤں کا بھی یہی حال ہے کہ ظاہر غذا جسم کی پرورش کرتی ہے اور غذا کا نور دل کی قوت کا باعث ہے نورانی غذا سے جنانی بلکہ جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر کہ کمال قوت حیدری تو نہاں ہے نان شعیر میں

صوفیاء کے نزدیک دوسری چیزوں کی طرح غذائیں بھی تین طرح کی ہیں۔ شیطانی' نفسانی' روحانی' شیطانی روزی وہ ہے جو حرام راستوں سے آئے۔ رشوت' سود' چوری وغیرہ اور حرام راستوں پر جائے۔ لہو و لعب اور محرمات شرعیہ میں صرف ہو اس روزی سے دل میں سیاہی' گناہوں کی طرف میلان' نیکیوں سے نفرت اس کا نتیجہ ہیں۔ نفسانی غذائیں وہ ہیں جو غفلت سے استعمال ہوں۔ روحانی نورانی غذا وہ ہے جو حلال ہو' اللہ کے ذکر سے تیار ہو' اللہ کے ذکر پر ہی استعمال ہو یہ غذا دل میں نور' عبادات میں لذت' نیکیوں کی طرف میلان' گناہوں سے نفرت پیدا کرتی ہے اگر ان کھانوں کو کسی آستانہ سے نسبت ہو جائے تو اس کی نورانیت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ بزرگوں کے آستانوں کے دال دلیہ میں وہ قوت و طاقت ہوتی ہے جو دنیاداروں

کے گوشت وحلوہ میں نہیں ہوتی کہ ان میں روحانیت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

توز قرآن اے پسر ظاہر مبین دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمی است کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

(از روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسرے دینوں نے ترک دنیا سکھایا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دین بنایا ان دینوں نے راہ خدا پیدل طے کرایا، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی راستہ ہوائی جہاز کے ذریعے طے کرایا اگر انسان تین کام کرلیا کرے تو اس کی دنیا سراپا دین بن جاتی ہے۔ ایک یہ کہ اپنی ہر چیز سے اللہ رسول کے نام کا حصہ نکالے، نظر، قدم، فکر، سانس، سمجھ بوجھ بلکہ زندگی کی ہر ادا سے رب کا حصہ نکالے سوتے جاگتے اور مرتے جیتے تک کے کچھ کام ان سے اپنے لئے کرے۔ کچھ رب کے لئے دوسرے ہر کام کے اول آخر اللہ کا نام لے کہ کناروں پر رب کا نام ہو بیچ میں اپنے کام۔ یہ نام وہ کیمیا ہے کہ وہ ہماری دنیا کو دین بنا دیتا ہے۔

مرد مومن را محمد ابتدا است مرد مومن را محمد انتہاء است

تیسرے یہ کہ دنیاوی کام بھی دین کے لئے کرے سوئے تو فجر کی نماز پڑھنے کے لئے کھائے تو عبادت کے لئے، یہ وہ چیزیں ہیں جن سے دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ اب پڑھو **مما ذکر اسم اللہ علیہ**

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور خفیہ گناہ بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ عنقریب

اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو کماتے ہیں عنقریب کمائی کی سزا پائیں گے اسے نہ کھاؤ

بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ اِنَّهٗ

بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو وہ کماتے تھے اور نہ کھاؤ اس میں سے کہ نہ ذکر کیا گیا اللہ کا نام اوپر

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بے شک حکم

لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَ اِنْ

اس کے اور بے شک وہ حکم سے نکلنا ہے اور تحقیق شیاطین البتہ وسوسے ڈالتے ہیں طرف دوستوں کے اپنے تاکہ جھگڑیں

عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں

اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

کریں وہ تم سے اور اگر اطاعت کرو گے تم انکی تو تم مشرک ہو گے

اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مردار کھانے کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم صرف کھانے ہی پر پابندیاں نہ کرو بلکہ کھانے پینے کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی بچو خواہ کھلے گناہ ہوں یا چھپے۔ گویا ایک خاص گناہ کی ممانعت کے بعد عام گناہوں کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کی غذا کی اصلاح فرمائی گئی اب ان کی دوسری اصلاحیں فرمائی جا رہی ہیں جو اصلاح غذا کا نتیجہ ہیں کیونکہ جو اپنی غذا کی اصلاح کر لیتا ہے وہ دوسری باتوں کی بھی اصلاح کر لیتا ہے گویا اصل کے بعد نتیجہ کا ذکر ہے۔ بری غذا سے برے اعمال' اچھی غذا سے اچھے اعمال نمودار ہوتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حلق اور پیٹ کی اصلاح فرمائی گئی تھی کہ انہیں حرام غذاؤں سے بچاؤ اب قالب اور قلب و قالب دونوں کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ قالب کو ظاہری گناہوں سے بچاؤ۔ قلب کو باطنی گناہوں سے۔ اعمال قلب و قالب کی غذا ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حلال ذبیحہ کے کھانے کی اجازت صراحۃً دی گئی تھی اب ان آیات میں مردار کے کھانے کی ممانعت صراحۃً فرمائی جا رہی ہے کہ ارشاد ہے **ولا تاکلوا الخ** گویا ایک ضد کے بعد دوسری ضد کا ذکر ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں حلال طیب غذاؤں گوشت وغیرہ کی اجازت دی گئی تھی اب ان غذاؤں کے شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان غذاؤں کے شکریہ میں تم ظاہری باطنی گناہ چھوڑ دو یہ ان نعمتوں کا حق ہے۔

شان نزول : اسلام کی تشریف آوری سے پہلے عرب کے عوام علانیہ زنا کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے تھے اپنے زنا کو قصیدوں وغیرہ کے ذریعے شائع کرتے تھے جیسا کہ سبعہ معلقہ وغیرہ قصائد سے معلوم ہوتا ہے مگر وہاں کے شرفاء علانیہ زنا کو تو برا سمجھتے تھے' اس سے حیا کرتے تھے خفیہ زنا میں کوئی عیب نہ سمجھتے تھے۔ گویا وہ زنا کو برا نہ سمجھتے تھے اظہار زنا کو برا جانتے تھے ان دونوں کی فہمائش اور انہیں ان دونوں گناہوں سے ممانعت فرمانے کے لئے آیت **و ذروا ظاهر الاثم** الخ نازل ہوئی (تفسیر صاوی' خازن' کبیر' روح المعانی وغیرہ) اس گئے گزرے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابہ کے نسب شریف کو زنا سے محفوظ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ولدت من نکاح لا من سفاح** ہماری پیدائش نکاح سے ہے برائی سے نہیں۔ نبی پاک کی نسل میں آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت آمنہ و عبداللہ تک کوئی مشرک و کافر نہیں ہوا اور نہ کوئی زانی ہوا یہ نسل پاک کفر و زنا سے محفوظ ہے' یہ ہے رب کی کرم فرمائی۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں ذرا سی کوتاہی ہوتی تو بعد نبوت کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسل کو ہر عیب سے محفوظ رکھا۔ حتی کہ حضرت صدیق جیسے پیاروں کو اول سے ہی ہر عیب سے بچایا۔ خازن نے بروایت کلبی نقل فرمایا کہ اہل عرب دن میں مرد ننگے طواف کرتے تھے اور رات کو عورتیں اندھیرے میں بالکل ننگی طواف کرتی تھیں۔ ان دونوں کاموں سے روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ **و ذروا ظاهر الاثم** الخ نازل ہوئی (خازن)۔

تفسیر : **و ذروا ظاهر الاثم و باطنه**۔ ہم نے بارہا تحقیق کر دی ہے کہ **ذروا** غیر متصرفہ فعل ہے۔ جس کا نہ تو کوئی مصدر ہے نہ ماضی اور نہ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع یا امر آتا ہے۔ جیسے لیس عسی وغیرہ۔ خیال رہے کہ ان جیسی تمام آیات میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوتا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ آیات ہیں کہ آپ تبلیغ فرماؤ

لوگوں کی شفاعت کرو وغیرہ۔ جیسے اسکول و کالج کے قوانین طالب علموں کے لئے ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے انتظامی معاملات کے قوانین مدرسوں معلموں کے لئے ہوتے ہیں۔ یونہی قرآن مجید میں اعمال کرنے کے قوانین امت کے لئے ہوتے ہیں اعمال کرانے کی آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم ہیں **یعلمهم الکتب والحکمته** پھر تعلیم کے وقت معلم بھی اپنے سامنے کتاب رکھتا اور عبارت پڑھتا ہے اور طالب علم بھی مگر استاد یہ کام پڑھانے سکھانے کے لئے کرتا ہے' طالب علم سیکھنے کے لئے۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے احکام شرعیہ پر عمل کیا ہم کو سکھانے کے لئے۔ اس لئے آیات احکام آنے سے پہلے حضور انور احکام پر عامل تھے۔ لہٰذا اس آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں پھر ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب سارے انسان بلکہ تمام انس و جن سے ہے خواہ مومن ہوں یا کافر کیونکہ بدعقیدگی' باطن گناہ ہے۔ جس سے الگ ہو جانا کفار پر ضروری ہے الگ رہنا مومن پر بھی لازم یونہی ظاہری گناہ چھوڑنا فاسقوں پر ضروری ہے اور چھوڑے رہنا متقیوں پر بھی لازم۔ ظاہری اور باطنی گناہ کے متعلق بہت قول ہیں جن میں سے ہم چند قول نقل کرتے ہیں۔ (1) قالب کے گناہ ظاہری گناہ ہیں اور قلب' ارادہ' نیت کے گناہ باطنی گناہ ہیں۔ (2) بدعملیاں گناہ ہیں' بدعقیدگیاں باطنی گناہ۔ (3) علانیہ گناہ ظاہری گناہ ہیں۔ خفیہ گناہ باطنی گناہ ہیں۔ (4) فحش چیزیں جسے لوگ گناہ سمجھتے ہوں ظاہری گناہ ہیں جیسے چوری زنا وغیرہ اور شرعی و اسلامی گناہ ہیں۔ جسے لوگ گناہ نہ سمجھیں مگر شریعت گناہ کہے وہ باطنی گناہ ہیں جیسے کفریا سود' شراب وغیرہ۔ (5) گناہ ظاہری گناہ ہیں اور نیکیوں میں ریاکاری باطنی گناہ۔ (6) اعضاء ظاہری کے گناہ ظاہری گناہ ہیں اور خیال و دماغ کے گناہ باطنی گناہ جیسے حسد' تکبر' شیخی مسلمانوں کا برا چاہنا۔ (7) بے پرواہی سے گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گناہ کرنا باطنی گناہ ہے۔ یہ آخری معنی تفسیر خازن نے کئے۔ (8) گناہ پر خوش ہو کر گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے۔ نیک کاروں کے روپ میں رہنا اور گناہ کرنا باطنی گناہ ہے کہ لوگ ہم کو متقی جانیں مگر ہم بدکار ہوں۔ (10) گناہ کو گناہ جان کر کرلینا ظاہری گناہ ہے مگر گناہ کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش کرنا یہ باطنی گناہ ہے اس آخری گناہ میں علماء سوء' اور بے دین پیر' فقیر بہت گرفتار ہیں۔ (11) گناہ کو خدا تعالیٰ سے دوری کا سبب جان کر گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے اور گناہ کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھ کر کرنا یہ باطنی گناہ ہے۔ اس آخری گناہ میں جاہل فقیر بہت گرفتار ہیں جو ترک شریعت اور بھنگ' چرس' گانے ناچنے کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء سے ہماری بنتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ظاہری باطنی گناہوں سے بچائے۔ (12) صوفیاء کرام کے نزدیک ظاہری باطنی گناہ کے کچھ اور ہی معنی ہیں جو ان شاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض ہوں گے۔ پھر خیال رہے کہ گناہ چھوڑنے کی تین صورتیں ہیں۔ گناہ سے الگ ہو جانا کہ بری عادات چھوڑ دینا یہ ہم جیسے گنہگاروں کا کام ہے گناہ سے الگ رہنا یعنی پہلے بھی گناہ نہیں کئے تھے آئندہ بھی نہ کرنا یہ نیک کاروں خاص اولیاء اللہ کی شان ہے۔ گناہ سے ہٹ جانا کہ کسی گناہ کرنے کی تیاری کرلی' اسباب گناہ جمع ہیں' رکاوٹ موجود نہیں مگر صرف خوف خدا کی بناء پر گناہ سے ہٹ جائے یہ تینوں معنی **وذروا** میں شامل ہیں۔ اس تیسری نوعیت کا بڑا درجہ ہے۔ رب فرماتا ہے **و لمن خاف مقام ربه جنتان**۔ مگر خیال رہے کہ یہ تیسرے معنی اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے نصیب ہوتے ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسے نازک موقعہ پر کرم کرے تو بندہ گناہ سے ہٹتا ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے مقفل گھر میں لے جا کر گناہ کی رغبت دی تو یعقوب علیہ السلام نے ایسے نازک موقعہ پر اپنے فرزند کو گناہ سے بچایا۔ **ولقد همت به و هم بها لو لا ان رای برهان ربه** ایسے ہی نازک موقعہ کے لئے مرشد کامل کا

ہاتھ پکڑتے ہیں۔ **ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون**۔ اس فرمان عالی میں ان دونوں قسم کے گناہوں کے انجام کا ذکر ہے۔ چونکہ بعض لوگ بعض گناہوں کو نیکی سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد سارے مومن و کافر ہیں۔ کسب سے صرف ظاہری اعضاء سے گناہ کرنا مراد نہیں بلکہ دل' خیال' ارادہ' نیت کے گناہ بھی مراد ہیں۔ لہٰذا **الاثم** میں بدعملیاں' بدعقیدگیاں وغیرہ سب شامل ہیں۔ ان سب کی سزائیں قیامت کے بعد ملیں گی مگر چونکہ ہر آنے والی یقینی چیز قریب ہوتی ہے اس لئے **سیجزون** میں س داخل ہوا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیاوی سزائیں مراد ہوں۔ چنانچہ کفار مکہ پر جنگ بدر وغیرہ میں عذاب الٰہی آئے اس صورت میں سین فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ جزاء ثواب کے لئے بولا جاتا ہے اور عذاب کے لئے بھی یعنی مطلقاً بدلہ۔ یہاں بمعنی عذاب ہے کیونکہ گناہ کا بدلہ عذاب ہی ہوتا ہے۔ **بما** میں **ما** سے مراد ہر برائی ہے بدعملی ہو یا بدعقیدگی **یقترفون** بنا ہے اقتراف سے جس کا مادہ قرف ہے بمعنی کسب۔ اسی سے ہے مقارفت بمعنی جماع و صحبت یعنی جو لوگ کسی قسم کے گناہ کریں گے بدنی یا دلی انہیں عنقریب سزا دی جائے گی وہ دھوکہ میں نہ رہیں۔ خیال رہے کہ یہاں گناہ کے لئے کسب فرمایا **عملوا** نہ فرمایا کیونکہ گناہ میں چار شرطیں ہیں سمجھداری' بیداری' ہوشیاری' ارادہ۔ بچہ' سوتا ہوا' دیوانہ' بھول جانے خطا والے کے کسی جرم پر سزا نہیں ہوتی۔ دیکھو ایک صحابی نے شراب کے نشہ میں سورۂ کافرون کے **لا** نہ پڑھے مگر انہیں کافر و مشرک نہ کہا پھر گناہ ہو چکنے کے بعد ہزار بہانہ معافی کے توبہ' گریہ' کوئی نیک عمل سب معافی کا ذریعہ ہیں۔ **ان الحسنات یذھبن السیئات**۔ مگر نیکی کے لئے یہ آسانی ہے کہ کمائے' یا ہو جائے' یا مل جائے' ہر طرح قبول ہے کسی کے کھیت باغ سے جانور کھالیں اس کا ارادہ بھی نہ تھا مگر نیکی ہو گئی' کوئی ایصال ثواب کر دے منظور پھر نیکی ایسی پختہ کہ بجز کفر کے کسی چیز سے نہیں مٹتی ان وجوہ سے یہاں **کسبوا** ارشاد ہوا۔ **الذین** سے مراد جن و انس سب ہیں کہ گناہ کی سزا مجرم جنات کو بھی ہوگی **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ**۔ یہ نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے کھانے کا ذکر فرمایا مگر مراد ہے استعمال کرنا چنانچہ مردار کی چربی فروخت کرنا اسے کسی کام میں لانا صابن وغیرہ بنانا حرام ہے۔ ہاں مردار کی کھال دباغت سے استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ **ما** سے مراد قابل ذبح حلال جانور ہیں جیسے گائے' بکری' مرغی وغیرہ۔ اللہ کا نام ذکر نہ کرنے کی چار صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ چھوڑ دی جائے ویسے ہی خاموشی سے ذبح کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے' تیسرے یہ کہ اسے ذبح ہی نہ کیا جائے۔ جانور ویسے ہی مر جائے۔ چوتھے یہ کہ اسی طرح اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے۔ خیال رہے کہ اگر ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جانور حلال ہے اس لئے یہاں **لم یذکر** فرمایا۔ **مالم یذکر** نہ فرمایا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ **علیہ** سے مراد ہے علی ذبحہ یعنی اے مسلمانو اس جانور سے نہ کھاؤ جس کے ذبح پر اللہ کا نام عمداً نہ لیا گیا ہو کیونکہ وہ مردار ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ کے متعلق چند قول ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی کھانا پانی شربت بسم اللہ کے بغیر حرام ہے کیونکہ حرام کھانے پینے کو شامل ہے۔ یہ قول عطا کا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے بھول کر یا عمداً وہ حرام ہے۔ یہ قول ابن سیرین اور امام مالک کا ہے۔ تیسرے یہ کہ جانور بہرحال حلال ہے خواہ بھول کر بسم اللہ رہ جائے یا عمداً یہ قول امام شافعی کا ہے۔ چوتھے یہ کہ بھول کر رہ جائے تو حلال ہے' جان کر چھوڑ دے تو حرام۔ یہ آخری قول ہمارے امام اعظم کا ہے (تفسیر خازن) یہی قوی ہے جیسا کہ **لم یذکر** اور **وانہ لفسق** سے معلوم ہوتا ہے۔ **انہ** میں ہ ضمیر **لم یذکر** کے مصدر کی طرف ہے۔ **فسق** کے معنی اس کے

اقسام اور اقسام کے احکام پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے فسق کا درجہ انہماک مراد ہے جو تقویٰ کے خلاف ہے یعنی بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کرنا فسق اور بد کاری و سخت گناہ ہے اور ظاہر ہے کہ بھوک چوک نہ گناہ ہے نہ فسق لہٰذا وہاں عمداً بسم اللہ چھوڑنا ہی مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی و تفسیرات احمدیہ)۔ **و ان الشیاطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم**۔ اس میں کفار کے عمل کی پر زور تردید ہے۔ شیاطین سے مراد یا تو ابلیس اور اس کی ذریت ہے یا وہ کفار جو عام کفار کو یہ سکھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجتے تھے کہ تم لوگ اپنا مارا (ذبیحہ) تو کھا لیتے ہو مگر خدا کا مارا (مردار) نہیں کھاتے۔ یوحون بنا ہے وحی سے بمعنی اشارہ یا خفیہ بات یا وسوسہ چونکہ ان لوگوں نے خفیہ طور پر ہی ان کفار کو یہ اعتراض سکھایا تھا۔ اس لئے یوحون ارشاد ہوا۔ یقولون نہ فرمایا گیا۔ چونکہ انسانی شیطان بہت قسم کے، بہت طریقوں کے ہیں اس لئے شیاطین جمع ارشاد ہوا۔ بعض مولوی، بعض پیر، بعض ہمارے دوست، بعض اولاد، بعض بیویاں شیطان ہیں جو ہم کو خدا کی راہ سے روکتے ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اسی طرح یہ شیطان کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی صرف صحبت سے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ اس لئے یوحون مطلق ارشاد ہوا۔ غرضیکہ انسانی صورت میں سب یکساں ہیں مگر سیرت میں مختلف ہیں جیسے ظاہر زمین ساری یکساں ہے مگر اندرون زمین کہیں پانی ہے، کہیں تیل کا چشمہ، کہیں سونے چاندی وغیرہ کی کانیں اس لئے ظاہری شکل سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اولیاء سے یہی عام کفار مراد ہیں، جو مردار کھا جاتے ہیں اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے۔ یہ جمع ہے ولی کی بمعنی دوست و محب۔ لیجادلوکم بنا ہے جدال سے بمعنی ناحق جھگڑا یعنی شیاطین جن، شیاطین انس جھوٹے وسوسے عام کفار کے دلوں میں ڈالتے ہیں خفیہ طور پر انہیں واہیات اعتراض سکھاتے ہیں تاکہ وہ لوگ، بجائے توبہ کرنے کے تم سے جھگڑے کریں اور اپنی بد عملیوں کی اچھائی ثابت کریں۔ جھگڑا تین طرح کا ہوتا ہے عناد کا، فساد کا، ناز کا۔ پہلے دو جھگڑے برے ہیں تیسرا جھگڑا کبھی اچھا ہوتا ہے۔ یہاں پہلے دو قسم کے جھگڑوں میں سے کوئی مراد ہے اور **تجادلک فی زوجھا** میں ناز والا جھگڑا مراد ہے۔ **و ان اطعتموھم انکم لمشرکون** اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اگر تم نے کفار کی یہ بات مان لی اور ذبیحہ و مردار جانور میں فرق نہ کیا تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک و کافر ہو گے کیونکہ اسلام کے ایک عقیدہ قطعیہ کا انکار کفر ہے۔ یونہی حلال قطعی کو حرام جاننا یا حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ کفار کی کوشش یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں اسلامی احکام کے متعلق شبہات ڈال کر تم کو اسلام سے برگشتہ کر دیں اگر تم نے ان کی باتیں مانیں تو تم بھی انہیں کی طرح ہو جاؤ گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو! تم ظاہری گناہوں سے بھی بچو اور خفیہ گناہوں سے بھی۔ یہ دونوں قسم کے گناہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو کیونکہ جو لوگ کسی قسم کا گناہ کماتے ہیں وہ قریب ہی اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ تم ہماری بارگاہ میں سزا کے مستحق ہو کر نہ آؤ بلکہ ثواب کے مستحق ہو کر آؤ۔ خیال رہے کہ ہر عضو کے بہت گناہ ہیں جیسے ہر عضو کی بیماریاں، بہت ایسے ہی ہر عضو کے گناہ بہت، جن کی تفصیل بہت دراز ہے۔ بطور اجمال یہ سمجھ لو کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیں یا ناخوش ہوں وہ گناہ ہے اور جسے اللہ رسول پسند فرمادیں وہ نیکی ہے حتیٰ کہ اگر کسی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں تو وہ نماز گناہ ہے اور اگر قضاء نماز سے راضی ہو جائیں تو وہ قضا بھی نیکی ہے۔ کوئی چھوٹا گناہ حقیر جان کر نہ کرو کہ کبھی معمولی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کوئی چھوٹی نیکی حقیر جان کر چھوڑ نہ دو۔ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ گناہ کے لئے کسب ضروری ہے نیکی کے لئے صرف عمل کافی۔ کسب اور عمل کا فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رکھو جس جانور پر اللہ کا نام

دیدہ دانستہ چھوڑ دیا گیا ہو وہ تم ہرگز نہ کھاؤ خواہ اس طرح نام چھوڑا گیا ہو کہ وہ بغیر ذبح مر جائے یا اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کر دیا جائے خواہ اس طرح کہ خدا کے نام کے ساتھ اور کسی کا نام ملا کر ذبح کیا جائے' خواہ اس طرح کے دیدہ و دانستہ خاموشی سے بغیر خدا کا نام لئے ذبح کر دیا جائے۔ بہرحال حرام ہے اسے نہ کھاؤ۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا فسق (گناہ و بدکاری) ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جانور کے جو اجزاء کھائے جاتے ہیں مردار کے وہ اجزاء کسی طرح استعمال نہیں کئے جاسکتے حتیٰ کہ ان کی قیمت لینا بھی حرام اس قیمت کا استعمال کرنا بھی حرام۔ جیسے گوشت' چربی' کلیجی' گردے وغیرہ مگر جو اجزاء کھائے نہیں جاتے ان کا استعمال بھی جائز ہے' ان کی قیمت بھی حلال جیسے کھال' سینگ' کھر' ہڈی' بال وغیرہ۔ شیطانوں کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے دوست کافروں کے دلوں میں شبہات وارد کرتے ہیں تاکہ وہ تم میں وہ شبہ ڈالیں اور تم سے جھگڑے کریں' تم ان کے کہنے میں نہ آؤ۔ اسلام پر قائم رہو اگر تم نے ان کی مانی اور ان احکام اسلامیہ کا انکار کر دیا تو تم بھی انہی کی طرح کافر و مشرک ہو جاؤ گے کہ اسلام کے ایک عقیدے یا عمل کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسے سارے احکام کا انکار۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کامیاب مسلمان وہ ہے جو دل کے جسم کے چھپے' کھلے' چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہ سے بچا رہے۔ عقیدے' نیت' ارادے' خیالات بھی ٹھیک رکھے اور بدنی مالی گناہوں سے بھی دور رہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری و باطنی بہت سے اعضاء بخشے ہیں اور ہر عضو کے صدہا گناہ ہیں' صدہا نیکیاں۔ اس آیت کریمہ نے دو لفظوں میں ان سب کا اجمالی ذکر فرما دیا۔ اس اجمال کی تفصیل احادیث شریفہ' اقوال علماء و برکات صوفیاء میں دیکھو۔ ہم نے اشارۃً" کچھ ذکر ابھی تفسیر میں کر دیا۔ خیال رہے کہ جیسے ہر قسم کے کھلے چھپے گناہوں سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی ہر قسم کی کھلی چھپی نیکیاں کرنا بھی لازمی ہیں۔ نماز عید' نماز جمعہ' نماز پنجگانہ کھلی نیکیاں ہیں انہیں علانیہ کرو کہ عید کے دن اچھے لباس پہن کر تکبیر کا شور مچاتے عید گاہ جاؤ۔ بقیہ نمازیں مسجد میں جماعت سے ادا کرو اور نماز تہجد چھپی نیکی ہے اسے گھر کے گوشہ میں' اندھیرے میں' چپکے سے اکیلے ادا کرو۔ یونہی ظاہری اعضاء کی نیکیاں بھی کرو یعنی عبادات اور دل کی دماغ کی نیکیاں بھی کرو یعنی اچھے عقائد اختیار کرو۔ دوسرا فائدہ: کسی شخص کو کسی حالت میں گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ گناہ ایک آگ ہے جو ہر پیر' فقیر' امیر و غریب سب کو جلا دیتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **وذروا ظاهر الا ثم** الخ سے حاصل ہوا۔ جو کہے کہ مجھے شراب حرام نہیں' نماز فرض نہیں' میں جو چاہوں کروں وہ کافر ہے۔ اسے چاہئے کہ زہر کھا کر' آگ میں کود کر' سمندر میں ڈوب کر دکھائے۔ جب یہ چیزیں اسے ہلاک کر سکتی ہیں تو گناہ بھی اسے برباد کر سکتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: یونہی کوئی شخص نیک اعمال سے بے نیاز نہیں۔ جو کہے کہ مجھے اعمال کی ضرورت نہیں وہ بھی کافر ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ غذا' ہوا' دھوپ' زمین اور آسمانی سایہ سے فائدہ حاصل کرنا چھوڑ دے' انہیں چھوڑ کر زندہ رہ کر دکھاوے۔ جب جسمانی زندگی کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں تو روحانی زندگی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل اور نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ جو بو کر گندم کاٹنے کی ہوس محض دھوکہ ہے۔ یہ فائدہ بھی **وذروا** الخ سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

چوتھا فائدہ: بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ یہ فائدہ **سجزون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ سین قرب کے لئے ہے اور اس سے دنیاوی سزا مراد ہے۔ پانچواں فائدہ: گناہ کی تفصیل تو بہت دراز ہے مگر گناہ کا اجمال یہ ہے کہ جس چیز سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں' منع فرمادیں وہ گناہ ہے۔ رب فرماتا ہے **ما اتاکم الرسول فخذوا وما نھاکم عنه فانتھو** کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و ناخوشی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و ممانعت رب تعالیٰ کی خوشی و ناخوشی ہے۔ اسی کی اجازت و ممانعت ہے۔ فرماتا ہے **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ یہ فائدہ **الاثم** کو مجمل فرمانے سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: جیسے بعض انسان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی صفت اضلال کے مظہر ہیں ایسے ہی بعض انسان ہدایت دیتے ہیں وہ رب کی صفت ہدایت کے مظہر ہیں۔ یہ فائدہ **یوحون** سے حاصل ہوا۔ جیسے بعض ریلیں لاہور میل کہلاتی ہیں' بعض پشاور میل' بعض کوئٹہ میل یعنی ان مقامات پر پہنچانے والی گاڑیاں یونہی بعض لوگ شیطان میل ہیں' بعض رحمان میل۔ یعنی شیطان یا رحمان تک پہنچانے والے۔ **ساتواں فائدہ:** جس جانور کے ذبح پر صرف خدا کا نام نہ لیا جائے وہ مردار و حرام ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔ جانور بغیر ذبح مرجائے بغیر بسم اللہ پڑھے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ ذبح کے وقت خدا کے نام کے ساتھ اور کسی کا نام بھی لے دیا جائے۔ یہ فائدہ **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جس جانور پر بوقت ذبح بھول کر ذکر اللہ نہ کیا جائے وہ حلال ہے ہاں عمداً" بسم اللہ چھوڑ دے تو حرام ہے یہ فائدہ **لم یذکر** اور **انہ لفسق** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر کہ **لم یذکر** نفی جحد بلم ہے جس میں جحد یعنی ارادةً" ذکر نہ کرنا مراد ہے نیز بھول چوک فسق نہیں ہوا کرتی۔ اس میں ارادہ ضروری ہے۔ **نواں فائدہ:** بھول کر غیر خدا کے نام پر ذبح کر دینا یا بھول کر چند ناموں پر ذبح کر دینا جانور کو حرام کر دے گا کہ یہ بھول مسلمانوں سے بہت کم ہوتی ہے بلکہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھو روزہ میں بھول سے کھاپی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر نماز میں بھول سے کھانا پینا یا بات چیت کرنا نماز توڑ دیتا ہے کہ روزے میں بھول عام ہے اور نماز میں ایسی بھول نہیں ہوتی۔ یہ فرق یاد رہے یونہی احرام میں بھول کر صحبت کرنا احرام کو توڑ دے گا حج کو فاسد کر دے گا کہ ایسی بھول قریباً" ناممکن ہے احرام کی حالت حج و احرام کو یاد دلاتی ہے۔ دسواں فائدہ: بغیر علم دین مسائل میں جھگڑنا یا محض جھگڑے کے لئے مناظرہ کرنا شیطان یا شیطانی لوگوں کا کام ہے۔ یہ فائدہ **لیجادلوکم** سے حاصل ہوا۔ لیکن تحقیق حق کے لئے مناظرہ کرنا عبادت ہے۔ رب فرماتا ہے **و جادلھم بالتی ھی احسن**۔ گیارہواں فائدہ: جو شرک کرے وہ مشرک' جو مشرکوں سے دینی محبت رکھے وہ مشرک' جو مسلمانوں سے دینی نفرت کرے وہ بھی مشرک و کافر ہے۔ یہ فائدہ **انکم لمشرکون** سے حاصل ہوا اگر ہم نے جو مذہبی اور دینی کی قید عرض کی وہ خیال رہے۔ بارہواں فائدہ: مردار کی چربی اور گوشت کسی کام میں نہیں آسکتے یہ دونوں چیزیں نجس ہیں' ان کی تجارت مسلمان کے لئے حرام ہے' ان کی قیمت مسلمان استعمال نہیں کر سکتا' گوشت' چربی کے سواء مردار کے بال' کھال' ناخن' ہڈی وغیرہ خشک کرکے کام میں لائے جاسکتے ہیں ان کی فروخت بھی درست ہے۔ مردار کا گردہ' کلیجی' تلی وغیرہ گوشت کے حکم میں ہے۔ یہ مسئلہ **لا تاکلوا** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے **لا تستعملوا** نہ فرمایا کھانے سے منع کیا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے والی چیزیں مردار کی حرام و نجس ہیں۔ منع فرما کر بتایا کہ اس کی کوئی چیز نہ کھائی جائے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ کوئی گناہ کسی حال میں کسی مسلمان کو درست نہیں حالانکہ مجبوری میں مسلمان حرام گوشت کھا

کر جان بچا سکتا ہے۔ حاذق حکیم کے مشورے پر حرام دوا استعمال کر سکتا ہے۔ دیکھو مجبور کو یہ دونوں گناہ کرنا درست ہو گئے۔
جواب: ان حالات میں یہ چیزیں مجبور کے لئے نہ حرام رہتی ہیں نہ ان کا استعمال کرنا گناہ ہوتا ہے گناہ وہ ہے جس کو شریعت منع کرے جب شریعت نے ہی ان کی اجازت دے دی پھر گناہ کیسے ہوئے۔ دوسرا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی سے فرمایا کہ عثمان تم جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گناہ کی اجازت دے دی۔ جواب: اس کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ اس فرمان عالی میں گناہ کی اجازت نہیں بلکہ گناہ سے حفاظت ہے کہ اب عثمان کا میلان گناہ کی طرف ہو گا ہی نہیں۔ جب بچ کی حفاظت چمنی سے کر دی گئی تو اسے ہوا کدھر سے پہنچے۔ چڑیا کے پر کاٹ دیئے تو مالک کے پاس سے کیسے اڑ کر بھاگے۔ تیسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب اللہ کا مقبول بن جاتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا دیکھو ایسے بندے کے لئے گناہ کی اجازت دیدی گئی (بعض جاہل بے دین پیر)۔ جواب: اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچاتا ہے۔ جب وہ بندہ گناہ تک اور گناہ اس تک پہنچتا ہی نہیں تو نقصان کیسے دے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ ان جیسی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری باطنی گناہ چھوڑنے کا حکم نہیں کیا آپ کو ان کی اجازت ہے۔ جواب: آپ کو یہ حکم ہے کہ لوگوں سے کفرو شرک گناہ چھوڑاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لوگوں سے گناہ چھوڑانے آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کبھی گناہ کی طرف مائل ہو سکتی ہی نہیں۔ اسی لئے اس آیت کے نزول سے پہلے بچپن شریف میں بھی کسی گناہ صغیرہ کے پاس بھی نہ گئے جس کی مثال ابھی ہم نے تفسیر میں اسکولی قانون سے بہت اچھی طرح بیان کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ **تطہرھم و تزکیھم بھا** اور آپ کی صفت ہے **و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ** **پانچواں اعتراض**: تم نے تفسیر میں کہا کہ یہ آیت اور تمام احکام کی آیات تمام مسلمانوں' ولیوں' غوثوں' قطبوں پر حاوی ہے۔ اگر مجذوب' مجنون' نابالغ بچوں پر شریعت کے احکام جاری نہیں پھر تمہارا یہ کہنا کیسے درست ہوا۔ جواب: وہاں خود قانون نے ان کو چھوڑ دیا ہے' کوئی شخص قانون کو نہیں چھوڑ سکتا' ہم کو قانون چھوڑ دے یہ اور چیز اور ہم قانون کو چھوڑ دیں یہ اور بات ہے۔ زکوٰۃ کے قانون نے غریب کو چھوڑ دیا بالکل ٹھیک ہے مگر جو امیر کہے کہ میں تو خدا تک پہنچا ہوا ہوں مجھ پر زکوٰۃ فرض نہیں وہ کافر ہے یہ فرق ضرور خیال رہے۔ چھٹا اعتراض: یہاں شیاطین جمع کیوں ارشاد ہوا؟ جواب: اس لئے کہ اگر اس سے انسانی شیاطین مراد ہیں تو وہ بھی بہت ہیں بعض مولوی' بعض پیر' بعض دوست' بعض اولاد' بعض بیویاں جو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں وہ سب شیاطین انس ہیں اور اگر اس سے شیاطین جن مراد ہیں تو وہ بھی بہت ہیں جن میں سے بعض قرین ہیں' ہر دم انسان کے ساتھ رہنے والے بعض خزب نماز میں وسوسے دلانے والے۔ بعض ولہان ہیں' وضو میں وسوسے ڈالنے والے۔ بعض بازاروں میں' بعض پاخانوں میں' بعض شراب خانوں وغیرہ میں رہنے والے اس وجہ سے شیاطین جمع ارشاد ہوا۔ ساتواں اعتراض: اگر ذبیحہ حلال ہونے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط ہوتا تو اس میں عمد اور بھول کا فرق نہ ہوتا' شرط بھول کر رہ جائے یا جان کر شے درست نہیں ہوتی جیسے طہارت نماز کے لئے کہ بھول کر بے وضو پڑھے یا جان کر' نماز نہ ہو گی۔ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا بوقت ذبح شرط نہیں لہٰذا اخواہ عمداً بسم اللہ چھوڑ دے یا بھول کر ذبیحہ حلال ہے۔ (شوافع)۔ جواب: یہ قاعدہ ہی غلط ہے روزے میں کھانا پینا چھوڑنا رکن ہے مگر وہاں ارادہ اور بھول کا فرق موجود ہے کہ ارادۃً "کھا پی لیا تو روزہ گیا" بھول کر کھا پی لیا تو روزہ رہا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ جہاں

بھول چوک نادر ہو کوئی چیز یاد دلانے والی موجود نہ ہو' وہاں عمد اور بھول کا فرق نہیں۔ جہاں بھول چوک زیادہ ہو' کوئی چیز یاد دلانے والی موجود نہ ہو' وہاں ارادہ اور بھول کا فرق ہو گا۔ ذبح پہلی قسم کی چیز ہے۔ (تفسیر روح المعانی)۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں اللہ کا نام نہ لینے سے مراد ہے غیر خدا کے نام پر ذبح کرنا اگر غیر خدا کے نام پر ذبح نہ ہو تو جانور حلال ہے خواہ اللہ کے نام پر ذبح ہو یا خاموشی سے ارادۃً" یا بھول کر کیونکہ یہاں اس عمل کو فسق کہا۔ دوسری آیت میں فرمایا **قل لا اجد فیما اوحی الی یا کہ او فسقا" اھل لغیر اللہ بہ** وہاں فسق کے معنی ہیں غیر خدا کے نام پر ذبح اس کے سوا تمام جانوروں کو حلال فرمایا گیا۔ لہذا وہی یہاں مراد ہے۔ (شوافع)۔ امام شافعی قدس سرہ کی یہ بڑی زبردست دلیل ہے۔ **جواب:** غیر خدا کے نام پر ذبح کرنا بھی فسق ہے اور ارادۃً "بغیر ذکر اللہ ذبح کرنا بھی فسق۔ ایک فسق کا وہاں ذکر ہے دوسرے فسق کا یہاں ذکر۔ وہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں۔ کفار بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام کہتے تھے ان کی تردید میں وہاں والی آیت اتری اگر وہاں حصر حقیقی ہو تو لازم آئے گا کہ کتا' بلا سب حلال ہوں یہ جواب خوب سمجھ لو بہت نفیس ہے۔ (تفسیرات احمدیہ)۔ **نواں اعتراض:** **مما لم یذکر** میں **ما** عام ہے۔ جس جانور کو اللہ کے ذکر کے بغیر ذبح کر دیا جائے وہ حرام ہے خواہ عمداً" ہو' خواہ بھول کر' آیت میں بھول یا عمد کی قید نہیں۔ (احمد' ابن سیرین' خواجہ حسن بصری)۔ ان حضرات کا یہی مذہب ہے کہ بھول چوک اور عمد برابر ہیں۔ جس کی ذبح پر اللہ کا نام نہ ہو وہ حرام ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **لم یذکر** نفی عمد ہے۔ جس میں عمد کی طرف اشارہ ہے اور اس عمل کو رب نے فسق فرمایا' بھول چوک فسق نہیں ہوتی۔ **دسواں اعتراض:** ابو داؤد شریف کی حدیث میں ہے **ذبیحۃ المسلم حلال ذکر اسم اللہ او لم یذکر** یعنی مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے وہ اللہ کا نام لے یا عمداً" چھوڑ دے۔ معلوم ہوا کہ عمداً" چھوڑا ہوا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ (شوافع)۔ **جواب:** وہ حدیث خبر واحد ہے اس کی وجہ سے حکم قرآنی میں ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ لہذا وہ حدیث قابل عمل نہیں یہ آیت واجب العمل ہے۔ (تفسیر روح المعانی و احمدی) خیال رہے کہ اس مسئلہ میں امام اعظم کی تائید سات آیات سے ہوتی ہے۔ (1) تین آیات سورۂ انعام میں اور (2) تین سورۂ حج میں۔ ایک سورۂ مائدہ میں' سورۂ انعام والی آیات یہ ہیں۔ (1) **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** (2) **وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** (3) **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ** سورۂ حج کی تین آیات یہ ہیں۔ (4) **و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام** (5) **ولکل امۃ جعلنا منسکا" لیذکروا اسم اللہ** (6) **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف** سورۂ مائدہ کی آیت یہ ہے۔ (7) **فکلوا مما امسکن علیکم و اذکروا اسم اللہ علیہ** (تفسیر روح المعانی) بہر حال اس مسئلہ میں مذہب حنفی بہت ہی قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : درخت کا پھل جب ملتا ہے جب چار شرطیں جمع ہو جائیں۔ ایک یہ کہ درخت کے باطن یعنی اس کے جڑ کو وقت پر کھاد و پانی ملے۔ دوسرے یہ کہ درخت کے ظاہر یعنی شاخوں' پتوں وغیرہ کو ہوا اور دھوپ ملے۔ تیسرے یہ کہ درخت کی جڑ اندرونی بیماریوں' چوہے' گھن وغیرہ سے محفوظ رہے۔ چوتھے یہ کہ درخت کا ظاہر یعنی شاخیں' پتے' کیڑے مکوڑے' چڑیوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں۔ یہی انسانی صحت کا حال ہے کہ اس کے باطنی ظاہری اعضاء درست ہوں تو انسان تندرست رہتا ہے۔ صحت ایمان کا بھی یہی حال ہے اس آیت کریمہ نے دو لفظوں میں یہ سب کچھ بتا دیا کہ ظاہری و باطنی گناہ چھوڑو' ظاہری

باطنی نیکیاں کرو۔ صوفیاء کے نزدیک ظاہری گناہ طلب دنیا ہے اور باطنی گناہ طلب نعمت جنت ہے۔ یہ دونوں چیزیں رب سے دور کرتی ہیں' مومن کامل وہی ہے جو صرف طالب مولیٰ ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اے بندو! تم صرف میرے ہو رہو کسی اور طرف دل کا رخ نہ کرو' نہ دنیا کی طرف کہ یہ ظاہری گناہ ہے' نہ جنت کی طرف کہ یہ باطنی گناہ ہے نیز ہر گناہ کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ گناہ کا ظاہر یہ ہے کہ وہ شرع کے خلاف طبع کے موافق ہو اور اس کا باطن یہ ہے کہ خلقت حیوانی' نفسانی' شیطانی کے موافق ہو جب رحمانی کے خلاف ہو لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کا ظاہر یعنی طبعی اعمال چھوڑو اور گناہ کا باطن یعنی نفسانیت سے بھاگو' ایسے گنہگار اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ جائے گی اللہ سے حجاب میں ہو جائیں گے **عن ربهم یومئذ لمحجوبون** گناہ سے بچنے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ اگر کبھی نفس گناہ کرا دے تو اس کے کفارہ میں وہ نیکی کرو جس سے نفس کو تکلیف ہو اور نفس سے کہو کہ اگر آئندہ تو نے مجھ سے گناہ کرایا تو اس سے دوگنی نیکیاں کرکے تجھے سزا دوں گا اگر نماز قضا کرا دے تو نماز کی قضا بھی پڑھو اور بطور کفارہ دس نفل بھی' اگر زکوٰۃ سے روکے تو زکوٰۃ بھی دو اور بطور کفار صدقہ نفلی بھی ادا کرکے یہی کہو۔ ان شاء اللہ آئندہ گناہ نہ کرائے گا۔ نفس گناہوں کا کارخانہ ہے اعضاء گناہوں کے استعمال کے مقامات جب کارخانے میں گناہ بنناہی بند ہو جائیں تو اعضا کو استعمال کے لئے کہاں سے ملیں گے۔ **پھر و ذروا ظاهر الاثم** پر آسانی سے عمل ہو سکے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو کھاؤ اللہ کے حکم سے' اللہ کے ذکر پر' اللہ کی طلب کے لئے کھاؤ تاکہ کھانے کی ظلمت کھانے کی شہوت سے محفوظ رہو بلکہ کھانے میں نورانیت پیدا ہو کھانے کی ظلمت فسق کا ذریعہ ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اسم اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ نام پتہ ہوتا ہے نام والے کا نام والا نام پر ہی پکارنے والے کی سنتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پتہ ہیں۔ رب تعالیٰ کا وہ کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم گنہگاروں کی سنتا ہے۔

نشان بے نشاں ہو کر زبان بے زبان ہو کر وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی نوا ہو کر

آیت کا جذبہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی چیز استعمال نہ کرو جس پر اسم اللہ یعنی محمد رسول اللہ کا ذکر' ان کی یاد' ان کی طرف دھیان نہ ہو کہ وہ چیز پھر زہر بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تریاق ہے جیسے صابن کے اجزاء میل ہیں' کپڑے کو میلا کرنے والے سوڈا کاسٹک ان اجزاء کی حقیقت بدل کراتے میل کاٹ بنا دیتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز دل کو میلا غافل کرتی ہے جب اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے اور سنت سمجھ کر استعمال کی جائے تو وہ عین دین اور عبادت بن جاتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز صفر ہے یعنی نفع سے خالی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت عدد ہے جب یہ صرف اس عدد سے مل جائے تو دس گنا ہو جاتا ہے۔ اب پڑھو **ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه**۔ شیاطین اپنے دوستوں کو ذکر اللہ سے خالی کھانا کھلانا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھی ساتھ کھائیں۔ جانور کے ذبح پر بسم اللہ پڑھو تاکہ اس کی لذت سے اس پر جان کنی آسان ہو جائے' مومن کو مرتے وقت ذکر اللہ سناؤ تاکہ اس کی جان کنی آسان ہو (روح البیان مع زیادۃ)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیاطین بہت قسم کے ہیں ان کی علیحدہ ڈیوٹیاں ہیں ان سب پر ابلیس کنٹرول کرتا ہے وہ ہر وقت ہر شخص کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے مقرر کردہ شیطان کی کارگزاری کو بھی۔ اگر ان میں سے کوئی کوتاہی کرتا ہے تو وہ ان کی بازپرس کرتا ہے ان شیاطین کو لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنے کی طاقت دی گئی ہے پھر رب نے ہر چیز کا توڑ پیدا کیا ہے تاریکی کا توڑ روشنی' بھوک کا غذا' پیاس کا توڑ پانی' مرض کا توڑ دوا۔ اس طرح گمراہی کا توڑ ہدایت ہے اور گمراہ کن کا توڑ ہادی وسوسوں کا توڑ الہامات۔ حضرات علماء' اولیاء' شیطان کا توڑ اور ہادی من

اللہ ہیں۔ ان تمام کے سردار سب پر نگرانی کرنے والے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر توڑنے والا اس سے قوی ہونا چاہئے جس کو توڑنا ہو' پتھر توڑنا ہو تو اسے ڈھیلے سے نہ توڑو کہ ڈھیلا تو خود ٹوٹ جائے گا بلکہ اسے لوہے کے ہتھوڑے سے توڑو۔ یونہی حضرات اولیاء انبیاء کی طاقت لوگوں کے دلوں پر تسلط شیاطین سے زیادہ چاہئے تاکہ وہ شیطانی اثر توڑ سکیں۔ خیال رہے کہ بعض انسان شیطان کے ایجنٹ ہیں جہاں شیطان نہ پہنچ سکے وہاں اس کے ایجنٹ پہنچ جاتے ہیں شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ حضرت عمر سے بھاگتا ہے۔ آیت الکرسی سے دور رہتا ہے' رمضان میں قید ہو جاتا ہے مگر یہ شیاطین انس ایسے ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ نہ لاحول سے جائیں' نہ رمضان میں قید ہوں جہاں ابلیس نہ پہنچے وہاں یہ پہنچ جاتے ہیں ان کی زبان پر شیطان بولتا ہے خواہ عالم کی شکل میں ہو یا پیر کی یا کسی دوست کی صورت میں۔ ان کی صحبت سخت خطرناک ہے ایسے ہی بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل ہوتے ہیں ان کی زبان پر اللہ کے پیارے حبیب کلام فرماتے ہیں۔ **ان الحق لینطق علی لسان عمر** ان کے دلوں پر اللہ رسول کی طرف سے القاء الہام ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی صحبت اللہ کی رحمت ہے اس لئے ارشاد ہوا **لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم** کہ شیطان صحابہ تک نہیں پہنچتے ان کے انسانی ایجنٹ پہنچتے ہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ
اور کیا وہ جو تھا مردہ پس زندہ کیا ہم نے اسے اور بنائی ہم نے اس کے لئے روشنی کہ چلتا ہے ساتھ اس کے لوگوں میں
اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ
مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا
مثل اس کے ہے جو تاریکیوں میں ہے نہیں ہے نکلنے والا اس سے اسی ہی طرح زینت دیئے گئے کافروں کے لئے
اس جیسا ہو جاوے گا تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال
يَعْمَلُوْنَ (۱۲۲)
وہ کام جو وہ کرتے تھے
بھلے کر دیئے گئے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ظاہری باطنی گناہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اس پر عمل کرنے والا نور پر ہوتا ہے' اور اس پر عمل نہ کرنے والا اندھیریوں میں رہتا ہے۔ گویا علاج کے بعد انجام کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: آیات میں فرمایا گیا تھا کہ گناہ کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔ اب اس اجمال کی قدرے تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہی ایسے لوگ اندھیریوں میں پھنسے رہیں گے۔ آخرت کا عذاب اس کے سواء ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار مسلمانوں سے جھگڑتے ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ مسلمان نورانی ہیں اور کفار ظلماتی' نور و ظلمت' اندھیرے اجیالے میں کبھی اتفاق ہو سکتا ہی نہیں ان میں جھگڑا ہی رہے گا۔ چوتھا

تعلق: پچھلی آیت میں مذبوحہ جانور اور مردار جانور کا فرق بیان ہوا کہ یہ دونوں یکساں نہیں۔ مذبوحہ حلال مردار حرام۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہی فرق مردہ انسان یعنی کافر میں اور اس مسلمان میں ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کے نام پر قربان کردیا۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک بار ابو جہل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نجاست پھینکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت دکھ ہوا۔ جناب حمزہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ آپ شکار کھیلنے باہر گئے ہوئے تھے جب شکار سے واپس آئے تو آپ کی زوجہ پاک یا کسی اور نے آپ کو خبر دی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے اس طرح ستایا ہے آپ اسی حالت میں کہ تیر کمان آپ کے ہاتھ میں تھے۔ ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر کمان زور سے ماری۔ قریب تھا کہ آپ اسے مارتے مارتے زخمی کردیں وہ خوشامد کرتا ہوا بولا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں تم انہیں کچھ نہیں کہتے الٹا مجھے ڈانٹتے ہو۔ آپ فرمانے لگے کہ تم سے بڑھ کر بیوقوف کون ہے کہ خود ہی پتھر کی مورت بناتے ہو اسے پوجنے لگتے ہو۔ یہ فرما کر یا تو وہاں ہی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ایمان لائے آپ کے ایمان لانے پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جناب حمزہ اور ابو جہل کا فرق بیان فرمایا گیا۔ (خازن' معانی' روح البیان' صاوی' کبیر' ابن کثیر وغیرہ)۔ (2) یہ آیت کریمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی کہ زمانہ کفر میں یہ آپس میں دوست تھے۔ حضرت عمر مومن ہو کر ابو جہل سے الگ ہو گئے۔ واصل الی الرسول ہو کر واصل باللہ ہو گئے۔ ابو جہل اسی حالت میں رہا (خازن' کبیر' معانی وغیرہ)۔ (3) یہ آیت کریمہ حضرت عمار ابن یاسر اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت عمار مومن تھے ابو جہل مادار اور سردار تھا اس آیت کریمہ میں ان دونوں کا فرق بیان فرمایا گیا۔ (کبیر' خازن' معانی وغیرہ)۔

تفسیر: **او من کان میتا** " اس عبارت میں الف تو سوال کے لئے ہے' سوال بھی انکاری ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ **من** سے مراد یا حضرت حمزہ' یا حضرت عمر' یا حضرت عمار ابن یاسر ہیں رضی اللہ عنہم۔ جو چیز صرف بتانی ہوتی ہے اس کی خبر دے دی جاتی ہے مگر جو بات دل میں بٹھانی ہوتی ہے وہ مخاطب سے پوچھی جاتی ہے تاکہ مخاطب خود سوچ کر جواب دے اور اس کے دل میں وہ جانشین ہو جائے چونکہ حضرت عمر کے مخالفین پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے رب نے ان کی عظمت ذہن نشین کرانے کے لئے مسلمانوں سے یہ بات پوچھی کہ خود سوچ کر جواب دیں اور یاد رکھیں۔ **کان** میں ان کے پہلے حال کا بیان ہے یعنی اسلام لانے سے پہلے یہ لوگ بے جان تھے۔ **کان** فرما کر یہ بتایا کہ ان کا ابتدائی حال نہ دیکھو' ان کی انتہا میں غور کرو۔ برادران یوسف علیہ السلام کو ان کا ابتدائی حال دیکھ کر جو انہیں برا کہے وہ بے دین ہے اس لئے **کان** ارشاد ہوا۔ **میت** ہماری قراءۃ میں ی کے سکون سے ہے اور ایک قراءۃ میں ی کے شد سے یہ موت کا صفت مشبہ ہے۔ اصل میں **میوت** تھا اگر واؤ کو ی بنا کری میں ادغام کردیا جائے تو میت بن جاتا ہے۔ اور اگر واؤ کو گرا دیا جائے تو میت۔ حق یہ ہے کہ میت اور میت میں کچھ فرق نہیں دونوں کے معنی ہیں بے جان مردہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نفع والی موت سے جو مرے وہ میت ی کے شد سے ہے۔ یعنی مردہ اور بیکار یا نقصان والی موت سے مرنے والا میت ہے ی کے سکون یعنی مردار۔ مردہ اور مردار میں فرق ہے اس لئے مردار جانور کو میتۃ کہا جاتا ہے۔ مومن مرے بعد میت ہے شد سے' کافر میت ہے ی کے سکون سے۔ سونا کشتہ ہو کر زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ اور بیماریوں کا علاج بن جاتا ہے' سونا آگ میں کشتہ ہو کر ہزاروں کو شفا دے۔ مومن خوف الہی عشق مصطفوی کی آگ سے کشتہ ہو تو وہ بھی روحانی

شفائیں بخشتا ہے اس کی قبر سے فیوض جاری ہوتے ہیں مگر یہ فرق لازمی نہیں۔ قرآن مجید میں بے جان' بے علم' بے عقل' بے ہدایت یعنی گمراہ بے ایمان اور خشک زمین کو میت فرمایا گیا ہے۔ یہاں بمعنی بے ایمان کافر ہے۔ **فاحیینٰہ** یہ عبارت **کان میتا**" پر معطوف ہے۔ جتنے معانی موت کے ابھی عرض ہوئے اس کے مقابل اتنے ہی معنی حیوۃ کے ہوں گے جان والا' علم والا' عقل والا' ہدایت والا' ایمان والا' تر زمین سبزہ والی۔ یہاں ایمان والا مراد ہے۔ جان جسم کی زندگی ہے۔ ایمان دل کی زندگی' جان سے جسم کے سارے اعضاء کار آمد ہوتے ہیں۔ ایمان سے عقل و دل وغیرہ کار آمد ہوتے ہیں۔ جان سے غذائیں' دوائیں فائدہ دیتی ہیں مردے کے لئے سب بیکار۔ ایمان سے نیک اعمال اچھے خیالات نفع دیتے ہیں۔ کافر کے لئے سارے نیک اعمال برباد و بیکار۔ ان وجوہ سے ایمان کو حیوۃ اور مومن کو حی فرمانا بالکل درست ہوا۔ غرضیکہ جان سے جسم کی زندگی ہے ایمان سے دل کی زندگی بلکہ یوں کہو کہ ایمان سے جان کی زندگی ہے جان جسم کو زندہ کرتی ہے مگر ایمان جان کو زندہ کرتا ہے **احیینٰہ** فرما کر یہ بتایا کہ جو زندگی ہم عطا کریں۔ اس کے لئے فنا نہیں اس کو موت نہیں فنا کر سکتی وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ جیسے سورج ڈوب کر بھی موجود اور فیض رساں ہوتا ہے۔ نیز اس میں یہ بتایا کہ برائیوں کو اپنی طرف نسبت کرو' خوبیوں کو رب کی طرف۔ فرمایا **کان میتا**" وہاں رب کا ذکر نہیں۔ پھر فرمایا **فاحیینٰہ** یہاں رب کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ ایمان کی حقیقت نبی کو ماننا ہے۔ توحید' قیامت' فرشتے' جنت' دوزخ کو مان لینا ایمان نہیں کہ بہت سے کفار بلکہ شیطان یہ سب چیزیں مانتا ہے مگر ہے کافر **و کان من الکافرین** اور ایمان پر اعمال کا مدار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ بغیر جان جسم کی نہ قیمت ہے نہ عزت کہ مردہ گھوڑا فروخت نہیں ہوتا۔ زندگی میں انسان وزیر بادشاہ امیر صاحب تخت و تاج ہے' مرے بعد کچھ بھی نہیں یونہی۔ ایمان سے دل و جان وغیرہ سب کی اللہ کے ہاں عزت بھی ہے قیمت بھی کہ رب فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کی جان و مال جنت کی عوض خرید لی۔ ولایت' قطبیت' غوثیت ایمان سے ملتے ہیں۔ ایمان نہ ہو تو یہ کچھ بھی نہیں **و جعلنہ نورا" یمشی بہ فی الناس** یہ عبارت معطوف ہے **فاحیینٰہ** پر اس میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے انعام کا ذکر ہے جو اس نے مسلمانوں پر فرمایا یہاں **جعلنا** بمعنی **خلقنا** نہیں کر دینے یا بنا دینے کے معنی میں ہے۔ نور سے مراد خارجی روشنی ہے ایمان دل کی اندرونی روشنی تھی یہ بیرونی روشنی۔ اس سے مراد یا تو قرآن کریم ہے یا اتباع نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا رشتہ۔ اس کی تنوین تعظیمی ہے بمعنی عظیم نور **یمشی بہ** یا تو نور کی صفت ہے یا لہ کا حال بہ میں ب یا سببیہ ہے یا بمعنی مع۔ **الناس** سے مراد یا تو کفار ہیں یا سارے لوگ یعنی ہم نے اسے ایک بیرونی روشنی بھی عطا فرما دی۔ جس کی وجہ سے وہ لوگوں میں اطمینان سے چلتا پھرتا ہے یا جس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہ وہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں لوگوں سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں کہ فاروق اعظم کے ایمان پر ان کے کانوں مکہ کی گلیوں' پہاڑیوں نے کلمہ سنا۔ یا حضرت عمر کی حیات کے زمانہ کے لوگ ہیں جنہیں حضرت عمر نے فتوحات کے ذریعہ غنی فرما دیا یا تاقیامت سارے لوگ کہ حضرت عمر کا نور سب کو ملتا رہے گا آج قرآن کی حفاظت۔ عمر فاروق کے ذریعہ ہے کہ لوگ تراویح کے شوق میں قرآن حفظ کرتے ہیں اور تراویح قائم کرنے والے عمر فاروق ہیں یونہی جہلو' دیوانی' فوجداری' ملک رانی کے قوانین آپ ہی نے بنائے۔ اللہ ان پر چلنے کی توفیق دے۔ **کمن مثلہ فی الظلمات** یہ عبارت **من کان** الخ کی خبر ہے اس عبارت کی ترکیب یہ ہے من اسم موصول ہے **مثلہ** بمعنی صفت و حالت ہے مبتدا ہے اور **فی الظلمات ھو** پوشیدہ کی خبر ظلمات سے مراد کفر' حسد' عناد' بغض' عداوت کی تاریکیاں ہیں یعنی وہ خوش نصیب' ہدایت یافتہ نورانی شخص کیا اس

بدنصیب کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ وہ قسم قسم کی اندھیریوں میں گھرا پھنسا ہے کسی طرف سے اس تک روشنی نہیں پہنچتی **لیس بخارج منها** یہ عبارت اسی **هو** کی دوسری خبر ہے۔ جو فی الظلمت سے پہلے پوشیدہ ہے اس میں اس کی دوسری خرابی کا ذکر ہے یعنی اس کی دوسری مصیبت یہ ہے کہ اسے اندھیریاں ایسی لازم ہو چکی ہیں کہ وہ ان سے نکل نہیں سکتا یعنی وہ نہ تو اب روشنی میں ہے نہ آئندہ روشنی میں آنے کی امید ہے کیونکہ وہ ان اندھیریوں کو روشنی اور کفریات کو ایمان' گمراہیوں کو ہدایت سمجھ چکا ہے۔ اب انہیں چھوڑے تو کیسے **کذالک زین للکافرین ما کانوا یعملون**۔ یہ جملہ نیا ہے جس میں اس کے ان تاریکیوں سے نہ نکل سکنے کی وجہ ارشاد ہوئی۔ حق یہ ہے کہ **زین** کا فاعل یا شیطان ہے یا اس کا نفس امارہ' کافرین سے مراد وہ کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے عمل سے مراد ان کفار کی تمام بدعقیدگیاں اور بدعملیاں ہیں جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں یعنی ان کفار کے ہدایت پر نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اور ان کے نفس امارہ نے ان کے تمام کفریات اعمال کو ان کی آنکھوں میں ان کے خیالوں میں نہایت ہی آراستہ کر دیا ہے کہ اپنے کو ہی ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ مؤمنین کو بہکا ہوا اور بے عقل جانتے ہیں اب ان کی ہدایت کی کیا صورت ہے۔ جب بیمار طبیب کو بیوقوف سمجھنے لگے اور اپنے کو عقلمند تو اس کے علاج کا کیا ذریعہ ہے اس سے مراد یا تو ابوجہل ہے جسے حضرت حمزہ نے مارا تھا یا عام وہ کفار جن کے نصیب میں ہدایت نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : غور تو کرو کہ وہ بندہ جو پہلے دل کا مردہ یعنی کافر تھا اسے ہم نے زندگی بخشی کہ ایمان کی توفیق دیدی' ایمان دل کی جان کی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اسے بیرونی نور یعنی قرآن مجید یا اپنے محبوب کا عشق بھی عطا فرما دیا اب وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں میں چلتا ہے کہ جہاں سے گزر جائے اجیالا کر دے جیسے گیس والا آدمی گلی کوچوں کو منور کرتا ہوا چلتا ہے ایسا خوش نصیب بندہ کیا اس بدنصیب کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک دو نہیں بہت سی اندھیریوں میں گرفتار ہے حالت اس کی یہ ہے ان اندھیریوں سے نکل بھی نہیں سکتا وہ اندھیریاں اسے لازم ہو گئی ہیں اس کے دل میں گھر کر گئی ہیں ان جیسے کافروں کی نظر میں ان کی اپنی بدعملیاں' بدعقیدگیاں ایسی اچھی بھلی بنادی گئی ہیں کہ وہ اپنے کو ہدایت پر مسلمانوں کو گمراہی پر جانتے ہیں جب ان کا حال یہ ہے تو ان کے ہدایت پر آنے کی کیا امید ہے۔ بقراط نے خوب کہا ہے۔

کہا اس نے کوئی نہیں روگ ایسا! کہ جس کی دوا کی نہ خالق نے پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں!
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں اسی طرح اپنے مرض کو بڑھائیں

خیال رہے کہ حضرت عمرو حمزہ کو یہ زندگی یعنی ایمان اور نور ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بخشیں مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے عطا کیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا رب تعالیٰ کی عطا ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب کی عطا کا دروازہ ہے جسے جو کچھ رب دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دیتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر واسطہ خدا کی جو نعمت ملے گی وہ نعمت نہیں عذاب ہو گی۔ بجلی کے پاور کا فیض بلب' یا ہیٹر' یا فریج کے ذریعہ لو اگر ان واسطوں کے بغیر براہ راست تار سے لینا چاہو گے تو فیض نہ ملے گا بلکہ موت ملے گی اسی لئے رب تعالیٰ نے کفار کے مال و اولاد کو عذاب قرار دیا کہ فرمایا **لا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم و تزھق انفسھم و ھم کافرون** اور مومن کے مال جان اولاد کو رحمت فرمایا کہ ارشاد فرمایا **ان اللہ**

اشتری من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنۃ اور فرمایا الحقنا بهم ذریتهم وما التنا هم من عملهم من شئ اور ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی و جعلنا للمتقین اماما۔ مومن کی زندگی موت قبر و حشر سب رحمت ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ شامل ہے 'مومن کی زندگی کا نام حیوۃ طیبہ ہے موت کا نام وفات یا وصال۔ قبر روضہ جنت حشر محبوب کے دیدار کی جگہ 'کافر کی زندگی معیشۃ" ضنکا اس کی موت رب کی پکڑ اس کی قبر دوزخ کی بھٹی اس کا حشر عذاب کی جگہ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کافر مردہ ہے مومن زندہ 'کافر بے نور' بے پیرا ہے 'مومن نور والا پیروالا۔ یہ فائدہ میتا اور فاحییناہ سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں جہاں فرمایا گیا کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اس سے یہی دل کے مردے کافر مراد ہیں اور سنانے سے مراد ہے ہدایت دینا یعنی قبول کا سنانا ان آیات سے سماع مردہ کا انکار کرنا جہالت ہے۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن کو دل کی زندگی یعنی ایمان کے سواء خارجی روشنی بھی عطا فرماتا ہے۔ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ یہ فائدہ و جعلنہ لہ نورا" الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: جیسے ہم عالم جسمانیات میں دو نوروں کے حاجت مند ہیں۔ ایک داخلی نور یعنی آنکھ کی روشنی۔ دوسرا خارجی نور یعنی چاند سورج یا چراغ وغیرہ کی روشنی۔ اسی طرح ہم عالم روحانیات میں داخلی و خارجی دو نوروں کے حاجت مند ہیں یعنی قرآن اور صاحب قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فائدہ بھی و جعلنا لہ نورا" الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: مومن صرف نورانی ہی نہیں ہوتا بلکہ نور بخش بھی ہوتا ہے کہ جہاں سے گزر جائے وہاں روشنی کر دے جیسے گیس والا آدمی گلی کوچے منور کرتا ہوا جاتا ہے۔ یہ فائدہ یمشی بہ فی الناس سے حاصل ہوا۔ پھر جس درجہ کا ایمان اسی درجہ کی اس کی روشنی اس کا فیضان جیسے گیس والے کے گیس سے نور تو در و دیوار خار گلزار سب پالیتے ہیں مگر راستہ کی راہبری صرف انسان پاتا ہے۔ یونہی مومن کی اطاعت ساری مخلوق کرتی ہے مگر اس سے ہدایت ولایت صرف انسان پاتے ہیں۔ دریائے نیل نے حضرت عمر کی اطاعت کی تاقیامت بہتا رہے گا۔ سالانہ لڑکی کی بھینٹ بند ہو گئی' زمین نے اطاعت کی کہ چوسا ہوا تیل اگل دیا۔ پانچواں فائدہ: نور صرف ایک ہے اگرچہ اس کی صفتیں بہت ہیں مگر تاریکی ہزارہا۔ یہ فائدہ نور کو واحد اور ظلمات کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بعض کفر قابل زوال ہیں 'بعض ناقابل زوال۔ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کا پچھلا کفر قابل زوال تھا۔ ابو جہل کا کفر ناقابل زوال۔ یہ فائدہ لیس بخارج منہا سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: گنہگار مومن اپنے گناہ کو اچھا نہیں سمجھتا" اپنے کو گنہگار ہی جانتا ہے اس لئے وہ مومن رہتا ہے مگر کافر اپنے گناہوں کو اچھا سمجھ کر ان پر ناز کرتا ہے اس لئے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے گنہگار مومن قابل بخشش ہے اور کافر ناقابل بخشش۔ یہ فائدہ زین للکافرین الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک حیوۃ دوسرے نور فاحییناہ اور جعلنا لہ نورا حیوۃ اور نور میں کیا فرق ہے؟ جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے ایمان حیوۃ ہے یعنی دل کی زندگی قرآن نور ہے یعنی خارج کا نور جیسے سورج کی روشنی آنکھ کی روشنی کے لئے ضروری ہے۔ اپنی ہدایت جس سے خود یہ شخص راہ پر آجائے حیوۃ ہے دوسروں کو ہدایت دینا نور ہے اس لئے نور کے ساتھ یمشی بہ فی الناس ارشاد ہوا۔ ایمان حیوۃ ہے

عرفان نور ہے۔ ایمان حیوۃ ہے تقویٰ و پرہیز گاری نور ہے دل کی ہدایت حیوۃ ہے چہرے کی رونق جو مومن کو نصیب ہوتی ہے نور ہے۔

بندۂ مومن کی پیشانی کا نور! کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور!

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حیوۃ کے لئے فرمایا گیا **فاحییناہ** اور نور کے لئے ارشاد ہوا **و جعلنا لہ نورا**"۔ دونوں عبارتیں یکساں کیوں نہ ارشاد ہوئیں کہ وہاں بھی **و جعلنا لہ حیوۃ**" ہوتا یا یہاں بھی **و نورناہ** ہوتا۔ **جواب:** حیوۃ تو انسان مومن کی اپنی صفت ہے اس لئے اس کے لئے **جعلنا** مناسب نہ تھا مگر نور خاص عطیہ ربانی ہے جو مومن کے لئے ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی کہ جو مومن کے پاس سے گزر جائے۔ **بفضلہ تعالیٰ** اس پر نور پڑ جائے اس لئے یہاں **جعلنا** بھی مناسب ہے اور **لہ** بھی۔ لام ملکیت کا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فاحییناہ** ہم نے زندگی بخشی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لما یحییکم** نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** **اللہ** تعالیٰ ایمان دینے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان بلکہ ساری نعمتیں تقسیم فرمانے والے۔ یہاں دینے والے کا ذکر ہے۔ وہاں دوسری آیت میں قاسم ایمان کا ذکر ہے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **یمشی بہ فی الناس** کی قید کیوں لگائی مومن کے نور سے در و دیوار حجر، و انس منور ہو جاتے ہیں۔ مدینہ شریف کا نام مدینہ منورہ ہے۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے در و دیوار کو منور فرما دیا پھر **فی الناس** کی قید کیوں؟ **جواب:** اس لئے کہ انسانوں کی نورانیت اعلیٰ بھی ہوتی ہے اور محسوس بھی۔ دوسری مخلوق کی نورانیت محسوس نہیں ہوتی انسان بزرگوں کے فیض سے مومن، عارف، ولی، غوث و قطب بن جاتا ہے۔ دوسری مخلوق کو یہ صفات حاصل نہیں ہوتیں لہٰذا **فی الناس** فرمانا بالکل درست ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو صحابی اور حضرت حمزہ و دیگر صحابہ نے انسانوں کو اپنی صحبت سے تابعی بنا دیا یہ صفات دوسری مخلوق کو کہاں نصیب۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **ظلمت** کو جمع اور نور کو واحد فرمایا گیا یہاں بھی **انوار** ہی فرمایا جاتا یا وہاں بھی **من الظلمۃ** ارشاد ہوتا۔ **جواب:** اس لئے کہ اندھیریوں کی قسمیں بہت ہیں، کفر، شرک، حسد، حرص، کینہ وغیرہ سب دل کی اندھیریاں ہیں مگر روشنی ایک ہی ہے اگرچہ اس کی صفتیں بہت ہیں جیسے حیوان (جاندار) اس کی نوعیتیں بہت ہیں انسان، شیر، گھوڑا، ہاتھی، حیوان ہی کی نوعیں ہیں اور انسان ایک حقیقت ہے اگرچہ عالم، جاہل، کافر، مومن، امیر، فقیر اسی انسان کی بہت قسمیں ہیں۔ مومن فاسق سے لے کر ولی تک ایک ہی قسم ہے اگرچہ اس کی صفتیں مختلف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نور ایک ہے کیونکہ اس کا مرکز یعنی ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں مگر نور کے ظہور مختلف ہیں جیسے سورج کا نور ایک ہے مگر چاند، زہرہ، مشتری وغیرہ میں اس نور کے ظہور مختلف ہیں رنگ برنگے تارے۔ بجلی کے پاور کی رو ایک ہے مگر ٹیوب، بلب کے رنگ مختلف۔ تمام دریاؤں کا پانی ایک ہے مگر راستے مختلف ہیں تو ان کے نام مختلف گنگا، جمنا، جہلم، چناب وغیرہ ان راستوں کے نام ہیں۔ یونہی فاروقی، صدیقی، عثمانی، حیدری سینوں کے رنگ مختلف ہیں۔ مگر نور مصطفیٰ سب میں ایک ہے، تاریکیوں کے مرکز مختلف ہیں لہٰذا **الظلمات** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ہر عضو کی ظلمت و تاریکی جداگانہ ہے دل کی، دماغ کی، آنکھ کی، زبان کی حتیٰ کہ ہاتھ پاؤں کی تاریکیاں جداگانہ ہیں۔ کافر کا ہر عضو اندھیرے میں ہے لہٰذا وہ ظلمات میں ہے۔ نیز کافر کے دل پر غفلت، کفر، عناد، حسد پیغمبر کی اندھیریاں ہیں مومن کے دل پر غفلت کی اندھیری تو آ سکتی ہے مگر **بفضلہ تعالیٰ** کفر و عناد کی اندھیری نہیں آتی۔

نیز کافر عالم ارواح سے ظلمت ساتھ لاتا ہے کہ وہاں نور کے چھینٹے سے محروم رہا۔ پھر دنیا میں آکر اس پر مختلف ظلمتوں کا ہجوم ہو جاتا ہے لہذا وہ ظلمات یعنی تاریکیوں میں ہوتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** **الناس** میں اگر سارے لوگ تاقیامت مراد ہیں تو یہ درست کیسے ہوا ساری دنیا کے لوگوں کو عمر فاروق سے نور کیسے ملا۔ **جواب:** آج قرآن کا بقا حفظ قرآن کے ذریعہ ہے اور حفظ قرآن تراویح کے ذریعہ اور تراویح قائم فرمانے والے حضرت عمر ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** ان کفار کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ **لیس بخارج منها** وہ ان اندھیریوں سے نکلنے والے نہیں۔ **جواب:** جیسے قینچی کپڑا کاٹتی ہے بسولی اینٹ کو آری لکڑی چھینی لوہے کو ایسے ہی بیداری غفلت کی قینچی ہے توبہ گناہوں کی کلمہ طیبہ کفر کی قینچی دعائیں حسد کی اطاعت عناد کی قینچی ہے چونکہ ان کے پاس ان میں سے کوئی قینچی نہ تھی تو ان کی ظلمتیں کس چیز سے کٹتیں۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **لیس بخارج منها**۔

تفسیر صوفیانہ : ہوائے نفس انسان کی روحانی موت ہے اور محبت حق روحانی زندگی رب سے بے تعلق روحانی موت ہے۔ معرفت الٰہی روحانی زندگی۔ حیوۃ دو قسم کی ہے حیوۃ معرفت حیوۃ بشریت۔ بشری زندگی والا اپنے جسم کی قبر میں مدفون مردہ ہے جس کے لئے فنا ہے **کل نفس ذائقة الموت**۔ حیوۃ معرفت والا دائمی زندہ ہے جس کے لئے فنا نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فلنحيينه حيوة طيبة**۔

نمیرد ہر کہ را جانش تو باشی   خوشا جانے کہ جانانش تو باشی
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بشری حیوۃ والا مجازی اندھیریوں میں گرفتار ہے۔ معرفت کی حیوۃ والا نورانی ہے بلکہ نورانی گر ہے اس معرفت کی زندگی والے کی تین نشانیاں ہیں۔ ماتحق سے علیحدگی حق کی طرف دعوت زبان کا ذکر میں تر رہنا۔ اس آیت کریمہ میں اسی زندگی و موت کی تفصیل ہے۔ غرضیکہ زندگی بہت قسم کی ہے اس کے مقابل موت کی بہت قسمیں ہیں جسم کی زندگی جان سے ہے جان کی زندگی ایمان سے ایمان کی زندگی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان سے ہے اگر دل و دماغ زندہ نہ ہوں تو جسم کی زندگی بیکار ہے بلکہ وبال ہے۔ زندہ دل دوسروں کو بھی زندگی بخش دیتا ہے۔ اس لئے فرمایا **یمشی به فی الناس** (از روح البیان مع الزیادۃ)۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے۔ کبھی ان زندگیوں کی لذت چکھا دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب نے آنکھ میں نور دیا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان راستہ کے خار و غار وغیرہ دیکھ کر بخوبی چل سکتا ہے اس نور کو بصارت کہتے ہیں۔ ایسے ہی رب نے مومن کے دل میں ایک نور بخشا ہے جس سے مومن راہ خدا کے خار و غار وغیرہ دیکھتا ہے اور بخیریت وہ سفر طے کرتا ہے اسے عرفان و بصیرت کہا جاتا ہے۔ یہ نور حضرت صدیق اکبر کو پیدائشی دیا گیا کہ آپ عارف باللہ پیدا ہوئے۔ اسلام سے پہلے بھی کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو شرعاً" آئندہ حرام ہونے والا تھا۔ چنانچہ آپ کبھی شراب زنا جوا جھوٹ غیبت چغل خوری وغیرہ کے پاس نہ گئے اور حضرت عمر کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا کر ایمان دے کر عطا ہوا۔ اس لئے ارشاد ہوا **و جعلنا له نورا**" اس نور سے اولاً" اتباع رسول نصیب ہوتی ہے پھر اتباع کے ساتھ عشق رسول بلکہ فنافی الرسول کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ جب لوہے کو کچھ بنانا ہوتا ہے آگ سے نرم کرتے ہیں پھر ہتھوڑے وغیرہ سے توڑ موڑ کر پرزہ وغیرہ بناتے ہیں۔ جب رب کسی بندے کو کچھ بنانا چاہتا ہے تو اس کے دل کو خوف خدا اور عشق مصطفیٰ سے نرم کرتا ہے اتباع ریاضات عبادات کے

ہتھوڑوں سے اسے درست فرماتا ہے۔ **فاحیناہ** میں ہتھوڑے کا ذکر ہے اور **جعلنا لہ نورا** " میں نرم کرنے والی آگ کا ذکر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **نجس العین** نکی چیز جیسے پیشاب اگر پاخانہ گوبر وغیرہ نمک یا راکھ بن کر اپنی حقیقت تبدیل کرے تو پاک ہو جاتا ہے کوئلہ صابن پانی سے سفید نہیں ہو سکتا۔ ہاں وہ اگر آگ میں رکھ دیا جائے تو سرخ ہو جاتا ہے یونہی ہم جیسے گنہگار ان پر انوار ابرار کے ساتھ مل کر بس جائیں یا ان میں فنا ہو جائیں تو ان شاء اللہ ہم بھی نور بن جائیں۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۚ وَمَا

اور یوں ہی بنایا ہم نے ہر بستی میں بڑوں کو وہاں کا مجرم تاکہ فریب کریں ان میں اور نہیں

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کئے کہ اس میں داؤ کھیلیں اور داؤں نہیں

يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا

فریب کرتے وہ مگر ساتھ جانوں اپنی کے اور نہیں شعور رکھتے اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی آیت

کھیلتے مگر اپنی جانوں پر اور انہیں شعور نہیں اور جب ان کے پاس کوئی اللہ کی نشانی آئے کہتے ہیں

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ

تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم اس کی طرح جو دیئے گئے اللہ کے رسول

ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ ملے جیسا اللہ کے رسولوں کا

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

اللہ خوب جانتا ہے جہاں بنائے نبوت کو اپنی عنقریب پہنچے گی ان کو جنہوں نے جرم کئے ذلت اللہ کے نزدیک

اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی

عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور سزا سخت اس وجہ سے کہ فریب کرتے تھے وہ۔

اور سخت عذاب بدلہ ان کے مکر کا۔

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مکہ معظمہ میں بعض لوگ بے نور ہیں۔ بعض نور والے اور یہ دونوں برابر نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ صرف مکہ معظمہ ہی میں نہیں اور صرف آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہر جگہ ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے اے محبوب آپ اس پر غم نہ کریں گویا پہلے

صرف مکہ معظمہ کے لوگوں کا ذکر تھا اب عام جگہوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار کو اپنا کفر اپنی بد عملیاں پسند ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ پسندیدگی خود ان کے لئے ہی وبال ہو گی گویا دلی بیماری کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اس کے انجام کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس بے نوری جماعت کے اندھیریوں میں پھنسے ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس گمراہی کے باوجود انہیں نبی بننے کا شوق ہے۔ **حتی نوتی مثل ما اوتی** الخ گویا پچھلی آیت کریمہ میں ان کی بد عملیوں کا ذکر تھا اب ان کی بوالہوسی کا ذکر ہے یا نبی پر حسد کا تذکرہ۔

شان نزول: اس زمانہ میں مکہ معظمہ کے چار راستے تھے کہ چار طرف کے لوگ ان راستوں سے مکہ معظمہ آتے تھے۔ عمرہ یا حج کرنے کو یا بازار وغیرہ کرنے کو۔ سرداران قریش میں سے چار آدمی ان چاروں راستوں پر دن بھر بیٹھا کرتے تھے۔ فی راستہ ایک آدمی انہوں نے اپنی ڈیوٹی یہ لگائی تھی کہ ہر آنے والے سے کہتے تھے کہ تم مکہ جا رہے ہو۔ خیال رکھنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جانا وہ جادوگر ہیں' کاہن ہیں۔ اس کے متعلق پہلی آیت **و کذالک جعلنا** الخ نازل ہوئی۔ (خازن' روح البیان' تفسیر صاوی وغیرہ) اللہ کی شان کہ ان بد نصیبوں کی یہی حرکت اشاعت اسلام کا ذریعہ بنی کہ ہر باہر سے آنے والا ان لوگوں کی یہ بات سن کر ضرور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے آتا تھا کہ وہ کون ہستی ہے۔ جس سے روکنے کے لئے یہ سردار اتنی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لے آتے بلکہ اپنے گاؤں میں جا کر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے **وما یمکرون الا بانفسھم**۔ (2) ولید ابن مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر نبوت کوئی اچھی ہے تو مجھے نبی بننا چاہئے تھا کہ میں آپ سے عمر میں بھی زیادہ ہوں اور مال میں بھی۔ ابو جہل کہتا تھا کہ عبد مناف کی اولاد ہم سے شرافت و عزت میں بہت بڑھ گئی اب اس قبیلہ میں ایک صاحب کہنے لگے کہ ہم نبی ہیں' میں تو ان پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ جب تک کہ ان کی طرح مجھ پر بھی وحی آئے' مجھے بھی نبوت ملے۔ ان دونوں کی تردید میں دوسری آیت **و اذا جاء تھم** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' صاوی' خازن' روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر: **و کذالک جعلنا فی کل قریتہ اکابر مجرمیھا** اس عبارت میں **و کذالک** الخ سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **کما جعلنا فی مکتہ اکابر مجرمیھا**۔ **کذالک** الخ اس عبارت کی چار ترکیبیں ہیں اور چار ہی تفسیریں ان میں آسان ترکیب یہ ہے کہ **جعلنا** کا پہلا مفعول ہے **مجرمیھا** اور دوسرا مفعول ہے **اکابر** اور **فی کل قریتہ جعلنا** کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جیسے مکہ معظمہ میں بڑے لوگ اکثر کافر رہے مساکین ایمان لے آئے ایسے ہی ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ بستیوں میں بڑے لوگ عموماً" مجرم ہوتے ہیں غریب لوگ مخلص مومن۔ خیال رہے کہ یہاں تشبیہ نفس جرم و کفر میں ہے نہ کہ نوعیت جرم و کفر میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار و مشرکین گذشتہ زمانوں کے کفار و مشرکین سے بدرجہا بد تر تھے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے ڈوبتے وقت پکار اٹھا کہ میں ایمان لاتا ہوں مگر فرعون محمد مصطفیٰ قتل ہو کر مرتے مرتے کہہ گیا کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا کہ پتے لگے کہ یہ سر سردار کا ہے۔ لہذا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرعون یعنی ابو جہل فرعون موسیٰ سے سخت تر ہے۔ **جعلنا** کے معنی ہیں بنا دیئے ہم نے' بنانا دو طرح کا ہوتا ہے تکوینی غیر اختیاری جس پر سزا جزا مرتب نہیں ہوتی جیسے اللہ نے ہم کو انسان بنا دیا۔ ہم کو کالا گورا وغیرہ بنا دیا۔ دوسرے معنی اختیاری میلان دے دینا اس پر سزا

جزا مرتب ہوتی ہے جیسے اللہ نے ہم کو مسلمان متقی بنادیا یعنی ہمارے دل میں اسلام و تقویٰ کی طرف میلان پیدا فرمادیا یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ **کل قریۃ** سے مراد یا تو ہر بستی ہے یا ہر وہ بستی جس میں حضرات انبیاء کرام تشریف لائے۔ قریہ شہر کو کہا جاتا ہے کبھی ہر بستی کو کہہ دیتے ہیں شہر ہو یا گاؤں۔ اکابر جمع ہے اکبر کی بمعنی بڑا یہاں دنیاوی بڑائی مراد ہے مالداری' دھڑے کی سرداری وغیرہ۔ ورنہ کافر اللہ کے نزدیک کتے سور سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ فرماتا ہے **اولئک ھم شرالبریۃ** نوح علیہ السلام کی کشتی میں جانوروں کی جگہ تھی مگر کافروں کی جگہ نہ تھی یہاں مجرمین سے مراد کافرین ہیں یا نبی کے دشمن یا ہر طرح کے جرم کرنے والے۔ **لیمکروا فیھا** یہ عبارت **جعلنا** کے متعلق ہے اس میں لام انجام کا ہے **یمکر و** اینا ہے مکر سے جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو مکر کے معنی ہوتے ہیں خفیہ تدبیر اور جب اس کا فاعل انسان ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں فریب دھوکہ یہاں بمعنی فریب و دھوکہ ہے ہمیشہ فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ یونس علیہ السلام نے **مچھلی** کے پیٹ میں عرض کیا **انی کنت من الظلمین** وہاں ظالم بمعنی کافر یا گنہگار نہیں۔ **انک میت و انھم میتون** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو **میت** فرمایا وہاں **میت** کے اور ہی معنی ہیں۔ اور ہمارے لئے جو **میتون** ارشاد ہوا اس میں **میت** کے دوسرے معنی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور معنی سے بشر ہیں ہم دوسرے معنی سے بشر لفظ **خداع** اللہ تعالیٰ کے لئے بھی فرمایا گیا ہے اور کفار کے لئے بھی **یخادعون اللہ وھو خادعھم** مگر رب تعالیٰ کے خداع کے اور معنی ہیں کفار کے خداع کے کچھ اور ہی معنی ہیں۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **فیھا** میں **ھا** کا مرجع قریہ ہے یہاں مکر سے مراد ہے لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش اور تدبیر کرنا یعنی ہم نے جو بڑے چودھریوں' نمبرداروں' سرداروں کو مجرم بنایا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ اپنے مال' اپنی سرداری' اپنی بڑائی سے اسلام کے خلاف کوششیں کریں۔ پھر اسلام کا چاند چمکے اور پتہ لگے کہ واقعی اسلام میں کچھ اپنی قوت و طاقت ہے۔ امیر' سردار' جتھہ بند وہ کام کر سکتا ہے جو غریب نہیں کر سکتا۔ جب یہ مخالفین اپنے مال' اپنی سرداری' اپنا جتھہ سب کچھ اسلام کے خلاف استعمال کریں' پر ہوں ناکام' تب اسلام کے جوہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا پتہ دنیا کو لگے۔ **وما یمکرون الا بانفسھم** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں ان کفار کے فریبوں کے انجام کا بیان ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید **بانفسھم** سے پہلے نازل پوشیدہ ہے **الا** نے حصر کا فائدہ دیا یعنی ان کے تمام مکر و فریب انہیں کی جانوں پر قہر بن کر نازل ہوں گے کہ وہ دنیا میں ناکام رہیں گے آخرت میں دوزخ کے مستحق۔ غرضیکہ عار اور نار دونوں کے مستحق ہوں گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ وما یشعرون** یہ عبارت **یمکرون** کے فاعل سے حال ہے بمعنی مستقبل یعنی وہ اس وقت یہ نہیں سمجھتے کہ ان حرکتوں کا انجام ہمارے لئے خراب ہے اپنے جوش اور نشہ میں مخمور ہیں۔ اندھادھند مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہیں یا جس وقت ان پر مکر کا وبال پڑے گا تو انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا اچانک پڑے گا دیکھو نمرود نے حضرت خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا تاکہ آپ اور آپ کا سارا کام ختم ہو جائے مگر وہ خود ختم ہوا۔ جناب خلیل کا مشن اور زیادہ کامیاب ہوا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہزارہا جادوگر بلائے تاکہ آپ کو رسوا اور ذلیل کرے مگر ہوا یہ کہ وہ خود ذلیل ہوا۔ سارے جادوگر ایمان لاکر شہید ہوئے' چھ لاکھ تماشائی ایمان لائے۔ فرعون و ہامان وغیرہ جوتے ٹوپیاں میدان میں چھوڑ کر بھاگے۔ کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کر کے **مکہ معظمہ** چھوڑنے پر مجبور کر دیا' قتل کرنا چاہا مگر رب نے اپنے حبیب کو مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ بچالیا اور بعد ہجرت

اپنے محبوب کو وہ شاندار کامیابی دی کہ سبحان اللہ ' اسی طرح ابو جہل کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ جنگ بدر میں میری اور میری قوم کو یہ درگت بنے گی وہ تو وہاں فتح کا جشن منانے کے لئے سامان عیش و طرب بھی ساتھ لایا تھا۔ مگر جو انجام ہوا وہ دنیا جانتی ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے خود ہی دو بچوں کے ہاتھوں بڑی ذلت و خواری سے مارا گیا۔ اس کے علاوہ اور چوٹی کے سردار مارے گئے بہت سے گرفتار ہوئے۔ یہ ہے **ما یشعرون** کا ظہور نیز مکہ معظمہ میں اسلام کے خلاف ان کی کوششیں اور بھی اشاعت اسلام کا ذریعہ بن گئیں **و اذا جاء تھم** اہتمام کفار مکہ کا حال بیان فرمانے کے بعد ان کے خواص کفار کا حال بیان ہو رہا ہے۔ آیت سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیت ہے یا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات جو وقتاً "فوقتاً" کفار مکہ دیکھتے رہتے تھے۔ چونکہ آیات قرآنیہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر ہوتا تھا اور کفار کو ہدایت دینے کے لئے ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو ہدایت پر رکھنے کے لئے ہوتا تھا اس لئے آیت آنے کی نسبت کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف کی جاتی ہے ' کبھی مومنوں کی طرف ' کبھی کفار کی طرف۔ یہاں تیسری قسم کی نسبت ہے۔ **ھم** کا مرجع وہ کفار ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ولید ابن مغیرہ وغیرہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ آیت سے مراد ذات والا صفات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم ہوں اگرچہ عالم کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی آیت یعنی نشانی ہے مگر ان آیات سے توحید ملتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم اللہ کی وہ نشانی ہیں جس سے ایمان ملتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ جب کفار مکہ کے پاس آیت ایمان یعنی ذات حبیب الرحمٰن آئی تو وہ یہ بولے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی آمد سارے عالم میں ہے مگر عرب میں خصوصی آمد ہے کہ وہاں آمد بھی ہے ' ولادت بھی ' سکونت بھی۔ **قالو الن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ** یہ عبارت **اذا جاء تھم** کی جزا ہے **قالوا** کا فاعل ولید اور ابو جہل وغیرہ ہیں حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ **مثل ما اوتی** سے مراد وحی ہے یعنی ہم پر وحی آوے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سچے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر وحی آئے ایمان دینے کی ہم پر وحی آئے ایمان لینے کی باقی مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد نبوت ہے یعنی ہم کو بھی نبوت ملے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لائیں جیسے بعض نبی دوسرے نبیوں پر ایمان لائے جیسے لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یا ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (از روح المعانی وغیرہ) یہ دوسری تفسیر قوی ہے جیسا کہ آیت کے اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے ہماری اس تحقیق پر نومن کے معنی بھی درست ہو گئے آیت کریمہ واضح ہو گئی۔ خیال رہے کہ یہاں رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہیں آپ کو رب تعالیٰ نے رسل فرمایا ہے وہ تو صرف محمد کہتے تھے (صلی اللہ علیہ و سلم) رسل جمع اس لئے فرمایا کہ آپ تمام رسولوں کی صفات کے جامع ہیں ' جو صفات دوسرے نبیوں کو ایک ایک کر کے ملیں وہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو ساری مع زیادتی کے ملیں ' آپ تمام رسولوں کے کمالات کے جامع ہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا اقرار سارے رسولوں کا اقرار ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھنا سارے رسولوں کو دیکھنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی بات ماننا سارے رسولوں کی ماننا ہے ' حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر انور کی زیارت تمام نبیوں کی قبور کی زیارت ہے حضور وہ سو کا عدد ہیں جس میں ساری اکائیاں دہائیاں جمع ہیں (صلی اللہ علیہ و سلم) لہٰذا رسل فرمانا بالکل درست ہے **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** اس فرمان عالی میں ان کے مطالبہ کی بلیغ تردید ہے ظاہر یہ ہے کہ رسالت سے مراد نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ عطاء نبوت کے لائق کون ہے۔ یہ عظیم الشان عہدہ ہر کسی کو نہیں دیا جاتا۔ سچا

موتی گھڑے، مٹکے، لوٹے میں نہیں رکھا جاتا۔ اس کے لئے ڈبہ علیحدہ ہوتا ہے۔ رب یہ بھی جانتا ہے کہ نبوت کے لائق کون حضرات ہیں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کلیم الہٰی کے لائق کون ہے۔ مصطفائی کے لائق کون۔ آسمان پر تارے بہت ہو سکتے ہیں مگر سورج ایک۔ جسم میں بال بہت ہو سکتے ہیں مگر دل ایک۔ درخت میں پتے پھل پھول ہو سکتے ہیں مگر جڑ ایک۔ یوں ہی آسمان نبوت پر نبی بہت ہوئے مگر مصطفیٰ ایک کیونکہ یہ اس آسمان کے چمکتے دمکتے سورج ہیں پھر یہ بھی خیال رہے کہ عموماً" نبوت ان حضرت کو دی گئی جو پہلے امیر بادشاہ سردار نہ تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا دین مال و دولت یا سلطنت کے زور سے پھیلا خود دین میں کوئی کشش نہیں۔ حضرت ابن عباس کے فرمان کے مطابق یہاں رسالت سے مراد وحی الہٰی ہے یعنی رب تعالیٰ ہر ایک پر وحی نازل نہیں فرماتا وحی کے لئے خاص بندے منتخب ہوتے ہیں اگرچہ دونوں جہان رب تعالیٰ کے ہیں مگر اس دنیا کا قانون اور ہے اس جہان کا قانون کچھ اور' اس دنیا میں قانون یہ ہے کہ رب تعالیٰ نبی کے پاس بذریعہ وحی پیغام بھیجے اور نبی وہ پیغام لوگوں کو سنائیں آخرت میں قانون یہ ہو گا کہ لوگ رب تعالیٰ سے براہ راست کلام بھی کریں گے اور جنتی اس کا دیدار بھی لہٰذا اس دنیا میں اللہ کا دیدار یا حضرت جبریل سے ہمکلامی کا مطالبہ کرنا خلاف قانون ہے اس لئے کفار مکہ کے یہ مطالبے رد کر دیئے گئے' ایک ہی پاکستان کے دو حصوں کے قوانین علیحدہ ہیں' مختلف سرزمینوں کی غذائیں دوائیں لباس علیحدہ نیز گذشتہ نبیوں کے زمانہ میں بیک وقت چند نبی ہو سکتے تھے مگر زمانہ محمدی اور ان کے پردہ فرمانے کے بعد دوسرے نبی کی گنجائش نہیں کہ وہ نبی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لہٰذا کفار کا مطالبہ نبوت بھی رد ہے اس مطالبے پر سزا ملے گی اس لئے ارشاد ہوا کہ **سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں کفار کی تردید کے بعد ان کی سزا دنیاوی کا ذکر ہے انہیں **الذین اجرموا** فرمانا اس لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ ذلت و عذاب کا باعث ان کے یہ مطالبے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں صغار سے مراد دنیاوی ذلت و خواری ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے **عند اللہ** فرمایا گیا عند سے پہلے من پوشیدہ ہے یا یہ ذلت و خواری اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے جو انہیں وقت پر پہنچے گی اس صورت میں **عند اللہ صغار** کی صفت ہے (روح المعانی) **وعذاب شدید بما کانوا یمکرون** یہ عبارت معطوف ہے **صغار** پر اس میں ان کفار کی اخروی سزا کا ذکر ہے کہ دنیاوی ذلت و خواری کے بعد اخروی سخت عذاب دیا جائے گا' وہ عذاب اس ذلت کے علاوہ ہے چونکہ حسد کا عذاب دوسرے گناہوں کے عذاب سے سخت ہوتا ہے' اس لئے اسے شدید فرمایا گیا' چونکہ ان کے مکر و فریب تو دنیا میں ہیں اور عذاب آخرت میں ہو گا عذاب کے وقت مکر ماضی بن چکے ہوں گے اس لئے **کانوا یمکرون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سرداران قریش آپ کے مقابلہ میں آپ کی مخالفت میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ جیسے ہو سکے اسلام کو پھلنے پھولنے نہ دیں اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ ہر بستی میں وہاں کے مالدار سرداروں کو ہم نے بڑا مجرم و بدکار بنایا ہمیشہ غرباء و مساکین کو دین کی خدمت کی توفیق دی سرداروں کو مجرم مقابل اس لئے بنایا گیا تاکہ وہ اپنے زور اپنی جماعت کے ذریعہ ان بستیوں میں فساد پھیلائیں پھر ساری طاقتیں صرف کر دیں اور ناکام رہیں ان کی کسی طرح پیش نہ جائے اللہ کا دین خوب چمکے اور دین کی قوت کا پتہ لگے یہ لوگ خود اپنے کو فریب دے رہے ہیں مگر انہی اس کا پتہ نہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو آپ سے بھگا کر اسلام کی اشاعت روک دیں گے مگر ان کی یہ حرکتیں اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بن رہی ہیں کہ جو لوگ آپ سے ناواقف ہیں مکہ معظمہ آتے ہیں وہ ان کفار کے ذریعہ آپ سے واقف ہو کر آپ سے ملتے ہیں اور

آپ کے گرویدہ ہو جاتے ہیں ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جن کی سرکشی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ جب ان کی ہدایت کے لئے کوئی قرآنی آیت انہیں سنائی جاتی ہے یا محبوب انور کے معجزات انہیں دکھائے جاتے ہیں تو عناداً" کہتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آیات قرآنیہ پر یا معجزات پر اسی وقت ایمان لائیں گے جب ہم کو اسی طرح نبوت و رسالت دی جائے جیسی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہم نبی بن کر انہیں مانیں گے بغیر نبی بنے نہیں مانیں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نبوت ایک خاص نعمت الٰہی ہے جس کے لئے خود رب تعالیٰ ہی اپنے کسی خاص بندے کو منتخب فرماتا ہے اس نبوت کے لئے سینے بھی منتخب ہوتے ہیں یہ حاسدین' کافرین' کینہ ور بت پرست کس حوصلے سے اس کی آرزو کرتے ہیں انہیں نبوت تو کیا حق تعالیٰ کی کوئی رحمت نہیں ملے گی عنقریب وقت آتا ہے جب انہیں دنیا ہی میں سخت ذلت و خواری پہنچے گی اپنے ان گناہوں اور ان تمناؤں کی وجہ سے اور ان کے مکر و فریب کی وجہ سے جو اخروی عذاب پہنچے گا وہ اس کے علاوہ ہے انہوں نے اپنے کو دونوں جہان میں عذاب کا مستحق کر لیا۔ خیال رہے کہ وحی عام ہے نبوت خاص۔ غیر تبلیغی غیر تشریعی وحی غیر نبی پر بھی آجاتی ہے۔ حضرت جبریل نے جناب مریم سے شکل انسانی میں آکر کلام کیا انہیں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کفار مکہ یا تو نبوت کا مطالبہ کرتے تھے' یا صرف وحی کا مگر وحی ایمان لانے کی کہ حضرت جبریل ہم پر یہ وحی لائیں کہ تم لوگ محمد مصطفیٰ پر ایمان لاؤ مگر ان کے دونوں مطالبے ٹھکرا دیئے کہ وہ تو خود نبوت کے لائق تھے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی دوسرا نبی ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں خاتم کے زمانہ میں دوسرا نبی کیسے ہو سکتا ہے وحی ایمان اس لئے نہیں آسکتی کہ نبی پر ایمان بالغیب چاہئے اگر ان پر وحی آجاتی کہ یہ نبی ہیں ان پر ایمان لاؤ تو ایمان بالغیب نہ رہتا نیز نبی کی زبان پر اعتبار کرنا ایمان کی اصل ہے نہ کہ حضرت جبریل کی زبان پر اعتبار کرنا اگر حضرت جبریل کے کہنے سے ایمان اختیار کیا جائے تو وہ ایمان نہیں نبی کے ایمان اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** عموماً" سردار مالدار دین کے قوم کے غدار رہے ہیں اور عموماً" غرباء و مساکین دیندار اور دین کے خدمت گزار رہے ہیں۔ یہ فائدہ **اکابر مجرمیھا** سے حاصل ہوا۔ الاماشاءاللہ اب بھی علماء' حافظین' صالحین بلکہ وقت پر غازی مجاہدین عموماً" غریبوں میں ہوتے ہیں حضرات انبیاء و اولیاء عموماً" مساکین میں ہوئے۔ آج غرباء کے دم سے دین قائم ہے اور مسجدیں آباد ہیں انہیں کے دم سے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں سرداروں کا غدار ہونا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں اس سے نبی کا زور' دین کی قوت' ایمان کی طاقت معلوم ہوتی ہے یہ فائدہ **لیمکروا فیھا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے اوپر کا تھوکا خود تھوکنے والے کے منہ پر ہی پڑتا ہے ایسے ہی مقبول بندوں سے کئے ہوئے مکر و فریب خود کفار پر پڑتے ہیں' انہیں اللہ محفوظ رکھتا ہے۔ یہ فائدہ **الا بانفسھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار مکہ نے جو تدبیریں لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے کیں انہیں تدبیروں سے اسلام کی اور اشاعت ہوئی۔ **چوتھا فائدہ:** کافر و فاسق لوگ عموماً" بے وقوف بے سمجھ ہوتے ہیں وہ دین کو برباد کرنے میں خود برباد ہوتے ہیں مگر اپنی بربادی کا احساس نہیں کرتے پھر بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ فائدہ **وما یشعرون** سے حاصل ہوا۔ اس کی مثال آج بھارت میں موجود ہے کہ ہندو اسلام دشمنی پاکستان کی مخالفت میں بیشمار اسلحہ جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور قوم قبر کے کنارہ لگ گئی ہے وہاں کی بدحالی وہاں کا انتشار فقر و فاقہ دنیا میں مشہور ہو چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے یا کسی کے لئے نبوت کی دعا یا تمنا کرنا

حرام بلکہ کفر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب کسی کا نبی بننا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ فائدہ حتی نوتی سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے کفار کی اس تمنا کو ان کے کفریات میں شمار فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** نبوت کے لئے چنتو رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہ اعمال یا مال یا قومیت سے نہیں ملتی یہ وہبی نعمت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں۔ یہ فائدہ **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرشتے لاکھوں سال کے عابد تھے مگر انہیں نبوت و خلافت نہیں دی گئی آدم علیہ السلام کو خلیفہ اور فرشتوں کا مسجود بنایا گیا' جنہوں نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ **ساتواں فائدہ:** حاسد کبھی پھلتا پھولتا نہیں وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہتا ہے پہلا حاسد شیطان ہے دیکھو اب تک پھٹکار ہی کھا رہا ہے اور ہمیشہ کھاتا رہے گا۔ یہ فائدہ **سیصیب الذین اجرموا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کے خلاف تدبیریں کرنے والا ہمیشہ ذلیل و خوار ہی رہتا ہے خواہ کیسا ہی مالدار' علم والا جبّہ والا ہو۔ یہ فائدہ **صغار عند اللہ** اور عذاب شدید سے حاصل ہوا اس کا تجربہ آج تک ہو رہا ہے دیکھ لو بڑے بڑے شیخ القرآن شیخ الحدیث بننے والے وہابی ہر جگہ ذلیل ہی ہیں کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند ہمیشہ چڑھتا ہی رہا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے — یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

نواں فائدہ: اس کے برعکس دین کی خدمت کرنے والا دونوں جہان میں خدا کے فضل و کرم سے آبرو والا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ڈنکے بجانے والے قبروں میں سو رہے ہیں اور ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں دیکھ لو خواجہ اجمیری اور داتا گنج بخش ہجویری کے آستانوں کے میلے۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی — ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

یہ فائدہ **بما کانوا یمکرون** سے حاصل ہوا فقیر احمد یار کی دعا ہے کہ مولیٰ جس قدر سانسیں باقی ہیں دین کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر ہی گزریں' اعلیٰ حضرت' ہمارے جد امجد قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو — قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

نوٹ ضروری: یہاں تفسیر روح البیان اور تفسیر صاوی نے فرمایا کہ یہاں لفظ اللہ مکرر رہے ہیں اگر کوئی تلاوت کرنے والا سل اللہ پر ٹھہر کر دعا مانگے پھر **اللہ اعلم حیث یجعل** الخ پڑھے تو ان شاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی۔ یہاں تفسیر صاوی نے بہت دراز دعا نقل فرمائی اور فرمایا کہ یہ دعا مانگے غالباً "لفظ اللہ مکرر صرف اسی جگہ ارشاد ہوا ہے یعنی دو بار لفظ اللہ بغیر فاصلہ کے اور کہیں نہیں آیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنایا تاکہ وہ فریب کریں کیا خدا تعالیٰ نے ان مجرموں کو اسی لئے بڑائی دی کہ فریب کریں اس نے تو زندگی مال تندرستی اپنی عبادت کے لئے دی ہے نہ کہ فریب کاریوں کے لئے فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** **لیمکروا** میں لام حکمت کا نہیں بلکہ انجام کا ہے اور **لیعبدون** میں لام حکمت کا ہے لہذا آیتوں میں تعارض نہیں یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو زندگی مال وغیرہ عبادت کے لئے دیئے مگر کفار کے مال و زندگی کا انجام یہ فریب کاری ہوا۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں نے

چوری کی جیل جانے کے لئے، فرعون کو دنیاوی وجاہت ملی ستانے کے لئے یہ انجام خود ان کا خود ساختہ ہے ایک ہے رب کی عطا
کی حکمت اور ایک ہے اس کی عطا کو استعمال کا انجام ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** ہمیشہ عام مومنین صالحین
مساکین کیوں ہوتے ہیں اور کفار و فاسق مالدار کیوں ہیں اب بھی عموماً" یہی دیکھا جا رہا ہے قرآن کریم نے بھی یہی فرمایا **اکابر
مجرمیھا** **جواب:** اس سے نبی کا زور دین حق کی قوت دکھانا مقصود ہوتی ہے۔ نمرودی، فرعونی طاقتیں، جب نبوت سے ٹکرا
کر پاش پاش ہو گئیں تب قوت خلیلی طاقت کلیمی کا پتہ لگا فقراو مساکین کے ذریعہ اسلام کو پھیلا کر دکھا دیا کہ دین میں خود اپنی قوت
ہے جس سے وہ پھیل رہا ہے کسی کی قوت سے نہیں پھیلتا مکہ کے سرداروں نے پیٹھ دکھائی تو مدینہ منورہ کے مساکین کو توفیق
دے دی انہوں نے عالم میں اسلام پھیلا دیا رب کی بے نیازی کے قربان نیز فطرۃ" نفس امارہ عیش میں غافل ہو جاتا ہے تکلیف
میں بیدار ہوتا ہے آرام میں خدا کو بھول جاتا ہے مصیبت میں یاد کرتا ہے۔ خلافت شیخین میں مسلمان بڑے بیدار رہے خلافت
عثمانی میں عیش زیادہ ملا آپس میں ہی لڑنے لگے فرعون عیش و آرام میں خدا بنا ڈوبے، وقت بندہ بنا چونکہ بڑے لوگ عیش و آرام
میں زیادہ ہوتے ہیں اس لئے نبی کی مخالفت بھی زیادہ کرتے ہیں موسیٰ کلیم اللہ ابراہیم خلیل اللہ کے مقابل فرعون و نمرود آئے جو
بڑے آرام میں تھے نیز دنیا میں عیش و آرام پردہ اور اندھیرا ہیں۔ جس میں چیز صحیح نظر نہیں آتی۔ بندہ کہتا ہے کہ میں مالدار ہوں
لہذا خدا کا پیارا ہوں۔ انبیاء کرام و مومنین اکثر مساکین ہیں لہذا رب ان سے راضی نہیں یہ اندھیرا اور پردہ موت کے وقت اور
محشر میں ہٹے گا تب اپنے اور نبی کے مقامات معلوم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ یہاں ہی پردۂ غفلت دور فرمائے۔ آمین۔ **تیسرا
اعتراض:** یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ انہیں شعور نہیں کفار مکہ کو اپنی ناکامی کا شعور تو تھا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر
میں گزر گیا کہ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہماری رکاوٹوں سے ہی اسلام کی اشاعت ہوگی وہ مکہ آنے والے
لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے گرم دوپہر تپتے ریت میں جنگلوں میں بیٹھتے تھے یہ تو رب تعالیٰ کی شان تھی کہ ان کی یہ حرکت
ہی ان لوگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتی تھی انہیں اس کا شعور نہ تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے
معلوم ہوا کہ ہمیشہ کفار پر ان کی کوششوں کا وبال پڑتا ہے مومن کامیاب رہتے ہیں مگر حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کفار کے
ہاتھوں شہید ہوئے امام حسین ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے وہاں تو کفار و ظالم کامیاب رہے پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔
جواب: شہادت کامیابی کے خلاف نہیں حضرت زکریا و یحییٰ علیہ السلام نے اور امام حسین نے شہید ہو کر اپنا مقصد پورا کر دیا
کفار اور یزید بظاہر جیت کر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے لہذا حضرت حسین شہید ہو کر جیتے یزید شہید کر کے بھی ہار امیدان انہیں
بزرگوں کے ہاتھ رہا آیت بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں رسل اللہ جمع کیوں ارشاد ہوا رسول اللہ واحد فرمانا
چاہئے تھا کیونکہ کفار کہتے تھے کہ جو نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی وہی ہم کو ملنی چاہئے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی
ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رسل جمع فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے ہے یہ جمع رب العالمین نے ارشاد
فرمائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ نبوت و رسالت مشترکہ صفت ہے۔ جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام
پیغمبروں کو عطا ہوئی جو نبوت مانگتا ہے وہ سارے نبیوں کی ہمسری چاہتا ہے۔ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی صفات
اپنے لئے نہیں چاہتے تھے خاتم النبیین شفیع المذنبین وغیرہ ہونا بلکہ صفت عمومی نفس نبوت میں ہمسری چاہتے تھے۔ **چھٹا
اعتراض:** ان کا مطالبہ عجیب تھا کہ ہم کو نبی بنا دیا جائے تو ہم ایمان لائیں گے نبوت تو ایمان کے بعد کی چیز ہے نہ کہ اس کے

برعکس۔ جواب: یہاں ایمان سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا لوگوں میں ان کی نبوت کا اعلان کرنا ہے وہ کہتے یہ تھے کہ جیسے گزشتہ زمانہ میں بعض نبی دوسرے نبی۔ کے وزیر مشیر تھے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے، حضرت لوط ابراہیم علیہ السلام کے ایسے ہی ہم کو نبوت ملنی چاہئے ہم پھر نبی بن کر آپ پر ایسے ہی ایمان لائیں جیسے حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے' رب فرماتا ہے امن له لوط دوسری تفسیر پر تو مطلب ظاہر ہے کہ ہم پر یہ وحی آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم سچے رسول ہیں تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا قالب و جسم گویا قریہ (بستی) ہے جس میں مختلف اعضاء بدن آباد ہیں اور اس بستی میں نفس' ہوئی' شیطان بھی آباد ہیں جو اس بستی کے اکابر مجرمین یعنی بڑے پاپی ہیں جو دن رات شرع کی مخالفت طبع کی موافقت کرکے اس بستی میں فساد پھیلاتے رہتے ہیں کہ اس کی استعداد خراب کرتے ہیں۔ مگر انہیں شعور نہیں کہ اس میں ان ہی کا نقصان ہے کہ اگر قالب انسانی دوزخ میں گیا تو یہ بھی وہاں ہی جائیں گے اس میں خود ان کا ہی نقصان ہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں چونکہ ان کی جبلت میں سرکشی داخل ہے اس لئے یہ بزبان حال کہتے ہیں کہ جب تک ہم کو وہی فیوض نہ دیئے جائیں جو رسل اللہ یعنی قلب' سر' روح کو دیئے گئے کہ وہ اسرار حق اور الہامات کا ٹھکانہ ہیں تب تک ہم نہ مانیں گے مگر رب تعالیٰ جانتا ہے کہ ان اسرار کے لائق یہی قلب و روح وغیرہ ہیں نہ کہ یہ لوگ نفسانی۔ لوگوں کو عنقریب اللہ سے دوری کی ذلت اور فراق یار وہاں سے نکالے جانے کا عذاب پہنچے گا جو ان کے اس جرم کی سزا ہے' صوفیا فرماتے ہیں کہ نبوت۔ کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے ولایت خاصہ بھی کسب پر موقوف نہیں' کبھی مجاہدہ کرنے والے محروم رہتے ہیں' اور غیر مجاہد واصل باللہ ہو جاتے ہیں' حضرت مریم پیدائشی ولیہ ہیں انہیں ولایت مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوئی۔

حکایت: ایک بزرگ اپنے تیس سالہ مجاہد مرید کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ شرابیوں' ناچنے گانے والوں کی ایک جماعت پر گزرے شیخ نے اپنے اسی مجاہد مرید سے فرمایا کہ اس بوڑھے ڈھولکی والے کو میرے پاس بلا لاوہ لایا یہ بوڑھا اس طرح حاضر ہوا کہ اس کے گلے میں ڈھول تھا' شیخ۔ نے اس مرید سے فرمایا کہ اسے شراب کی شرعی سزا اسی کوڑے لگاؤ اس نے سزا دی پھر شیخ اس بوڑھے کو لے چلے۔ دریا کنارے پہنچے نماز پڑھائی اور اسے فیض دے کر فرمایا کہ تم آج سے یہاں کے ابدال ہو مرید رو کر بولا کہ میں تیس سال کا مجاہد کچھ نہ بنا یہ شرابی کبابی آن کی آن میں سب کچھ ہو گیا فرمایا حکم الٰہی یہی تھا مجھے اس کے پاس اسی لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ فرعونی جادوگر ایک آن میں مومن' صحابی' صابر' شہید سب کچھ بن گئے اب پڑھو اللہ اعلم حیث یجعل رسالته مولانا فرماتے ہیں۔

داد حق را قابلیت شرط نیست ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ لیک شرط قابلیت داد اوست

(از روح البیان)

مگر انسان کو چاہئے کہ دروازے پر حاضر رہے ولی بننے کی تمنا نہ کرے ایمان پر خاتمہ کی دعائیں کرے ہماری یہی ولایت ہے کہ ہمارے گناہوں کی معافی ایمان پر خاتمہ میسر ہو جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر سپاہی کار سرکار میں ڈیوٹی دے رہا ہو تو اس کا مقابلہ حکومت کا مقابلہ ہوتا ہے لیکن جب وہ ڈیوٹی پر نہ ہو اور اپنے گھریلو کام میں کسی سے لڑے تو پھر وہ ایک فریق ہوتا ہے

حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ مومنین جب اللہ کے لئے کفار کے مقابل ہوں گے اللہ ان کی مدد کرے گا۔ **کان حقا علینا نصر المومنین** مگر جب نفس و ملک کے لئے لڑیں تو اللہ ان کی مدد نہیں کرتا پھر وہ جائیں کافر جائیں جس کی مثال غزوۂ احد کا واقعہ ہے اللہ اوما **یمکرون الا با نفسھم** بالکل درست ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

پس وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ یہ کہ ہدایت دے اسے کھول دیتا ہے سینہ اس کا واسطے اسلام کے اور وہ شخص کہ ارادہ

اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ

کرے اللہ یہ کہ گمراہ کرے اسے کر دیتا ہے سینہ اس کا تنگ رکا ہوا گویا چڑھ رہا ہے وہ آسمان میں اسی طرح کرتا ہے اللہ

اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے

يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱۲۵)

عذاب ان لوگوں پر جو نہیں ایمان لاتے

اللہ یوں ہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں پر

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا تھا نورانی اور ظلمانی کہ فرمایا گیا تھا **وجعلنا لہ نورا**" اور فرمایا گیا تھا **کمن مثلہ فی الظلمات** اب ان دونوں گروہوں کی علامات کا ذکر ہے جن سے نورانی اور ظلمانی انسان پہچانے جاویں بلکہ ہر شخص اپنے متعلق معلوم کرے کہ میں کس گروہ کا ہوں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے اشارۃً" معلوم ہوا تھا کہ ظلمانی لوگ دو قسم کے ہیں بعض وہ جن کی ظلمت عارضی ہے قابل زوال بعض وہ جن کی ظلمت اصلی ذاتی ہے ناقابل زوال کہ فرمایا گیا تھا **لیس بخارج منھا** اب انہیں دو قسموں کی علامت کا بیان ہے کہ جس کے سینہ و دل میں ظلمت گھر کر گئی ہے وہ تو ذاتی ظلمانی ہے ورنہ عارضی ظلمانی۔ تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں کفار مکہ کی ان بہانہ بازیوں کا ذکر ہوا جو وہ اسلام سے دور رہنے کے متعلق کرتے تھے کہ ہمارے پاس حضرت جبریل کیوں نہیں آتے ہم کو نبوت کیوں نہیں ملی وغیرہ' اب ان بہانوں کی وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے سینوں میں تنگی ہے انہیں اسلام قبول کرنا ایسا بھاری ہے جیسے آسمان پر چڑھنا غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے ہوا تھا بیماری کی وجہ کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **فمن یرد اللہ ان یھدیہ**۔ اس عبارت میں **ف** بمعنی واؤ ہے اور یہ نیا جملہ ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ **ف** تعلیلیہ ہو اور یہ عبارت گزشتہ فرمان کی علت ہو **من** سے مراد مطلقاً انسان ہے مگر اس سے حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے ہادی ہیں عین نور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ لوگوں کے سینے کھلتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

طفیل سے آپ کے بعض خدام شرح صدر کی نعمت فطری طور پر اپنے ساتھ لائے۔ حضرات انبیاء اور خاص اولیاء پیدائشی شرح صدر والے ہوتے ہیں۔ **یرد** اور **یھلق** اور **یشرح** مضارع بمعنی حال ہے یہ تینوں چیزیں ظہور کے لحاظ سے ہیں ازلی ارادہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے نیز لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا فیصلہ میثاق کے دن ہو چکا اس کا ظہور اب یہاں ہو رہا ہے ہر چیز کے فیصلے پہلے ہو چکے ان فیصلوں کا ظہور دنیا میں ہے۔ ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا۔ ہدایت تین طرح کی ہوتی ہے۔ ہدایت فطری جو انسان بلکہ جانوروں ماں کے پیٹ سے لے کر آتا ہے جانور کا بچہ اپنی فطرت کے خلاف غذا پر منہ نہیں مارتا بکری کا بچہ گوشت نہیں کھاتا گھاس کھاتا ہے' شیر کا بچہ گھاس نہیں کھاتا گوشت کھاتا ہے' انسان کا ایک روزہ بچہ کچھ نہیں جانتا مگر رو رو کر اپنے دکھ درد سنانا' ماں کو بلانا جانتا ہے۔ دوسری ہدایت عقلی جو انسان کو عقل کے ذریعے عطا ہوتی ہے جس سے وہ سائنسی ایجادات تک بنا لیتا ہے۔ تیسری ہدایت شرعی جس سے انسان فرش پر رہ کر عرش کی باتیں جان لیتا ہے مخلوق ہو کر خالق کو راضی کرنا جان لیتا ہے یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے اس ہدایت کی تین قسمیں ہیں دنیا میں خدا رسی کا ذریعہ جاننا قبر میں منکر نکیرین کے جوابات جاننا آخرت میں رب سے عاجزی کرنا اور پھر جنت کا راہ معلوم کرنا اسی کے لئے اسلام شرط ہے اس لئے اسلام کا ذکر متصل ہوا۔ **یشرح صدرہ للا سلام** یہ **من یرد** کی خبر بمعنی جزا یشرح بنا ہے شرح سے۔ جس کے لغوی معنی ہیں کھولنا اس لئے تفسیر یا تفصیل کو شرح کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں شرح بمعنی وسعت و گنجائش دینا اسے قبول کرنے کے لائق بنا دینا آتا ہے وہی یہاں مراد ہے لفظ شرح خیر کے لئے ہی خاص نہیں شر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکن من شرح بالکفر صدرا** شرح اور فتح دونوں کے معنی ہیں کھولنا مگر کبھی ان میں چند طرح سے فرق کیا جاتا ہے۔ ظاہری چیزوں کا کھولنا جو محسوس ہو فتح ہے **ولما فتحوا متاعھم** اور **انا فتحنا لک فتحا مبینا** اس کا مقابل ہے شد یا اغلاق۔ مقابل کے ملک پر قبضہ کرنے کو فتح کہتے ہیں مگر اندرونی چیزوں کا غیر محسوس کھولنا جو نظر نہ آئے شرح ہے اس کا مقابل ہے ضیق۔ گھر کا دروازہ کھولنا فتح ہے گھر والے کا دل کھولنا شرح جس سے اسے محبت و الفت پیدا ہو۔ اندر داخل کرنے کے لئے کھولنا فتح ہے مگر اندر سے نکالنے کے لئے کھولنا شرح۔ اس لئے دل' سینہ کی گنجائش کے لئے شرح ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ دل کی اندرونی صلاحیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ **رب اشرح لی صدری** اور ارشاد ہوتا ہے **الم نشرح لک صدرک** صوفیاء کی اصطلاح میں محبت کے تیر سے دل کا زخمی ہونا شرح ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سینہ خواہم شرح شرح از فراق تا بگویم داستان اشتیاق!

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ شرح صدر یعنی سینہ کھولنا کیا ہے فرمایا یہ ایک غیبی نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے جس سے اسے نیک اعمال کی توفیق ان کی طرف میلان نصیب ہوتا ہے عرض کیا گیا اس نور کی علامت کیا ہے فرمایا دنیا سے نفرت' آخرت کی رغبت موت سے پہلے اس کی تیاری۔ عربی میں صدر کہتے ہیں سینہ کو۔ جس کے اندر کبد یعنی جگر اور قلب یعنی دل ہے۔ سینہ کھولنے سے مراد دل کو توفیق ملنا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی ہیں اطاعت اور فرمانبرداری میں گردن جھکانا۔ **فلما اسلما وتلہ للجبین**۔ دین محمدی کا نام بھی اسلام ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام**۔ لفظ اسلام کبھی بمعنی ایمان بھی آتا ہے کبھی اس کے علاوہ بھی **لا تقولوا امنا ولکن قولوا اسلمنا** یہاں اسلام سے یا تو اطاعت مراد ہے یا دین اسلام یا ایمان و اعمال کا مجموعہ یعنی اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینے کا ارادہ

فرماتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے وسیع کر دیتا ہے اسے اطاعت کی' دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے **ومن یرد ان یضلہ** اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے من سے مراد وہی انسان ہے جس کا کفر پر مرنا علم الٰہی ارادہ خداوندی میں آچکا ہے۔ ضلال ہدایت کا مقابل ہے بمعنی گمراہی ارادہ کرنے کی وہی تحقیق ہے جو ابھی ہو چکی۔ **یجعل صدرہ ضیقا حرجا۔** سینہ کی تنگی سے مراد شرح صدر کے مقابلے کی حالت ہے دل میں قبول کرنے کی توفیق نہ ملنا اطاعت سے دل کا بھاگنا ہچکچاہٹ پیدا ہونا یہ لفظ بنا ہے ضیق سے بمعنی تنگی' ہماری قرات میں حرج ر کے فتح سے ہے بعض قراء توں میں حرج ر کے سکون سے ہے۔ حرج صفت مشبہ ہے اور حرج ر کے سکون سے مصدر بمعنی سخت تنگی کو حرج کہتے ہیں گویا ضیق عام ہے حرج خاص۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی آپ کے پاس بنی کنانہ کا ایک دیہاتی شخص تھا پوچھا تمہاری زبان میں حرج کے کہتے ہیں وہ بولا وہ درخت جو نہایت گھنے باغ کے بیچ میں ہو جس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ حضرت عمر نے فرمایا یوں ہی منافق کا دل ہے جس تک کوئی چیز نہیں پہنچتی ایسا واقعہ حضرت عبد اللہ ابن عباس کا بھی ہے کہ آپ نے قبیلہ بنی بکر کے ایک دیہاتی سے حرج کے معنی پوچھے اس نے بھی یہ ہی بتائے آپ نے وہی جواب دیا۔ حرج کا ماخذ حرجۃ ہے بمعنی گھنا باغ جس کے درخت ایسے گنجان ہوں کہ اندر کوئی نہ پہنچ سکے (خازن کبیر وغیرہ) **کانما یصعد فی السماء۔** اس عبارت شریف میں کافر کی دل تنگی کو نہایت ظاہر مثال سے سمجھایا گیا **یصعد** اصل میں یتصعد تھا ت کا ص میں ادغام ہو گیا۔ صعد خود چڑھتا ہے۔ تصعد کسی کی زبردستی کی وجہ سے اسے چڑھنا پڑتا ہے یعنی کافر کو اسلام قبول کرنا ایسا بھاری ہوتا ہے جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا بھاری ہے کہ اس سے جبراً کہا جاوے کہ تو آسمان پر چڑھ جا اس کا دل نہ چاہے سوچ لو اس کا حال اس وقت کیا ہو گا۔ **کذالک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون۔** کاف تشبیہ کا ہے جس میں فرمایا گیا کہ جیسے ہم نے ان کفار کے دل تنگ کر دیئے۔ ایسے ہی ہم نے ان پر رجس بھی ڈال دی۔ رجس کے بہت معنی ہیں' نجاست' شیطان' بری شر جس میں خیر نہ ہو۔ لعنت' عتاب' دنیا میں لعنت آخرت میں عذاب یہاں سارے معنی درست ہیں لا یومنون سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے نصیب میں ایمان نہیں یعنی ان کا کفر پر مرنا علم الٰہی ارادہ الٰہی میں آچکا ہے یعنی جو لوگ ایمان لانے والے نہیں اللہ تعالیٰ ان پر اسی طرح لعنت' پھٹکار' عذاب بھی یوں ڈالتا ہے۔ جیسے اس کا دل توفیق سے خالی کیا یہ رب تعالیٰ کا سخت عذاب ہے (تفسیر خازن و روح المعانی) اس عبارت کے چند مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان بد نصیبوں کے جیسے دل تنگ ہو گئے ایسے ہی ان پر بیرونی پلیدگیاں بھی پڑتی رہتی ہیں۔ شیطان کے دھوکے نفس امارہ کے فریب برے ساتھیوں کے اثرات یہ سب چیزیں نہیں گھیرے ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ ایسے غافل گمراہ کے لئے ہر چیز پلید ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے جو خیرات کرتا ہے وہ بھی اس کے دل میں ظلمت پیدا کرتی ہے کہ وہ صرف دکھاوے کے لئے ہوتا ہے۔ مومن جو کھاتا پیتا ہے وہ بھی دل میں نور پیدا کرتی ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود! کفر گیرد ملتی ملت شود

خلاصہ ء تفسیر : یہ کفار جو آپ کو آپ کے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے دن بدن ان کا کفر بڑھتا ہی جا رہا ہے ان کی ان حرکتوں کی وجہ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے جنت کے راستہ یا خدا رسی کے راستہ پر چلانا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اپنی اطاعت یا اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے اسے ان چیزوں کی توفیق ملتی ہے وہ بخوشی' دل آسانی سے مسلمان مطیع فرمانبردار بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ وہ گمراہ ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ تنگ ناقابل ہدایت

بنا دیتا ہے۔ جس میں ہدایت و ایمان داخل ہونے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی اسے اسلام قبول کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ایسا بھاری معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اسے جبراً آسمان پر چڑھنے پر مجبور کر رہا ہو جیسے اسے یہ چڑھنا نہایت ہی گراں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اسے بارگاہ نبوت میں حاضر ہونا۔ مومن بننا بھاری معلوم ہوتا ہے انہیں صرف دل تنگی کا ہی عذاب نہیں دیا گیا بلکہ جیسے ان کے دل تنگ ہیں ویسے ہی ایسے بے ایمانوں پر جن کے نصیب میں ایمان نہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں لعنت آخرت میں عذاب بھی کرتا ہے لہٰذا اے محبوب آپ ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں۔

نوٹ : ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے دل کے رجحان پر نظر رکھا کرے کہ میرا دل کس طرف متوجہ ہے اچھوں کی طرف دل کا میلان خود اس کے اچھے ہونے کا نشان ہے بروں کی طرف میلان اپنے برے ہونے کی پہچان ہے۔ بعض عشاق کہتے ہیں کہ آیت میں اسلام سے مراد ہے اپنے کو رب کے حوالہ اس کے سپرد کر دینا **فلما اسلما وتلہ للجبین۔** مقصد یہ ہے کہ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے تو اس کا سینہ اس کے لئے کھول دیتا ہے کہ وہ اپنے کو رب کے حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی زندگی و موت بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اللہ کے لئے ہوتا ہے پھر بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ بندہ کا۔ دل کھلنے کے بہت درجے ہیں گھر کا دروازہ پاؤ' آدھا' پن پورا کھلتا ہے ایسے ہی دل کا دروازہ مختلف طرح کھلتا ہے کسی کا دل صرف ایمان کے لئے کھلتا ہے کسی کا اتفاق کے لئے کسی کا عرفان کے لئے کسی کا رحمت رحمان کے لئے جب شرح صدر کامل ہو جائے تو عرش و فرش ساری مخلوق بلکہ خود خالق اس میں جلوہ گر ہوتا ہے شرح صدر اللہ کی بڑی نعمت ہے، حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی دعا کی۔ **رب اشرح لی صدری۔** اس کے مقابلے دل کی تنگی کے بھی بہت درجے ہیں۔ اسلامی عقائد سے دل تنگی' اچھے اعمال سے تنگی' عرفان و ایقان سے دل تنگی وغیرہ۔ شرح صدر کے اسباب تین ہیں۔ دنیاوی فکریں' تکالیف زیادہ' درود شریف' شرح صدر والوں کی صحبت۔ دل تنگی کے اسباب بھی تین ہیں۔ عیش و عشرت کی زیادتی' غفلت' بروں کی صحبت۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ کو دنیا میں ہدایت نصیب ہو کہ ہدایت روحانی' جنانی غذا ہے اور اس غذا کے لئے بقا ہے فنا نہیں جسم اور جسمانی غذائیں فانی ہیں روح اور روحانی غذائیں باقی یہ فائدہ **فمن یرد** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہدایت ہر ایک کو نہیں ملتی جس پر خاص کرم ربانی ہو اسے ملتی ہے۔ جسمانی غذائیں ہر مومن و کافر کو ملتی ہیں جسمانی غذائیں رب تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا مظہر ہیں اور ہدایت وغیرہ ربوبیت خاصہ کا مظہر ہے۔ یہ فائدہ **فمن یرد اللہ** کے من سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دل کی وسعت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے دل کی تنگی اللہ کا عذاب۔ یہ فائدہ **یشرح صدرہ** سے حاصل ہوا دل کی وسعت یہ ہے کہ انسان کو نیک اعمال کرنا آسان ہوں یہ خوشی سے کرے گناہ سے دل بھاگے۔ بعض اللہ کے بندے ایسے دیکھے گئے کہ انہیں گناہ' فضول خرچی حتیٰ کہ حکیم کی فیس' وکیل صاحب کو معاوضہ دینا' دوا کی قیمت پہاڑ کی طرح بھاری معلوم ہوتی ہے مگر رب کے نام پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور خوشی سے خرچ کرتے ہیں یہ اللہ کے مقبول ہیں مگر یہ ان کا اپنا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہے شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

ایں سعادت بزور باز نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

چوتھا فائدہ: شرح صدر یعنی سینہ کھلنا ہم کو بھی عطا ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا ہوا۔ **الم نشرح لک صدرک** مگر دونوں شرح میں فرق ہے۔ ہمارا سینہ کھلتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے لینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا سینہ کھلتا ہے دینے کے لئے۔ بھیک کے وقت داتا کا بھی ہاتھ پھیلتا ہے اور بھکاری کا ہاتھ بھی۔ داتا کی تھیلی بھی کھلتی ہے اور بھکاری کی جھولی بھی مگر داتا کا ہاتھ پھیلنے، تھیلی کھلنے اور بھکاری کا پھیلنے، جھولی کھلنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ عطا و سخی کے لئے کھلتے ہیں یہ بھیک لینے کے لئے کھلتے ہیں۔ یہ فائدہ **یشرح صدرہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب نے اپنے لئے بھی یہ ہی فرمایا ہمارا سینہ اس لئے کھولا جاتا ہے تاکہ دل میں سے کفر عناد، حسد، بغض نکل جاوے، ایمان و تقویٰ داخل ہو جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ فیض گنجینہ اس لئے کھولا گیا تاکہ اس سے ایمان، فیضان، عرفان دوسرے کو ملے۔ **ان یشاء اللہ یختم علی قلبک** کا یہ ہی مطلب ہے کہ اگر ہم چاہتے تو آپ کے دل پر مہر کر دیتے جس سے سینہ مبارک نہ کھلتا اور لوگوں کو ایمان نہ ملتا۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی ایمان و نیک اعمال کے مجموعہ کو اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ یہاں **للاسلام** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں اسلام کے یہی معنی ہیں۔ اسلام کے بہت سے معانی ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کئے۔ **چھٹا فائدہ:** بندے کی ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر ان کے باوجود بندہ مجبور نہیں بلکہ مختار ہے کاسب بندہ ہے خالق خیر و شر رب تعالیٰ ہے۔ یہ فائدہ **ومن یرد ان یضلہ** سے حاصل ہوا یہاں جبر و اختیار کا ایسا اجتماع ہوا ہے کہ سبحان اللہ کسی صوفی صادق نے کیا خوب فرمایا۔

بے کارم و باکارم چوں مد بہ حساب اندر — خاموشم و گویا نم چوں خط بہ کتاب اندر

مجبورم و مختارم آزاد و گرفتارم

ساتواں فائدہ: بندے کی گمراہی اللہ تعالیٰ کا بدترین عذاب ہے کہ تمام دنیاوی تکلیفیں عارضی ہیں یہ مصیبت دائمی ہے۔ یہ فائدہ بھی **ان یضلہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دل کی تنگی رب تعالیٰ کا قہر ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو گناہ و بدعملیاں آسان معلوم ہوتی ہیں نیک کام سخت بھاری بعض لوگ دیکھے گئے کہ ممبری، سینما، شادی بیاہ کی حرام رسموں نام و نمود کے لئے فضول خرچیوں، بلکہ شرعی محرمات میں بے دریغ روپیہ برباد کرتے ہیں مسجد مدرسہ یا کسی نیک کام میں دو آنہ نہیں دے سکتے وہاں اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں یہ ہے دل کی تنگی اللہ بچائے۔ یہ فائدہ **کانما یصعد فی السماء** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** دل کی تنگی دل کی سختی کفار کی علامت ہے مومن رحم دل بھی ہوتا ہے وسیع القلب بھی۔ یہ فائدہ **علی الذین لا یومنون** سے حاصل ہوا۔ جس قدر ایمان قوی اسی قدر دل وسیع وسعت قلب کی زندہ جاوید تفسیر حضرت یوسف علیہ السلام کا دشمن بھائیوں کو معاف فرما دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب ابو سفیان، ہندہ وحشی، عکرمہ ابن ابو جہل کو بخش دینا ہے یوں ہی جس قدر کفر سخت ہو اسی قدر دل تنگ اور سخت ہوتا ہے اس کی تفسیر فرعون اور ابو جہل کی زندگیاں ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اسے اسلام کی توفیق دیتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے ذریعہ اسلام ملتا ہے حالانکہ اسلام سے ہدایت ملتی ہے یہاں برعکس کیوں بیان ہوا۔ **جواب:** ہدایت کی بہت قسمیں ہیں بعض ہدایت اسلام سے ملتی ہے اور بعض ہدایتوں سے اسلام نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو اسلام ملنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نیک اعمال کی ہدایت یہ وہ ہدایت ہے جو اسلام کے بعد ملتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تنگی اور وسعت دل کی صفت ہے یہاں اور دوسرے مقامات پر اس وسعت و تنگی کو سینہ کی صفت کیوں قرار دیا دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **الم نشرح لک صدرک۔** **جواب:** سینہ مکان ہے دل اس کا مکین وسیع دل تنگ سینہ میں نہیں سما سکتا دریا گھڑے

میں نہیں آسکتا۔ دل کی وسعت کے لئے سینہ کی وسعت لازم ہے یہاں لازم فرما کر ملزوم مراد لیا بعض نے فرمایا کہ یہاں اور اسی جیسے دوسرے مقامات پر سینہ بول کر دل مراد لیا گیا ہے۔ مکان بول کر مکین کا ارادہ فرمایا تنگ سینہ میں وسیع دل نہیں سماسکتا اور تنگ دل میں اللہ کی رحمتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو فطری طور پر شرح صدر عطا ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی شرح صدر والے ہوتے ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ **رب اشرح لی صدری** معلوم ہوا کہ ابھی تک انہیں یہ نعمت میسر نہیں ہوئی تھی رب تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کر کے سیاہ دانہ نکال دیا رب نے فرمایا **الم نشرح لک صدرک** معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر شرح صدر حاصل نہ تھا۔ **جواب:** شرح صدر بمعنی ہدایت ملنا یہ نبیوں خاص ولیوں کو پیدائشی عطا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو شرح صدر کی دعا کی تھی وہاں اس سے مراد ہے دل میں ہمت و جرات۔ جس سے بے دھڑک فرعون کا مقابلہ فرماسکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کچھ اور ہی معنی میں ہے۔ جو کسی نبی کو بھی عطا نہ ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی گمراہی کا رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا تو بندہ گمراہ ہونے میں مجبور ہوا مجبور کو سزا کیسی؟ **جواب:** آپ کا پہلا قاعدہ تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کا ہونا ضروری ہے مگر دوسرا قاعدہ غلط ہے کہ ایسے ضروری کام میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا کیونکہ اگر رب تعالیٰ ارادہ ہی یہ کرے کہ فلاں بندہ اپنے ارادہ سے گمراہ یا کافر ہو تو بندہ کا ارادہ کرنا بھی واجب ہے اور بعد ارادہ اس کام کا ہونا بھی ضروری ہے یہاں یہی صورت مراد ہے لوہا پانی میں رکھ دیا جاوے۔ جس سے وہ زنگ آلود ہو کر بے کار ہو جاوے تو لوہے کی بیکاری رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے مگر اسے پانی میں رکھنا اس میں جیسے لوہے کے لئے پانی۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں سینہ کے دو عیب بیان فرمائے۔ ضیق اور حرج' یہ دونوں تو ایک ہی ہیں دونوں کے معنی ہیں تنگ پھر یہ دونوں لفظ جمع کیوں فرمائے گئے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ضیق سے مراد ہے معمولی تنگی جو کسی وجہ سے دور ہو سکے یہ اس دل کی آخری حالت ہے یہ ترتیب مطابق واقعہ کے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں آسمان پر چڑھنے سے کیوں تشبیہ دی گئی۔ **جواب:** اس لئے کہ کافر انتہائی پستی میں ہے اس کے لئے ہدایت مثل آسمان کے بلند ہے۔ اسے ہدایت تک پہنچنے میں ایسے ہی تکلف بلکہ تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی زمینی چیز کو آسمان پر چڑھنے میں تکلف ہوتا ہے۔ مومن اس آسمان پر اپنی طاقت سے نہیں جاتا بلکہ کسی دوسرے کی طاقت سے ادھر جاتا ہے۔ مٹی کا ڈھیلا بذات خود نیچے گرتا ہے۔ دوسرے کی طاقت سے اوپر جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: علم دو طرح کا ہے علم معاملہ' علم مکاشفہ اللہ تعالیٰ سے قریب و دور کرنے والی چیزوں کا علم' علم معاملہ کہلاتا ہے علم مکاشفہ وہ غیبی نور ہے جو رب تعالیٰ کی طرف بندے کے دل پر وارد ہوتا ہے۔ جس سے عالم غیب اس کے لئے شہادت بن جاتا ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** اس علم کا نام ہے شرح صدر اس علم سے دل منور ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے ایقان عیان بن جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرح صدر چند طرح کا ہوتا ہے۔ شرح فطری جو پیدائشی طور پر بندے کو عطا ہوتا ہے۔ یہ نعمت حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کو عموماً عطا ہوتی ہے۔ حضرت مریم پیدائشی طور پر شرح صدر والی تھیں۔ کسبی جو مجاہدہ عبادات' ریاضات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ **والذین جاھدوا** الخ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ وہبی جو کسی کے

فیضان نظر سے ملتا ہے۔ حضرت عمر کا سینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعید ابن زید کی۔ اور اپنی بہن کی تلاوت پر قرآن سن کر کھل گیا۔ کبھی دنیاوی تکالیف اور مصیبتیں اس کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ دنیاوی عیش و طرب عموماً "دل تنگی" غفلت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں کی تکالیف عموماً "بیزاری کا باعث ہوتی ہیں۔ دل بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن پر ایمان شاق ہے وہ کفار کے دل ہیں۔ دوسرے وہ جن پر ذوق و جدان گراں ہیں یہ اہل نقصان کے دل ہیں بعض وہ جن پر کلمات عرفان بھاری ہیں اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسرار اغیار سے چھپاؤ۔ علم مکاشفہ کتب سے نہیں بلکہ نظر سے ملتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

علم و حکمت در کتب دیں از نظر! دیں مجو اندر کتب اے بے خبر

روئے دل را جانب دلدار کن صد کتاب و صد ورق درنار کن

یہاں اسی علم کا ذکر ہے کہ جسے خدا تعالیٰ اپنے تک پہنچنے کی ہدایت دینا چاہتا ہے اسے شرح صدر عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ نہایت آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے اور جسے اس سے محروم رکھا وہ کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ظاہری نور سے گھر کی اور گلی کی ہر چیز نظر آتی ہے دل کے نور سے وہاں کی ہر چیز معلوم ہوتی ہے **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور** (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرح صدر یعنی دل کھولنا نبی اور مومنین دونوں کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ مگر نبی کے لئے شرح صدر یہ ہے کہ ان کا سینہ فیض دینے کے لئے کشادہ ہو یوں ہی قرآن کریم میں لفظ ختم کفار کے لئے ارشاد ہوا۔ **ختم اللہ علی قلوبہم** اللہ نے ان کے دل پر مہر کر دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا گیا کہ **ان یشاء اللہ یختم علی قلبک** اگر اللہ چاہے تو اے محبوب تمہارے دل پر مہر کر دے مگر فرق یہ ہے کہ کفار کے دل پر کفر کی مہر کر دی۔ جس سے ان کے دل کھل نہیں سکتے لہذا ان میں سے نہ کفر و عناد نکل سکتا ہے نہ اس میں ایمان و عرفان داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اندر سے نکلنا باہر سے اندر آنا دروازہ کھلنے پر موقوف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر مہر سے مراد ہے رحمت و کرم کی ایسی مہر جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار لوگ نہ لے سکیں رب نے یہ مہر قلب پاک مصطفیٰ پر نہیں کی بلکہ اسے شرح بخشی **الم نشرح لک صدرک** جس سے فیضان کے چشمے ابل رہے ہیں یہ ضرور خیال میں رہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
اور یہ ہے راستہ تمہارے رب کا سیدھا بے شک تفصیل وار بیان کر دیں ہم نے آیتیں واسطے
اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت ماننے والوں کے لئے
يَّذَّكَّرُوْنَ ۞ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا
اس قوم کے جو نصیحت پکڑتے ان کے لئے گھر ہے سلامتی کا پاس رب ان کے اور وہ والی ہے ان کا اس وجہ سے
ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے ان کے کاموں

يَعْمَلُوْنَ
کرتے تھے وہ عمل کرتے
کا پھل ہے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اسلام کا ذکر ہوا کہ جسے رب تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اب اسلام کی عظمت کا تذکرہ ہے کہ یہ رب تک پہنچانے والا راستہ ہے گویا اسلام کی ابتداء کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی انتہاء کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کسے ملتا ہے اب ارشاد ہے کہ اسلام کہاں پہنچاتا ہے گویا اسلام کا نعمت عظمیٰ ہونا پہلے ارشاد ہوا اور اس کا رب تک پہنچانے کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی دنیاوی نعمت کا ذکر ہوا یعنی شرح صدر اب اللہ تعالیٰ کی اخروی نعمت کا ذکر ہے یعنی جنت کی عطا گویا درخت کا ذکر پہلے ہوا اس کے پھل کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **وهذا صراط ربک مستقیما۔** یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **هذا** سے اشارہ یا قرآن مجید کی طرف ہے یا اسلام کی طرف یا شرح صدر کی طرف یا توفیق خیر کی طرف اور ہو سکتا ہے کہ **هذا** سے اشارہ ہو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی واحد خدا رسی کا ذریعہ ہیں۔ لہذا اس آیت کی پانچ تفسیریں ہوئیں۔ **صراط**' سبیل' طریق' شرح' منہاج ان سب کے معنی ہیں راستہ مگر ان میں کچھ فرق ہے۔ یہ فرق ہم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر **اهدنا الصراط المستقيم** میں عرض کر دیا۔ صراط کی رب کی طرف نسبت یا تو اس لئے ہے کہ رب العالمین کا بنایا بتایا ہوا راستہ ہے یا اس لئے کہ یہ رب تک پہنچانے والا راستہ ہے جسے اختیار کرکے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے یہ گورنمنٹی راستہ ہے یعنی حکومت کا بنایا ہوا یہ مدینہ منورہ کا راستہ ہے یعنی مدینہ طیبہ تک پہنچانے والا راستہ۔ سرکاری راستہ پر سرکاری انتظامات ہوتے ہیں۔ پل' چوکیاں' حفاظتی انتظامات وغیرہ خود ساختہ راستہ یعنی پگ ڈنڈیاں وغیرہ پر کسی قسم کا انتظام نہیں ہوتا۔ دین اور نیک اعمال کو راستہ یا صراط اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے انسان منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے رب فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے بندوں کے لئے ایسا راستہ بنایا۔ **ربک** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جو رب تعالیٰ کو رب محمد ہونے کی شان سے مانے وہ اس راستہ کو پا سکے گا آپ کا دامن چھوڑ کر کبھی یہ راستہ نہیں پا سکتا یہ راستہ آپ کے ذریعہ ملے گا نیز یہ بتایا کہ قرآن مجید وغیرہ مومنین کے لئے سیدھا راستہ ہے نہ کہ آپ کے لئے آپ تو منزل مقصود ہیں۔ قرآن مجید مومنین کا ہادی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی نہیں۔ فرماتا ہے **هدى للمتقين** یہ نہیں فرماتا **هدى لک۔ مستقيما** صراط کا حال موکدہ ہے مستقیم کی شرح ہم سورۂ فاتحہ اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ صراط مستقیم وہ ہے جو سیدھا اور سب راستوں سے چھوٹا ہو جو بہت جلد بے کھٹک منزل مقصود تک پہنچا دے یعنی یہ اسلام یا یہ قرآن۔ اے محبوب آپ کے رب کا قائم کردہ یا آپ کے رب تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے۔ جو اس سے ہٹے گا وہ رب تک کبھی نہ پہنچ سکے۔ خیال رہے کہ سیدھا راستہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے چند نہیں ہو سکتے یہ راستہ درمیانی ہوتا ہے کنارہ والا نہیں ہو سکتا۔ سب سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے برابر یا اس سے چھوٹا کوئی اور راستہ نہیں ہو سکتا۔ صراط مستقیم میں یہ تین

خصوصیات لازمی ہیں دیکھو سورۂ فاتحہ کی تفسیر۔ خیال رہے کہ قرآن مجید یا اسلام وغیرہ مومنین کے لئے سیدھا راستہ ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ مومنین تو راستہ میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ پر ہیں نشان راہ بن کر مومنین مسافر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل مقصود ہیں۔ رب فرماتا ہے **انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم** اور فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی سیدھے راستہ پر ملتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلکہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں وہاں ہی خدا تعالیٰ ملتا ہے یا کہو کہ مومنین سیدھے راستہ میں ہیں سفر کرنے کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستہ پر ہیں' رہبری کرنے کے لئے۔ مومنین راہ گیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہبر ہیں۔ رب تعالیٰ اس راستہ کی منزل مقصود ہے۔ راہ گیر اور رہبر کا فرق خیال میں رہے۔ **قد فصلنا الایات لقوم یذکرون** یہ جملہ ہے۔ **فصلنا** بنا ہے تفصیل سے جس کا مادہ **فصل**" ہے معنی علیحدگی اجمال کے مقابل کو تفصیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر چیز علیحدہ علیحدہ بیان ہوتی ہے۔ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں چونکہ بعض آیات میں وعدہ ہے بعض میں وعید اسی طرح ثواب' عذاب' حلال' حرام' احکام' ممانعت' حمد نعت کفار کی برائیاں مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔ اس لئے یہاں آیات جمع ارشاد ہوا یعنی ہر قسم کی قرآنی آیتیں علیحدہ علیحدہ جداگانہ ان لوگوں کے نفع کے لئے بیان فرما دی ہیں۔ جن میں نصیحت حاصل کرنے کا مادہ اور جذبہ ہے گزشتہ آسمانی کتب میں اجمالاً" احکام بیان ہوئے تھے حتی کہ توریت کو توریت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں احکام بطور توریہ واشارہ مذکور تھے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں یوں ہی عقائد کی آیات تفصیل دار ہیں ہاں بعض آیات صفات اور مقطعات جنہیں متشابہات کہتے ہیں ان میں تفصیل نہیں ہے وہاں اجمال ہی ضروری ہے تاکہ ان کا پتہ سواء محبوب کسی کو نہ لگے **لھم دار السلام عند ربھم** اس عبارت میں اس خوش نصیب قوم کا اجر و ثواب بیان ہوا۔ **لھم** کا مرجع وہی قوم **یذکرون** ہے چونکہ قوم معنی جمع ہے۔ اس لئے ضمیر **ھم** جمع ارشاد ہوئی۔ **لھم** مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **دار السلام** سے مراد جنت ہے سلام یا تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو یہ اضافت عزت و شرافت کی ہے جیسے کعبۃ اللہ اور بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں یا دار السلام کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر تو مقصد یہ ہے کہ جب دنیا میں انسان ایسے شاندار محل' کوٹھیاں' بنگلے تیار کر لیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں تو غور کر لو کہ رب تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر کیسا ہو گا نیز انسان ایسے کھانے و پھل تیار کر لیتا ہے کہ سبحان اللہ تو سمجھ لو کہ تمہارے رب نے جو جنتی کھانے میوے خود تیار کئے ہیں وہ کیسے ہوں گے یا اسلام معنی سلامتی ہے اس صورت میں اضافت ظرف کی مظروف کی طرف ہے چونکہ وہاں موت سے بیماریوں سے بغض و عداوت سے گناہوں سے ناپسندیدہ چیزوں سے ہمیشہ کے لئے امن و سلامتی ہے اس لئے اسے دار السلام یعنی سلامتی و امن کا گھر کہتے ہیں یا سلام سے مراد سلام ہی ہے چونکہ وہاں فرشتے جنتیوں کو اور خود جنتی ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے اس لئے اسے دار السلام یعنی السلام علیکم کہنے سننے کا گھر کہتے ہیں چونکہ جنت نہ تو دنیا میں ہے نہ برزخ میں نہ قیامت میں بلکہ قیامت کے بعد یعنی حساب و کتاب سے فارغ ہو کر نصیب ہو گی اس لئے **عند ربھم** ارشاد ہوا دنیا فراق کی جگہ ہے آخرت وصال کی جگہ اس لئے **عند** فرمانا بالکل موزوں ہے **وھو ولیھم** یہ عبارت **لھم دار السلام** پر معطوف ہے اس میں متقیوں کی دوسری عظمت کا ذکر ہے **ھو** کا مرجع رب ہے۔ ولی ولایت کا صفت مشبہ ہے اس کے بہت معنی ہیں۔ مالک' متولی' کارساز' حق دار' مددگار' دوست و محبت والا' یہاں سواء مالک کے باقی تمام معنی درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے کافر و مومن منافقوں کا مالک ہے مگر

متولی، کار ساز، مدد گار وغیرہ صرف پرہیز گاروں کا ہے دنیا میں بھی برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی یہ جملہ دوام اور ہمیشگی کے لئے ہے یعنی رب تعالیٰ ہمیشہ متقیوں کا متولی، کار ساز، مدد گار اور دوست دار ہے ان سے محبت کرتا ہے ان کے بگڑے کام بناتا ہے ان کے ہوئے کام نکالتا ہے **بما کانوا یعملون** اس کا تعلق دونوں سے ہے کہ ان کا جنتی ہونا اور اللہ کا پیارا ہونا ان کے نیک اعمال کی وجہ ان کی برکت سے ہے نہ کہ صرف قومیت وغیرہ کی وجہ سے اگر یہ نعمتیں چاہئیں تو نیک اعمال کرو۔ خیال رہے کہ انسانوں میں عموماً محبت تین طرح کی ہوتی ہے۔ نسبی محبت جیسے اولاد ماں باپ سے محبت، نسبتی محبت جیسے اپنے بچے کے دوستوں سے اس کی چیزوں سے محبت، خدمت کی محبت جیسے اپنے مطیع و فرمانبردار نوکر سے محبت، رب تعالیٰ کی ولایت و محبت بھی تین طرح کی ہے محبت فطرت جیسے نبیوں خصوصاً "سید الانبیاء سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرکز محبت ہیں۔ محبت جیسے صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے رب کو محبت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے محبت خدمت جیسے نیک کار مسلمانوں سے رب کو محبت ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔ یہاں **بما کانوا یعملون** فرما کر اشارۃً" بتایا کہ عاملین صالحین سے رب کو محبت اس کا کرم، تیسری قسم کا ہے یعنی محبت خدمت رب تعالیٰ نصیب فرماوے ایسے لوگوں کا اللہ والی وارث ہے۔ وارث والا کتا مارا نہیں جاتا پالتو جانور کا شکار نہیں کیا جاتا کہ وہ والی و وارث والا ہے۔ اللہ جس کا والی ہو جاوے اسے شیطان شکار نہیں کر سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو یہ دین اسلام یا قرآن یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری رب تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے اس راستہ پر چلو اس کے محبوب کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو اور سیدھے آنکھیں بند کئے رب تک پہنچ جاؤ دیکھو غافل نہ ہونا ہم نے قرآن مجید کی مختلف آیتیں تفصیل وار جدا جدا بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جن میں نصیحت حاصل کرنے کا مادہ جذبہ ہے ان سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے سورج سے صرف آنکھ والے فائدہ حاصل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا گھر ہے یا ہر طرح کا امن و امان والا گھر یا وہ گھر جہاں ہر وقت اسلام کی آوازیں آتی ہیں مگر یہ گھر ملے گا جب جبکہ یہ بخیریت دنیا کی زندگی برزخی حیات، قیامت کا زمانہ گزار کر رب تک پہنچ جاویں گے نیز اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کا والی کار ساز ان سے محبت فرمانے والا ہے یہ دونوں نعمتیں ان نیک اعمال کی وجہ سے ہیں جو وہ کرتے تھے رب کے ہاں نام، جاہ، قومیت وغیرہ نہیں دیکھے جاتے وہاں تو کام کی پوچھ گچھ ہے۔ اللہ ان کا ولی ہے قرآن ان کا حامی ہے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھی ہیں۔ خیال رہے کہ ایک دار السلام یعنی جنت تو بہت طویل المیعاد ادھار ہے جو مرنے برزخی زندگی گزارنے قیامت کا دن پورا کرنے پل صراط پر سے بخیریت گزر جانے کے بعد ملے گا مگر دوسرا دار السلام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ یہ نقد نعمت ہے۔ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ساری مخلوق کے لئے دار السلام ہے۔ از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں ان کی قوموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل امان ملی **فتلقی ادم من ربہ کلمات** اور **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** بلکہ جانور و جنات، کنکر پتھروں لکڑیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقدس سے سلامتی پائی۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد　　　ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد!

اسی در پر شتران ناشاد　　　شکوۂ رنج و عنا کرتے ہیں

ایک شاعر کہتا ہے۔

بات آدم کی بن آئی تو انہیں کے دم سے پائی یونس نے رہائی تو انہیں کے دم سے

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا رسی کا صرف ایک راستہ ہے یعنی قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اس کے سوا کوئی ذریعہ خدا تک پہنچنے کا نہیں۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا توان یافت جز در پئے مصطفیٰ

یہ فائدہ **ھذا صراط ربک** الخ سے حاصل ہوا کوئی شخص گا کر ناچ کر ٹھنگ چرس کے ذریعہ رب تک نہیں پہنچ سکتا۔ کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں بہت سے دین ہیں بعض من گھڑت جیسے شرک، دہریت اور بت پرستی۔ بعض اللہ کے بنائے ہوئے جیسے یہودیت، عیسائیت، داؤدیت مگر اب کوئی دین خدا رسی کا ذریعہ نہیں من گھڑت دین تو کبھی بھی خدا کا راہ نہ تھے رب کے خدائی دین وہ اپنے اپنے وقت میں راہ خدا تھے اب وہ سب راستے بند کر دیئے گئے۔ یہ فائدہ **ھذا صراط ربک** سے حاصل ہوا جبکہ **ھذا** سے اشارہ اسلام کی طرف ہو رات میں چاند تارے نور کا ذریعہ ہیں مگر سورج نکلتے ہی وہ نور نہیں دیتے کبھی دن میں چاند نظر آتا ہے اس کی جسمانیت سفید رنگ تو محسوس ہوتا ہے مگر نور نہیں دیتا عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت آئیں گے اپنے وقت کے نبی ہوں گے نظر آئیں گے مگر ہم کو اپنے دین کی تبلیغ نہ کریں گے بلکہ دین محمدی کی خدمت کریں گے۔ **تیسرا فائدہ:** شریعت خدا رسی کا سیدھا اور آسان راستہ ہے ہر قسم کے اینچ پینچ سے خالی ہے اس لئے اسے شریعت کہتے ہیں یعنی جرنیلی سڑک۔ یہ فائدہ **مستقیما** " سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ تک وہی پہنچ سکتا ہے جو اللہ کو رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مان کر اس پر چلے اسے اللہ کر کے ماننا رب العالمین یا ربنا کے ذریعہ ماننا خدا رسی کے لئے کافی نہیں۔ یہ فائدہ ربک فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں صراط اللہ یا صراط ربکم یا صراط رب العالمین نہ فرمایا گیا بلکہ ربک ارشاد ہوا۔ اے محبوب آپ کے رب کا راستہ، ہم اس کی تحقیق پارہ الم' **و اذ قال ربک** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید اگرچہ سارے عالم کی ہدایت کے لئے آیا مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن میں ہدایت کا مادہ موجود ہو۔ یہ فائدہ **لقوم یذکرون** سے حاصل ہوا۔ سورج سے صرف آنکھ والے نور لیتے ہیں **لقوم** کلام نفع کا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جنتی لوگ اپنی اپنی جنت کے مالک ہوں گے۔ محض مہمان نہ ہوں گے۔ یہ فائدہ **لھم** کے لام سے حاصل ہوا کہ اس میں لام ملکیت کا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جنتیوں کی یہ ملکیت آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ فائدہ **لھم دار السلام** جملہ اسمیہ سے حاصل ہوا کہ یہ جملہ دوام کے لئے ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** جنت میں ہر قسم کی سلامتی ہو گی۔ مرض، موت، عداوتیں وغیرہ کوئی تکلیف دہ چیز وہاں نہ ہو گی۔ یہ فائدہ دار السلام کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** جنت میں شرعی احکام اہل جنت پر جاری نہ ہوں گے کہ وہ جگہ تکلیف شرعی کی نہیں مگر ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا اس کا جواب دینا وہاں بھی ہو گا کہ یہ بھی ذریعہ ہے خوشی اور سرور کا۔ یہ فائدہ دار السلام کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : جنت میں چند شرعی چیزیں ہوں گی۔ (1) حیا۔ (2) سلام۔ (3) عورتوں کا پردہ۔ (4) ذکر اللہ۔ (5) تلاوت قرآن مجید۔ (6) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق۔ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں ہیں اور روحانی غذائیں۔ **دسواں فائدہ** جنت حاصل کرنے کا ذریعہ نیک اعمال ہیں یہ فائدہ **بما کانوا یعملون** کی ب سے حاصل ہوا۔ یہ ب سببیہ ہے مگر یہ

قانون جنت کسی کے لئے ہے۔ جنت عطائی، جنت وہبی کے لئے یہ قاعدہ نہیں جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے دیوانے لوگ جنت میں جائیں گے مگر کسی کی طفیل اور رب کے محض کرم سے۔ گیارھواں فائدہ: اعمال کی جگہ دنیا ہے برزخ یا آخرت اعمال کے نتیجے کی جگہ ہے نہ کہ اعمال کرنے کی۔ یہ فائدہ **کانوا یعملون** کے ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔ بارھواں فائدہ: جنت حاصل کرنے کے لئے صرف درستی عقائد پر کفایت نہ کرو بلکہ نیک اعمال بھی کرو پھل وہ کھاتا ہے جو درخت کی جڑ اور شاخوں پتوں سب کی حفاظت کرتا ہے ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں جنت ملنا اس کا پھل۔ یہ فائدہ بھی **کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: راستہ کے ذریعہ کسی مکان یا مکانی چیز تک پہنچا جاتا ہے رب تعالیٰ مکان اور مکانیات سے پاک ہے پھر اس تک پہنچنے کے لئے راہ کیسی اور صراط ربک کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم سورۂ فاتحہ **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جسمانی راستہ جسمانی مقصد تک پہنچاتا ہے اور نورانی و ایمانی راستہ نورانی مقصد تک پہنچاتا ہے یہاں اچھے عقیدوں نیک اعمالوں کو راستہ فرمایا گیا کہ ان کو اختیار کرکے انسان رب کی رضا حاصل کرتا ہے یہ مقصد بھی نورانی ہے اس کا یہ راستہ بھی نورانی۔ یہاں راستہ سے یہ اینٹ کنکر والا راستہ مراد نہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن اسلام خدا رسی کے سیدھے راستے ہیں تو کیا اس تک پہنچنے کے ٹیڑھے راستے بھی ہیں، جب کوئی اور راستہ ہی نہیں تو اسے مستقیم کیوں فرمایا گیا۔ جواب: اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ راستہ بھٹکنے کے خوف سے محفوظ ہے، بے خطر ہے اس کے ذریعہ بے تکلف رب تک پہنچا جا سکتا ہے یہ صفت کاشفہ ہے کسی دوسرے راستے کے مقابل نہیں۔ اگر کہا جاوے کہ ہمارا معبود خالق علیم و خبیر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اور بھی سچا معبود ہے جو خالق علیم و خبیر نہیں یہ صفات احترازی نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ مفصل ہیں۔ مجمل نہیں پھر حدیث شریف کو ماننے کی کیا ضرورت ہے قرآن مجید میں سب کچھ ہے اور ہے بھی مفصل۔ جواب: واقعی آیات قرآنیہ مفصل ہیں مگر ان کی شرح کی پھر بھی ہم کو ضرورت ہے تفصیل اور ہے شرح کچھ اور **اقیموا الصلوۃ** ایک مفصل آیت ہے مگر صلوٰۃ کے معنی اس کی تعداد، رکعات کی شرح حدیث شریف کرتی ہے یا یوں کہو کہ آیات قرآنیہ کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان و عمل سے ہے وہ تفصیل بھی گویا رب تعالیٰ ہی کی تفصیل ہے یہ جواب قوی ہے۔ چوتھا اعتراض: اگر **ھذا** سے مراد قرآن مجید ہو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ یہ قرآن رب کا سیدھا راستہ ہے تو خدا رسی کے لئے قرآن کافی ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ضرورت ہے؟ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ کراچی کی ریلوے لائن کراچی کا سیدھا راستہ ہے پھر کراچی کے مسافروں کو انجن اور ریل کی کیا ضرورت ہے۔ لائن راستہ ہے انجن مسافروں کو اس راستہ پر چلانے والا ہے قرآن راستہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چلانے والے خدا تک پہنچانے والے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن مجید حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے مقرر کردہ حاکم **لتحکم بین الناس**۔ حکم پر عمل حاکم کے فیصلے کے بغیر جرم ہے قاتل کی سزا قتل، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا، زنا کی سزا رجم ہے مگر حاکم کے فیصلے سے یہ عمل ہوں گے اگر کوئی قاتل کو خود ہی قتل کردے چور کا ہاتھ خود ہی کاٹ دے بغیر حاکم کے فیصلہ کے تو وہ مجرم ہے۔ جو شخص قرآن مجید پر عمل بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے کرے وہ مجرم ہے۔ عرفات میں جو حاجی مسجد نمرہ میں جماعت

سے نماز پڑھے اس کے لئے ظہر کا وقت ہی عصر کا وقت ہے دونوں نمازیں ملا کر پڑھے مگر جو اپنے خیمہ میں اکیلا یا جماعت سے پڑھے تو عصر اپنے وقت میں پڑھے گا۔ یہ ہے حاکم مطلق حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دیکھو۔ قرآن مجید کی آیات منسوخہ پر عمل کرنا حرام ہے ان پر عمل کرنا سیدھا راستہ نہیں جیسے بیوہ کی عدت ایک سال یا زانیہ مومنہ کا نکاح مشرک کے ساتھ۔ **پانچواں اعتراض:** خدا رسی کے لئے راستہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ راستہ تو دور والی چیز کو حاصل کرنے کے لئے طے کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ **جواب:** ہونا اور چیز ہے پانا کچھ اور بے شک رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے مگر اس کا پانا بہت مشکل ہے پانے کے لئے راستہ طے کرنا ضروری ہے روح جسم میں ہے مگر ہم اسے پا نہیں سکتے نیز رب تعالیٰ تو ہم سے قریب ہے مگر ہم اس سے دور ہیں ہم کو اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرنا ضروری ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

یار نزدیک تراز من بہ من است　　　　ویں عجب بیں کہ من از وے دورم

چھٹا اعتراض: قرآن کریم تو سارے جہان کی ہدایت کے لئے آیا ہے پھر یہاں **لقوم یذکرون** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں لام نفع کا ہے چونکہ اس سے نفع صرف یہ لوگ اٹھاتے ہیں لہٰذا یہ ارشاد ہوا جیسے بارش سے نفع صرف اعلیٰ زمین ہی اٹھاتی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ بارش عمدہ زمین کے لئے برستی ہے شورہ زمین اس سے محروم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** **لهم دار السلام** سے معلوم ہوا کہ جنت اہل جنت کی ملکیت ہوگی۔ مگر قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے **نزلا من غفور رحيم** اللہ کی طرف سے وہاں مہمانی ہوگی۔ مہمان گھر کا مالک نہیں ہوتا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں خاطر تواضع کے لحاظ سے نزل ارشاد ہوا کہ تمہاری خاطر مہمانوں کی سی ہوگی۔ تم ہمیشہ رب تعالیٰ کے مہمان ہوؤ گے۔ اعزاز اور خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان ہونگے ویسے اپنے املاک کے مالک۔ **آٹھواں اعتراض:** **لهم دار السلام** میں **لهم** کے حصر سے معلوم ہوا کہ جنت صرف ان ہی لوگوں کو ملے گی ان کے سواء اور کسی کو نہیں۔ کیا مسلمانوں کے شیر خوار فوت شدہ بچے یوں ہی دیوانگی کی حالت میں مرجانے والے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے۔ **جواب:** اس سوال کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کفار کے مقابلہ میں، یعنی صرف مومنین ہی جنتی ہیں کفار جنتی نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے ان بچوں اور دیوانوں کو جنت مل جانا یا ہم جیسے گنہگاروں کو جنت کی عطا کسی پیارے کی طفیل سے ہے یوں ہی جو لوگ جنت پر کرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے انہیں جنت ملنا خاص رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جنت کی عطا تین طرح کی ہے۔ کسبی 'عطائی' وہبی مگر دوزخ صرف کسبی ہے اس لئے یہاں **بما كانوا يعملون** فرمایا گیا۔ **نواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **وهو وليهم** جس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان جنتی کا والی وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تم نبیوں ولیوں کو اپنا والی وارث کیوں مانتے ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات بارہا بیان ہو چکے۔ قوی جواب یہ ہے کہ ولی حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ جب وہ کسی کا ولی ہو تو اس کے مقبول بندے بھی ولی مجازی ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا** الخ۔

تفسیر صوفیانہ: خدا رسی کے دو راستے ہیں ایک سیدھا اور کھلا ہوا جسے شریعت کہتے ہیں دوسرا تنگ اور پیچدار جسے طریقت کہا جاتا ہے شریعت وہ وسیع سیدھا راستہ ہے جس پر ہر شخص آسانی سے چل سکتا ہے مگر اس راستہ سے دیر میں پہنچتا ہوتا ہے طریقت

وہ گلی در گلی راستہ ہے جسے صرف واقف آدمی ہی طے کر سکتا ہے مگر یہ راستہ بہت جلد منزل پر پہنچاتا ہے یہ دونوں راستے قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا **علی ان تعلمنی مما علمت رشدا** آپ اپنا علم مجھے بھی سکھادیں یہ علم شریعت نہ تھا کہ وہ تو توریت میں عطا ہو چکا تھا بلکہ علم طریقت یعنی اسرار کا علم تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ میری جان کے سوا باقی تمام چیزوں سے پیارے ہیں فرمایا تم مومن جب ہوؤ گے جب میں تم کو جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں فوراً عرض کیا اب مجھے آپ جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت عمر کی کایا ایک آن میں پلٹ دی کون سے علم سے صرف نگاہ سے۔ (بخاری) بہر حال اس راہ کو طے کرنے کے تین راستے ہیں۔ اعمال، احوال، نظر اہل کمال۔ جسمانی اعمال سست رفتار سواری ہے۔ دل کا درد اخلاص تیز رفتار سواری ہے دل کے درد کی ایک بات نکلے تو وہ عمر بھر کے گناہ معاف کرادیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کے حالات شریعت ہیں اور قلب پاک کے حالات طریقت، راہ شریعت طے کرنے کے لئے عقائد و اعمال کی سواری ضروری ہے راہ طریقت طے کرنے کے لئے عقیدت کی سواری درکار پھر جیسے دنیاوی راستے طے کرنے کے لئے سست و تیز مختلف سواریاں ہیں یوں ہی راہ طریقت طے کرنے کے لئے مختلف سواریاں ہیں سب سے تیز سواری مرد کامل کی نگاہ ہے جس سے مہینوں برسوں کا راستہ منٹوں سکینڈوں میں طے ہو جاتا ہے فرعونی جادوگر ایک نگاہ کلیمی سے وہاں پہنچے جہاں عبادات کے قدموں سے برسوں میں نہ پہنچتے اسی لئے صوفیا کرام فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مگر ہاں اس راستے میں کامل رہبر کی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی خاص ضرورت ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **وھو ولیھم** اے رہروان راہ طریقت گھبرانا نہیں اس راہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا والی وارث ہے مددگار ہے اس کے کرم سے بیڑا پار لگے گا۔ غرضیکہ اس راہ کی سواری، رہبر نور روشنی اپنی ہمت و ارادہ سب ہی کارب کی طرف سے انتظام ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنت اس راستہ کی ایک منزل ہے نہ کہ اصل مقصود اصل مقصود تو یار کا وصال ہے۔ اس لئے فرمایا **دار السلام عند ربھم** جیسے ہم مکہ معظمہ کے مسافر سے کہیں کہ جدہ مکہ کے پاس ہے یعنی تو جدہ ضرور جا کیونکہ وہ تیرے مقصود مکہ معظمہ کے پاس ہے وہاں سے تو مکہ معظمہ پہنچے گا۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کی ولایت و قرب حاصل ہوتا ہے مگر حال سے کمال سے اس کا وصال میسر ہوتا ہے اس لئے ارشاد ہوتا ہے **ولیھم بما کانوا یعملون** ذرا ہمت کرو اعمال سے آگے بڑھ کر حال اور حال سے ترقی کر کے کمال کماؤ۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو!　　　زیر پائے کامل پامال شو!

صوفیاء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وصف ہر لوا رب کی نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف شریعت کا مرکز ہے قلب پاک طریقت کا سرچشمہ روح پاک حقیقت کا سر پاک معرفت کا سرچشمہ یہ تمام آیات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ **قد فصلنا الایات** مگر ہیں اس کے لئے جس میں نصیحت لینے کا مادہ ہو **لقوم یذکرون** علماء کے نزدیک دار السلام یعنی سلامتی کی جگہ جنت ہے مگر صوفیاء کے نزدیک دار السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن آپ کی بارگاہ بے کس پناہ ہے۔ دھوپ سے پناہ درخت کا سایہ بارش سے پناہ چھت کا سایہ بیماری سے پناہ حکیم کی دکان مظلوم کے لئے ظلم سے پناہ حاکم کا دروازہ ہے اسی طرح گنہگار کی پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہے **ولو انھم اذ ظلموا**

انفسم جاوک۔

خوف نہ کر ذرا رضا تو تو ہے عبد مصطفیٰ تیرے لئے امان ہے تیرے لئے ایمان ہے!

اب پڑھو لھم دار السلام عند ربھم ہر نبی اپنی امت کے لئے پناہ تھے کفار پر عذاب آئے نبی کی امت پر نہ آئے مومنین نوح اور بنی اسرائیل ڈوبے نہیں۔ قوم لوط کے مومنین پر پتھر نہیں برسے کیونکہ وہ اپنی پناہ کے پاس تھے حضور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ساری خلق کے دائمی پناہ ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ۖ وَقَالَ

اور وہ دن کہ جمع کرے گا ان کو سب کو اے جماعت جن کی بہت سے لئے تم نے انسانوں میں سے اور کہیں گے

اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لئے اور ان کے دوست

أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا

دوست ان کے انسانوں میں سے اے پالنے والے ہمارے نفع اٹھایا بعض نے ہمارے بعض سے اور پہنچے ہم

آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہم اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے

ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ ٱلنَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۗ

کو اپنی وہ جو مقرر کی تو نے واسطے ہمارے فرمائیگا آگ ٹھکانہ ہے تمہارا سدا رہو گے اس میں سوا اس کے جو چاہے اللہ

جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی تھی فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانہ ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے خدا چاہے

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّى بَعْضَ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوا۟

بے شک رب آپ کا حکمت والا علم والا ہے اور اسی طرح دوست بناتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض کا اس

اے محبوب بیشک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں

يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾

وجہ سے کہ کماتے تھے وہ

بدلہ ان کے کئے کا

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں راہ راست پر چلنے والے مومنوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ٹیڑھی راہ چلنے والے کفار کا ذکر ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور مسلمانوں کو اس سے ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ سیدھا راہ اختیار کریں الٹے راستے سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مومنوں کے

لئے آخرت میں امن وامان وسلامتی ہے لیہم دار السلام اب ارشاد ہے کہ کفار کے لئے وہاں نہ امن ہے نہ سلامتی حتی کہ ان کے نہ دوست ہوں گے نہ مددگار۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ سیدھی راہ چلنے والوں کا اللہ تعالیٰ ولی وارث ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے سارے بندے اس کے والی وارث ہوں گے اب ارشاد ہے کہ کفار وہاں بالکل لاوارث بے نورے ہوں گے یہ لاوارثی بھی ان پر اللہ کا عذاب ہوگا۔

تفسیر: **ویوم یحشر هم جمیعا** " یہ نیا جملہ ہے **یوم** سے پہلے یاتو **اذکر** یا **اذکروا** پوشیدہ ہے اور یوم اس کا مفعول ہے اور یا اس سے پہلے نقول پوشیدہ ہے اور یوم اس کا ظرف اور یا **معشر الجن** الخ اس کا مفعول بہ اگر **اذکر** پوشیدہ ہے تو اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی آپ لوگوں کو یاد دلائیں لوگوں سے اس کا تذکرہ فرماتے رہیں اور اگر **اذکرو** پوشیدہ ہے خطاب عام لوگوں سے ہے یعنی یاد کرو یا ہمیشہ یاد رکھو یا قولی یاد رکھو کہ زبان سے قیامت کا ذکر کیا کرو یا عملی طور پر یاد رکھو کہ اس دن کے حساب و کتاب کی تیاری کرتے رہو۔ صرف زبان سے قیامت کو یاد کرنا عملی تیاری نہ کرنا زیادہ مفید نہیں۔ قرآن مجید نے گزشتہ نبیوں ولیوں مومنوں کافروں کے حالات کا ذکر کرنے یاد رکھنے کے تذکرہ کا حکم دیا ہے **واذکر فی الکتب اسمعیل** وغیرہ اور آئندہ واقعات کے یاد کرنے یاد رکھنے تذکرہ کرنے کا حکم دیا ہے یہ آیت وہ ہے جس میں آئندہ واقعات کے یاد رکھنے کا حکم ہے۔ **یوم** سے مراد دن نہیں بلکہ وقت ہے کیونکہ قیامت میں نہ سورج ہوگا نہ دن رات ہماری قرات میں **یحشر** ہے ی سے دوسری قراتوں میں **نحشر** ہے نون سے **یحشر** بنا ہے حشر سے معنی جمع ہونا یا جمع کرنا اس دن سے مراد قیامت کا دن۔ **هم** کا مرجع سارے کفار ہیں جنات ہوں یا انسان جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے **جمیعا** " فرما کر یہ بتایا کہ کفار جن وانس کا حشر ایک ساتھ ہوگا کہ یہ سب ایک جگہ اکٹھے کئے جائیں گے جیسے مومنین کا حشر ایک ساتھ ہوگا ان شاء اللہ ہم جیسے گنہگاروں کو رب تعالیٰ اپنے نیک کاروں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **المرء مع من احب** انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت ہوگی یعنی وہ دن یاد رکھو جس دن رب تعالیٰ سارے جن وانس کفار کو یکجا جمع کرے گا خیال رہے کہ قبروں سے اٹھ کر سارے انسان مومن ہوں یا کافر ایک ساتھ میدان محشر کی طرف چلیں گے پھر وہاں پانچ کروڑ عرصہ تک حکم کے منتظر رہیں گے پھر تلاش شفیع کے لئے سب ہی سرگرداں پھریں گے اس اجتماع میں مومن و کافر متقی فاسق سب ہی ہوں گے پھر حکم ہوگا **وامتازوا الیوم ایها المجرمون** اس حکم سے مومن و کافر کی چھانٹ ہو جاوے گی کہ مومن عرش کی داہنی طرف کفار بائیں طرف اب جدائی ہے مومن و کافر کی اجتماع ہے سارے کفار کا ادھر سارے مومنین۔ یہاں اس تیسرے اجتماع کا ذکر ہے اولین و آخرین کفار اس طرح جمع ہیں اور اولین آخرین مومنین' دوسری طرف اس اجتماع کا ذریعہ کفر یا ایمان ہوگا۔ دنیا میں اجتماع خاندانی' ملکی' قومی' زبانی تعلقات کی بنا پر ہوتے ہیں مگر قیامت میں صرف ایمان یا کفر کی بنا پر اجتماع ہوں گے۔ دنیا میں محبتیں' نسبی سسرالی' خونی' قومی' ملکی' خاندانی رشتوں' سے ہوتی ہیں مگر قیامت میں محبت' صرف رشتہ ایمان سے ہوگی دنیا میں بھی ایمانی محبت میں اخلاص ہے دوسری محبتوں میں خود غرضی دوسری محبتیں ایک وقت ایک جگہ کے لوگوں میں ہوتی ہیں مگر ایمانی محبت زمین و زمان کی قید سے آزاد ہے گزشتہ اور آئندہ سارے مسلمان ہمارے بھائی ہمارے پیارے ہیں **یا معشر الجن قد استکثر تم من الانس**۔ اگر یوم سے پہلے **اذکر** پوشیدہ تھا تو یہ عبارت نقول یا **قلنا** فعل کا مفعول بہ ہے اور اگر وہاں **قلنا** پوشیدہ تھا تو یہ اسی کا مفعول ہے

معشر بنا ہے عشر سے بمعنی دس عربی میں دس کا عدد کامل ہے کہ اس پر اکائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور آئندہ اس سے اکائیاں مل کر عدد مرکب بنتے ہیں۔ جیسے احد عشر اثنا عشر وغیرہ۔ اصطلاح میں ایک شخص کے سارے قرابت داروں کو عشیرہ کہتے ہیں۔ جس سے وہ کثرت و زیادتی حاصل کرے یعنی کنبہ اسی سے ہے معشر وہ جماعت جن کا معاملہ ایک ہو یعنی کسی خیال پر متفق گروہ اسی سے ہے عشرۃ اور معاشرہ یعنی آپس کے تعلقات لہٰذا معشر کے معنی ہوئے عشر کی جگہ یعنی کثرت کا محل بڑی جماعت (روح البیان) لفظ جن کے لفظی معنی ہیں چھپنا اسی سے ہے جنت 'جنون' جنین 'جنہ ان سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں جن وہ آتشی مخلوق ہے جو ہماری نظروں سے غائب رہتی ہے اور مختلف شکلوں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ان میں بعض مومن ہیں بعض کافر' مومن جنات میں متقی' علماء اولیاء سب ہی ہیں۔ ہاں نبوت جنات میں نہیں کہ نبوت انسانوں سے خاص ہے یوں ہی ولایت کا درجہ قطب الاقطاب جنوں کو نصیب نہیں یوں ہی کسی جن کی صحابیت پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہم سے چھپے رہتے ہیں ان کے حالات کی ہم کو خبر نہیں اس لئے احادیث ان سے مروی نہیں ہوتیں۔ یہاں کافر جنات مراد ہیں انہیں سے خطاب ہے۔ چونکہ کافر جنات انسانوں کو بہکاتے ہیں اور وہ بھی بہت قسم کے بعض تو انسان کے ساتھ رہتے ہیں جنہیں قرین کہا جاتا ہے بعض مسجدوں میں بعض بازاروں میں رہتے ہیں بعض نماز میں وسوسے ڈالتے ہیں بعض وضو میں بعض تھانوں میں رہتے ہیں بعض شراب خانوں میں ان سب سے یہ خطاب ہے اس لئے یا معشر فرمایا گیا اے جنات کے گروہ۔ **استکثر تم** بنا ہے **استکثار** سے بمعنی بہت لینا' بہت پر قبضہ کر لینا اس سے پہلے جماعت پوشیدہ ہے یعنی اے کافر جن شیطانو تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا کہ انہیں بہکا کر کافر بنا دیا انہیں نبیوں' ولیوں سے برگشتہ کر دیا۔ خیال رہے کہ یہاں **استکثار** میں کثرت سے مراد اضافی کثرت ہے کیونکہ عموماً" دنیا میں مسلمانوں سے کفار زیادہ ہوتے ہیں اور گمراہی کا مرکز جنات یعنی ابلیس اور اس کی ذریت ہے۔ خصوصاً" قوم یاجوج و ماجوج تو وہ انسان ہیں جن میں کوئی ہدایت پر نہیں سارے ہی کفار ہیں یہ بھی یاد رکھو کہ بعض انسان جنات کو تکوینی قابو میں رکھتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان اور بہت سے اولیاء اللہ کہ جنات ان کے قبضہ میں ہوتے ہیں ان کی خدمات کرتے ہیں۔ بعض انسان جنات کو تشریعی طور پر قابو میں رکھتے ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جنات کو مسلمان کیا ان پر شرعی احکام جاری فرمائے اور بعض انسان جنات کے قابو میں آ جاتے ہیں تکوینی طور پر کہ جن انہیں بیمار کر دیتے ہیں انہیں بہکاتے ہیں گمراہ کرتے ہیں یہاں اس کا ذکر ہے مگر کوئی جن انسانوں کو تشریعی طور پر قابو میں نہیں رکھتا کوئی جن کسی انسان کا پیر مرشد نہیں۔ جنات سے شریعت و طریقت کے سلسلے جاری نہیں۔ یہ فیوض انسانوں سے ہی جاری ہیں۔ **وقال اولیاء ھم من الانس** یا تو یہ رب تعالیٰ کے فرمان عالی کا جواب ہے تب لطف یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جنات سے خطاب فرمایا مگر وہ جواب نہ دے سکے جواب دیا انسانوں نے کیونکہ انسان جرأت میں جنات سے زیادہ ہے یا یہ علیحدہ واقعہ کا ذکر ہے تب مقصد یہ ہے کہ گمراہ گر شیطانوں پر رب تعالیٰ کا عتاب بھی ہو گا اور ان کے متبعین گمراہ انسانوں کی شکایت بھی۔ یا یہ کلام رب تعالیٰ کے کسی اور خطاب کا جواب ہے جس میں انسانوں سے خطاب تھا مگر پہلا احتمال قوی ہے اولیاء جمع ہے ولی کی یہاں ولی بمعنی دوست ہے **من الانس** میں **من** تبعیضیہ ہے یعنی انسانوں میں سے وہ جو ان جنات شیاطین کے دوست تھے وہ یہ عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ انہیں شیاطین کا دوست فرمانا زمانہ گزشتہ کے اعتبار سے ہے ورنہ اس دن تو وہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین**۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ **من الانس** میں **من** بیانیہ

ہے۔ تمام رشتے ہم جنس سے ہی قائم ہوسکتے ہیں مگر رشتہ محبت جنسیت کا پابند نہیں انسان کو جانوروں جنات مکانات ملک سے محبت ہو جاتی ہے گنہگار کو حضور احمد مختار بلکہ رب قادر و قہار سے محبت ہو جاتی ہے لہٰذا اولیاء فرمانا بالکل درست ہوا **ربنا استمتع بعضنا ببعض** یہ عبارت قال کا مقولہ ہے **استمتع** بنا ہے **استمتاع** سے۔ جس کا مادہ **متع** ہے بمعنی نفع اسی لئے سامان کو متاع کہتے ہیں کہ یہ نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے استمتاع کے معنی ہیں نفع اٹھانا فائدہ کمانا قرآن مجید کی اصطلاح میں عارضی اور فانی فائدہ کو متاع کہا جاتا ہے اور دائمی باقی فائدہ کو رباح یا فلاح یا فوز کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے زندگی بنادی مال سامان کمانے میں صرف کی جو محض عارضی و فانی ثابت ہوا ہم نے اعمال کی فلاح اور فوز نہ کمائے۔ زندگانی کے تیر کے ترکش باز کے سایہ کے شکار ہیں خرچ کر دیئے اصل باز جو توشہ آخرت تھی وہ نہ کمائے **بعضنا ببعض** کہہ کر یہ بتایا کہ ہم کو وہ دو کانیں ہی نہ ملیں۔ جن پر فلاح' فوز کے سودے ملتے ہیں ہم انہیں دو کانوں پر رہے جہاں متاع غرور کے جھوٹے سودے تھے۔ خیال رہے کہ اس **بعضنا ببعض** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دونوں بعض سے مراد کفار انسان ہی ہوں تو مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اگرچہ ہم مختلف قسم کے کفار تھے مگر ایک دوسرے کے دوست تھے ایک دوسرے سے نفع حاصل کرتے تھے۔ خصوصاً" اسلام کے مقابلہ میں ہم سب متحد تھے کہ اسے مٹانے مسلمانوں کو ستانے کے لئے ہم آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے یا پہلے بعض سے تو کافر انسان مراد ہیں اور دوسرے بعض سے گمراہ گر جنات مراد۔ تب مطلب یہ ہے کہ ہم انسانوں نے شیاطین سے نفع اٹھایا کہ شیطان نے ہم کو کفر طغیان' شہوات' گناہوں پر ہر طرح مدد دی ہمارے لئے گمراہی کے اسباب جمع کئے۔ ہماری دشمنوں سے حفاظت کی۔ چنانچہ کفار عرب اسلام سے پہلے جب سفر میں کسی جنگل میں اترتے تو کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار جن کی پناہ لیتے ہیں ان کا جان و مال محفوظ رہتا تھا اور جنات نے کفار انسان سے یہ نفع اٹھایا کہ انہیں بغیر تنخواہ کے نوکر مل گئے جو ہر طرح ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور جس سے ان کی سرداری قائم تھی جنات فخر کرتے تھے کہ میرے تابع اتنے انسان ہیں غرضکہ کفار انسانوں کی کاربر آری جنات کی سرداری انسانوں سے قائم تھی لہٰذا یہ کلام بالکل درست ہے **وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا** اس میں کفار کے دوسرے عذر کا ذکر ہے مقصد یہ ہے کہ ہم تاموت انہیں متاع دنیا کی دو کانوں پر رہے دنیا کے تغیرات سے بھی ہم نے آنکھیں نہ کھولیں حتیٰ کہ اسی غفلت میں ہم کو موت آگئی۔ اس عبارت میں ان کے آپس کی مدد کی گویا حد بیان کی گئی ہے اجل سے مراد یا موت ہے یا قیامت اجل کے معنی ہیں میعاد مقرر۔ چونکہ موت کا بھی وقت مقرر ہے اور قیامت کا بھی موت ہر ایک کی شخصی قیامت ہے اور قیامت عمومی قیامت۔ لہٰذا دونوں احتمال درست ہیں یعنی ہماری ایک دوسرے کی مدد صرف موت تک رہی بعد موت ہم ایک دوسرے کے لئے بیکار بلکہ مضر ہو گئے مگر اس کا وبال دائمی اٹھانا پڑے گا۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں دھڑے بندیوں کے جھگڑوں میں پھنسے رہے۔ جن سے رشتہ جوڑنا تھا ان سے نہ جوڑا بڑے گھاٹے کا سودا کیا حقیقت یہاں آکر کھلی۔ **قال النار مثولکم** یہ رب تعالیٰ کا جواب ہے النار سے مراد یا تو دوزخ ہے یا دوزخ کا گرم طبقہ جہاں آگ کا عذاب ہو گا۔ **مثوی** بنا ہے **ثوی** سے بمعنی ٹھیرنا۔ قیام کرنا **مثوی** اسم ظرف ثوی سے **مثوی - اوی** سے ماوی ہے۔ یہاں مراد ہے دائمی قیام کی جگہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **مثوی** مصدر میمی ہے اور **مثوی** سے پہلے دار یا ذات پوشیدہ ہے (معانی) **خالدین فیھا** یہ عبارت **مثو** کم میں **کم** سے حال ہے اور اگر **مثوی** مصدر تھا تو وہ ہی اس کا عامل ہے اور اگر اسم ظرف تھا تو **یقیمون یا یثوون** پوشیدہ اس میں عامل ہے خلود کے معنی

دراز قیام بھی ہے اور ہمیشہ کا قیام بھی یہاں ہمیشہ کا قیام مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ **خالدین فیہا ابدا** ارشاد ہوا۔ **الا ما شاء اللہ** حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اس عبارت میں **ما** بمعنی **من** اور یہ **مثوکم** کے **کم** سے مستثنیٰ ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرتے وقت ایمان لا کر مرے (معانی) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ساتر لوگ ہوں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان پر کفر ظاہری شرعاً" کافر تھے **عند اللہ** مومن کہ آخر میں یہ بھی دوزخ سے نکال دیئے جاویں گے۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ آخر میں دوزخیوں کو اپنا لپ بھر کر نکالے گا انہیں جنت میں داخل کرے گا (مشکوٰۃ باب شفاعت) ممکن ہے کہ ان سے وہ کفار مراد ہوں جن کو نبی سے محبت تھی اور جنہوں نے نبی کی خدمت کی کہ وہ لوگ آگ سے دور رکھے جائیں گے۔ جہاں آگ کی گرمی پہنچے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب آگ کے جھیرے میں ہیں آگ سے دور۔ ان صورتوں میں آیت کے معنی واضح ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **ما** مصدریہ وقتیہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ مگر اللہ کے چاہنے کے اوقات میں کفار آگ میں نہ رہیں گے بلکہ وہاں سے منتقل کر کے ٹھنڈے طبقے زمہریر میں بھیجے جائیں گے کیونکہ وہ آگ میں گھبرا کر ٹھنڈک مانگیں گے تو زمہریر میں پہنچائے جایا کریں گے پھر وہاں کی ٹھنڈک سے ان کے جسم کے جوڑ الگ ہو جائیں گے تو پھر آگ میں آنے کی آرزو کریں گے یا اس سے وہ وقت مراد ہے جب دوزخ کا دروازہ کھلے گا یہ نکلنے کے لئے اس طرف بھاگیں گے جب دروازے سے نکلنے والے ہی ہوں گے تو اچانک دروازہ بند ہو جاوے گا یہ دیکھ کر جنتی لوگ ان پر ہنسیں گے جسے اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے **فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون** یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو انہیں نکال دے وہ تو چاہے گا نہیں۔ لہٰذا یہ نکلیں گے بھی نہیں اس عبارت کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں (خازن، معانی وغیرہ) بہرحال یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ **خالدین فیہا ابدا**۔ **ان ربک حکیم علیم** یعنی آپ کے رب نے جو بعض کا فیصلہ کیے بعض مومن اور کافروں میں بعض ہلکے عذاب والے بعض سخت عذاب والے اور کفار کو دائمی دوزخ میں رکھا ان سب میں اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کار فرما ہے اس کے لئے کسی فعل پر اعتراض نہ کرو۔ **وکذالک نولی بعض الظالمین بعضا**" **کذالک** میں کاف تشبیہ کا ہے اور **ذالک** سے گزشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم قیامت میں بعض کافروں کو بعض سے قریب رکھیں گے کہ دوزخ میں سارے اگلے پچھلے کافر جمع ہوں گے مگر عداوت کے ساتھ۔ دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بعض ظالموں کو بعض مجرموں پر والی و حاکم بنا دیتے ہیں کہ بدکاروں پر حاکم ظالم مقرر ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم دنیا میں عارضی طور پر بعض کافروں کو بعض کا ولی و قریب و دوست بنا دیتے ہیں۔ اس صورت میں نولی بنا ہے ولی سے۔ کافر انسانوں کا کافر جنوں سے محبت و الفت کرنا ان جنات کا ان کی مدد کرنا نولی بنا ہے تولیتہ سے بمعنی دوست بنانا یا مددگار مقرر کرنا ظالمین سے مراد کافرین و مشرکین سب ہی ہیں۔ یعنی جیسے کافر جن و انس ایک دوسرے پر مسلط ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں یونہی بعض کافر انسان دوسرے کافروں کے مددگار ان کے دوست بنا دیئے گئے۔ **بما کانوا یکسبون** یہ عبارت متعلق ہے نولی سے۔ ما سے مراد ہیں اعمال یعنی اگرچہ کفار مختلف دین رکھتے ہوں مگر کفر و بد عملی میں سب یکساں ہیں اس لئے ایک دوسرے کے دوست بنائے گئے اس عبارت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ مجرموں پر ظالم حکام مقرر کئے جاتے ہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے **کما تکونون تومرون** جیسے تم ہو گے ویسے تم پر امیر مقرر ہوں گے اس صورت میں نولی بنا ہے ولایت سے بمعنی حکومت و تسلط نہ کہ ولی

سے (روح المعانی) یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ ظالموں کو دوزخ میں بعض کو بعض سے قریب کردیں گے اس طرح کہ وہ عذاب میں شریک ہوں گے تب یہ بنا ہے ولی بمعنی قرب سے. بہرحال نولی کے تین معنی ہیں ہر معنی پر ولی یا ولایت سے مشتق ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں چند مضمون ہیں۔ (1) جنات سے سوال کہ تم نے ہمارے بہت سے انسانوں کو اپنے قبضہ میں کیوں کر لیا، تم گمراہ کن کیوں بنے۔ (2) گمراہ انسانوں کی دو معذرتیں، پھر رب تعالیٰ کا جواب کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کو جو آپ کی مخالفت میں سب متفق ہو کر زور لگا رہے ہیں وہ قیامت کا دن بھی یاد دلا دو جب ہم تمام جن و انس کافروں کو یکجا کھڑا کریں گے پھر جن کافروں سے بطور عتاب سوال فرمائیں گے کہ اے جنو تم نے بہت انسانوں کو اپنے پھندے میں لے لیا تھا کہ انہیں راہ حق سے روکا کافر و بے دین بنایا وہ جنات تو جواب نہ دے سکیں گے البتہ ان کے دوست یعنی کافر انسان عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم دھوکہ کھا گئے ہم میں سے بعض نے بعض سے خوب نفع کمایا کہ جنات نے ہم کو بہکایا کفر و سرکشی میں ہماری ہر طرح مدد کی برائیوں کو ہماری نگاہ میں اچھائی کر دکھایا اور ہماری اطاعت کی وجہ سے بہکانے والے جنات ہمارے بھی اپنی قوم کے بھی سردار بنے۔ مزیداری ہم نے ان سے اور سرداری انہوں نے ہم سے حاصل کی مگر افسوس کہ یہ سرداری مزیداری ایک عارضی چیز نکلی جو تو نے ہماری موت کی مدت مقرر فرمائی تھی وہ آگئی اور سب کچھ خاک میں مل گیا تب رب تعالیٰ جواب میں فرمائے گا۔ اچھا اب اپنے کئے کی سزا بھگتو تم سب جن و انس کفار کا ٹھکانہ آگ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی تم کو کبھی آگ سے نکال کر ٹھنڈے طبقہ میں پہنچائے جہاں کا عذاب آگ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ گھڑیاں تمہارے آگ سے دور رہنے کی ہوں گی اے محبوب آپ کا رب حکمت والا بھی ہے علم والا بھی، جیسے ہم نے جن و انس کافروں کو یکجا کر دیا اسی طرح ہم بعض کفار انس کو بعض دوسرے کافروں کا عارضی دوست بنا دیتے ہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے یا ظالم لوگوں پر ظالم حکام مقرر کر دیتے ہیں ان کی بد عملی کی وجہ سے یا بعض کفار دوسرے بعض سے دوزخ میں قریب رہیں گے کہ اگرچہ دنیا میں ان کی قوم زبان ملک علیحدہ تھے مگر کفر میں سب یکساں تھے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض چیزوں کا یاد رکھنا، یاد کرنا، تذکرہ کرنا عبادت ہے، اللہ کی ذات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ، اللہ کے احسانات اس کی نعمتیں اپنے گناہ دوسروں کی نیکیاں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کی ہوں، اپنی موت، قیامت، رب کی بارگاہ میں پیشی یاد رکھنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ **یحشرھم** سے پہلے اذکروا مقدر ہونے سے حاصل ہوا، یوں ہی بعض چیزوں کا بھول جانا عبادت ہے اپنی نیکیاں، کسی نے ہم پر زیادتی کی ہو اور پھر معافی مانگ لی ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے ملاقات کے وقت اپنے جیل میں رہنے کا تو ذکر فرمایا مگر کنوئیں میں رہنے کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ دوسرا فائدہ: قیامت میں پہلے سب اکٹھے ہوں گے اس لئے اسے حشر کہتے ہیں پھر چھانٹ ہوگی اس لئے اسے یوم الفصل بھی کہتے ہیں یہ فائدہ **یحشرھم جمیعا** سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : قیامت کے قریباً" دس نام ہیں جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ قیامت، حشر، یوم الحساب، یوم البعث، یوم النشور، یوم الفصل، قارعہ، یوم الفتح، یوم التناد، یوم الفزع الاکبر، ساعۃ کیونکہ وہ مومنوں کو گھڑی بھر کی محسوس ہوگی۔ تیسرا فائدہ: کل قیامت میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت ہوگی، جس کی اطاعت محبت سے کرے یہ فائدہ

بھی **یحشرھم جمیعا** " سے حاصل ہوا۔ ان شاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہوں گے۔ چوتھا فائدہ: جنات انسانوں کو بہکا بھی سکتے ہیں تکلیف بھی پہنچا سکتے ہیں انہیں بیمار بھی ڈال سکتے ہیں یہ فائدہ **استکثرتم من الانس** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **یتخبطہ الشیطان من المس**۔ انسان کو شیطان چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے۔ جب زہریلے جانور زہریلی دوائیں انسانوں کو بیمار بلکہ ہلاک کر سکتے ہیں تو اگر شیطان اور اس کی ذریت میں یہ طاقت ہو تو کیا بعید ہے مگر بعض مقبول بندے وہ ہیں کہ جنات ان کے بس میں کر دیئے جاتے ہیں وہ ان کے بس میں ہوتے ہیں۔ قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **یعملون لہ ما یشاء من محاریب**۔ خیال رہے کہ جب مردود جنات کو بیمار کر دینے کی طاقت بخشی گئی ہے تو یقیناً مقبول انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے شفا دینے کی قوت بخشی ہے کہ جنات بیماری ہیں یہ حضرات علاج۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں **وابریء الاکمہ والابرص** میں اندھے کوڑھی کو شفا دیتا ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے نکلا ہوا پانی شفا تھا۔ مدینہ منورہ کی خاک شفا ہے۔ پانچواں فائدہ: محبت و عشق و اطاعت بغیر دیکھے بھی ہو سکتی ہے یہ فائدہ **اولیاء ھم من الانس** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان آدمیوں نے بہکانے والے جنات کو دیکھا نہیں مگر ان کے اولیاء یعنی دوست قرار دیئے گئے آج بہت مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت ہے محبت دیکھنے پر موقوف نہیں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　　بسا ایں دولت از گفتار خیزد

چھٹا فائدہ: موت اور قیامت ان کا وقت مقرر ہے انہیں کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا یہ فائدہ **اجلنا الذی اجلت لنا** سے حاصل ہوا مگر موت اللہ کے مقبول بندوں کی دعا سے ٹل جاتی ہے' نیک اعمال سے عمر بڑھ جاتی ہے' حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ساٹھ سال سے بڑھ کر سو سال ہو گئی (حدیث شریف)۔ ساتواں فائدہ: دوزخی کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے مگر ہر دم آگ میں نہیں رہیں گے کبھی وہاں سے ٹھنڈے طبقہ کی طرف نکالے جایا کریں گے یہ فائدہ **الا ماشاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **ثم ان مرجعھم لالی الجحیم** اگر کفار ایک ہی طبقہ میں رہتے تو وہاں لوٹ کر آنے کے کیا معنی ہوتے۔ آٹھواں فائدہ: ظالم حکام کا مسلط ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور لوگوں کی بد عملیوں کا نتیجہ۔ یہ فائدہ **نولی بعض الظالمین** سے حاصل ہوا۔ انسان کے اعمال کا اثر دنیا کی ہر چیز پر پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ظھر الفساد فی البروالبحر بما کسبت ایدی الناس** نیک اعمال سے رزق میں برکتیں' وقت پر بارشیں' دنیا میں امن چین میسر ہوتا ہے بد عملیوں سے اس کا الٹ ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار قیامت میں اکٹھے ہوں گے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہوں گے حتیٰ کہ ان کے جھوٹے معبود بھی ان سے غائب ہو جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **لقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول مرۃ** اور فرماتا ہے **این شرکاء کم الذین کنتم تزعمون** آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: قیامت گھڑی دو گھڑی کا دن نہیں بچاس ہزار سال کا دن ہے اس دن کے حالات مختلف ہیں کفار کے الگ ہونے کا اور وقت ہے اکٹھے ہونے کا دوسرا وقت لہٰذا دونوں آیات بالکل صحیح ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ کچھ عرصہ بعد نکال دیئے جائیں گے۔ دیکھو فرمایا گیا **خالدین فیھا الا ماشاء اللہ** مگر دوسری آیات

ے معلوم ہو رہا ہے کہ ہمیشہ رہیں گے۔ فرماتا ہے خالدین فیھا ابدا آیات میں تعارض ہے۔ جواب: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ الا ماشاء اللہ کا تعلق بلغنا اجلنا سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم سب اپنے وقت مقررہ تک پہنچ کر مرے مگر بعض کفار جنہوں نے بہت سرکشی کی انہیں ان کی میعاد مقررہ سے پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا کہ کفر و بدعملیوں سے عمر گھٹ جاتی ہے (تفسیر کبیر) دوسرے یہ کہ اس کا تعلق النار مثوٰکم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار کا ٹھکانہ دائمی آگ ہے مگر جب اللہ چاہے گا انہیں آگ سے زمہریر (ٹھنڈے طبقہ) کی طرف نکالے گا' تیسرے یہ کہ ماشاء اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عمر بھر کافر رہے مگر مرتے وقت مومن ہو کر مرے۔ ما بمعنی من ہے' چوتھے یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے نزدیک مومن تھے مگر شرعاً" کافر جیسے ساتر کفار۔ انسان چار قسم کے ہیں۔ مخلصین' ساترین' مجاہرین' منافقین' مجاہرین اور منافقین تو دائمی دوزخی ہیں مگر ساترین دائمی دوزخی نہیں' فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی ہے۔ تیسرا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے بعض کفار کو بعض کا دوست بنا دیا ہے نولی بعض الظالمین بعضا مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نہ تو دنیا میں ایک دوسرے کے دوست ہیں نہ آخرت میں چنانچہ فرماتا ہے والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء اور آخرت کے متعلق ارشاد ہے کہ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف ہے۔ جواب: یہاں دوستی سے مراد اسلام کے مقابلہ میں ظاہری دوستی ہے نہ کہ حقیقی دلی محبت اور واقعی اسلام کے مقابل سارے کفار ایک ہو جاتے ہیں دیکھ لو' آج یہود' ہنود' عیسائی سارے کفار اسلام کے مقابل ایک ہیں' عیسائی لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی مدد کر رہے ہیں' فلسطین کو وطن یہود بنا رہے ہیں' تمہاری پیش کردہ آیات میں دلی اور حقیقی محبت کی نفی ہے' اسلام ہی وہ دین ہے جو انسانوں کو یکجا کر تا انہیں ایک دوسرے کا محب بناتا ہے' زبان ملک' قوم کے سارے فرق مٹاتا ہے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ظالموں پر ظالم ولی حاکم ہوتے ہیں' بد اعمالی کا نتیجہ ظالم بادشاہ جابر حکام ہیں اگر یہ بات ہے تو امام حسین پر یزید کیوں مسلط ہوا انہوں نے کون سے گناہ کئے تھے۔ جواب: یہ غلط ہے امام حسین پر یزید مسلط نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یزید پر امام حسین کو مسلط فرمایا کہ آپ نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود پر مسلط فرمادیئے گئے' شہید ہو جانا شکست نہیں بلکہ ابنادعی حاصل نہ کر سکنا یہ ہے شکست' حضرت حسین نے جس مقصد کے لئے سر دیا وہ پالیا' یزید نے جس مقصد کے لئے آپ کو شہید کرایا وہ نہ پاسکا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم اجسام میں مختلف چیزوں کو جوڑنے کی بہت چیزیں ہیں اینٹ کو اینٹ سے جوڑتے ہیں گارے یا سیمنٹ سے۔ کاغذ کو کاغذ سے جوڑتے ہیں گوند یا لئی سے' کپڑے کو سیتے ہیں دھاگے سے یونہی دل کو دل سے جوڑنے والی چیز محبت و عشق ہے یہ وہ چیز ہے جو پچھلوں کو اگلوں کے ساتھ نیچوں کو اونچوں کے ساتھ جوڑ دیتی ہے' دنیا میں کفار کفار سے محبت رکھتے ہیں ان کے دل ایک دوسرے کی طرف مائل ہیں نور نور سے اور نار نار سے الفت رکھتے ہیں' لہٰذا قیامت میں سب اکٹھے کر دیئے جائیں گے اسی طرح مومنوں کا میلان مومنوں کی طرف ہے تو وہ بھی جمع کر دیئے جائیں گے مگر مومنوں کی محبت قوی ہے لہٰذا ان کا اجتماع دائمی ہو گا امنوا اشد حبا للہ اور کفار کی محبت کمزور ہے کہ اس کی بنیاد نفس پر ہے اس لئے ان کا اجتماع عارضی ہو گا جو جلدی ختم ہو جائے گا اس آیت کے اگلے حصہ میں اس عارضی اجتماع کا ذکر ہے۔ یوم نحشرھم جمیعا اور

آخری حصہ میں اس اجتماع کے ٹوٹ جانے دوستوں کے دشمن بن جانے ایک دوسرے کی شکایت کرنے کا ذکر ہے ربنا استمتع بعضنا ببعض اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اس دوستی کی میعاد تھی وہ گزر گئی دوستی بھی گئی وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا' پھر ان کفار کا اجتماع دوزخ میں ہو گا مگر عداوت و کینہ کے ساتھ۔ رب تعالیٰ ہی حقیقی و عارضی دوستیوں کی حقیقت جانتا ہے غرضیکہ دل کی محبت کچھ اور ہے دل کی محبت کچھ اور۔ دل کی محبت دلیل کی محتاج نہیں ہوتی رب تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیاروں کی دلی محبت نصیب فرمائے' شرابی شرابیوں سے محبت کرتے ہیں 'مگر جب تک نشہ رہے نشہ اترا محبت ختم دنیادار دنیا والوں سے محبت کرتے ہیں مگر جب تک کہ دنیا کا نشہ رہے جب یہ نشہ اترے گا تب حقیقت کھل جائے گی 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے محبت فطری اور محبت کسبی 'محبت کسبی چند طرح حاصل ہوتی ہے کثرت ذکر۔ محبوب کی چیزوں میں غور و فکر کرتے رہنا اس کی اطاعت کرنا 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار دوزخ کی آگ میں اس لئے رکھے جائیں گے کہ وہ دنیا میں خوف خدا عشق رسول 'عبادات وغیرہ کی آگ سے محروم تھے' جسے اللہ دنیا میں اپنے حبیب کی عشق و محبت کی آگ نصیب کرے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا 'جیسے پانی کے مختلف ٹھکانے ہیں 'کنواں 'تالاب 'دریا وغیرہ مگر آگ کسی ٹھکانے سے نہیں ملتی بلکہ ہر چیز میں فطری آگ موجود ہے تیلی لگانے والے کی ضرورت ہے یوں ہی اطاعت کا پانی مختلف مقامات سے ملتا ہے مگر عشق رسول کی آگ ہر دل میں ودیعت رکھی ہے 'کسی تیلی لگانے والے کی ضرورت ہے۔ خیال رکھو کہ عشق و محبت کی آگ کے بغیر طاعات بیکار ہیں 'جیسے چاول 'گوشت 'گھی مصالحہ وغیرہ بغیر آگ کے پلاؤ نہیں بنتا نہ کھانے کے قابل ہوتا ہے یونہی نماز 'روزہ 'حج 'زکوۃ وغیرہ بغیر محبت کی آگ کے قابل قبول نہیں ہوتے جیسے منافقین کی عبادات۔

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے جو آگ بجھاوے گی وہ آگ لگائی ہے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جماعت جن اور انسان کی کیا نہیں آئے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو بیان کرتے ہوں

اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے تم میری آیتیں پڑھتے

اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا

اور ہم پر تمہارے میری آیتیں اور ڈراتے ہوں تم کو ملنے سے تمہارے اس دن کے بولیں گے ہم گواہی دی ہم نے اوپر

اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی

وَ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

جانوں اپنی کے اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا زندگی دنیاوی نے اور گواہی دی انہوں نے اوپر جانوں اپنی کے بیشک

نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (۱۳۱)

یہ اس بنا پر ہے کہ نہیں ہے رب تمہارا ہلاک کرنے والا بستیوں کو حالانکہ ان بستیوں والے غافل ہوں

یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے اس عتابانہ سوال کا ذکر تھا جو وہ قیامت میں کفار سے فرمائے گا' اب رب تعالیٰ کے دوسرے عتابانہ سوال کا ذکر ہے جس میں پہلے سے زیادہ عتاب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں یہ سوال تھا کہ تم لوگوں نے کفار سے رشتہ کیوں جوڑا اب اس سوال کا ذکر ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے نبیوں سے رشتہ غلامی کیوں نہیں جوڑا گویا پہلے تو غلط رشتے جوڑنے پر عتاب تھا اب صحیح اور مفید رشتہ توڑنے پر عتاب ہے جیسے جسمانی زندگی کے لئے بعض مخلوق سے ملنا بعض سے الگ رہنا ضروری ہے۔ گائے بھینس بکریوں کو پاس رکھو ان سے دودھ ملتا ہے سانپ بچھو' بھڑ وغیرہ سے بچو کہ وہاں زہر ہے غذائیں دوائیں استعمال کرو' زہر سنکھیا سے بچو یوں ہی روحانی زندگی کے لئے مومنوں' ولیوں' نبیوں' سے رشتہ غلامی جوڑنا ضروری ہے کفار و کفر سے توڑنا ضروری ہے۔ قیامت میں اس جوڑ توڑ کا حساب پہلے ہوگا اعمال کا حساب بعد میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کے رشتے ان کی دنیاوی محبتیں ناپائیدار آخر کار دشمنی بن جانے والی ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے رشتہ غلامی ان سے محبتیں پائیدار اور آخرت میں کام آنے والی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے تحقیق حال فرمانے کا ذکر تھا کہ ہم کفار سے پوچھ گچھ کریں گے اب اسی تحقیق کی حکمت کا ذکر ہے کہ کیوں تحقیق کریں گے اس لئے کہ ہم کسی کو بلاوجہ یا اس کی غفلت میں عذاب نہیں دیتے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں اس عتاب کا ذکر تھا جو صرف جنات پر ہو گا کہ فرمایا گیا **یا معشر الجن قد استکثرتم** اب اس عتابانہ خطاب کا ذکر ہے جو جنات و انسان دونوں سے ہو گا یعنی ہلکے عتاب کے بعد سخت تر عتاب کا ذکر ہے۔

تفسیر : **یمعشر الجن والانس** یہ عبارت نئی ہے اس سے پہلے یقول یا نقول پوشیدہ ہے اس میں وہ خطاب و عتاب مذکور ہے جو قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے ہو گا یا بلاواسطہ یا فرشتوں کے واسطہ سے عربی میں یا پکارنے کے لئے آتا ہے پکارنا کبھی تو غافل کو بیدار کرنے کے لئے ہوتا ہے' کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے یہاں آخری مقصد یعنی اظہار غضب کے لئے ہے اسی لئے انہیں جن و انس کہہ کر پکارا مومنین یا عبادی کہہ کر نہیں پکارا لفظ معشر کی تحقیق ابھی پچھلی آیت میں کی جا چکی ہے جن و انس سے مراد کفار جن و انس ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے قیامت میں اولاً گروہوں کا حساب ہو گا' پھر اشخاص کا یہاں جماعتی حساب کا ذکر ہے اور جماعتیں بھی کفار جن و انس کی ہیں قیامت میں مومنوں سے خطاب پیارے الفاظ سے ہو گا' جیسے قرآن مجید میں مسلمانوں کو ندا یا تو الذین امنوا سے ہے یا عبادی سے چونکہ گمراہی و سرکشی میں جنات انسانوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں نیز جنات انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں انسان جنات کو گمراہ نہیں کرتے نیز ابلیس جو گمراہی اور سرکشی کا مرکز ہے وہ جن ہی ہیں' نیز جنات پرانے پاپی ہیں کہ انسانوں کی پیدائش سے پہلے انہوں نے ہی دنیا میں کفر و الحاد و سرکشی کی ان وجوہ سے یہاں جن کا ذکر پہلے ہوا انسانوں کا ذکر بعد میں' چونکہ کافر انسان سرکشی میں کافر جنوں کا گویا ہم جنس ہے اس لئے ان انسانوں کو جنات کے

ساتھ ملا کر ذکر فرمایا گیا۔ **الم یاتکم رسل منکم**۔ اس عبارت میں انکاری سوال ہے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے یعنی یقیناً آئے چونکہ انبیائے کرام کے شرعی احکام صرف جن وانس پر ہی جاری ہوتے ہیں ' فرشتوں یا دوسری مخلوق پر جاری نہیں ہوتے نیز حضرات انبیاء کرام کا انکار صرف یہ دو جماعتیں ہی کرتی ہیں ان کے سوا کسی میں منکرین رسول نہیں پائے گئے ان وجوہ سے ان دونوں ہی سے یہ عتاب وخطاب فرمایا گیا۔ رسل جمع ہے رسول کی جس کے لغوی معنی ہیں بھیجے ہوئے پیغام رساں اور بھیجے ہوئے فرمان رساں فیضان رساں خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہوں یا اس کے رسولوں کی طرف سے یعنی خواہ اللہ کے رسول ہوں یا اس کے رسولوں کے رسول ہوں ' خلاصہ یہ ہے کہ رسول چند معنی میں استعمال ہوا وہ فرشتے جو اللہ کی وحی نبی پر لائیں ' وہ فرشتے جو موت دینے کے لئے آئیں ' نبی جو لوگوں کو شرعی احکام کی تبلیغ کریں نبی کے وہ قاصد جو نبی کی طرف سے لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجے جائیں ' قرآن مجید میں لفظ رسول ان چاروں معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ اس فرشتے کو بھی رسول کہا گیا ہے جو کسی سے کلام کرنے رب کی طرف سے آئے جیسے حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کلام لائے **قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** مگر شریعت میں رسول وہ انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے دنیا میں بھیجا ان پر وحی نازل کی ' ظاہر یہ ہے کہ یہاں رسل سے مراد لغوی معنی ہیں جس میں اللہ کے رسول اور رسولوں کے رسول سب شامل ہیں لہذا منکم فرمانا بالکل درست ہے کہ اللہ کے رسول صرف انسانوں میں آئے مگر رسول کے رسول جو اپنی قوم تک نبی کے پیغام پہنچائیں انہیں ڈرائیں جنات میں بھی پہنچے۔ چنانچہ سورۂ جن میں ان جنات کے متعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کے پاس گئے فرمایا گیا **فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین** بلکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے صدہا سال پہلے جنات پیدا ہو چکے تھے ان کی ہدایت کے لئے کچھ فرشتے یا جنات ضرور مقرر تھے وہ ہادی اگرچہ شرعی رسول نہ تھے۔ مگر لغوی رسول ضرور تھے لیکن یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ وہ رسول ہادی جنات کو آیات الٰہیہ نہیں سنایا کرتے تھے اور اگر رسل سے مراد شرعی رسول یعنی رسول اللہ ہے تو منکم میں مجموعہ جن وانس سے خطاب ہے یعنی جن وانس کی جماعت میں رسول اللہ تشریف لائے ان جماعتوں میں سے ایک جماعت میں رسول اللہ کا تشریف لانا مجموعہ کی طرف نسبت کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان** حالانکہ مونگا موتی صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں نکلتے ' مگر فرمایا گیا وہ رسولوں کی طرف رسول ہیں نہ کہ مخلوق کی طرف اسی لئے ان کی امت کوئی نہیں وہ صاحب کتاب یا صاحب وحی نہیں ان شاء اللہ اس کی تحقیق خلاصہ تفسیر کے آخر میں بھی کی جائے گی۔ خیال رہے کہ یہ سوال ان لوگوں سے ہو گا جن تک نبی یا ان کی تعلیم پہنچی ہو وہ لوگ جو ان سے بالکل بے خبر رہے جیسے فطرت والے لوگ ان سے یہ سوال نہ ہو گا ان کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ آباؤ اجداد جنہیں نبوت کا فیض نہ پہنچا۔ **یقصون علیکم ایاتی** یہ عبارت رسل کی صفت ہے **یقصون** بنا ہے قصہ سے یہاں قصہ بمعنی تلاوت کرنا بیان کرنا ہے **علیکم** میں خطاب دونوں جماعتوں یعنی کفار جن وانس سے ہے آیات سے مراد کتاب اللہ کی آیتیں ہیں خواہ وہ توریت وانجیل وزبور ہوں یا قرآن مجید یا دوسرے نبیوں کے صحیفے۔ خیال رہے کہ گزشتہ انبیاء کرام انسان و جنات کی خاص جماعتوں کی طرف بھیجے جاتے تھے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت سارے جنات وانسانوں کی طرف بھیجے گئے ' چنانچہ توریت شریف کے احکام ان جنات پر جاری تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے حلقے میں تھے۔ قرآن مجید کے احکام

سارے جنات پر جاری ہیں۔ چنانچہ سورۂ احقاف شریف میں جنات کا یہ قول نقل فرمایا گیا **یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی مصدقا لما بین یدیہ**۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن پہلے توریت کے متبع تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اپنی قوم کے لئے مبلغ بن کر گئے **وینذرونکم لقاء یومکم ھذا** یہ عبارت معطوف ہے **یقصون** پر اور رسل کی دوسری صفت ہے۔ چونکہ حضرات انبیاء کرام لوگوں کو ڈراتے ہیں پہلے' بشارت دیتے ہیں بعد میں یعنی ایمان لا چکنے پر۔ نیز ان حضرات کا ڈرانا عام ہے ہر مومن و کافر کو ڈراتے ہیں مگر بشارت خاص ہے صرف مسلمانوں کے لئے نیز کفار جن دوزخ میں تو جائیں گے مگر مومنین نیک کار جنات جنت میں نہیں جائیں گے جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں اس لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا' **یومکم** سے مراد قیامت کا دن ہے اور لقاء یعنی ملنے سے مراد وہاں حساب و کتاب کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے چونکہ اس وقت وہ دن اور اس دن کے تمام حالات ان کے سامنے ہوں گے اس لئے **ھذا** فرمایا گیا یعنی کیا تمہارے پاس وہ رسول نہ پہنچے جو تمہیں اس قیامت میں اٹھنے حساب دینے اور سزا جزاء سے ڈراتے **قالو اشھدنا علی انفسنا** یہ ان لوگوں کا وہ جواب ہے جو وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے شہادت کے معنی ہیں گواہی اگر اس کے بعد لام ہو تو موافق گواہی مراد ہوتی ہے اگر علی ہو تو مخالف گواہی۔ یہاں مخالف گواہی مراد ہے اور یہاں اپنے خلاف گواہی دینے سے مراد ہے جرم کا اقرار کر لینا اس ایک عبارت میں انہوں نے تین باتوں کا اقرار کیا ہمارے پاس تیرے رسول آئے' ہم تک انہوں نے تیرے احکام پہنچائے قیامت سے ڈرایا' ہم نے ان کی بات نہ مانی ہم کافر رہے لہذا ہم قصوروار مستحق سزا ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اقرار قیامت میں اور وقت ہو گا جو انہیں مجبوراً" کرنا پڑے گا اور اپنے کفر کا انکار دوسرے وقت کر چکے ہوں گے **وغرتھم الحیوۃ الدنیا** یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے۔ جس میں ان کے کفر و گناہ کی وجہ بیان کی گئی ہے غرت بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکہ دینا۔ حیوۃ دنیا سے مراد حیوۃ الدنیا ہے یعنی جو زندگی دنیا کے لئے ہو وہاں کی مصروفیتوں' غفلتوں میں گزرے' اللہ کے مقبول بندوں کی زندگی اور ہے گنہگاروں' غافلوں کی زندگی اور کافروں کی زندگی کچھ اور۔ یہاں تیسری زندگی مراد ہے۔ جیسے ریل یا جہاز کا مسافر ریل یا جہاز میں بیٹھتا ہے' ریل یا جہاز کے لئے نہیں بیٹھتا بلکہ وہ کراچی یا جدہ کے لئے بیٹھتا ہے ایسے ہی مومن دنیا میں رہتے ہیں دنیا کے لئے نہیں رہتا بلکہ دنیا میں آخرت کے لئے رہتا ہے اور عارف دنیا میں رہتا ہے مگر اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے رہتا ہے **ان صلاتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین**' **وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین** یہ کلام بھی رب تعالیٰ کا اپنا ہے۔ اور معطوف ہے **غرتھم** پر اگرچہ یہ گواہی کفر بھی پہلی گواہی میں آ گئی تھی مگر چونکہ ان کا کفر ہی ان کے عذاب کا سبب ہے اس لئے اس گواہی کے بعد یہ گواہی علیحدگی صراحتہ" لی گئی اور اس قرار کے بعد یہ اقرار صاف صاف کرایا گیا لہذا یہ بے فائدہ تکرار نہیں ان کا یہ اقرار انتہائی مجبوری میں نہایت حسرت کے ساتھ ہو گا۔ آج ملزم کو پھانسی دیتے وقت کہلواتے ہیں کہ میں اپنے جرم کی وجہ سے پھانسی پا رہا ہوں **ذلک ان لم یکن ربک مھلک القری بظلم** یہ عبارت نیا جملہ ہے **ذلک** میں اشارہ یا تو حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کی طرف ہے تو ہلاکت سے مراد ہے دنیا میں کفار قوموں پر عذاب الٰہی اور ان کا ہلاک ہونا یا اس سوال و جواب مذکورہ کی طرف اشارہ ہے تو ہلاکت سے مراد ہے قیامت کے بعد والا دوزخ کا دائمی عذاب قری جمع ہے قریتہ کی بمعنی بستی اس میں گاؤں شہر سب داخل ہیں' ظلم سے مراد ہے قصور کو سزا دے دینا اس سے پہلے لام پوشیدہ اور ان یا تو مصدریہ ہے یا اصل میں انہ تھا ضمیر گرا دی اور ان شد والے کو ان

خفیف کر دیا و اهلها غافلون یہ عبارت القری سے حال ہے لعل سے مراد وہاں کے کافر باشندے ہیں یعنی آپ کے رب کا یہ قانون نہیں کہ دنیا میں یا آخرت میں کفار کو غافل رکھ کر عذاب دے دنیا میں عذاب دیئے تو پہلے ان میں حضرات انبیاء کرام بھیجے ان کے ذریعے عذاب کی خبریں دیں آخرت میں عذاب دے گا تو پہلے ان سے حساب لے کر اپنے کفر کا اقرار کرا کر دوزخ میں بھیجے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : قیامت کے دن دوسرا صور پھونکنے پر فرشتے جنات انسان 'تمام جانور اٹھیں گے مگر باقاعدہ حساب صرف جن و انس کا ہی ہو گا۔ فرشتے یا تو انسانوں کے نیک و بد اعمال کی گواہی دیں گے یا قیامت اور جنت و دوزخ کا انتظام کریں گے جانور یا تو اپنے پالنے والے ظالم مالکوں کی شکایت کریں گے یا آپس کے ظلم کا بدلہ دیں گے پھر مٹی کر دیئے جائیں گے مگر جنات اور انسانوں کا باقاعدہ حساب و کتاب ہو گا چنانچہ بطور عتاب رب تعالیٰ کفار جن و انس سے خطاب فرمائے گا کہ اے جن و انس کے گروہ بتاؤ کیا تمہاری جماعت میں سے تمہارے پاس ہمارے رسول نہ پہنچے جو تم کو توریت و انجیل زبور یا قرآن مجید کی آیتیں سناتے سمجھاتے اور تم کو اس دن یعنی قیامت کے حساب و عذاب سے ڈراتے۔ خیال رہے کہ جیسے نیکیاں دو قسم کی ہیں شخصی نیکی اور جماعتی نیکی 'نماز تہجد 'صدقہ و خیرات وغیرہ شخصی نیکی ہے نماز عید 'نماز جمعہ 'حج 'جہاد وغیرہ جماعتی نیکی کی یہ جماعت کے ساتھ کی جاتی ہیں 'اسی طرح بعض گناہ شخصی ہوتے ہیں 'جیسے جھوٹ بولنا کم تولنا وغیرہ اور بعض گناہ جماعتی جیسے جوا یا ناچ رنگ کی مجلسیں وغیرہ۔ شخصی اعمال کے حساب میں اشخاص سے حساب ہو گا اور قومی اعمال کے حساب میں جماعتوں اور قوموں سے خطاب ہو گا' اس آیت میں قومی گناہوں کا ذکر ہے اس لئے خطاب جماعت سے ہوا کہ فرمایا گیا یا معشر الجن کافر جن و انس پہلے تو اپنے کفر وغیرہ کا انکار کریں گے مگر چونکہ اس سوال کے وقت ان کے خلاف فرشتوں بلکہ ان کے اعضاء کی گواہیاں ہو چکی ہوں گی جس سے انہیں انکار کرنے کی جرات نہ ہو گی اس لئے وہ مجبوراً عرض کریں گے کہ خداوندا ہم انکار کا انجام دیکھ چکے اب اپنی جانوں پر اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسول ہمارے پاس پہنچے انہوں نے تیرے احکام ہم کو پہنچائے ہم نے ان کی نہ مانی کفر کیا غافل رہے۔ خیال رہے کہ ان کے اس کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دے دیا آج انہوں نے اپنے خلاف خود گواہی دے دی کہ ہم کافر تھے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ رسولوں کا بھیجنا تبلیغ احکام کرانا اس لئے ہے کہ ہم کسی بستی پر اس طرح عذاب نہیں بھیجتے کہ وہاں کے باشندے غافل ہوں انہیں جگانے والا کوئی نہ بھیجا گیا ہو یا یہ تحقیقات اور اقرار اس لئے کرایا گیا کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی مجرم کو وجہ عذاب بتائے بغیر اقرار کرائے بغیر انہیں غفلت میں رکھ کر عذاب دیں۔

رسول صرف انسان ہیں

اس پر ساری امت مصطفوی کا اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں آپ کے زمانہ حیات میں اور آپ کے بعد کوئی جن یا انسان نبی نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک کوئی نبی نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تمام خلق کے رسول ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک جو انبیاء کرام تشریف لائے وہ سب انسان ہی تھے یا جنات بھی نبی تھے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ

انسانوں کی طرح جنات میں رسول ہوئے۔ ان کی دلیل صرف یہ آیت ہے اس کے علاوہ نہ کوئی اور آیت ہے نہ کوئی حدیث ان کے سوا تمام صحابہ مفسرین محدثین کا یہی قول ہے کہ نبی رسول صرف انسانوں ہی میں ہوئے بلکہ وہ حضرات رسول کی تعریف ہی یہ کرتے ہیں کہ نبی وہ انسان ہے جسے اللہ نے تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہو یہ اختلاف شرعی رسول کے متعلق ہے لغوی رسول تو بعض فرشتے بھی ہیں اور جنات بھی۔ دیکھو قرآن کریم میں بعض فرشتوں کو رسول فرمایا **جاعل الملائکۃ رسلا**۔ فرشتوں کا کوئی فرشتہ کوئی جن کوئی انسان امتی نہیں لہٰذا وہاں رسول اور معنی میں ہے ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(1) **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** جس سے معلوم ہوا کہ نبی رسول صرف مرد آئے۔ قرآن کریم میں جب رجال یا رجل مطلق آتا ہے تو اس سے انسان مرد مراد ہوتے **رجال من الجن** میں چونکہ رجال کے ساتھ من الجن ارشاد ہوا اس لئے وہاں جن مرد مراد ہیں۔ (2) **وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب** ہم نے حضرت نوح و ابراہیم کی اولاد میں نبوت و کتاب خاص فرمادی (3) **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب** ہم نے نبوت اور کتاب اولاد ابراہیمی سے خاص فرمادی جنات نہ اولاد نوحی ہیں نہ اولاد ابراہیمی (4) **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ** حتی کہ فرمایا **رسلا مبشرین و منذرین** یعنی ہم نے آپ پر ویسی ہی وحی بھیجی جیسی نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف بھیجی تھی یہ سب بشارتیں دینے والے ڈرانے والے رسول ہیں یہاں جنات رسولوں کا ذکر نہیں (5) **وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق** ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھاتے تھے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جنات بازاروں میں ہمارے ساتھ چلتے پھرتے نہیں (6) **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری** ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر بستی والے مرد جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے' جنات نہ تو معروف مرد ہیں اور نہ بستیوں والے ہیں (7) **ان اللہ اصطفی ادم و نوحا و ال ابراھیم و ال عمران علی العالمین**۔ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں اصطفاء سے مراد نبوت کے لئے چننا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت نوح اور ابراہیم و عمران کی اولاد کو نبوت کے لئے چن لیا' ظاہر ہے کہ جنات نہ آل ابراہیم ہیں نہ آل عمران بلکہ نہ اولاد آدم (8) **انی جاعل فی الارض خلیفہ** اور ظاہر ہے کہ نبوت خلافت الٰہیہ ہے وہ صرف حضرت آدم اور ان کی اولاد کو عطا ہوئی۔ ضحاک ابن مزاحم بھی جنات کو خلیفۃ اللہ نہیں مانتے (9) قرآن مجید میں کسی نبی جن کا ذکر صراحۃ "اشارۃ" تفصیلا "اجمالا" نہیں آیا نہ کسی جن نبی کا نام مذکور ہوا اگر واقعی ان میں بھی کوئی نبی رسول ہوتا تو کسی ایک دو کا نام یا حال تو آتا' رب فرماتا ہے **کل نقص علیک من انباء الرسل** (10) معراج کی شب سارے رسول نبی' بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے حاضر ہوئے ان میں کوئی جن نبی نہ تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کچھ ذکر تو فرماتے۔ (11) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں **الرسل من بنی ادم و من الجن نذر** (تفسیر ابن کثیر) یعنی رسول صرف انسانوں میں آئے جنات میں نذیر آئے یعنی رسولوں کی طرف سے اپنی قوم کو ڈرانے والے۔ خیال رہے کہ جنات میں ولایت' تقرب' علم' ریاضت' مجاہدات سب نعمتیں ہیں نبوت صرف انسانوں کو ملی نہ فرشتوں کو نہ جنات کو (12) **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا** اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے بھی مرد ہی بناتے یعنی وہ انسان مرد بن کر لوگوں کے سامنے آتا معلوم ہوا کہ نبوت صرف رجل کے لئے خاص ہے۔

نوٹ ضروری : انسانوں میں بھی بعض ایسے ہیں جن کو نبی نہیں بنایا جاسکتا۔ جیسے عورت' زنانہ' کھسرے' دیوانے گونگے' بہرے' بدمذہب' نیچی قوموں کے لوگ۔ ہمیشہ نبی مرد اونچی شان والے اعلیٰ صفات والے ہر عیب سے پاک ہی بنائے گئے' دوسری قومیں ان کے ماتحت کی گئیں جیساکہ بخاری شریف کی ہرقل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یحیٰ علیہ السلام قوی مرد تھے مگر نکاح نہ کیا' حضرت زکریا علیہ السلام نے چند روز لوگوں سے کلام دنیاوی نہ کیا ذکر الٰہی کرتے رہے لہٰذا انہیں گنگ کا مرض نہ تھا یہ بھی خیال رہے کہ جنات صحابی ہیں اور بڑی لمبی عمریں پاتے ان میں آج تک صحابہ موجود ہیں مگر ان صحابی جنات کو دیکھنے والے انسان تابعی نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کی صحابیت ہمارے لئے یقینی نہیں اس لئے ان کے حالات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں نہ معلوم وہ سچ کہہ رہے ہیں یا غلط۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ نے ایک صحابی جن کی زیارت کی ان کی قدم بوسی کی مگر وہ تابعی نہ بنے' یوں ہی حضرت خضر علیہ السلام صحابی ہیں مگر آج ان کو دیکھنے والے مسلمان تابعی نہیں کیونکہ جس شخص کو ہم حضرت خضر سمجھیں شاید غلطی کررہے ہوں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے' پہلا فائدہ: حضرات انبیاء کرام جنات اور انسان دونوں کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے یہ دونوں گروہ ان کے امتی ہوئے یہ فائدہ الم یاتکم میں کم خطاب سے حاصل ہوا فرشتوں پر انبیاء کرام کا احترام لازم ہے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا مگر ان پر حضرات انبیاء کرام کے شرعی احکام جاری نہیں۔ دوسرا فائدہ: پچھلے انبیاء کرام اپنے اپنے حلقہ تبلیغ کے جنات کے بھی نبی ہوتے تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سارے انسانوں کے دائمی نبی ہیں یوں ہی سارے جنات کے دائمی نبی یہ فائدہ رسل منکم میں رسل کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی کتابیں' ان کے صحیفے' ان کے امتی جنات کے لئے لازم العمل تھے ان میں بھی کتابوں کے عالم موجود تھے یہ فائدہ یقصون سے حاصل ہوا ہمارے بعض دینی مدرسوں میں بھی جنات علم حاصل کرتے عالم دین بنتے ہیں حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جن شاگرد کا واقعہ تو مشہور ہے جس نے آپ کو بادشاہ تک پہنچایا۔ چوتھا فائدہ: قیامت میں کافر جنات کو دوزخ کی سزا تو دی جائے گی مگر مومن جنات کو جنت کا ثواب نہیں دیا جائے گا' جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے یہ فائدہ وینذرونکم سے حاصل ہوا کہ یہاں ساتھ میں بشارت کا ذکر نہیں فرمایا لہٰذا مومن جنات کو ان کے حساب کے بعد فنا کردیا جائے گا۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ سورہ احقاف اور سورہ جن کی تفسیر میں کی جائے گی۔ پانچواں فائدہ: قیامت میں کفار پہلے تو اپنے کفر اور گناہوں کا انکار کریں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین مگر آخر کار مجبور ہو کر اقرار کرلیں گے یہ فائدہ شہدنا علی انفسنا سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں گنہگار مومنین اپنے جرموں کا اقرار فوراً کرلیں گے کوئی عذر و بہانہ نہ کریں گے یہ فائدہ انہم کانوا کافرین سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بغیر بدعملی کے کسی کو عذاب نہیں دیتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں بغیر گناہ سزا کو رب تعالیٰ نے ظلم فرمایا یہ فائدہ بظلم فرمانے سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ یہ تو ہوگا کہ رب تعالیٰ بغیر عمل بندے کو جنت دیدے یہ بھی ہوگا کہ بد عمل مومن کو بخش دے یہ بھی ہوگا کہ بغیر بتائے بغیر جتائے بغیر حساب لئے جنت دیدے کہ یہ فضل و کرم بندہ نوازی ہے' جب دریائے کرم جوش میں آتا ہے تو کند امندا نہیں دیکھا جاتا مگر یہ نہ ہوگا کہ نیک کار مومن کو یا بے عمل انسان کو یا بغیر وجہ بتائے دوزخ میں ڈال دے کہ یہ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔

نوٹ ضروری : ظلم کے دو معنی ہیں ایک تو دوسرے کی ملکیت میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا اس معنی سے اگر رب تعالیٰ متقی پرہیزگار کو دوزخ بھیج دے تو ظلم نہیں کہ سارے بندے اس کی اپنی ملکیت ہیں دوسرے یہ کہ کسی بے قصور کو سزا دینا یہ کہہ کر کہ تو مجرم ہے یہ تیرے جرم کی سزا ہے یہاں ظلم سے یہی مراد ہے اور اسی کی رب تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا فرمان کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوزخ دیدے تو ظالم نہیں وہاں ظلم سے اس کے پہلے معنی مراد ہیں۔
آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ بغیر نبی کی تبلیغ پہنچے کسی کو اس کی بد عملیوں کی سزا نہیں دیتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں یہ دونوں فائدے **واهلها غفلون** سے حاصل ہوئے لہذا زمانہ فترت کے لوگ جیسے حضرت آمنہ و عبداللہ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے داوائے جنتی کہ وہ حضرات موحد تھے مگر انہوں نے کسی نبی کی تعلیم نہیں پائی اس کی تفصیلی بحث ہم پہلے پارہ میں **ولا تسئل عن اصحاب الجحيم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔
پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی نبی تشریف لائے کیونکہ یہاں جن وانس دونوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوا **رسل منكم** اگر جنات نبی نہ ہوتے تو **منكم** فرمانا کیسے درست ہوتا (ضحاک) خیال رہے کہ امام ضحاک کے پاس اس آیت کے سوا کوئی دلیل نہیں نہ قرآنی آیت نہ کوئی حدیث۔ جواب: یہ دلیل مکمل جب ہوتی جبکہ **من كلي كما** فرمایا جاتا یعنی تم سب یا تم دونوں جماعتوں میں وہ یہاں فرمایا نہیں گیا یہاں صرف **منكم** ہے اس **منكم** میں جن وانس دونوں داخل ہیں اب اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ میں نبی ہوں تب بھی **منكم** فرمانا درست ہے کہ ان دونوں کے مجموعہ میں نبی تو واقعی آئے ہیں مجموعہ کے احکام کا ہر فرد یا ہر گروہ پر جاری ہونا ضروری نہیں نبی ان دونوں گروہوں کے لئے آئے مگر آئے صرف انسانوں میں جیسے کہا جائے کہ ہم انسانوں میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں اور قبیلہ بنی ہاشم میں جلوہ گر ہوئے مگر چونکہ حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے انسانوں کے لئے ہے لہذا یہ قول درست ہے جس کی دلیل ہم اس آیت سے دے چکے ہیں **يخرج منهما اللؤ لؤ والمرجان** یہ جواب اس صورت میں ہے کہ رسل سے مراد اللہ کے رسول تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں قرآن مجید میں رسول لغوی معنی میں بہت جگہ ارشاد ہوا ہے فرماتا ہے **قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلا ما زكيا**۔ اور فرماتا ہے **اذ ارسلنا اليهم اثنين**۔ دیکھو جبریل علیہ السلام جناب مریم کے پاس شرعی رسول بن کر نہ گئے تھے مگر فرمایا **انا رسول ربك** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری جناب مسیح علیہ السلام کے قاصد بنکر گئے تھے اور فرمایا **اذ ارسلنا** دوسرا اعتراض: رسول بشارت بھی دیتے ہیں اور ڈراتے بھی ہیں یہاں صرف ڈرانے کا ذکر کیوں ہوا **وينذرونكم** جواب: اس لئے کہ یہ کلام کفار جن وانس سے ہوگا اس کے لئے رسول صرف نذیر ہوتے ہیں اس کے اور کئی جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ تیسرا اعتراض: حیوۃ دنیا تو سب ہی کو دی گئی ہے مومنوں کو بھی کافروں کو بھی یہ تو دھوکے کی چیز نہیں پھر **غرتهم الحيوة الدنيا** کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: حیوۃ دنیا کافر کی اور ہے مومن کی اور گنہگاروں کی اور ہے پرہیزگاروں کی اور کافر کی دنیا دھوکے کا باعث ہے مومن کی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ نبی کی حیوۃ دنیا وہ کشتی ہے جو لاکھوں کو پار لگا دیتی ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ غافلوں پر عذاب نہیں بھیجتا مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب غافلوں پر ہی آتا ہے آیات میں تعارض ہے۔ جواب: رب کی طرف سے غافل رکھنا اور چیز ہے خود بندے کا غافل رہنا اور چیز ہے اگر رب کی

طرف سے نبی رسول نہ تشریف لاتے ' بندوں کو آخرت کے عذاب سے خبردار نہ کرتے یہ رب تعالیٰ کی طرف سے غافل رکھنا ہوتا اور ان تمام اطلاعوں کے باوجود ہوش نہ کرنا یہ ہے بندے کی اپنی غفلت۔ یہاں پہلی غفلت کی نفی ہے ان آیات میں بندے کی اپنی غفلت کا تذکرہ ہے 'لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ رب تعالیٰ بیدار دل عطا فرمائے۔ **پانچواں اعتراض:** دنیا میں نبی سب کے پاس نہیں پہنچتے بہت کم لوگ انہیں یا ان کا زمانہ پاتے ہیں پھر یہ سوال سارے کافروں سے کیسے درست ہوا۔ مثلاً "آج کے کفار جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدیوں بعد پیدا ہوئے وہ اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا ہمارے پاس تیرے نبی نہیں آئے ہم نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ **جواب:** کسی کے پاس نبی کے تشریف لانے کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمات پہنچنا ان کی امت کے علماء 'اولیاء 'صلحاء کا پہنچنا۔ الحمدللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم علماء 'اولیاء 'صالحین اور علماء کی تصنیف کے ذریعہ سب تک پہنچ گئی کوئی اس سے محروم نہیں رہا' نبی کا پیدا ہونا اور ہے کہیں رہنا کچھ اور ہے آنا کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے مکہ معظمہ میں رہے مدینہ منورہ میں مگر آئے عالم کے ذرہ ذرہ میں جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہاں پر **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم** اس لئے یہاں **الم یا تکم** فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جسمانی استعداد کے ساتھ روحانی استعداد بھی عطا فرمائی ہے اس پر عقل کا فیض بھی ہوتا ہے الہام کا فیض بھی جو کوئی خالص عقل کے پیچھے چلے وہ ھوئی کے گڑھے میں گرے گا اور جو الہام ربانی کے ماتحت عقل سے کام لے وہ ہدیٰ کی بلندی پر پہنچے گا۔ حضرات انبیاء و اولیاء اس استعداد کو کام میں لانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ بندوں کی قوت عملی کو برسرکار لگائیں جن لوگوں نے ان کی اطاعت سے منہ موڑا انہوں نے اپنی یہ استعداد خراب کرلی ان کی زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ برباد ہو کر ہے کیونکہ ان کی زندگی الحیوۃ الدنیا بن جاتی ہے یعنی ذلیل زندگی دنیا بمعنی حقیر و ذلیل یہ ہی لوگ بارگاہ الٰہی میں شرمندہ ہو کر عرض کریں گے **انھم کانوا کافرین** جن لوگوں نے اپنی زندگی کو نبی کی تعلیم کے سانچہ میں ڈھالا ان کی زندگی یہاں رب تعالیٰ کے خطاب مہری ہیں یعنی محبت والے۔ کل قیامت میں کفار سے خطاب قہری ہوں گے یعنی غضب والے 'بہتر ہے کہ مہر والے خطابات قبول کرو تاکہ قہر والے خطابات سے امن ملے دنیا میں سب کو خبردار کردیا گیا ہے اب جو چاہے بیدار ہو جو چاہے غافل رہے 'حجتہ اللہ پوری ہو چکی۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ انسان پانچ قسم کے ہیں۔ علماء (وارثین رسول) زاہدین 'عمل سے ہادی 'غازی 'اللہ کی تلوار' تاجر 'اللہ کے امین بادشاہ سلاطین خلق کے نگہبان جب یہ لوگ ہی راستہ سے ہٹ جائیں تو عوام کہاں جائیں۔

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ہلاک کرنے والے چند آدمی ہیں 'خوشامدی علماء 'لالچی زاہدین 'ریاکار غازی 'خیانت والے تاجر 'ظالم بادشاہ اگر یہ پانچ جماعتیں درست ہو جائیں تو مخلوق خود ہی ٹھیک ہو جائے (از روح البیان)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ

اور واسطے ہر ایک کے درجے ہیں اس سے جو عمل کیے انہوں نے اور نہیں ہے رب آپ کا بےخبر اس سے جو عمل کریں۔ اور رب آپ کا

اور ہر ایک کے لئے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں اور اے محبوب تمہارا

الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

والا تمہارا بے نیاز ہے رحمت والا ہے اگر چاہے وہ تو لے جائے تم کو اور نائب بنائے پیچھے تمہارے اس کو کہ چاہے

رب بے پرواہ ہے رحمت والا اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ

يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

جس طرح پیدا کیا تم کو اولاد سے دوسری قوم کے۔

لائے جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کافر و بدکار جن و انس کا ذکر ہوا اب ان کے کفر و بدکاریوں کی سزا کا ذکر ہے کہ جیسا کفر جیسے اعمال ویسے ہی ان کی سزا و جزا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری ان کی تبلیغوں کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ لوگوں نے ان کے ساتھ مختلف برتاوے کئے جیسے برتاوے کئے ویسی سزا و جزاء پائیں گے گویا جرموں کا ذکر پہلے تھا سزا کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا ذکر تھا اب رب تعالیٰ کی بے نیازی بے پرواہی کا اس کی رحمت کا تذکرہ ہے کہ ان حضرات کا بھیجنا اس لئے نہ تھا کہ رب تعالیٰ کو لوگوں کے ایمان و اعمال کی ضرورت ہے بلکہ وہ تو بندوں اور ان کی بندگیوں سے بے نیاز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رحمت والا ہے چاہتا ہے کہ بندے اس کی رحمت سے حصہ لیں اس حصہ ملنے کا ذریعہ حضرات انبیاء کرام ہیں۔

تفسیر: **ولکل درجات مما عملوا** اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) کل سے مراد سارے کفار جن و انس ہیں درجات بمعنی درکات ہے اور مما عملوا سے مراد ان کا کفر اور بد عملیاں ہیں کیونکہ اس سے پہلے صرف کفار جن و انس کا ذکر ہوا ہے **انهم كانوا كافرين** یعنی ان دونوں گروہ کافر جن و انس کو عذاب یکساں نہیں بلکہ ان کے عذاب کے درجے مختلف ہیں کیونکہ ان کے کفر و گناہ مختلف اس صورت میں درجات بمعنی درکات ہے' بلندی کے مرتبوں کو اور ان تک پہنچنے کے ذریعوں کو درجات کہتے ہیں پستی کے مرتبوں کو اور ان تک پہنچنے کے ذریعوں کو درکات کہتے ہیں۔ جنت میں درجات ہیں دوزخ میں درکات بلکہ جب سیڑھی کے ذریعہ اوپر چڑھو تو اس کے ڈنڈے درجات ہیں اور جب نیچے اترو تو وہی ڈنڈے درکات۔ (2) کل سے مراد سارے مومنین جن و انس ہیں اور درجات سے مراد دنیاوی درجے اور مرتبے ہیں یعنی ان مومنین جن و انس میں سے ہر ایک کے دنیاوی درجے مختلف ہیں کوئی صرف مومن ہے کوئی مومن بھی ہے ولی بھی' پھر ولایت کے درجے مختلف ہیں کوئی اعلیٰ

درجہ کا ولی ہے کوئی اس کے بعد (3) کل سے مراد سارے مومن جن وانس ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجات اور دوزخ کے درکات یعنی طبقات دونوں ہیں یعنی ہر مومن و کافر جن وانسان کے لئے جنت و دوزخ کے درجے مختلف ہیں جیسے اعمال ویسے درجات۔ یہ ان حضرات کا قول ہے۔ جو مومن جنات کے لئے جنت مانتے ہیں جیسے حضرت امام محمد و ابو یوسف۔ تفسیر مدارک نے یہی تفسیر کی۔ (4) کل سے مراد سارے مومن جن وانس ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجے ہیں (5) کل سے مراد سارے مومن انسان ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجے ہیں یعنی مومن انسانوں کو جنت تو ملے گی مگر ان کے اعمال کے درجے مختلف ہوں گے کوئی عقل والا تھوڑی سی نیکی کر کے بڑا درجہ حاصل کرے گا کوئی کم عقل اعمال کرے گا زیادہ مگر درجہ پائے گا معمولی۔ قیامت میں اعمال کا بدلہ بقدر عقل ملے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز کوئی نیک اعمال کرتا ہے دوزخ سے بچنے کے لئے کوئی کرتا ہے جنت حاصل کرنے کے لئے کوئی نیکی کرتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارنے کے لئے کوئی کرتا ہے صرف رضاء الٰہی کے لئے۔ عمل یکساں ہیں مگر ان کی جزاؤں میں فرق ہے۔ فقیر کے نزدیک پہلی تفسیر قوی ہے کہ اس سے پہلے کفار جن وانس اور ان کے کفر و شرک کا ذکر ہوا ہے۔ خیال رہے کہ درجہ اور درکہ دونوں زینہ کی سیڑھیوں یا سیڑھی کے ڈنڈوں کو کہا جاتا ہے۔ جس پر چڑھ کر انسان اوپر جاتا ہے انہیں سے اتر کر نیچے آتا ہے مگر اصطلاح میں عموماً درجات جزا اور اس کے مرتبوں کو کہتے ہیں درکات سزا اور اس کے طبقات کو کہتے ہیں مگر کبھی درجات دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی درجات بمعنی درکات آتا ہے۔ **وما ربک بغافل عما یعملون**۔ یہ فرمان عالی اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ہے کہ رب تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل پر کیسے مطلع ہو سکتا ہے یہ تو بے شمار ہیں اس کا جواب ایک لفظ ربک سے دیدیا یعنی ہم ہیں رب اگر اپنے بندوں سے بے خبر ہوں تو انہیں پالیں کیسے جب ہم ہر بندے کی ہر ضرورت سے خبردار ہیں تو ان کے ہر عمل سے بھی مطلع ہیں وما ربک بغافل جملہ اسمیہ فرما کر بتایا کہ رب تعالیٰ نہ پہلے غافل تھا نہ اب ہے نہ آئندہ ہو گا وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علیم و خبیر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے لہذا وہ علیم و خبیر ہے قدیر ہے کہ بغیر علم و قدرت ربوبیت ناممکن ہے اور اس نے اپنے حبیب کو رحمتہ للعالمین بنایا لہذا انہیں بھی کل شی پر خبیر بنایا کیونکہ بغیر علم و قدرت رحمت ناممکن ہے اگر ہم کو محتاج کی حاجت کی خبر نہ ہو یا اسے کچھ دینے پر قدرت نہ ہو تو ہم اس پر رحم نہیں کر سکتے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے قاسم بنایا شفیع بنایا۔ تقسیم اور شفاعت بغیر علم ناممکن ہے پھر خیال رہے کہ دنیا میں اس کا بدکاروں کو مہلت دینا ان کے عذاب میں جلدی نہ کرنا اس لئے نہیں کہ وہ بندوں کے اعمال سے بیخبر ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ **وربک الغنی ذو الرحمتہ** کہ رب تعالیٰ بے نیاز بھی ہے اور اس کا مجرم کہیں بھاگ کر جا نہیں سکتا پکڑنے میں جلدی وہ کرے جسے مجرم کے بھاگ جانے قابو سے نکل جانے کا خطرہ ہو نیز وہ رحمت عامہ والا بھی ہے، مجرم کو مہلت دیتا ہے کہ اب بھی توبہ کر لے، خیال رہے کہ رب تعالیٰ بندوں سے بھی بے نیاز ہے اور ان کی عبادت سے بھی بے پرواہ وہ کسی طرح کسی کا حاجتمند نہیں اس کے سواء باقی سب ہر وقت ہر طرح کے حاجتمند ہیں اس میں اشارۃً فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں رسولوں کو بھیجنا لوگوں کو دعوت ایمان دینا اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ کو بندوں کے ایمان کی حاجت ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ رحمت والا۔ ہے ربک فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ جب آپ کا رب غنی ہے تو آپ کسی اور کے محتاج کیسے ہو سکتے ہیں۔ آپ تو اس کی ربوبیت کے مظہر اتم ہیں اس لئے یہاں ہو نہیں فرمایا بلکہ ربک ارشاد ہوا (از روح المعانی) جیسے جسمانیات میں رب تعالیٰ مختلف بندوں کو مختلف روزیوں سے پالتا ہے بکری کو گھاس سے شیر کو

گوشت سے ہم کو بچپن میں ماں کے دودھ سے پالتا ہے جوانی میں غذاؤں سے اسی طرح روحانیات میں مومنوں کو ایمان سے پالتا ہے اولیاء کو عرفان سے حضرات انبیاء کو ایقان سے جناب مصطفیٰ کو اپنے خاص کلام سے پھر اجسام کو عارضی طور پر پالتا ہے ارواح کو دائمی طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کو ابد الا آباد تک کے لئے غرضیکہ وبک وبکم اور رب العالمین میں بہت طرح فرق ہے **ان یشا یذھبکم ویستخلف من بعد کم ما یشاء** اس فرمان عالی میں اللہ تعالیٰ کی شان غنائی جھلک دکھائی گئی ہے اس میں خطاب یا تو کفار و مشرکین سے ہے تو لے جانے کے معنی ہیں عذاب سے ہلاک فرما دینا اور **یستخلف** سے مراد ہے دوسری قوموں کو یہاں بسا دینا جیسے نوح علیہ السلام کی قوم سے معاملہ کیا گیا اور **ما یشاء** سے مراد وہ دوسرے انسان ہیں جو ان کی جگہ بسیں انہیں **ما** فرما کر اشارۃً فرمایا کہ دوسری قومیں اور تم گھاس تنکوں کی طرح ہمارے قبضہ قدرت میں ہو کیونکہ **ما** بے جان بے عقل چیزوں پر بولا جاتا ہے (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہو تب ان کے لئے جانے سے مراد ہے اس قرن کا ختم فرما دینا یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم پر ہلاکت کا عذاب بھیج کر دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ آباد کر دے چنانچہ بعد میں ابولہب ابوجہل امیہ ابن خلف وغیرہ کو ہلاک کر کے ان کے مکانوں زمینوں میں مسلمانوں کو بسا دیا اور قریب ہی وقت میں سارے مکہ بلکہ سارے حجاز کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ برحق بنا دیا یا اگر رب چاہے تو تم کو موت دے کر تمہاری اولاد کو یہاں کا مالک فرما دے یہ واقعہ ہوتا ہی رہتا ہے لہٰذا اس ناپائیدار دنیا پر مت پھولو آخرت کو نہ بھولو **کما انشاء کم من ذریۃ قوم اخرین** اس تشبیہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جیسے پچھلی قوموں کو ہلاک فرما کر تمہیں ان کی جگہ آباد کر دیا اصحاب فیل کی ہلاکت مکہ والوں میں بہت مشہور تھی یا جیسے تمہارے باپ دادے سب کچھ بنا کر چھوڑ کر چلے گئے تم برت رہے ہو اسی طرح تمہاری چیزیں دوسری قوم برتے گی یعنی تمہاری اولاد تمہاری قائم مقام ہو گی۔

چنانکہ دست بدست لداست ملک بما   بدست دگر ہمچناں خواہد رفت

تفسیر کبیر نے پہلے معنی کو ترجیح دی تفسیر خازن وغیرہ نے دوسرے معنی کو خیال رہے کہ یہاں **من** تبعیضیہ نہیں بلکہ یہ **من** ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ **اعطتک من دینار ک ثوبا** میں نے تیرے دینار کا کپڑا دیا تو کپڑا دینار کا جز نہیں بلکہ اس کی جگہ آیا ہے ایسے ہی یہ مکہ والے قوم آخرین کی اولاد نہیں بلکہ ان کی جگہ میں آباد ہونے والے ہیں لہٰذا مطلب واضح ہے (تفسیر خازن) دوسری قوموں کی ذریت سے مراد وہی ہلاک ہونے والے لوگ ہیں ان کی اولاد نہیں کیونکہ ہلاک شدہ قوم کی نہ اولاد رہتی ہے نہ ان کی نسل چلتی ہے مقصد یہ ہے کہ گذشتہ قومیں جن کی اولاد ہلاک ہوئی ہم نے ان ہلاک شدہ لوگوں کی جگہ تم کو پیدا فرمایا' تمہیں ان کی ملک اور زمین کا مالک بنایا۔

خلاصہ تفسیر : ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے پہلے جز کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر جو قوی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جن کافر جنات و انس کا ذکر تم نے ابھی سنا ان کفار کے دوزخ میں درجے علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ ان کے اعمال بد مختلف ہیں جیسے ان کے کرتوت ویسے ہی ان کا دوزخ میں درجہ بعض ہاویہ میں ہیں بعض سعیر میں بعض حطمہ میں بعض سقر میں۔ عمل تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر ان کے اعمال کے درجے مختلف ہیں کوئی تھوڑا کام کر کے بڑا درجہ پالیتا ہے کوئی بڑا کام کر کے چھوٹا درجہ پاتا ہے۔ خیال رہے کہ بڑا درجہ حاصل کرنے کے لئے تین باتوں کا خیال رکھو۔ (1) فرائض واجبات پہلے کرو نوافل بعد میں بعض لوگ فرائض سے بے پرواہ ہوتے ہیں نوافل پر زور دیتے ہیں۔ (2) نیک اعمال میں سنت

رسول کا خیال رکھو' عمل تھوڑا کرو مگر ہمیشہ کرو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی محبوب ہے۔ (3) صرف نیک کام پر قناعت نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ برے کاموں سے بچنے کی کوشش بھی کرو یہ دونوں چیزیں تقویٰ کی گاڑی کے دو پہیے ہیں یا تقویٰ کے دو بازو یا دو پر' تم یہ وہم نہ کرنا کہ رب تعالیٰ اتنی بڑی مخلوق کو ان کے ہر عمل کی سزا کیسے دے گا کیونکہ رب تعالیٰ ہر مخلوق کے ہر عمل سے خبردار ہے کسی سے غافل نہیں ایسے علیم و خبیر پر یہ کچھ مشکل نہیں کہ مجرموں کو ان کے جرموں کے مطابق سزا دے۔ دنیا میں اس کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھاؤ' اس ڈھیل کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ کو ان کی حرکتوں کی خبر نہیں بلکہ وجہ یہ ہے وہ بے نیاز بادشاہ ہے کوئی اس کی پکڑ سے کہاں بچ کر جائے گا ساتھ ہی رحمت و کرم والا ہے مجرموں کو موقعہ دیتا ہے ان میں ہادی بھیجتا ہے کہ میرے دروازہ پر آ جائیں اے نخرے کرنے والے کافرو وہ چاہے تو تم کو اس زمین سے نکال دے اور تمہاری جگہ جسے چاہے تمہارا جانشین کر دے تمہاری زمین اس مخلوق سے آباد کر دے تم اپنے حالات میں غور کرو کہ گذشتہ قوموں کی کافر اولاد کو ہلاک فرما کر تم کو ان کی جگہ آباد کیا اور بسایا کہاں گئی قوم نوح قوم لوط وغیرہ ان سے عبرت پکڑو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے قبضہ میں جانو' خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رب نے اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا۔ **ربک الغنی ذوالرحمۃ۔ ان یشا** عالم رب کی حمدیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں چار قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو ہم جیسے گنہگار اپنے خیال سے کریں دوسرے وہ جو انبیاء کرام و اولیاء کریں تیسرے وہ جو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کریں چوتھے وہ جو خود خالق کبریا کرے' یہاں حمد کی یہ چوتھی قسم ہے' لہٰذا بہت اعلیٰ حمد ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سارے کفار جن و انس دوزخی ہیں اور ان کے دوزخ میں درجات مختلف ہیں جیسا کفر ویسا اس کا مقام یہ فائدہ لکل درجات کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں لوگوں کو اعمال کی جزائیں مختلف ملیں گی ایک شخص معمولی نیکی سے بڑا درجہ حاصل کرے گا' دوسرا شخص بڑی نیکی سے معمولی درجہ پائے گا' حضرات صحابہ کرام چار سیر جو کی خیرات سے وہ درجہ پائیں گے جو دوسرے لوگ پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے نہیں پا سکتے۔ حرمین طیبین کی ایک نیکی دوسری جگہوں کی ہزارہا نیکیوں سے بڑھ کر ہے رمضان شریف کے مہینہ کا ایک عمل دوسرے مہینوں کے ستر عملوں سے بڑھ کر ہے جہاں مسجدیں بہت ہوں مگر کنواں کوئی نہ ہو وہاں ایک کنواں نکال دینے کا ثواب بہت سی مسجدیں بنانے سے زیادہ ہے کہ مسجدیں وہاں بیکار ہیں یہ فائدہ لکل درجات کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : اعمال کے درجات اور چیزیں ہیں ثوابات کچھ اور ثوابات بڑھتے ہیں محنت زیادہ ہونے سے گرمی کے روزے کا ثواب سردی کے روزے سے زیادہ ہے مگر درجات یعنی قرب الٰہی زیادہ ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ ہونے سے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیارے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اللہ کو پیاری پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نقل ہے وہ بھی اللہ کو پیارا وتر کے بعد نفل کھڑے ہو کر پڑھو تو ثواب زیادہ مگر بیٹھ کر پڑھو تو درجہ زیادہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے۔ خلفاء ثلاثہ کی شہادتوں کا ثواب زیادہ ہو سکتا ہے کہ وہ تلوار سے ہوئیں مگر ابوبکر صدیق کی شہادت کا درجہ اور قرب الٰہی زیادہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات خیبر والے زہر سے ہوئی حضرت صدیق کی وفات غار ثور والے سانپ کے زہر سے ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر وفات کی شب چراغ میں تیل نہیں۔ جناب صدیق کی وفات کے وقت کفن کے لئے کپڑا یا پیسہ نہیں۔ یہ ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی نقل یہ خدا کو پیاری ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دوزخ اور وہاں کے طبقے ہر کافر جن وانس کے لیے ہیں' جنات کافر دوزخی ہیں یہ فائدہ **لکل درجات** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین** مگر جنت اور وہاں کے درجات صرف مومن انسانوں کے لیے ہیں نہ فرشتوں کے لیے نہ مومن جنات کے لیے۔ **چوتھا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں مومن جن وانس سب کے لیے ہیں یہ فائدہ **لکل درجات** کی ایک **تفسیر** سے حاصل ہوا۔ **دیکھو تفسیر** یہ قول حضرت امام محمد وابو یوسف کا ہے امام اعظم اور سارے محققین علماء یہی فرماتے ہیں کہ **جنت صرف مومن انسانوں کے لیے** ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ بے نیاز ہو کر رحیم و کریم ہے یہی کمال ہے محتاجی کی رحمت و کرم عیب ہے یہ فائدہ **الغنی ذوالرحمۃ** سے حاصل ہوا دیکھو مجبوری کی معافی کی آیات منسوخ ہیں رحم و کرم کی معافی کا اب بھی حکم ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ پر قابو پا کر انہیں بے بس کر کے معاف کیا مجبوری معافی معافی نہیں بلکہ دینا ہے۔ رب فرماتا ہے **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** والی معافی منسوخ فرمادی۔ **چھٹا فائدہ:** چونکہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اس لیے وہ عالم کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہے کہ بغیر خبر ربوبیت ناممکن ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے ہر ذرہ و قطرہ سے خبردار ہیں کہ بغیر علم رحمت نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے لیے علم' قدرت' قرب سبھی ضروری ہیں۔ یہ فائدہ **وما ربک بغافل** سے بھی حاصل ہوا اور **ربک الغنی ذوالرحمۃ** سے بھی خیال رہے کہ غنا ربوبیت کا مدار ہے اور احتیاج بندگی کا مدار۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت تک دنیا میں باطنی عذاب یعنی بعض قوموں کی تباہی بعض کا عروج ہوتا رہے گا آج کسی قوم کو ترقی ہے کل کسی کو۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ظاہری عذاب بند ہو گئے۔ جیسے غیبی پتھر برسنا صورتیں مسخ ہونا۔ یہ فائدہ **ان یشا یذہبکم** سے حاصل ہوا اور ظاہری عذاب عمومی بند ہو گئے' قریب قیامت بعض کی صورتیں مسخ ہوں گی بعض قومیں سور بندر وغیرہ بنیں گی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا مومن انسانوں کی طرح مومن جنات بھی جنت میں جائیں گے اور وہاں کے درجات پائیں گے کیونکہ اس سے پہلے جن وانس دونوں کا ذکر ہوا پھر فرمایا گیا **ولکل درجات** (نوٹ) یہ دلیل ان حضرات کی ہے جو جنات کو بھی جنتی مانتے ہیں جیسے حضرت امام محمد و ابو یوسف وغیرہما مگر ہمارے امام اعظم اور محققین علماء کا مذہب یہی ہے کہ جنت جزا صرف مومن انسانوں کے لیے ہے۔ **جواب:** یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ **اولاً** اس لیے کہ لکل سے مومن جن و انس مراد لینا خلاف موقعہ ہے کہ ابھی اس سے پہلے کافر جن وانس کا ذکر گزرا ہے وہی یہاں مراد ہیں۔ **دوسرے یہ کہ** درجات سے جنت کے درجے مراد لینا ضعیف ہے۔ قوی یہ ہے کہ اس سے دوزخ کے درجے مراد ہوں۔ **تیسرے یہ کہ** درجات سے دنیا کے درجات مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی مومن جن وانس کے دنیاوی درجے مختلف ہیں۔ کوئی عام مومن ہے' کوئی ولی ہے' کوئی صحابی ہے۔ **چوتھے یہ کہ** اگلے فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کلام غضب کا ہے کہ ارشاد ہے **وما ربک بغافل عما یعملون** ان جن وانس کے اعمال سے آپ کا رب غافل و بے خبر نہیں' یہ فرمان بظاہر غضب کے لیے ہوتا ہے۔ **پانچویں یہ کہ** قرآن مجید کی کوئی صریح آیت جنات کے جنتی ہونے کی نہیں مگر ان کے جنتی نہ ہونے کی صریح آیت موجود ہے رب فرماتا ہے **یاقومنا اجیبوا داعی اللہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم**۔ دیکھو اس آیت کریمہ میں جنات کے ایمان و اعمال کا نتیجہ معافی گناہ اور عذاب سے نجات قرار دیا گیا نہ کہ جنت کی نعمتیں۔ اتنی وجوہ کے ہوتے ہوئے

انہیں جنتی ماننا کچھ ضعیف سی ہے۔ دوسرا اعتراض: سورہ رحمان شریف میں جنتیوں کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد ہے۔ **فبای الاء ربکما تکذبان** اے۔ جن وانس تم رب تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اگر جنات کو جنت ملنا ہی نہیں تو ان سے یہ خطاب کیوں ہے؟ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس سورۂ رحمان شریف میں دریا وہاں کشتیوں کی روانی کا ذکر فرما کر بھی یہی ارشاد ہے۔ دیکھو فرمایا ہے **ولہ الجوار المنشات فی البحر کالا علام' فبای الاء ربکما تکذبان** حالانکہ کشتیوں جہازوں سے صرف انسان ہی کو فائدے ہیں جنات کو ان کی کوئی ضرورت نہیں جواب تحقیقی یہ ہے کہ جن وانس کے مجموعہ پر وہاں احسان جتایا گیا ہے اور ایک فریق کی نعمت کی نسبت مجموعہ کی طرف ہو سکتی ہے 'جس کی دلیل ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں گزر گئی **یخرج منہما اللولو والمرجان**۔ حالانکہ موتی مونگا صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم بہشتی حوروں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** اس سے پہلے انہیں نہ انسان نے ہاتھ لگایا نہ جنات نے جس سے معلوم ہوا کہ آئندہ مومن جنات کو حوریں ملیں گی۔ جواب: یہ اعتراض بھی نہایت کمزور ہے پہلے جنت میں جن ابلیس رہ چکا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بھی وہاں قیام فرما چکے ہیں اس وقت وہاں کی نعمتیں ان دونوں نے استعمال کی تھیں۔ شبہ تھا کہ شاید وہاں کے میوہ جات کی طرح حوریں بھی ان کی خدمت میں رہی ہوں انہوں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہو اس کی نفی فرمانے کے لئے یہ ارشاد ہوا کہ حوریں بعد میں بطور جزا جنتیوں کو ملیں گی ابھی کسی نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا اس سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ آئندہ یہ دونوں انہیں ہاتھ لگائیں گے دعویٰ اور ہے دلیل کچھ اور۔ **چوتھا اعتراض:** جب مومن جنات ہماری طرح ایمان و اعمال اختیار کرتے ہیں تو انہیں جنت نہ دینا بے انصافی ہے چاہئے کہ انہیں بھی جنت عطا ہو۔ جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی 'جواب الزامی تو یہ ہے کہ فرشتے ہم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں اور کبھی گناہ نہیں کرتے مگر انہیں نہ جنت ملے نہ وہاں کی نعمتیں کیا اسے بھی ظلم قرار دو گے نعوذ باللہ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہر مخلوق کی جیسے غذا دنیاوی مختلف ہے دیکھو ہم اعلیٰ نعمتیں کھاتے ہیں مگر جنات 'ہڈیاں' کوئلہ کھاتے ہیں گوبر ان کے جانوروں کی غذا ہے ہم کام کم کرتے ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتے ہیں جانور ہم سے زیادہ کام اور محنت کرتے ہیں مگر کھاتے ہیں گھاس بھوسہ یہ تو رب کی تقسیم ہے جسے جو چاہا عطا فرمایا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ دیکھو گزشتہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی جزاؤں میں فرق ہے ہم مسلمانوں کو تھوڑے عمل پر بڑی جزاء 'ہمارے وضو سے چہرے چمکیں گے' دوسری مومن قوموں کی یہ جزائیں نہیں اس کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو موجود کفار کو ہلاک کر دے اور دوسری قومیں آباد فرما دے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ہم تمہارے ہوتے ان پر عذاب نہ بھیجیں گے تو کیا رب تعالیٰ کے وعدوں کا خلاف ہو سکتا ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں ظاہری عذاب سے ہلاک کرنا مراد نہیں بلکہ لے جانے کی دو صورتیں مراد ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کی ذریتیں باقی رکھی گئیں اور اہل عرب ان ہی کی اولاد سے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ نہ تو ہلاک شدہ قوموں کی نسل چلی نہ ان کی نسل سے موجودہ عرب ہیں پھر یہ کیونکر درست ہوا۔ **کما انشاء کم من ذریۃ قوم اخرین** جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر خازن نے یہ دیا ہے کہ یہاں **من** ' منیت کا نہیں بلکہ عوض کا ہے ' اور ہلاک شدہ قوموں کی ذریت

نہ چلی بلکہ یہ ہلاک شدہ لوگ دوسری قوم کی ذریت تھے وہی یہاں مراد ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کا چار طرح ذکر قرآن مجید میں کیا ہے ربک اے محبوب آپ کا رب ' ربکم اے مسلمانو تمہارا رب ' رب الناس ' سب لوگوں کا رب ' رب للعالمین تمام جہانوں کا رب ' معلوم ہوا کہ ہم اور نبی بلکہ ساری مخلوق عبدیت میں برابر ہیں ہم سب کا رب اللہ ہی ہے ' پھر تم نبیوں ولیوں سے کیوں ڈرتے ہو اور ان سے کیوں آس لگاتے ہو کیا اللہ تمہارا رب نہیں ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر بکری کہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور شیر بھی پھر مجھ میں اور تیر میں فرق کیا ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو شیر کے سامنے جا کر دیکھ لے فرق معلوم ہو جائے گا یہ فرق فرعون ' نمرود ' ابو جہل سے پوچھ کہ تم نے نبی کا مقابلہ کر کے کیا پایا تمہاری اور ان کی بندگی میں کیا فرق ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہم رب کے محض بندے ہیں یہ حضرات رب کے بندے ہیں اور بندوں کے مولیٰ ہیں ان کی طرف بندوں کی نسبت ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ حضرت سفینہ کے سامنے جب شیر آیا تو آپ نے اس سے یہ نہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور نہ شیر کہتا کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں بکرا بھی اللہ کا بندہ میں اللہ کے بندوں ہی کو کھایا کرتا ہوں بلکہ یہ کہا کہ **انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** اے ابو السائب (شیر) میں رسول اللہ کا غلام ہوں ' راستہ بھول گیا ہوں ان سے پوچھ کہ اے سفینہ تمہاری عبدیت اور محمد مصطفیٰ کی عبدیت میں کیا فرق ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ رحمت والا بھی ہے اور قہر جبرو کبریائی والا بھی تو اس نے ذوالرحمہ کیوں فرمایا ذوالقہر کیوں نہ فرمایا۔ جواب: چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے قرآن مجید کی ابتداء بسم اللہ اور سورہ فاتحہ سے ہوئی دونوں میں الرحمن الرحیم ہے دوسرے یہ کہ اس کا قہر و غضب بلا سبب نہیں آتے ہماری حرکتیں قہر و غضب کا باعث ہوتی ہیں مگر اس کی رحمتیں بلاوجہ بھی آتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کا غضب کبھی آتا ہے مگر رحمت ہمیشہ اور ہر طرح ' چوتھے یہ کہ اس نے اپنے محبوب کو رحمت بنا کر بھیجا غضب بنا کر نہ بھیجا ان پروست قدرت کو ناز ہے ' پانچویں یہ کہ غضب کا ظہور ایک دو طرح ہی ہوتا ہے مگر رحمت کا ظہور صدہا طرح کبھی دولت ' صحت ' عزت ' اولاد وغیرہ کے ذریعہ جو بظاہر بھی رحمت ہیں اور کبھی اس کے برعکس بھی بیماری ' مصیبت و تکلیف وغیرہ کے ذریعہ کو وہ بھی درحقیقت رحمت ہی ہیں حکیم آپریشن کرے یا کڑوی دوا دے وہ بھی مہربانی ہے سونے کو آگ پر تپانا ٹھوڑے مارنا قرب محبوب کے لئے ہے۔ بہرحال **ذو الرحمۃ** کا ارشاد دریائے ناپید اکنار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں اعمال تو بہت سے لوگ کر لیتے ہیں مگر ان اعمال سے پورا فائدہ کوئی کوئی اٹھاتا ہے بعض اہل علم اپنی عادات کو بھی عبادات بنا لیتے ہیں کہ ان کا کھانا پینا سونا جاگنا حتیٰ کہ مرنا جینا بھی عبادت ہوتا ہے اور ان کے ثواب کا سلسلہ تاقیامت جاری رہتا ہے ان کی دکان کبھی بند نہیں ہوتی ان کی دکان کے سودے کبھی ختم نہیں ہوتے اور بعض بے وقوف وہ ہیں جو اپنی حماقت سے عبادات کو بھی عادات بنا لیتے ہیں کہ ان کے روزے نماز بھی انہیں فائدہ نہیں پہنچاتے یا بہت کم پہنچاتے ہیں وہ جاگتے میں سونے والوں سے بدتر ہوتے ہیں اور جیتے جی مردوں سے کم تر ان کی دکان یا تو کھلتی نہیں یا بہت کم کھلتی ہے ان کے ہاں ہمیشہ سودوں کی کمی رہتی ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں قسم کے لوگوں اور ان کے اعمال کی قدر و قیمت سے خبردار ہے کسی سے غافل نہیں ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق جزا دے گا یوں ہی بعض وہ لوگ ہیں جن کے بڑے گناہ بھی چھوٹے بن جاتے ہیں یا معاف ہو جاتے ہیں ' نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں بعض وہ ہیں جن کے چھوٹے گناہ بڑے بن جاتے ہیں یا کفر میں تبدیل ہو جاتے ہیں

ان کو سزا بقدر حق ملے گی صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ بلکہ کفر تین طرح کے لئے نفس کے لئے شیطان کے لئے اللہ و رسول کے لئے۔ پہلے دونوں قسم کے گناہوں اور کفر کی سزا سخت ہے۔ تیسرے قسم کے گناہ و کفر کی سزا ہلکی ہے یا ہے ہی نہیں دیکھو قابیل نے قتل ہابیل کا گناہ کیا نفس و شیطان کے لئے وہ اب تک پھٹکارا ہوا ہے ہر قتل میں اس کا حصہ ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کئے مگر کیوں یعقوب علیہ السلام کے منظور نظر بننے کے لئے کہ یوسف علیہ السلام یہاں نہ ہوں گے تو والد ہم سے ہی محبت کریں گے یہ تھا نبی کے لئے گناہ اس کا انجام یہ ہوا کہ ان سب کو توبہ کی توفیق مل گئی اور وہ سارے اولیاء صحابی بلکہ بعض علماء کے نزدیک نبی بنا دیئے گئے زلیخا نے گناہ کئے تو یوسف علیہ السلام کے لئے آخر کار توبہ کی توفیق مل گئی ابو لہب نے بھی کفر کیا اور ابو طالب نے بھی مگر ابو لہب کا کفر نبی سے عناد کے لئے تھا وہ بدترین جہنمی ہوا۔ ابو طالب کا کفر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شر کفار سے بچانے کے لئے تاکہ کفار میری رعایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ستائیں دیکھ لو۔ ابو طالب بہت ہلکی سزا میں ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کو دوزخ سے نکال دیئے جائیں اللہ تعالیٰ کے اس رحمت والے لپ میں ہوں جو وہ دوزخیوں کا بھر کر جنت میں ڈالے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذوالرحمہ میں رحمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** رب نے اپنے کو ذوالرحمہ فرمایا یعنی محمد مصطفیٰ والا رب۔ چونکہ ساری نعمتیں فانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت باقی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری نعمتوں کو رحمت بنانے والے ہیں کہ ان کی اطاعت کے بغیر سب نعمتیں عذاب ہیں نیز ساری نعمتیں ہماری پردہ در ہیں کہ ہمارے خلاف گواہی دے سکتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اعلیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمت والا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے رحیم و کریم بھی بے نیاز بھی دنیا اس کی ملکیت ہے تم کو یہاں عاریت کچھ روز کے لئے اس نے بسایا ہے یہ جگہ تمہاری ملک نہیں اگر وہ چاہے تو یہاں سے تم کو ہٹا کر دوسروں کو آباد کر دے۔ عاریت اور عارضی چیز پر کسی کا دعویٰ نہیں، تم سے پہلے یہاں اور لوگ آباد تھے وہ گئے تم آئے۔ اس طرح تمہاری جگہ دوسرے آسکتے ہیں لہٰذا فرصت کو غنیمت جانو۔

ہم دیکھیں جگ جات ہے جگ دیکھے ہم جائیں　　ہم خود بیٹھے راہ پر اوروں پر پچھتائیں!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ کامیابی دو چیزیں اختیار کرنے میں ہے اور تین چیزیں چھوڑنے میں۔ علم، عمل اختیار کرو دنیا، کسل، ذلل چھوڑو، دار الفرار یعنی بھاگنے کی جگہ کو دار القرار یعنی رہنے کی جگہ نہ سمجھو۔

حکایت : ایک بزرگ کے گھر میں کوئی شخص گیا گھر خالی پایا پوچھا سامان کچھ نہیں صاحب خانہ نے کہا کہ میرے پاس دو گھر ہیں ایک خوف کا گھر۔ دوسرا امان کا۔ ہم جو کماتے ہیں خطرناک گھر (دنیا) میں نہیں رکھتے دار الامان یعنی آخرت میں بھیج دیتے ہیں وہ بولا کہ کچھ تو گھر میں رکھو، صاحب خانہ نے کہا کہ یہ گھر عارضی ہے نامعلوم مالک کب واپس لے لے گھر خالی کرائے عاقبتہ الدار للابرار والاخیار لیلھم نہار یعنی آخرت کا گھر ان نیکوں کے لئے ہے جن کی راتیں بھی دن ہیں۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تحقیق وہ چیز کہ وعدہ کیے جاتے ہو تو البتہ آنے والی ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے، فرماؤ اے قوم میری عمل کرو

بیشک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اوپر ٹھکانے کے اپنے بیشک میں کام کرنے والا ہوں پس عنقریب جان لوگے تم اس کو کہ ہوگا واسطے اس

تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا چاہتے ہو کس کا رہتا ہے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کے آخری گھر بیشک نہیں کامیاب ہوتے ظالم لوگ۔

آخرت کا گھر۔ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہوا۔ اب ان کے یقینی ہونے کا تذکرہ ہے کہ کفار پر عذاب ضرور آئیں گے وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے اس کا مقصد ہے کفار کو ڈرا کر ایمان کی طرف مائل فرمانا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گنہگاروں کے عذابوں نیک کاروں کے ثوابوں کا ذکر ہوا اب عجیب انداز سے ارشاد ہے کہ ثوابوں کے وعدے ضرور بالضرور پورے ہوں گے مگر عذابوں کی وعیدیں قابل معافی ہیں کوئی مجرم خود نہیں بچ سکتا ہم چاہیں تو معاف فرمادیں چنانچہ وعدوں کے لئے فرمایا **ان ما توعدون لات** اور وعیدوں کے بارے میں ارشاد ہے **وما انتم بمعجزین** (نوٹ) یہ دونوں باتیں تفسیر کبیر نے ارشاد فرمائیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر تھا اب ان کے وقت کا ذکر ہے کہ عذابوں کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے **من تکون لہ عاقبۃ الدار** **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک خاص طریقہ سے کفار کو کفر سے روکا گیا تھا یعنی ڈرا دھمکا کر اب دوسری طرح انہیں کفر سے روکا جارہا ہے یعنی اظہار بیزاری فرما کر **قل یا قوم اعملوا** غرضیکہ مقصود ایک ہے نوعیتیں الگ الگ ہیں کیونکہ لوگوں کی نظرتیں جداگانہ ہیں، بعض ڈر کھاتے ہیں بعض اور طریقہ سے۔

تفسیر : **ان ما توعدون لات** اس جملہ کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ **ما** سے مراد ہے موت یا قیامت اور وہاں کا حساب و کتاب اور بعد میں سزا و جزاء۔ اس صورت میں یہ خطاب سارے انسانوں سے ہے کافر ہوں یا مومن کیونکہ یہ چیزیں یہ واردات سب کے لئے ہیں، سب پر آنے والی ہیں، توعدہ سے مراد وعید کا مقابل وعدہ بلکہ وعد وعید دونوں کو شامل ہے۔ دوسرے یہ کہ **ما** سے مراد صرف برزخی واخروی عذاب ہیں اور خطاب ان کفار سے ہے جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا تو **توعدون** بنا ہے وعد بمعنی وعید سے **تیسرے** یہ کہ **ما** سے مراد برزخی واخروی ثوابات ہیں اور خطاب ہے مسلمانوں سے اور **توعدون وعد** سے وعید کا مقابل یعنی اچھی جزاء کا امیدوار بنانا۔ تفسیر کبیر نے یہی تیسری تفسیر اختیار کی اور معنی یہ کئے کہ اے مسلمانو ہم نے تم سے تمہارے ایمان نیک اعمال پر جو وعدے کئے ہیں وہ سب تم تک ضرور پہنچیں گے ناممکن ہے کہ نہ پہنچیں یا

کم پہنچیں کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے جس سے ہم پاک و منزہ ہیں۔ رہے تمہارے گناہوں پر تم سے وعیدیں وہ آئیں یا نہ آئیں ہمارے کرم سے معاف ہی ہو جائیں لات فرما کر ایک لطیف اشارہ اس جانب فرمایا کہ بظاہر تم ان کی طرف جارہے ہو مگر حقیقت میں وہ تم تک آرہی ہیں وہ تم کو تلاش کر کے تم تک پہنچ رہی ہیں ہم موت کی طرف نہیں دوڑ رہے ہیں موت ہم تک بھاگی آرہی ہے دنیا جارہی ہے' آخرت آرہی ہے۔ بظاہر جنت کی طرف اعمال کے ذریعہ ہم جارہے ہیں مگر در حقیقت جنت ہماری طرف آرہی ہے۔ وہ طالب ہے مومن مطلوب یا مجازا" یہ فرمایا گیا جیسے ریل کی سواریاں کہتی ہیں کہ لاہور آرہا ہے حالانکہ لاہور تو اپنی جگہ قائم ہے ادھر ہم جارہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **ما توعدون** میں خطاب مسلمانوں سے ہو اور **ما انتم بمعجزین** میں خطاب کفار سے۔ خیال رہے کہ **توعدون** میں بڑی گنجائش ہے اس میں وہ وعدے بھی شامل ہیں جو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائے اور وہ وعدے بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ یا اہل بیت یا ساری امت سے فرمائے خواہ شخصی وعدے ہوں جیسے ابو بکر جنتی ہیں حسین و حسن جوانان جنت کے سردار ہیں یا نوعی وعدے کہ جو مومن جماعت پنجگانہ کا پابند ہو گا اس کی زندگی بھی طیب ہوگی' موت بھی طیب۔ اسی لئے **توعدون** فرمایا **وعدنا** نہیں فرمایا یہ بھی خیال رہے کہ موت آنی سب کو ہے مگر کسی کے لئے دعوت نامہ بن کر کسی کے لئے طلبی کا سمن بن کر کسی کے لئے وارنٹ گرفتاری بن کو موت ایک ہے مگر اس کی نوعیتیں جداگانہ۔ لہذا موت یا قیامت سے بچنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی تیاری کرو **وما انتم بمعجزین** اس جملہ میں خطاب صرف کفار سے ہے اگر پچھلے جملہ میں خطاب کفار سے تھا تو یہ جملہ اس کی وجہ و علت ہے یا اس کی شرح اور اگر وہاں خطاب صرف مسلمانوں سے تھا تو اس فرمان کے ایک حصہ میں خطاب مومنوں سے ہے اور اسی حصہ میں خطاب کفار سے مگر سبحان اللہ طریقہ بیان مختلف ہے تاکہ معلوم ہو کہ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اے کافرو تم کو ہر گناہ کی سزا ضرور ملے گی' جیسے ثواب کے متعلق فرمایا تھا لات بلکہ یوں فرمایا کہ تم ہماری پکڑ سے نہیں بچ سکتے اگر ہم ہی تمہارا عذاب ہلکا کر دیں یا بعض گناہوں کی سزا نہ دیں تو ہم قادر ہیں۔ (از تفسیر کبیر) خیال رہے کہ کفار کی بخشش ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے **ان اللہ لا یغفران یشرک بہ** مگر ان کے بعض گناہوں کی معافی' عذاب کا ہلکا ہونا ممکن بلکہ واقع ہے ابو طالب اور ابولہب کا حال یکساں نہیں یوں ہی فرعون اور نوشیرواں و حاتم طائی کی سزا یکساں نہیں **معجزین** بنا ہے **اعجاز** سے جس کا مادہ عجز ہے۔ اعجاز کسی کو عاجز کر دینا حاکم کی پکڑ سے بچ نکلنا' اسے تھکا دینا **قل یا قوم اعملوا علی مکانتکم** یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن کفار سے ہے۔ قرآن مجید میں قل کے موقعہ مختلف ہیں کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اے محبوب ہم سے کہو **قل اعوذ برب الفلق** کبھی یہ کہ مومنوں سے کہو جیسے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** کبھی یہ کہ کافروں سے کہو جیسے یہاں ہے کبھی یہ سارے انسانوں سے کہو **قل یا ایھا الناس** رب سے عرض میں اظہار نیاز مندی ہوتا ہے مومنوں سے خطاب میں اظہار کرم نوازی۔ کفار سے خطاب میں یا اظہار غضب یا اظہار بیزاری۔ یہاں اس میں آخری مقصد کے لئے قل ارشاد ہوا۔ تبلیغ کے تین طریقے ہیں۔ اچھے اعمال کی جزاء کا بیان' برے اعمال کی سزا کا بیان' بد کاروں سے بیزاری کا اظہار اور **یا قوم** میں ندا کفار کو ہے۔ قوم سے مراد ہم مذہب قوم نہیں بلکہ ہم وطن یا ہم نسب قوم مراد ہے۔ قوم کی بہت قسمیں ہیں' ہم پیشہ' ہم زبان' ہم وطن' ہم نسب' ہم مشرب' ہم مذہب وغیرہ سب ہی قوم کہلاتے ہیں' مذاہب کے لحاظ سے مومن کافر کا ہم قوم نہیں کفار کو قوم کہہ کر پکارنا انہیں اپنی طرف مائل فرمانے کے لئے ہے کہ اگرچہ تم مجھ سے دشمنی کرو مگر میں

تو تم کونسی یا ملکی زبانی قوم ہی کہہ کر پکاروں گا اعملوا میں عمل سے مراد شرک کفرید کاریاں گناہ وغیرہ ہیں اور یہ حکم نہ تو اجازت دینے کے لئے ہے نہ واجب کرنے کے لئے بلکہ اظہار بیزاری فرما کر روکنے کے لئے ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے من شاء فلیکفر جیسے مہربان باپ نالائق بیٹے سے بطور غضب کہے کہ خوب بدمعاشیاں کئے جا ہماری قراءت میں مکانۃ واحد ہے بعض قراتوں میں مکانات جمع ہے مکانۃ مصدر ہے اور مصدر اگرچہ ہمیشہ واحد ہی آتا ہے مگر بعض حالات میں جمع بھی آجاتا ہے (کبیر) اس کا فعل مکن ممکن ہے تمکین اور مکانۃ دونوں مصدر ہیں معنی قوت و قدرت یا معنی حالت ہے یا ظرف ہے کان یکون کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسی توجیہہ سے ترجمہ فرمایا ہے یعنی اپنی قدرت و قوت بھر کفرو گناہ کئے جاؤ کمی نہ کرو یا اپنی حالت پر کفر کئے جاؤ یا اپنی جگہ کفر کئے جاؤ (کبیر) انی عامل اس فرمان عالی میں ان کے عمل کے مقابل کا ذکر ہے یعنی میں اپنی قدرت بھر یا اپنی حالت پر یا اپنی جگہ ایمان و نیک اعمال کئے جاؤں گا اگر عمل سے مراد تبلیغ نبوت ہے تو انی اپنے معنی پر ہے اور اگر اس سے مراد ایمان و تقویٰ ہے تو یہ فرمان اپنے سارے غلاموں کی طرف سے ہے یعنی میں اور میرے یہ غلام اپنی حالتوں پر عمل کئے جائیں گے تم اپنی روش نہیں بدلتے ہم اپنی روش کیوں بدلیں فسوف تعلمون یہ فرمان عالی گذشتہ فرمان کو واضح فرما رہا ہے کہ وہ غضب کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ گناہوں کی اجازت کے لئے سوف فرما کر یہ بتایا کہ تمہارا جان لینا عنقریب ہی ہے مرتے ہی جان جاؤ گے جاننے سے مراد مشاہدہ کا جاننا ہے یعنی تم آنکھوں دیکھ لو گے جو ابھی بیان ہے وہ عنقریب عیاں ہو جائے گا من تکون لہ عاقبۃ الدار یہ عبارت تعلمون کا مفعول ہے من سے مراد سارے انسان ہیں کافر ہوں یا مومن اور من استفہامیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ من موصولہ ہو اور اس سے مراد مومنین ہوں عاقبۃ مصدر ہے جیسے عافیت۔ لہ میں لام نفع کا ہے دار سے مراد دنیا ہے یعنی تم جان لو گے کہ دنیا کا انجام کس کے لئے مفید ہو گا دیکھتی ہے جس سے بولیا اس کے لئے انجام اچھا ہوا جو غافل رہا اس کے لئے انجام برا ہوا (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار سے مراد آخرت ہے اور عاقبت سے مراد ہے اچھا انجام (جلالین) بہرحال مقصد ایک ہے ہی۔ خیال رہے کہ کافروں کے لئے دنیا و آخرت دونوں وبال ہیں لہذا ان کے لئے عاقبۃ الدار درست ہے اور مومنوں کے لئے دنیا و آخرت دونوں ہی رحمت ہیں وہ دنیا میں کماتا ہے آخرت میں نفع اٹھاتا ہے لام نفع کے لئے آتا ہے اور علیٰ نقصان و ضرر کے لئے انہ لا یفلح الظالمون یہ فرمان عالی گذشتہ اجمال کی تفصیل ہے وہاں تو فرمایا تھا تم جان لو گے کہ اچھا انجام کس کا ہو گا اب صراحۃً فرمایا کہ مومنوں کا ہو گا کیونکہ تم کافر ہو اپنے پر ظالم ہو ظالم تو کبھی کامیاب ہوتے نہیں تو تم کامیاب کیونکر ہو سکتے ہو' ببول بو کر آم کیسے کھا سکتے ہو تخم خار سے خار پیدا ہوتے ہیں تخم بار سے بار یعنی پھل۔ خیال رہے کہ ظلم کے بہت معنی ہیں کسی کا حق مارنا کسی کی چیز بغیر اس کی اجازت استعمال کرنا کسی کو بلا قصور سزا دینا مگر قرآن مجید میں اکثر ظالم معنی کافر آتا ہے یعنی بڑا ظالم ان الشرک لظلم عظیم روح المعانی نے فرمایا کہ اس میں اشارۃً ارشاد ہے کہ معمولی ظلم کرنے والا یعنی چھوٹا ظالم بھی پورا کامیاب نہیں ہوتا تم تو بڑے ظالم یعنی کافر و مشرک ہو تم کیسے کامیاب ہو سکتے ہو اس لئے بجائے کافرون کے ظالمون ارشاد ہوا یہ نکتہ بہت اچھا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ پہلی آیت کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو جن دنیاوی رحمتوں کا فتوحات ممالک کا تمہاری سربلندی وغیرہ اور اخروی ثوابات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ قرآن مجید میں یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب یا کشف یا الہام سے

وہ تمام کے تمام عنقریب آنے والے ہیں وہ تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے ان کا پورا نہ ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے رب تعالیٰ کا شریک ہونا ان وعدوں میں زیادتی تو ہو سکتی ہے کمی نہیں ہو سکتی پھر ان وعدوں کی طرف تم نہیں جا رہے ہو تم تو محبوب کے قدموں سے وابستہ رہو وہ تمام وعدے خود تمہارے پاس ہی پہنچ جائیں گے اس دروازہ پر تم کو سب کچھ مل جائے گا۔

سگ درگاہ احمد شو کہ یابی صد وقار اینجا زر اینجا دولت اینجا عزت اینجا افتخار اینجا

اور اے کافرو تم سے جو وعیدیں کی گئی ہیں تم ان سے بچ نہیں سکتے ضرور اپنے کیے کی سزا کو پہنچو گے اگر ہم ہی کچھ تخفیف کریں تو ہماری مرضی' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے بطور اظہار بیزاری فرما دو کہ تم باز نہیں آتے تو اچھا اپنی اسی حالت پر اپنے کام کیے جاؤ اپنی حرکتوں میں مشغول رہو۔ ہم اپنے طور پر اپنے عمل کیے جائیں گے۔ آگے چل کر تم خود ہی دیکھ کر جان لو گے کہ انجام کس کے حق میں ہوتا ہے اور کس کے خلاف ہمارے یا تمہارے۔ تم لوگ اول درجہ کے ظالم ہو کہ تم نے اپنی جان' اپنی اولاد' اپنے ماتحتوں پر ہر طرح کے ظلم کیے اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ کامیابی عدل و انصاف اور اللہ رسول کی اطاعت میں ہی ہے خیال رہے کہ یہ بیزاری ایسی ہے جیسے سمندر میں جہاز جا رہا ہو' مسافر کپتان کو تنگ کریں کپتان تنگ آکر کہہ دے کہ تم مجھے پریشان کرتے ہو تو لو تم جہاز کو سنبھالو تم جانو تمہارا کام جانے میں الگ ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بیکسی میں صرف کپتان کا سہارا ہوتا ہے اگر وہ بیزار ہو کر جہاز کو چھوڑ دے تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے ہماری زندگی ایک جہاز ہے دنیا سمندر ہے ہم مسافر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم واحد کھیون ہار ہیں اگر یہاں یا قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی چھوڑ دیں تو پھر ہم کہاں جائیں پھر سہارا کون ہے خیال رکھو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے گنہگاروں سے بیزار نہیں ہوتے وہ سرکشوں غداروں سے بیزار ہوتے ہیں' ماں بچے کے پیشاب پاخانہ سے اسے نکال نہیں دیتی یہاں بیزاری کفار اور سرکشوں سے کی جا رہی ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا تعالیٰ کے وعدے پورے نہ ہونا یعنی خلف وعدہ نا "ناممکن ہے اس نے جس سے جو وعدے فرمائے یقیناً پورے ہوں گے یہ فائدہ لات سے حاصل ہوا اس کی بحث پہلے پارہ **ان اللہ علی کل شئی قدیر** میں اچھی طرح کی جا چکی ہے۔ یہ وعدے خواہ شخصی ہوں جیسے حضرت صدیق اکبر حضرات حسنین کریمین وغیرہم سے ہوئے یا نوعی طور پر جیسے تاقیامت متقی مومنوں سے کیے گئے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے وعدے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے تمام کے تمام یقینی طور پر پورے ہوں گے ان میں سے کسی کے پورے نہ ہونے کا امکان نہیں' بلکہ اللہ کے بعض محبوب اولیاء اللہ کے بندے جو وعدے کرتے ہیں رب وہ بھی پورے فرماتا ہے یہ فائدہ **ما توعدون** کے عموم سے حاصل ہوا' حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے مقبول بندے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرماتا ہے' قرآن و حدیث میں ایسے بہت وعدے مذکور ہیں کہ نبی یا ولی نے کیے اور رب تعالیٰ نے پورے فرمائے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اور نیک اعمال کی طرف تم جاؤ' اس کے ثواب تمہارے پاس آئیں گے دین و آخرت کی بھلائیاں تمہارے قدم چومیں گی یہ فائدہ لات سے حاصل ہوا کہ آنے کی نسبت ان وعدوں کی طرف فرمائی گئی۔ **چوتھا فائدہ:** رب تعالیٰ کی وعیدوں میں بالکل معافی بھی ہو سکتی ہے اور کمی بھی کہ یہ کرم خسروانہ ہے نہ کہ وعدہ خلافی ہے۔ یہ فائدہ **وما انتم**

معجزین سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **پانچواں فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ سزا کے دیر لگنے سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ اس سے بچنے کے لئے رب تعالیٰ کی اطاعت کرے وہاں زور نہ دکھائے زاری کرے یہ فائدہ بھی معجزین سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا دیگر مقاصد کے لئے بلکہ کبھی روکنے کے لئے بھی ارشاد ہوتا ہے' دیکھو یہاں کفار سے فرمایا گیا **اعملو اعلی مکانتکم** اپنی اسی حالت پر کفر و گناہ کئے جاؤ یہ حکم بیزاری ظاہر فرما کر روکنے کے لئے ہے نہ کہ کفر کرانے کے لئے۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے نیک اعمال کا اظہار ان کا اعلان کرنا جائز ہے کہ یہ بھی تبلیغ کی ایک قسم ہے تاکہ لوگ ہمارے اعمال دیکھ کر سن کر خود بھی اچھے اعمال کریں یہ فائدہ **انی عامل** سے حاصل ہوا اپنی بڑائی کے لئے ان کا اظہار برا ہے کہ یہ ریا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** ظالم کو سزا جلد نہیں ملتی اولاً ڈھیل ملتی ہے پھر اسے پکڑا جاتا ہے یہ فائدہ **تکون له عاقبة الدار** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ باطل کا شور زیادہ ہوتا ہے حقیقت کچھ نہیں حق کا زور زیادہ ہے مگر سکون کے ساتھ۔ **نواں فائدہ:** ہر کافر و مشرک ظالم ہے بلکہ اول نمبر ظالم۔ رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** یہ فائدہ **لا یفلح الظلمون** سے حاصل ہوا۔ کافر کا کھانا پینا جینا مرنا سب ظلم ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ جس کا تم سے وعدہ ہے وہ آنے والا ہے کیوں نہ فرمایا تم اسے پانے والے ہو۔ **جواب:** اس کا نفیس نکتہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مومن اللہ و رسول کا طالب ہے اور اس کے ثوابات رب کے رحم و کرم مومن کے طالب ہیں مومن ان کا مطلوب ہے مومن آخرت کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ جس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے شکاری جانور خود روزی کے پیچھے دوڑتے ہیں پالتو جانوروں کے پاس روزی خود پہنچتی ہے وہ مالک کے پیچھے ڈرتے ہیں لات فرمانا بہت ہی لطف دے رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں کفار سے فرمایا گیا **اعملو اعلی مکانتکم** تو کیا کفار کو کفر و بدکاریاں کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ **جواب:** یہ حکم اجازت یا وجوب کے لئے نہیں بلکہ روکنے کے لئے ہے بیزاری و نفرت کا حکم ممانعت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فسوف تعلمون** حالانکہ دنیا میں کفار کو ان کا انجام بتا دیا گیا ہے اس کے علم میں آچکا ہے پھر یہ کیوں فرمایا۔ **جواب:** جاننے کی بہت صورتیں ہیں سن کر جاننا' دیکھ کر جاننا آزما کر جاننا یہاں دیکھ کر جاننا مراد ہے وہ آئندہ ہی ہوگا۔ جب کہ جاننا کام نہ آئے گا لہٰذا آیت ظاہر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ ظالمین کامیاب نہیں ہوتے۔ ہر کافر ظالم نہیں۔ بعض کافر بڑے عدل و انصاف والے اور بعض مسلمان ظالم ہوتے ہیں جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے تو چاہئے کہ وہ مسلمان کامیاب نہ ہوں اور عادل مشرک کامیاب ہوں۔ **جواب:** ظلم کی حقیقت ہے کسی کا حق مارنا مسلمان ظالم واقعی کسی بندے کا حق مار لیتا ہے لیکن کافر تو اللہ تعالیٰ کا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کا بلکہ خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے لہٰذا وہی بڑا ظالم ہے اسی لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** یہاں ظالموں سے مراد بڑے ظالم یعنی مشرک و کافر ہیں کسی کو ستانے والے مسلمان ظالم ہیں مگر چھوٹے ظالم۔ اسی لئے قیامت میں بدلہ دلوا کر بخش دیئے جائیں گے مگر کافر کی بخشش نہیں یہاں کامیاب نہ ہونے سے مراد بخشش نہ ہونا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض بندے مولیٰ کے طالبین ہیں بعض هاربین بعض رب سے بھاگنے والے مگر ہیں دونوں مطلوبین طالبین مولیٰ اس کی رحمت کے اس کے کرم کے مطلوبین ہیں انہیں جنت وہاں کی نعمتیں ڈھونڈھ رہی ہیں اور هاربین مولیٰ اس

کے غضب و قہر دوزخ وغیرہ کے مطلوبین ہیں انہیں قہر دوزخ کی آگ ڈھونڈھ رہی ہے موت دونوں کو آئے گی مگر مومن کی موت دلہن بن کر کافر کی موت پولیس بن کر۔

جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی — جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

اس آیت میں اس فرق کا ذکر ہے کہ مومنوں کے متعلق فرمایا **ما توعدون لات** اور کفار کے لئے فرمایا **وما انتم بمعجزین** مومن موت کا استقبال کرتا ہے کافر موت سے چھپنا چھپنے کی کوشش کرتا ہے یہاں دونوں کے متعلق فرمایا گیا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ مولیٰ سے بھاگے جاؤ ہم اپنا کام کئے جائیں گے اس طرف بڑھے جائیں گے عمل دونوں کر رہے ہیں ان کے انجام کا ظہور بعد میں ہو گا۔

خیال اپنا اپنا مقام اپنا اپنا — کئے جاؤ اے خوارو کام اپنا اپنا!

جس قدر ان دونوں جماعتوں کی عمریں گزر رہی ہیں اسی قدر ان کے طالبین یعنی جنت یا دوزخ ان سے قریب آ رہے ہیں یہ قرب موت کے وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ فرشتے مومن کے لئے جنت کے ہار گلدستے لے کر آتے ہیں اور کافر کے لئے دوزخ کی زنجیریں وہاں کا ثاث لے کر اور قبروں میں تو یہ دونوں اپنے مقامات دیکھ بھی لیتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ
اور بنایا انہوں نے واسطے اللہ کے اس کھیتی میں سے جو پیدا فرمایا اور جانوروں میں ایک حصہ پس بولے یہ واسطے اللہ کے ہے
اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ان میں انہیں ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے
بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ
اپنے گمان میں اور یہ واسطے شریکوں کے ہے ہمارے پس وہ جو ہو واسطے شریکوں کے ان کے پس نہیں پہنچتا وہ طرف
ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا
وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
اللہ کے پس وہ پہنچ جاتا ہے طرف شریکوں کے انکے برا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ کفار
اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ وہ اچھے اور کرنے والے عقیدے اور اعمال اختیار نہیں کرتے اب ارشاد ہے کہ وہ لوگ میرے عقیدے اور میرے اعمال غلط رسم و رواج کے بڑے پابند ہیں گویا کفار عرب کی ایک برائی کے بعد دوسری برائی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی

آیات کریمہ میں کفار عرب کی بد عقیدگی کا ذکر تھا۔ اب ان کی بد عقلی بلکہ کا ذکر ہے کہ وہ ایسے کام کرتے ہیں جسے کوئی عقل درست نہیں سمجھ سکتی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بزاری ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا تھا کہ اے کافرو تم اپنی حالت پر کام کئے جاؤ۔ جس سے شاید کوئی دھوکہ کھاتا کہ انہیں ان کی بد عملیوں کی اجازت دیدی گئی۔ اب ان کے اعمال دکھا کر بتایا جا رہا ہے کہ کیا رب تعالیٰ ایسی حرکتوں کی اجازت دے سکتا ہے ہرگز نہیں گویا اس آیت سے **اعملو علی مکانتکم** کو واضح فرمایا گیا ہے کہ وہ حکم اجازت دینے کے لئے نہیں بلکہ روکنے کے لئے ہے۔

نزول: صدیوں سے کفار عرب کا دستور یہ تھا کہ ان کے کھیتوں باغوں میں جو پیداوار ہوتی یا ان کے اونٹ بکریاں جو بچے دیتیں۔ اس کے تین حصے کرتے تھے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا جو غریبوں' مسکینوں' مہمانوں اور دوسرے اچھے کاموں میں خرچ کرتے ایک حصہ بتوں کے نام کا جو بت خانوں وہاں کے پجاریوں' بتوں کے چڑھاووں پر خرچ کرتے باقی اپنے کام میں لاتے تھے پھر اگر اللہ کے حصہ والا کوئی جانور مرجاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے لیکن اگر بتوں کے حصہ والا جانور مرجاتا تو اللہ کے نام والے جانوروں میں سے نکال کر بتوں والے میں شامل کر دیتے اسے پورا کر دیتے یونہی اگر اللہ کے نام والے حصہ میں کچھ بتوں کے حصہ میں گر جاتا تو اسے رہنے دیتے لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ دانے یا پھل اللہ تعالیٰ کے حصہ میں پڑ جاتے تو اسے نکال لیتے کہتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اسے کمی کی پرواہ نہیں یونہی اللہ تعالیٰ کے حصے میں سے اعلیٰ مال نکال کر بتوں کے حصے میں داخل کر دیتے مگر بتوں والے حصے میں کچھ نہ نکالتے ان کا یہ دستور زمانہ دراز سے چلا آ رہا تھا اس آیت کریمہ نے اسی دستور کا ذکر فرمایا ہے یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت خداداد تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سالوں میں صدیوں کے برے رواج مٹا دیئے بگڑی قوم بنانا بہت ہی مشکل ہے۔

تفسیر: **وجعلوا لله مما ذرا من الحرث والانعام نصيبا** اس عبارت میں **جعلوا** ہے تو ماضی مگر اس سے ہمیشگی مراد ہے **جعل** کے معنی کر دینا مقرر کرنا ہیں یعنی یہ کفار ہمیشہ سے یہ کرتے چلے آئے ہیں **جعلوا** جمع فرما کر بتایا کہ یہ حماقت ایک دو کافر نہیں کرتے بلکہ سارے کفار کا یہ عمل ہے ان میں کوئی بھی ایسا عقل و سمجھ والا نہیں جو اس کام کی برائی معلوم کرے۔ **مما** میں **من** تبعیض کے لئے ہے۔ **ما** سے مراد دانے پھل' جانور سب ہی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **ذرا** بنا ہے **ذرء** سے بمعنی ظاہر ہونا اصطلاح میں بغیر مثال پیدا فرمانے کو ذرا کہتے ہیں یعنی ایجاد کرنا حرث سے مراد یہاں کھیتی و باغات سبھی ہیں کہ ان کا عمل ان سب کے متعلق یہ ہی تھا۔ انعام جمع نعم کی بمعنی چوپایہ نہ کہ نعمت کی۔ نعمت کی جمع نعماء آتی ہے۔ نصیب بنا ہے نصب سے بمعنی قائم کرنا یہاں اس مراد ہے قائم کیا ہوا حصہ۔ خیال رہے کہ یہاں **لله** میں لام نہ تو ملکیت کا ہے کیونکہ کفار بھی جانتے تھے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے نہ نفع کا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ اس حصہ سے اللہ تعالیٰ فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ یہ

لام نامزد کرنے کے لئے یعنی یہ کفار اپنی پیداوار اور جانوروں کی نسل میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر نامزد کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری ملک سے نکل گیا۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو گا جیسے آج اللہ کے نام پر خیرات یا اوقاف میں نیت کی جاتی ہے **فقالوا هذا لله بزعمهم** یہ عبارت **جعلوا لله** کی شرح اس کی تفسیر ہے۔ قول سے مراد یا دل میں نیت کر لینا ہے یا زبان سے بولنا بھی دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں زعم غلط گمان کو کہتے ہیں چونکہ وہ لوگ اس حصہ نکالنے پر ثواب کی امید رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ

ہمارے اس عمل سے رب تعالیٰ راضی ہے حالانکہ کافر کینہ خیرات قبول ہے نہ اور کوئی نیکی ثواب کا باعث۔ پہلے ایمان لاؤ پھر صدقہ و خیرات کرو اس لئے بزعمہم ارشاد ہوا آج اگر مسلمان اپنی پیداوار سے اللہ نام کا حصہ نکالے ضرور ثواب پائے گا۔ انشاء اللہ کیونکہ اس کی عقائد درست ہیں اس لئے کہ رب کا منشایہ ہے کہ نیکی کی جاوے مگر نبی کی تعلیم کی روشنی میں نبی سے منہ موڑ کر کوئی نیکی کرو۔ نجات نہیں ہو سکتی چونکہ وہ لوگ یہ نیکی اپنے گمان و عقل سے کرتے تھے نہ کہ نبی کی تعلیم سے اس لئے اس میں قبولیت کے پھل نہیں لگتے **وھذا لشر کاءنا** یہ کلام ان کے دوسرے حصہ کے متعلق ہے **ھذا** میں اشارہ اس کی طرف ہے یہاں بھی لام نامزد کر دینے کے لئے ہے۔ شرکاء جمع ہے شریک کی خواہ حصہ میں شریک یا نعوذ باللہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں شریک اس سے مراد ان کے بت اور جھوٹے معبود ہیں جیسے **لات و عزیٰ** وغیرہ یعنی یہ حصہ ہمارے بتوں کے نام کا ہے جو مندروں کی تعمیر و مرمت وہاں کے پجاریوں مہنتوں اور وہاں کی رسوم پر خرچ ہوگا۔ آج بھی مشرکین ہندبت خانوں پر بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں یہ وہی پرانی رسم ہے خیال رہے کہ ان کا یہ عمل واقعہ میں بھی مشرکانہ تھا اور ان کے عقیدے میں بھی اس لئے یہاں بزعمہم نہیں فرمایا مگر پہلا عمل۔ یعنی خدا کے نام پر کچھ حصہ آمدنی علیحدہ کرنا ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کا باعث تھا مگر واقعہ میں محض بیکار اس لئے وہاں ارشاد ہوا بزعمہم یہ فرق خیال میں رہے **فما کان لشرکا ہم فلا یصل الی اللہ** یہ فرمان عالی ان کے گزشتہ عمل کی تفصیل ہے لہٰذا ف تفصیلیہ ہے ما سے مراد ان کا بتوں کے نام پر نکالا ہوا حصہ ہے **الی اللہ** سے مراد ہے **الی حصۃ اللہ** اور نہ پہنچنے مراد یہ ہے کہ حصہ میں سے اللہ کے حصہ میں کچھ شامل نہ ہونا اور اس کے مصرف میں خرچ نہ ہونا یعنی جو حصہ یہ کفار بتوں کے لئے مقرر کرتے ہیں اس میں سے کچھ بھی کسی وجہ سے اللہ والے حصہ میں شامل نہیں ہوتا وہ بہر حال پورا ہی ہوتا ہے حتی کہ اگر بتوں والے حصے میں کچھ اللہ والے حصہ میں گر جاوے تو اسے فوراً نکال لیتے ہیں اور اگر اللہ کے حصہ کا جانور مر جاوے تو بتوں کے حصہ میں سے اسے نہیں پورا کرتے تاکہ بتوں کا حصہ کم نہ ہو جاوے۔ **وما کان للہ فھو یصل الی شرکاءہم** یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے لہٰذا واؤ عاطفہ ہے اس کی باقی ترکیب وہی ہے جو ابھی پہلے جملہ میں عرض کی گئی یعنی اگر کسی وجہ سے ان کے بتوں کے نام والا حصہ کم ہو جاوے مثلاً اس میں سے کچھ غلہ اللہ والے حصے میں گر جاوے یا بتوں والے حصہ کا کوئی جانور مر جاوے تو فوراً اللہ والے حصہ میں سے نکال کر اسے پورا کر دیتے ہیں اور اسے مندروں پجاریوں میں خرچ کرتے ہیں **ساء ما یحکمون** یہ ان کی حماقت کا بیان ہے ساء برائی بیان کرنے کا فعل ہے ما موصوفہ یا موصولہ ہے اس مراد یا ان کا آخری عمل ہے یا گذشتہ تینوں عمل۔ **ما یحکمون** فاعل ہے ساء کا اور اس کا مخصوص بالذم **ھذا** پوشیدہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ **ساء** وہ نحوی فعل ذم نہیں کیونکہ اس کا فاعل لام والا معرفہ ہوتا ہے یا اس کی طرف مضاف یا ضمیر پوشیدہ ما موصولہ اس کا فاعل نہیں ہوتا لہٰذا یہاں مخصوص بالذم پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں (روح المعانی) یعنی ان کے فیصلے یا ان کا یہ آخری فیصلہ بہت برا ہے حتی کہ اسے کوئی عاقل بھی درست نہیں کہے گا۔

خلاصہ ء تفسیر: ان مشرکین کی حماقت تو دیکھو کہ یہ اپنے کھیت و باغ کی پیداوار میں سے اسی طرح اپنے جانوروں کے بچوں میں سے دو طرح کے حصے نکالتے ہیں ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے جسے وہ اپنے گمان فاسد میں۔ قرب الٰہی اور اس کے ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے ایمان بغیر اعمال کا ثواب کیسا اسے تو یہ لوگ مہمان نوازی غربا پروری مساکین کی حاجت

روائی مقروضوں کے قرض ادا کرنے میں خرچ کرتے ہیں یہ سارے کام واقعی بہت اچھے ہیں مگر چونکہ وہ لوگ یہ کام اچھے طریقہ سے نہیں کرتے اس لئے وہ قبول نہیں ہوتے ان کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے ہیں جسے وہ بت خانوں کی تعمیر یا مرمت وہاں کے مہنتوں کی خدمت، بتوں پر چڑھاووں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں یہ ہی ان کی اول درجہ کی حماقت ہے کہ یہ کام واقعہ میں برے ہیں۔ دوزخ کا ذریعہ ہیں مگر یہ لوگ انہیں اچھا اور ذریعہ نجات سمجھے ہوئے ہیں اس پر دوسری حماقت یہ کرتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے بتوں کا حصہ کم ہو جاوے کہ اس کا کوئی جانور مر جاوے یا دانہ وغیرہ چوری ہو جاوے یا اللہ کے حصہ سے مل جاوے تو اللہ والے حصے میں سے نکال کا اس حصہ کی کمی پوری کر دیتے ہیں لیکن اگر اللہ والے حصے میں کسی مذکورہ وجوں سے کمی ہو جاوے تو بتوں والے حصہ میں سے نہ تو کچھ نکالتے ہیں نہ یہ کمی پوری کرتے ہیں۔ سوچو تو ان کا یہ عمل کیسا ہی برا ہے عقل کے بھی خلاف ہے نقل کے بھی خلاف۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام کی تعلیم چھوڑ کر نبی سے الگ رہ کر کسی جمہوریت کسی اجماع کسی اتفاق کا اعتبار نہیں یہ فائدہ جعلوا کی جمع فرمانے سے حاصل ہوا سارے کفار عرب اس مذکورہ عمل پر متفق تھے ان اعمال میں سے بعض کام اچھے بھی تھے مگر ان میں قبولیت کے پھل نہ لگے اس لئے کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی عقل سے تھے نبی کی تعلیم سے نہ تھے اگرچہ سارے کفار اس پر متفق تھے اس سے آج کل کے جمہوریت نواز عبرت پکڑیں۔ دوسرا فائدہ: کفار کے صدقہ خیرات باعث ثواب یا باعث نجات نہیں اگرچہ اللہ کے نام پر ہوں اور وہ اچھی جگہ ہی خرچ کئے جاویں یہ فائدہ بزعمہم سے حاصل ہوا سارے اعمال پر ایمان مقدم ہے یہ ہی حال ان کے سارے نیک اعمال کا ہے۔

نوٹ ضروری: ہاں کفار کی نیکیوں کی وجہ سے ان کا عذاب ہلکا کر دیا جاوے گا جیسا کہ حاتم طائی نوشیرواں وغیرہم کے متعلق آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو طالب کو دوزخ میں نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے جھیرے میں میری خدمت کی وجہ سے بخاری شریف کتاب الرضاع کے شروع میں ہے کہ ابولہب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تو اسے دوزخ میں کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے (بخاری) مگر دوزخ سے نجات یا جنت کا ثواب انہیں نہیں ملتا۔ تیسرا فائدہ: کفار کے اوقاف اور اس کی شرائط شرعاً معتبر نہیں۔ اگرچہ وہ کسی مسجد یا خانقاہ پر ہی وقف کر دیں یہ فائدہ بھی بزعمہم سے حاصل ہوا وقف للہ کرنا عبادت ہے اور عبادت کے لئے ایمان شرط ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر مسجد یا خانقاہ بنانا چاہے تو وہ یہ رقم مسلمان کی ملک کر دے پھر مسلمان اس رقم سے مسجد یا خانقاہ بنا دے درست ہوگا کہ اب واقف کافر نہیں مسلمان ہے بلکہ اگر کافر مسجد بنا کر بھی اسے کسی مسلمان کی ملک کر دے مسلمان وقف کر دے تو درست ہے۔ مسئلہ کافر کا ہدیہ ،تحفہ ،نذرانہ مسلمان لے سکتا ہے جبکہ اس کا اثر مسلمان کے ایمان پر نہ پڑے کیونکہ یہ عبادت نہیں بلکہ معاملہ ہے معاملات جائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے ہیں۔ بلقیس کے ہدیے کا جواب انشاء اللہ اعتراض و جوابات میں دیا جاوے گا۔ مسئلہ: اگر امیر کافر فقیر مسلمان کو صدقہ دے اس کا قرض ادا کرے یا قرضہ معاف کرے تو مسلمان اسے قبول کر سکتا ہے کہ وہ ہدیہ بن کر اس کے پاس پہنچے گا۔ مسلمان فقراء کو کفار سے بھیک مانگنا حرام ہے کہ اس میں مسلمانوں کی توہین۔ مسئلہ: کفار کے اپنے اوقاف مندروں گرجاؤں پر جو ہوں انہیں حاکم

اسلام جاری رکھے گا۔ باطل نہ کرے گا۔ کیونکہ ہم کو حکم ہے کہ کفار کی رسوم بند نہ کریں ان کے بت خانہ نہ توڑیں ان کی بت پرستی، شراب خوری، سور کھانا وغیرہ بند نہ کریں انہیں مذہبی آزادی حد میں رہ کر دی جاوے گی دیکھو اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے ان کی حماقت کا تو ذکر فرمایا مگر اس کے بعد بھی ان چیزوں کے بند کر دیئے کفار کو ان سے روک دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر نہیں۔ مسئلہ: کفار کے بتوں پر چڑھاوے نقدی وغیرہ مسلمان کے لئے حلال ہیں یوں ہی ان کے اوقاف سے مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں دیکھو اس آیت کریمہ میں ان کے اللہ کے نام پر حصہ نکالے ہوئے یا بتوں کے نام پر حصہ نکالے ہوئے کو حرام نہیں فرمایا گیا بلکہ صرف ان کے حماقت ہی کا ذکر فرمایا کہ فرمایا **ساء ما یحکمون** ان کے یہ عمل برے ہیں وہ چیزیں بری نہیں لہٰذا کفار کے ہسپتالوں میں مسلمان علاج کرا سکتے ہیں اگرچہ وہ ہسپتال بتوں کے نام پر ہی ہوں ان کے اسکولوں میں مسلمان تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ان کے پیاؤ سے پانی پی سکتے ہیں اگرچہ وہ پیاؤ (سبیل) بتوں کے نام پر ہو حتی کہ ان کے معبود گنگا کا پانی پینا درست ہے ان کا معبود گائے کھانا حلال ہے یہ تمام مسائل اس آیت سے حاصل ہوتے ہیں یوں ہی ان کے سانڈ بچار بیل بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حلال ہیں حرام نہیں اگر مسلمان انہیں اللہ کے نام پر ذبح کرے تو کھایا جا سکتا ہے اگر وہ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں یا کسی جگہ سے ہندو یہ چیزیں چھوڑ کر چلے جاویں تو مسلمان انہیں کھا سکتے ہیں۔ مسئلہ: اگر کافر مسلمانوں کی مسجد کی مرمت وغیرہ کر دیں تو درست ہے اس تعمیر یا مرمت کو مٹایا نہ جاوے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے بنائے ہوئے کعبہ کا طواف کیا اسے باقی رکھا حالانکہ بتادیا کہ ان لوگوں نے تعمیر خلیل میں خلل ڈال دیا کہ کعبہ چھوٹا کر دیا حطیم نکال دی دروازہ اونچا کر دیا۔ دو دروازوں کا ایک ہی رکھا مگر اسے تبدیل نہ کیا۔ حضور دا تا گنج بخش ہجویری کے روضہ مطہرہ کے دروازوں پر بعض کفار نے خرچ کیا ہے وہ باقی رکھے گئے۔ مسئلہ: اگر کافر مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کی اس کے نیک اعمال صدقات و خیرات سب قبول ہو جائیں گے۔ اور اس زمانہ کے گناہ سارے معاف ہو جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ مسئلہ بھی بزعمہم سے اشارۃً حاصل ہوتا ہے۔ مسئلہ: اگر کافر کوئی چیز بتوں کے نام پر رکھے پھر مسلمان ہو کر وہی چیز اللہ کے نام پر کر دے تو جائز ہے کسی ہندو نے اپنی گائے بتوں کے نام پر پالی پھر مسلمان ہو گیا اور اس گائے کی قربانی یا عقیقہ یا صدقہ کر دیا تو حلال ہے یہ فائدہ اشارۃً **فلا یصل الی اللہ** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: اگر کسی علاقہ کی سارے کافر مسلمان ہو جاویں اور اپنے مندر گرجے کو مسجد بنالیں تو درست ہے۔ چنانچہ ایک قوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئی پھر بولی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو اپنے وضو کا بقیہ پانی عطا فرما دیں ہم اپنے عبادت خانہ کو مسجد بنائیں گے اس کے فرش پر یہ پانی چھڑکیں گے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو راستہ میں پیتے بھی رہنا اس میں اور پانی ملاتے رہنا یہ فائدہ بھی اسی آیت سے حاصل ہوا۔ سلطان اسلام کفار کے عبادت خانے نہ ڈھائے نہ انہیں مسجدوں میں تبدیل کرے۔

پہلا اعتراض: آج کل مسلمان اپنی آمدنی یا پیداوار یا جانوروں میں کچھ حصہ گیارھویں شریف یا کسی بزرگ کے لئے نکالتے ہیں یہ عمل حرام ہے اور وہ چیز بھی حرام ہے یہ وہی طریقہ ہے۔ جو کفار عرب کرتے تھے۔ جس کی یہاں پر زور تردید کی گئی ہے وہ لوگ کچھ حصہ اللہ کے لئے نکالتے تھے کچھ بتوں کے لئے یہ مسلمان کچھ اللہ کے لئے نکالتے ہیں کچھ غوث پاک یا خواجہ اجمیری کے لئے دونوں عمل یکساں ہیں۔ جواب: مسلمانوں کے سارے صدقات خواہ اللہ کے نام کے ہوں خواہ گیارھویں کے سب اللہ

تعالیٰ کے لئے ہوتے ہیں خیرات اللہ کے لئے ہے اسی خیرات کا ثواب ان بزرگوں کی روح کو ہے اس کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن مجید سے ہے۔ حضرت سعد نے اپنی ماں کے نام پر کنواں کھدوایا اس کا نام رکھا بیر ام سعد قرآن کریم فرماتا ہے **ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوات الرسول** دیکھو صدقات میں دو نیتیں ہوئیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینا آج اگر کوئی شخص اپنے مال کا کچھ حصہ دینی مدرسہ کے لئے نکالے اپنے اوستاد کے نام کا نکالے تو درست ہے مسلمانوں کے اس عمل کو کفار بت پرستوں کی ان حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں دیکھو یہاں للہ اور لشرکائنا الگ الگ ارشاد ہوئے۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کفار کے ہدیے تحفے مسلمان قبول کر سکتا ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ یمن بلقیس کا ہدیہ قبول نہ فرمایا رد کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ہدیے مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ جواب: وہاں حضرت سلیمان کا قبول نہ فرمانا چند وجہ سے تھا۔ ایک یہ کہ وہ ہدیہ نہ تھا بلکہ رشوت تھی کہ آپ یہ ہدیہ قبول فرمالیں اور ہمارے ملک پر حملہ نہ کریں رشوت تو مسلمان سے بھی لینا حرام ہے چہ جائیکہ کفار سے دوسرے یہ کہ وہ ہدیہ نہ تھا بلکہ آپ کی نبوت کی پہچان تھی جو اس نے سوچی تھی کہ اگر آپ نے یہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ نبی نہیں بلکہ بادشاہ ہیں ہم نے ان سے دو دو ہاتھ کر لیں گے اور اگر قبول نہ کیا تو سچے نبی ہیں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس لئے آپ نے وہ ہدیہ قبول نہ فرمایا دیکھو قرآن مجید سورۂ نمل شریف کا یہی مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے بلکہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابو طالب کے ہاں کرائی اس قاعدے سے بہت مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کا ہدیہ قبول فرمایا تب وہ مسلمان ہوئے تیسرا جواب: رب تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی شکایت کیوں کی کہ وہ بتوں کا حصہ رب کے حصہ سے نہیں ملنے دیتے اور رب تعالیٰ کا حصہ بتوں کے حصہ میں داخل کر دیتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کا نقصان کیا تھا؟ جواب: یہ شکایت نہیں بلکہ ان کی حماقت کی حکایت ہے کہ ان بے وقوفوں کا یہ عمل تو شرک ہے اور اسی عمل کے بعد یہ تفریق بڑی حماقت ہے اس لئے ارشاد ہوا **ساء ما یحکمون** چوتھا اعتراض: آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ کافر کی اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی قبول نہیں مومن کی ادنیٰ نیکی بھی قبول ہے یہ تو رب نے مسلمانوں کی بے جا طرفداری کی ہے کافر ایک لاکھ روپیہ اچھی جگہ خرچ کرے تب بھی مردود ہے مسلمان ایک آنہ خرچ کرے تب بھی مقبول ہے (آریہ)۔ جواب: قانون قدرت یہ ہے کہ تخم مٹی میں بو دا سے کھاد پانی دو تب وہ پھلتا پھولتا ہے اگر کوئی شخص تخم بجائے کھاد کے اسے صندل کا برادہ دے ہرگز پھل نہ لگے گا بلکہ اگے گا ہی نہیں عمل تخم ہے شریعت اس کی زمین نبوت کا فیضان پانی ہے اخلاص اس کا کھاد کفار اپنے عمل کا تخم اپنی رائے سمجھ کی زمین میں بوتے ہیں۔ اس لئے اس میں قبولیت کا تخم نہیں لگتا۔ مومن کی کاشت درست ہوتی ہے اس لئے قبول ہوتا ہے۔ پانچواں اعتراض: جو چیز غیر خدا کے نام پر نامزد ہو جاوے اس کا استعمال کرنا حرام ہے جیسا کہ **ھذا لشرکائنا** سے معلوم ہوا۔ لہذا گیارھویں کے نام کا کھانا کپڑا وغیرہ سب حرام ہیں ان کا استعمال حرام۔ جواب: یہ قاعدہ غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ گنگا رام ہسپتال میں علاج کرانا حرام ہو۔ سیتا پور اور رام پور میں رہنا حرام ہو رام تیل استعمال کرنا حرام ہو یوں ہی سیتا پھل۔ کاشی پھل کھانا حرام ہو کہ ان سب کی نسبت بتوں کی طرف ہے صرف اس جانور کا کھانا حرام ہے جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس کا بھی صرف کھانا حرام ہو گا دیگر استعمال درست ورنہ پھر تو دیوبند میں رہنا دیوبند میں پڑھنا بھی حرام ہو گا کہ اس کی نسبت دیوبت کی طرف ہے۔ اس لئے

یہاں ارشاد ہوا ساء ما یحکمون ان کے یہ فیصلے غلط ہیں فیصلوں کو غلط فرمایا ان چیزوں کو حرام نہیں کیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنا مال 'کمال' احوال' وقت' سانسیں غرضیکہ سارے اشغال نفس اور دنیا کے لئے صرف کرتے ہیں یہ اول درجہ کے بے عقل ہیں کہ انہوں نے سونے کی ڈلیاں ٹھیکریوں کے عوض فروخت کیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو ان میں تقسیم کرتے ہیں کہ اتنی سانسیں اتنے کام اللہ کے لئے باقی دنیا کے لئے ان کا یہ عمل طریقت میں شرک خفی ہے نفس اور دنیا کو انہوں نے گویا شرکاء ٹھیرالیا تیسری وہ جماعت جو اپنے قال اور حال بلکہ اعمال سے کہتی ہے۔

دل ترا جان تری عاشق شیدا تیرا! سب تو تیرا ہے' ہے پھر کس لئے میرا تیرا

وہ کہتے ہیں ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین میں خود اپنے لئے نہیں ہوں میں اور میری ہر چیز اللہ رب العالمین کے لئے ہے ہمارے مشرب میں وہ ہی کامل موحد خالص بندے ہیں جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ سب اللہ کا ہو جاتا ہے تو رب فرماتا ہے کہ تیرا سب کچھ تو میرا ہو چکا اور میرا سب کچھ تیرا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ عالم کی ہر چیز پر اس کی حکومت قائم فرمادیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق! زیر پائش عرش و کرسی نہ فلک

اس کی تفسیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی پاک ہے اس آیت کریمہ میں اسی دوسرے گروہ کا ذکر ہے کہ جو اپنے اعمال کی کھیتوں کی پیداوار میں کچھ للہ کے لئے کچھ نفس۔ شیطان دنیا کے لئے مقرر کرتے ہیں پھر یہ لوگ اکثر نماز کے اوقات تو دنیا میں خرچ کر دیتے ہیں مگر دنیا کے اوقات دین کے لئے صرف نہیں کرتے جیسا کہ آج کل عموماً" دیکھا جا رہا ہے۔ کبھی اپنا سب کچھ رب کے حوالہ کر کے دیکھیں تو کیا لطف آتا ہے دیکھو رب اپنا سب کچھ تمہیں عطا فرماتا ہے یا نہیں ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

مرد مومن مالک خشک و تراست مرد مومن نائب پیغمبراست

مرد مومن را محمد ابتداست مرد مومن را محمد انتہاست

حضور غوث الثقلین کے اس ارشاد میں غور کرو۔

وما منہا شہور او دہور تمر و تنقضی الا اتالی!

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی ووقتی قبل قلبی قد صفالی!

اللہ تعالیٰ کے سارے شہر میرا ملک ہیں میرے قبضہ میں ہیں کوئی مہینہ یا زمانہ بغیر مجھ سے اجازت لئے نہیں گزرتا۔ جب جناب غوث نے اپنا سب کچھ رب کے حوالہ کر دیا رب نے اپنا سب کچھ انہیں عطا فرمادیا ہم نے ہوا سلیمان کے تابع فرمان کر دی۔ ہم نے لوہا داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْ

اور ایسے ہی آراستہ کر دیا واسطے بہت مشرکوں کے مار ڈالنا اولاد کا ان کی شریکوں نے ان کے

اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا کہ انہیں

دُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ‌ فَذَرۡهُمۡ وَمَا

تاکہ تباہ کریں ان کو اور تاکہ مخلوط کردیں او پر ان کے دین کو ان کے۔ اور اگر چاہتا اللہ تو نہیں کرتے وہ یہ کام

ہلاک کردیں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کردیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں

يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾

پس چھوڑ دو ان کو اور اس کو جو گھڑتے ہیں وہ

اور ان کے افتراء

تعلق: اس آیت کریمہ کو پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بد عملیوں کا ذکر تھا کہ وہ اپنے صدقہ و خیرات میں اس طرح کتربیونت کرتے ہیں اب ان کے معاملات کی خرابی کی ذکر ہے کہ وہ اپنی اولاد پر اس طرح ظلم کرتے ہیں گویا عبادات کی خرابیوں کے بعد ان کے معاملات کی خرابیوں کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ مشرکین اپنے شرکاء کے ایسے خیر خواہ ہیں کہ اللہ کے نام پر نکالے ہوئے مال میں سے شرکاء کے حصہ میں ملا دیتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ شرکاء ان کے ایسے بد خواہ ہیں کہ انہیں برے راستہ پر لگا دیتے ہیں ان کی اولاد کو ان کے ہاتھوں قتل کرا دیتے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار اپنے مال کے دو حصے کرتے ہیں۔ اللہ کے لئے اور بتوں کے لئے اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی اولاد کے بھی حصے کرتے ہیں بعض کو اپنے پاس رکھنے کے لئے بعض کو زندہ دفن کر دینے کے لئے ان کے غلط تقسیم مال اولاد سب جگہ جاری ہے اور دونوں صورتیں خلاف عقل ہیں۔

نزول: زمانہ جاہلیت میں نعمان ابن منذر نے عرب کے ایک قبیلہ پر ڈاکہ ڈالا اور ان کی عورتوں کو قید کر کے لے گیا ان قید شدہ عورتوں میں ایک عورت قیس ابن عاصم کی بیٹی تھی کچھ دنوں بعد ان ڈکیتی کرنے والوں اور اس قبیلہ میں اس پر صلح ہوئی کہ ان قیدیوں میں سے جو آزاد ہونا چاہے وہ آزاد ہو کر اپنے قبیلہ میں چلا جائے اور جو ان ڈاکوؤں کے ساتھ رہنا چاہے وہ وہاں ہی رہے ان تمام عورتوں نے آزادی چاہی مگر قیس ابن عاصم کو بیٹی نے کہا کہ میں تو نعمان کے ساتھ ہی رہوں گی۔ جس پر قیس نے قسم کھا لی کہ آئندہ میرے جو لڑکی ہوگی اسے زندہ ہی دفن کر دیا کروں گا کہ لڑکی نے میری ناک کٹوا دی یہ تو اس حرکت کی ابتدا ہوئی اس کے بعد وہاں یہ رسم پڑ گئی کہ سرداران عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے لگے کوئی تو اپنی غریبی کی وجہ سے کوئی اپنی بڑائی کی بنا پر کہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے یہ رواج ایسا پڑا کہ بعض عرب کبھی کسی حاجت میں اپنی اولاد کی ذبح نذر مان لیتے اور حاجت پوری ہو جانے پر ذبح کر دیتے (روح البیان) حتی کہ عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ خدایا اگر مجھے دس یا بارہ بیٹے دے تو میں آخری بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ کی پیدائش پر یہ تعداد پوری ہوئی آپ نے کسی دینی سردار سے پوچھا کہ کیا میں عبد اللہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دوں اس نے کہا کہ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے ناموں پر قرعہ ڈالو اگر اونٹوں کا نام نکل آوے تو انہیں ذبح کر دو اگر عبد اللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا کر پھر قرعہ ڈالو اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہو جب تک کہ اونٹوں پر قرعہ نہ نکل آوے عبد المطلب نے یوں ہی کیا ہر دفعہ میں جناب عبد اللہ کا نام قرعہ میں نکلتا تھا۔ حتی کہ سو اونٹ جب

پورے ہو گئے تو اونٹوں کا نام نکلا پھر کئی بار قرعہ ڈالا ہر بار میں اونٹوں کا نام نکلا تب جناب عبد المطلب نے سو اونٹ ذبح کئے جناب عبد اللہ کی جان بچی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا ابن الذ بیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں یعنی ایک اسماعیل علیہ السلام دوسرے جناب عبد اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اس آیت کریمہ میں اہل عرب کی اس حرکت کا ذکر ہے اور اسی عمل کی پر زور تردید ہے (خازن معانی وغیرہ) یہ واقعہ تفسیر روح البیان نے کسی قدر فرق کے ساتھ بہت تفصیل سے یہاں ہی بیان فرمایا۔

تفسیر: **و کذلک زین** یہ نیا جملہ **ذالک** سے اس مذکورہ بالا عمل کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسے یہ لوگ اپنا مال بتوں کے نام پر لگا کر برباد کرتے ہیں کہ اس میں مال کی بربادی اور گناہ بلکہ کفر دونوں کا وبال ان پر پڑتا ہے اور یہ سب کچھ ابلیس یا ان کے سرداروں کے بہکانے سے ہے یوں ہی ان کا یہ حال بھی ہے کہ اپنی اولاد کو بھی اپنے ہاتھوں ہلاک کرتے ہیں **زین** بنا ہے **تزئین** سے جس کا مادہ زینت ہے معنی آرائش خوبصورتی زین آراستہ کر دیا اچھا کر کے دکھا دیا آرائش دو طرح کی ہوتی ہے سچی اور جھوٹی آرائش دھوکہ اور فریب ہے۔ خراب لکڑی پر پالش پیتل پر سونے کے پانی کی پالش دھوکے کا باعث ہے۔ نفس 'شیطان' برے ساتھی جھوٹی آرائش کر کے برے کاموں کو اچھا کر کے دکھاتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے سچی آرائش وہ ہے جو اللہ رسول کی طرف سے ہو **لکثیر من المشرکین** چونکہ لڑکیوں کا قتل سارے مشرک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض سردار دفع عار کے لئے اور بعض غریب لوگ اپنی غریبی کی وجہ سے بعض لوگ جھوٹی نذر مان کر اس لئے یہاں **کثیر** ارشاد ہوا نیز یہ عمل عرب کے اہل کتاب کا نہ تھا بلکہ مشرکین عرب کا تھا ان کی دیکھا دیکھی بعض موحدین نے بھی کرنا شروع کر دیا تھا اس لئے **لکثیر** بھی ارشاد ہوا اور **من المشرکین** بھی **قتل اولادھم شرکاءھم** قتل اولاد **زین** کا مفعول ہے اور **شرکاءھم** اس کا فاعل قتل سے مراد مار ڈالنا ہے خواہ زندہ دفن کر کے یا زندہ کو کنوئیں میں دھکیل کر یا چھری سے ذبح کر کے چونکہ بعض عرب اپنے لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے اپنی غریبی کو ہٹا پر بلکہ بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے کہ جوان ہونے پر ان پر اچھی خاصی رقم لے کر ان کا نکاح کریں گے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے کہ ہم کو ان کے نکاح کریں گے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے کہ ہم کو ان کے نکاح سے آمدنی نہ ہوگی اس لئے یہاں **اولادھم** فرمایا گیا بناتھم نہ فرمایا۔ شرکاء سے مراد ان کے کاہن سرداران قبیلہ یا بت خانوں کے مجاورین مہنت وغیرہ ہیں چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اس لئے انہیں شرکاء فرمایا گیا (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ شرکاء سے مراد جنات ہیں جو ان کے کاہنوں کے کان میں ایسے واہیات اعمال پھونکتے تھے وہ کاہن لوگوں کو یہ سب کچھ سکھاتے تھے۔ خیال رہے کہ یہاں مفعول قتل کو مقدم فاعل یعنی شرکاء پر تاکہ حصر کے معنی حاصل ہوں یعنی یہ قتل ان کے شرکاء ہی نے سکھایا یہ حرکت کرانے والے وہ ہی ہیں۔ ان کے نفس بھی اس کام کی رغبت انہیں نہیں دیتے کیونکہ نفس انسانی بھی اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے اسے اپنے ہاتھوں ہلاک نہیں کرتی۔ شیر چیتے وغیرہ خونخوار جانور بھی اپنے بچوں کو نہیں مارتے بلکہ ان کی حفاظت کرتے ہیں ان لوگوں کا یہ عمل نفس حیوانی کے تقاضے کے بھی خلاف ہے **لیردوھم** یہ عبادت زین کے متعلق ہے اس کی وجہ بیان فرما رہی ہے ہو دو بنا ہے **ارداء** سے جس کا مادہ **ردہ** معنی غار میں گرانا یا بلندی سے دھکیلنا یا ہلاک کر دینا ہے اسی سے ہے ردنہ وہ جانور جو چھت سے یا غار میں گر کر ہلاک ہو جاوے اسی سے ہے متردیہ بلندی سے گر کر ہلاک شدہ جانور رب فرماتا ہے **وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی** اور فرماتا ہے۔ **ان کدت**

لیردوہم کا فاعل وہی شیاطین شرکاء ہی ہیں اور ھم کا مرجع یہ حرکتیں کرنے والے کفار، ہلاکت میں دو احتمال ہیں اس سے مراد یا تو اخروی ہلاکت ہے یعنی سخت اور ناقابل معافی گناہ کیونکہ بے زبان بچوں پر ظلم بلکہ بے زبان جانوروں پر ظلم بدترین جرم ہے۔ جس کی معافی مشکل بلکہ قریبا" ناممکن ہی یا اس سے دنیاوی ہلاکت مراد ہے کیونکہ اپنے بچوں کا قتل اپنی نسل کو ختم کر دینا ہے اس لئے کہ نسل تو اولاد سے چلتی ہے جب اولاد ہی ذبح کر دی گئی تو نسل کیسے چلے اس سے قوم کو ہلاکت و بربادی ہے یا چونکہ یہ لوگ اپنے اس عمل سے اخلاقی بلندی سے گر کر انتہا درجہ کی بربریت دہشت کے غار میں گر گئے تھے اور یہ عمل ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث تھا اس لئے فرمایا لیردوا ہم، ولیلبسوا علیہم دینہم یہ عبارت معطوف ہے لیردوا ہم پر اگر ان دونوں کا فاعل شیطان ہے تو لام علت اور وجہ کا ہے کیونکہ شیطان انسیں ہو یہ ہوں سے ان سے یہ کام کراتا ہے اور اگر ان کا فاعل بت خانوں کے پجاری و مہنت ہیں تو لام عاقبت و انجام بیان کرنے کے لئے ہے یلبسو بنا ہے لبس سے بمعنی خلط ملط کرنا اسی سے ہے التباس علیہم کا مرجع وہی کفار قریش ہیں دینہم میں دین سے مراد وہ دین ابراہیمی ہے جس پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور جسے انہوں نے بگاڑ دیا تھا۔ شرک و کفر اسمیں شامل کر دیا تھا۔ شاید وہ یہ کہتے ہوں کہ فرزند کا ذبح کرنا سنت ابراہیمی ہے کہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح فرمایا تھا ہم بھی کریں مگر وہ بےوقوف یہ نہ سمجھے کہ وہاں ذبح فرمانا بطور امتحان تھا وہ رب کے خدا میں تھے پھر بھی ذبح واقعہ بھی نہیں ہوا اور ان کا ذبح کرنا شیطانی کام تھا وہ شیطانی اور رحمانی کام میں فرق نہیں کرتے تھے یہ ہے دین ابراہیمی میں مشتبہ واقع کرنا یا دین سے مراد وہ دین ہے جس پر انہیں ہونا چاہیے مگر انہوں نے اسے چھوڑ دیا یعنی قتل اولاد شرکاء نے انہیں اس لئے اچھا کر کے دکھایا تاکہ ان کا اصل دین مشتبہ ہو جاوے وہ ان حرکتوں کو دین ابراہیمی سمجھنے لگیں ولو شاء اللہ ما فعلوہ اس فرمان عالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین بھی ہے اور ایک بڑے شبہ کا جواب بھی یہاں شاء بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی محبت و پسندیدگی یعنی اے محبوب آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے۔ اس وجہ سے یہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے اور کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ تو ان کفار کی ہدایت چاہتا ہے اور شرکاء انہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ گمراہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طاقت سے شریکوں کی طاقت زیادہ ہوئی کہ خدا کا چاہا نہ ہوا شریکوں کا چاہا ہو گیا ان دونوں کے متعلق ایک عبارت فرما دی کہ یہ سب کچھ ہمارے ارادہ سے ہو رہا ہے اگر ہم یہ ارادہ نہ کرتے تو یہ لوگ کچھ نہ کرتے یہ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے تحت ہو رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقا" نہیں ہو رہا بلکہ ہمارے بنائے ہوئے پروگرام کے تحت ہو رہا ہے اور یہ پروگرام محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھانے کو ہو رہا ہے کہ تاقیامت دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت و قدرت کا نظارہ کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسوں کو سیدھا کیا بلکہ ان ہی میں سے صدیق و فاروق بنائے اور یہ کہ جسے جو ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ملتا ہے رب نے ان کو سیدھا کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے فذرہم و ما یفترون یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی جزاء ہے کہ جب واقعہ یہ تو آپ انہیں اور ان کے جھوٹے عقیدوں برے عملوں پر رنج و غم کرنا چھوڑ دو ان کا خیال دل سے نکال دو اس کے معنی سے یہ فرمان عالی محکم ہے منسوخ نہیں۔ یا اے محبوب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو جو کرتے ہیں انہیں کرنے دو اس صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کہ اسلام کی قوت کے بعد مشرکین کو قتل اولاد سے جبراً روک دیا گیا۔ اب کوئی مشرک اپنے بچہ کو اسلامی حکومت میں قتل نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو اس کی سخت سزا پائے گا۔ دیکھو ہندوؤں کا رواج ستی ہونا یعنی خاوند کی لاش کے ساتھ بیوی کا زندہ جلنا قانون میں

ممنوع ہے یا یہ مطلب ہے کہ اے مسلمان تو کفار اور کفار کے اعمال کو چھوڑ دے تو ان جیسی حرکتیں نہ کرنا کفار سے میل جول نہ رکھنا اس صورت میں یہ خطاب مسلمان سے ہے تب یہ فرمان محکم ہے منسوخ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: جیسے کفار عرب کے سرداروں نے انہیں ان کا مال برباد کرنا سکھایا کہ ان کی گاڑھی کمائی کا مال ان سے بتوں کے نام پر خرچ کرایا اسی طرح ان سرداروں نے ان کے دلوں میں یہ بات جما دی کہ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں ہلاک کر دینا بڑی عزت و فخر کی بات ہے چنانچہ بہت سے مشرکین عرب اپنے بچوں کو لڑکیوں کو بہت سے لوگ اور لڑکوں کو بعض لوگ اپنے ہاتھوں مختلف طریقوں سے ہلاک کرنے لگے ان سرداروں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ انہیں انسانیت کی بلندی سے اخلاقی پستی کے غار میں ڈال دیں ان سے وہ کام کرائیں جو جانور خونخوار درندے بھی نہیں کرتے یعنی اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کو ہلاک کرنا اور اس لئے کیا کہ ان پر کے اپنے دین یعنی دین ابراہیمی کو مشتبہ کر دیں کہ وہ سمجھیں کہ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرنا ملت ابراہیمی کا مسئلہ ہے اے محبوب آپ یہ نہ خیال فرمادیں کہ یہ کام ارادۂ الٰہی کے خلاف ہو رہا ہے نہیں اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ حرکت کبھی نہ کرتے لہٰذا آپ ان کی ان حرکتوں پر غم نہ کریں اس کی پرواہ نہ کریں انہیں اور ان کے اعمال کو چھوڑیں بے پرواہ ہو جائیں۔

حکایت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر ایمان لایا وہاں ہی رہنے سہنے لگا مگر ہمیشہ غمگین رہتا تھا ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس غمگینی کی وجہ پوچھی وہ بولا کہ اپنی سنگدلی اور اپنی بے گناہ بچی کی یاد سے غمگین رہتا ہوں فرمایا کیا واقعہ ہے وہ بولا کہ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج تھا میں نے اپنی کئی لڑکیاں زندہ گاڑھی تھیں ایک لڑکی کے متعلق میری بیوی نے سفارش کی کہ اسے زندہ رہنے دے میں مان گیا وہ جوان ہو گئی پیغام نکاح آنے لگے مجھ پر جھوٹی عزت و غیرت کا بھوت سوار ہوا کہ اب کوئی میرا داماد بنے گا۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس لڑکی کو اپنے قرابت داروں سے ملاقات کے لئے فلاں جگہ لے جانا چاہتا ہوں وہ خوش ہوئی اسے کپڑے زیور پہنا کر میرے حوالہ کیا اور کہا کہ یہ میری امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا میں اسے جنگل میں ایک گہرے کنوئیں کے کنارہ پر لے گیا۔ لڑکی سمجھ گئی مجھ سے لپٹ کر رونے لگی کہ ابا جان میرا قصور کیا ہے ارے میں اپنی ماں کی امانت ہوں وہ بہت آہ و زاری کرتی رہی مگر میں نے اسے کنوئیں میں دھکیل دیا وہ کنوئیں میں گر کر بھی مجھے پکارتی رہی کہ ابا جان مجھے نکالو میں نے اوپر سے پتھر مارے حتی کہ اس کی آواز بند ہو گئی جب مجھے اس کی موت کا یقین ہو گیا تب میں وہاں سے لوٹا یہ واقعہ سن کر سارا مجمع بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی روئے۔ یہ تھا عرب کا پرانا حال (روح البیان) اس آیت کریمہ میں عرب کے اسی رواج کو ذکر ہے اس سے پتہ لگا کہ کافر کا دل سخت ہوتا ہے مومن کا دل نرم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مدینہ منورہ کی زمین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس دل میں نرمی پیدا کرنے کے لئے اکسیر ہے کلمہ طیبہ اگر دل میں اتر جاوے تو دل میں نرمی کفار کے مقابل جرات اور قناعت پیدا کرتا ہے دیکھو یہ شخص کافر رہتے ہوئے اس واقعہ پر غمگین نہ ہوا کلمہ پڑھ کر غم سے دوچار ہوا۔ کلمہ نے دل میں نرمی پیدا کی فرعونی جادوگر کلمہ پڑھنے کے بعد فرعون سے بولے **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔ یہ تھی جرات ایک کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا رات کو سات بکریوں کا دودھ پی گیا مگر جب صبح کو مسلمان ہوا تو دو بکری کا دودھ نہ پی

سایہ ہوئی دل میں قناعت۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر اتنا بڑا احسان ہے جو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے　　بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر

کوئی انسان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ لوا نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان نما درندوں بلکہ درندوں سے بدتر لوگوں کو ترقی کے بام پر پہنچایا۔

گرتے ہوؤں کو کس نے ابھارا ترے بغیر　　بگڑے ہوؤں کو کس نے سنبھالا ترے بغیر

دوسرا فائدہ: نور نبوت کے بغیر عقل انسانی اندھی ہے بلکہ سخت نقصان دہ ہے عاقل انسان وہ حرکتیں کر لیتا ہو جو خونخوار درندے جانور بھی نہ کریں یہ تو آپ عرب کا حال سن چکے ہندوستان میں ہندو عورت اپنے مردہ خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے یہ رواج بند کیا اب اس ترقی کے دور میں بعض مشرکین اپنے کو جلا بھسم کر لیتے ہیں۔ بھوک ہڑتال سے جان دے دینے کوشش کرتے ہیں یہ وہی پرانی بربریت ہے یہ نہ سمجھو کہ نفس کشی کے یہ رواج ختم ہو گئے جن قوموں میں نور نبوت نہیں پہنچا وہاں اب بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔ تیسرا فائدہ: لڑکیوں سے دل تنگ ہونا لڑکوں سے بہت محبت کرنا ان کے مقابل لڑکیوں کو ذلیل سمجھنا کفار کا طریقہ ہے اسلام اس سے روکتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار لڑکیاں اور تین یا چار بیٹے ہوئے بیٹے سارے ہی بچپن میں وفات پا گئے لڑکیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پال جوان کیا اور فرمایا جو تین لڑکیوں کو خوش دلی سے پال کر جوان کر دے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چوتھا فائدہ: عاقل انسان اپنی اندھی عقل سے اچھی باتوں کو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے یہ تمام فائدے **زین لکثیر** الخ سے حاصل ہوئے۔ غضب تو دیکھو کہ بعض مشرکین عرب اولاد کے ذبح کو بہترین عبادت اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے اس کی نذر مانتے تھے۔ پانچواں فائدہ: اہل عرب کا اصل دین ملت ابراہیمی تھا جسے ان کے سرداروں نے بگاڑ دیا تھا۔ اس دین ابراہیمی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ فرمایا یہ فائدہ **لیلبسوا علیھم دینھم** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: دنیا میں ظہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ ہاں برائیوں سے ناراض ہے نیکیوں سے خوش یہ فائدہ **ولو شاء اللہ ما فعلوہ** الخ سے حاصل ہو اس کی مفصل بحث تیسرے بارہ **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں گزر چکی ہے مع اعتراضات و جوابات کے۔ ساتواں فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار سے بیزار ان کے اعمال سے دور رہیں یہ فائدہ **فذرھم وما یفترون** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا اگر مسلمان کفار کے دوست بنے رہے تو ان کا انجام بھی کفار کا سا ہو سکتا ہے چکی پیستی ہے دانہ کو مگر اس کا ساتھی گھن بھی پس جاتا ہے۔

مسئلہ: اسلامی سلطنت میں کفار کو مذہبی آزادی دی جاوے گی وہ شوق سے بت پرستی کریں سور کھائیں، شراب پئیں مگر انہیں مالی جانی بد معاشگی کی اجازت نہ ہو گی لہٰذا کسی کافر کو اپنی بچہ ذبح کرنے لڑکی زندہ گاڑنے چوری کرنے کی اجازت نہ ہو گی اگرچہ یہ چیزیں ان کے دین کا رکن ہوں۔ اسی طرح کسی کو خود کشی کرنے اپنے کو زندہ جلا کر بھسم کرنے کی اجازت نہیں دی جاوے گی یہ مسئلہ **فذرھم وما یفترون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے دیکھو مشرکین عرب مردو

عورتیں یکسر ننگے طواف کرتے تھے مگر فتح مکہ کے بعد اس سے روک دیئے گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں **لکثیر من المشرکین** کیوں ارشاد ہوا سارے کافر اپنے بچے ہلاک کرتے تھے۔ جسے اسلام نے روکا۔ **جواب:** یہ غلط ہے اگر سارے کفار اپنے بچے ہلاک کرتے ہوتے تو ان کی نسل ہی ختم ہو جاتی بلکہ سرداران قوم تو اپنی لڑکیاں زندہ دفن کرتے تھے۔ بعض غریب کفار اپنے لڑکے مار دیتے تھے لڑکیاں زندہ رکھتے تھے کہ ان کے نکاح پر لڑکے سے بھاری رقم وصول کریں گے اور بعض کفار اس فعل سے یکسر بیزار تھے نیز سارے کفار عرب یہ قتل نہ کرتے تھے صرف بعض مشرکین لہذا **لکثیر** فرمان بھی درست ہے اور **من المشرکین** کہنا بھی درست **دوسرا اعتراض:** مشرکین کی یہ بد عملی ان کے معبودوں نے انہیں نہیں سکھائی تھی انہوں نے اپنے معبودوں کو دیکھا بھی نہ تھا۔ لات و عزی۔ منات نہ معلوم کب گزرے ہیں۔ پھر یہ فرمانا کیونکہ درست ہوا کہ ان کے شرکاء نے یہ عمل مزین کر دیئے **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں شرکاء سے مراد ان کے معبود نہیں بلکہ ان کے سردار ہیں۔ جن کو وہ رب تعالیٰ کی اطاعت میں شریک کرتے تھے کہ ان کے حکم خدا تعالیٰ کے احکام کی طرح مانتے تھے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر اولاد کا قتل انتہائی برا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیوں کیا وہ تو رب نے ان کی جان بچائی ورنہ وہ تو بے قصور بیٹے کو قتل کر ہی چکے تھے (آریہ)۔ **جواب:** نفسانی خواہش یا شیطانی اغواء سے قتل اولاد جرم ہے اگر اس سے رب راضی ہو تا ہو تو فرض ہے۔ جس عمل سے وہ راضی ہو وہ ہی عمل اچھا وہاں حضرت خلیل نے بحکم رب جلیل فرزند کو ذبح کیا اس کا نام قتل نہیں۔ قربانی ہے نفس کے لئے لڑنا بھڑنا مارنا مرنا فساد ہے۔ رب کے لئے یہ سارے کام جہاد ہیں۔ مقصود تو اسے راضی کرنا ہے جب کفار کا زور ان کا رباؤ جنگ میں بہت ہو جاوے اور مجاہد کا مارا جانا یقینی ہو جائے پھر بھی اس کا آگے بڑھنا۔ سینے پر گولی کھانا خود کشی نہیں بلکہ شہادت ہے کہ رضا الٰہی کے لئے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر قتل اولاد کفار کا عمل تھا تو جناب عبد المطلب نے اپنے فرزند عبد اللہ کو قتل کرنے کا کیوں ارادہ کیا وہ تو مومن موحد تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی کیوں تعریف فرمائی اور اپنے متعلق کیوں فرمایا **انا ابن الذبیحین** میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ **جواب:** عار سے بچنے یا فقیری کے خوف سے بچوں کو قتل کرنا برا تھا عبد المطلب نے اس لئے یہ کوشش نہ کی تھی بلکہ وہ اپنی بے علمی اور دین ابراہیمی سے بے خبری کی وجہ سے یہ سمجھے کہ رب تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہو گا۔ نیت بری نہ تھی عمل میں غلطی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبد المطلب کے اس عمل کی تعریف نہ کی بلکہ رب تعالیٰ کے بچالینے کی تعریف فرمائی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ مومن کے دل میں نرمی ہوتی ہے کلمہ طیبہ دل میں نرمی 'جرات' قناعت پیدا کرتا ہے مگر یزید 'شمر' عمرو ابن سعد کے دل تو ایسے سخت تھے کہ انہیں اہل بیت کے چھوٹے پیارے بچوں پر رحم نہ آیا حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے تھے کلمہ نے ان کے دل نرم کیوں نہ کئے۔ **جواب:** وہاں کلمہ ان کے دلوں میں نہ اترا تھا۔ صرف زبان پر رہا تھا جب دانہ زمین میں دفن نہ ہو تو اس میں پھل نہیں لگتا اگرچہ کونپل نکل آوے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار عرب کا اپنے بچے ذبح کرنا رب تعالیٰ کے ارادے سے تھا اس ارادے میں کیا حکمت تھی کہ فرمایا **ولو شاء اللہ ما فعلوا** **جواب:** رب کے ہر فعل میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھلائی جاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بگڑی قوم کی اتنی تھوڑی مدت میں اس بے مثال طرح سے سنبھال ربانی کی شان دکھانے کے لئے مخلوق کو مصیبت میں ڈالا۔

سکتا ہے حضرت یوسف کی شان دکھانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی گئی۔

تفسیر صوفیانہ: دماغ کی آنکھ کا اندھا ہونا بھی مصیبت ہے۔ جس سے انسان ٹھوکریں کھاتا۔ دوسروں کا یکسر محتاج ہو جاتا ہے مگر دل کی آنکھ کا اندھا پن رب تعالیٰ کا بدا سخت عذاب ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر برے ساتھی کی بات ماننے لگتا ہے۔ کبھی نہیں سوچتا کہ یہ کام میرا اچھا ہے یا برا دیکھو محض اپنی ناک کی خاطر اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنا ایسا برا کام ہے جسے بے عقل جانور بھی نہیں کرتے بلی چوہے کو اور طاقت سے پکڑتی ہے اور اپنے بچہ کو منہ میں اور ہی طرح دباتی ہے منہ ایک ہے دانت ایک ہیں مگر گرفت کے طریقوں میں فرق ہے وہ بھی جانتی ہے کہ بچہ کو اپنے دانتوں سے ہلاک کرنا برا ہے مگر عاقل انسان جو عقل کا اندھا ہو جائے اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا بے عقلی اور چیز ہے بد عقلی کچھ اور چیز جانور بے عقل ہیں مگر انسان جب بگڑتا ہے تو بد عقل ہو جاتا ہے جانوروں سے بدتر پھر جو لوگ انسان کو اس عمل پر رغبت دیں ان کا اندھا پن تو بہت ہی تعجب کا باعث ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرتوں کا نمونہ بنایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے محبوب انسان کو فرشتوں سے اعلیٰ کر دے اس پر بھی قادر ہے کہ مردود انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دے ہمیشہ اس کی پناہ مانگنی چاہیے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان پر سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دیں اپنی نگاہ کرم اس سے ہٹا لیں اس لئے ارشاد فرماتا ہے **ولا تعد عیناک عنھم** اے محبوب ان گنہگاروں سے آپ نگاہ کرم نہ ہٹائیں۔

لطیفہ: یہاں ارشاد ہے **فذرھم** انہیں چھوڑ دو دوسری جگہ ارشاد ہے **فذرنی و المکذبین** اے محبوب مجھے اور ان کفار کو چھوڑ دو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حرکتیں رب کے عذاب کا سبب ہیں مگر کسی رحمت والے محبوب کے مجھے اور کفار کو چھوڑ دو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حرکتیں رب کے عذاب کا سبب ہیں مگر کسی رحمت والے محبوب کی رحمت آڑے آجاتی ہے۔ جو عذاب نہیں آنے دیتی **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖۗ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ
اور کہا انہوں نے یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے نہیں کھا سکتے اسے مگر وہ جسے چاہیں ہم اپنے گمان سے
اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے وہی کھائے جسے ہم چاہیں اپنے
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا
اور وہ جانور ہیں کہ حرام کی ہوئی ہیں پیٹھیں ان کی اور کچھ جانور کہ نہیں ذکر کرتے نام اللہ کا اوپر ان کے
جھوٹے خیال میں اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح
افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
بہتان گھڑتے ہوئے اوپر اس کے قریب ہی بدلہ دیگا انہیں اس کا جو گھڑتے تھے وہ
پر اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے عنقریب وہ انہیں بدلہ دیگا ان افتراؤں کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کا یہ برا عمل ذکر کیا گیا جو وہ اپنی پیداوار کے متعلق کرتے تھے یعنی اس کا بعض حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بعض بتوں کے نام پر' اب ان کی اس بد عملی کا ذکر ہے جو وہ اپنی اصل زمین بلکہ جانوروں کے متعلق بھی کرتے تھے یعنی بعض زمینوں کو بتوں کے نام پر اور بعض جانوروں کو اپنے جھوٹے معبودوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے گویا وقتی بد عملی کے بعد ان کی دائمی بد عملی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کے اس ظلم کا ذکر تھا جو وہ نو مولود بچیوں پر کرتے تھے یعنی انہیں زندہ دفن کر دیتا اب ان کے اس ظلم کا ذکر ہے جو وہ اپنی بیویوں اور دوسری عورتوں پر کرتے تھے یعنی انہیں بہت سی چیزوں سے محروم کر دینا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکوں کے دین کو ان کے شیاطین نے خلط ملط کر دیا' اب اس خلط ملط کی کچھ اور تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں کفار عرب کی وقتی بد عملیوں کا ذکر تھا جو وقت خاص میں ہوتی تھیں پھر ختم ہو جاتی تھیں' اب ان کی دائمی بد عملیوں کا ذکر ہے' جو دائمی رہتی تھیں یعنی اوقاف میں غلطیاں' وقفوں میں شرک' دائمی غلطی' وقتی غلطی سے سخت تر ہے' وقف' بڑی پرانی عبادت ہے جسے کفار نے بگاڑ دیا تھا۔

نزول : کفار عرب اپنے کھیتوں کے دو حصے کرتے تھے کچھ حصہ اپنی ضروریات کے لئے کچھ حصہ بتوں کے نام پر وقف۔ اس وقف حصہ کی پیداوار صرف بت خانوں کے مجاوروں پر خرچ کرتے تھے اور اپنے جانوروں کے چار حصے کرتے تھے بعض جانور اپنے کاروبار کے لئے رکھتے تھے بعض بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے جیسے بحیرہ سائبہ' حام وغیرہ بعض جانور وہ تھے جن پر نہ سواری کرتے تھے نہ بوجھ لادتے تھے اور بعض وہ تھے جنہیں زندگی بھر تو اپنے کام میں لاتے مگر انہیں ذبح نہیں کرتے تھے یوں ہی مر جانے دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس موقوفہ زمین اور ان تین قسم کے جانوروں کا ذکر فرما کر ان کی حماقت ظاہر فرمائی گئی ہے (تفسیر احمدی)۔

تفسیر : **وقالوا هذه انعام و حرث حجر**: عربی میں لفظ قول ایک ہے مگر یہ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے فرمانا۔ جیسے قال اللہ' عرض کرنا جیسے قال نوح رب لاتذر' کہنا' بکواس بکنا جیسے قالت الیہود ید اللہ مغلولۃ جیسی بات ویسے ہی قول کے معنی یا جیسا بات والا ویسے ہی قول کے معنی یہاں قالوا آخری چوتھے معنی میں ہے کیونکہ ان کی بات کفریہ ہے اور کہنے والے کفار۔ خیال رہے کہ عام لوگوں کی زبان پر کبھی شیطان بولتا ہے کبھی نفس امارہ کبھی رحمان مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالیٰ ہی بولتا ہے **ان هو الا وحی یوحی** یہاں قالوا سے مراد یا تو ان کا دلی قول ہے یعنی عقیدہ یا ان کا زبانی قول یا ان کا وہ اعلان مراد ہے جو وہ وقف کرتے وقت کیا کرتے تھے صرف زبانی یا تحریری' ہذہ سے اشارہ اسی طرف ہے۔ جو یہ اعلان کرتے وقت ان کے سامنے ہوتا تھا کہ لوگو دیکھ لو میں نے یہ کھیت و جانور وقف کئے۔ انعام جمع نعم کی ہے بمعنی چوپایہ جانور وہ لوگ عموماً اونٹ وقف کرتے تھے جیسے ہندوستان کے مشرکین بیل بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں اس انعام سے مراد وہ تینوں قسم کے چوپایہ ہیں جنہیں وہ مختلف طرح بتوں کی طرف نسبت کرتے تھے حرث سے مراد کھیت کا وہ حصہ ہے جسے وہ بتوں کے لئے وقف کرتے تھے۔ ہماری قرأت میں حجر ہے ح کے کسرہ اور جیم کے سکون سے مصدر ہے بمعنی اسم مفعول جیسے ذبح بمعنی مذبوح اس میں واحد جمع مذکر' مونث' سب برابر ہیں اس لئے یہاں انعام جمع اور حرث واحد دونوں کے لئے حجر استعمال ہوا' حسن اور قتادہ کی قرأت میں حج

ہے ح اور جیم کے پیش سے یہ جمع ہے جیسے حکم اور سقف اور رہن حضرت ابن عباس اور عبد اللہ ابن زبیر کی قرات میں حرج ہے ح کے کسرہ سے اور رو جیم سے پہلے۔ بمعنی تنگ اس کی اور قراتیں بھی ہیں۔(معانی) **لا یطعمها الا من نشاء بزعمهم** یہ عبارت حجر کی گویا تفصیل ہے طعم بمعنی کھانا آتا ہے اور کبھی بمعنی چکھنا بھی یہاں بمعنی چکھنا بھی ہو سکتا ہے **ها** کا مرجع انعام اور حرث دونوں ہیں نشاء سے مراد یا تو صرف مرد ہیں کہ عورتیں ان میں سے کچھ نہ کھائیں صرف مرد کھائیں یا اس سے مراد بت خانوں کے پجاری وغیرہم ہیں زعم سے مراد ان مشرکین کے فاسد عقیدے ہیں یعنی کفار عرب یہ کہتے ہیں یا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اور ان کے نام پر وقف کی ہوئی آمدنی پیداوار وغیرہ پر پابندی ہے اسے ہر شخص نہیں کھا سکتا بلکہ جنہیں ہم چاہیں وہ کھائے جسے ہم نہ چاہیں وہ نہ کھائے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے مرد ہی کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف پجاری ہی کھائیں دوسرے نہ کھائیں یہ ان کے محض باطل گمان ہیں کہ وہ اپنی ان حرکتوں کو رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں **و انعام حرمت ظهورها** اس عبارت میں دوسرے قسم کے جانوروں کا ذکر ہے یہ **هذا** پوشیدہ کی خبر ہے یعنی اور یہ جانور وہ ہیں جنہیں ہم نے بتوں پر وقف کر دیا اب ان پر کوئی شخص نہ سوار ہو نہ اپنا بوجھ لادے ان کی پیٹھیں استعمال میں نہیں آسکتیں ان کا استعمال حرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس عبارت میں گزشتہ جانوروں کی دوسری حالت کا ذکر ہو یعنی یہ جانور ایسے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد ہر شخص نہ کھائے خاص آدمی ہی کھائیں اور ان کی زندگی میں ان کا یہ حکم ہے کہ ان کی پیٹھ کوئی استعمال نہ کرے **وانعام لا یذکرون اسم الله علیها** عبارت علیحدہ ہے۔ جس میں ان کفار کے تیسرے قسم کے جانوروں کا ذکر ہے۔ اللہ کا ذکر نہ کرنے کے کئی معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں خدا کے نام پر نہیں اس صورت میں ان سے وہ جانور مراد ہیں۔ جو وہ بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے جیسے آج بعض ہندو کالی دیوی وغیرہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں' دوسرے یہ کہ ان جانوروں پر وہ کفار حج عمرہ وغیرہ نہیں کرتے ان پر بیٹھ کر تلبیہ نہیں کہتے' تیسرے یہ کہ ان جانوروں کی کسی حالت میں اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ہر وقت ان پر بتوں کا نام لیتے ہیں ان کا دودھ نکالیں تو بتوں کا نام لے کر جب انہیں کسی جگہ لے جائیں تو بتوں کا نام لے کر انہیں پکاریں تو بتوں کے نام سے (روح المعانی) یہ عبارت **بعضها** پوشیدہ کی خبر ہے اور ممکن ہے کہ پہلے انعام پر معطوف ہو یعنی ان کے بعض جانور وہ بھی ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ انہیں بتوں پر قربان کرتے ہیں بتوں کے نام پر ہی ذبح کرتے یا ان پر کبھی تلبیہ نہیں پڑھتے کیونکہ ان پر نہ حج کریں نہ عمرہ یا ان کے ہر حال پر بتوں کا نام ہی لیتے ہیں کبھی خدا کا نام نہیں لیتے **افتراء علیه** یہ عبارت یا تو **قالوا** کی علت ہے یا افترو پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق یا حرمت اور **لا یذکرون** وغیرہ فعلوں کا مفعول لہ ہے **افتراء** کے معنی ہیں کسی پر جھوٹ باندھنا یعنی جھوٹی بات کو اس کی طرف نسبت کر دینا **علیه** کا مرجع رب تعالیٰ ہے یعنی وہ کفار یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ ان سب باتوں کا رب نے حکم دیا ہے وہ ان کاموں سے راضی ہوتا ہے **سیجزیهم بما کانوا یفترون** اس عبارت میں ان کی ان مذکورہ حرکتوں کے انجام کا ذکر ہے **جزاء** سے مراد ہے مطلقاً" سزا یا دنیاوی سزا مراد ہے' عنقریب ان کا مغلوب ہو جانا مسلمانوں کا ان پر غالب ہو جانا' ان کا دین ہمیشہ کے لئے مٹ جانا مکہ مکرمہ یا جزیرہ عرب کا ان کے وجود سے پاک ہو جانا چونکہ یہ سب کچھ چند سال کے اندر ہی ہونے والا تھا اس لئے اس پر قرب کا سین لایا گیا یا اس سے اخروی سزا مراد ہے برزخ میں یا قیامت میں اور اس کے بعد چونکہ قیامت وغیرہ عند اللہ بہت قریب ہیں اس لئے سین داخل فرمانا درست ہے یعنی عرصہ

سے۔ جو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں 'حق تعالیٰ انہیں ان سب کی سزا عنقریب دے گا۔

خلاصہء تفسیر : قرآن کریم گزشتہ قوموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے موجودہ کفار کی بد کرداریاں ان کی بری باتیں نقل فرماتا ہے۔ مگر امت مصطفویہ کے متعلق اس کی روش یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی جزا کا ذکر فرماتا ہے گناہوں کی دنیاوی سزا کا ذکر ہے مگر ان پر غضب و قہر کا اظہار نہیں فرماتا یہاں موجودہ کفار کی وحشی بد عملی کا ذکر فرما کر اس پر اظہار غضب کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں کفار عرب کی چند بد عملیوں بد عقیدگیوں کا ذکر ہے۔ (1) اپنے بعض کھیتوں باغوں کو بتوں کے نام پر وقف کرنا۔ (2) ان کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی پیداوار' آمدنی صرف مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں۔ (3) یا ان کی آمدنی ان بتوں کے خدام پجاری کھائیں اور نہ کھائیں۔ (4) کچھ جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دینا کہ ان سے کوئی کام نہ لیا جائے اور جس کے کھیت میں وہ پڑ جائیں انہیں وہاں سے نہ ہٹایا جائے۔ (5) بعض جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرنا ان کی بھینٹ چڑھانا۔ (6) مردار جانور کھا جانا' چنانچہ ارشاد ہے کہ یہ مشرکین عرب کہتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں جانور اور فلاں فلاں کھیت باغ بتوں پر وقف ہیں۔ اب انہیں ہر شخص نہیں کھا سکتا۔ جسے ہم چاہیں گے وہ کھائے گا' یعنی یا تو صرف مرد یا صرف ان بتوں کے پجاری۔ یہ ان کے صرف فاسد خیالات ہیں جو انہوں نے اپنے سرداروں سے حاصل کئے ہیں اور بعض جانوروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان پر سواری بوجھ لادنا حرام ہے کیونکہ یہ مہاراج کے نام پر وقف ہو چکے۔ بعض جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں رب تعالیٰ کے نام پر ذبح نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہی یہ احکام دیئے ہیں ہم انہیں کاموں کے ذریعہ رب تک پہنچیں گے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اس جھوٹ باندھنے کی سخت سزا دے گا یا تو دنیا میں یا آخرت میں' یا دونوں جگہ عنقریب یہ مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے سارے حجاز بلکہ سارے عرب میں مسلمانوں کا راج ہو گا ان کا اور ان کے دین کا نام بھی نہ رہے گا' رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کے اوقاف جو بتوں کے نام پر ہوں خواہ زمین یا جانور یہ سب باطل ہیں یہ فائدہ **وقالوا** اور **بزعمھم** سے حاصل ہوا انہیں ان اعمال کے کوئی ثواب نہ ملے گا مگر خیال رہے کہ چونکہ اسلامی سلطنت میں ذمی کفار کو دینی آزادی دی جاتی ہے اس لئے ہم انہیں مٹائیں گے نہیں ان کے مندر گرجے ان پر وقف زمینیں قائم رکھی جائیں گی اور ان کے متعلق ہمارے فیصلے ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے۔ **دوسرا فائدہ:** جو جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دیا گیا' وہ شرعاً حرام نہیں ہو گیا اگر مسلمان کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا تو حلال ہے ہاں جو جانور بتوں کے نام پر ذبح ہو گیا وہ حرام ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم دوسرے پارہ **وما اھل بہ لغیر اللہ** میں کر چکے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جو چیز حلال ہے وہ سب کے لئے حلال ہے۔ جو حرام ہے وہ سب کے لئے حرام بعض کے لئے حلال ہونا بعض کے لئے حرام ہونا غلط ہے یہ فائدہ **لا یطعمھا الا من نشاء** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بطور عتاب ان کی اس حرکت کا ذکر فرمایا۔ بعض جاہل مسلمان حضرت فاطمہ زہرا کی فاتحہ کا کھانا' صرف عورتوں کو گیارھویں شریف کا کھانا' صرف سیدوں کو کھلاتے ہیں بی بی پاک دامن کے نام کی نیاز دو خاوند والی عورت کو نہیں کھلاتے یعنی جس کے آگے پیچھے دو نکاح ہوئے اسے نہیں کھلاتے' کونڈوں کا کھانا گھر سے باہر نکالنا برا سمجھتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں جو ان کفار سے مسلمانوں نے سیکھ لیں 'الحمد للہ اب یہ جہالتیں ختم

ہوتی جاری ہیں ہر بزرگ کی فاتحہ کا کھانا ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** بعض جاہل حضرات امام حسین کے نام پر گھوڑا وقف کرتے ہیں جس پر نہ سواری کرتے ہیں نہ اس سے کوئی کام لیتے ہیں' محرم وغیرہ میں گھوڑا نکالنے کی رسم میں وہ گھوڑا استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اردگرد منہ پیٹتے سینہ کوٹتے نکلتے ہیں اور بس محرم کے جلوس میں یہ گھوڑا سجا کر نکالا جاتا ہے تبرکاً اس کے دم کے بال کا تعویذ باندھتے ہیں یہ سب کام حرام ہیں انہیں کفار عرب کی نقل ہیں۔ بعض جاہل اپنے مردوں کی قبروں پر اس گھوڑے سے پیشاب کراتے ہیں کہ یہ پیشاب اس کی مغفرت کا ذریعہ ہے نعوذ باللہ۔ یہ حرکت تو کفار عرب سے بھی بڑھ گئی برے کام یا بری چیز کو بزرگوں کی طرف نسبت کر دینے سے اس کا حکم بدل نہ جائے گا جاندار کی تصویر حرام ہے خواہ کسی بزرگ کی طرف اسے نسبت کر دیا جائے۔ **پانچواں فائدہ:** بتوں کے نام پر وقف کھیت باغ یا زمین کی پیداوار شرعاً حرام نہیں ہو جاتی وہ حلال ہی ہے اس غلط نسبت سے چیز کی حلت پر اثر نہ پڑے گا یہ فائدہ **بزعمهم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے اس عمل اور اس خیال کو ان کا باطل خیال قرار دیا لہذا بتوں پر چڑھائی ہوئی مٹھائی ان کی بھینٹ کا دودھ حلال ہے' حرام نہیں۔ صرف ان کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کے نام کے سوا کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے اور جانور مردار اگر اسے حلال سمجھ کر کوئی مسلمان کرے تو وہ کافر ہے یہ فائدہ **افتراء علیہ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جانور کی زندگی میں اسے کسی کے نام پر پالنا یا اسے کسی کی طرف نسبت کرنا بالکل درست ہے یہ فائدہ **لا یذکرون اسم اللہ علیھا** کی تفسیر سے حاصل ہوا' دن رات کہا جاتا ہے فلاں کی گائے فلاں کی بکری ولیمہ کا بکرا عقیقہ کی بکری وغیرہ لہذا گیارھویں کی مرغی بارھویں کی بکری کہنا ممنوع نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کفار کے جو عیب بیان کئے گئے وہ مسلمان میں بھی موجود ہیں مسلمان قربانی کے جانور ہدی کے اونٹ وغیرہ کی بہت تعظیم کرتے ہیں حتی کہ ہدی کے جانور کو قرآن نے شعائر اللہ کہا **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ** چنانچہ مسلمان ہدی کے جانور پر سواری کرنا' قربانی کے جانور کا دودھ اون نکالنا ممنوع جانتے ہیں پھر کفار پر ایسے اعتراض کیوں کرتے ہیں (آریہ) **جواب:** پنڈت جی فرق یہ ہے کہ مسلمان ان جانوروں کی تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے' کسی بندے کی طرف نہیں ان کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم ہے کفار یہ کام بندوں کی نسبت سے کرتے ہیں لہذا مومن مومن ہے کافر کافر۔ مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں مومن ہیں کفار پتھر کی طرف سجدہ کرتے ہیں وہ کافر ہیں کہ کعبہ معظمہ کو اللہ کی طرف نسبت ہے اس پتھر کو کسی بندے کی طرف نسبت۔ کعبہ کی طرف سجدہ رب کو سجدہ ہے اس پتھر کی طرف سجدہ اس بندے کو سجدہ ہے۔ جس کے نام کا وہ پتھر ہے یہی فرق گنگا کے پانی اور زمزم کے پانی میں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ مذکورہ جانور کفار کے کہنے سے حرام نہیں ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے **حرمت ظھورھا** ان کی پیٹھوں کا استعمال حرام کر دیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ان پر سواری حرام ہے۔ **جواب:** یہاں حرمت سے مراد شرعی حرمت نہیں بلکہ ان کی خود ساختہ مروجہ حرمت ہے چونکہ یہ عقیدے ان کفار کے بڑوں نے ایجاد کئے تھے اس لئے اسے حرمت فرمایا گیا۔ یعنی جن جانوروں کی پیٹھیں ان کے بزرگوں کی طرف سے حرام کر دی گئی ہیں اور انہوں نے ان کی حرمت کا اعتقاد کر لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تقسیم عاقلوں کا عمل ہے سب کچھ دنیا کے لئے وقف کر دینا جاہلوں کا کام ہے اور سب کچھ اللہ کے لئے کر دینا عاقلوں کا فعل ہے۔ غافل کہتا ہے کہ اتنا وقت اللہ کے لئے ہے اتنا میرے لئے اتنی سانسیں دین کے لئے ہیں اتنی میرے نفس کے لئے یہ تقسیم ہی تو غفلت ہے جاہل سمجھتا ہے کہ ساری زندگی نفس کے لئے ہے مگر عاقل کہتا ہے کہ زندگی اور زندگی کی ساری چیزیں اللہ واحد قہار کے لئے ہیں دنیا کھیتی ہے اعمال اس کی پیداوار' اے نفس امارہ بت کے لئے وقف نہ کرو ہمارے اعضاء ظاہری گویا مفید جانور ہیں ان میں غیر خدا کو شریک نہ بناؤ ان سے ناجائز کام نہ لو تم نفس پر سوار ہو اس کی پیٹھ کو اپنے لئے حرام نہ سمجھو ہمیشہ اس پر سوار رہو اللہ کا ذکر اس کی لگام ہے۔ اس سے اس جانور کو اپنے قابو میں رکھو ورنہ تم ان ماتوں میں خائن ہو گے۔ کفار عرب تو ختم ہو چکے مگر کفار غضب تاقیامت موجود ہیں' غفلت کفر ہے یعنی کفران نعمت ہے۔ جس میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔ جس زمین کا مالک اس میں اچھی کاشت کرے اور کاشت کے بعد اس کی نگرانی کرتا رہے تو اس سے ہر قسم کے دانے ہر طرح کے پھل حاصل ہوتے ہیں مگر لاوارثی زمین کے اندر سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور رہتے ہیں اس کے اوپر خاردار مضر درخت دل ایک اعلیٰ درجہ کی زمین ہے اگر اس میں کوئی اللہ کا مقبول بندہ معرفت الٰہی کے تخم بو دے تو اس میں ایمان عرفان' تقویٰ' عشق رسول خوف خدا' دنیا سے نفرت وغیرہ کے پھل حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر یہ لاوارثی رہے تو اس دل میں غفلت کفر' شرک کے سانپ بچھو رہتے ہیں اور اسی دل سے غصہ' حسد' بغض' کینہ وغیرہ کے زہریلے درخت اگتے ہیں' کپاس میں بنولے ہوتے ہیں تو نہ اس کا سوت بنے نہ کپڑا بنولے نکلنے کے بعد اس کا نام روئی ہوتا ہے اس سے سب کچھ بنتا ہے دل میں سے مذکورہ عیوب کے بنولے نکال' تاکہ اس سے تقوے کا لباس حاصل ہو جو دونوں جہاں میں کام آئے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنائے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا

اور کہا انہوں نے وہ بچہ جو پیٹوں میں ہے ان جانوروں کے وہ مخصوص ہے واسطے مردوں کے ہمارے اور حرام کیا

اور بولے جو ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ

ہوا ہے اوپر ہماری عورتوں کے اور اگر ہو وہ بچہ مردار تو وہ بیچ اسکے شریک ہیں عنقریب بدلہ دے گا انہیں انکے اس بیان

ہوا نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں قریب ہے اللہ انہیں انکی باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

کا تحقیق وہ حکمت والا علم والا ہے۔ بے شک نقصان میں پڑے وہ لوگ جو مار ڈالتے ہیں اولاد کو اپنی بے وقوفی سے بغیر

بے شک تباہ ہوئے وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۠ (۱۴۰)

حلال سے اور حرام سمجھتے ہیں وہ جو روزی دی انہیں اللہ نے جھوٹ گھڑتے ہوئے اوپر اللہ کے بیشک گمراہ ہو گئے وہ اور نہیں تھے ہدایت یافتہ

انہیں اللہ نے روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو بے شک وہ بہکے اور راہ نہ پائی۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے جانوروں بحیرہ سائبہ کی سواری وغیرہ کے متعلق عقائد کا ذکر تھا اب ان کے وہ وہمی عقیدے بیان ہو رہے ہیں جو ان جانوروں کے بچوں کے متعلق تھے کہ کفار ان بتوں کے نامزد جانوروں کے پیٹ کے بچوں سے کیا معاملہ کرتے تھے غرضیکہ ان کی چند وہمیات و کفریات کے بعد ایک کفریہ عقیدے کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں معاملات کا ذکر ہے کفار عرب کے بتوں کے نامزد جانوروں کے عقائد کا ذکر تھا اب انہیں کفار کے اپنی اولاد کے متعلق کہ وہ ان جانوروں کا اتنا احترام کرتے ہیں اور اپنی اولاد پر ایسے ظلم کرتے ہیں گویا وہ جانوروں کے احترام کے ذکر کے بعد اپنی اولاد کی تذلیل کا تذکرہ ہے **قتلوا اولادھم** تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ کفار حرام جانوروں کو حلال جان کر کھا جاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال روزیوں کو حرام جانتے ہیں۔

نزول : حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ ربیعہ اور مضر کا دستور یہ تھا کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو وہ اپنی بیوی سے کہتا کہ اگر تو اسے زندہ دفن نہ کردے تو تو مجھ پر حرام ہے یہ عورت نفاس سے فارغ ہو کر اپنی سہیلی عورتوں کو لے کر جنگل جاتی وہ تمام عورتیں باری باری سے اسے اپنی گودوں میں لیتیں جب یہ دستور پورا ہو جاتا اور قبر پہلے ہی تیار ہوتی تھی تب ماں اپنے ہاتھ سے اس بچی کو قبر میں رکھتی پھر سب مل کر اس پر مٹی ڈال دیتیں تاکہ کوئی ان کا داماد نہ بن سکے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بعض غریب لوگ اپنے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے فاقہ کے خوف سے اپنی لڑکیاں زندہ رکھتے جوان ہونے پر فروخت کر دینے کے لئے۔ یہ آیت کریمہ انہیں کے متعلق نازل ہوئی جس میں ان کی اسی حرکت کا ذکر کیا گیا **لقد خسر الذین قتلوا اولادھم**۔ (تفسیر خازن و تفسیر مدارک)

تفسیر : **وقالوا ما فی بطون ھذہ الانعام** یہاں بھی قالوا کی وہی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں عرض کی گئی کہ قول سے مراد یا زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ اور قول سے مراد صرف ایک بار کا قول نہیں بلکہ ہمیشہ کا قول پھر خاص جماعت کا قول مراد نہیں بلکہ پوری قوم کا قول مراد ہے نیز قالوا فرما کر یہ بتایا کہ یہ قول صرف ان کا اپنا ہے اس کی نسبت وحی الٰہی یا قول نبی کی طرف نہیں جیسے ہر طبی نسخہ ہر پیشہ اگر اس کے امام کی طرف منسوب نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا ایسے ہی حضرات انبیاء شریعت کے امام ہیں جو قول ان کی طرف باواسطہ یا بلاواسطہ منسوب نہ ہو اس کا اعتبار نہیں وہ محض غلط ہے ما سے مراد یا تو صرف پیٹ کا بچہ ہے یا بچہ اور دودھ وغیرہ سب کچھ۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **وان یکن میتۃ** **بطون** جمع ہے بطن کی معنی پیٹ اس سے مراد رحم ہے کہ بچہ رحم میں ہوتا ہے یا رحم اور شیردان دونوں کہ دودھ شیردان میں ہوتا ہے ان جانوروں سے مراد ہے وہ بحیرہ سائبہ وصیلہ حام وغیرہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا **خالصۃ لذکورنا و محرم علی ازواجنا** خالصۃ اور محرم دونوں ما کی خبر ہیں لفظ ما لفظاً مذکر ہے اور معنی مؤنث اس لئے خالصۃ کو مؤنث لایا گیا اور محرم کو مذکر تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ خالصۃ میں ت مؤنث کی نہیں بلکہ یا مبالغہ کی ہے یا

اسمیہ کی کہ خالص صیغہ صفت کا ہے مگر خالصۃ ”اسم یا مصدر یہ ہے کہاں جاتا ہے راویتہ الشعر بہت ہی شعر گو یہ ت مبالغہ کی ہے عافیۃ میں ت مصدر یہ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

کنت امنی و کنت خالصتی ولیس کل امری موتمن

دیکھو یہاں خالصتی میں ت مبالغہ کی ہے ذکور سے مراد سارے مرد ہیں۔ بچے جوان بوڑھے۔ ازواج سے مراد ساری عورتیں ہیں بچیاں جوان بوڑھیاں۔ یعنی کفار مکہ یہ بھی کہتے کہ ان وقف شدہ جانوروں کے پیٹ کے بچے جو پیدا ہوں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے تو حلال ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور سواء ہماری قوم کے اور کسی قوم کا آدمی ان کا گوشت نہیں کھا سکتا یہ ان بچوں کے متعلق کہتے تھے جو زندہ پیدا ہوں پھر ذبح کئے جائیں۔ ازواج سے مراد مطلقاً عورتیں ہیں خواہ کنواریاں ہوں یا شادی شدہ یا بیوگان کیونکہ یہ ذکور کے مقابل ارشاد ہوا ہے چونکہ کفار اپنے یہ احکام اپنی بیویوں پر جاری کرتے تھے اس لئے بجائے نساء کے **ازواجنا** کہتے تھے اس لئے مشرکین عرب عورتوں کو نہایت ہی ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اسی لئے اچھی غذا مردوں کے لئے خاص کرتے تھے۔ ہلکی غذا میں عورتوں کو شریک کرتے تھے ان کا یہ فیصلہ اس تفریق کی ایک کڑی تھا اس لئے یہ کہتے تھے **وان یکن میتۃ فھم فیہ شرکاء** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یکن کا اسم وہی پیٹ کا بچہ ہے میتۃ سے مراد ان جانوروں کے پیٹ کا مردہ بچہ ہے جو باہر گر جائے یا نکالا جائے فیہ کی ضمیر ما کی طرف ہے ھم سے مراد سارے کفار ہیں مرد ہوں یا عورتیں یعنی اگر وہ بچہ مردار پیدا ہو یا اس طرح کہ مرا بچہ گر جائے یا اس طرح کہ وہ جانور مر جائے اس کے پیٹ سے یہ بچہ نکلے یا اس طرح کہ زندہ جانور کے پیٹ سے ضرورۃ ”مردہ بچہ نکالا جائے غرضیکہ ہو مردہ تو وہ عورتوں مردوں سب کے لئے حلال ہے سب کھائیں' مشرکین کے خیال میں بھی حلال جانور مردار سے بہتر ہوتا تھا اس لئے بہتر کو اپنے مردوں کے لئے خاص کرتے تھے حرام میں عورتوں کو شریک کرتے تھے **سیجزیھم وصفھم** اس فرمان عالی میں ان کی بکواس کی سزا کا ذکر ہے یہاں جزا بمعنی سزا ہے۔ وصف سے مراد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ اس نے ہم کو یہ حکم دیا ہے عربی میں بڑے جھوٹ بڑے جادو کو وصف کہہ دیتے ہیں' ایک شاعر کہتا ہے۔

سری برق المعرۃ بعد وھن فعبات براتہ بصف الملالا

وصفھم ترکیب میں یا تو جزا پوشیدہ کا مضاف الیہ ہے یا اصل میں تھا بوصفھم (معانی) **انہ حکیم علیم** اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ مجرم کو سزا جلد نہیں دیتا کیونکہ وہ حکمت والا ہے اس تاخیر سزا میں بہت سی حکمتیں ہیں' دوسرے یہ کہ ہر ایک کو بقدر جرم سزا دے گا زیادہ نہیں کیونکہ علیم ہے ہر مجرم کو جانتا ہے اس کے جرم کو بھی **قد خسر الذین قتلوا اولادھم** اس فرمان عالی میں کفار کے دوسرے جرم کا ذکر ہے چونکہ کفار اس فعل کو جرم نہیں سمجھتے تھے اس پر فخر کرتے تھے اور اسے رضاء الٰہی اور اپنی دنیاوی بڑائی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور جس مضمون کا کوئی انکاری موجود ہو یا آئندہ پیدا ہونے والا ہو اسے قد یا لقد یا ان سے شروع کیا جاتا ہے اس لئے یہاں قد ارشاد ہوا تجارت تین قسم کی ہوتی ہے نفع کی برابری کی اور نقصان کی' پھر نقصان والی تجارت تین طرح کی ہوتی ہے۔ بمقابلہ پہلے کے نفع کم آئے' نفع نہ آئے کچھ اصل رقم سے بھی کم ہو جائے اصل رقم بھی ہاتھ سے جائے بلکہ دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے گھر بار جائیداد بھی قرق ہو جائے۔ خسارہ اس آخری تجارت کو کہتے ہیں' چونکہ بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن میں اخروی نقصان تو ہوتا ہے مگر دنیاوی نفع بھی ہوتا ہے یا دنیاوی لذات ہوتی ہیں' **فیھما اثم**

کبیر و منافع للناس جیسے سودیا شراب وغیرہ مگر قتل اولاد وہ گناہ ہے جس میں دنیا بھی برباد اور دین بھی کہ اس سے اپنی نسل ختم ہوتی ہے رب ناراض ہوتا ہے اس لئے اسے خسارہ فرمایا اس خسارہ سے دنیا و دین دونوں جہاں کی خرابی مراد ہے کہ اولاد اللہ کی نعمت ہے۔ قوت بازو ہے اپنی قوم کی زیادتی کا باعث ہے۔ اسے ہلاک کرنا اپنے کو اپنی قوم کو نقصان دنیا میں پہنچاتا ہے اور آخرت میں اس کے عذاب کا مستحق ہوتا۔ چونکہ بعض کفار صرف لڑکیوں کو قتل کرتے تھے بعض صرف اپنے لڑکوں کو بعض دونوں کو اس لئے اولاد مطلق فرمایا جو سب کو شامل ہے' بچہ ماں کے پیٹ سے چار چیزیں لاتا ہے جسم' جان' ایمان اور سلیم فطرت جس میں ہر قسم کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو بچے کا جسم کاٹے یا اسے جان سے مارے وہ مجرم ہے ایسے ہی جو اسے کافر و بے دین بنائے یا اس کی فطرت بگاڑے وہ بھی مجرم ہے صرف جسم پالنا تو جانور بھی کر دیتے ہیں انسان اشرف الخلق ہے اسے چاہئے کہ اپنے بچے کا جسم بھی پالے ایمان و فطرت کی بھی پرورش کرے غرضیکہ **قتلوا اولادھم** میں بڑی وسعت ہے **سفھا بغیر علم** اس فرمان عالی میں ان کے قتل کی دو وجہ بیان کی گئیں ایک سفاہت یعنی بے عقلی بے شعوری بے حسی ایک بے علمی یعنی رب تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے قہر و غضب سے بے خبری۔ اسلام سے پہلے عرب بے وقوف بھی تھے جاہل بھی اس لئے اس زمانہ کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے اس میں اشارۃً یہ بتایا کہ جانوروں میں نہ علم ہے نہ عقل مگر وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہیں کرتے انسان جو علم و عقل دونوں رکھتا ہے وہ یہ حرکت کرتا ہے **وحرموا ما رزقھم اللہ** یہ عبارت معطوف ہے **قتلوا** پر تحریم کے معنی ہیں حرام جاننا' حرام کر لینا' حرام کر دینا' یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ بتوں کے نام کی نامزد چیز حرام نہیں ہو جاتی ہاں انہیں وہ حرام سمجھتے تھے اپنی حماقت سے اس لئے آگے ارشاد ہے **افتراء علی اللہ** کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اگر وہ چیزیں واقعی حرام ہو جاتیں تو اس کو **افتراء** نہ کہا جاتا ہے **ما** سے مراد یا تو بحیرہ سائبہ وغیرہ جانور ہیں جنہیں یہ لوگ سب کے لئے حرام جانتے تھے یا ان جانوروں کے بچے جنہیں وہ عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے رزق فرما کر اشارۃً بتایا کہ اللہ کی روزی سب کے لئے عام ہے اسے بلا وجہ حرام سمجھ لینا یا اس میں پابندی لگا دینا کہ فلاں پر حرام فلاں پر حلال یہ محض جہالت حماقت اور رب تعالیٰ پر بہتان ہے **افتراء علی اللہ** یہ عبارت **حرموا** کی علت ہے **افترا** کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے یعنی یہ چیزیں ہم نے حرام نہیں فرمائیں خود انہوں نے حرام کر کے ہماری طرف غلط نسبت کر دیں کہ خدا نے انہیں حرام کیا **قد ضلوا وما کانوا مھتدین** اس فرمان عالی میں ان کی مذکورہ بد عقیدگیوں کا انجام ارشاد ہوا یا ان کی وجہ۔ یہاں ضلال سے مراد ہے گزشتہ زمانہ میں ان کا گمراہ ہونا اور **ما کانوا مھتدین** سے مراد ہے ان کا آئندہ بھی ہدایت پر نہ آنا یا ضلال سے مراد ہے ان کی عملی گمراہی اور **ما کانوا** الخ سے مراد ہے ان کے عقیدے کی گمراہی فاضلوا سے مراد ہے ان کی موجودہ گمراہی اور **ما کانوا** الخ سے مراد ہے ان کی پیدائشی و جبلی گمراہی لہذا یہ دونوں مکرر نہیں ہر کلمہ کا الگ فائدہ ہے۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت کریمہ میں کفار عرب کے چند عیوب بیان ہوئے ہیں جو صدیوں سے ان میں چلے آرہے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کفار عرب اپنے بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے اور کہتے کہ جو بچہ ان کے پیٹوں میں ہے وہ زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مرد کھا سکتے ہیں۔ عورتوں پر حرام ہے لیکن اگر بچہ پیدا ہو یا مردہ بچہ اس کے پیٹ سے نکالا جائے وہ مردوں عورتوں سب کے لئے حلال ہے۔ ان کی اس غلط بیانی غلط عقیدوں کی سزا عنقریب رب تعالیٰ انہیں دے گا کہ یہ رب پر بہتان باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے کہ انہیں جلد سزا نہیں دیتا' علم والا ہے کہ ہر شخص کے ہر جرم کو جانتا

ہے ہر ایک کو اس کے جرم کے لائق سزا دے گا۔ (3) اور وہ کفار تو دنیاوی دینی ہر طرح کے خسارہ میں رہے جو اپنی اولاد کو لڑکیوں کو یا لڑکوں کو یا دونوں کو محض اپنی بے عقلی و بے علمی سے قتل کرتے ہیں اس حرکت سے خود اپنی نسل کشی بھی کرتے اور آخرت کی سخت سزا کے مستحق بھی ہوتے ہیں۔ اگر اولاد کے قتل کا یہی رواج ان میں رہا تو ان کی نسل کیسے چلے گی یہ حرکت جانور بھی نہیں کرتے وہ بھی اپنے بچوں کو محبت سے پالتے ہیں پھر طرہ یہ کہ اللہ کی دی ہوئی حلال روزی کو محض حماقت سے اپنے پر حرام جانتے ہیں کہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو سب کے لئے حرام سمجھتے ہیں اور ان کے پیٹ کے زندہ بچوں کو اپنی عورتوں پر حرام جانتے ہیں یہ لوگ عقیدۃً بھی گمراہ ہیں اور عملاً بھی بھٹکے ہوئے یہ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ خیال رہے کہ **حرموا ما رزقھم اللہ** کے معنی جہلاء تو یہ کرتے ہیں کہ کفار عرب اللہ کے رزق کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دینے سے حرام کر لیتے ہیں لہٰذا بزرگوں کے نام کے جانور وغیرہ حرام ہیں مگر یہ معنی محض باطل ہیں علماء دین اس کے معنی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رزق کو بتوں کے نام نامزد کر کے حرام سمجھنے لگتے ہیں یہ بھی ان کی جہالت ہے۔ صوفیاء اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی اولاد کا فر بنا کر اس رزق الٰہی کے فائدوں سے اپنے کو محروم کر لیتے ہیں کہ ان کی یہ اولاد بجائے صدقہ جاریہ بننے کے ان کے لئے وبال بن جاتی ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عورت و مرد، عربی عجمی، غریب امیر میں اپنی طرف سے فرق کرنا طریقہ کفار ہے، اسلام میں ان وجوہ سے تفریق بالکل نہیں، اسلام میں فرق ہے مومن و کافر میں، عالم و جاہل میں، نیک کار بدکار میں، جنتی دوزخی میں ہے **لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ** پھر ان لوگوں میں بھی فرق غذا وغیرہ میں نہیں بلکہ مراتب و درجات میں ہے اس لئے جو شخص ان میں اس قسم کی تفریق کرے وہ کفار عرب کے قدم پر چلتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** خدا جب کسی بندے کا دین لیتا ہے تو اس کی عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو کفار عرب جانوروں حتیٰ کہ کتے بلوں کو پالتے تھے مگر اولاد کو اپنے ہاتھوں قتل کرتے تھے۔ **تیسرا فائدہ:** عورت کے حمل میں جب جان پڑ جائے تو اسے گرانا حرام ہے کہ یہ بھی قتل اولاد ہے یہ فائدہ **قتلوا اولادھم** سے حاصل ہوا۔ جان پڑنے سے پہلے ضرورت شرعی کی بنا پر گرا دینا جائز ہے (رد المحتار) ضرورت شرعی کی تفصیل وہاں ہی ملاحظہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** ہر چیز بذات خود حلال ہے پھر جسے اللہ رسول حرام فرما دیں تو حرام ہو گی جن سے خاموشی ہے وہ حلال ہے یہ فائدہ **وحرموا ما رزقھم اللہ** سے حاصل ہوا کہ ہر چیز کا مرزوق ہونا حلال ہونے کی دلیل ہے اسے خود اپنی رائے سے حرام نہ کرلو، رب فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا**۔ **پانچواں فائدہ:** بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں یا کھیتوں یا دانہ پھل وغیرہ کو حرام سمجھنا بے دینی ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ وہ حلال ہیں۔ یہ فائدہ **افتراء علی اللہ** سے حاصل ہوا جب بتوں کے نامزد جانور وغیرہ حرام نہ ہوئے تو مقبول بندوں کے نامزد جانور کیسے حرام ہو سکتے ہیں انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مذبوحہ جانور کے پیٹ میں اگر زندہ بچہ نمودار ہو تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے اور اگر بچہ پورا نکلے مگر بے جان تو اسے کھانا حرام ہے، یہ فائدہ **وان یکن میتۃ** اور **سیجزیھم وصفھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بحیرہ سائبہ کے جنین (پیٹ کا بچہ) کو حلال جاننے پر سخت عتاب فرمایا (تفسیرات احمدی) یعنی جیسے کفار کی دیگر بد عملیاں رب کے عتاب کا باعث تھیں ایسے ہی پیٹ کا مردہ بچہ حلال جاننا بھی باعث عتاب تھا۔

نوٹ ضروری : مذبوحہ جانور کے پیٹ میں اگر زندہ بچہ نکلے تو اسے بھی ذبح کر لیا جائے وہ بالاتفاق حلال ہے اور اگر کچا بچہ نکلے جس کے سارے اعضاء مکمل نہ ہوئے ہوں تو وہ بالاتفاق حرام ہے لیکن اگر بچہ مکمل بن چکا ہو مگر جان نہ پڑی ہو تو وہ صاحبین کے نزدیک حلال ہے' ماں کا ذبح اس کا ذبح ہے اور امام صاحب کے نزدیک حرام ہے یہ آیت کریمہ بھی امام اعظم کی دلیل ہے اس کی مکمل بحث اس آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: جو شخص گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے اور اپنے کو گنہگار جانے وہ گنہگار ہے مگر گمراہ یا کافر نہیں کہ اس کا عمل برا ہے عقیدہ درست ہے مگر جو کوئی گناہ کو ثواب سمجھ کر کرے اور اپنے کو اس پر نیک کار سمجھے بدعقیدگیوں کو خدا رسی کا ذریعہ جانے وہ گمراہ یا کافر ہے ایسے کو ہدایت ملنا مشکل ہے۔ یہ فائدہ ضلوا وما کانوا مھتدین سے حاصل ہوا۔ ہدایت تو اللہ کے خوف سے ملتی ہے انہیں ان کاموں میں بجائے خوف کے نجات کی امید ہے۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ عورت و مرد میں تفریق نہ کرو حالانکہ اسلام نے خود فرق کئے ہیں' نبوت' امامت' حکومت' سلطنت صرف مردوں کے لئے ہے میراث میں لڑکیوں کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے اور بہت سے فرق ہیں پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا' جواب: اسلام سے پہلے مشرکین تو عورتوں کو جانور بلکہ جانوروں سے بدتر سمجھتے تھے انہیں گھر کے سامان کی طرح استعمال کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ عورتوں کو مردوں کے برابر بلکہ ان سے بھی اعلیٰ کہتے تھے اسلام نے ان دونوں افراط و تفریط کو مٹایا ان دونوں میں فرق تو رکھا مگر نفسانی فرق نہیں بلکہ ایمانی فرق کیا ہم نے یہ نہیں کہا کہ عورت و مرد میں کوئی فرق ہی نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ ان میں وہ فرق نہیں جو عقل سے کیا جائے بلکہ وہ فرق ہے جو خدا تعالیٰ کرے۔ بے شک اسلام میں مرد عورت سے افضل ہے مگر مرد پر ذمہ داریاں بہت ہیں کہ اس پر بیوی کا مہر' خرچہ وغیرہ ہے۔ خرچ دینے والا لینے والا سے افضل چاہئے دیکھو بیٹی کو بیٹے سے آدھا ملتا ہے مگر اسے سسرال میں خاوند کی میراث بھی ملتی ہے عورتوں پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ عورت کے نام کی مستقل ایک سورۃ ہے' سورہ نساء۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار بتوں کے نامزد جانوروں کا دودھ' ان کا بچہ کھا لیتے تھے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تو صرف مرد کھاتے تھے مردہ ہوتا تو مرد و عورتیں سب مگر جب وہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے تو ان کا دودھ یا بچہ کیسے کھاتے تھے۔ وقف چیز کی آمدنی خود کیوں استعمال کرتے تھے۔ جواب: اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان جانوروں کے دودھ اور بچے بت خانے کے خاص پجاریوں وہاں کے منتظمین کے ہوتے تھے ان کے متعلق یہ دستور تھا کہ یہ آمدنیاں ان پجاریوں کے مرد کھاتے تھے' ان کی عورتیں نہیں کھاتی تھیں۔ یہ تفریق ان حصوں کے متعلق تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کفار کے ہاں وقف وغیرہ کے کوئی قاعدے مقرر نہ تھے جس چیز کو جس طرح چاہتے استعمال کرتے تھے۔ جانوروں کو تو وقف کر دیتے تھے مگر ان کے بچے اور دودھ کو استعمال کرتے تھے یہ تو اسلام میں خوبی ہے کہ اس کا ہر قانون بے مثال ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جانور کے جنین یعنی پیٹ کے بچے میں فرق کرنا کہ زندہ بچہ ہو تو مردوں کو حلال اور مردہ بچہ ہو تو سب کو حلال یہ برا تھا یہ دونوں قسم کے بچے حلال ہیں کیونکہ آگے آرہا ہے وحرموا ما رزقھم اللہ ان لوگوں نے اللہ کی دی ہوئی روزی حرام کر لی معلوم ہوا جنین کا رزق ہے مرا ہو یا زندہ اس میں فرق نہ کرنا چاہئے۔ (امام شافعی' صاحبین) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ پھر تو چاہئے کہ جانور کا کچا بچہ بھی حلال ہو کچے اور پکے کا فرق آپ کیوں کرتے ہیں نیز چاہئے کہ مردہ جانور کے پیٹ کا بچہ بھی حلال ہو یہ فرق آپ کہاں سے کرتے ہیں جواب تحقیقی یہ

ہے کہ ما رزقھم اللہ سے مراد بحیرہ سائبہ جانوروں کو حرام جاننا ہے اس کو افتراء علی اللہ کہا گیا نہ اس جنین کے حرام جاننے کو اس لئے زندہ مردہ میں فرق کرنے کو اس کی بحث یہاں ہی تفسیرات احمدیہ میں مطالعہ فرماؤ۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ضلوا وما کانوا مھتدین ان دونوں میں کیا فرق ہے ضلال یعنی گمراہی اور ہدایت نہ ہونا ایک ہی چیز ہے اسے دو عنوانوں سے کیوں بیان کیا؟ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے کہ ضلال یعنی گمراہی سے مراد ہو گا ان کا گزشتہ زمانہ میں گمراہ ہونا اور ہدایت نہ پانے سے مراد ہے آئندہ گمراہ رہنا یا ضلال سے مراد ہے انکی عملی گمراہی اور ہدایت نہ پانے سے مراد ان کے عقیدے کی گمراہی وغیرہ۔ پانچواں اعتراض: کفار عرب اپنے بچوں کو قتل یعنی ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں گڑھے میں زندہ دبا دیتے تھے پھر قتلوا فرمانا کیونکر درست ہوا' قتل تو کہتے ہیں ذبح کرنے کو۔ جواب: یہاں قتل سے مراد ذبح نہیں بلکہ بچہ کی جان لینے کے اسباب قائم کر دینا مراد ہے' بچہ کو گلا گھونٹ کر زہر دے کر زندہ دفن کر کے ہلاک کر دینا سب ہی اس میں داخل ہے لہذا آیت واضح ہے۔ چھٹا اعتراض: اگر بچہ کی موت کے اسباب جمع کر دینا قتل ہے اور قتل حرام ہے تو یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کئے کہ ایک بار اپنے بیوی بچہ کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دیا' دوسری بار ان کے گلے پر چھری چلا دی ان پر بھی یہی عتاب چاہئے تھا مگر ان کے ان کاموں کی قرآن نے تعریف فرمائی انہ من عبادنا المومنین جواب: اچھے سے اچھا کام اگر اپنے نفس یا ناموری کے لئے ہو تو برا ہے اور بظاہر برے سے برا کام اللہ کی رضا کے لئے ہو تو اچھا ہے کفار عرب یہ کام اپنے نفس یا فخر کے لئے کرتے تھے لہذا ان کے متعلق قد خسر ارشاد ہوا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام محض رضاء الہی کے لئے اسی کے حکم سے کئے لہذا اچھے ہوئے کام یکساں ہیں مگر ان کی بنا علیحدہ ہیں بلکہ ان کے انجام بھی جدا گانہ ہیں کہ نہ تو حضرت اسمٰعیل کی جان گئی نہ انہیں ہلاک فرمایا گیا بلکہ ان کی برکات آج تک دیکھی جا رہی ہیں مکہ معظمہ کی آبادی خانہ کعبہ کی تعمیر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں ولادت باسعادت اس کی برکات ہیں کہ وہ بے آب و دانہ جنگل تو' شہر بنا' دنیا کا مرجع بنا' حضور کی ولادت گاہ بنا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تفسیر صوفیانہ: بعض جاہلوں نے دین دنیا میں تفریق کر دی ہے کہ دنیا کی نعمتیں دنیاداروں کے لئے ہیں' آخرت کی چیزیں نماز روزہ وغیرہ مولویوں صوفیوں کے لئے۔ علماء صوفیاء کو روزی کمانے مال جمع کرنے سے کیا کام اور ہم کو نماز روزہ سے کیا تعلق یہ تفریق وہی کفار مکہ والی تفریق ہے اسلام میں دین و دنیا آپس میں متفق ہیں' حضرات خلفاء راشدین دیندار بلکہ دینداروں کے بادشاہ تھے پھر دنیاوی سلطان بھی تھے وہ حضرات مسجد کے نمازی' جہاد کے غازی کعبہ کے حاجی تخت حکومت کے سلطان اور قاضی تھے یہ فرق ہندوؤں نے کیا کہ برہمن عبادت کے لئے ہیں چھتری جنگ کے لئے اور ویش دنیاوی کاروبار کے لئے اور شدر ان تینوں قوموں کی غلامانہ خدمت کرنے کے لئے جو لوگ اپنی اولاد کو صرف دنیا کمانا سکھاتے ہیں دین سے الگ رکھتے ہیں یہ لوگ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں دینی موت مار دیتے ہیں' یہ بچے جوان ہو کر یہ نہ جانیں گے کہ ہم کس درخت کی شاخ ہیں اور کس شاخ کا پھل۔

بھول جائیں گے کہ ہم کن ڈالیوں کے تھے ثمر ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور بکے آکر کہاں

ان لوگوں نے اپنے کو اور اپنی اولاد کو اس روحانی رزق رحمانی غذا سے محروم کر لیا اسے اپنے پر حرام کر لیا جو رب نے ان کے لئے اتارا تھا تاکہ اس سے ان کے دل و جان کی پرورش ہو وہ سمجھے اللہ تعالیٰ یوں ہی مل جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا یہ

گمراہ رہے اور گمراہ رہیں گے' اپنے بچوں کی روحانی پرورش کرو انہیں متقی مسلمان بناؤ تاکہ ان کی اولاد در اولاد مومن بنے اپنی لڑکیوں کو صرف لباس زیور اور سامان کا جہیز نہ دو بلکہ انہیں اخلاق محمدی کا جہیز بھی دو کہ کل کو وہ اچھی ماں بنے ماں فاطمہ ہو تو بیٹا حسین ہوتا ہے۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں　　معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

غرضیکہ قتل اولاد کے عالمانہ معنی اور ہیں صوفیانہ کچھ اور۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ
اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے باغات پھیلے ہوئے اور نہ پھیلے ہوئے (اکھڑے ہوئے) اور کھجوریں اور کھیت کہ مختلف ہیں
اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ کچھ زمین پر چھتے ہوئے اور کچھ بے چھتے ہوئے اور کھجور اور کھیتی
مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوْا
ان کے پھل　اور زیتون　اور انار یکساں ہیں　اور نہیں یکساں کھاؤ تم اس کے پھل
جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ کھاؤ
مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
میں سے جب کہ پھل دے اور ادا کرو حق اس کا اس کے کاٹنے کے دن اور نہ فضول خرچی کرو یقیناً رب
اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور بے جا نہ خرچو بے شک بے جا
الْمُسْرِفِيْنَ (۱۴۱)
نہیں پسند کرتا فضول خرچوں کو۔
خرچنے والے اسے پسند نہیں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی اس غلط تقسیم کا ذکر تھا جو وہ اپنی پیداوار میں کرتے تھے کہ کچھ اللہ کے نام پر کچھ بتوں کے نام پر۔ اب پیداوار کے مبداء کا ذکر ہے کہ سارے باغات کھیتوں کو پیدا فرمانے والے ہم ہیں' ہمارے سوا کسی نے ایک پتہ پھول پھل پیدا نہیں کیا پھر یہ شرکاء پیداوار میں ہمارے شریک کیسے ہو گئے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کو اپنے کھیتوں میں سے مختلف ناجائز حصے نکالنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اب جائز و واجب حقوق فقراء و مساکین کے حصے' پیداوار کی زکوۃ نکالنے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا ممنوعہ تقسیم سے ممانعت کے بعد واجب یا مستحب تقسیم کا حکم ہے۔ تیسرا تعلق: بہت دور سے شرک اور مشرکین کی تردید کی جا رہی تھی اب توحید اور

اس کے دلائل ارشاد فرمائے جارہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی مصنوعات باغات کھیت وغیرہ کی پیداوار میں غور کرو اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔

تفسیر: **وهو الذی انشاء جنت معروشت وغیر معروشت** یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ھو** سے ذات رب العالمین مراد ہے **الذی** سے اس کی صفت خلق و قدرت و ربوبیت مراد۔ یعنی وہ اللہ ایسی قدرت والا ایسا خالق ایسی بندوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **ھو الذی** کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ قدرت والا۔ وہ ربوبیت والا وہ شان والا ہے مگر یہ فرمان وہاں بھی ہے **ھو الذی ارسل رسولہ** وہاں اس کے معنی ہیں اللہ وہ شانوں والا ہے کیونکہ دنیا کی چیزیں رب تعالیٰ کی ایک ایک شان کے مظہر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی ساری شانوں ساری صفات کے مظہر بلکہ اس کی ذات کے مظہر ہیں جیسا آیت کا مضمون ویسے ہی **ھو الذی** کے معنی۔ **انشا** بنا ہے **انشاء** سے جس کا مادہ ہے **نشو** معنی پیدائش **انشاء** پیدا فرمانا جنات جمع جنت کی معنی گھنا باغ جس کے نیچے کی زمین نظر نہ آئے مگر تفسیر صاوی نے فرمایا کہ یہاں اس سے مراد مطلقاً سبزے ہیں خواہ باغ ہوں یا کھیت یا کوئی اور گویا جز فرما کر کل یا جزئی فرما کر کل مراد ہے۔ باقی مفسرین نے اس کے معنی باغات ہی کئے۔ **معروشات** بنا ہے عرش سے معنی چھت اسی سے ہے عریش معنی تنکوں کا چھپر رب فرماتا ہے **ومن الشجر و مما یعرشون** چھت والے تخت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے **لها عرش عظیم** بلقیس کے پاس بڑا تخت ہے یعنی چھت یا چھتری والا تخت یہاں معروشات سے مراد وہ درخت ہیں جنہیں باریک بیلیوں کی ٹٹی پر چڑھایا جائے۔ جیسے انگور کی بیل جو ٹٹیوں پر پھیلائی جاتی ہے یعنی بغیر سہارے زمین پر کھڑی نہ ہو سکے۔ غیر معروشات سے مراد یا تو زمین پر پھیلی ہوئی بیل بوٹیاں ہیں جیسے تربوز خربوزے کی بیل یا اس سے مراد تنے والے درخت ہیں جو اپنے تنے پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے کھجور انار یا آم وغیرہ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ان دونوں سے مراد انگور کے درخت ہیں کہ بعض تو ٹٹی پر پھیلائے جاتے ہیں اور بعض یوں ہی زمین پر پھیلے رہتے ہیں لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ (معانی احمدی وغیرہ) خیال رہے کہ باغات کھیت وغیرہ مدینہ منورہ میں ہیں مکہ معظمہ میں نہ کھیت نہ باغ **والنخل والزرع مختلفا اکلہ** یہ عبارت جنات پر معطوف ہے اور **انشاء** کا مفعول ہے **نخل** کہتے ہیں کھجور کے درخت کو یہاں اس سے مراد جنس نخل ہے۔ جس میں ایک درخت اور کھجور کے باغات سب ہی داخل ہیں چونکہ کھجور میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے درختوں میں نہیں اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی باقی بچی ہوئی مٹی کھرچن سے یہ بنایا گیا۔ تمام سبزوں سے زیادہ تسبیح یہ ہی درخت کرتا ہے اس کی خدمت زیادہ نہیں کرنی پڑتی بغیر کھاد پانی کے سرسبز رہتا ہے بہت عرصہ تک رہتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کے لگائے ہوئے بعض درخت اب تک موجود ہیں فقیر نے زیارت کی ہے خزاں میں اس کے پتے نہیں جھڑتے اس کے پھل بہت وقت نکال جاتے ہیں اس کے پھل یعنی کھجوریں غذا کا کام بھی دیتی ہیں اور فروٹ کا بھی۔ اہل عرب مہینوں اس پر گزارہ کر لیتے ہیں اس کے ہر چیز پتے تنا جڑ سب ہی بہت کام آتے ہیں درختوں میں کھجور جانوروں میں اونٹ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خاص مظہر ہیں اس لئے اونٹ کے متعلق ارشاد ہوا۔ **الی الابل کیف خلقت**۔ کھجور کی گٹھلی جانوروں کو کھلائیں تو بہت مضبوط ہوتا ہے خود کھجور قوت باہ کے لئے مفید ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ہر قسم کے باغ ہیں یعنی نخل معنی شجر ہے اور پھل والے باغات جن پر ہر قسم کے پھل فروٹ ہوتے ہیں۔ جنات کے بعد نخل کا ذکر گویا عام کے بعد خاص کا

ذکر ہے زرع ہر کھیت کو کہتے ہیں جن سے مختلف قسم کے دانے حاصل ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ بھوک دفع کرنے کے لئے دانے کھائے جاتے ہیں' لذت حاصل کرنے کے لئے پھل فروٹ اسی لئے جنت میں باغات ہوں گے 'کھیت نہ ہوں گے **مختلفا** دونوں کا حال ہے نخل کا بھی اور زرع کا بھی۔ اختلاف سے مراد کیفیت رنگت خوشبو مزے وغیرہ میں مختلف ہونا ہے۔ اکل جمع ہے اکلتہ کی بمعنی پھل ہ کا مرجع یا صرف زرع ہے کہ وہ ہی قریب ہے یا نخل اور زرع دونوں بطریق بدلیت یعنی کھیتوں باغوں کے دانے و پھل لذت رنگت 'شکل خوشبو وغیرہ میں مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا کوئی بکسا کوئی کھٹ مٹھا کوئی کھرا ہے کوئی ردی **والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ** یہ عبارت معطوف ہے نخل والزرع پر اور **انشاء** کا مفعول ہے۔ زیتون درخت کو بھی کہتے ہیں اور اس کے پھل کو بھی' زیتون کے تیل کو زیت کہا جاتا ہے یہاں درخت مراد ہے یوں ہی رمان انار کے درخت کو بھی کہتے ہیں اس کے پھل کو بھی یہاں درخت انار مراد ہے۔ بعض درختوں میں درخت کا نام اور ہوتا ہے پھل کا کچھ اور جیسے بیری کو سردہ کہتے ہیں مگر بیر کو نبق۔ **متشابھا** اپنے معطوف سے مل کو ان دونوں کا حال ہے زیتون اور انار کے درخت بالکل ہم شکل ہوتے ہیں۔ قد پتے بالکل یکساں مگر پھلوں میں زمین آسمان کا فرق اسی کا یہاں ذکر ہے کہ اللہ کی قدرت دیکھو کہ یہ دونوں درخت یکساں ہیں مگر ان کے پھل رنگ شکل خوشبو اور مزے میں بہت ہی مختلف کہ ان میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ **کلوا من ثمرہ اذا اثمر** یہ جملہ نیا ہے' اس میں **کلوا** صیغہ امر ہے یہاں مباح فرمانے کے لئے استعمال ہوا یعنی اے مالکو یا مالک سے اجازت یافتہ لوگو تم کھا سکتے ہو۔ لہذا اس میں خطاب مالکوں سے ہے یا ان کے اجازت یافتہ لوگوں سے **کلوا** فرما کر اشارۃً یہ بتایا کہ تم یہ پھل نمودار ہوتے ہی کھا تو سکتے ہو مگر انہیں فروخت نہیں کر سکتے جب تک کہ قابل نفع نہ ہو جائیں اور تم ان کی زکوٰۃ ادا نہ کر دو صرف کھانے کی اجازت ہے **من ثمرہ** میں ہ ضمیر ان تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے۔ انگور' کھجور' کھیتیاں' زیتون' انار وغیرہ اس لئے ثمر فرمایا گیا جو ہر پھل اور دانہ پر بولا جاتا ہے غرضیکہ ایک **کلوا** سے تین مسئلے بتائے گئے۔ ایک یہ کہ کھیت و باغ میں دانہ اور پھل لگتے ہیں تم کھا سکتے ہو اور ہر طرح کھا سکتے ہو' کچی گندم' کچے جو کے ستو بنا کر انہیں بھون کر چبا کر کچے آم کا اچار ڈال کر چٹنی کر کے وغیرہ۔ زکوٰۃ دینے کا انتظار ضروری نہیں۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے سے پہلے صرف کھا اور کھلا سکتے ہو انہیں فروخت نہیں کر سکتے۔ تیسرے یہ کہ ہر پھل ہر دانہ تمہارے لئے حلال ہے اس میں جانوروں کی سی قید نہیں کہ فلاں جانور حلال فلاں حرام پھر حلال جانور میں قیدیں کہ اسے ذبح کرو پھر کھاؤ دانہ اور پھلوں میں یہ قیدیں نہیں ہاں ان میں صرف دو قیدیں نشہ نہ دے اور نقصان نہ دے اور مضر چیزیں ممنوع ہیں **واتوا حقہ یوم حصادہ** یہ عبارت معطوف ہے **کلوا من ثمرہ** پر اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ جن میں سے قوی اور ظاہر تر تفسیر یہ ہے کہ **اتوا** امر میں خطاب ان باغات و کھیت کے مالکوں سے ہے اور یہ امر وجوب کے لئے ہے یعنی ضرور ادا کرو حق سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ حقہ میں ہ کا مرجع ثمر ہے یوم سے مراد وقت ہے دن ہو یا رات حصاد کے معنی ہیں کاٹنا یا توڑنا کھیت کاٹا جاتا ہے باغ کے پھل توڑے جاتے ہیں۔ حصادہ میں ہ ضمیر یا تو ثمر کی طرف ہے یا گزشتہ تمام چیزوں کی طرف' باغات و کھیت۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس۔ خواجہ حسن بصری۔ سعید ابن مسیب' قتادہ۔ طاؤس وغیرہم فقہاء کی ہے (روح المعانی) یعنی ان دونوں پھلوں کے توڑنے کے دن جو پیداوار حاصل ہو اس کی زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرو یوم حصاد فرما کر چند باتیں بتا دی گئیں ایک یہ کہ تم نے پکنے کٹنے سے پہلے جو کچھ پھل کھائے وہ معاف ہیں جو پھل توڑنے کے دن نکلے ان کی زکوٰۃ ہے دوسرے یہ کہ دوسری

زکوٰتوں کی طرح اس زکوٰۃ میں سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ کاٹتے ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ تیسری یہ کہ کاٹتے ہی جو پیداوار حاصل ہو اس کی پوری کی زکوٰۃ ہے مزدوروں کی مزدوری اور دیگر اخراجات اس میں وضع نہیں کئے جائیں گے۔ اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں اور یہ حضرت امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہر پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہے کم ہو یا زیادہ اس کا پھل سال بھر تک رہے یا نہ رہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور جو تفسیریں کی گئیں ہیں ان کی بنا پر یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کریں گے **ولا تسرفوا** اس عبارت کی بھی بہت تفسیریں ہیں۔ جن میں سے ہم صرف دو تفسیریں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ دو مال برباد نہ کرو کہ ساری پیداوار لٹا دو بال بچوں کے لئے کچھ نہ رکھو جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تم بکنے سے پہلے ان کے پھل کھا تو سکتے ہو مگر زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بیجا فضول خرچ نہیں کر سکتے صرف بقدر ضرورت کچھ لینے کی اجازت ہے اسراف حد سے جائز بقدر ضرورت خرچ ہے اور اسراف اس سے حد سے زیادہ خرچ اگرچہ جائز کاموں میں ہو۔ تبذیر حرام کاموں میں خرچ اسی لئے تبذیر والوں کے متعلق ارشاد ہے کہ مبذرین شیاطین کے بھائی ہیں اسراف والوں کے لئے ارشاد ہے **انہ لا یحب المسرفین** یہ عبارت **لا تسرفوا** کی علت ہے۔ یعنی فضول خرچی اس لئے نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچیوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ انہیں ناپسند کرتا ہے۔ پسند نہ کرنے اور ناپسند کرنے میں بڑا فرق ہے بعض فضول خرچوں کو اللہ پسند نہیں کرتا اور بعض کو ناپسند کرتا ہے ان سے ناراض ہے سرف کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے گناہوں کو بھی اسراف کہا گیا ہے **واسرافنا فی امرنا** اس کلمہ کی پانچ تفسیریں اور بھی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : دنیا میں فرمانبردار تین قسم کے ہیں لالچ سے اطاعت کرنے والے۔ ڈر سے کرنے والے۔ اس لئے قرآنی آیات مختلف ہیں بعض میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے، بعض میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے بعض میں اللہ کے عذابوں کا ذکر ہے۔ لالچ والوں کے لئے وہ آیات، ڈر والوں کے لئے یہ آخری آیات اور بعض میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تذکرہ ہے یہ محبت والوں کے لئے ہیں۔ یہ اور اگلی آیتیں پہلی قسم کی ہیں جن میں لالچ والوں کے لئے نصیحت ہے، اس آیت کریمہ کے آخری حصہ کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے ہم ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے۔ جس کی بنا پر یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ ایسی قدرت والا ہے جس نے ایسے باغ بھی پیدا کئے جو ٹٹیوں بانسوں چھتوں پر پھیلتے ہیں، جیسے انگور اور ایسے سبزے بھی پیدا کئے جو زمین پر ہی پھیلتے ہیں ان کے لئے کسی بانس یا چھت وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسے کدو، خربوزہ، تربوز، ککڑی وغیرہ کی بیلیں، اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو اپنے تنا پر کھڑے رہتے ہیں ایک بار بو دیئے جاویں تو سالہا سال پھل دیتے ہیں، کھیتیاں پیدا فرمائیں کہ جو اگرچہ زمین پر کھڑی تو رہتی ہیں مگر ہر سال بوئی کاٹی جاتی ہیں غرضیکہ دو قسم کے باغ بنائے ہیں اور دو قسم کے کھیت یہ چار قسم کی پیداوار پیدا فرمائیں۔ ان باغوں کھیتوں کے پھل دانہ رنگت، جسامت نفع مزے میں مختلف ہیں۔ زیتون انار پیدا فرمائے جن کے درخت و پتے یکساں ہیں مگر پھل بالکل مختلف تم کو اجازت ہے کہ اس کا پھل پیدا ہوتے ہی کھا سکتے ہو کچا ہو یا پکا اور تم کو تاکیدی حکم ہے کہ ان پھلوں کے ٹوٹنے اور دانوں کے گاہنے کے دن ان کی زکوٰۃ ادا کرو سال بھر رکھنے کا انتظار نہ کرو نہ اور کسی قسم کا خرچہ اس سے وضع کرو پھر صرف زکوٰۃ ہی ادا کرو سارا خیرات کر کے اپنے کو اور اپنے بال بچوں کو بھوکا نہ مارو کہ اسراف اور زیادتی ہے اللہ تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے لوگ پسند نہیں، ہر کام میں میانہ روی اختیار کرو۔ خیال رہے کہ باغات اور کھیتوں میں چند طرح سے رب کی شان کا ظہور ہے۔ (1) سارے باغ و کھیت صرف زمین میں لگتے ہیں،

آگ' پانی' ہوا میں نہیں لگتے کیونکہ زمین میں عجز و انکسار ہے ایسے ہی معرفت الٰہی کے باغ صرف انسانی دل میں لگتے ہیں جنات یا فرشتوں یا دوسری مخلوق کے دلوں میں نہیں لگتے۔ (2) زمین میں باغ و کھیت کسی کی کاشت سے لگتے ہیں' گھاس کانٹے خودرو ہیں ایسے ہی انسان کے دل میں معرفت کے باغ کسی کی نظر سے لگتے ہیں گناہ و غفلت وغیرہ خود بخود۔ (3) کوئی زمین باغ و کھیت لگنے کے لئے پانی دھوپ سے بے نیاز نہیں یوں ہی کوئی شخص ایمان و عرفان و تقویٰ کے لئے نگاہ ولی سے بے نیاز نہیں۔ (4) اکثر او نچے درختوں پر چھوٹے پھل لگتے ہیں اور کمزور معمولی بیل میں وزنی اور بڑے پھل لگتے ہیں' دیکھ لو آم اور کدو' تربوز وغیرہ کا حال۔ یونہی مسکینوں غریبوں پر رحمت الٰہی زیادہ ہوتی ہے بڑوں اور امیروں پر کم۔ (5) کمزور بیل بوٹوں کے بھاری وزنی پھل خود یہ نہیں اٹھاتے بلکہ ان کا بوجھ زمین اٹھاتی ہے ان کا تعلق بیل بوٹوں کے ساتھ ایک معمولی سے دھاگہ سے ہوتا ہے یوں ہی جب رب کسی مسکین کو بڑا درجہ دیتا ہے تو اس کا بوجھ اس شخص پر نہیں ڈالتا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں غور کرنا عبادت ہے درخت کا ہر پتہ کھیت کا ہر تنکا معرفت الٰہی کا دفتر ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

دوسرا فائدہ: درختوں کے کچے پکے پھل کھیت کے کچے پکے دانے ہر وقت کھانا جائز ہے مزے دار ہوں یا نہ ہوں یا بد مزہ ہوں ان میں سے کوئی حرام نہیں یہ فائدہ **کلوا من ثمرہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: چیزوں میں اصلی حالت مباح ہونا ہے یعنی جس چیز سے شریعت منع نہ کرے وہ حلال ہے حرام کے لئے ممانعت ضروری ہے' حلال کے لئے امر ضروری نہیں۔ یہ فائدہ بھی **کلوا من ثمرہ** سے حاصل ہوا (تفسیر کبیر)۔ چوتھا فائدہ: کبھی امر صرف مباح کرنے کے لئے بھی آتا ہے ہر امر وجوب کے لئے نہیں دیکھو یہاں کی پیداوار میں سے ہم زکوٰۃ نکالنے سے پہلے بھی کچھ کھا سکتے ہیں۔ کچے گدر یا پختہ پھل۔ یہ فائدہ بھی **کلوا من ثمرہ** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: ہر پیداوار پر زکوٰۃ یعنی دسواں یا بیسواں حصہ دینا واجب ہے' پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا پھل سال بھر تک رہے یا نہ رہے لہذا سبزیوں پر بھی زکوٰۃ ہے یہی امام اعظم کا قول ہے یہ فائدہ **و اتوا حقہ** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : لکڑی' گھاس' بانس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں۔ (تفسیر احمدی) مسئلہ: اپنے گھر میں جو چیز بو دی جاوے اس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں (تفسیر احمدی) مسئلہ۔ اگر رہنے کے گھر کو باغ بنا دیا تو اس کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھروں کی پیداوار میں زکوٰۃ کی معافی دی نہ کہ باغ کی پیداوار میں۔ (تفسیر احمدی) ساتواں فائدہ: پیداوار کی زکوٰۃ کھیت کاٹنے' پھل توڑنے پر واجب ہو جاتی ہے اپنے پاس ایک سال تک رہنا ضروری نہیں یہ فائدہ **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ساری پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہے۔ خرچہ وضع نہیں کیا جائے گا۔ یہ فائدہ بھی **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: پوری پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے' بغیر زکوٰۃ دیئے اس میں سے کچھ لینا' کسی کو دینا حرام ہے۔ پہلے زکوٰۃ نکال لو پھر تقسیم کرو یا کسی کو دو یا اپنے گھر رکھو۔ یہ فائدہ بھی **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: اپنے بچوں بیوی کو بھوکا رکھنا اور ساری پیداوار خیرات کر دینا جائز نہیں کہ یہ اسراف ہے اور اسراف ممنوع ہے یہ فائدہ **ولا تسرفوا** کی مذکورہ

تفسیر سے اور اس کے شان نزول سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : سونے چاندی تجارتی مال کی زکوٰۃ میں اور پیداوار کی زکوٰۃ میں چند طرح فرق ہے۔(1) ان زکوٰتوں میں نصاب شرط ہے۔ نصاب سے کم پر زکوٰۃ نہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ میں نصاب نہیں ہر تھوڑے بہت پر زکوٰۃ ہے۔(2) زکوٰتوں میں سال گزرنا شرط ہے پیدوار کی زکوٰۃ میں یہ شرط نہیں پھل ٹوٹتے ہی کھیتی کٹتے ہی یہ زکوٰۃ فرض ہے۔(3) وہ زکوٰتیں صرف عاقل بالغ پر فرض ہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ نابالغ بچے دیوانہ پاگل پر بھی فرض ہے۔(4) ان زکوٰتوں میں قرض کاٹ دیا جاتا ہے پیداوار کی زکوٰۃ میں قرض نہیں کاٹا جاتا مقروض پر بھی دینا فرض ہے۔(5) ان کی زکوٰتوں میں حاجت اصلیہ کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے جو حاجت اصلیہ سے بچے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔(6) وہ زکاتیں سال میں صرف ایک بار واجب ہوتی ہیں مگر پیداوار کی زکات میں یہ رعایت بھی نہیں اگر سال میں چار فصلیں لی جاویں تو ہر فصل کی زکوٰۃ دینا پڑے گی یہ تمام فرق ایک لفظ یوم حصادہ سے معلوم ہوئے۔(7) ان زکاتوں کی مقدار چالیسواں حصہ ہے مگر پیداوار کی زکوٰۃ دسواں حصہ یا بیسواں یعنی ان زکوٰتوں سے چوگنا یا دوگنا۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ زکاتیں محض عبادت ہیں مگر پیداوار کی زکات عبادت بھی ہے اور ایک طرف کا ٹیکس بھی۔ ٹیکس میں وہ رعائتیں نہیں ہوتیں جو محض عبادت میں ہوتی ہیں۔

پہلا اعتراض : جنات یعنی باغات میں کھجور زیتون انار کے باغات بھی داخل تھے پھر ان کا ذکر علیحدہ کیوں کیا گیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ جنات سے یا تو صرف انگوروں کے باغ مراد ہیں۔ جو دو قسم کے ہوتے ہیں بعض چھتے ہوئے یعنی ٹٹیوں کے چھتوں پر پھیلائے ہوئے اور بعض انگور زمین پر ہی پھیلے ہوتے ہیں ان دونوں کے لئے معروشات اور غیر معروشات ارشاد ہوا اس صورت میں کھجور انار وغیرہ کا ذکر علیحدہ کرنا بالکل مناسب ہے یا جنات سے مراد سارے سبزے ہیں تب ان کا ذکر علیحدہ کرنا ان کا اہتمام اور عظمت شان دکھانے کے لئے ہے کہ ان میں فوائد اور قدرت کے کرشمے بہت ہیں حتیٰ کہ زیتون کو شجرۂ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔ دوسرا اعتراض: باغ اور کھیت تو کھانے ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر **کلوا من ثمرہ الخ** فرمانے سے کیا فائدہ؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ پھلوں اور دانوں کی فروخت جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ نفع کے قابل نہ ہو جائیں شاید کوئی سمجھتا کہ اس سے پہلے ان کا کھانا بھی جائز نہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ کھانے میں یہ قید نہیں ہر وقت کھا سکتے ہو حتیٰ کہ چنے کا ساگ آم کی بہت ہی چھوٹی کچی کیری بھی کھائی جاتی ہے دوسرے یہ کہ شاید کوئی سمجھتا کہ ان کی زکوٰۃ دینے سے پہلے انہیں کھانا جائز نہیں' ارشاد ہوا کہ کھانے پر یہ پابندی نہیں ہے' زکوٰۃ واجب ہوگی کٹنے کے دن اس سے پہلے تم کچھ کھا سکتے ہو۔ تیسرا اعتراض: **اتوا حقہ** میں حق سے مراد زکوٰۃ نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے پوری سورۂ انعام ہی مکیہ ہے اور زکوٰۃ بعد ہجرت سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئی بلکہ اس سے مراد وہ صدقہ ہے جو باغ والے کھیت والے عموماً پھل توڑتے کھیت کاٹتے وقت فقیروں غریبوں کو بانٹتے رہتے ہیں پہلے یہ صدقہ فرض تھا پھر زکوٰۃ فرض ہونے سے منسوخ ہو گیا۔

نوٹ : یہ اعتراض حضرت امام شافعی اور صاحبین کا ہے جن کے نزدیک ہر پیداوار میں زکوٰۃ نہیں بلکہ اس میں ہے جس کا پھل ایک سال تک ٹھہر سکے انار زیتون وغیرہ صرف موسمی پھل ہیں۔ جواب: اگرچہ سورۂ انعام مکیہ ہے مگر یہ آیت مدنیہ

ہے اس کی چند دلیلیں ہیں ایک یہ کہ جو صدقہ تم نے مراد لیا ہے وہ اسلام میں کبھی فرض نہ تھا یعنی اتفاقاً" آجانے والے فقرا کو کچھ دے دینا پھر اس کے لئے صیغہ امر فرمانا اور اسے حقہ کہنا درست کیسے ہوا دوسرے یہ کہ اہل مکہ کی زمین کاشت کے قابل نہ تھی ان پر پیداوار کی زکوٰۃ واجب کرنے کے کیا معنی۔ تیسرے یہ کہ ابھی ہم شان نزول میں عرض کر چکے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے اپنی ساری پیداوار ایک دن میں خیرات کردی اور ظاہر ہے کہ حضرت ثابت ابن قیس مدینہ منورہ کے انصاری ہیں لہٰذا یہ آیت مدنی ہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباس' انس ابن مالک' طاؤس' خواجہ حسن بصری' محمد ابن حنیفہ' سعید ابن زید' جابر ابن زید وغیرہم جلیل القدر صحابہ کا یہی قول ہے کہ یہاں اس سے زکوٰۃ مراد ہے حتی کہ تفسیر جلالین والے شافعی ہیں مگر انہوں نے بھی حق کی تفسیر زکوٰۃ سے کی بلکہ روح المعانی نے فرمایا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اس پر عمل مدینہ منورہ میں ہوا جیسے نماز جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہوئی مگر پڑھی گئی بعد ہجرت کیونکہ اس سے پہلے شرائط جمعہ موجود نہ تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر یہاں پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے تو **یوم حصادہ** کیوں فرمایا زکوٰۃ حصاد یعنی کاٹنے کے دن واجب نہیں ہوتی بلکہ بھوسہ علیحدہ کرنے کے بعد دانہ نکال لینے پر واجب ہوتی ہے۔ **جواب:** حصاد کھیت کاٹنے پھل توڑنے کو بھی کہتے ہیں۔ **فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ** اور گاہنے یعنی دانے نکالنے کو بھی بلکہ جو کھیتی قابل کاٹنے کے ہو اسے بھی حصید کہتے ہیں۔ **فجعلنا ھم حصیدا خامدین** یہاں یوم حصادہ فرمانے سے یہ بتایا گیا کہ کھیت کاٹنے باغ کے پھل توڑنے کے دن زکوٰۃ دو اس میں سے خرچہ وغیرہ وضع نہ کرو کیونکہ خرچہ خود شریعت نے وضع کر دیا ہے کہ خرچہ والے کھیت کی زکوٰۃ بیسواں حصہ رکھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ **یوم حصادہ** کا تعلق حقہ سے ہونہ کہ اتو سے۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں پھر تم نے کیسے کہا کہ ہر کم و بیش پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے (صاحبین)۔

نوٹ ضروری : ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا اس حساب سے پانچ وسق تینتیس 33 سیر ہوئے۔ صاحبین کے ہاں اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں انہیں کی یہ دلیل ہے **لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ**۔ **جواب:** اس حدیث میں زکوٰۃ سے مراد دانہ پھلوں کی تجارتی زکوٰۃ ہے نہ کہ پیداوار کی زکوٰۃ یعنی جو غلے کا تاجر اس سے کم غلہ رکھے اس پر زکوٰۃ تجارت نہیں کیونکہ اس زمانہ میں ایک وسق اناج چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دو سو درہم کے ہوئے دو سو درہم تجارتی مال کا نصاب ہے۔ امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے **فیما سقت السماء العشور و فیما سقی بالسانیۃ نصف العشور (طحاوی)** لفظ ما عام ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب ہر پیداوار میں زکوٰۃ ہے تو بانس' گھاس' اور لکڑی پر کیوں واجب نہیں نیز گھر میں جو چیز اگے اس میں زکوٰۃ کیوں واجب نہیں کیا حضرت عمر نے حکم قرآن کے خلاف قانون بنا دیا اور کیا قرآن کے مقابل حضرت عمر کا قول واجب العمل ہو گا۔ **جواب:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قانون اس حکم قرآنی کی تفسیر یا تخریج ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں ان چیزوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ **اثمر۔ ثمرہ۔ حصادہ۔** ان سب میں اسی طرف اشارہ ہے۔ لکڑی' گھاس' بانس پھل والے درخت نہیں اس لئے ان پر زکوٰۃ نہیں۔ پھل والے درختوں کھیتوں کی زکوٰۃ ہے نیز اس آیت کے شروع میں فرمایا گیا **انشا جنات الخ** اور ظاہر ہے کہ گھر کے صحن وغیرہ میں اگر کچھ سبزہ اگا لیا جاوے تو وہ جنت یعنی باغ نہیں ہوتا ان اشارات سے معلوم ہوا کہ باغ و کھیت کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے گھر کے صحن کیاریوں کی

پیداوار میں زکوٰۃ نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** شریعت میں تجارتی زکوٰۃ میں اتنی رعائتیں کیوں دی ہیں پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ رعائتیں کیوں نہیں دیں۔ خیال تو کرو کہ تجارتی زکوٰۃ نصاب پر چالیسواں حصہ وہ بھی ایک سال کے بعد اس میں بھی قرض وضع کیا جاتا ہے۔ بچہ پر فرض نہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ کوئی رعایت نہیں باغبانوں اور کسانوں نے کیا قصور کیا۔ **جواب:** پیداوار کی زکوٰۃ عبادت بھی ہے اور ایک لحاظ سے ٹیکس بھی جس پر ملکی نظام قائم ہے اور ٹیکس میں مذکورہ رعائتیں نہیں دی جاتیں عشر میں یہ رعایت ہے کہ اگر پیداوار نہ ہو تو واجب نہیں مگر خراج میں یہ بھی رعایت نہیں وہ بہرحال واجب ہے اگر پیداوار نہ ہو موجودہ حکومتوں نے بھی آمدنی ٹیکس اور پیداوار کے ٹیکس میں یہ فرق کیا ہوا ہے آمدنی ٹیکس یا انکم ٹیکس سال میں ایک دفعہ واجب ہوتا ہے مگر پیداوار کا لگان ہر فصل پر آمدنی ٹیکس میں بچوں کی فیس وغیرہ وضع کر دی جاتی ہے مگر پیداوار کی ٹیکس میں کوئی رعایت نہیں۔ زمین پر حکومتوں اور ملک کا دارومدار ہوتا ہے تجارتی زکوٰۃ محض اور خالص عبادت ہے لہٰذا وہاں رعایات دی گئیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت میں کل مال خیرات کرنے کو اسراف کیوں فرمایا اسراف تو بری یا بیکار چیزوں میں ہوتا ہے عربی مقولہ ہے **لا سرف فی الخیر وان کان مثل احد۔** نیک کام میں خرچ کرنا اسراف نہیں اگرچہ پہاڑ بھی خیرات کرے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا کیا وہ اسراف تھا اور وہ خدا کو پیارے نہ تھے؟ **جواب:** سارا مال خیرات کر کے بچوں کے حقوق ضائع کر دینا انہیں بھیک منگانا شرعاً" ممنوع ہے ہمارے مال میں بہت حقوق ہیں سارے ادا کرو۔ ایک نفلی خیرات کر کے فرائض چھوڑ دینا یقیناً" اسراف یعنی فضول خرچی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق اور ان کے صابر شاکر سید المتوکلین بچوں پر اپنے کو اور اپنے بچوں کو قیاس نہ کرو۔ نہ ان جیسا صبر و رضا توکل کسی میں ہوگا نہ اس کے لئے یہ جائز ہوگا۔

سوختہ جان و روانان دیگر اند   موسیا آداب دانا دیگر اند!

خیال رہے کہ **لا تسرفوا** کی اور کئی تفسیریں ہیں اے مالکو خیرات ضرور کرو اسراف یعنی سب اپنے پر خرچ نہ کرلو اے حاکمو زیادتی نہ کرو حق سے زیادہ زکوٰۃ نہ لو۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ وہ رحمت و کرم والا ہے۔ جس نے طریقت کے باغ پیدا کئے اور شریعت کے کھیت طریقت کے بعض باغ وہ ہیں جو اولیاء اللہ کی ذاتوں پر قائم ہیں معروشات ہیں بعض وہ ہیں جو تمہارے دل کی زمین پر پھیلے ہیں یہ غیر معروشات ہیں چنانچہ ارکان نماز تلاوت قرآن اپنی طاقت اپنے بل بوتے پر ادا کرو تم اس کے مکلف ہو مگر ان میں سوزو گداز درود ول وغیرہ یہ وہ نعمتیں ہیں جو خاص عطیہ پروردگار ہیں۔ ارکان نماز گویا غیر معروشہ درخت ہیں اور یہ سوزو گداز گویا معروشہ باغ ہیں جو کسی کی نظر کی ٹیک پر قائم ہیں یوں ہی اس نے ذکر کے نخل، فکر کے زیتون، شغل کے انار پیدا فرمائے۔ اس رب نے شرعی فرائض واجبات سنن کے کھیت بنائے جو تمہاری روحانی غذاء ہیں جن سے تمہاری دینی زندگی قائم ہے یہ چیزیں بعض حیثیت سے یکساں ہیں بعض حیثیت سے مختلف نماز تہجد، شکل صورت ادا، فرائض ارکان شرائط میں دوسری نمازوں کی طرح ہے مگر لذت رحمت، سوزو گداز میں غیر متشابہ ہے کہ نماز پنجگانہ میں اطاعت غالب ہے۔ تہجد میں عشق کا ظہور ہے نماز پنجگانہ مسلمانوں کے لئے آئی ہیں **اقیموا الصلوٰۃ** نماز تہجد محبوب کے لئے **نافلۃ لک** یہی حال زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی کا ہے کہ شکل میں سب یکساں مگر لذتوں میں مختلف اے مومنوں ان باغوں کے سارے پھل ان کھیتوں کے سارے دانے تم خود ہی نہ کھا جانا بلکہ اس میں سے اپنی اولاد، عزیزوں دوستوں کو بھی حصہ دینا کہ انہیں بھی اللہ کی راہ پر لگا دینا **قوا انفسکم واھلیکم نارا۔** جب تمہاری

کھیتی کٹنے لگے اور تم مرنے لگو تو اس کا حق ادا کر کے مرو کہ اپنے نائب چھوڑ کر جاؤ جو تمہارے بعد تمہاری یہ دینی رسوم قائم رکھیں۔ خود کھاؤ اہل کو کھلاؤ نااہلوں سے بچاؤ کہ یہ اسراف ہے اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادات ریاضات مشاہدات وغیرہ روحانی غذائیں روحانی میوے ہیں' ان میں صورتیں لذتیں بھی ہیں خوشبوئیں بھی رنگتیں بھی جو دل والوں کو دنیا میں محسوس ہو جاتی ہیں اور قیامت میں تو ہر شخص کو محسوس ہونگی یہ عبادات یہاں شکل میں یکساں محسوس ہوتی ہے مگر دل کہتا ہے کہ ان کی لذتیں تاثیریں خوشبوئیں مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ قرآنی سورتیں بظاہر یکساں ہیں مگر ان کی لذت رحمت میں فرق ہے **قل ھو اللہ** میں جو لذت ہے وہ **تبت یدا** میں نہیں جو لذت آیات نعت میں ہے وہ اور ہے۔ جو آیات احکام میں ہے وہ اور ہے یہی حال نماز تہجد اور نماز اشراق کا ہے یہی حال کعبہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کا ہے اب پڑھو متشابہا وغیر متشابہ۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں عشق و محبت کے چھتے ہوئے باغ پیدا کئے اور سخاوت' وفا' عفت حلم و شجاعت کے غیر چھتے ہوئے باغ پیدا فرمائے اس دل میں ایمان کے نخل اعمال کی کھیتیاں اخلاص کے زیتون' الہام کے انار پیدا فرمائے اے لوگو! ان باغوں کھیتوں کے پھل یعنی مکاشفات' مشاہدات کھاؤ خوب استعمال کرو ساتھ ہی خیال رکھو کہ اس کے کٹنے یعنی وعظ و ہدایت کے وقت اس کا حق ادا کرو کہ لوگوں کو فیض پہنچاؤ اسراف نہ کرو کہ نااہلوں کو بخشو یا اہل کو محروم رکھو۔ (معانی) پھر خیال رکھو کہ کھیت و باغ کو پانی دیا جاتا ہے تم بھی اپنے ایمان و اعمال کے باغ و کھیت کو آنکھوں کا پانی دیتے رہو یہ آنکھیں گویا اس باغ کے کنویں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

باش چوں دو لاب دائم چشم تر تا دروں صحن تو روید خضر

جیسے دنیاوی کھانوں کی لذتیں بڑھانے کے لئے ان میں بعض مصالحے ملائے جاتے ہیں گوشت میں گھی کا بگھار لگاتے ہیں۔ شربت میں دودھ کیوڑا شامل کرتے ہیں ہر کھانے کا مصالحہ الگ ہے' ایسے ہی عبادات' ریاضات میں اخلاص و نسبت الی الرسول کا مصالحہ شامل کرو تاکہ اس کی لذتیں زیادہ ہو جائیں کھانا صرف ایک بار لذت دیتا ہے مگر مقبول عبادات ہمیشہ لذت دیتی ہیں۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰ

اور جانوروں میں سے لادنے والے اور زمین پر بچھے کھاؤ اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے اور نہ پیروی کرو

اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور

تِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ

قدموں کی شیطان کے تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو کو اور بکری

اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے آٹھ نر و مادہ ایک جوڑا بھیڑ کا

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ

میں سے دو کو فرماؤ کیا دونر حرام کئے یا دو مادائیں یا وہ شامل کر لیں

اور ایک جوڑا بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا مادائیں یا

عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ ۖ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٤٣﴾

اوپر اس کے رحم دو مادائیں کے خبر دو مجھے ساتھ علم کے اگر ہو تم سچے

وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں دانے اور پھل پیدا فرمانے کا ذکر تھا اب گوشت، دودھ وغیرہ پیدا فرمانے کا ذکر ہے یعنی روٹی کے ذکر کے بعد سالن کا ذکر ہے چونکہ روٹی مقصود ہوتی ہے سالن تابع۔ نیز روٹی پہلے ہوتی ہے سالن بعد میں اس لئے ان چیزوں کا ذکر باغ و کھیت کے بعد فرمایا گیا نیز کھیتوں باغوں میں انسان کبھی کبھی جاتا ہے مگر جانور تو اکثر کے گھروں میں رہتے ہیں ان کے دیکھنے کا موقعہ زیادہ ملتا ہے اس لئے باغوں کھیتوں کے بعد جانوروں کے ذریعہ اپنی معرفت کرائی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں نباتات کا ذکر تھا جو اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کے بعد اب حیوانات کا ذکر ہے جو اس کے بعد بڑی نعمت ہے ہم نباتات حیوانات دونوں ہی سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی معرفت کہیں تو آسمانی چیزوں کے ذریعہ کرائی، کہیں باغوں، کھیتوں کے ذریعہ کرائی، کہیں جانوروں کے ذریعہ، کہیں خود ہماری اپنی ذاتوں کے ذریعہ **وفی انفسکم افلا تبصرون** کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ۔ **ھوالذی ارسل رسولہ** یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں جانوروں کے ذریعے رب کی معرفت کرائی گئی ان میں سے ہر چیز معرفت الٰہی کی کتاب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں کفار عرب کی ان دھاندلیوں کا ذکر تھا جو وہ حیوانات میں کرتے تھے کہ فلاں جانور عورتوں پر حرام ہے فلاں سب پر حرام اب ان کے اس باطل عقیدے کی پرزور تردید فرمائی جا رہی ہے، جسے معمولی عقل والا بھی ماننے پر مجبور ہو جائے۔

شان نزول : جب اسلام نے کفار عرب کی مذکورہ بالا بے قاعدگیوں کی پرزور تردید فرمائی جو وہ جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق کرتے تھے کہ فلاں جانور فلاں پر حرام فلاں جانور فلاں پر حلال تو کفار کی ایک جماعت جس کا سردار مالک ابن عوف جشمی تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، مالک ابن عوف نے کہا کہ آپ ان جانوروں کی حلت و حرمت مٹا رہے ہیں جو صدیوں سے ہمارے باپ دادے مانتے چلے آئے ہیں بزرگوں کی رسمیں مٹانا بری بات ہے آپ تو باپ دادوں کے نام ان کے کام روشن کریں انہیں مٹاتے کیوں ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے عقلی والے قانون مٹانا ہی چاہئیں جانوروں کی حلت و حرمت شریعت اور نبوت کے ذریعہ ہونی چاہئے تم نے محض اپنی عقل سے کروائی اور اس بے قاعدگی سے کی جسے عقل سلیم قبول نہیں کرتی بھلا بتاؤ تو کہ ایک ہی جانور مردوں کو حلال ہو عورتوں کو حرام، مرجائے تو سب کو حلال یہ کس قاعدے سے ہے اس میں وجہ حرمت کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا ماں کے پیٹ میں رہنا جو وجہ بھی ہو۔ جہاں یہ وجہ موجود ہو وہاں یہ حکم بھی

ہونا چاہئے وہ حیران ہو گیا فرمایا جواب کیوں نہیں دیتا وہ بولا کہ لاجواب بات کا جواب کیا دوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن) ان لوگوں کے کلام کا خلاصہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے باپ داداؤں کا نام روشن کریں مٹائیں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ نیک کام روشن کئے جاتے ہیں اچھی رسمیں باقی رکھی جاتی ہیں' برے نام اور بری رسمیں مٹانے ہی چاہئیں' دوسرا خلاصہ یہ تھا کہ سارا عرب اس حرام و حلال کا قائل ہے' صرف آپ تنہا انہیں برا کہتے ہیں' لاکھوں کی رائے کے مقابل ایک رائے نہیں مانی جا سکتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب عالی کا خلاصہ یہ ہوا کہ لاکھ اندھے ایک راستہ کو سیدھا کہیں اور ایک آنکھ والا اسے ٹیڑھا کہے تو ایک انکھیارے کی بات قابل قبول ہو گی' عقل اندھی آنکھ ہے وحی الٰہی نور ہے۔

تفسیر : **ومن الانعام حمولتہ وفرشا** یہ عبارت معطوف ہے جنات پر اور انشاء کا مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ ہے انعام جمع ہے نعم کی بمعنی مویشی جانور **حمولتہ** بنا ہے حمل سے بمعنی لادنا یہ جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں فرش بمعنی بچھانا اسی سے ہے فراش بمعنی بستر والارض فراشا یہ دونوں جنات پر معطوف ہو کر انشا کا مفعول ہیں اس لئے منصوب ہوئے **حمولتہ** اور فرشا کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) **حمولتہ** بوجھ لادنے اور سواری کرنے کے لائق جانور جیسے اونٹ' بیل اور فرش وہ جانور جو اس کام میں نہ آویں جیسے بھیڑ بکری وغیرہ۔ (2) بڑے اونٹ قابل سواری کے تو **حمولتہ** میں ان کے بچے جو ابھی یہ کام نہ دے سکیں وہ فرش ہیں۔ (3) قابل سواری جانور تو حمولہ ہیں اور جن جانوروں کے بالوں سے فرش بستر وغیرہ بنائے جائیں وہ فرش ہیں۔ (4) امام راغب نے اس کے الٹے معنی کئے وہ کہتے ہیں چھوٹا جانور جسے انسان کبھی خود اٹھائے وہ حمولہ ہیں جیسے بکری' بھیڑ' مرغی وغیرہ اور بڑے جانور جن کی پشت کی مثل بستر کے استعمال کیا جائے ان پر سواری کی جائے وہ فرش ہیں بہرحال ان دو لفظوں کے کئی معنی ہیں خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانور ہمارے لئے مفید پیدا فرمائے ہیں جیسے بھینس گائے' بکری وغیرہ بعض جانور خطرناک جیسے شیر' بھیڑیا' سانپ وغیرہ بعض جانور نہ خطرناک نہ ہمارے لئے بظاہر مفید جیسے مکھی' مچھر وغیرہ ان سب میں ہزارہا حکمتیں ہیں مفید جانور اللہ تعالیٰ کی رزاقی غفاری کے مظہر ہیں' خطرناک جانور اس کی قہاری جباری کے مظہر مکھی مچھر وغیرہ سے ہم کو ہماری بے بسی دکھائی گئی کہ ایک مچھر ہم کو پریشان کر دیتا ہے ہم مکھی مچھر کے آگے مجبور محض ہوتے ہیں۔ یہاں مفید جانوروں کا ذکر ہے **کلو مما رزقکم اللہ** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں **کلوا** امر اباحت یعنی جائز کرنے کے لئے ہے جیسے حرام چیزیں کھانا یا انہیں حلال جاننا حرام ہے ایسے ہی حلال چیزیں حرام جاننا بلاوجہ ان سے بچنا جرم ہے اور ہو سکتا ہے کہ **کلوا** کا مقصد یہ ہو کہ ان چیزوں کا کھانا حلال جانو اس صورت میں یہ امر وجوب کے لئے ہے' کیونکہ حلال چیزوں کا حلال جاننا فرض ہے حضرت عبداللہ ابن سلام نے اونٹ سے پرہیز کرنے کا ارادہ کیا تو رب نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافتہ** ۔ **مما** میں ما سے مراد وہی مذکورہ جانور ہیں چونکہ مذکورہ جانور بھی سارے حلال نہیں دیکھو گدھا خچر گھوڑا سواری اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں مگر ہیں حرام اس لئے یہاں من بعضیت والا ارشاد ہوا نیز حلال جانور کے بھی سارے اعضاء حلال نہیں' سات اعضاء حرام ہیں ان وجوہ سے بھی من فرمانا مناسب ہے اس بعضیت کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے ہوئی رب نے صرف سور کو حرام کیا وہ بھی اس کا گوشت باقی تمام محرمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی **مما رزقکم** کی تفسیر ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) **رزقکم** فرما کر بتایا گیا کہ یہ جانور تمہارے لئے حلال تو ہیں مگر اپنے ملکیت والے کھانا جو خدا تم کو

دے چوری وغیرہ کانہ کھاتو **ولا تتبعوا خطوات الشیطان** اس فرمان عالی میں کفار کی ان رسموں کی اہم تردید ہے جو ان میں جانوروں کے متعلق رائج تھیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا یعنی تمہارے رواج کی پابندیاں شیطانی اثر ہیں اس کے نشان قدم پر نہ چلو ہمارے احکام مانو **انہ لکم عدو مبین** اس فرمان عالی میں **لا تتبعوا** کی وجہ بیان فرمائی گئی یعنی وہ شیطان تمہارا دائمی اور کھلا ہوا دشمن ہے اس نے تمہارے والد آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلا وہ کہہ چکا ہے کہ **لا حتنکن ذریتہ** اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ **ثمانیۃ ازواج** یہ عبارت حمولہ و فرشا کا بدل ہے جس نے اسے فتح دیا اسی نے اسے فتح دیا۔ ازواج جمع ہے زوج کی زوج جوڑے جانور کو بھی کہتے ہیں اور جوڑے والے جانور کو لہذا نر و مادہ کا مجموعہ زوج ہے اور صرف نر بھی زوج مادہ بھی زوج یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی جوڑے والے جانور تب ہی تو آٹھ بنیں گے اگر پورا جوڑا مراد ہو تو چار بنتے ہیں' آٹھ جوڑوں سے مراد اونٹ اونٹنی گائے' بیل' بکری بکرا' بھیڑ بھیڑا' بھینس بھینسا گائے میں داخل ہیں' ہرن ہرنی وغیرہ پالتو جانور ہیں ہی نہیں یہاں ذکر ہے پالتو جانوروں کا جنہیں کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ کر حرام کر لیتے تھے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت **کلوا یا استعملوا** پوشیدہ کا مفعول بہ ہے یعنی اللہ نے تمہارے کھانے کے لئے آٹھ جوڑے جانور پیدا کئے یا ان آٹھ جوڑہ جانوروں کو کھاؤ۔ **من الضان اثنین** اصل عبارت یوں تھی **اثنین من الضان** لہذا **اثنین ثمانیۃ ازواج** کا بدل بعض ہے یا یہ ساری عبارت آخر تک **ثمانیۃ ازواج** کا بدل کل ہے **من الضان اثنین** کا حال کا حال ہے **ضان** کے معنی ہیں بھیڑ جس کی اون کام آتی ہے اسی سے مراد ہے بھیڑ نر و مادہ۔ زجاج نے فرمایا کہ **ضان** جمع ہے **ضائن** اور **ضائنۃ** کی اسی کی جمع ضئین بھی آتی ہے جیسے تاجر کی جمع تجر یعنی اللہ تعالیٰ نے بھیڑ کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر و مادہ (کبیر و معانی)۔ خیال رہے کہ عربی میں بھیڑ کے نر کو کبش کہتے ہیں اور مادہ کو نعجہ' ضان دونوں کو بولتے ہیں **ومن المعز اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **من الضان اثنین** پر معز جمع ہے **ماعز** کی جیسے خادم کی جمع خدم' تاجر کی تجر' صاحب کی صحب' راکب کی رکب۔ نر بکرے کو تیس کہتے ہیں اور مادہ بکری کو عنز یعنی اللہ تعالیٰ نے بکری کے دو زوج نر مادہ پیدا کئے **قل ء الذکرین حرم ام الانثیین** اس فرمان عالی میں کفار عرب کے حرام و حلال کرنے کے متعلق ایک عجیب سوال ہے قل میں خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ہر مسلمان سے اور روئے سخن ہے تمام کفار عرب کی طرف جو اپنی رائے سے جانوروں کو حرام یا حلال کرتے تھے اور اس حرمت و حلت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے اس سوال میں تین شقیں کی گئی ہیں دو تو یہاں مذکور ہیں اور ایک آگے آ رہی ہے۔ یعنی بتاؤ تو کہ اللہ تعالیٰ نے بھیڑ بکری کے صرف نر حرام کئے ہیں یا صرف مادہ۔ یعنی حرام ہونے کی علت نر ہوتا ہے یا مادہ ہونا ظاہر ہے ان میں سے کچھ بھی نہیں ورنہ چاہئے تھا کہ ہر نر حرام ہوتا یا ہر مادہ تم بعض نروں کو حرام کہتے ہو بعض کو حلال یہ ہی حال مادہ بھیڑ بکری کا ہے معلوم ہوا کہ تمہارے پاس حرمت کا قاعدہ کوئی نہیں' صرف خیالات باطلہ ہیں۔ **اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین** اس فرمان عالی میں مسئلہ مسئولہ کی تیسری شق کا بیان ہے ام حرف استفہام ہے اور ما موصولہ **الانثیین** سے مراد بھیڑ بکری کے مادہ ہیں۔ یعنی کیا وہ بھیڑ بکری حرام ہے جو مادہ کے پیٹ میں ہے اور اس حرمت کی وجہ مادہ کے پیٹ میں رہنا ہے اگر یہ ہے تو سارے نر مادہ بھیڑ بکریاں حرام ہونی چاہئیں کہ یہ سب ہی مادہ کے پیٹ میں رہی ہیں وہاں سے ہی جنی گئی ہیں پھر تمہارا فرق کرنا کیسا کہ فلاں بھیڑ بکری حلال فلاں حرام ہے **نبئونی بعلم ان کنتم صادقین** یہ فرمان عالی ساری عبارت کا نچوڑ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم ہمارے سوال کے جواب میں صرف اپنے باپ دادوں کا عمل بیان نہ کرو بلکہ دلیل اور قاعدے قانون سے ہمارے سوال کا جواب دو بے قانونی

بات قابل قبول نہیں ہوتی اگر تم ان عقائد میں سچے ہو تو علم سے جواب دو نہ کہ دھاندلی کی باتوں سے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے جیسے تمہارے کھانے کے لئے باغات و کھیت نباتات پیدا فرمائے یوں ہی تمہارے کھانے کے لئے جانور پیدا کئے جن میں سے بعض وہ ہیں جو تمہاری سواری بوجھ لادنے کے کام بھی آتے ہیں جیسے اونٹ اونٹنی بیل وغیرہ اور بعض اس کام کے نہیں جیسے بکری مرغی وغیرہ یہ سب جانور تمہارے لئے حلال ہیں اللہ نے تمہاری روزی کے لئے بنائے ہیں لہذا انہیں حلال جانو کھاؤ شیطانی خیالات' ابلیسی وہمیات کے پیچھے نہ چلو کہ بلاوجہ ان میں قیدیں لگا کر بعض کو حلال جانو بعض کو حرام وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں حیلوں بہانوں سے حلال روزی سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ خیال رکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لئے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے بھیڑ میں سے دو نر اور مادہ بکری میں سے دو نر مادہ بتاؤ اگر ان میں سے بعض حرام ہیں تو ان کی حرمت کی وجہ کیا۔ آیا نر ہونا حرام ہونے کی وجہ ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ تینوں باتیں غلط ہیں ورنہ ہر نر حرام ہوتا یا ہر مادہ حرام ہوتی یا نر و مادہ دونوں ہی سارے کے سارے حرام ہوتے تم ان میں سے کوئی بات نہیں مانتے بعض نروں کو حرام کہتے ہو۔ بعض کو حلال اگر تم سچے ہو تو ہمارے سوال کا جواب علم سے دو اس حرمت کے لئے قاعدہ و قانون بیان کرو صرف باپ دادوں کی تقلید سے بات نہ کرو اور یقیناً تم سے کوئی قاعدہ بیان نہ ہو سکے گا لہذا جان لو کہ تم اس عقیدے میں غلطی پر ہو تمہارے کسی چیز کو حرام کر دینے یا بتوں کے نام پر چھوڑ دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتی یہ سب چیزیں حلال ہیں انہیں کھاؤ۔

نوٹ ضروری : آٹھ جوڑوں میں سے چار جوڑوں کا ذکر تو یہاں ہو گیا' بھیڑ' بھیڑا' بکری بکرا اور چار کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے اونٹ گائے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس چیز کو اللہ رسول نے حرام نہ کیا ہو وہ حلال ہے کسی چیز کو بلا دلیل حرام کہنا شیطان کی اتباع ہے۔ یہ فائدہ **کلوا مما** سے اور **لا تتبعوا خطوات الشیطان** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور یا بت خانوں پر وقف کھیت و باغ کی پیداوار حلال ہے۔ یہ فائدہ بھی اس **کلوا** اور **لا تتبعوا** سے حاصل ہوا جب خود گنگا کا پانی گائے کا گوشت ہی حرام نہیں جو کہ مشرکین ہند کے بت اور جھوٹے معبود ہیں تو ان کی نسبت حرمت کیسے پیدا کر سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نباتات' حیوانات بلکہ بعض جمادات غذا" یا دوا" کھانا جائز ہیں۔ یہ فائدہ ان چند آیات سے حاصل ہوا **کلوا من ثمرہ** اور **کلو مما رزقکم اللہ** اور **لا تتبعوا** سے۔

مسئلہ : ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں حلال و حرام جانوروں کی تفصیل عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جمادات نباتات میں جو چیز نقصان یا نشہ دے وہ حرام ہے باقی سب حلال حتیٰ کہ اگر طبیب حاذق' سنکھیا' زہر' شنگرف' بھنگ' افیون' چرس کسی طریقے سے دے معجون میں اس طرح کھلا دیں کہ اس سے نہ نقصان ہو نہ نشہ تو جائز ہے' جانوروں کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ دریائی جانور سب حرام سواء مچھلی کے خشکی کے بے خون والے جانور سب حرام سواء ٹڈی یعنی مکڑی کے خون والے پرندوں میں شکاری پنجہ والے حرام باقی حلال چرندے شکاری کیل والے حرام باقی حلال' کیڑے مکوڑے سب حرام۔ (از عالمگیری وغیرہ)

چوتھا فائدہ: جو شخص کسی چیز کی حلت کا مدعی ہو اس سے دلیل نہیں مانگی جائے گی دلیل اس سے مانگی جائے جو کسی چیز کو حرام کہے یہ فائدہ **نبونی بعلم** سے حاصل ہوا' دیکھو رب نے ان کفار سے دلیل حرمت مانگی جو مذکورہ جانوروں کو حرام کہتے تھے آج

کل وہابی ہم سے نیاز فاتحہ کی چیزوں کی حلت کی دلیل مانگتے ہیں خود ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں پیش کرتے یہ طریقہ قرآنی قاعدے کے خلاف ہے کسی چیز کی حرمت کی دلیل موجود نہ ہونا اس کی حلت کی دلیل ہے۔ رب فرماتا ہے قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم۔ پانچواں فائدہ: کسی چیز کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یقینی قطعی دلیل چاہئے صرف اپنے قیاس ظن کافی نہیں۔ یہ فائدہ بھی نبئونی بعلم سے حاصل ہوا علم یقینی چیز پر بولا جاتا ہے۔ شک ظن کو علم نہیں کہتے۔ چھٹا فائدہ: اللہ کے قانون اور بندے کے بنائے ہوئے قانون میں فرق یہ ہے کہ اللہ کے قانون ٹوٹتے نہیں ہمارے بناوٹی قانون ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ فائدہ ثمانیۃ ازواج سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کفار سے مذکورہ جانوروں کی حرمت کی علت دریافت فرمائی نر ہونا علت ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا اور یہ تینوں علتیں غلط ہیں کیونکہ تم دوسری جگہ نر مادہ ہر طرح کے جانور رکھ لیتے ہو اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز علت ہوتی تو ہر جگہ یہ حکم جاری ہوتا یہی حال آج وہابی بناوٹی قاعدوں کا ہے بطور نمونہ ملاحظہ کرو (1) گیارھویں بارھویں کا کھانا حرام ہے کہ اس پر غیر اللہ کا نام پڑ گیا (عکس ملاحظہ ہو) ہولی دیوالی کی پوریاں کچوریاں حلال ہیں یوں ہی فلاں شخص کی بکری میری گائے زید کے باغ کے پھل حلال ہیں۔ (2) غیر اللہ سے مدد مانگنا حرام بلکہ شرک ہے (عکس) مصیبتوں میں حکام سے بیماریوں میں حاکموں سے مدد لینا حلال ہے یا پولیس المدد پکارنا حلال ہے ایاک نستعین کے خلاف نہیں۔ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے لا تدعوا من دون اللہ (عکس)۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار!

یہ بالکل جائز ہے 'عرس گیارھویں' میلاد شریف حرام ہے کہ بدعت ہے زمانہ نبوت میں نہ تھا (عکس) مگر قادری چشتی بننا' مدرسے بنانا' ہوائی جہاز سے حج کو جانا لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھنا حلال ہے اگرچہ اس زمانہ میں یہ چیزیں نہ تھیں یہ ہیں انسانوں کے بناوٹی قانون جو چلتے ہی نہیں ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی علت حرمت ہر جگہ کام نہیں کرتی ان کے نزدیک اللہ کے بندوں سے نسبت چیز کو حرام کر دیتی ہے ہمارے ہاں چیز کو متبرک بنا دیتی ہے۔ آب زمزم خاک شفا مقام ابراہیم' صفا مروہ پہاڑ ان نسبتوں سے حرام نہیں ہوئے بلکہ متبرک بن گئے نیز اچھوں سے نسبت کی وجہ سے معمولی چیز اعلیٰ بن جاتی ہے اس کے عیب چھپ جاتے ہیں ان سے نسبت ٹوٹ جائے تو ساری خوبیاں برائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں دیکھو اصحاب کہف کا کتا عظمت والا ہو گیا مسجد نبوی شریف کی زمین جو پہلے کھودی تھی کیسی شاندار بن گئی حضرت بلال کی شان رحمٰن سے پوچھو' ابو جہل و ابو لہب وغیرہ بڑے نامور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ کر کیسے ذلیل و خوار ہو گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں کلوا مما رزقکم اللہ کیوں ارشاد ہوا من فرمانے کی کیا وجہ ہے یہ سارے ہی جانور حلال ہیں خواہ بوجھ لادنے والے ہوں یا فرشا ہوں۔ جواب: اس کی دو حکمتیں ہیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے ایک یہ کہ بوجھ لادنے والے جانور گھوڑا گدھا' خچر بھی ہیں مگر حرام ہیں اور فرشی جانور کتا بلا وغیرہ بھی ہیں مگر حرام ہیں اگر یہاں من ارشاد نہ ہوتا تو یہ سارے ہی حلال ہو جاتے دوسرے یہ کہ حلال جانوروں کے بھی سارے اعضاء حلال نہیں بعض اعضا حرام ہیں' خون' خصیہ' فرج' ذکر وغیرہ حرام ہیں لہذا من فرمانا بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں کلوا منھا فرما دینا ہی کافی تھا اتنی بڑی عبارت کیوں ارشاد ہوئی کلوا مما رزقکم اللہ۔ جواب: اس عبارت میں بتایا گیا کہ یہ جانور حلال تو ہیں مگر اس شرط سے کہ حلال ذریعوں سے تم کو حاصل ہوں کہ تم کو رب عطا فرمائے' چوری ڈکیتی' رشوت' سود وغیرہ حرام ذریعوں سے حاصل کئے ہوئے جانور حرام

ہی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں آٹھ جوڑے فرمائے گئے مگر ذکر ہوا چار جوڑوں کا ایک جوڑا بھیڑ کا دوسرا بکری کا اس آیت میں اور تیسرا اونٹ کا چوتھا گائے کا اگلی آیت میں اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** یہاں ازواج سے مراد نر مادہ کا مجموعہ نہیں ہے وہ مجموعے واقعی چار ہیں بلکہ ہر جوڑے والا جانور مراد ہے لہٰذا بھیڑ کے دو بکری کے دو اونٹ کے دو گائے کے دو یعنی نر و مادہ کل آٹھ ہوئے۔ زوج کے یہ معنی قرآن کریم میں بہت جگہ مراد ہیں من کل زوجین اثنین۔ خاوند کو زوج کہتے ہیں بیوی کو زوجہ دونوں کو زوجین۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی قوتیں بعض تو وہ ہیں جو امانت الٰہیہ کا اور شرعی تکالیف کا بوجھ اٹھا سکتی ہیں وہ گویا حمولہ جانور ہیں بعض وہ ہیں جن سے بشریت قائم ہے اور وہ قلب کی اصلاح کرتی ہیں وہ گویا فرش ہیں۔ اے اللہ کے بندو اللہ کا ہر قسم کا روحانی رزق کھاؤ دل کا رزق تحقیق ہے روح کا رزق عشق و محبت ہے سر کا رزق معرفت اور شہود ہے تم ان سب رزقوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تو تم کو شہوات حجاب غفلتوں غیر اللہ کی طرف میلان ان سب کی طرف بلاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے حلال جانور اپنی زندگی میں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں کہ لوگ ان کے بال ان کے دودھ حتی کہ ان کے گوبر وغیرہ سے نفع حاصل کرتے ہیں اور مرے بعد بھی نفع دیتے ہیں کہ ان کے گوشت کھال بال وغیرہ سب ہی مفید ہیں حرام جانور کتا بلا سور وغیرہ نہ زندگی میں مفید کہ ان کا دودھ بال وغیرہ کام آوے نہ مرے بعد فائدہ مند کہ ان کے گوشت ہڈی وغیرہ بیکار۔ یونہی مومن زندگی میں بھی کار آمد ہے اور مرے بعد بھی بعض مومنوں کی قبروں سے فیض جاری ہیں ان کی قبروں کی برکت سے عذاب ٹلتے ہیں کافر زندگی میں بھی اور مرے بعد بھی بیکار۔ اے اللہ کے بندو ان مومنوں سے محروم نہ رہو اللہ تعالیٰ نے ان سے فیض لینا حرام نہیں فرمایا یہ ہمیشہ فیض دیتے رہیں گے تم لینے والے بنو تاؤ ان سے فائدہ اٹھانے سے کس نے منع کیا کوئی دلیل ہو تو لاؤ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ بندوں کو اپنی نعمتیں کھانے کا حکم دیتا ہے نہ کھانے پر ناراض ہوتا ہے فرماتا ہے۔ **کلوا مما رزقکم** وہ ایسا رحیم ہے ہم کو مانگنے کا حکم دیتا ہے نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** حلال روزی حلال غذا کو تقویٰ کے خلاف سمجھ کر ان سے بچنا شیطانی دھوکہ ہے اس سے بچو حرام سے بچنا تقویٰ ہے نہ کہ حلال سے بچنا صوفیاء کرام کے نزدیک اچھوں سے نسبت منسوب کو اچھا کر دیتی ہے۔ آب زمزم صفا مروہ پہاڑ اچھوں کی نسبت سے اچھے ہو گئے بلکہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ مقام ابراہیم کو بزرگوں کی نسبت سے چار چاند لگ گئے۔ کبھی اچھوں کی نسبت سے مردے زندہ ہو جاتے ہیں زندوں میں انقلاب ہو جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی بھنی ہوئی مچھلی حضرت خضر کی ہوا سے زندہ ہو گئی **فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا** حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک سے سونے کا بچھڑا صحیح بچھڑا بن گیا یہ سب نسبتوں کی بہاریں ہیں۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو تم فرماؤ کیا دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادے

اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں

أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ

یا وہ جسے شامل ہے اوپر اس کے رحم دو مادوں کے کیا تھے تم موجود جب کہ وصیت تم کو

مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں

اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

اللہ نے اس کی بس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ تاکہ بہکائے لوگوں کو

یہ حکم دیا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ لوگوں کو اپنی جہالت

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾

بغیر علم کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت دیتا ہے قوم ظلم کرنے والی کو۔

سے گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: رب تعالیٰ نے کفار عرب سے آٹھ جانوروں کی حرمت کے متعلق عتابانہ سوال فرمایا ہے۔ جن میں سے چار جانوروں کا ذکر تو پچھلی آیت کریمہ میں ہو گیا اور بقیہ چار جانوروں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے یہ آٹھ جانور وہ ہیں جنہیں کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے پھر ان کی حرمت یا ان کے حلال ہونے کی پابندیوں کے بے وقوفی سے معتقد ہو جاتے تھے اسی پر عتابانہ سوال ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنے اس عقیدے پر علمی جواب دو اب ارشاد ہے کہ عملی جواب بھی ایسا ہو جو رب تعالیٰ سے حاصل کیا ہوا ہو محض تمہارے عقلی وہمی ڈھکوسلوں کا نہ ہو گویا جواب کا مطالبہ پہلے ہوا اور اس جواب کی نوعیت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار مکہ نے بغیر ثبوت بعض جانوروں کو حرام مان لیا ہے بعض کی حلت میں پابندیاں لگا دی ہیں اب اس جرم کی سزا کا ذکر ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں کو بلا دلیل شرعی حرام کہے۔

تفسیر : **ومن الابل اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **ومن المعز اثنین** پر اس کی وہی ترکیب ہے جو اس عبارت کی تھی کہ **اثنین** مفعول ہے انشا کا اور **من الابل** حال ہے **اثنین** کا **اثنین** سے مراد وہی نر و مادہ اونٹ ہیں نر اونٹ کو جمل کہتے ہیں مادہ اونٹ کو ناقہ ابل دونوں کو کہا جاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ابل واحد ہے اس کی جمع ابابل ہے "تصغیر ابیلہ" امام راغب نے فرمایا کہ ابل جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں **ومن البقر اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **ومن الابل اثنین** پر اور وہی اس کی بھی ترکیب جو اس عبارت کی تھی لفظ بقر کی لغوی تحقیق پارہ الم **ان تذبحوا بقرہ** کی تفسیر میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ بقر اسم جنس ہے جو نر مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے اس کے نر کو ثور کہتے ہیں اور مادہ کو بقرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اونٹ کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر اور مادہ یوں ہی گائے کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر اور مادہ چار جوڑے یہ ہوئے چار جوڑے پہلے یہ آٹھ جوڑے ہوئے۔ **قل ء الذکرین حرم ام الانثیین** اس عبارت کی ترکیب اور تفسیر وہی ہے جو ابھی کچھ پہلے پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ دونوں ہمزہ میں سے پہلا ہمزہ سوال اور پوچھنے کا ہے **الذکرین** حرم کا مفعول ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ذکرین** سے مراد اونٹ اور بیل ہے

اثنین سے مراد اونٹنی اور گائے **اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین** اس عبارت کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ لفظ لما یہاں حرف شرط نہیں بلکہ ام عاطفہ اور ما موصولہ کا مجموعہ ہے۔ ما سے مراد اونٹ اور گائے کے بچے ہیں **ارحام** جمع ہے رحم کی بچہ دانی کو رحم کہا جاتا ہے کہ ماں اور اولاد کے درمیان محبت و رحمت و مودت کا یہی ذریعہ ہے نسبی رشتہ داروں کو **ذوی الارحام** کہتے ہیں غرضیکہ مادہ کا رحم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے۔ **انثیین** سے مراد اونٹنی اور گئے دونوں مادہ ہیں چونکہ یہاں ان دونوں مادہ کی جنس مراد ہے نہ کہ شخص اس لئے **انثیین** کی طرف **ارحام** جمع کی اضافت درست ہوئی ورنہ دو مادہ کے پیٹ میں دو رحم ہوں گے نہ کہ بہت سے رحم۔ یعنی اے کافرو کیا اللہ نے اونٹنی اور گائے کے ہر بچہ کو حرام فرمادیا اور کیا اس حرمت کی علت ماں کے رحم میں رہنا ہے اگر ایسا ہے تو تم بعض کو حلال کیوں سمجھتے ہو پھر تو سارے اونٹ اونٹنی گائے بیل حرام ہونے چاہئیں کہ یہ سب ہی ماں کے پیٹ میں رہ کر آئے ہیں **ام کنتم شہداء اذ وصکم اللہ بہذا** پچھلی عبارت میں ان سے حرمت کا دعویٰ معین فرمانے کا مطالبہ کیا گیا اب اس دعوے کی دلیل کا مطالبہ ہے ام بمعنی بل ہے اور کنتم سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے کنتم میں خطاب انہیں کفار مکہ سے ہے جن کی تردید کے لئے یہ آیات آئیں **شہداء** جمع ہے شہید کی بمعنی حاضر و موجود یہاں بارگاہ الٰہی میں حاضری مراد ہے اس وقت جبکہ اس نے یہ حکم دیا اسی لئے اس کے ساتھ **اذا** ظرفیہ ارشاد ہوا وصیت سے مراد تاکیدی حکم ہے نہ کہ مرتے وقت کی وصیت چونکہ اہل عرب وصیت پر بہت زیادہ عمل کرتے تھے اس لئے ہر تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے جیسے **یوصیکم اللہ فی اولادکم**۔ **ہذا** سے اشارہ اسی حرمت کی طرف ہے سبحان اللہ پہلے ان سے علمی دلیل کا مطالبہ ہوا تھا **نبئونی بعلم** اب عینی گواہی کا مطالبہ ہے۔ علم کے دو ہی ذریعہ ہیں دلیل یا مشاہدہ دونوں کی نفی ہو گئی یعنی تمہارے پاس ان حرمتوں کی کوئی شرعی دلیل کتاب اللہ کی آیت یا نبی کا فرمان تو ہے نہیں اب یہی ہو سکتا ہے کہ تم رب تعالیٰ کے پاس اس وقت خود ہی موجود ہوتے جب ان سے تم کو یہ حکم دیا اور اپنی موجودگی میں تم نے یہ حکم سنا ہو یہ بھی غلط ہے **فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا**: اس عبارت میں ان کفار پر انتہائی غیظ و غضب کا اظہار ہے **فمن اظلم** میں تو من سوال کے لئے اور **ممن افتری** میں من موصولہ ہے بمعنی وہ جو اس سے مراد کفار کا وہ مورث اعلیٰ ہے جس نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کا مسئلہ ایجاد کیا اور ان میں یہ حرکتیں مروج کیں یعنی عمرو ابن لحی ابن قمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے معراج کی شب دوزخ میں دیکھا کہ اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی تھیں۔ یا من سے مراد ان کے وہ سردار ہیں جنہوں نے یہ رسم قبول کی اور اپنے خاندانوں میں مروج کی یہ سارے ہی کفار جو اس رواج پر کاربند ہوئے یا اس کو درست سمجھنے لگے۔ مناسب یہ ہے کہ یہ سب ہی مراد لئے جائیں کیونکہ انہیں خبر تھی کہ یہ رسم عمرو بن لحی نے نکالی پھر یہ کہتے تھے کہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا ان سب پر افتری کے معنی درست ہیں یعنی جان بوجھ کر کسی پر تہمت لگانا اور رب تعالیٰ پر تہمت لگانا کہ جو حکم اس نے نہ دیا ہو اسے رب کی طرف نسبت کرنا واقعی بڑا ہی ظلم ہے یعنی سخت کفر ہے ظلم کے معنی اور ظلم عملی اعتقادی کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ **لیضل الناس بغیر علم** یہ عبارت افتری کے متعلق ہے۔ ناس سے مراد ان کے متبعین کفار ہیں بغیر علم فرما کر یہ بتایا کہ اللہ پر نادانی میں تہمت لگانا بھی بڑا ظلم ہے چہ جائیکہ جان بوجھ کر تہمت و بہتان لگانا یا یہ مطلب ہے کہ نادانی بے علمی سے بھی لوگوں کو گمراہ کرنا بڑا ہی ظلم ہے چہ جائیکہ دانستہ طور پر لوگوں کو گمراہ کرنا پتہ ہو کہ یہ کام یہ عقیدہ گمراہی ہیں پھر اسے لوگوں میں پھیلانا غرضیکہ بغیر کا تعلق یا تو افتری سے ہے یا یضل سے اور بغیر علم فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ **ان اللہ لا یہدی القوم الظلمین** اس جملہ کی تفسیر یں بارہا بیان ہو چکیں۔

یہاں اتنا سمجھ لو کہ اگر ظالم سے مراد صرف افترا کرنے والے ہیں تو ہدایت سے اچھے عقیدوں کی طرف ہدایت مراد ہے یا آخرت میں راستہ جنت کی ہدایت۔ **ظالمین** فرما کر یہ بتایا کہ جب ظالم کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی تو جو اظلم یعنی بہت بڑا ظالم ہو اسے ہدایت کیونکر نصیب ہوگی اس لئے پہلے فرمایا **فمن اظلم** اور یہاں ارشاد ہوا **الظلمین**۔ خیال رہے کہ دل کا ہدایت کے قابل نہ رہنا اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کافرو آٹھ جوڑوں میں سے چار جوڑوں کے متعلق تم سے پوچھا جا چکا بقیہ چار جوڑے جانوروں کے متعلق بتاؤ کہ تم جو بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے اونٹ یا اونٹنی یا گائے بیل کو کبھی سب پر کبھی صرف مردوں پر حرام جانتے ہو ان کی حرمت کی وجہ کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا ماں کے پیٹ میں رہنا اگر نر ہونا حرمت کی علت ہو تو چاہئے کہ سارے اونٹ بیل تم سب پر حرام ہوں اور اگر مادہ ہونا حرمت کی علت ہے تو چاہئے کہ ساری اونٹنیاں اور گائیں ہمیشہ تم سب پر حرام ہوں اور اگر ماں کے رحم میں رہنا حرمت کی علت ہو تو چاہئے کہ سارے نر مادے تم سب پر حرام ہوں۔ مگر تمہارا عقیدہ یہ نہیں تم بعض نر بعض مادہ کو بعض لوگوں پر بعض وقت حرام مانتے ہو بعض وقت حلال۔ معلوم ہوا کہ تم نے یہ حرمت بغیر کسی وجہ کے مانی ہے تمہارے پاس اس کی شرعی دلیل یعنی وحی یا قول نبی تو ہے نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ جانور حرام کئے تم وہاں موجود تھے رب کا یہ فرمان سن رہے تھے ارے ظالمو کیوں اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو کہ جو اس نے کہا نہیں اس کی طرف نسبت کرتے ہو اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے خود بعض چیزوں کو حرام کر کے رب کی طرف نسبت کر دے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یہ حرکت اگر بے علمی سے کی جائے تو بھی بڑا جرم ہے چہ جائیکہ دیدہ دانستہ کی جائے ایسے بد عقیدہ ظالموں کو نیک اعمال کی راہ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں دکھاتا انہیں جب سوجھتی ہے اوندھی سوجھتی ہے۔ خیال رہے کہ ان آیات میں صرف چار جانوروں کا ذکر ہے بھیڑ بکری اونٹ گائے یا تو اس لئے کہ کفار عرب ان ہی چار جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے انہیں میں مذکورہ پابندیاں لگاتے تھے مرغی بطخ وغیرہ میں ان کا یہ عمل نہ تھا۔ بھینس وہاں نہ ہوتی تھی نہ ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ ان چار جانوروں کو حضرات انبیاء کرام سے خاص نسبت ہے۔ چنانچہ دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا بکریاں سارے نبیوں نے چرائی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا اونٹ تو خاص سواری ہے عرب کی۔ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گائے کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام نے مقتول کو زندہ فرمایا۔ قرآن مجید کی پہلی سورت کا نام سورہ بقرہ ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی تھی ان وجوہ سے ان چار جانوروں کا ذکر خصوصیت سے یہاں ہوا۔

مسئلہ : قرآن مجید میں آٹھ جانوروں کا ذکر عزت سے ہے چار تو یہ جانور بکری بھیڑ اونٹ گائے اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت سلیمان کی چیونٹی اور حضرت سلیمان کا ہدہد اس ہدہد کے ذریعہ ملکہ بلقیس بلکہ سارے ملک یمن کو ایمان ملا یہی ہدہد حضرت سلیمان کے بلقیس کے ساتھ نکاح کا ذریعہ بنا۔ سے پانی کا بادشاہ بنایا گیا کہ یہ زمین پر رہ کر یہ لگا لیتا ہے کہ یہاں پانی کتنے فٹ پر نکلے گا۔ اسی ہدہد نے نمرود کی آگ پر اپنی چونچ سے پانی کے قطرے ڈالے تاکہ بجھ جائے اور جناب خلیل کو نقصان نہ پہنچے بہرحال نبی کے تعلق سے جانوروں کو شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جانوروں کی حلت و حرمت میں نر یا مادہ ہونے کو دخل نہیں جو جانور حلال ہے اس کا نر بھی حلال ہے اور مادہ جو حرام ہے اس کی ہر فرد حرام ہے۔ یہ فائدہ **الذکرین حرم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حلال جانور کی ہر چیز حلال ہے اس کے پیٹ میں سے نکلا ہوا زندہ بچہ جب کہ ذبح کرلیا جائے یوں ہی اس کا دودھ چربی وغیرہ کہ یہ سب چیزیں گوشت کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ اشارۃ" **اما اشملت علیہ** سے حاصل ہوا۔

لطیفہ : ایک بار غالبا" افریقہ سے میرے پاس سوال آیا کہ کنواری گائے جو ابھی نر کے پاس نہ پہنچی ہو۔ دودھ دینے لگے وہ دودھ حلال ہے یا حرام' مجھے اس کا جزئیہ نہ ملا میں نے حضرت سیدی مرشدی مولانا صدر الافاضل **محمد نعیم الدین** صاحب قبلہ قدس سرہ کو عریضہ لکھا جواب آیا کہ حلال ہے اور ام معبد کے واقعہ سے حضرت نے استدلال فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنواری سوکھی بکری سے معجزانہ طور پر دودھ دوہا اور پیا بھی پلایا یہ واقعہ ہجرت کی راہ میں پیش آیا یہی حال مرغی کے انڈے کا ہے کہ اس کے پیٹ کا انڈا کچا ہو یا پکا اور کبھی خارج ہو حلال ہے۔ حرام جانور کا انڈا حرام ہے اس جیسے سب مسائل کا ماخذ یہی آیت بن سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کسی چیز کی حرام ہونے کی دو ہی دلیلیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کسی سے براہ راست رب فرما دے کہ یہ حرام ہے' دوسرے یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ حرمت معلوم ہو پہلی بات تو ناممکن ہے اگر دوسری بات بھی موجود نہ ہو تو چیز حلال ہے۔ یہ فائدہ **ام کنتم شھداء** سے حاصل ہوا لہذا حرمت کے لئے کسی ولی کا خواب یا الہام یا پیر کا حکم یا کسی مولوی کا اپنی رائے سے فتویٰ کافی نہیں اس سے موجودہ وہابی علماء عبرت حاصل کریں جو کھینچ تان کر حلال چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے کفار و مشرکین کے جانور بالکل حلال ہیں طیب ہیں مسلمان انہیں اللہ کے نام پر ذبح کریں کھائیں (تفسیرات احمدی) ہاں چوری ڈکیتی سے یہ جانور حاصل نہ کئے جائیں جائز طریقے سے حاصل ہو مسلمان غازی ان پر قابو پالیں کھالیں کہ یہ مال غنیمت ہے' حلال ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو بلا دلیل حلال چیزوں کو حرام کہے وہ بڑا ہی ظالم اور جھوٹا مفتری ہے اور گمراہ کن ہے۔ یہ فائدہ **اظلم**' افتریٰ اور لیضل الناس سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ایسے شخص کو ظالم مفتری مضل فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے شرعی فتوے کے لئے پورے علم کی ضرورت ہے۔ یہ فائدہ بغیر علم سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں قیامت کی بڑی علامت یہ بیان فرمائی گئی کہ علماء اٹھ جائیں گے لوگ جاہلوں کو سردار مفتی بنالیں گے **فافتو بغیر علم فضلو واضلوا** وہ بغیر علم فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے یہ مرض آج بہت پھیلا ہوا ہے خصوصا" فضلا دیوبند میں کہ یہ اکثر جاہل مگر فتویٰ حرمت دینے میں بہت جری ہوتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** صرف فرض کا انکار کرنا ہی کفر نہیں بلکہ ہر یقینی قطعی مسئلہ کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ حتیٰ کہ قطعی حلال چیز کی حلت کا انکار بھی کفر ہے دیکھو مذکورہ آٹھ جانور کھانا صرف حلال ہے فرض نہیں مگر اس حلت کے انکار کو قرآن کریم نے کفر و گمراہی قرار دیا۔ **فمن اظلم** رب فرماتا ہے۔ **احل لکم لیلتہ الصیام الرفث** اور فرماتا ہے **واذا حللتم فاصطادوا** روزوں کی رات میں بیوی سے صحبت' احرام سے فارغ ہونے پر شکار کرنا فرض نہیں صرف جائز ہے مگر ان کے جواز کا انکار کفر ہے۔ **اٹھواں فائدہ:** جن جانوروں کو نبی سے نسبت ہو جائے وہ عظیم بن جاتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان چار جانوروں کا ذکر یہاں فرمایا کیونکہ انہیں انبیاء کرام سے نسبت ہے خیال رہے کہ حضرت سلیمان کا ہدہد' صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری قصواء' اصحاب کہف کا کتا' حضرت سلیمان کی چیونٹی کی عزت ہے'

ان سب کا ذکر قرآن مجید میں حرمت سے ہے۔ **نواں فائدہ:** بعض جاہل مسلمان بعض فاتحہ کی چیزوں پر پابندیاں لگاتے ہیں کہ فلاں کی فاتحہ کا کھانا دو خاوند والی عورت نہ کھائے امام باقر کی فاتحہ کے کونڈوں کی پوریاں گھر سے باہر نہ نکالی جائیں فلاں بزرگ کی فاتحہ کا کھانا عورتیں نہ کھائیں اصحاب کہف کا توشہ کا کھانا ایک دن سے زیادہ رکھ کر نہ کھایا جائے یہ تمام پابندیاں محض جہالت ہے اس میں انہی کفار مکہ کی گویا نقل ہے جن کی تردید میں یہ آیات آئی ہیں بلکہ یہ سب مطلق حلال ہیں اپنی طرف سے قیود نہ لگاؤ۔

پہلا اعتراض: ان آیات کریمہ میں صرف چار جانوروں کے آٹھ جوڑوں نر و مادہ کا ہی ذکر کیوں ہوا بقیہ جانوروں ہرن وغیرہ کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** یا اس لئے کہ عرب شریف میں یہ چار جانور ہوتے تھے ہرن نیل گائے وغیرہ نہیں پائے جاتے تھے یا اس لئے کہ کفار عرب ان ہی چار جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور انہی کو حرام جانتے تھے یا ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے۔ جیسے رب تعالیٰ نے سواریوں کے ذکر کے موقعہ پر اونٹ' گھوڑے' خچر' گدھے کا ذکر فرمایا' باقی کے متعلق فرمایا **ویخلق ما لا تعلمون** ہم ایسی سواریاں پیدا فرمائیں گے جو تم جانتے بھی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حلال جانور کھانا فرض نہیں صرف جائز ہے کسی جائز کام کو نہ کرنے پر قرآن کریم نے گمراہی اور افتریٰ ظالم ہونے کا فتویٰ کیوں دیا فرض کا تارک بھی گمراہ نہیں ہوتا صرف فاسق ہوتا ہے چہ جائیکہ جائز کا تارک۔ **جواب:** یہاں حلال جانور نہ کھانے کا ذکر نہیں بلکہ انہیں حرام جاننے کا ذکر ہے کہ یہ گمراہی بلکہ کفر ہے نہ کھانا کفر نہیں کھانا حرام سمجھنا کفر ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ بن سلام جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں کیونکہ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا رب نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافۃ** غرضیکہ نہ کھانا اور چیز ہے اور حرام سمجھنا کچھ اور۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **لیضل الناس بغیر علم** جس سے معلوم ہوا کہ بغیر علم کے گمراہ کرنا برا ہے تو کیا علم کے ساتھ گمراہ کرنا درست ہے بغیر علم کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ بغیر علم کے بھی گمراہ کرنا برا ہے تو علم کے باوجود گمراہ کرنا بہت ہی سخت گناہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص علم دین نہ رکھے اور لوگوں کو بے علم غلط مسائل یا غلط عقائد بتائے سکھائے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ بہت لوگوں کو اپنے ساتھ دوزخ میں لے جائے گا **اجراھم علی الفتا اجراھم علی النار** فتویٰ پر جری دلیر دوزخ کی آگ پر جری اور دلیر ہے اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ہدایت نہیں دیتا۔ دوسری جگہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں عرض کیا **انی کنت من الظالمین**۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ **رب انی ظلمت نفسی** حالانکہ یہ حضرات تو ہدایت کا مرکز تھے ہدایت پر تھے بلکہ ہدایت دینے والے تھے پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔ **جواب:** یہاں ظلم سے مراد کفر بلکہ کفر گری ہے اور ان آیت میں ظلم سے مراد بھول خطا غلطی ہے۔ لہذا یہ آیت واضح ہے ایک ہی لفظ مختلف آیات میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر یہاں ظلم سے مراد کفر بھی ہو جب بھی بہت سے کافر مشرک بلکہ کافر گر مسلمان ہو کر ہادی بلکہ صحابی بن چکے ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو سارے لوگ کافر ہی تھے انہیں میں سے مومن ولی' مجاہد' غازی' صحابی' شہید بنے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** ظالم و کافر در حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں کافر ہو جس کا کفر پر مرنے کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہو۔ ایسوں کو واقعی ہدایت نہیں ملتی جن کے مقدر میں ایمان ہے اور ابھی وہ کافر ہیں وہ اصل کافر نہیں وہ کیچڑ میں لتھڑا ہوا موتی ہیں رحمت کے پانی سے عنقریب دھل جائیں گے یہ جواب فقیر

کے نزدیک قوی ہے بعض نے فرمایا کہ کافر کو اعمال صالحہ کی ہدایت نہیں ملتی مگر جب وہ مومن ہو جائے تو ظالم و کافر نہیں رہے گا' اعمال کی ہدایت پائے گا' بعض نے فرمایا کہ جو کافر ہو کر مرے اسے قبر میں منکر نکیر کے جوابات کی حشر میں درست حساب کی راہ جنت کی ہدایت نہ ملے گی۔ چھٹا اعتراض: بعض مسلمان بعض بزرگوں کے جنگل کا جانور شکار نہیں کرتے بعض کے تالابوں کی مچھلیاں نہیں پکڑتے بعض مزارات کے پاس کی لکڑیاں نہیں استعمال کرتے یہ بھی وہی کفار عرب کا طریقہ ہے ہر جگہ کی ہر چیز کھانی استعمال کرنی چاہئے۔ جواب: وہ چیزیں دراصل مضر ہیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ان کے استعمال سے سخت نقصان پہنچا یہ بچنا اس لئے ہے جیسے بلغمی مزاج والے کا بادی چیزوں سے پرہیز اس کی اصل وہ واقعہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی معجزہ والی اونٹنی کے متعلق فرمایا تھا **ولا تمسوھا بسوء فیا خذکم عذاب الیم** اونٹنی حرام نہیں مگر وہ ممنوع ہو گئی کیونکہ اس کا ذبح مضر تھا۔ **ساتواں اعتراض:** اگر کفار مکہ بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں میں پابندیاں لگاتے تھے تو ان پر عتاب ہوا تو مسلمان حرم شریف کے شکار وہاں کی گھاس وغیرہ میں پابندیاں لگاتے ہیں کہ حرم کا شکار حرام وہاں کی گھاس کاٹنا حرام ہے' مسلمان بھی اسی عتاب کے مستحق ہونے چاہئیں۔ جواب: کفار مکہ اپنی رائے سے یہ پابندیاں لگاتے تھے اسلام کی یہ پابندیاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لگاتے ہیں اللہ رسول مالک احکام شرعیہ ہیں "لہٰذا کفار پر عتاب ہوا مومنین ایسی پابندی سے رحمت کے مستحق ہیں' قاتل مجرم کو حاکم کے حکم سے قتل کرنا بالکل حق ہے اور کسی کا اپنے آپ اسے قتل کر دینا جرم ہے' بیمار کا اپنے آپ دواخانہ سے دوا لے کر استعمال کرنا ہلاکت کا باعث ہے حکیم کی تجویز سے استعمال کرنا شفا کا باعث اللہ رسول حاکم ہیں حکیم ہیں ان کی تجویز بالکل درست ہماری تجویز غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ظاہر والے دلیل سے مانتے ہیں باطن والے دل سے۔ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے غلط اور صحیح غلط دلیل غلط راہ کی طرح غلط مقصد غلط مدعا تک پہنچاتی ہے صحیح دلیل صحیح راستہ کی طرح صحیح مدعا تک پہنچاتی ہے۔ جس دلیل کی انتہا وحی الٰہی پر ہو وہ صحیح ہے جو وہاں تک نہ پہنچے وہ غلط ہے اس آیت کریمہ میں کافر کی غلط دلیل پر جرح فرمائی گئی ہے کہ جانوروں کا حرام یا حلال کرنا ہمارا کام ہے ہمارے حکم سے حرام ہوتے ہیں تم تک ہمارے حکم پہنچنے کے دو ذریعہ ہو سکتے تھے ایک دل کہ تم نے خود ہمارا فرمان براہ راست سنا ہو تمہارے دل نے اس پر یقین کیا ہو تمہاری رسائی ہماری بارگاہ تک ہوئی ہو یہ تو ہے ناممکن اب تمہارے لئے ذریعہ علم صرف دلیل ہی ہے صحیح دعویٰ کے لئے صحیح دلیل چاہئے جس کی انتہا نبوت ہے بتاؤ کس کتاب آسمانی نے یا کس نبی نے ان جانوروں کو حرام کہا اور کس قانون کے ماتحت حرام کہا حرمت کی علت نر ہونا ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ تینوں قاعدے باطل تو یقیناً تمہاری دلیل غلط ہے۔ جس کے پاس نہ دل ہو نہ دلیل وہ ظالم ہے خود بھی گمراہ ہے دوسری کو بھی گمراہ کرے گا نورانی بندہ لوگوں کو نورانی کر دیتا ہے' ظلمانی بندہ ظلمانی ہی بناتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عکس نور حق ہمہ نوری بود عکس دور از حق ہمہ دوری بود

حلال کو حرام کرنا اچھا نہیں حرام سے بچنا اچھا ہے کفار عرب حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر مردار حرام جانور کھا جاتے تھے آج بعض مدعیان ولایت حلال و طیب غذاؤں کو تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں' اور جھوٹ غیبت بے روزے بے نماز رہنے سے گریز نہیں کرتے یہ فقیری نہیں بلکہ شیطان کے جال میں اسیری ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ

فرماؤ نہیں پاتا ہوں میں اس میں جو وحی کی گئی میری طرف حرام کیا ہوا کسی کھانے والے پر کہ کھائے اس کو

تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ کہ مردار

مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ

مگر یہ کہ ہو مردار یا خون بہتا ہوا یا گوشت سور کا پس تحقیق وہ گندی ہے یا ہو بد عملی کہ ذبح

ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانوروں کا گوشت کہ نجاست ہے یا بے حکمی کا جانور جس کے ذبح

بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۴۵)

کیا گیا ہو غیر اللہ کیلئے اسکو پس وہ جو کہ مجبور کر دیا جاوے نہ چاہنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا پس تحقیق رب آپکا بخشنے والا مہربان ہے

میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو نا چار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جانوروں کا حلال و حرام کرنے کے متعلق کفار عرب کی بے قاعدگیوں کا ذکر تھا اب انہیں جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق قانون اور قاعدے کا ذکر ہے گویا بے اصول حرام و حلال کے بعد اصول کے ماتحت حلت و حرمت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب سے جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق دلیل مانگی گئی تھی جو وہ پیش نہ کر سکے اب اسی کے متعلق اسلامی ایمانی دلیل پیش فرمائی جا رہی ہے گویا بے علمی کے بعد علم پیش فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ بلا شرعی دلیل کے چیزوں کو حرام کہنا گمراہی اور گمراہ گری ہے اب ارشاد ہے کہ علم کے ساتھ حرام کہنا ہدایت اور ہدایت گری ہے گویا گمراہی کے بعد ہدایت کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** دین و دنیا کی بقا نفی و اثبات پر ہے پچھلی آیات میں نفی تھی کہ فلاں فلاں جانور حرام نہیں تم انہیں حرام سمجھتے ہو جھوٹے ہو اب اثبات ہے کہ فلاں فلاں جانور حرام ہیں۔ خیال رہے کہ نفی اثبات بہت ضروری ہے نیند نفی ہے کہ انسان کی ہر طاقت کی نفی کر دیتی ہے بیداری اثبات ہے۔ بھوک پیاس بیماری کی نفی کرنا سیری سیرابی صحت کا اثبات کرنا ضروری ہے۔

شان نزول : مالک ابن عوف حبشی اور اس کے ساتھ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے آئے تھے جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا جب وہ اس مناظرہ میں لاجواب اور خاموش ہو گئے کسی قاعدے سے ان جانوروں کی حرمت ثابت نہ کر سکے تو انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا اچھا ہمارے پاس تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں آپ ہی ایک کلیہ قانون بیان فرمائیں جس کا تعلق وحی الٰہی سے ہو تب اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **قل لا اجد فیما اوحی الی** یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جب ابر نیساں کا قطرہ سیپ میں پڑے اسے موتی بنا دیتی ہے اگر وہ قطرہ سیپ کے علاوہ اور جگہ پڑے تو موتی نہیں بنتا یوں ہی عقائد کی آیات میں قل

اس لئے آتا ہے تاکہ وہ عقائد ایمان بن جائیں جیسے **قل ھو اللہ احد** اور احکام کی آیات میں قل اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے احکام نکلیں اور شریعت و اسلام بن جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وہ سیپ ہے جو عقائد کے قطروں کو ایمان کا موتی بنا دیتی ہے اور احکام کی آیات کو شریعت بنا دیتی ہے' دیکھو ابلیس سارے **قل ھو اللہ** کے مضمون کو مانتا ہے مگر مومن نہیں کہ زبان مصطفوی نے اسے موتی نہیں بنایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نے قرآن کو قرآن بنادیا قرآن کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب کس کی پڑھی ہوئی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت کی دلیل مانگی تھی یا سارے کفار عرب کی طرف جو بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام مطلق یا حرام مقید کہتے تھے لہذا یہ قل جواب کا ہے یا عتاب کا کیونکہ اس کے مخاطبین معتوبین یا مقابلہ کرنے والے کفار ہیں اگر روئے سخن مومنین سے ہو تو قل بندہ نوازی کرم پروری کا ہوتا ہے جیسے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** اگر قل میں رب تعالیٰ سے عرض معروض ہو تو قل نیاز مندی عجز و انکساری کا ہوتا ہے جیسے **قل اعوذ برب الفلق** یا **قل اللھم مالک الملک** وغیرہ اور اگر اس کا تعلق ساری مخلوق سے ہو تو قل صرف تبلیغ کا ہوتا ہے جیسے **قل ھو اللہ احد**۔ **لا اجد** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جس چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملے وہ حلال ہے یہ اسلامی قانون ہے اور مذکورہ بالا چیزوں کی حرمت کی دلیل تو ہے نہیں اگر ہوتی تو مجھے معلوم ہوتی میرے علم میں ہوتی **اوحی** سے مراد یا تو وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے تو یہ حصر حقیقی ہے واقعی قرآن مجید میں ان مذکورہ چیزوں کے سواء اور کوئی چیز حرام نہیں کی گئی باقی حرام جانوروں کو حدیث پاک نے حرام فرمایا جیسے کتا' بلا گدھا وغیرہ اور یا اس سے مراد مطلقاً" وحی ہے جلی ہو یا خفی یعنی قرآن مجید ہو یا حدیث اس صورت میں یہ حصر اضافی ہے یعنی جن جانوروں کو تم حرام کر لیتے ہو وہ تمہارے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہوتے حرام تو یہ چیزیں ہیں **محرما علی طاعم یطعمہ** عبارت **لا اجد** کا مفعول بہ ہے اس میں بجائے حراما" کے محرما" فرما کر یہ بتایا کہ رب العالمین نے ہر چیز حلال پیدا کی ہے ان میں سے بعض میں حرمت کسی دلیل خاص یا وجہ خاص سے آئے گی یعنی دلیل یا وجہ سے حرام کی ہوئی چیز یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے حرام سمجھ لینے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو گی بلکہ حرمت اللہ تعالیٰ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے آئے گی یعنی اللہ رسول کی حرام فرمائی ہوئی چیز۔ طاعم بنا ہے طعم سے زائد ہے بمعنی کھانا چکھنا یہاں **طاعم** فرمایا مومن نہ فرمایا جس سے اشارۃ" بتایا گیا کہ گندی ناپاک غذاؤں سے پرہیز کرنا۔ انسانیت کا تقاضا ہے اگر انسان ہر چیز کھالیا کرے تو اس میں اور جانور میں کیا فرق ہو یہ بھی فرمایا کہ اے کافرو تم نے جو حرمت میں مرد و عورت کا فرق کیا ہے کہ فلاں جانور مردوں کے لئے حلال ہے' عورتوں پر حرام یہ محض غلط ہے کوئی کھانے والا ہو مرد یا عورت یہ چیزیں سب پر حرام ہیں **یطعمہ** فرما کر یہ بتایا کہ ان مذکورہ چیزوں میں کھانا تو سب کا حرام ہے مگر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا کھانا حرام ہے اور طرح استعمال حلال جیسے مردار کہ اس کی کھال بال ناخن سینگ کھر وغیرہ دوسرے استعمال میں آسکتی ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ایک لفظ اپنے میں صدہا حکمتیں رکھتا ہے **الا ان یکون میتۃ** عبارت محرما" سے مستثنیٰ ہے نفی اور استثناء سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یکون کا اسم **ھو** ضمیر ہے میتۃ وہ جانور ہے جو قابل ذبح ہو اور پھر بغیر شرعی ذبح کے مرجائے لہذا اس میں مرا ہوا گلا گھونٹا ہوا اوپر سے گرا ہوا غلیل وغیرہ سے غرضیکہ موقوذہ متردیہ' نطیحہ اور درندہ کا پھاڑا ہوا یعنی **ما اکل السبع** وغیرہ جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہوئے سب ایک لفظ میتۃ میں داخل ہیں لہذا یہ آیت کریمہ نہ تو اس آیت کے خلاف ہے نہ منسوخ بلکہ محکم ہے **او دما مسفوحا**

یہ عبارت معطوف ہے میتہ پر خبر ہے یکون کی۔ مسفوح معنی مصبوب ہے یعنی بہتا ہوا۔ یہ قید اس لئے ارشاد ہوئی کہ قدرتی جما ہوا خون جیسے کلیجی یا تلی حلال ہے۔ جو خون ہو تو بہتا ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر جم جائے وہ حرام ہے کہ دم مسفوح میں داخل ہے۔ **او لحم خنزیر** یہ عبارت معطوف ہے **دما مسفوحا** پر اور خبر ہے یکون کی چونکہ مردار جانور گائے بکری وغیرہ بذات خود حلال ہے ذبح نہ ہونے ویسے ہی مرجانے کی وجہ سے حرام ہوا اس لئے وہاں میتہ فرمایا اور سور بذات خود حرام ہے خواہ ذبح کیا جائے یا بغیر ذبح مر جائے اس لئے یہاں لحم خنزیر ارشاد ہوا چونکہ جانور میں اصل گوشت ہے چربی کلیجی گردے وغیرہ اس کے تابع ہیں جب گوشت حرام ہوا تو ساری چیزیں حرام ہوئیں اس لئے لحم یعنی گوشت کا ذکر ہوا نیز رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہوسکے صرف قرآن سے اپنے تمام مسائل حل نہ کرسکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج بھی رہے اس لئے لحم فرمایا کہ سور کا گوشت تو ہم حرام فرماتے ہیں اس کے باقی اعضا ہمارے محبوب حرام کریں گے۔ **فانہ رجس** اس عبارت میں ف تعلیلیہ ہے اور ہ کا مرجع یا سور کا گوشت ہے یا خود سور جس کے معنی ہیں نجس ناپاک "گندا" خبیث اس میں سور کے حرام ہونے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی چونکہ سور یا سور کا گوشت نجس العین ہے کہ کسی طرح پاک نہیں ہوسکتا اور ہر نجس چیز حرام ہوتی ہے لہٰذا یہ حرام ہے۔ خیال رہے کہ فانہ کی ضمیر اگر سور کی طرف ہو تو اس سے سور کے سارے اجزا کا حرام ہونا ثابت ہوگا کیونکہ جب وہ مجسم نجس ہے کہ اس کا کوئی جز پاک نہیں تو مجسمہ حرام بھی ہوگا اور اگر لحم خنزیر کی طرف ہو تو اس آیت سے صرف سور کے گوشت کی حرکت ثابت ہوگی' دوسرے اعضاء کی حرمت لزوما" یا حدیث شریف سے ثابت ہوگی۔ بعض مفسرین نے کہا کہ فانہ کی ضمیر میتہ دم مسفوح اور لحم خنزیر اور خنزیر سب کی طرف ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ مردار جانور حرام تو ہے مگر مجسم رجس نہیں اس کی کھال پک کر ہڈیاں' ناخن سوکھ کر پاک ہوجاتے ہیں' سینگ وغیرہ پاک ہیں لہٰذا یہ ضمیر صرف خنزیر یا لحم خنزیر کی طرف ہے۔ **او فسقا اھل لغیر اللہ بہ** یہ عبارت معطوف ہے لحم خنزیر پر اور یکون کی خبر ہے **فسقا** موصوف ہے اور **اھل** اس کی صفت **اھل** کی تحقیق ہم سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ کی تفسیر میں کرچکے ہیں کہ یہ لفظ بنا ہے اہلال سے معنی ہلال یعنی پہلی شب کا چاند دکھا اس پر شور مچانا کہ دیکھو ہلال یہ ہے پھر مطلقا" پکارنے شور مچانے کے لئے استعمال ہونے لگا حتی کہ نومولود بچہ کے رونے کو استہلال کہنے لگے مگر شریعت میں اہلال کے معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا کسی کا نام لینا وہی یہاں مراد ہے جیسے صلوۃ کے لغوی معنی ہیں مطلقا" دعا مگر شریعت میں نماز کو صلواۃ کہتے ہیں **اقیموا الصلواۃ** میں صلواۃ کے یہی معنی مراد ہیں غیر اللہ سے مراد ہر ماسوی اللہ ہے خواہ کوئی ہو بت ہوں یا کوئی اور بندہ یعنی یا وہ جانور حکم عدولی والا ہو کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو خواہ نبی ولی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا کسی اور کے نام پر بہرحال حرام ہے' خیال رہے کہ جانوروں میں حرمت تین طرح کی ہے حرمت لعینہ جیسے سور کی حرمت اور حرمت لغیرہ جیسے مردار کی حرمت مع غیرہ جیسے چوری یا غصب والا مذبوحہ جانور کی حرمت کہ ایسا جانور بذات خود حلال ہے مگر مالک کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں حرمت لغیرہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور ذبح ہی نہ ہو وہ ہے مردار دوسرے وہ جو ذبح تو ہو مگر غیر خدا کے نام پر وہ ہے **ما اھل بہ لغیر اللہ**۔ اس آیت میں حرام لعینہ یعنی سور کا ذکر بیچ میں ہے اور حرام لغیرہ کی ایک قسم کا ذکر پہلے ہے دوسری کا بعد میں اور ضمن میں بہتے خون کا۔ نہایت نفیس ترتیب ہے۔ پھر ذبح تین قسم کا ہے ذبح اختیاری اس میں حلقوم اور رگیں کٹنا ضروری ہیں' ذبح اضطراری یعنی قبضہ سے باہر جانور کا ذبح اس میں کسی جگہ دھاردار چیز سے زخم کردینا کافی ہے تیسرا ذبح شکاری اس میں شکاری کتے کے دانت مثل چھری کے ہیں۔

لمن اضطر غیر باغ ولا عاد یہ نیا جملہ ہے من سے مراد مسلمان ہے جس پر یہ مذکورہ چیزیں کھانا حرام ہیں **اضطر** بنا ہے اضطرار سے بمعنی مجبوری یہاں وہ مجبوری مراد ہے جو انسان کو ان حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کردے جیسے جنگل میں سخت بھوکا ہو تا کہ جان نکل رہی ہے اور کچھ کھانے کو نہیں سواء اس حرام چیز کے یا کسی نے اسے قتل کی دھمکی دے کر اس کے کھانے پر مجبور کردیا۔ غیر باغ اضطر کی ضمیر سے حال ہے۔ باغ بغاوت سے نہیں بلکہ بغی سے بنا بمعنی چاہنا تلاش کرنا یہاں لذت کے لئے اس کھانے کا چاہنا مراد ہے۔ یہی امام اعظم کا مذہب ہے عاد بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھنا یہاں اس سے مراد ہے جان بچانے کی حد سے زیادہ کھالینا اگر دو بوٹی سے جان بچ جاتی ہے تو تیسری کھالیا یعنی جو مسلمان ان حرام جانوروں کے کھانے پر مجبور کردیا جائے بشرطیکہ نہ تو لذت کے لئے کھائے نہ ضرورت سے زیادہ کھائے تو **فان اللہ غفور رحیم** یہ عبارت **من اضطر** کی جزا نہیں اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ **لا مواخذہ** یہ جملہ اس کی علت ہے لہذا اس میں ف تعلیلیہ ہے یعنی ایسے مجبور کو ان چیزوں کے کھالینے پر اللہ تعالیٰ پکڑے گا نہیں کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی غفور رحیم ایسے مجبور کو معاف فرماتا ہے یا مقصد یہ ہے کہ اگر ایسے مجبور آدمی سے اندازے میں غلطی ہو گئی کہ دو بوٹیوں سے اس کی جان بچ سکتی تھی وہ تین کھا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ غلطی معاف فرمادے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی وہ بندوں پر تنگی نہیں فرماتا۔

خلاصہ تفسیر: جیسے تکوینی احکام میں انسان خود مختار نہیں حکم ربانی کا پابند ہے جب چاہے وہ بیمار کردے جب چاہے عزت ذلت امیری غریبی دیدے جب چاہے موت دیدے یوں ہی انسان تشریعی احکام میں خود مختار نہیں تکوینی احکام رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو چاہئے کہ تشریعی احکام میں جناب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں رہے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اپنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام جاری کرے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا** اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے سننے بلکہ سوتے جاگنے حتی کہ حجامت کرنے تک کے احکام جاری فرمائے اس آیت میں خصوصاً "جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں" چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بے اصولے کافروں سے فرمادو کہ تمہارے حرام ٹھہرائے ہوئے جانوروں بحیرہ سائبہ وصیلہ حام وغیرہ جانوروں میں سے میں کسی جانور کو اپنی وحی میں حرام نہیں پاتا لہذا ان میں سے کوئی جانور حرام نہیں کسی چیز کی حرمت نہ ملنا اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ہمارا یہ کہہ دینا کہ فلاں مسئلہ نہیں پاتا مجھے نہ ملا ہماری بے علمی کی دلیل ہے کہ ممکن ہے وہ مسئلہ کسی کتاب میں ہو مگر مجھے نہ ملا ہو لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مجھے یہ مسئلہ نہیں معلوم اس مسئلہ کے نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتعلیم الٰہی اولین و آخرین سے بڑے عالم ہیں جیسے رب نے فرمایا **قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض** جیسے رب نے فرمایا **فلا تسئلن مالیس لک بہ علم** جو چیز خدا نہ جانے یا نبی نہ جانے وہ ہے ہی نہیں ان کی عدم اطلاع عدم ثبوت کی دلیل ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جانوروں کی حرمت نہیں ملی تو یقیناً وہ حرام نہیں۔ ہاں میری وحی کے مطابق حرام ہونے کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ جانور یا تو مردار ہو اس کا کھانا سارے مسلمانوں پر حرام ہے مرد ہو یا عورت یا جانور کا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ سور یا اس کا گوشت نجس العین ہے گندا ہے خبیث ہے یا رب تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کیا ہوا جانور ہو کہ رب نے اپنے نام پر ذبح کرنے کا حکم دیا وہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کردیا گیا ہو یہ چیزیں حرام ہیں اور سب پر حرام ہیں۔ مگر

خیال رہے کہ جو مجبوری میں گرفتار ہو جائے کہ اسے جان بچانے کے لئے ان میں سے کوئی چیز کھانا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہ فرمائے گا" بشرطیکہ نہ لذات کے لئے کھائے نہ ضرورت سے زیادہ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ایسے مجبوروں کی پکڑ نہیں فرماتا انہیں معاف کر دیتا ہے۔ اے کافرو جانوروں کی حرمت کا قانون تو یہ ہے کہ تم نے بتوں کے نامزد جانوروں کو کونسے قاعدہ سے حرام کیا۔ اور وہ بھی نہایت بیہودہ طریقہ سے کہ مردوں کو حلال عورتوں پر حرام۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر چیز بذات خود اصل میں حلال ہے بعض چیزیں شرعی ممانعت کی وجہ سے حرام ہیں یہ اسلام کا قانون کلی ہے کہ حلت اصل ہے حرمت ممانعت کے عارضہ سے۔ یہ فائدہ **لا اجد** سے حاصل ہوا کہ یہاں حرمت کی دلیل نہ ملنے کو حلت کی دلیل قرار دیا گیا اسی لئے قرآن کریم نے حرام چیزوں کو محرم فرمایا ہے مگر کسی بھی حلال چیز کو محلل نہیں فرمایا بلکہ انہیں حلال کہا۔ **حلا لا طیبا** تاکہ معلوم ہو کہ چیزیں حلال تو خود بخود ہوتی ہیں مگر حرام کی جاتی ہیں خود حرام نہیں ہوتیں۔

مسئلہ : چیزیں تین قسم کی ہیں بعض وہ جن کی حلت حدیث یا قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ حلال قطعی ہیں بعض وہ جن کی حرمت قرآن یا حدیث میں مذکور ہے وہ حرام ہے جیسے سور "کتا" بلا وغیرہ بعض وہ جن سے خاموشی ہے یعنی قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہی نہیں وہ معاف ہیں یعنی حلال ہیں جیسے عام جانور پھل فروٹ غذائیں دوائیں۔ (تفسیر ابن کثیر و حدیث شریف) یہی حال عورتوں کی حلت و حرمت کا ہے کہ جن عورتوں کی حرمت قرآن یا حدیث میں وارد ہو گئی وہ حرام ہیں باقی حلال رب نے چند عورتوں کی حرمت کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا **واحل لکم ما وراء ذالکم** آج کل لوگ بلا دلیل چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں اور ہم سے حلت کی دلیل مانگتے ہیں خود حرمت کی دلیل پیش نہیں کر سکتے یہ سخت غلطی ہے اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** چیزوں کے حرام ہونے کے لئے نص یعنی وحی الٰہی درکار ہے وحی جلی ہو یا وحی خفی یعنی حدیث شریف محض کسی کے قیاس رائے سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **فی ما اوحی** سے اور **محرما** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں حراما" نہ فرمایا محرما فرمایا اور محرما کے ساتھ وحی کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** حرام جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی کھال بال سینگ وغیرہ دوسرے استعمال میں آ سکتے ہیں، دیکھو ہاتھی دانت کی بہت چیزیں بنتی ہیں اور کام میں لائی جاتی ہیں۔ یہ فائدہ **علی طاعم یطعمہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جو جانور حرام ہے وہ ہر مسلمان کے لئے حرام ہے مرد ہو یا عورت عالم ہو یا جاہل مرد و عورت کا فرق کرنا جہالت ہے۔ یہ فائدہ **طاعم یطعمہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بہتا ہوا خون حرام ہے اس کا کھانا بھی حرام ہے فروخت کرنا بھی اور طرح استعمال کرنا بھی۔ کھانے کی حرمت اس آیت سے ثابت ہے اور اس کی قیمت کی حرمت دوسری طرح استعمال کرنے کی حرمت دوسرے دلائل سے۔ **چھٹا فائدہ:** سور نجس العین ہے اس کی کوئی چیز کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں حتی کہ اس کی کھال کے جوتے پہننا حرام ہے اس کے بالوں کا برش استعمال کرنا حرام۔ یہ فائدہ **فانہ رجس** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ہر نجس چیز حرام ہے مگر ہر حرام چیز نجس نہیں بعض چیزیں حرام ہیں مگر پاک ہیں دیکھو مٹی کھانا حرام ہے مگر وہ ہے پاک اگر کتا بلا تکبیر سے ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا مگر رہے گا حرام۔ یہ فائدہ **فانہ رجس** کی ف تعلیلیہ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** سور کو اگر

تکبیر سے ذبح کرلیا جائے یا اس کی کھال پکالی جائے جب بھی وہ پاک نہ ہوگی وہ اور اس کی ہر چیز بہر حال نجس اور حرام ہی ہوگی۔ یہ فائدہ بھی فانہ رجس سے حاصل ہوا' ہاں انقلاب حقیقی کا حکم اور ہے جیسے سور نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے وہ نمک پاک ہوگا' جیسے پاخانہ کی راکھ پاک ہو جاتی ہے۔ **نواں فائدہ:** جانور کی زندگی میں اس پر کسی کا نام پکارنا اسے حرام نہ کرے گا بلکہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا حرام کرے گا' ذبح کے وقت کی پکار کا اعتبار ہے' دیکھو یہاں دعی نہ فرمایا بلکہ اھل ارشاد ہوا کہ دعی میں ہر پکار نامراد ہوتا اھل میں خاص پکار نامراد ہے یعنی ذبح کے وقت کا۔ **دسواں فائدہ:** بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے یہ فائدہ **او فسقا** سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حرام گوشت بحالت مجبوری حلال نہیں ہو جاتا حرام ہی رہتا ہے مگر جان بچانے کے لئے اس کا کھانا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے کہ اگر نہ کھائے اور مرجائے تو گنہگار مرے گا گویا اس نے خود کشی کرلی۔ دیکھو یہاں **من اضطر** کے ساتھ حلال کا لفظ ارشاد نہ ہوا بلکہ مغفرت الٰہی رحمت الٰہی کا ذکر ہوا۔ بہت فرق ہے چیز کے حلال ہونے میں اور اس کے استعمال کے حلال ہونے میں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس مجبوری میں وہ جانور ہی حلال ہوگا مگر بقدر ضرورت۔

فقہی معمہ: وہ کون حرام چیز ہے جس کا کھانا واجب ہے **حل** وہ یہی حرام جانور ہیں جن کا بقدر ضرورت اضطرار کی حالت میں کھانا واجب ہے مگر یہ حل ان علماء کے فرمان پر ہے جو ایسی مجبوری میں ان جانوروں کو حرام ہی جانتے ہیں مگر ان کا کھانا واجب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے ایسے مجبور کے لئے انہیں حلال نہ کہا بلکہ اپنی مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا۔ **بارھواں فائدہ:** ایسا مجبور جسے زندگی بچانے کے لئے صرف چند لقمے کھانے کی اجازت ہے اگر اندازہ میں غلطی کر جائے اور ایک آدھ لقمہ زیادہ کھائے تو اس کو پکڑ نہ ہوگی۔ یہ فائدہ **فان ربک غفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ:** نبی کا کسی چیز کی حرمت نہ جاننا اس چیز کے حرام نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ **لا اجد** سے حاصل ہوا کہ یہاں **لیس الحرام** نہیں فرمایا بلکہ **لا اجد** فرمایا۔ **چودھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید ہی کی وحی نہیں ہوئی بلکہ حدیث پاک بھی وحی ہے۔ یہ فائدہ **فیما اوحی الی** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی تین قسم کی ہوئیں ظہور نبوت سے پہلے خواہ بچپن شریف میں ہوں یا ہوش سنبھالنے کے بعد' ظہور نبوت کے بعد کتاب آسمانی کی شکل میں جسے وحی جلی کہتے ہیں' ظہور نبوت کے بعد بطور الہام جسے وحی خفی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں فرمایا **انی عبد اللہ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر پہنچ کر ماں کے سواء کسی دائی کا دودھ قبول نہ فرمایا۔ **وحرمنا علیہ المراضع من قبل** یہ ہے بچپن کی وحی ابراہیم علیہ السلام نے بچپن میں فرمایا **لا احب الا فلین** رب نے فرمایا **وتلک حجتنا اتینا ھا ابراہیم علی قومہ** ان تمام آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں کے بچپن شریف کے اعمال اقوال سب وحی الٰہی ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **فیما اوحی الی** سے اشارۃً" حاصل ہوا کہ یہاں وحی جلی یا وحی خفی مراد ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی **قل لا اجد** صرف یہ کیوں نہیں فرمایا کہ یہ جانور حرام نہیں وہ عبارت مختصر ہوتی اور مطلب حاصل ہو جاتا۔ **جواب:** اس عبارت میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ حرمت صرف وحی سے آتی ہے کسی کے وہم رسم و رواج محض ذاتی اجتہاد سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور میں صاحب وحی ہوں میری وحی میں تو یہ چیزیں حرام نہیں تم نے حرام کیسے کرلیں یعنی بحیرہ' سائبہ جانور اس مختصر عبارت میں حرام نہ ہونے کی یہ دلیل معلوم نہ ہوتی۔ دوسرا

اعتراض: اس فرمان عالی میں محرماً کیوں ارشاد ہوا حرام فرمادینا بھی کافی تھا۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ کوئی چیز بذات خود حرام نہیں ہر چیز بالذات حلال ہے جو چیز بھی حرام ہوگی وحی الٰہی سے حرام ہوگی یعنی اصل اشیا میں اباحت ہے یہ فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** محرماً کے بعد علی طاعم اور ساتھ میں یطعمه کیوں ارشاد ہوا جو چیز حرام ہوتی ہے تو اس کا کھانا ہی حرام ہوتا ہے اور کھانے والے پر ہی حرام ہوتی ہے۔ **جواب:** اس ارشاد عالی سے دو مسئلے بتائے گئے ایک یہ کہ جو چیز کھانا حرام ہوگی وہ مرد و عورت سب پر حرام ہوگی اس میں عورت و مرد کا فرق غلط ہے ہاں پہننے برتنے میں فرق ہو سکتا ہے کہ سونا ریشم پہننا مرد کو حرام ہے عورت کو حلال تم نے بعض جانوروں کو عورتوں کے لئے حرام مانا مردوں کے لئے حلال۔ یہ غلط ہے دوسرے یہ کہ ان مذکورہ چیزوں میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کا کھانا حرام ہے دوسرے کام میں لانا جائز جیسے مردار کہ اس کی کھال بال کو برتا جا سکتا ہے لہذا یہ عبارت بہت مفید ہے۔ **چوتھا اعتراض:** انسان نباتات بھی کھاتا ہے جمادات بھی اور حیوانات بھی مگر شریعت نے جتنی پابندی حیوانات کے کھانے پر لگائی ہے اتنی نباتات اور جمادات کے کھانے پر نہیں لگائی ان دونوں میں صرف نقصان دہ اور نشہ آور چیزوں کو حرام کیا باقی سب حلال مگر جانوروں کی حلت و حرمت میں بہت تفصیل فرمائی اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** اس کی بہت وجہ ہو سکتی ہیں بظاہر دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ حیوان میں بعض اجزا نجس ہیں جیسے خون پیشاب پاخانہ اور بعض اجزا پاک مگر حرام جیسے فرج ذکر فوطے وغیرہ اور بعض اجزاء حلال جیسے گوشت کلیجی وغیرہ نباتات جمادات میں یہ فرق نہیں کہ سب پاک ہی ہیں دوسرے یہ کہ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات تین طرح سے ذبح ہوتے رہے۔ بعض ذبح عبادت ہے جیسے قربانی فدیہ کفارہ کا ذبیحہ اور بعض ذبح کفر و شرک جیسے بتوں کے نام پر ذبح بعض ذبح محض جائز جیسے گوشت کے لئے ذبح نباتات جمادات میں یہ فرق نہیں ان وجوں سے جانوروں میں بہت پابندیاں لگائیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیہ کریمہ میں حرام جانور صرف چار ارشاد ہوئے وہ بھی حصر کے ساتھ مگر سورۂ مائدہ بقرہ میں ان کے علاوہ بہت سے جانور حرام فرمائے گئے۔ **متردیه نطیحه ما اکل السبع** اور **ما ذبح علی النصب** تو اس آیت کا چار میں حصر کیسے درست ہوا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے یہ آیت مجمل ہے وہ آیات مفصل ہیں کیونکہ اوپر سے گر کر درندہ کے منہ میں جاکر سینگ گھونپ جانے کی وجہ سے جو جانور مرے گا وہ سب میتہ ہی ہوگا یعنی مردار وہاں میتہ کی کچھ تفصیل کر دی گئی ہے یوں ہی **ما ذبح علی النصب** یعنی کسی تھان پر ذبح کیا ہوا جانور **اهل به لغیر الله** کی ایک قسم ہے لہذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں یہ حصر بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ بہت سے مفسرین نے اس آیت کے حصر کو سورہ مائدہ والی آیت سے منسوخ مانا ہے کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور سورۂ مائدہ مدینہ مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں سورۂ مائدہ کی آیت نے اس آیت کی تفصیل کر دی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف تین جانور حرام ہیں مردار سور اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا اور حلال جانور کی صرف ایک چیز حرام ہے خون۔ باقی سارے جانور گدھا کتا بلیاں ہی ذبیحہ کا گوبر پیشاب مثانہ ذکر فرج خصیہ سب حلال ہیں حالانکہ یہ سب حرام ہیں اگر کہو کہ وہ چیزیں حدیث سے حرام ہوئیں تو وہ احادیث خبر واحد ہیں انہوں نے قرآن کے اس حصر کو منسوخ کیسے کر دیا یہاں الا اور لا سے پورا انحصار ثابت ہے کہ ان کے سوا اور کوئی جانور حرام نہیں۔

نوٹ ضروری: اس اعتراض کو حضرات صحابہ سے آج تک مفسرین نے بہت مشکل سمجھا حتی کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ گدھا حلال ہے اور یہی آیت پیش کی کہ ان تین جانوروں کے سوا کوئی جانور حرام نہیں بعد میں آپ نے اس سے رجوع فرمایا۔ مفسرین نے اس کے جواب میں بہت کوششیں فرمائیں ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے کافرو جن جانوروں کو تم حرام کہتے ہو بحیرہ سائبہ میں اپنی وحی میں ان میں سے کسی کو حرام نہیں پاتا سواء ان مذکورہ جانوروں کے۔ دوسرے یہ کہ یہاں وحی سے مراد قرآن مجید کی وحی ہے یعنی وحی جلی واقعی قرآن میں صرف یہی جانور حرام ہیں وحی خفی یعنی حدیث کے حرام فرمودہ جانوروں کا یہاں ذکر نہیں یہ حصر قرآنی محرمات کے لحاظ سے ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہی نہیں کیونکہ **الا ان یکون** مستثنیٰ منقطع ہے متصل نہیں کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار جن جانوروں کو حرام سمجھتے ہیں میں ان کو حرام نہیں پاتا لیکن ان چار کو حرام پاتا ہوں اور مستثنیٰ منقطع حصر کا فائدہ نہیں دیا کرتا ہاں مستثنیٰ متصل حصر کا مفید ہے (روح المعانی) مگر یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ دوسری آیت میں ہے **انما حرم علیکم المیتۃ والدم** الخ وہاں **انما** ہے جو صرف حصر کے لئے آتا ہے اس میں متصل اور منقطع کا احتمال نہیں چوتھے یہ کہ وہ احادیث جن میں گدھے کتے بلے وغیرہ کی حرمت کا ذکر ہے وہ اگرچہ لفظاً ''خبر واحد ہوں مگر معنی متواتر ہیں جیسے نماز کی رکعات کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار کی احادیث یا قرآن مجید کی مقدار کی احادیث کہ وہ سب معنی متواتر ہیں لہذا ان احادیث سے یہ حصر منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں صرف سور تو حرام ہے اور کتا بلا سانپ بچھو وغیرہ حلال نعوذ باللہ من ذالک نیز سور کے گوشت کے علاوہ اس کے دوسرے اعضاء حدیث شریف سے ہی حرام ہیں اس کے کلیجی گردے وغیرہ حرام قطعی ہیں جن کی حرمت حدیث شریف سے ہی ثابت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** لحم خنزیر کے بعد **فانہ رجس** کیوں ارشاد ہوا اس میں فائدہ کیا ہے؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر ہ سے مراد سور ہے تو اس کا مطلب یہ ہے سور سارا کا سارا نجس ہے اور ہر نجس چیز حرام ہوتی ہے لہذا اس کے سارے اعضاء حرام ہیں اور اگر اس سے مراد سور کا گوشت ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ دوسرے جانور اگرچہ حرام ہیں مگر نجس العین نہیں سور کا گوشت نجس العین ہے لہذا وہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا اس کے باقی اعضاء ہمارے محبوب نے حرام کر دیں۔ **ساتواں اعتراض:** **اھل لغیر اللہ بہ** سے مراد ہر وہ جانور ہے جس پر غیر خدا کا نام پکارا جائے اس کی زندگی میں یا ذبح کے وقت لہذا جو بکری یا گائے غوث پاک یا خواجہ اجمیری کے نام پر نامزد کر دی جائے وہ حرام ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت سے جواب الزامی اور تحقیقی سورۂ بقر اور سورۂ مائدہ میں اس لفظ کی تفسیر میں دیئے جا چکے ہیں تو وہی اور وہی اور اھل کا فرق ضرور خیال میں رہے۔ تلاش سے معلوم ہوا کہ دعا اور ندا ہر جگہ بولا جاتا ہے اھلال چار جگہ بولا جاتا ہے' ولادت میں بچہ کا رونا چاند دکھاتے وقت چیخنا کہ وہ ہے چاند' حج و عمرہ کے احرام میں تلبیہ کہنا ذبح کے وقت نام پکارنا' جانور کی زندگی میں اس پر کسی کا نام پکارنا اہلال نہیں وہ ندا یا دعا ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لئے یہ جانور بقدر ضرورت حلال ہی ہو جاتے ہیں تو بعد میں **ان ربک غفور رحیم** کیوں ارشاد ہوا مغفرت اور رحمت تو گناہ پر ہوتی ہے نہ کہ جائز کام پر۔ **جواب:** جن علماء نے فرمایا کہ مجبوری کی حالت میں یہ جانور حرام ہی رہتے ہیں' صرف ان کے کھا لینے پر پکڑ نہیں ہوتی ان کے قول پر تو غفور رحیم فرمانا بالکل ظاہر ہے کہ جانوروں کے کھانے پر ہم پکڑ نہ کریں گے۔ اگرچہ یہ حرام ہیں مگر جو علماء فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بقدر ضرورت یہ حلال ہو جاتے ہیں ان کے قول پر ان

فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ صرف بقدر ضرورت ہی حلال تھے لیکن اگر تم نے ضرورت سے زیادہ ایک آدھ لقمہ کھالیا۔ تمہارے اندازہ میں غلطی ہوئی تو ہم تم پر ناراض نہ ہوں گے تمہاری یہ غلطی معاف فرمادیں گے یعنی اس فرمان کا تعلق غیر باغ اور ولا عاد سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا مردار جیسی ہے اور ماہو اہد بو دار بھی یہ ہے میتہ اور نفسانی شہوتیں لذتیں وہ خون ہیں جن پر دین کا خون بہایا گیا ہے ہر شیطانی کام تم خنزیر ہے۔ رب فرماتا ہے کہ شراب جوا بت اور فال کے تیر **رجس من عمل الشیطان فاجتنبوا** دو چیزیں ہے ہٹاتے ہیں وہ رجس ہے اور جو چیز رب سے غافل کردے وہ **فسقا اور ما اہل بہ لغیر اللہ** ہے یہ تمام چیزیں حرام ہیں کیونکہ **حرمان** یعنی قرب الٰہی سے محرومی کا باعث ہیں ہاں دنیاوی ضروریت دفع کرنے کے لئے گویا اضطرارا" ان کے استعمال پر پکڑ نہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی انسان کو چاہیے کہ دنیا میں بے رغبت ہو کر آخرت میں راغب ہو مولیٰ کا طالب ہو بزرگی کرتا ہے۔ حلم تواضع مومن کا زیور ہے عیش پسندی دنیا میں پھنسا و کافروں کا مشغلہ ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ہر غافل کافر ہے ان کے ہاں بیداری ایمان ہے غفلت کفر (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ توحید' عقائد' اعمال' افعال' احوال کے مضامین کو اکثر قل سے شروع فرمایا جاتا ہے جس میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکہ ان سب میں نبوت کے فیض کی آمیزش ہو جائے عقیدہ توحید نبوت کی آمیزش سے ایمان بن جاتی ہے اور اعمال' احوال' افعال وغیرہ میں نبوت کی آمیزش سے قبولیت کی لذت پیدا ہو جاتی ہے نبوت تمام نیک عقائد و اعمال کے لئے ایسی ہے جیسے مٹھائیوں کے لئے شکر کا قوام یا کھانوں کے لئے نمک کہ اس کے بغیر تمام چیزیں روکھی پھیکی ہیں۔

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو　　نمکیں حسن والا ہمارا نبی

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کھانوں شربتوں میں مختلف لذتیں ہوتی ہیں ایسے ہی الفاظ میں بھی لذت ہے پھر الفاظ کی لذت کے ساتھ خوش آوازی ساز نغمہ کی لذتیں شامل ہو جائیں تو لطف بڑھ جاتا ہے یوں ہی اللہ کے کلام میں لذت ہے جب یہ زبان نبوی سے ادا ہو تو لذت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے ایسے موقعہ پر قل ارشاد ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تین طرح کی وحی آتی ہے اور ان کی تبلیغ بھی تین قسم کی ہوتی ہے' عملی تبلیغ' قولی زبانی تبلیغ اور اشارات سے تبلیغ' عملی تبلیغ ان کے بچپن شریف سے ہی شروع ہو جاتی ہے' قولی تبلیغ بعد ظہور نبوت شروع ہوتی ہے اشارات کی تبلیغ خواص کو کی جاتی ہے۔ **فما اوحی الی** میں بڑی گنجائش ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

اور اوپر ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے حرام کردیئے ہم نے ہر ناخن والے اور گائے سے اور بکری سے حرام کردیں ہم نے

اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ

اوپر ان کے چربیاں ان دونوں کی سوا اس کے جو اٹھائیں پیٹھیں ان کی یا آنتیں یا وہ جو ملی ہوئی ہو

جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی

بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ

ہڈی سے یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو بوجہ سرکشی ان کے اور بے شک ہم البتہ سچے ہیں پس اگر جھٹلائیں وہ آپ

سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں پھر اگر تمہیں جھٹلائیں تو تم فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع

رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

کو تو فرما دو رب تمہارا بڑی رحمت والا ہے اور نہیں لوٹایا جاتا عذاب ہماری قوم جرم کرنے والی سے

رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان جانوروں کا ذکر ہوا جن کی حرمت قانونی ہے اب ان چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے جن کی حرمت سزا و عذاب کے طور پر واقع ہوئی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں تین جانوروں کی حرمت اور ایک خون کی حرمت کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ یہود پر ان چار چیزوں کے سوا اور چیزیں اور جانور بھی حرام کر دیئے گئے تھے جو اب حرام نہ رہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں دائمی حرام چیزوں کا ذکر تھا جو سارے مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اب عارضی اور مخصوص حرام چیزوں کا ذکر ہے جو عارضی طور پر ایک خاص مدت کے لئے حرام رہیں پھر ان کی حرمت اٹھا دی گئی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں خبیث چیزوں کو حرام فرمانے کا ذکر تھا جن کا حرام فرمانا اللہ کی رحمت ہے اب بعض طیب طاہر چیزوں کے حرام فرمانے کا ذکر ہے جن کا حرام فرمانا اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا یہود پر گویا رحمت والی حرمت کے بعد عذاب والی حرمت کا ذکر ہے۔

نزول : یہودی لوگ اونٹ وغیرہ بعض حلال جانور نہیں کھاتے تھے انہیں حرام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جانور از آدم علیہ السلام تا موسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں کے دین میں حرام رہے اسلام نے مسلمانوں نے ان جانوروں کو حلال مان کر بڑا گناہ کیا ان کی تردید میں یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا کہ یہ جانور اور یہ چیزیں سارے دینوں میں حلال تھیں صرف یہود پر حرام کی گئی تھیں وہ بھی ان کی سرکشی کی سزا کے لئے۔ (از روح المعانی)

تفسیر : **وعلی الذین ھادوا حرمنا** اس عبارت میں فعل یعنی **حرمنا** تو بعد میں مذکور ہے اور اس کا متعلق **علی الذین** الخ پہلے ذکر ہوا تھا۔ جس سے فائدہ حصر کا ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ یہ چیزیں صرف یہود پر ہی حرام کی گئی تھیں ان کے سواء کسی دین کسی ملت کسی شریعت میں حرام نہ کی گئی تھیں یہ یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ یہ چیزیں پچھلے تمام دینوں میں حرام تھیں الیہود نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی **الذین ھادوا** تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ اسرائیلی دین موسوی پر قائم نہیں رہے پچھلے لوگ ہی وہ تھے جنہوں نے سچی توبہ کر کے رب کی طرف ہو یعنی رجوع کیا تھا یہ تو انہیں بدنام کرنے والے لوگ ہیں **حرمنا** فرما کر یہ بتایا کہ ان چیزوں کی حرمت کسی کے قیاس وغیرہ سے نہ تھی بلکہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئی تھی یا اس طرح کہ توریت شریف میں صراحۃً مذکورہ تھی یا اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے یہ خصوصی حکم دیا تھا **کل ذی ظفر** یہ **حرمنا** کا مفعول بہ ہے کل سے مراد ہر چرندو پرندہ جانور ہے ظفر ہماری قراءۃ میں ظا اور ف کے پیش سے ہے بمعنی ناخن اس کی جمع ہے

اظفار بعض قراتوں میں ظفر ظا اور ف کے کسرہ سے ہے بعض میں ظفر ظ کے کسرہ ف کے سکون سے ہے پہلے کی جمع اظافر ہے
دوسرے کی جمع اظافیر ہے۔ (تفسیر صاوی) یہاں ناخن سے مراد انگلی ہے یعنی ناخن کی جگہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد کھر والے
جانور اور پنجہ والے جانور جن کے پنجے پھٹے ہوئے نہ ہوں جیسے اونٹ بطخ شتر مرغ وغیرہ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد
پھٹے کھر یعنی انگلیوں پھٹے پنجے والے اور بغیر پھٹے سب ہی مراد ہیں جیسے کتا گدھا اور اونٹ وغیرہ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ کتا گدھا
تو دوسری شریعتوں میں بھی حرام تھے اور اسلام میں بھی حرام ہیں یہاں تو وہ جانور مراد ہونے چاہئیں جو صرف یہود پر بطور عذاب
حرام کئے گئے ہوں سیدنا عبداللہ ابن عباس' ابن جبیر' قتادہ مجاہد سدی وغیرہم کا وہی فرمان ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا (روح
المعانی و بیر و خازن وغیرہ) ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما پہلے تو ان حلال جانوروں کا ذکر تھا جن کے گوشت
و چربی سارے اعضاء یہود پر حرام کر دیئے گئے تھے' اب گائے بیل بھینس بکری بھیڑ دنبہ کا ذکر ہے جن کے گوشت تو ان پر حرام
نہیں کئے گئے مگر چربیاں حرام کر دی گئی تھیں اس لئے من تبعیضیہ اولاً فرمایا گیا اور بعد میں شحومھما ارشاد ہوا شحم کے معنی
ہیں چربی کم گوشت ہے چربی بہت قسم کی ہوتی ہے موٹی چربی' پتلی چربی' جھلی کی طرح گردے کی چربی آنتوں کی چربی' پیٹ کی چربی
پیٹھ کی چربی وغیرہ اس لئے شحوم جمع ارشاد ہوا اور بعد میں استثناء فرمانا درست ہوا اسلام میں ہر حلال جانور کی ہر چربی حلال ہے
یہود سے پہلے بھی حلال تھی یعنی ہم نے یہود پر گائے بھینس بکری بھیڑ وغیرہ کے لحوم (گوشت) تو حلال رکھے مگر ان کی چربیاں حرام
کر دیں الا ما حملت ظھورھما امام اعظم کے نزدیک یہ استثنا منقطع ہے کیونکہ پیٹھ کی چربی شحم میں داخل نہیں لہٰذا جو کوئی
چربی نہ کھانے کی قسم کھالے وہ پیٹھ کی چربی کھا لینے سے حانث نہ ہو گا باقی اماموں کے ہاں یہ استثنا متصل ہے کہ یہ چربی بھی شحم میں
داخل ہے او الحوایا یہ عبارت معطوف ہے ما حملت پر اور دوسرا استثناء ہے حوایا جمع ہے حاویہ یا حویہ کی جیسے
زاویہ کی جمع ہے زوایا (تفسیر کبیر) یہ مشتق ہے حوی یحوی سے مصدر ہے حوی معنی شامل ہونا (روح المعانی) حویہ معنی
آنت حوایا آنتیں یعنی ہم نے ان پر گائے بکری کی آنتیں حرام کر دی تھیں۔ یہ قول ہے امام اعظم کا بعض مفسرین نے
فرمایا کہ یہ معطوف ہے ظھورھما پر اور مطلب یہ ہے کہ جو چربی آنتیں اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں وہ بھی حرام کر دی تھیں
(روح المعانی) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ امام اعظم کے قول پر ہے۔ رضی اللہ عنہما او ما اختلط بعظم یہ عبارت معطوف
ہے ما حملت پر اس سے مراد یا تو ہڈی چربی ہے یا ہڈی کی مینگ۔ پہلا قول قوی ہے کیونکہ مینگ کو چربی نہیں کہا جاتا خلاصہ یہ
ہے کہ یہود پر گائے بکری کی صرف تین چربیاں حلال تھیں باقی تمام چربیاں حرام تھیں ذالک جزینھم ببغیھم اس فرمان
عالی میں مذکورہ حرمت کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ ذالک سے اشارہ ہے مذکورہ حرمتوں کی طرف جزا معنی سزا و عذاب ہے بغی
معنی بغاوت سرکشی اور ظلم ہے اس سے یہود کا حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنا رشوتیں سود کھانا لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا مراد
ہے دنیا میں یہود سے بڑھ کر حرام خور کوئی قوم نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے اکالون للسحت یہ بڑے حرام خور ہیں۔ یعنی یہ
حرمتیں ان کی بغاوتوں ظلموں کی وجہ سے تھیں وانا لصادقون سبحان اللہ کیا بڑا پیارا فرمان ہے یعنی یہود تو کہتے ہیں کہ یہ
مذکورہ چیزیں صرف یہود پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں ہم سچے ہیں یہود جھوٹے کیونکہ حرام فرمانے والے تو ہم ہیں۔ ہم خوب
جانتے ہیں کہ کسی قوم پر کیا چیز کس لئے حرام ہوئی تھی۔ لہٰذا جمع فرما کر اشارۃً فرمایا کہ ہم اور ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سچے ہیں ہم بھی سچے کہ ہم حرام فرمانے والے مالک ہیں وہ بھی سچے کہ وہ ہمارے غیب دان نبی ہیں اس لئے آگے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو جھٹلانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرمایا فان کذبوک. ظاہر یہ ہے کہ ان شک و تردد کے لئے نہیں کہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ علیم خبیر ہے یہ لفظ کبھی اظہار غضب کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے نالائق بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اس اگر مگر کے اور بہت مقصد ہوتے ہیں چونکہ یہود کا جھٹلانا یقینی تھا اس لئے کذبوا ماضی ارشاد ہوا اور نہ یہ جھٹلانا آئندہ ہونے والا تھا' تکذیب کے معنی ہیں جھوٹا کرنا' جھوٹا سمجھنا' جھوٹا کہنا یہاں آخری معنی میں ہے کیونکہ سارے کفار و مشرکین کے دل مانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں ان کی ہر بات سچی ہوتی ہے مگر زبان سے آپ کو جھوٹا کہتے تھے یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم ظاہر یہ ہے کہ کذبوا کا فاعل یہود ہیں اور جھٹلانے سے یہی واقعہ جھٹلانا مراد ہے یعنی اگر یہود آپ کو اس بارے میں سچا نہ کہیں اور کہے جائیں کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے ہی حرام تھیں ہم نے کبھی ایسے جرم نہیں کئے تھے نہ ہم پر اس قسم کا کوئی عذاب آیا تھا' بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا فاعل مشرکین عرب ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اگر مشرکین آپ کو سچا نہ جانیں' مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ ابھی قریب میں یہود کا ذکر ہوا نیز مشرکین کا ذکر تو آگے الگ آرہا ہے لہذا قوی یہ ہے کہ یہاں یہود کا جھٹلانا مراد ہے فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ ظاہر یہی ہے کہ اس فرمان عالی میں روئے سخن انہیں یہود سے ہے رب کی نسبت ان کی طرف فرمانا یا انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ہے یا انہیں سرزنش کرنے کے لئے کہ رب تو تمہاری ہر طرح پرورش فرماتا ہے اور تم ہمیشہ اس کی نافرمانی ہی کرتے ہو کچھ تو شرم کرو یہاں رحمت واسعہ میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد ہے انہیں روزی دیئے جانا ان کے گناہوں کی وجہ سے روزی بند نہ فرمانا

ولیکن خداوند بالا و پست　　بہ عصیاں در رزق برکس نہ بست

دوسرے انہیں تندرست و صحت مند رکھنا' تیسرے اس جھٹلانے کے باوجود ان پر جلد عذاب نہ بھیجنا. مہلت دیئے رہنا' چوتھے یہ کہ رحمت واسعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے. رب فرماتا ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین لہذا اس فرمان عالی کی چار تفسیریں ہیں' تیسری تفسیر اس موقعہ پر بہت چسپاں ہے' چوتھی تفسیر کے ماتحت اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس قدر جو گناہ و سرکشی کرتے ہو پھر تم پر عذاب دنیاوی نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اس رحمۃ للعالمین کا دور دورہ ہے ان کا دامن کرم تمہیں عذاب سے بچائے ہوئے ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم- خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کوئی رحمت واسعہ نہیں جو رحمت کہ عالمین کو گھیرے ہوئے ہو وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے. اس لئے رحمت عالمین صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جس سے فرشتے' جنات انسان وغیرہ سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اللہ کی ربوبیت تین قسم کی ہے قہر والی ربوبیت' مہر والی ربوبیت' محبت و کرم والی ربوبیت' رب کافروں کا رب ہے قہر کی ربوبیت سے' مومنوں کا رب ہے مہر والی ربوبیت سے' نبیوں ولیوں کا رب ہے محبت والی ربوبیت سے' پھانسی والے مجرم کو اچھا کھانا دیتے ہیں وہ اچھا کھانا قہر کا ہے مہر کا نہیں. جس ربوبیت سے اطاعت کی توفیق ملے وہ مہر والی ہے. جس سے گناہ بڑھیں وہ قہر والی ہے ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی اس ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ اس کی مہلت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ وہاں امہال ہے اہمال نہیں یعنی دیر ہے اندھیر نہیں لا یرد بنا ہے رد سے معنی لوٹا دینا باس سے مراد یا دنیاوی عذاب ہے یا برزخی یا اخروی پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں' مجرمین سے مراد کافرین ہیں یعنی جب رب کا عذاب آجائے تو کسی حیلہ کسی تدبیر سے ٹالا نہیں جاسکتا پہلے سے ہی اس سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہیے تدبیر صرف ایک ہے اس کی

اطاعت۔

خلاصہ تفسیر : جیسے عالم جسمانیات میں بعض جانور برتنے کے لئے ہیں بعض بچنے کے لئے گائے بھینس برتنے بلکہ کھانے کے لئے ہیں مگر سانپ بچھو وغیرہ بچنے کے لئے ہر جانور سے بچنے والا بے وقوف ہے اور ہر جانور سے الفت رکھنے والا خطرہ میں ہے یوں ہی عالم روحانیات میں بعض جانور کھانے کے لئے ہیں جیسے اونٹ گائے وغیرہ بعض بچنے کے لئے جیسے سور گدھا کتا وغیرہ کھانے کے جانور کھانا' بچنے کے جانور سے بچنا اللہ کی رحمت ہے حرام جانوروں میں کچھ تفصیل ہے' چنانچہ ارشاد ہوا کہ دائمی حرام جانور تو وہ تھے جن کا ذکر ابھی ہوا لیکن کبھی بطور عذاب بعض لوگوں پر بعض حلال جانور بھی وقتی طور پر حرام کر دیئے گئے چنانچہ وہ لوگ جو پہلے یہودی تھے اور جو اب صرف نام کے یہودی (توبہ کرنے والے یا یہود کی اولاد) رہ گئے ہیں' ہم نے ان پر ہر پھٹے کھر والے اور پھٹے پنجہ والے جانور حرام فرمادیئے تھے جیسے اونٹ' بطخ' شتر مرغ وغیرہ جانور اور گائے بکری بھینس بھیڑ وغیرہ جو ان پر حلال تھیں ان میں بھی سخت پابندی لگادی گئی تھی ان پر ان جانوروں کی ہر قسم کی چربی حرام کر دی تھی سوائے تین قسم کی چربیوں کے ایک پیٹھ کی چربی دوسرے آنتیں یا آنتوں کی چربی' تیسرے ہڈیوں کی مینگ یا ہڈیوں پر لگی ہوئی چربی کہ یہ تین چربیاں ان کے لئے حلال تھیں باقی تمام چربیاں حرام ان حرمتوں کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ جانور اور یہ چربیاں خبیث چیزیں ہیں' نہیں یہ سب طیب و طاہر ہیں اس تحریم کی وجہ ان کی بغاوت سرکشی تھی یعنی انبیاء کرام کو قتل کرنا' لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا دبانا رشوتیں لے کر احکام الہیہ بدل دینا وغیرہ اے محبوب اگرچہ یہ لوگ اس کا انکار کریں گے اور کہے جائیں گے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہر نبی کے دین میں حرام تھیں مگر یہ جھوٹے ہیں ہم سچے ہیں کہ حرام فرمانے والے تو ہم ہی ہیں ہم ہی صانع' جانتے ہیں کہ یہ چیزیں کس پر حرام ہوئیں اور کب حرام ہوئیں اگر یہود اب بھی آپ کو سچا نہ جانیں اور کہے جائیں کہ چیزوں کی حرمت ہمیشہ سے ہے تو آپ ان سے فرمادو کہ تم ہو تو ہلاک کر دینے کے قابل مگر اللہ تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے اس لئے تم جیسے مجرموں کو جلد عذاب نہیں دیتا تم کو مہلت دیتا ہے مگر خیال رکھنا کہ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں اس مہلت سے دھوکہ نہ کھاؤ جب اس کا عذاب کسی قوم پر آجائے تو کسی تدبیر سے ٹالا نہیں جاسکتا پھر وہ کفار کو غرق ہی کر دیتا ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: مذہبی یہودی وہ تھے جو دین موسوی منسوخ ہونے سے پہلے یہودی تھے' منسوخ ہو جانے کے بعد وہ صرف قومی یہودی رہ گئے مذہبی یہودی نہ رہے۔ یہ فائدہ اشارۃ **ھادوا** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: یہ لوگ جب مذہبی تھے تب بھی بڑے سرکش باغی تھے تو اب جبکہ یہ مذہبی یہودی بھی نہ رہے سوچ لو کیسے ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی اس **ھادوا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: طیبات اور حلال چیزوں سے محرومی بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جیسے خبیث چیزوں کا حرام ہونا اللہ کی رحمت ہے۔ یہ فائدہ **حرمنا** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے محروم نہ کرے۔ **چوتھا فائدہ**: اسلام میں جانوروں کے حرام ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ کیل والا یا پنجہ والا شکاری جانور حرام ہے نیز جس کا کھر پھٹا نہ ہو وہ حرام ہے جیسے گھوڑا گدھا خچر وغیرہ پھٹے کھر والا جانور حلال ہے' جیسے گائے بھینس بکری اونٹ وغیرہ مگر یہود پر اس قاعدے سے حرمت نہ تھی یونہی اسلام میں پنجہ سے کھانے والا شکاری پرندہ حرام ہے جیسے چیل' کوا' باز' شکرہ' وغیرہ مگر یہود کے ہاں حرمت کا قاعدہ یہ نہ تھا اسلام کی یہ حرمتیں اللہ کی رحمت ہیں ان پر حرمتیں عذاب تھیں۔ **چوتھا فائدہ**: اسلام میں جس

کا گوشت حلال ہے اس کے ہر قسم کی چربی بھی حلال ہے یہ ناممکن ہے کہ گوشت حلال ہو اور چربی حرام ہو یہ تو دین یہودیت میں یہود پر اللہ کا عذاب تھا کہ گائے بکرے کا گوشت ان کے لئے حلال تھا مگر چربیاں حرام۔ یہ فائدہ **شحومهما** سے حاصل ہوا۔
پانچواں فائدہ: دنیا میں عذاب الٰہی کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ بندے کو طیب و طاہر چیزوں سے محروم کر دیا جائے۔ یہ فائدہ **ذالک جزینا هم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** دین اسلام تمام افراطوں تفریطوں سے پاک ہے اس دین میں نہ کوئی خبیث چیز حلال ہے نہ کوئی طیب چیز حرام جو چیز حلال ہونی چاہئے تھی وہ حلال ہے اور جو چیزیں حرام ہونی چاہئے تھیں وہ حرام ہیں یہ فائدہ بھی ذالک جزینا ھم سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویحرم علیهم الخبائث** اور فرماتا ہے **ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم** **ساتواں فائدہ:** گزشتہ دینوں کے احکام جو قرآن مجید یا حدیث شریف میں منقول ہوں وہ ہمارے لئے قابل عمل جب ہوں گے جبکہ وہ احکام سزا یا عذاب کے طور کے نہ ہوں اگر ایسے ہوں گے تو ہمارے واسطے ہرگز لائق عمل نہ ہوں گے یہ فائدہ بھی ذالک جزینا ہم سے حاصل ہوا دیکھو جن چیزوں کی حرمت کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے وہ ہم پر حرام نہیں کیونکہ وہ حرمت الٰہی ہے جن جرموں پر پہلے عذاب الٰہی آئے ان پر عذاب نہیں آتے جرم وہی ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر ہیں مگر دنیاوی سزائیں بند ہو گئیں کیوں اس لئے کہ اب رحمت والے نبی کا دور ہے یہ فائدہ **ربکم ذو رحمة واسعة** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ایلہ والوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حیلہ سے کیا تو وہ بندر بنا دیئے گئے **کونوا قردة خاسئین** قوم شعیب کم تولنے کی وجہ سے ہلاک کر دی گئی قوم لوط پر بدکاری کی وجہ سے پتھر برسے اب وہی قومیں یا مسلمان یہ حرکتیں کریں بلکہ کرتی ہیں مگر عذاب نہیں آتا کیوں صرف اس لئے کہ اب رحمت والے نبی کا دور دورہ ہے جلال جمال میں تبدیل ہو چکا ہے۔ **نواں فائدہ:** مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رحمت عامہ دنیاوی عذاب کے لئے ہے اخروی عذاب کفار پر ضرور آئیں گے یوں ہی دنیاوی عذاب خصوصی بھی آسکتے ہیں۔ یہ فائدہ **ولا یرد باسه** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ عذاب انسان کے کسی حیلہ اور تدبیر سے دفع نہیں ہو سکتا' عذاب کی روک صرف ایک چیز سے ہے یعنی اللہ رسول کی اطاعت۔ یہ فائدہ بھی **ولا یرد باسنا** سے حاصل ہوا ہمیشہ اللہ رسول کی اطاعت چاہئے۔ **گیارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک صیغہ بولنا جائز ہے اور ان دونوں کی طرف ایک ضمیر لوٹانا دونوں کو ایک ضمیر ایک صیغہ میں جمع کر دینا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ **وانا لصادقون** سے حاصل ہوا کہ اللہ رسول کو انا جمع میں اور لصادقون جمع کے صیغہ میں جمع فرمایا گیا رب فرماتا ہے **ان الله وملئکته یصلون علی النبی** دیکھو **یصلون** ایک صیغہ میں اللہ تعالیٰ اور فرشتے جمع کئے گئے' فرماتا ہے **اغناهم الله ورسوله من فضله** فرماتا ہے **والله ورسوله احق ان یرضوه** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر انصار سے فرمایا **الله ورسوله یعذرانکم** تم لوگوں کو اللہ رسول معذور رکھتے ہیں یا معذور جانتے ہیں لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کریں "اللہ رسول جنت دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پہلا اعتراض: یہاں **الذین هادوا** کیوں ارشاد ہوا **الیهود** کیوں نہ فرمایا وہ تو مختصر تھا۔ **جواب:** یہودیت ایک اچھی صفت ہے اور موجودہ یہودی اپنی وہ صفت کھو چکے تھے اس لئے **هادوا** ماضی فرمایا جس میں بتایا گیا کہ یہ یہودیت سے پہلے موصوف تھے اب یہ صفت چھوڑ چکے اس میں اشارۃً بتایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ صفت یہودیت سے موصوف تھے تب بھی وہ بغاوت کی وجہ سے اس عذاب کے مستحق ہو گئے تو موجودہ یہودی جو یہودیت چھوڑ چکے اگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں گے تو

کیونکہ عذاب کے مستحق نہ ہوں گے۔ **دوسرا اعتراض:** ذی ظفر یعنی پنجہ والے جانور تو ہم پر بھی حرام ہیں' جیسے کوا' چیل وغیرہ پھر یہ فرمانا کیونکر درست ہوا **وعلی الذین هادوا حرمنا** **جواب:** اسلام میں صرف پنجہ والا جانور حرام نہیں بلکہ وہ شکاری پرندہ حرام ہے' جو پنجہ سے دبا کر چیز کھائے ورنہ بطخ' شتر مرغ وغیرہ جانور پنجہ والے ہیں مگر اسلام میں حلال ہیں لہٰذا اس حرمت میں اور اس حرمت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اسلامی قانون ہے کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں گزشتہ شریعتوں کے احکام جو منقول ہوں وہ ہم پر بھی لازم العمل ہیں دیکھو رب نے فرمایا کہ ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ نفس جان کے عوض جان آنکھ کے عوض آنکھ یعنی قصاص واجب ہے یہ حکم ہم پر بھی لازم العمل ہے اس قاعدے سے چاہئے کہ ہم پر بھی یہ جانور اور یہ چیزیں حرام ہوں کہ یہود کے یہ احکام قرآن میں منقول ہو گئے حالانکہ یہ چیزیں ہم پر حلال ہیں۔ **جواب:** یہ قاعدہ بالکل درست ہے جبکہ وہ قانون بطور سزا ان کے لئے نہ ہوئے ہوں یہ قانون یہود پر بطور سزا تھے جیسا کہ **ببغیہم** سے معلوم ہوا

تفسیر صوفیانہ: جیسے جسمانی بیمار طب یونانی کی رو سے بعض مزے دار غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور بعض غذاؤں پر پابندی لگ جاتی ہے' طبیب یونانی اس سے کہتا ہے کہ ماش کی دال بالکل نہ کھانا' بکری کا شوربا پتلا جس میں گھی کم ہو نمک مرچ بہت ہی پھیکی ہو وہ کھانا یونہی کبھی روحانی بیمار طب ایمانی کی رو سے' بہت سی روحانی غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور بعض روحانی غذاؤں کا پوست اس کے پاس رہ جاتا ہے مغز سے محروم ہو جاتا ہے یہ آیت کریمہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے بھی قابل عبرت ہے دیکھو سرکش یہود حلال و طیب لوٹ سے یکسر محروم کر دیئے گئے اور حلال و طیب گائے بکری کی حلال چربیوں سے محروم کر دیئے گئے اے مومن بے ادب باغی نہ بن ورنہ خطرہ ہے کہ تو بعض عبادات سے محروم ہو جائے اور بعض عبادات کی لذت سے محروم ہو جائے یہ محرومی اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔

حکایت: مرقاۃ شرح مشکوۃ نے باب ذکر الانبیاء' وبدء الخلق کی پہلی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابو العباس مری مدینہ منورہ سے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کے لئے گئے ان کے ساتھ کوئی ایسا ہی روحانی بیمار اللہ کی رحمتوں سے محروم چل دیا ان کے پہنچنے پر روضہء اطہر کا دروازہ خود بخود کھل گیا انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ رجال الغیب جمع ہیں ابو العباس سمجھ گئے کہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے آپ نے یہ دعا مانگی **اللهم انی اسئلک العفو والعافیة والمعافاة فی الدنیا والاخرة** یعنی رب سے معافی' امن' دنیا و آخرت کی بھلائی مانگی اپنے ساتھی بدنصیب سے کہا کہ یہ وقت ہاتھ نہیں آتے کچھ مانگ لے وہ بولا الٰہی مجھے روپیہ دے پیسہ دے یہاں مشکوۃ شریف میں حدیث ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم سے فرمایا بشارت قبول کرو نہ معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیا دیتے وہ بولے بشارتیں تو آپ دیتے ہی رہتے ہیں ہم کو مال دیجئے اس حدیث کی شرح میں یہ واقعہ مرقات نے لکھا یہ ہے اللہ کی رحمتوں سے محرومی کہ ایسی ساعتیں پالے پر بھی محروم ہی رہتے ہیں ایسے بدنصیب کبھی نماز میں کھڑے ہوں تو لذت سے محروم' رمضان شریف بلکہ حج بیت اللہ کی برکتوں سے محروم بلکہ شیخ کامل کی عنایتوں سے محروم رہتے ہیں یہ محرومی عذاب الٰہی ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از مرشد کامل ۔۔۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ کھانا دے تو کھانے کی اجازت بھی دے نعمتیں عطا فرمادے تو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی دے۔ قرآن' حدیث' تقد

علم دین' روحانی غذائیں ہیں مگر بعض بد نصیب ان سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کو برکتوں سے محروم رہتے ہیں جیسے یہ مذکورہ یہودی ان اونٹوں گایوں بکریوں کے مالک تھے مگر ان سے محروم کر دیئے گئے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب بندہ فنافی اللہ کے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے چند نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں (1) اللہ تعالیٰ اسے اپنے ساتھ کلام و کلم میں جمع فرمالیتا ہے جیسے یہاں ارشاد ہوا۔ **انا لصادقون** کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے **انا** اور **صادقون** میں اپنے ساتھ جمع کر لیا **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون**۔ **نزلنا** میں اپنے ساتھ حضرت جبریل کو جمع کر لیا اور حافظون میں تاقیامت علماء حفاظ' قاریوں اولیاء کو جمع فرما لیا جو قرآن مجید کے الفاظ معانی' احکام کے محافظ ہیں (2) بندہ کے کام کو رب اپنا کام قرار دیتا ہے **ولکن اللہ رمی** (3) بندے سے رب کے کام ظاہر ہونے لگتے ہیں **انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** جیسے **فتبسم ضاحکا من قولہا** کوئلہ آگ میں فنا ہو کر آگ کے سے کام کرتا ہے بندہ رب میں فنا ہو کر رب کے سے کام کرتا ہے۔ سورج شیشہ میں تجلی ڈال دے تو شیشہ سورج کے سے کام کرتا ہے اگر رب مومن کے دل پر تجلی ڈالے تو بندہ رب کے سے کام کرتا ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں کے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ حرام کرتے

اب کہیں گے مشرک اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے ایسا ہی ان کے

مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَ

کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان کے پہلے تھے حتی کہ چکھ لیا انہوں نے عذاب ہمارا فرمائیے

اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس

كُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُو

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے پس پیش کرو تم اسے سامنے ہمارے نہیں پیچھے چلتے تم مگر اپنے گمان کے اور نہیں ہو

کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لئے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یوں ہی تخمینے

نَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾

تم مگر اندازہ لگاتے فرما دو پس اللہ ہی کی ہے دلیل کامل پس اگر چاہتا وہ تو البتہ ہدایت دیتا تم کو سب کو

کرتے ہو تم فرماؤ اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت فرماتا۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مشرکین عرب کی ان بے ہودگیوں کا ذکر ہوا جو وہ جانوروں کے حلال و حرام کے متعلق کرتے تھے اب ان کی ان غلط معذرتوں کا ذکر ہے جو وہ ان عقیدوں کے متعلق پیش کرتے تھے گویا ان کے جرموں کے ذکر کے بعد ان کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں

شرعی قانون ارشاد ہوا تھا کہ شریعت میں صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں تین جانور اور بہتا خون اب کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے جو وہ اس قاعدہ شرعیہ پر کرتے ہیں گویا قانون شرعی کے بیان کے بعد اس کی صفائی بیان ہو رہی ہے اور معترضین کی جرح کا جواب دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین عرب کے مروجہ قانون پر اعتراض کئے گئے تھے کہ بتاؤ ان جانوروں کی حرمت کی علت کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ میں رہنا اب اسلامی قانون پر جو اعتراض وہ مشرکین کرتے تھے ان کا جواب دیا جا رہا ہے گویا ان کفار کی رسم و رواج پر جرح فرمانے کے بعد ان کی جرح کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ اسلامی قانون پر کرتے تھے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کے شرک ان کے رسم و رواج کو قوی دلیلوں سے باطل کیا گیا اب ان کے آخری عذر و بہانہ کی تردید کی جا رہی ہے گویا اپنا دعویٰ ثابت فرمانے کے ایک رکن کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل قائم فرمانا اس کے دوسرے رکن کا ذکر اب ہے یعنی ان کے شبہات کا جواب دینا۔

تفسیر: **سیقول الذین اشرکوا** اس ارشاد عالی میں غیبی خبر ہے کہ مشرکین عرب جو کچھ عذر بہانہ آئندہ کرنے والے تھے رب نے اس سے اور اس کے جواب سے پہلے ہی اپنے محبوب کو خبردار فرما دیا اس لئے یہاں **سیقول** فرمایا گیا سین کے ساتھ **المشرکون** نہ فرمایا بلکہ اس کی بجائے **الذین اشرکوا** دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ معلوم ہو کہ ایسے بہانے ہر وہ کافر و مشرک کرتا ہے جو کسی قسم کا کفر و شرک کبھی کر لے عادی مشرکوں ہی سے یہ بات خاص نہیں۔ اگر یہاں **المشرکون** فرمایا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا **لوشاء اللہ ما اشرکنا ولا اباء نا** یہ ان مشرکین کا مقولہ ہے یعنی سیقول کا مفعول شاء بنا ہے مشیت سے بمعنی ارادہ کرنا چاہنا کبھی بمعنی پسند کرنا بھی آجاتا ہے شاء کا مفعول یہ پوشیدہ ہے **عدم اشراکنا یا عدم تحریمنا** یہ عبارت لو کی شرط ہے اور **ما اشرکنا** سے من شئی تک کی عبارت اس کی جزا ہے یہاں شاء اگر ارادہ کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے شرک و کفر نہ کرنے کا ہمارے ایمان لانے کا ارادہ فرماتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے مومن ہوتے اس نے ہمارے شرک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو ہم شرک کر رہے ہیں یہ بات بالکل درست ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے ارادہ سے ہو رہا ہے مگر انہوں نے اس کا نتیجہ غلط نکالا وہ یہ کہ پھر ہمارا کیا قصور ہے ہم شرک و کفر میں مجبور و معذور ہیں اور اگر بمعنی پسند کرنا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا شرک و کفر ناپسند ہوتا ایمان پسند ہوتا تو ہم کبھی شرک و کفر نہ کرتے معلوم ہوا کہ اسے ہمارا یہ شرک پسند ہے تب ہی تو ہم کر رہے ہیں ہم کو اس پر ثواب ملے گا ان کا یہ قاعدہ بالکل غلط و باطل ہے دنیا میں ہر کام ہر چیز اللہ کے ارادے سے تو ہے مگر اس کی رضا سے نہیں ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں مشیت سے مراد امر یعنی حکم ہو تب اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو شرک کرنے کا حکم نہ دیتا تو ہم شرک نہ کرتے ہم تو شرک و کفر کے حکم اس کے امر سے کر رہے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وجدنا علیھا اباء نا واللہ امرنا بھا** اس صورت میں اس کی بکواس اصل سے ہی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر نبی کی معرفت سے بندوں تک پہنچتے ہیں کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہ دی اس کی تردید وہ آیت ہے **قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء** بہرحال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں مشیت بمعنی ارادہ، بمعنی محبت و پسندیدگی، بمعنی امر و حکم پہلی صورت میں یہ بات درست ہے مگر اس کا نتیجہ نکالنا غلط ہے آخری دو صورتوں میں یہ بات اصل سے ہی غلط ہے۔ یہ تفسیر خیال میں رہے۔ یہاں معتزلہ نے بڑا غوطہ کھایا ہے **ولا حرمنا من شئی** یہ عبارت معطوف ہے **ما اشرکنا** پر۔ پہلی عبارت میں اپنی بد عقیدگیوں کی معذرت تھی اس میں بد عملیوں کی۔

یعنی ہمارا شرک و کفر اور ہمارا ان جانوروں کو حرام جاننا اللہ تعالیٰ کے ارادہ یا اس کی پسندیدگی یا اس کے حکم سے ہے ہم کو اس پر سزا نہ ملے گی بلکہ ثواب ملے گا وہ یہ سب کچھ چاہ رہا ہے تو ہم یہ کر رہے ہیں شی سے مراد وہی بحیرہ' سائبہ' وصیلہ وغیرہ جانور ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے من شئی میں من تنکیریہ ہے۔ **کذلک کذب الذین من قبلھم** اس فرمان عالی میں ایک ایسی چیز کی تردید ہے جو انہوں نے صراحتہ نہ کہی تھی بلکہ ان کے قول سے لازم آگئی تھی ان کفار کے قول کا منشاء یہ ہے کہ یارسول اللہ آپ جو فرماتے ہیں کہ تمہارے فلاں فلاں عقیدے غلط ہیں شرک ہیں چھوڑ دو اسلام قبول کرو ان مذکورہ جانوروں کو حلال جانو یہ سب کچھ غلط ہے جھوٹ ہے ہم جو کر رہے ہیں رب کے حکم سے کر رہے ہیں ہمارے کام درست ہیں جو کچھ ہو رہا ہے صحیح ہو رہا ہے اللہ کی مرضی کے خلاف دنیا میں کچھ ہو سکتا ہی نہیں ان کے اس خیال کی تردید میں یہ فرمان عالی آیا کہ اے محبوب نبیوں کو جھٹلانا کفار کا آج کا طریقہ نہیں یہ ان کی پرانی رسم ہے لہذا کذب کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یعنی رسلھم اور **من قبلھم** سے مراد یا تو ان کفار کے باپ دادے ہیں یا گذشتہ انبیاء کرام کی قومیں جیسے قوم فرعون وغیرہ دوسرا احتمال قوی ہے کیونکہ عرب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک یہ خطہ نبی سے خالی رہا نیز ان لوگوں پر اس سے پہلے عذاب الٰہی کبھی آیا نہیں اور یہاں عذاب کا ذکر ہے کہ فرمایا گیا **حتی ذاقوا باسنا** یہ جملہ کذب کی انتہاء ہے **ذاقوا** بنا ہے **ذوق** سے بمعنی چکھنا یہاں مراد ہے برداشت کرنا کہا جاتا ہے میں تجھے مزہ چکھاؤں گا' باس بمعنی عذاب ہے اور اس سے وہ عذاب مراد ہیں جو گزشتہ کافر قوموں پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے آئے یعنی وہ کفار اپنے نبیوں کو اس وقت تک جھٹلاتے ہی رہے جب تک کہ ان پر عذاب الٰہی آگیا یہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں **قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا** اس فرمان عالی میں ان کفار کے قول کی بے مثال تردید ہے پہلے ان پر عتاب تھا اب ان سے اپنے دعوے پر علمی دلیل کا مطالبہ ہے یعنی تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارا شرک و کفر اور یہ مذکورہ بد عقیدگیاں اللہ کی رضا اللہ کے حکم سے ہیں اس کی علمی دلیل پیش کرو یہاں علم سے مراد علمی قطعی دلیل ہے جس کا ماخذ تعلیم نبی ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں علم مطلقاً جاننے کو نہیں کہتے' جس میں یقین' شک' وہم' تقلید سب داخل ہوتی ہیں بلکہ صرف یقین کو علم کہا جاتا ہے' نیز قرآنی اصطلاح میں ہر یقین کو بھی علم نہیں کہتے بلکہ اس یقین کو کہتے ہیں' جس کا مدار وحی الٰہی پر ہو اسی کا یہاں مطالبہ ہے' ایسے بے دینوں سے علمی دلیل کا مطالبہ فرمانا انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہے ورنہ ان کے پاس علم کہاں سے آیا **ان تتبعون الا الظن** اس کلام میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی دلیل ہے کہ تم علمی دلیل ہرگز پیش نہ کر سکو گے کیوں کہ تم تو ظن و گمان کے پیچھے چلتے ہو اتباع کے معنی ہیں بغیر سوچے سمجھے کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلنا جیسے انجن کے پیچھے ریل کے ڈبے دوڑتے ہیں ان نافیہ ہے۔ قرآن مجید میں ظن چند معنی میں آیا ہے۔ یقین جیسے **یظنون انھم ملاقوا ربھم** کسی کے متعلق نیک گمان جیسے **لولا اذسمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم** بدگمانی جیسے **ان بعض الظن اثم** محض اندازہ اور اٹکل پچو قیاس آرائی جیسے **ان الظن لا یغنی من الحق شیئا** یہاں ظن آخری معنی میں ہے کیونکہ علم کے مقابلہ میں ارشاد ہوا' ظن سے مراد یا تو ان کا اپنا گمان ہے یا ان کے جاہل باپ دادوں کا گمان اور گمان بھی وہ جو وحی الٰہی اور شرعی حکم کے مقابل ہو' **ان انتم الا تخرصون** یہ فرمان عالی ظن مذکورہ کا بیان ہے یہاں بھی ان نافیہ ہے اور **تخرصون** بنا ہے خرص سے بمعنی اندازہ و تخمینہ کہا جاتا ہے **خرص النخل** اس نے درخت کے پھولوں کا اندازہ لگایا

جھوٹ کو بھی خرص کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قتل الخراصون** جھوٹے غارت ہوں یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی تم صرف جھوٹ ہی بولتے ہو یا صرف اپنے تخمینہ اندازے سے ہی کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں **قل فللہ الحجۃ البالغۃ** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے جس میں فرمایا گیا کہ تمہارے پاس تو اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی یا اللہ تعالیٰ کے پاس یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل نہایت قوی ہے۔ **حجۃ** بنا ہے حج سے بمعنی قصد و ارادہ دلیل کو حجۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے دعویٰ ثابت کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اسی سے ہے۔ حج البیت غلبہ کو حجۃ کہتے ہیں **بالغۃ** یا تو بمعنی بلیغ ہے یا اپنی انتہائی قوت کو پہنچی ہوئی یا عالم کے گوشہ گوشہ تک پہنچنے والی اس سے مراد یا کتاب اللہ ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کہ وہ سرکار بذات خود حجۃ اللہ ہیں انہیں رب نے برہان فرمایا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم** اس معنی سے بالغہ نہایت موزوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات صفات اس کے احکام اس کے فرمان بلکہ سارے کارخانہ اسلام و ایمان کی نہایت ہی بلیغ دلیل ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بالغہ یا تو بنا ہے بلاغت سے یا بلوغ سے اگر بلاغت سے بنا ہو تو بلیغ بمعنی پختہ و مضبوط۔ سارے نبی اپنے وقت میں حجۃ اللہ تھے مگر حجۃ اللہ البالغہ نہ تھے ان کی نبوتیں قابل نسخ یا یہ بنا ہے بلوغ سے بمعنی پہنچنے والی تب بالغہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں سارے عالم میں پہنچنے والی دلیل۔ دیکھو آج بات پہنچانے محفوظ رکھنے کے لئے سائنس نے بہت آلات ایجاد کر لئے ہیں ٹیپ ریکارڈر، فوٹو گراف، اخبار، پریس، تار، ریڈیو خطوط وغیرہ مگر پھر بھی لوگوں کے کلام محفوظ نہیں رہتے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت اور ایسی جگہ جلوہ نما ہوئے جہاں ان میں سے کوئی سبب موجود نہ تھا، حتی کہ کاغذ بھی نہ تھا پھر اس کے باوجود آپ کے کلام و کام حتی کہ آپ کی ادائیں عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں۔ یہ ہے حجۃ بالغہ سورج ایک جگہ رہ کر بذریعہ شعاعوں کے عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جاتا ہے بعد غروب چاند تاروں کے ذریعہ ہر جگہ پہنچتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات شریف میں ہر جگہ پہنچے بعد وفات بذریعہ قرآن، علماء، اولیاء ہر جگہ پہنچے۔ آپ حجۃ بالغہ ہیں دوسرے معنی میں انسان کے دل، دماغ، جان، ایمان میں اتر جانے والی دلیل انسان کے ہر رگ و پے میں پہنچ جانے والی برہان۔ خیال رہے کہ جیسے شاہی محل کے دو دروازے ہوتے ہیں ایک اندر جانے کا دوسرا باہر نکلنے کا یوں ہی انسان کے جسم میں دو قسم کے دروازے ہیں، چنانچہ جسمانیات میں دیکھ لو کہ منہ غذا پانی کے اندر جانے والا دروازہ ہے مگر غذا کے نکلنے کا دروازہ اور ہے پانی نکلنے کا دروازہ اور حتی کہ بدن کے مسامات پسینہ نکلنے کا دروازہ ہیں یوں ہی زبان بات نکلنے کا دروازہ ہے کان کلام داخل ہونے کا دروازہ مگر جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے، وہ صرف کان تک پہنچتی ہے، جو دماغ سے چلتی ہے وہ دماغ تک ہی پہنچتی ہے اور جو دل سے نکلتی ہے وہ سننے والوں کے دل تک پہنچتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں دل سے نکلتی ہیں وہ مخلوق کے دل میں اترتی ہیں مگر اترنے کا ایک وقت ہوتا ہے حضرت عمرو ابن عاص کے دل میں قرآن اترا حبشہ کے دربار میں **فلو شاء لھدا کم اجمعین** اس فرمان عالی میں پہلے دعوے سے اعتراض کا رفع فرماتا ہے یعنی اگر اس **حجۃ اللہ** کے ذریعہ سب کو ہدایت نہ ملے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حجت کمزور ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہ فرمایا یہاں مشیت بمعنی ارادہ ہے اگر اللہ چاہتا تو اس حجت کے ذریعہ تم سب کو ہدایت دے دیتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں بعض کو ہدایت دینا چاہا بعض کا گمراہ رہنا اگر اللہ چاہتا تو سورج سے چمگادڑ کی آنکھ بھی منور کر دیتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں اگر چاہتا تو بارش سے شورہ زمین کو بھی سرسبز فرما دیتا مگر اس نے یہ چاہا

نہیں اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلی آیت کریمہ کے تین جز ہیں پہلے جز میں کفار عرب کا دعویٰ مع دلیل ہے دوسرے دو جزوں میں ان کی تردید کفار کا دعویٰ یہ بیان ہوا کہ ہمارا شرک و کفر اور جانور کو حرام جاننا بالکل درست اور حق ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے چاہنے سے یہ کام مکہ معظمہ اور بیت اللہ میں ہو رہے ہیں لاکھوں اہل عقل انہیں اچھا سمجھتے ہیں ہم لوگ جو اولاد ابراہیمی ہیں مقدس ہیں انہیں اچھا سمجھتے ہیں غرضیکہ ان کاموں کا بیت اللہ میں ہونا ہمارا انہیں اچھا جاننا صدیوں سے اس کا رائج ہونا اس کی دلیل ہے کہ اللہ کو جو کام پسند ہیں اب ان کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب اپنی بدعقیدگیوں بدعملیوں کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے نہ آپ کے دلائل قاہرہ کا جواب دے سکتے ہیں ہم آپ کو غیبی خبر دیتے ہیں کہ آئندہ یہ لوگ اپنی ان حرکتوں کی معذرت کرنے کے لئے عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر یہ کہیں گے وہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ رب تعالیٰ کے حکم اس کی رضا اس کے ارادے سے ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ دنیا میں کوئی کام رب کی رضا اس کے حکم وارادے کے بغیر ہو جائے جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے تب ہی تو اس کے ملک میں ہو رہا ہے اس کے معظم شہر مکہ اس کے معظم گھر کعبہ میں ہو رہا ہے اور کر رہے ہیں ہم ابراہیمی مقدس لوگ آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے کر رہے ہیں لہٰذا ہمارے شرکیہ عقیدے و اعمال ہمارا ان جانوروں کو حرام جاننا اس کی ملت میں پابندی لگانا اللہ تعالیٰ کے حکم اس کی رضا سے ہے اگر وہ ان کاموں سے ناراض ہوتا تو نہ ہم یہ کام کرتے نہ ہمارے باپ دادے۔ آپ غلط کہتے ہیں کہ یہ کام برے ہیں مرضی الٰہی کے خلاف ہیں اے محبوب ان کی اس گفتگو پر ان کی احمقانہ باتوں پر ملول نہ ہونا پچھلی امتوں نے بھی اپنے رسولوں نبیوں کو جھٹلایا تھا کفار کی یہ بڑی پرانی رسم ہے اور وہ لوگ ایسے ڈھیٹ تھے کہ جب تک ان پر عذاب الٰہی نہ آگیا تب تک وہ جھٹلاتے ہی رہے اس وقت قائل ہوئے جب قائل ہونا کام نہ آیا یعنی عذاب دیکھ کر اگر نبیوں کی اولاد کے ہر کام اچھے ہوتے تو کنعان نبی زادہ تھا نبی اسرائیل اولاد یعقوب تھے ان پر عذاب الٰہی کیوں آئے ان کے کام سے ہم راضی کیوں نہ ہوئے" آپ ان کی یہ باتیں سنکر فرمادینا کہ تم اپنے اس دعوے پر یقینی، قطعی علمی، دلیل قائم کرو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے رب ان سے راضی ہوتا ہے بتاؤ کونسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے کس نبی نے یہ فرمایا ہے تم لوگ محض اپنے گمان اٹکل پچو تخمینوں سے ایسی باتیں کرتے ہو آپ ان سے یہ بھی فرمادینا کہ مضبوط اور بلیغ دلیل تو وہ ہے جو اللہ نے قائم فرمادی اسی سے تمام جائز و ناجائز باتیں معلوم ہو سکتی ہیں اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کس کام سے رب راضی ہے کس سے ناراض وہ حجتہ اللہ البالغہ کون ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حق و باطل کی کسوٹی ہے مگر اس حجتہ اللہ سے سب ہدایت نہیں لیتے جسے رب تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اسے ملتی ہے سورج بارش سے سب فیض یاب نہیں ہوتے بعض بدنصیب محروم بھی رہتے ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی علوم بخشے آئندہ ہونے والے واقعات سے مطلع فرمایا۔ یہ فائدہ سیقول کے سین سے حاصل ہوا دیکھو کفار نے ابھی یہ باتیں کی نہ تھیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اطلاع بھی دے دی ان کے جوابات بھی بتادیئے۔ دوسرا فائدہ: کفار اللہ کے

ارادے، مشیت، حکم، رضامیں فرق نہیں کرتے تھے یہ فرق نہ کرناان کے کفر کا بڑا سبب تھاحالانکہ ان سب میں بڑا فرق ہے۔ یہ فائدہ لوشاء اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مشیت سے مراد رضایا حکم ہو۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا کی ہر چیز ہر کام اللہ کے ارادے اور مشیت سے تو ہے مگر اس کے حکم اس کی رضا سے نہیں۔ یہ فائدہ بھی لوشاء اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** خدا جب کسی بندے کا دین لیتا ہے تو اس کی عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو ان بے وقوف کافروں نے اپنا کفر تو رب تعالیٰ کی رضا سے مانا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام رب کی رضا سے نہ مانے اگر یہ قاعدہ درست ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کی رضا سے ہو رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت وہ کیوں کرتے تھے کم از کم یہی سمجھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کر رہے ہیں کسے رب ہے وہ رب کی رضا سے کیتے کرتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** گناہ کا عذر گناہ سے بدتر ہے یعنی اپنے گناہ کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا کفر بلکہ سخت کفر ہے درحقیقت یہ پیغمبر کا جھٹلانا ہے۔ یہ فائدہ کذلک کذب سے حاصل ہوا کہ کفار کی اس حرکت کو رب نے نبی کی تکذیب قرار دیا اور فرمایا کہ گزشتہ کفار پر عذاب آنے کی وجہ یہی تھی۔ **چھٹا فائدہ:** عذاب آجانے پر توبہ کرنا بیکار ہے توبہ عذاب سے پہلے کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ حتی ذاقوا میں حتی فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ عذاب آنے تک پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے عذاب آنے پر اس حرکت سے باز آئے مگر باز آنا انہیں مفید نہ ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جھوٹے کا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اس سے دلیل مانگنا بالکل جائز ہے تاکہ وہ دلیل نہ دے سکے اور شرمندہ ہو جائے لہٰذا جھوٹے نبی سے معجزہ طلب کرنا نجومی سے غیبی خبر پوچھنا تاکہ وہ رسوا ہو اور لوگ اس کے پھندے سے بچیں بالکل جائز بلکہ ثواب ہے ہاں اس کی تصدیق کرنے یا اس کی حقانیت کے شبہ سے یہ طلب کرنا کفر ہے۔ یہ فائدہ قل ھل عندکم من علم سے حاصل ہوا جس چیز کو فقہا کفر کہتے ہیں وہ دوسری چیز ہے یعنی اسے سچا سمجھ کر اس سے معجزہ یا دلیل مانگنا۔ **آٹھواں فائدہ:** مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں بڑا عالم چھوٹے سے دلیل طلب کر سکتا ہے دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الاولین والاخرین ہیں مگر فرمایا گیا کہ آپ ان جاہلوں سے عملی دلیل مانگیں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ناراضی صرف پیغمبر کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہے بڑے سے بڑا عالم اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ فللہ الحجۃ البالغۃ سے حاصل ہوا نبی رب تعالیٰ کی حجۃ بالغہ اور برہان ہیں ان فرمان و عمل رضاء الٰہی کی دلیل ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ ضروری نہیں کہ جو بندے کے لئے مفید ہو وہ ہی چاہئے بلکہ مفید چیزیں بھی اس کے ارادے سے ہیں اور مضر چیزیں برائیاں بھی اس کے ارادے سے یہی مذہب ہے اہل سنت کا، مومن کا ایمان اور اعمال نیک بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہیں اور کافر کا کفر اسکی بد عملیاں بھی اس کے ارادے سے یہ فائدہ فلو شاء لھدا کم اجمعین سے حاصل ہوا، جس میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کی ہدایت یعنی توفیق ایمان کا ارادہ نہیں کیا بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا ارادہ فرمایا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے اللہ کی حجت و دلیل ہیں دوسری جگہ دعویٰ ایک ہوتا ہے اس کے دلائل بہت گواہ قسم وغیرہ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ رب کے دعوے بہت مگر دلیل و گواہ ایک۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، قیامت، جنت و دوزخ فرشتے وغیرہ سب کی دلیل سب کے گواہ صرف ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یاایھا النبی انا ارسلنا ک شاھدا یہ فائدہ الحجۃ البالغہ سے حاصل ہوا، جبکہ حجت سے مراد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں' پھر خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتاپا اللہ کی حجت ہیں آپ کا ہر بال ہر حال ہر ادا اللہ کی حجت ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کا شرک و کفر اللہ کے ارادے سے نہیں بلکہ اس نے تو ان کے ایمان کا ہی ارادہ فرمایا مشرکین نے اپنے ارادے سے شرک و کفر کیا۔ دیکھو مشرکین نے یہی تو کہا تھا کہ اللہ نے ہمارے شرک نہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا رب نے ان کے اس قول کو انبیاء کرام کی تکذیب قرار دیا کہ فرمایا **کذالک کذب الذین من قبلھم** (معتزلہ) **جواب**: یہاں ان کے اس قول میں یا تو مشیت (چاہنا) سے مراد ہے پسند کرنا حکم دینا یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ اللہ نے ہمارے کفر کا ارادہ کیا لہٰذا وہ کفر سے راضی ہے یہ دونوں عقیدے کفریہ ہیں اسی کی یہاں تردید ہے اہل سنت ارادہ اور پسندیدگی اور حکم ان تینوں میں بڑا فرق کرتے ہیں۔ دیکھو ذبح اسماعیل کا حکم الہٰی تھا مگر ارادہ الہٰی نہ تھا اسی لئے اس ذبح سے حضرت خلیل کا درجہ تو بلند ہو گیا مگر ذبح واقع نہ ہوا یہ فرق ہے ارادہ اور حکم میں اور ان کے نتیجوں میں یوں ہی ابو جہل وغیرہ کو ایمان لانے کا حکم تو تھا مگر ان کے ایمان کا ارادہ الہٰی نہ تھا نتیجہ یہ ہوا وہ کفار سخت مجرم تو ہو گئے مگر ایمان نہ لائے اور محبوب کو ان کی تبلیغ پر ثواب عطا ہو گیا ورنہ معتزلہ کے عقیدے پر یہ جملہ اس جملے کے خلاف ہو گا۔ **فلو شاء لھدا کم اجمعین۔ دوسرا اعتراض**: کفار کے اس قول کو حضرات انبیاء کرام کا جھٹلانا کیوں قرار دیا گیا کہ فرمایا **کذالک کذب الذین۔ جواب**: اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام تو فرماتے ہیں کہ رب ان کے کفر سے ناراض ہے وہ کہتے تھے کہ راضی ہے تب ہی تو ہم کفر کر رہے ہیں یہ ہے ان حضرات کے فرمان کے خلاف قول۔ **تیسرا اعتراض**: فقہاء فرماتے ہیں کافر سے کفر کے جواز کی دلیل مانگنا یونہی جھوٹے نبی سے معجزہ مانگنا کفر ہے مگر یہاں رب تعالیٰ نے ان کفار سے ان کے کفریہ عقیدے کی دلیل طلب فرمائی کہ فرمایا **ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا** فقہا کا وہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کافر کے یا جھوٹے نبی کے سچے ہونے کے احتمال سے دلیل مانگنا کہ تو دلیل دے اگر قوی ہوئی تو ہم تیرا کفر قبول کر لیں گے یہ کفر ہے مگر اسے ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ایسے مطالبے کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی تبلیغ ہے۔ **چوتھا اعتراض**: کفار نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے ان کا یہ قول بے دینی قرار دیا مگر یہی قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے **قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم** فرمادو اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر قرآن تلاوت نہ کرتا اگر یہ بات بری ہے تو اپنے نبی سے کیوں کہلوائی گئی۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب ہو سکتے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے ان پر نفس امارہ یا شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا وہ جو کرتے یا کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کہتے کرتے ہیں مگر دوسروں کے کام نفسانی بھی ہوتے ہیں شیطانی بھی اور اگر اللہ رحم کرے تو بعض کام رحمانی بھی۔ لہٰذا حضرات انبیاء خصوصاً" ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ کرتے کہتے ہیں اللہ کی طرف سے کہتے کرتے ہیں اگر وہ نہ چاہتا تو ہم نہ کہتے نہ کرتے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ نیز یہاں شرک کو اللہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور اس آیت میں تلاوت قرآن کو۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظن یعنی قیاس و گمان بری چیز ہے اس پر عمل کفار کا طریقہ ہے مگر مقلد لوگ قیاس ظن پر عمل کرتے ہیں (وہابی) قرآن قطعی یقینی چیز ہے حدیث ظنی ہے حدیث پر عمل کرنا طریقہ کفار ہے (چکڑالوی)۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں دیئے ہیں ایک یہ کہ یہاں عقائد کا ذکر ہے عقیدے کے لئے قطعی دلیل وحی الہٰی لازم

ہے کہ اس پر کفر و اسلام کا مدار ہے مسائل فقہیہ عملی چیزیں ہیں ان پر عمل ظنی دلیل سے بھی ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ یہاں ظن سے مراد دلیل ظنی نہیں بلکہ وحی الٰہی اور قول رسول کے خلاف اپنے اٹکل پچو اندازے و تخمینے ہیں' وہ واقعی کفر ہیں اسے فقہاء کے قیاس سے کوئی تعلق نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم** یہاں ظن یعنی نیک گمان کا حکم دیا گیا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سب کو ہدایت نہ دی' مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سارے عالم کو ہدایت دی۔ **جواب:** وہاں ان آیات میں ہدایت سے مراد ہے راہ دکھانا وہ ہدایت سب کی دی گئی یہاں ہدایت سے مراد ہے ایمان کی توفیق دینا وہ ہر ایک کو عطا نہیں ہوتی جس پر کرم ہوا سے ہی ملتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کلام ایک ہوتا ہے مگر بولنے والے منہ مختلف ایک کلام اچھے منہ سے نکلے تو ایمان بن جاتا ہے' وہی کلام برے منہ سے نکلے تو کفر ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں بالکل ایک ہی کلام دو جگہ ارشاد ہوا ایک تو **لو شاء لھدا کم اجمعین** اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا مگر کفار نے کہا وہ کافر ہے بلکہ ان کا کفر اور بڑھ گیا رب نے اپنے محبوب سے یہ ہی کلام کہلوایا وہ عین ایمان ہوا کلام کا وزن زبان سے ہوتا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں یہی حال ہے **ظن** کا کافر کا ظن کفر ہے' مومن کا ظن ایمان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کی دلیل اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ بالغہ ہیں جو دل میں اتر جاتے ہیں ایمان جان دماغ میں پہنچ جاتے ہیں اور ساری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مدعی تک پہنچاتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حجۃ ہیں کسی کے حق میں کسی کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن کے ایمان کی اس کے اعمال کی اس کی نیت کی حجۃ ہیں۔ کافر کے کفر منافقین کے نفاق پر حجۃ ہیں دیکھو منافقین نے کہا **نشھد انک لرسول اللہ** ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بات کتنی سچی ہے مگر رب نے فرمایا **ان المنافقین لکاذبون** منافق جھوٹے ہیں یہی کلمہ نیک نیتی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ لوا کیا جائے تو انسان مومن بن جائے یہی بات صدیق اکبر نے کہی وہ کس درجہ پر پہنچے اولیاء اللہ علماء دین نے یہی بات کہی وہ بڑے رتبے پاگئے' جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجت ہیں اس کی ہر بات ترقی درجات کا باعث ہے۔ جس پر اور جس کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجت ہیں اس کی ہر بات درکات یعنی جہنمی طبقوں کا ذریعہ ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُ

آپ کہیئے کہ لاؤ گواہ اپنے وہ جو کہ گواہی دیں کہ تحقیق اللہ نے حرام فرمایا انہیں بس اگر گواہی دے

تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے

وْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْ

دیں وہ بس نہ گواہی دیں آپ ساتھ ان کے اور نہ اتباع کرو تم خواہشات کی ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا

بیٹھیں تو اے سننے والے ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری

مِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ع ۱۸ ۵

آیتوں کو ہماری اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ ساتھ رب اپنے کے برابری کرتے ہیں .

آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں .

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار عرب سے مذکورہ بالا جانوروں کے حرام ہونے پر عملی دلیل مانگی گئی جس سے ان کی حرمت ثابت ہو اس میں وہ ناکام رہے تو اب ارشاد ہوا کہ اچھا تم کوئی گواہ ہی لاؤ جو اس حرمت کی درست گواہی دے تم کو وہ بھی نہ ملے گا تمہارے گواہ بھی انکل پچو گواہی دیں گے گویا ثبوت مدعی کے دو ذریعوں میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل دوسرے کا ذکر اب ہے یعنی گواہ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ صرف تخمینہ اندازہ سے ہی اس حرمت کے قائل ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے پاس اس حرمت کا کوئی سچا گواہ بھی نہیں گویا پہلے ان کے علم کی نفی کی گئی اب ان کے دعوی پر گواہ کی نفی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ نہایت صحیح اور پختہ بات ہے۔ جس پر مضبوط دلائل قائم ہیں **فللہ الحجۃ البالغۃ** اب ارشاد ہے کہ کفار کے دعووں کی علمی دلیل تو کیا ہوتی ان کے پاس تو کوئی ٹھکانے کا گواہ بھی نہیں ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی پختگی بیان فرمانے کے بعد کفار کے دعوی کی کمزوری ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر : **قل ھلم شھداء کم** قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جو مذکورہ بالا جانوروں بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو یا تو مطلقاً حرام کہتے تھے یا ان کی حلت میں پابندی لگاتے تھے کہ مردوں کو حلال عورتوں کو حرام **ھلم** اور **ھاتوا** دونوں کے معنی ہیں لاؤ پیش کرو حاضر کرو یہ اسم فعل ہے بمعنی امر قوی یہ ہے کہ ھلم ایک ہی لفظ ہے جو واحد تثنیہ جمع مذکر مومن سب کے لئے بولا جاتا ہے دیکھو یہاں تمام کفار سے خطاب ہے مگر **ھلموا** نہیں فرمایا اور یہ دونوں اسماء افعال کی طرح مبنی ہیں، بعض نحویوں نے فرمایا کہ ھلم میں ضمیریں لگائی جائیں گی یعنی ھلم، ھلما، ھلموا، ھلمت، ھلمتا، ھلمن۔ خلیل نحوی کہتے ہیں کہ ھلم ایک لفظ نہیں بلکہ یہ بنا ہے ھا اور لمہ سے ھا کے معنی ہیں خبردار اور لمہ کے معنی ہیں جمع کر دیا قریب کرو۔ عرب کہتے **لملمتہ** اسے قرب حاصل ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ھل اور ام تھا ھل بمعنی کیا اور ام بمعنی قصد وارادہ مگر پہلی بات قوی ہے (تفسیر کبیر، معانی، رضی) شہداء جمع ہے شہید کی بمعنی گواہ یا حاضر یا پسندیدہ سردار محبوب کو بھی شہید کہہ دیتے ہیں کہ وہ محبین کے دلوں میں حاضر رہتے ہیں یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اس کی تحقیق ہم پارہ الم' **وادعوا شھداء کم من دون اللہ** میں کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے مراد کفار کے وہ سردار یا جرگی پنڈت وغیرہ ہیں جن کے کہنے پر یہ لوگ ان جانوروں کو حرام سمجھتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد یہودیوں، عیسائیوں کے وہ پوپ پادری ہوں جو اسلام دشمنی میں مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونکتے ان کی حمایت کرتے ان کے غلط عقیدوں غلط کاموں کی تائید کرتے تھے انہیں مسلمانوں کے خلاف دلائل سکھا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پاس بھیجتے تھے اور کہتے تھے **ھؤلاء اھدی من الذین امنوا** تب آیت بالکل ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ ہجرت سے پہلے پوپ پادری مسلمانوں سے تدبیری جنگ میں لگے رہے بعد ہجرت شمشیر کی جنگ میں مصروف ہو گئے یعنی اے محبوب آپ ان کفار سے فرما دیں کہ تم تو نرے جاہل ہو اپنے سرداروں، علم

والوں کو بلالو ان سے ہم دو دو باتیں کریں اور تم کو دکھادیں کہ دلیل ان کے پاس بھی کوئی نہیں وہ بھی تمہاری طرح نرے جاہل ہیں **الذین یشهدون ان الله حرم هذا** یہ عبارت شہداکم کی صفت ہے۔ یہاں شہادت سے یہ مراد نہیں کہ وہ صرف یہ کہہ دیں کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں یہ بات تو یہ ماتحت کفار بھی کہتے تھے بلکہ مراد ہے علمی دلائل اور وحی الٰہی آسمانی کتاب کے حوالہ سے کہیں کہ فلاں نبی کی فلاں آسمانی کتاب یا حضرت ابراہیم کے فلاں صحیفے میں لکھا ہے اس لئے **انتم امنه** فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی **ان الله حرم هذا** اس سے بھی ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہاں شہد سے مشرکین عرب کے حمائتی اہل کتاب مراد ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری **فان شهدوا فلا تشهد معهم** اس عبارت میں **شهدوا** میں شہادت سے مراد ہے ڈھٹائی سے کہہ دینا کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں ہمارے باپ دادے انہیں حرام سمجھتے تھے بڑے بڑے عقلمندوں نے انہیں حرام سمجھا ہے کیا وہ سب نادان ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر ان اہل کتاب کے پوپ پادری توریت و انجیل کی جھوٹی آیتیں گھڑ کر انبیاء کرام کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے کہہ دیں کہ واقعی اونٹ حرام ہے مشرکین کے فلاں فلاں کام ٹھیک ہیں جیسا کہ وہ عام طور پر کیا کرتے تھے اور لا تشہد میں خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اور یہاں شہادت سے مراد ان کی تصدیق کرنا اور ان کی وکالت کرنا حمایت کرنا بیشک کہنا خوشی کا اظہار کرنا تصدیق کے لئے سرہلانا وغیرہ ہے یعنی اگر ان کفار کے سردار مذکورہ قسم کی گواہی دے بھی دیں تو اے مسلمان تو ان کی ادنیٰ حمایت بھی نہ کرنا اور اگر خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو بھی سنانا مسلمانوں ہی کو ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی تصدیق کر سکتے ہی نہیں جیسے **لئن اشركت ليحبطن عملك** (تفسیر صاوی، روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ **لا تشهد** بنا ہو شہود سے یعنی اے مسلمان تو ان کے ساتھ حاضر بھی نہ ہو تا ان کی ایسی مجلسوں میں شرکت بھی نہ کرنا کیونکہ بروں کی صحبت بھی بری ہے جیسے اچھوں کی صحبت اگرچہ ایک آن کے لئے ہو اچھی ہے **ولا تتبع اهواء الذين كذبوا باياتنا** یہ دوسرا حکم ہے اس میں بھی خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا بغیر تحقیق یہاں مراد ہے دل سے ان سرداران کفر کی حمایت کرنا انہیں اپنا سردار پیشوا سمجھنا غرضیکہ لا تشہد میں زبانی یا ظاہری اعضاء سے تائید مراد تھی اور **لا تتبع** میں دلی حمایت مراد ہے **اهوا** جمع ہے **هوى** کی بمعنی گرنا رب فرماتا ہے **او تهوى به الريح** نفسانی خواہش کو ھوی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے انسان دنیا میں ذلت کے گڑھے میں اور آخرت میں دوزخ کے گڑھے میں گرتا ہے **هوا** کے معنی خالی ہونا بھی ہے۔ رب فرماتا ہے **وافئدتهم هواء** نفسانی خواہش فائدے سے خالی ہوتی ہے لہٰذا **اهوا** ہے اگرچہ یہاں **اهواءهم** بھی کافی تھا مگر اتنی دراز عبارت فرمانا **الذين كذبوا** الخ وجہ ممانعت بتانے کے لئے کہ چونکہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں یعنی قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو جھٹلانے والے ہیں اس لئے ان کی خواہشوں کی دل سے حمایت اور پیروی نہ کرو **والذين لا يومنون بالاخرة** یہ عبارت معطوف ہے **الذين كذبوا** پر اور اس میں ان کفار کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یا پہلے عیب کی وجہ کا بیان ہے کہ ان کو جھٹلانے کی جرات اس لئے ہوئی کہ ان کا آخرت یعنی مرنے کے بعد اٹھنے سزا و جزا پانے پر ایمان نہیں ہے اگر اسے مانتے تو ایسی ہمت کبھی نہ کرتے یا **كذبوا** میں ان کے زبانی جرم کا ذکر ہے اور **لا يومنون** میں ان کے جنانی یعنی دلی جرم کا تذکرہ **وهم بربهم يعدلون** اس عبارت شریفہ میں کفار کے تیسرے جرم کا ذکر ہے یہ یا تو **لا يومنون** کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے یا الگ جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ **يعدلون** یا

تو بنا ہے عدل سے بمعنی برابری تو اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی یہ کفار اپنے بتوں اپنے سرداروں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کردیتے ہیں اس طرح کہ ان کی عبادت کرتے ہیں حرام و حلال کا انہیں مستقل مالک مانتے ہیں رب تعالیٰ کی طرح اور نظام عالم میں انہیں دخیل مانتے ہیں یا انہیں رب تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں مانتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو ان بتوں کے برابر کردیتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو ان کا حاجتمند مانتے ہیں کہ ان بتوں کے بغیر اس کا کام چل سکتا ہی نہیں یا یہ بنا ہے عدول سے بمعنی علیحدہ ہونا دور ہونا تو ب بمعنی من ہے یعنی یہ کفار اپنے رب کی عبادت سے اس پر ایمان لانے سے عدول کرتے ہیں اس سے ہٹے ہوئے ہیں کہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت اطاعت سے اس پر ایمان لائے یہ کہ ان میں تین عیب ہیں اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا' آخرت پر ایمان نہ رکھنا' رب کے بندوں کو رب کے برابر سمجھنا' اے مسلمان تو ایسوں کی اتباع نہ کر۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار ان جانوروں کی حرمت پر علمی دلیل تو قائم نہیں کرسکے اور نہ کرسکیں گے تو آپ ان سے فرمادو کہ اچھا جب ہمارا یہ مطالبہ تم پورا نہ کرسکے تو کوئی اپنا گواہ ہی لاؤ۔ جو قابل قبول گواہی تمہارے حق میں دے کہ فلاں نبی کی فلاں آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے یا فلاں نبی نے یہ فرمایا تھا کہ یہ جانور حرام ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں فلاں پیغمبر کی معرفت حرام فرمایا ہے وہ یہ بھی نہ کرسکیں گے لیکن اے مسلمان شاید ان کے سردار تیرے سامنے آکر الٹی سیدھی گواہی دے دیں کہ انہیں تو ہمارے باپ دادے حرام سمجھتے آئے ہیں ہمارا صدیوں سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے سارا عرب ان باتوں کا قائل ہے کیا وہ لوگ بے وقوف ہیں تم ہی چند لوگ اب نئے عقلمند پیدا ہوئے تو اے مومن نہ تو تو ان کی ہاں میں ہاں ملانا نہ ان کی حمایت میں کوئی لفظ بولنا نہ کسی عضو کو حرکت دینا اور نہ دل سے ان کی نفسانی باتوں کی پیروی کرنا کہ ان کے متعلق تجھے شبہ ہو کہ شاید یہ لوگ سچے ہیں یہ کفار وہ ہیں جنہوں نے ہماری آیات قرآنیہ کو یا محبوب کے فرمانوں کو یا ان کے معجزات یا ان کی ذات کریمہ کو جھٹلایا یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے مرنے کے بعد اٹھنے حساب دینے سزا جزا پانے کے انکاری ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ یہ میرے بندوں یعنی اپنے معبودوں یا اپنے سرداروں کو میرے برابر سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکام ہوتے ہوئے ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں تم میرے نبی کے متبع ہو تم ان کے پاس کیوں جاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چاند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس چیز کی حرمت اللہ رسول کے فرمان سے نہ کھائی جاسکے' وہ حلال ہے یہ اسلام کا قانون کلی ہے۔ یہ فائدہ **ھلم شھداء کم** سے حاصل ہوا کیونکہ شہدا سے مراد کتاب الٰہی کی آیات پیغمبروں کے فرمان ہیں نہ کہ خود ان کی اپنی بکواس اور **فان شھدوا** سے مراد ہے ان کا اپنے گمان و قیاس سے حرام کہہ دینا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا وہاں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** جھوٹے کا جھوٹ ظاہر کرنے اسے شرمندہ کرنے کے لئے اس سے گواہی مانگنا دلائل کا مطالبہ کرنا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ بھی **ھلم شھداء کم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جھوٹے کی تصدیق کرنا اس کی وکالت کرنا اس کی جھوٹی گواہی دینا اس کے جھوٹ پر بے شک کہنا' خوشی کا اظہار کرنا تصدیق کے لئے سر ہلانا سب ہی حرام ہے۔ یہ فائدہ **فلا تشھد معھم** سے حاصل ہوا بلکہ اگر ہوسکے تو اسے جھٹلادے یا وہاں سے ہٹ جائے رب فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین**۔ گنہگار کو گناہ پر مدد دینا بھی گناہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کو اپنا پیشوا سردار بنانا ان کے احکام کو حق جان کر ماننا بلا ضرورت ان کی فرمانبرداری کرنا حرام ہے یونہی ان کی خلاف شرع باتوں پر عمل کرنا حرام ہے **الا بالضرورۃ** یوں ہی ان کے قوانین کو اسلامی قوانین کے مقابلہ میں درست سمجھنا کفر ہے یہ فائدہ **ولا تتبع**

اھواء الذین کذبوا سے حاصل ہوا مثلاً "اسلامی قانون ہے چور کے ہاتھ کاٹنا کفار کا قانون ہے اسے جیل میں رکھنا جو کے کہ ہاتھ کاٹنا برا ہے فطرت کے خلاف ہے ظلم ہے قید کرنا ہی اچھا ہے وہ کافر مطلق ہے کہ قرآن مجید کے حکم کا انکاری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کی خواہشات نفسانی ہوتی ہیں ان کی پیروی حرام ہے نبی کی خواہش رب کی طرف سے ہوتی ہے یعنی رحمانی اس کی اطاعت ضروری ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **اھواء الذین کذبوا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ چھٹا فائدہ:** مشرکین کا شرک یہ ہے کہ وہ رب کے بعض بندوں کو اللہ کے برابر سمجھتے ہیں یا اس طرح کہ انہیں اتنا اونچا کرتے ہیں کہ خدا سے ملا دیتے ہیں یا اس طرح کہ خدا تعالیٰ کی شان کو گھٹا کر بندوں کے برابر کر دیتے ہیں۔ یہ فائدہ **بربھم یعدلون** سے حاصل ہوا اس برابری کے بغیر شرک ہو سکتا ہی نہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ کفار اپنے بتوں سے قیامت میں کہیں گے **اذ نسویکم برب العالمین** یہ بات خیال میں رہے کہ آج وہابی مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ یا رسول اللہ کہا تو اسے مشرک کہہ دیا یا نبی یا ولی کو عطائے الٰہی علم غیب مانو تو مشرک کہہ دیا یہ شرک ہے کہ کاجر مونی اس کی تحقیق ہمارے رسالہ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں میں مطالعہ فرماؤ۔ **ساتواں فائدہ:** جو کوئی قیامت کو تو مانے مگر وہاں کے حساب و کتاب سزا جزا کو نہ مانے وہ در حقیقت قیامت کا انکاری ہے قیامت کو اس طرح مانو جس طرح پیغمبر نے فرمایا۔ یہ فائدہ **لا یومنون بالاخرۃ** سے حاصل ہوا کیونکہ بہت سے کفار مکہ قیامت کے قائل تھے مگر انہیں اس کا انکاری قرار دیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** آج جو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام کہتے ہیں اگرچہ وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح ہو جائیں اور اس کے لئے آیت کریمہ **وما اھل بہ لغیر اللہ** پڑھتے ہیں وہ در حقیقت ان کفار کی حمایت کرتے ان کی گواہی دیتے ہیں اور قرآن مجید کی غلط تفسیر کر کے ان کے اس عقیدے کی تائید کرتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں **فان شھدوا فلا تشھد معھم۔**

پہلا اعتراض: کفار سے ان جانوروں کی حرمت پر گواہ کیوں مانگے گئے وہ تو اپنے سرداروں کو پیش کر کے کہلوا سکتے تھے کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں چوروں کے یار گرہ کٹ دیکھو یہاں شہداء کم فرمایا گیا یعنی کفار کے سردار وغیرھم۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں گواہوں سے وہ گواہ مراد ہیں جو کلام الٰہی یا تعلیم پیغمبر سے ان کی حرمت ثابت کریں صرف اپنے منہ سے ان کی تصدیق نہ کر دیں' یہ کام تو وہ کفار بھی کر چکے تھے شہداء کم فرما کر یہ بتایا کہ تم وہ گواہ لاؤ جن پر تم کو اعتماد بھروسہ ہو وہ صحیح گواہی دیں کتاب و قول پیغمبر کی روشنی میں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیوں فرمایا گیا کہ آپ ان سرداران کفر کے ساتھ گواہی نہ دیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی گواہی دے سکتے تھے یہ تو ناممکن تھا۔ **جواب:** تحقیق تو یہی ہے کہ **لا تشھد** میں خطاب مسلمان سے ہے اور **لا تشھد** سے مراد بے زبانی یا کسی حرکت سے ان کی تائید کرنا جیسے یا جی ہاں کہہ دینا یا ان کی باتوں پر خوشی سے ہنس دینا یا تائید کے لئے سر ہلا دینا وغیرہ اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہو تب بھی سنانا مقصود ہے مسلمانوں کو۔ **تیسرا اعتراض:** شہادت اور اتباع میں کیا فرق ہے اور **لا تشھد** کے بعد **لا تتبع** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** شہادت سے مراد ہے قول یا عمل سے یا کسی عضوی حرکت سے کفار کی تائید کرنا اتباع سے مراد ہے دل سے ان کی باتیں حق جاننا۔ ان کے برحق ہونے کا شبہ کرنا لہذا دونوں چیزیں علیحدہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** مسلمان تو کبھی کفار کی گواہی دے ہی نہیں سکتے نہ ان کی خواہشات کی اتباع کر سکتے ہیں پھر ان سے کیوں فرمایا **فلا تشھد** اور **لا تتبع اھواء ھم** اس سے

فائدہ کیا ہے۔ جواب: اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں بعض توحید یے عالم نما قرآن کے ذریعہ کفار کے اس عقیدے کی تائید کریں گے کہ بتوں کے نام پر زندہ چھوٹے ہوئے جانور بحیرہ سائبہ یا سانڈ (بچار) وغیرہ حرام ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی آیت **وما اھل بہ لغیر اللہ** سے کیا کریں گے ان کا منہ بند کرنے کے لئے فرمایا کہ اے مسلمانو تم بھول کر بھی ان کفار کی گواہی کی تائید ان کی خواہش نفسانی کی اتباع نہ کرنا ان جانوروں کو حرام نہ کہنا **ما اھل بہ لغیر اللہ** کی غلط تفسیر نہ کرنا وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کئے جائیں زندگی میں کسی کے نام پر پکارے جائیں اس کا اعتبار نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار اپنے بتوں کو رب کے برابر کردیتے ہیں مگر دوسری جگہ قرآن ہی فرماتا ہے کہ اگر تم کفار سے پوچھو کہ آسمان و زمین کا خالق و مالک کون ہے بارش کون برساتا ہے روزی کون دیتا ہے تو وہ کہیں گے۔ **لیقولن اللہ** جب وہ رب تعالیٰ کو خالق، مالک رازق مانتے ہیں سارے بندوں کو مخلوق، مملوک، مرزوق، پھر برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** ہم نے اس اعتراض کا نہایت تفصیلی جواب اپنی کتاب علم القرآن میں دیا ہے یہاں مختصراً" اتنا سمجھ لو کہ بعض مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور اولاد باپ کی ہم جنس اس کی برابر ہوتی ہے بعض مشرکین دو خالق مانتے تھے خیر کا خالق یزدان شر کا خالق اہرمن بعض مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم کو پیدا کر کے تھک گیا اب اس کو نظام چلانے کی سکت نہ رہی یہ کام ہمارے بت کر رہے ہیں جن کے رد میں رب نے فرمایا **لم یعی بخلقھن** اور فرمایا **وما مسنا من لغوب** یہ تمام عقیدے اللہ تعالیٰ سے برابری کرنے کے ہیں اس کی پوری تحقیق علم القرآن میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے حرام چیزوں کو حرام جاننا فرض ہے انہیں حلال سمجھنا کفر ہے ایسے ہی حلال قطعی کو حلال ماننا فرض ہے حرام سمجھنا کفر ہے جیسے مضر غذائیں انسان کی صحت بگاڑتی ہیں ان سے طبیب منع کردیتے ہیں مفید غذائیں کھانے کا حکم دیتے ہیں ایسے ہی حرام غذائیں انسان کی روحانیت بگاڑ دیتی ہیں اور طیب و حلال غذائیں روحانی قوت بخشتی ہیں اس لئے قرآن کریم نے فرمایا **کلوا من طیبات ما رزقنا کم** اس لئے ان آیات میں مذکورہ حلال جانوروں کو حرام سمجھنے کی پر زور مذمت کی گئی اللہ رسول کے حکم کے سامنے اس کے مقابل کسی کا حکم ماننا در حقیقت اسے خدا یا رسول ماننا ہے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے یوں ہی بعض افعال و اعمال برے ہیں جو انسان کی فطرت بگاڑ دیتے ہیں اس میں غفلت پیدا کردیتے ہیں وہ طریقت میں سور مردار کی طرح حرام ہیں اچھے اعمال دل میں بیداری و رقت آنکھوں میں آنسو جگر میں گداز پیدا کرتے ہیں وہ اللہ کی نعمتیں ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی حلال غذائیں تھوڑی کھاؤ پیٹ بہت نہ بھرو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے یا شاعر کہتا ہے۔

آں حکیمے کہ در حکمت سفت ‏ ‏ ‏ کل قلیلا تعش کثیرا گفت

تھوڑا کھاؤ زیادہ جیو گے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ندارد تن پروراں آگہی ‏ ‏ ‏ کہ پرمعدہ باشد ز حکمت تہی

مگر یہ روحانی غذائیں جتنی زیادہ استعمال کرو اتنا ہی اچھا ہے۔

حاجتے نیست مرا سیر از یں آب حیات ‏ ‏ ‏ ضاعف اللہ علی کل زمان عطش

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی زندگی کے حفاظت کے لئے سانپ بچھو، زہر اور مضر صحت غذاؤں سے بچنا ضروری ہے۔ مفید چیزیں استعمال کرنا لازم ہے اگرچہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں ایسے ہی ایمانی زندگی کے لئے بے دینوں اور بے دینی غفلت پیدا کرنے والی چیزوں سے احتیاط مفید ایمان اور بیداری پیدا کرنے والی چیزوں کا اختیار کرنا لازم ہے سارے انسان ہیں تو اللہ کے بندے مگران میں سے بعض ہوئی والے ہیں بعض ہدیٰ والے بعض خدا والے ہوئی والوں سے بچو ھدیٰ والوں کی صحبت اختیار کرو خدا والوں کی خاک قدم ہو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤ گے لہذا ارشاد ہوا **ولا تتبع اھواء الذین کذبوا** اور ھدیٰ والوں کے متعلق ارشاد ہوا **واتبع سبیل من اناب الی** کچھ رشتے جوڑنے کچھ توڑنے سے جسمانی زندگی قائم ہے اور ایمانی زندگی بھی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَا

فرمادیجئے آؤ تلاوت کروں میں وہ چیزیں جو حرام کیں رب نے تمہارے اوپر یہ کہ نہ شریک کرو اس کا کسی چیز کو اور ساتھ

تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور ماں

نًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَا

ماں باپ کے احسان کرو اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو تنگدستی کی وجہ سے ہم روزی دیں گے تم کو اور ان کو اور نہ قریب جاؤ

باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے

حِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِا

فحش باتوں کے وہ جو ظاہری ان میں سے اور وہ جو چھپی ڈھکی ہیں اور مت قتل کرو اس ذات کو کہ حرام کیا اللہ

اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے

لْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

نے مگر حق سے یہ وہ ہیں کہ وصیت کی تم کو جس کی تاکہ تم عقل رکھو

اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جسمانی حرام و حلال غذاؤں کا ذکر تھا اب روحانی حرام و حلال غذاؤں یعنی برے اچھے اعمال کا تذکرہ ہے گویا دو غذاؤں میں سے ایک قسم کی غذا کے ذکر کے بعد دوسری قسم کی غذا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کے جھوٹے ادعائی تقویٰ کی تردید تھی یعنی حلال چیزوں سے پرہیز اب سچے تقوے کا ذکر یعنی حرام چیزوں سے پرہیز کرنا حلال چیزیں استعمال کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو کفار کی خواہشات نفسانیہ سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ **ولا تتبع اھواء الذین** الخ اب ان کی انہیں خواہشات کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ مع تردید کے گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اپنے رب کے احکام سے عدول کرتے ہیں اب ان کے عقائد باطلہ، برے اعمال، خراب معاملات کا

ذکر ہے۔جس سے ان کی حکم عدولی ثابت ہوتی ہے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی دلیل ہے پھل پھول سے جڑ کا پتہ لگتا ہے معاملات عبادات ظاہری اعمال سے دل کا پتہ لگتا ہے۔

تفسیر: **قل تعالوا قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بعض باتیں ایک آدمی سے ہی کہی جاتی ہیں بعض باتیں ایک جماعت سے بعض باتیں لاؤڈ سپیکر پر ساری بستی سے کی جاتی ہیں اور بعض باتیں ریڈیو اسٹیشن پر بیٹھ کر ساری دنیا سے اس طرح حضور انور کی بعض راز کی باتیں خاص دوستوں سے ہوئیں بعض ازواج پاک سے بعض صحابہ کرام اور بعض باتیں نبوت کے ریڈیو اسٹیشن پر تشریف رکھ کر ساری دنیا سے بلکہ تاقیامت آنے والوں سے یہاں جو **قل** فرمایا گیا اس میں روئے سخن تاقیامت سارے انسانوں سے ہے اس لئے یہاں کسی خاص جماعت کا ذکر نہیں **قل للمومنین** یا **قل لازواجک** وغیرہ نہیں فرمایا گیا۔ **تعالوا** بنا ہے **علو** سے بمعنی بلندی اس کا مصدر ہے **تعال** یعنی بلندی پر چڑھنا **تعالو** کے معنی ہوئے اوپر چڑھ آؤ اب مطلقاً آؤ کے معنی دیتا ہے بمعنی **هلموا** اس فرمان عالی میں اشارۃً فرمایا گیا کہ میں اخلاق حمیدہ کے اعلیٰ درجہ پر ہوں تم بداخلاقی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہو میں تم کو نیچے سے اٹھانے اوپر پہنچانے کی دعوت دینے آیا ہوں فرماتا ہوں کہ اوپر چڑھو۔(تفسیر صاوی) **خیال رہے** کہ اللہ کے دروازے یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ہر جگہ ہر وقت ہیں اور کھلے ہوئے ہیں اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ تم فلاں جگہ میرے پاس آؤ اگر سورج کے پاس آنا ہے تو آڑ کو پھاڑ کر اس کی شعاعوں میں آجاؤ اگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دلی اخلاص سے متوجہ ہو جاؤ **اذ ظلموا انفسھم جاءوک اتل ما حرم ربکم علیکم** اس عبارت میں بلانے کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی میرے پاس اوپر آؤ تاکہ میں تم کو تعلیم دوں **اتل** بنا ہے **تلاوۃ** سے جس کا مادہ ہے **تلو** بمعنی پیچھے اس لئے پیچھے والے کو تالی کہتے ہیں قرات کو تلاوت اس لئے کہتے ہیں کہ پڑھنے والا عبارت کو پڑھتا جاتا ہے آگے بڑھتا جاتا ہے پڑھے ہوئے کو پیچھے چھوڑتا جاتا ہے اب کسی عزت والی چیز کو پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے جیسے تلاوت قرآن مجید تلاوت دلائل الخیرات بعض باتیں بکی جاتی ہیں جیسے گالی بکنا بعض باتیں کہی جاتی ہیں جیسے عام روزمرہ کی باتیں بعض فرمائی جاتی ہیں جیسے وعظ سنانا بعض باتیں پڑھی جاتی ہیں جیسے کتاب پڑھنا مگر بعض باتیں تلاوت کی جاتی ہیں جیسے اللہ کی باتیں' قرآن مجید یا نبی کی باتیں جیسے حدیث شریف یا درود شریف یا دلائل الخیرات وغیرہ یہاں آخری قسم کی باتیں مراد ہیں لہٰذا **اتل** ارشاد ہوا **ما موصولہ** ہے۔جس سے اگلی دس مذکورہ چیزیں مراد ہیں۔ حرم سے مراد ہے قرآن کریم میں حرام فرمائیں یا پچھلی آسمانی کتب میں حرام فرمائیں یا از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام کے دینوں میں حرام فرمائیں کیونکہ یہ دس احکام جو یہاں مذکور ہیں تمام دینوں میں جاری رہے کسی دین میں ان کے خلاف احکام نہ تھے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سورۂ انعام میں بعض ایسی محکم آیات ہیں جو کسی دین میں منسوخ نہ ہوئیں اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور ہو سکتا ہے کہ **علیکم** میں خطاب سارے انسانوں سے ہو کیونکہ یہ احکام سب پر ہی جاری ہیں۔بہرحال **ما حرم ربکم** کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ جو از آدم تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں تمام کتابوں تمام صحافیوں کی تعلیم میں حرام رہیں وہ میں تم کو بتاؤں دوسرے یہ کہ اس سے قرآن کی محرمات مراد ہوں یعنی جو چیزیں قرآن میں حرام کیں وہ تم کو بتاؤں **ان لا تشرکوا به شیئا** یہاں سے **ما حرم** کا بیان شروع ہوا خیال رہے کہ شرک نہ کرنا حرام نہیں بلکہ شرک کرنا حرام ہے شرک سے بچنا تو واجب و فرض ہے۔ لہٰذا

ان کو نہی کے صیغوں سے ارشاد فرمایا کہ نہی سے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے یعنی رب نے ان چیزوں کو حرام فرمایا۔ اس طرح کہ فرمایا یہ کام نہ کرو شرک کے معنی ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ کسی چیز کو رب تعالیٰ کے برابر کرنا یا رب کو کسی چیز کے برابر سمجھنا شرک ہے بعض مشرکین ستاروں کو بعض اپنے بتوں کو بعض فرشتوں کو بعض جنات کو رب کے برابر سمجھتے تھے اور بعض لوگ اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک سمجھ کر رب تعالیٰ کے مقابلے ان کی اطاعت کرتے تھے اس لئے **شیئا** فرمایا گیا اس ایک کلمہ میں سب کی پر زور تردید ہو گئی چونکہ شرک و کفر اکبرا لکبائر ہیں یعنی تمام بڑے گناہوں سے بڑھ کر گناہ اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ شرک کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر جاہلانہ دوسری عالمانہ تیسری عاشقانہ، تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل عموماً" لوگ کرتے ہیں کہ خدا کے سواء کسی کو پکارنا شرک ہے کسی سے مدد مانگنا شرک ہے کسی کو علم غیب یا حاضر ناظر ماننا وغیرہ یہ محض باطل ہے تفسیر عالمانہ یہ ہے کہ کسی کو رب کے برابر ماننا یا رب کو بندے کے برابر ماننا شرک ہے ان دو باتوں کے سواء شرک نہیں ہوتا تفسیر عاشقانہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود بنانا شرک ہے حتیٰ کہ جنت کے لئے نماز پڑھنا بھی شرک ہے **لا الہ الا اللہ** اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں **وبالوالدین احسانا** یہ عبارت معطوف ہے **الا تشرکوا** پر یہاں بھی وہ ہی قاعدہ استعمال ہوا کہ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا حرام نہیں وہ تو واجب ہے بلکہ اس کا عکس یعنی بد سلوکی کرنا یہ حرام ہے یہاں حرام چیز کو التزاماً" بیان فرمایا گیا ہے قرآن مجید میں والد باپ کو کہا جاتا ہے والدہ ماں کو اور والدین ماں باپ کو مگر لفظ اب باپ دادا چچا سب کو کہا جاتا ہے یونہی **ام** ماں، نانی، دادی حتیٰ کہ خالہ اور دودھ کی ماں سب کو بولا جاتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** اسی طرح **وامھاتکم التی ارضعنکم** وغیرہ اس پر شاہد ہیں **احسان** بنا ہے حسن سے معنی بھلائی یہاں جانی، مالی خدمت یونہی ان کی تعظیم و توقیر غرضیکہ ہر قسم کا اچھا سلوک اس میں داخل ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ احسان سے مراد ان کے ساتھ بھلائی کرنا ہے احترام سے چنانچہ انہیں تیز اور غضب کی نظر سے نہ دیکھے جواب سخت نہ دے ان پر آواز اونچی نہ کرے ان کے سامنے ایسا رہے جیسے غلام اپنے مولا کے سامنے رہتا ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتوں میں باپ ماں بڑی اعلیٰ نعمت ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین سے احسان کا ذکر فرمایا **الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا**۔ خیال رہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک کا حکم دیا گیا اطاعت کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ ان کے ساتھ سلوک تو بہر حال کرے مگر ان کی اطاعت مطلقاً" نہ کرے بلکہ جائز احکام کی اطاعت کرے ناجائز احکام میں اطاعت ہرگز نہ کرے رب فرماتا ہے **وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما** ہر حکم کی اطاعت تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اگر قرآن مجید کے بھی خلاف ہو تب بھی اس کی اطاعت ضروری ہے جیسے حضرت علی کے لئے جناب فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے ممانعت یا ابو خزیمہ ایک کی گواہی دو کی برابر غرضیکہ احسان اور اطاعت میں بڑا فرق ہے **ولا تقتلوا اولادکم من املاق** یہ عبارت معطوف ہے **و بالوالدین** الخ پر اور یہ تیسرا حکم ہے یہاں بھی وہی قاعدہ ارشاد ہوا ہے کہ اولاد کا قتل کرنا حرام ہے اس سے بچنا اور قتل نہ کرنا واجب ہے۔ یہاں واجب کا ذکر فرمایا تاکہ اس سے حرام کا پتہ چل جائے اولاد جمع ہے ولد کی ولد مطلقاً اولاد کو کہتے ہیں بیٹا ہو یا بیٹی یونہی پوتا پوتی۔ نواسا نواسی سب ہی اولاد میں داخل ہیں مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں بنت صرف بیٹی کو۔ چونکہ فقراء عرب اپنی ساری اولاد کو قتل کر دیتے تھے بیٹا ہو یا بیٹی یہ سمجھ کر کہ ہم خود فقیر ہیں انہیں کہاں سے کھلائیں اس کی یہاں تردید ہے وہاں کے

امیر اور سردار صرف بیٹیوں کو قتل کرتے تھے تاکہ جوان ہونے پر ان پر پیسہ لے کر امیروں سے نکاح کیا جاوے گویا دکانداری تھی یہاں پہلے عمل کی تردید ہے کہ یہ جامع چیز ہے **من املاق** میں ان کے قتل کی علت کا بیان ہے **املاق** کے تین معنی ہیں۔ فقیری' دیوالیہ ہونا' فساد پھیلانا' یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور **املاق** سے موجودہ فقیری مراد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **خشیۃ املاق** وہاں آئندہ فقیر ہو جانے کا خطرہ مراد ہے یعنی اپنی اولاد بیٹے بیٹی' پوتے پوتی وغیرھم کو موجودہ فقیری کی وجہ سے قتل نہ کرو کیونکہ **نحن نرزقکم و ایاھم** چونکہ یہاں موجودہ فقیری مراد تھی اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا اور اولاد کے رزق کا ذکر بعد میں اور **خشیۃ** والی آیت میں آئندہ فقیر ہو جانے کا اندیشہ مراد تھا اس لئے وہاں ارشاد ہوا۔ **نحن نرزقھم و ایاکم** یہ فرق خیال میں رہے (معانی) یعنی ہم تم کو بھی ہر قسم کی روزی دیں گے اور تمہارے بچوں کے بھی رازق ہم ہیں تم نہیں ہو رزق کے معنی اور اس کے اقسام پارہ **الم** **ومما رزقنا ھم ینفقون** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ بعض رزق و روزی وہ ہے جس میں انسان کے کسب کو بالکل دخل نہیں محض عطاء ربانی ہے جیسے ہوا' سورج' زمین وغیرہ اور بعض رزق وہ ہیں جن میں انسان کے کسب کو دخل ہے۔ انسان انہیں کماتا ہے جیسے روٹی' کپڑا' مکان جسے پنجابی میں کہتے ہیں۔ گلی جلی' کلی' یہاں آخری قسم رزق مراد ہے کہ کفار عرب اس رزق کی تنگی کے خوف سے اپنی اولاد لڑکوں لڑکیوں کو قتل کرتے تھے فرمایا گیا کہ ان رزقوں کے کاسب تم ہو مگر رازق ہم ہیں **ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن** یہ چوتھا حکم ہے یہاں بھی وہی التزامی معنی مراد ہیں کیونکہ زنا وغیرہ کے قریب نہ جانا واجب ہے اور قریب جانا حرام ہے نہ جانے کے وجوب کا ذکر صراحۃً فرمایا اور قریب جانے کی حرمت کا ذکر کنایۃً فواحش جمع ہے فاحشۃ کی جس کا مادہ ہے فحش بمعنی حد سے بڑھ کر جرم اس سے مراد گناہ کبیرہ بھی ہوتے ہیں اور بے حیائی بے غیرتی کے گناہ بھی اور وہ گناہ بھی جو ہر دین میں حرام رہے ہوں اور وہ گناہ بھی جنہیں عقل بھی برا جانے اور زمانہ بھی سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ زنا مراد ہے چونکہ زنا کی قسمیں بہت ہیں اس لئے فواحش جمع ارشاد ہوا قریب نہ جانے سے مراد ہے زنا کے اسباب یعنی بے پردگی' عورتوں کا ناچ دیکھنا گانا سننا وغیرہ سب سے دور رہنا عرب کی غریب عورتیں تو علانیہ دوکان پر بیٹھ کر زنا کراتی تھیں مگر عربی شرفاء سے برا سمجھتے تھے خفیہ گھروں میں یارانہ کے طور پر زنا کا شغل کرتے تھے۔ پہلے قسم کا زنا ظاہر ہے دوسری قسم کا خفیہ ان دونوں سے ممانعت فرما دی گئی اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے ہر گناہ کبیرہ مراد ہے۔ جسمانی تو ظاہری گناہ ہے اور جنانی یعنی دل کے باطنی گناہ ہیں۔ **ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ** یہ چوتھا حکم عالی ہے یہاں بھی وہی نکتہ ہے جو پہلے ذکر ہوا کہ قتل نفس سے بچنا فرض ہے اور قتل کرنا حرام قتل سے مراد ہے مطلقاً مار ڈالنا خواہ دھاردار آلہ سے ہو یا بندوق سے یا زہر دے کر یا کسی اور ذریعہ سے۔ نفس سے مراد ذات انسانی ہے اپنی اولاد کے علاوہ کیونکہ اولاد کے قتل کی ممانعت تو پہلے بیان ہو چکی **حرم اللہ** سے مراد ہے مومن یا کافر ذمی جو ہماری رعایا ہوں کافر مستامن جو ہمارے ملک میں امان لیکر کچھ روز کے لئے آئیں کہ ان کا قتل حرام ہے رہے حربی کفار جن سے مسلمانوں کی جنگ ہو ان کا قتل تو ثواب ہے قاتل مجاہد غازی ہے اس لئے **حرم اللہ** کی قید لگائی گئی **الا بالحق** یہ **لا تقتلوا** سے مستثنیٰ ہے حق سے مراد مقتول کے وہ جرم ہیں جن سے اس کا قتل جائز ہو جاوے وہ کل پانچ ہیں تین تو حدیث شریف میں مذکور ہیں شادی شدہ مومن کا زنا' مرتد ہو جانا' قتل جس کے قصاص میں اسے قتل کیا جاوے چوتھا سبب قرآن مجید میں مذکور ہے سلطان اسلام سے بغاوت (غداری) فرماتا ہے **فقاتلوا التی تبغی حتی**

تغی الی امر اللہ پانچوں جرم ایسے ہیں کہ ان سے عقل انسانی بھی نفرت کرتی ہے بشرطیکہ وہ عقل درست ہو اس لئے ارشاد ہوا کہ تم اپنی عقل استعمال کرو اور ان احکام کی خوبیاں ان جرموں کی خرابیاں معلوم کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں دس جرموں سے سخت ممانعت فرمائی جن میں سے پانچ کا ذکر تو اس آیت کریمہ میں ہے اور پانچ کا ذکر اگلی آیت میں ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے لوگو! تم کدھر بھٹکتے ہو حرام و حلال میں اپنی بھونڈی عقل سے کام لیکر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے ہو میرے پاس آؤ تم کو میں سناؤں کہ تم پر تمہارے رب نے کیا چیزیں حرام کی ہیں کسی چیز کو اللہ کا شریک اس کا مثل نہ مانو جو اس کے سواء ہے وہ اس کا بندہ ہے اپنے باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ان کی جانی' مالی ہر طرح خدمت کرو ان کا ادب و احترام کرو ماں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ سات باتوں کا خیال رکھو۔ (1) ان کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرو اپنی اولاد یا نوکروں سے ہی نہ کراؤ (2) اگر انہیں تمہاری جانی مالی خدمت کی ضرورت نہ بھی ہو جب بھی اسے سعادت سمجھ کر کرو وہ امیر ہوں تب بھی ان پر خرچ کرو تندرست ہوں جب بھی ان کے پاؤں دباؤ جو تا سیدھا کرو۔ (3) اگر وہ فاسق یا کافر ہوں جب بھی ان کے مادری پدری حقوق ادا کرو (4) ان کی اولاد ان کے عزیزوں دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو (5) ان کے قرضے وعدہ پورے کرو (6) ان کے بعد ان کی جائز رسمیں طور طریقے جاری رکھو۔ (7) انہیں دعا خیر صدقات و خیرات سے یاد رکھو۔ مفلسی کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ تمہارے ان کے رازق ہم ہیں ان کی روزی تمہارے ذمہ نہیں ہے ہم تم کو بھی روزی دیں گے ان کو بھی یا تم آزما چکے ہو کہ ہم تم کو روزی دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی خیال رہے کہ ہم پر تین وقت گزرتے ہیں ایک وہ جب کسی بندے کا ہاتھ ہم تک نہیں پہنچتا تھا یعنی ماں کے پیٹ میں یا مرغی کے انڈے کے اندر وہاں براہ راست رب تعالیٰ ہی نے پالا تھا دوسرے وہ وقت جب ماں باپ کے ذریعہ رب نے ہم کو پالا جیسے ہماری شیر خوارگی کا زمانہ اس وقت ہم کمانے پر قادر نہ تھے تیسرا وقت جب ہم میں عقل و ہوش آیا کمانے کے قابل ہو گئے مگر پھر بھی روزی اس نے دی۔ بعض روزی کے لئے ہم کو نہ جانا پڑے نہ کمانا جیسے دھوپ و ہوا اور بعض کے لئے جانا پڑتا ہے کمانا نہیں پڑتا جیسے پانی بعض روزی میں ہم کو جانا پڑتا ہے کمانا بھی جیسے دانہ کپڑا وغیرہ مگر ان تینوں میں قدرت کا فیاض ہاتھ ہی کام کر رہا ہے۔ زنا کے قریب نہ جاؤ اس کے اسباب سے بچو خواہ علانیہ زنا ہو خواہ خفیہ ہر طرح کے زنا سے بچو' گانا بجانا' اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت' بے پردگی وغیرہ یہ سب زنا کے اسباب ہیں ان سب سے دور رہو یا ظاہر گناہ یعنی اعضاء ظاہری کے گناہوں سے بھی بچو اور اعضاء باطنی یعنی دل دماغ کے گناہوں سے بھی بچو اچھی نیت اچھے خیال اختیار کرو بری نیت' برے ارادوں برے خیالات سے دور رہو اور جس انسان کا قتل حرام ہے اسے قتل نہ کرو جیسے مسلمان یا ذمی کافر یا مستامن یہ تمام جانیں محترم ہیں ہاں اگر کوئی ایسی وجہ ہو جاوے جن سے ان کا قتل جائز ہو جاوے تو اسے ضرور قتل کرو جیسے مرتد' باغی' غدار' شادی شدہ زانی' قاتل ڈاکو کہ ان کا قتل سلطان اسلام کے حکم سے جائز بلکہ ضروری ہے یہ وہ احکام ہیں جن کا حکم تاکیدی تم کو اللہ نے دیا انہیں معمولی نہ سمجھو کچھ عقل سے کام لو یہ جرم عقل انسانی کے نزدیک بھی برے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی تعلیم سے پچھلی کتابیں ان کے احکام سب کچھ جانتے ہیں۔ توریت و انجیل' زبور اور آسمانی صحیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہیں یہ

فائدہ اتل ما حرم الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے گزشتہ دینوں کے احکام ان کفار کو سنانا حرم کے معنی ہیں **حرم فی الکتب السابقہ۔** **دوسرا فائدہ:** کفار بھی عقائد قرآنیہ اور بعض احکام اسلامیہ کے مکلف ہیں لہٰذا حکومت اسلامیہ انہیں بچوں کے قتل، عورت کے ستی (زندہ جلانے) کی جوئے وغیرہ کی اجازت نہ دے گی اگرچہ یہ کام ان کے دین میں جائز ہوں۔ یہ فائدہ حرم ربکم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ اے حرم فی القرآن۔ **تیسرا فائدہ:** عقائد کی درستی اعمال کی درستی سے پہلے ہونی ضروری ہے دیکھو اس موقعہ پر رب تعالیٰ نے دس چیزوں کو ذکر فرمایا مگران سب میں شرک سے بچنے کا ذکر پہلے کیا باقی اعمال کا ذکر بعد میں اگر کوئی مشرک یا کافران سارے نیک اعمال کا پابند ہو بخشا نہیں جاسکتا۔ پہلے جڑ قائم کرو بعد میں اسے پانی کھاد وغیرہ دو جڑ سے جدا شاخ کو پانی کھاد دینا بیکار ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ماں باپ کا حق مالدری پدری ادا کرنا اولاد پر لازم ہے اگر ماں باپ کافر ہوں اور بیٹا مسلمان ہو یہ فائدہ **بالوالدین** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **بالوالدین المسلمین** نہ فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک ان کی وفات کے بعد بھی کرنا چاہئے یہ فائدہ بھی **بالوالدین** کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں والدین کے ساتھ زندگی کی قید نہ لگائی گئی یہ نہ کہا گیا کہ زندہ ماں باپ سے سلوک کرو بعد موت ان کے قرض ادا کرنا ان کے وعدے پورے کرنا ان کے عزیزوں دوستوں سے محبت کرنا اور انہیں فاتحہ ختم کا ایصال ثواب کرنا ان کے نام پر کنویں مسجدیں بنوانا۔ سب ہی اس میں داخل ہیں اور احادیث کریمہ میں موجود ہیں سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ میری والدہ فوت ہو گئیں اب میں ان سے سلوک کیسے کروں فرمایا ان کے نام پر پانی کی خیرات کرو چنانچہ انہوں نے اپنی ماں کے نام پر مدینہ منورہ میں کنواں کھدوا دیا۔ جس کا نام رکھا بیر ام سعید۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتے تھے۔ یہ ہے ایصال ثواب بعد وفات۔ **چھٹا فائدہ:** اگر ماں باپ مالدار ہوں تب بھی ان پر خرچ کرنا ان سے اچھے سلوک کرنا چاہئیں یہ فائدہ بھی والدین کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں والدین فقیرین نہ فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ماں باپ کے ساتھ صرف جسمانی یا صرف مالی احسان ہی نہ کرے بلکہ ہر قسم کا ہر طرح ہمیشہ احسان کرے یہ فائدہ احسانا" کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا ماں باپ کی قبر کا بھی احترام کرے۔ **آٹھواں فائدہ:** حمل میں جب جان پڑ جاوے تو اس کا گرانا حرام ہے کہ یہ بھی قتل اولاد ہے یہ فائدہ **ولا تقتلوا اولادکم** الخ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: بعض شرعی مجبوریوں میں جان پڑنے سے پہلے حمل گرا دینا جائز ہے کہ یہ قتل ولد نہیں مثلاً" عورت بہت کمزور ہے اب اس میں جننے کی تاب نہیں تو ایسا کر سکتے ہیں جب دو ایک ماہ چڑھیں تو اس کا خون جاری کر دیں کسی دوا سے۔ **مسئلہ:** کسی مجبوری میں مانع حمل دوا کے ذریعہ حمل قائم نہ ہونے دینا بھی جائز ہے کہ یہ قتل نفس نہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل سے صحابہ کرام کو منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اس سے آنے والی روح رک نہیں سکتی بعض صحابہ نے بعض وقت عزل کیا۔ صحبت میں انزال باہر کرنا عزل کہلاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ قتل اولاد کی چند صورتیں ہیں بچہ کو ذبح کر دینا۔ زہر دے کر مار دینا۔ گلا گھونٹ کر مار دینا۔ زندہ دفن کر دینا۔ بچہ کو دودھ نہ پلانا جس سے وہ بھوک سے مرجائے یہ سب قتل اولاد ہے۔ **مسئلہ:** جو بچہ زندہ پیدا ہو جائے اس کے قتل سے قاتل پر قصاص واجب ہو گا لیکن جو بچہ زندہ ہو مگر ابھی پیدا نہ ہوا ہو اس کو ہلاک کر دینا حرام ہے مگر اس میں قصاص نہیں اور جب بچہ میں جان نہ پڑی ہو اسے گرا دینا مطلقاً حرام نہیں اگر حرام مقصد کے لئے گرایا جاوے تو

حرام ہے حمل قائم نہ ہونے دینا اس کا حکم علیحدہ ہے یہ اکثر جائز ہوتا ہے حضرات صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ فرمایا جو روح آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔ **نواں فائدہ:** ظاہر میں نیک رہنا چھپ کر گناہ کرنا تقویٰ نہیں بلکہ ریاکاری ہے تقویٰ یہ ہے کہ ظاہر باطن ہر حال میں رب سے ڈرے گناہ چھوڑے یہ فائدہ **ما ظهر منها وما بطن** سے حاصل ہوا بلکہ ریاکار کھلے فاسق سے زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں۔

تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک　　اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک

دسواں فائدہ: اجنبی عورتوں سے خلوت ان کے گانے سننا ان کے فوٹو لذت کے ساتھ دیکھنا عشقیہ فلمیں دیکھنا عشقیہ ناول پڑھنا بلکہ عورتیوں کی بے پردگی آوارگی سب ہی حرام ہے کہ یہ تمام چیزیں زنا کے ذریعہ ہیں یہ فائدہ **ولا تقربوا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ زنا کے نزدیک جانے سے روکا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

گیارھواں فائدہ: تقویٰ جسمانی بھی ہے اور جنانی یعنی دل کا بھی دونوں تقویٰ حاصل کرو پھر متقی بنو گے یہ فائدہ **ما ظهر منها وما بطن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ظاہری اعضاء میں سے ہر عضو کے بہت سے اعمال برے ہیں بہت سے اچھے ہر عضو کے برے اعمال سے بچو اچھے اعمال اختیار کرو یوں ہی دل دماغ کے اچھے اعمال بھی ہیں برے بھی اور ان کے اچھے اعمال اچھی نیت اچھے ارادے اچھے خیالات اختیار کرو بری نیت برے ارادوں برے خیالات سے بچو یہ ہے تقویٰ قلب۔ یہ بھی خیال رہے کہ تقویٰ دلی اصلی ہے۔ تقویٰ ظاہری اس کی شاخ اچھی نیت سے برے کام اچھے بن جاتے ہیں۔ اور بری نیت سے اچھے کام برے بن جاتے ہیں۔ دل کا تقویٰ۔ تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ عشق رسول خوف خدا اور تعظیم شعائر اللہ۔ رب فرماتا ہے **فاتبعوني يحببكم الله** اور فرمایا ہے **ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب** ان تین سودوں کی دو کان اور ڈپو آستانہ اولیاء اللہ ہیں۔ **بارھواں فائدہ:** مومن۔ ذمی کافر اور مستامن کافر کو قتل کرنا حرام ہے۔ حربی کفار کو جہاد میں قتل کرنا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **النفس التي حرم الله** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ:** یہ مذکورہ لوگ اگر کوئی جرم قتل کے لائق کریں تو انہیں قتل کرنا ضروری ہے جیسے بعد احصان زنا ڈکیتی بغاوت وغیرہ یہ فائدہ **الا بالحق** سے حاصل ہوا اس کی تفصیل اور احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو ان مذکورہ لوگوں کو حاکم یا سلطان کے فیصلے کے بعد قتل کیا جاوے ان کے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ موجود ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **اتل ما حرم** کیوں فرمایا گیا تلاوت تو قرآن مجید کی ہوتی ہے کفار کو قرآن سنانا بیکار ہے وہ قرآن مجید کے احکام کے مکلف نہیں۔ **جواب:** **ما حرم** میں دو احتمال ہیں ایک تو انجیل توریت زبور اور دوسرے نبیوں کی کتابوں کے احکام نہیں سنانا تب تو اتل فرمانا ان کتب اور ان احکام الہیہ کی تعظیم شان کے لئے ہے ہم کہتے ہیں کہ درود تاج کی تلاوت کرو فلاں قوم نے انجیل شریف کی تلاوت کی وغیرہ ہر معظم چیز کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے بلکہ بزرگوں کے سچے واقعات بیان کرنے کو تلاوت کہا گیا ہے قرآن کریم نے سکندر ذوالقرنین کے قصہ سنانے اور اصحاب کہف کا واقعہ بیان کرنے کو تلاوت فرمایا ہے **نتلو عليك نباء هم بالحق** اور **قل سا تلو عليكم منه ذكرا**"۔ دوسرے یہ کہ یہاں تلاوت سے مراد وہ آیات قرآنیہ کفار کو سنانا ہے جن میں یہ احکام مذکور ہیں کفار صرف عبادات اسلامیہ کے مکلف نہیں۔ قرآنی عقائد

قرآنی معاملات کے احکام، قرآنی سزائیں ان پر برابر جاری ہیں ان پر مسلمان ہونا فرض ہے اور چور کے ہاتھ کٹیں گے ان کاڈاکو، قاتل، باغی، قتل کیا جاوے گا چونکہ اس آیت کریمہ میں عقائد اور معاملات کا ہی ذکر ہے لہذا کفار کو یہ آیت سنانا بالکل بجا ہے اسی لئے کفار سے فرمایا گیا **حرم علیکم دو سرا اعتراض:** یہاں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کو احسان کیوں فرمایا گیا کوئی بچہ ماں باپ پر احسان کر سکتا ہے احسان تو ماں باپ کا بچہ پر ہے جو ادا ہو سکتا ہی نہیں۔ **جواب:** یہاں احسان لغوی معنی میں ہے یعنی اچھا سلوک برتاؤ کرنا اس کے اصطلاحی معنی مراد نہیں **من واحسان** مندی یعنی ان سے اچھا سلوک کرو۔ **تیسرا اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کیسے کیا کہ **بالوالدین احسانا** آپ نے تو والدین کو پایا ہی نہیں۔ **جواب:** ماں باپ سے احسان صرف ان کی زندگی میں ہی خاص نہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان سے اچھا سلوک کرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب آمنہ کی وفات کے وقت ان کا سر پاک دبایا اور پھر بعد وفات انہیں زندہ کر کے انہیں مومن صحابی بنایا انہیں کلمہ پڑھایا۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان دونوں کے نام کی دھوم مچی ہے جہان بھر کی نیکیوں کے ثواب میں ان دونوں کا حصہ ہے کہ یہ سب ان کے فرزند ارجمند کے دم کی بہار ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ماں باپ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو کیا طلاق دے دینی واجب ہے۔ وہ بھی **"احسانا"** میں داخل ہے **جواب:** اگر ظلماً طلاق دلواتے ہوں جس سے گھر کی بربادی، بچوں کی آوارگی بے قصور بیوی کا دربدر دھکے کھانا ہو تو نہ دے کہ ظلم شرعاً حرام ہے اور حرام کام کے حکم میں کسی کی اطاعت نہیں اور اگر قصور عورت کا ہو طلاق دینا ظلم نہ ہو تو دیدے کہ اس میں ماں باپ کی رضا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو طلاق دینے کا حکم دیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق دے دو جناب خلیل نے حضرت اسماعیل کو طلاق کا حکم اشارۃً دیا تو انہوں نے فوراً طلاق دے دی ان حضرات نے ظلم کیوں کرایا۔ **جواب:** وہاں صورت ہی ایسی تھی کہ عورت کا ان کے گھر میں رہنا ان کے لئے نقصان دہ تھا۔

زن بد در سرائے مرد نکو! ہم دریں عالم است دوزخ او

ناشکری نافرمان عورت کا مرد مومن کے گھر میں رہنا اچھا نہیں۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں معدن از معدن فولاد بن سکتی نہیں!

اگر کسی کے ماں باپ حضرت خلیل حضرت عمر کے نقش قدم پر چلنے والے عدل انصاف والے ہوں تو ان کے کہنے پر طلاق دے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو تو کیا مفلسی کے سواء اور وجہ سے قتل اولاد جائز ہے۔ **من املاق** کی قید کیوں لگائی؟ **جواب:** یہاں مفلسی کی قید واقعہ بیان کرنے کے لئے ہے احترازی نہیں کفار عرب تین قسم کے تھے بعض وہ جو اپنی امیری و سرداری کی وجہ سے صرف اپنی بیٹیوں کو قتل کرتے تھے کہ کوئی ہمارا داماد نہ بنے۔ دوسرے وہ جو لڑکیوں کی تجارت کرتے تھے وہ بیٹوں کو تو قتل کر دیتے تھے لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے ان کے جوان ہونے پر ان کی بھاری قیمت لیکر نکاح کرتے تھے تیسرے وہ جو اپنی مفلسی ناداری کی وجہ سے ساری اولاد کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے بیٹے ہوں یا بیٹیاں یہاں روئے سخن اس تیسری جماعت کی طرف ہے لہذا یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے **لا تاکلوا الربا اضعافا" مضاعفتہ** دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ تو کیا دور سے بے حیائی کر لیا کریں کسی اجنبی عورت کو قریب سے نہ

گھوریں دور سے گھور لیا کریں گانا ناچنا قریب سے نہ سنیں نہ دیکھیں دور سے سن لیا کریں دیکھ لیا کریں آج کل تو ریڈیو کے ذریعہ دور سے گانے سنائے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ذریعہ دور سے اجنبی عورتوں کے حسن کا نظارہ کرایا جاتا ہے کیا یہ سب جائز ہے۔
جواب: یہ مطلب تو آیت کریمہ کے منشاء کے ہی خلاف ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ بے حیائی کرنا تو کیا معنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ اس کے اسباب سے بھی دور رہو جیسے رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا **لا تقربا هذه الشجرة** اس درخت گندم کے قریب بھی نہ جاؤ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ قریب تو نہ جاؤ دور سے دانہ منگا کر کھا لو یہ محاورہ ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے۔
آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ محترمہ جان کو قتل نہ کرو یعنی دھار دار آلہ سے اس کا گلہ نہ کاٹو تو کیا اور ذریعہ سے لے مار دینا جائز ہے۔ گلہ گھونٹ کر یا زہر دے کر۔ **جواب:** یہاں قتل عرفی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مار ڈالنا خواہ کیسے ہی ہو دیکھو کفار عرب اپنے بچوں کو تلوار سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے اسے بھی قتل فرمایا گیا۔ **والا تقتلوا اولادکم** اور فرمایا گیا **بای ذنب قتلت**۔ قرآن کریم کی سمجھ کے لئے علم و عقل محاورات کی خبر سب ہی ضروری ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کسی کے پاس چڑھ کر پہنچتے ہیں کسی کے پاس اتر کر یا گر کر اور کسی کے پاس چل کر پہنچا جاتا ہے مقصود کا جیسا مقام رسی وہاں کی حاضری ڈول اتر کر یا گر کر کنوئیں کے پانی تک پہنچتا ہے مگر رسی کے ذریعہ چڑھ کر بھرنے والے کے پاس پہنچتا ہے انسان نفس و نفسانیات خواہشات کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرے ہوئے کو اپنے پاس بلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے سورج ہیں فرمایا **تعالوا** میرے پاس چڑھ کر آ جاؤ رب نے فرمایا **واعتصموا بحبل الله جميعا** "تم سب قرآن مجید کی رسی مضبوط تھام لو اور پہنچو۔ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں ان سے دور ہو گئے کچھ نہ پاؤ گے پہلے تمہارا سر ان کے قدم تک پہنچے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم الٰہی سنائیں گے۔ رب تعالیٰ نے تم سے نہ کلام فرمایا ہے نہ فرمائے گا وہ فرمائیں گے کہ جنت دوزخ بلکہ اپنی غرض کو لالچ کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ بجز رضاء الٰہی کسی مقصد کے لئے اس کی عبادت نہ کرو کہ طریقت میں یہ شرک ہے بلکہ ہمیشہ رب تعالیٰ سے رب ہی کو مانگو یا اس کے محبوب کو مانگو یہ ہے صوفیاء کی توحید۔

موت نہ باشد کہ اھل صفا   بخواہند غیر از خدا از خدا!

صوفیاء کہتے ہیں کہ شرک جلی بت پرستی ہے اور شرک خفی یار کے ساتھ اغیار کو دیکھنا ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

تادم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال   خامہ توحید کش برورق این و آن!

جب تم موحد بن چکے تو اپنی اولاد معنوی کو جہالت کی موت نہ مار دو تم بقدر طاقت انہیں فیض روحانی پہنچاتے رہو رب کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں رزق روحانی بیداری توجہ الی اللہ دنیا سے بے نیازی ہم تم کو بھی دیں گے اور ان کو بھی ان کھلے چھپے عیوب کے قریب نہ جاؤ جو تم کو رب سے دور کر دیں جلوت خلوت میں دست بہ کار دل بہ یار رکھو اپنے نفس امارہ کو ہلاک نہ کرو اس کا حق بھی ادا کرو کہ یہ رب رسی کی بہترین اور تیز سواری ہے ہاں جب یہ تم کو رب سے غافل کرنا چاہے تو ذکر اللہ کی تلوار سے اس کا زور توڑ دو۔ ان چیزوں کا تم کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ سمجھو کہ ہم کیا فرما رہے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قتل حق وہ ہے جو طلب حق کے لئے کیا جاوے۔ مقتول فی سبیل اللہ عند اللہ زندہ ہے۔

مشو بمرگ ز امداد اہل دل نا امید		کہ خواب مردم آگاہ عین بیداری است

اگر دل والے وفات پا جائیں تو ان کی امداد سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ خبردار آدمی کی نیند بھی بیداری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اہل دل بنائے دلیل والے مرجاتے ہیں دل والے نہیں مرتے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں ہیں (1) بشریت کی شان اور (2) نورانیت کی شان۔ ان دونوں شانوں کی جلوہ گری مختلف ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حج کو جاتے ہیں تو گیارہ دن میں پہنچتے ہیں صرف تین سو میل کا فاصلہ گیارہ دن میں اونٹوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے طے ہوتا ہے یہ ہے بشریت کا ظہور مگر معراج کی رات سنکھوں پدموں میل کا فاصلہ آن کی آن میں طے فرمالیا یہ ہے نورانیت' دو وقت کھانا ملاحظہ فرمائیں تو چہرے پر کمزوری کے آثار نمودار ہو جائیں مگر روزوصال میں عرصہ تک کچھ نہیں چکھیں اور مطلقاً کمزوری محسوس نہ ہو وہ تھی بشریت یہ ہے نورانیت' عبرانی زبان کا ترجمہ عربی میں حضرت زید ابن ثابت لے کر آئیں انہیں اپنا ترجمان مقرر فرمایا یہ ہے بشریت مگر لکڑی' جانوروں کی زبان بغیر ترجمہ سمجھ لیں یہ ہے نورانیت۔ بازار سے چیز منگائیں تو کسی کو بھیج کر یہ ہے بشریت اور مصلے پر کھڑے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور جنت میں پہنچ جائیں یہ ہے نورانیت یہاں ارشاد ہوا کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں بتاؤں جو تمام دینوں میں حرام رہیں یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت' بشری صفات کا ظہور ہم کو تعلیم کے لئے ہے اور نورانیت کا ظہور حضور کے کمال کے اظہار کے لئے ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ
اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ کے جو کہ وہ بہت اچھا ہے حتیٰ کہ پہنچ جاوے اپنی مضبوطی
اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور ناپ اور تول انصاف کے
وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ
کو اور پورا دو ناپ اور تول ساتھ انصاف کے نہیں تکلیف دیتے ہم کسی ذات کو مگر گنجائش بھر اس کی اور جب کہو
ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اسکے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو
ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾
تو انصاف کرو اگرچہ ہووے قرابت والا اور عہد اللہ کا پورا کرو یہ چیز ہے وصیت فرمائی تم کو اسکی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو
اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم نصیحت مانو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت کریمہ میں وہ پانچ تاکیدی حکم دیئے جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے ہے اب ان پانچ باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے جن کا تعلق شہر والوں' بستی والوں سے ہے گویا تدبیر منزل کے بعد سیاست مدنیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی اصلاح کے لئے

ضروری ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اپنے ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا تھا اب دوسروں کی اولاد اور دوسرے کے ساتھ اچھے برتاوے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اخلاقیات کی اصلاح فرمائی گئی تھی اس آیت کریمہ میں مالی معاملات کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے۔ چونکہ ذات مال سے اشرف و اعلیٰ ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں مال کا۔

تفسیر: **ولا تقربوا مال الیتیم** یہ عبارت یا تو گزشتہ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **لا تقربوا** میں خطاب یتیموں کے والی وارثوں سے ہے جو ان کے متولی اور پرورش کنندہ ہوں اور ہو سکتا ہے اس خطاب میں سارے مسلمان بلکہ سارے انسان داخل ہوں کہ یتیم کے مال کی بربادی اور بربادی کے اسباب سے بچنا مال سے مراد وہ مال ہے جو اسے میراث میں ملا ہو یا کسی نے اس پر ترس کھا کر اسے دیدیا اس نے خود کمایا ہو کہ بعض ہوشیار یتیم کچھ کما لیتے ہیں مگر کمائی سنبھال نہیں سکتے اس لئے اپنا مال اپنے کسی عزیز کے پاس رکھتے ہیں یتیم بنا ہے یتم سے بمعنی تنہائی اکیلا ہونا انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا والد فوت ہو گیا ہو، جانوروں میں وہ چھوٹا شیر خوار بچہ ہے جس کی ماں مر گئی ہو اور موتی وہ یتیم کہلاتا ہے جو سیپ میں ایک ہی ہو اسے در یتیم کہا جاتا ہے یہاں انسانی یتیم مراد ہے یعنی یتیم بچے کا مملوکہ مال کسی طرح استعمال نہ کرو اسے ہاتھ نہ لگاؤ خیال رہے کہ سور کتا بلا کھانا بھی حرام ہے مگر ایسا حرام کہ اسے کھا لیا جاوے تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے کسی انسان کا حق مارا ہوا مال بھی حرام ہے مگر ایسا کہ توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے اور یتیم کا مال بھی حرام ہے مگر ایسا حرام کہ نہ توبہ سے معاف ہو کہ یہ حق العبد ہے اور نہ معاف کرنے سے معاف ہو کہ بچہ معاف نہیں کر سکتا بچہ کی معافی معتبر نہیں اسی لئے اگر سالہا سال کفر میں بلا کتا مردار سب کھا لیتا تھا تو ایمان سے یہ سب کچھ معاف ہو جاوے گا لیکن قرض یا کسی کا مارا ہوا مال معاف نہ ہو گا وہ تو اداہی کرنا ہو گا۔ لہذا یتیم کا مال سور کتے سے بدتر ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **الا بالتی ھی احسن۔** یہ **لا تقربوا** الخ سے مستثنیٰ ہے التی سے مراد خصلت یا طریقہ ہے احسن سے مراد طریقہ ہے جو یتیم کے لئے مفید ہو شرعاً جائز ہو جیسے اس یتیم کا مال تجارت میں لگا کر اسے بڑھانا نیز خود بچہ پر خرچ کرنا بقدر ضرورت جس میں فضول خرچی نہ ہو اس کے مملوکہ مکان یا دکان کو اچھے کرایہ پر چڑھانا اس کی مملوکہ زمین میں کاشت کرانا یا عمارات بنا کر آمدن بڑھانا یا اس کے مملوکہ باغ کے پھلوں کی تجارت کرنا ایک احسن میں صدہا چیزیں بیان فرما دیں اس پر ولی متولی کو بڑا اجر ملے گا۔ **حتی یبلغ اشدہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ حکم کی انتہا بیان فرما رہی ہے۔ **احفظوہ حتی** انتہاء کے لئے اور یبلغ کا فاعل وہی یتیم ہے۔ جس کا ابھی ذکر ہوا اشد بنا ہے شدت سے بمعنی مضبوطی یہ لفظ مضبوط وعدہ پر بھی بولا جاتا ہے اور قوت بدنی پر بھی رب فرماتا ہے **من اشد منہ قوۃ** انسان کی اس حالت کو بھی کہتے ہیں جب اس کی جسمانی قوتیں مضبوط ہو جاویں رب فرماتا ہے **حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ** یہاں بدنی قوتوں کی مضبوطی کے معنی میں ہے۔ فرانحوی کہتے ہیں کہ اشد جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں۔ بصری کہتے ہیں کہ یہ واحد ہے اس کے سواء اور کوئی واحد اس وزن پر نہیں آیا۔ بعض نے کہا کہ یہ شد کی جمع ہے جیسے ود کی جمع اود یہاں اس سے مراد ہے بلوغ کی عمر مع عقل و ہوش کے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم** یعنی اے یتیموں کے والی وارثو تم ان کے مال کی حفاظت کرو حتی کہ وہ عاقل و بالغ ہو جاویں اس وقت ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ (از تفسیر کبیر روح المعانی) خیال رہے

کہ اشد کی جمع ابتداء بچے کے بلوغ سے ہے اور اس کی انتہا تینتیس 33 سال کی عمر۔ اس کے بعد انسان ادھیڑ ہو جاتا ہے۔ چالیس سال کے بعد بڑھاپا شروع ہوتا ہے (تفسیر صاوی) **و اوفوا الکیل والمیزان بالقسط** یہ اس آیت کریمہ کا دوسرا اور تیسرا حکم ہے۔ جس کا تعلق عام لوگوں سے ہے۔ یتیم کی پرورش کا تعلق اس کے ولی سے تھا۔ مال یتیم کھانا اور تجارت میں کم ناپنا تولنا ان دونوں میں تعلق یہ ہے کہ یتیم کا مال مارنا خیانت بھی ہے ظلم بھی یونہی کم ناپ تول میں خیانت بھی ہے دھوکہ فریب بھی۔ یہ دونوں جرم بظاہر ایک ایک ہیں مگر بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہیں نیز مال یتیم مارنا وہ جرم ہے جو نہ توبہ سے معاف ہو نہ یتیم کے معاف کرنے سے معاف ہو کہ یتیم معاف کرنے پر قادر نہیں یوں ہی کم ناپ تول نہ توبہ سے معاف ہو کہ یہ حق عباد ہے نہ معاف کرانے سے کہ نہ معلوم اس نے کس کس کو کتنا کتنا کم تول کر دیا ہے ان وجوہ سے مال یتیم کے بعد کم ناپ تول کا ذکر فرمایا۔ **اوفوا** بنا ہے **ایفاء** سے بمعنی پورا دینا اس کا مقابل ہے استیفا بمعنی پورا لینا کبھی مطلقاً پورا کرنے کے معنی میں آتا ہے دیتے وقت ہو یا لیتے وقت یہاں اس آخری معنی میں ہے کیل پیمانہ یعنی ناپ کا آلہ جیسے عرب میں صاع پاکستان میں ٹوپا میزان ترازو قسط بمعنی انصاف اس فرمان عالی میں دینے اور لینے والے دونوں کو حکم ہے یعنی اے ناپ تول سے لین دین کرنے والو ناپ وزن پورا کرو کسی کو اس کا حق کم نہ دو بالقسط فرما کر بتایا کہ لینے والا بھی زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے غرضیکہ دونوں انصاف پر قائم رہیں پورا حق دو پورا لو۔ **اوفوا** دینے والے کے لئے ہے اور بالقسط لینے والے کے لئے۔ خیال رہے کہ جیسے ناپ تول میں کمی کرنا جرم ہے ایسے ہی مال میں ملاوٹ کرنا بھی جرم ہے کہ اس میں بھی حقدار کو اس کے حق سے کم پہنچتا ہے یوں ہی خراب مال کو اچھا بتا کر فروخت کرنا بھی جرم ہے کہ ان سب میں حق مارنا ہے لہذا یہ ایک لفظ تجارت کی تمام خرابیوں کو توڑ رہا ہے **لا نکلف نفسا الا وسعها** اس فرمان عالی کا تعلق یا تو فقط ناپ تول پورا کرنے سے ہے یا مذکورہ دونوں حکموں سے۔ یتیم کی پرورش اور ناپ تول کی درستی یعنی یہ دونوں کام تم لوگ بقدر طاقت کرو جو کام تمہاری طاقت سے باہر ہے ہم اس کی معافی دے دیں گے کیونکہ ہم کسی ذات پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اگر من دو من چیز تولی اختیار سے تولی مگر پھر بھی تولہ دو تولہ کی کمی بیشی رہ گئی تو معاف ہے یہ فرمان عالی اگرچہ مذکورہ احکام کے متعلق ہیں مگر یہ قانون کلیہ ہے کہ رب تعالیٰ کسی بندے پر شرعی احکام اس کی طاقت سے زیادہ نہیں جاری فرماتا۔ چنانچہ بچہ اور دیوانہ مدہوش پر عبادات فرض نہیں غریب پر زکوۃ و حج فرض نہیں بیمار پر جہاد لازم نہیں۔ اس کریم کا یہ قانون بہت ہی عام ہے یوں خطا و نسیان بھول چوک پر پکڑ نہیں **واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربی** یہ اس آیت کریمہ کا چوتھا حکم ہے جو سارے مسلمان بلکہ سارے انسانوں پر جاری ہے۔ اس ایک جملہ میں احکام شرعیہ کے دریا بہہ رہے ہیں واعظ وعظ کریں تو عدل و انصاف کے ساتھ غلط روایتیں گڑھی ہوئی حدیثیں اپنا وعظ مقبول کرنے کے لئے بیان نہ کریں عالم فتویٰ دیں تو غلط نہ دیں کسی کی رو رعایت نہ کریں گواہ کچہری میں گواہی دیں تو سچی دیں کسی کی مروت سے جھوٹی گواہی نہ دیں حاکم فیصلہ کریں تو حقی فیصلہ کریں کسی کی جھوٹی رعایت نہ کریں اگر مسلمان لڑ پڑیں تو لڑائی میں بھی بات انصاف کی کریں مخالف کو غلط الزام نہ لگائیں اپنے عیب کی جھوٹی تاویلیں نہ کریں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں انصاف کا دامن نہ چھوڑیں **لو کان** میں کان کا اسم وہ شخص ہے جس کے متعلق بات کہی گئی (مقول لہ) **ذاقربی مس قربی مصدر** ہے بمعنی قرابت داری یعنی تم جس کے متعلق گواہی یا فیصلہ یا فتویٰ دے رہے ہو وہ تمہارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو اور تمہارا وعظ فتویٰ فیصلہ اس کے خلاف ہو تو قرابتداری کا لحاظ کر کے غلط بات نہ بولو حق کہو **وبعهد الله اوفوا** عہد کے معنی اس کی قسمیں

وعدہ، عہد، میثاق میں فرق ہم تیسرے پارہ میں **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ **عہد اللہ** سے مراد یا تو وہ وعدہ ہے جو اللہ نے تم پر نافذ فرمایا یعنی اس کے احکام جو بذریعہ نبی تم کو ملے یا وہ عہد ہے جو تم نے اللہ سے کیا اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر یہ سب پورے کرو اللہ تعالیٰ وفاء عہد کی توفیق دے ہمارا تو وہ حال ہے جو ہم نے ان دو شعروں میں عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما جفا از تو وفا! اے رحیم از ما خطا از تو عطا

کار ما بدکاری و شرمندگی ! کار تو ستاری و بخشندگی

عہد اللہ کو اوفوا پر تقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی صرف اللہ کے عہد پورے کرو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کے عہد پورے نہ کرو اگر تم نے غلطی سے کسی سے ناجائز عہد کر لیا ہے تو فوراً توڑ دو کسی سے وعدہ کیا بلکہ قسم کھائی کہ اس کے ساتھ شراب پئیں گے چوری کریں گے یہ وعدہ توڑ دو قسم کا کفارہ دے دو۔ **فلکم وما کم بہ لعلکم تذکرون** اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ہو چکی **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ پانچوں چیزوں کی طرف ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ **تذکرون** بنا ہے **ذکر** سے بمعنی نصیحت ذکر کے دس معنی ہیں یہاں بمعنی نصیحت ہے **تذکر** نصیحت ماننا چونکہ پچھلی آیت کی پانچ باتیں وہ تھیں جن کے اہل عرب عادی ہو چکے تھے۔ شرک، قتل اولاد وغیرہ مگر شرع اور عقل دونوں کے خلاف تھیں اسی لئے وہاں **تعقلون** فرمایا اور اس آیت کریمہ کی پانچ باتیں وہ ہیں جن سے اہل عرب بھی بچتے تھے وہ لوگ یتیم کا مال کھانا ناپ تول میں کمی کرنا وغیرہ کو برا سمجھتے تھے اور بتوں کی پرستش وغیرہ پر فخر کرتے تھے اس لیے یہاں **تذکرون** فرمایا گیا۔

خلاصہء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں انسانوں کو دس گناہوں سے ممانعت فرمائی۔ جن میں گزشتہ آیت میں پانچ گناہ تو وہ تھے جنہیں اہل عرب گناہ سمجھتے ہی نہ تھے بلکہ انہیں اپنا کمال جان کر کرتے تھے اور فخریہ کرتے تھے "بت پرستی، قتل اولاد، زنا وغیرہ اس آیت کریمہ میں ان پانچ گناہوں سے منع فرمایا جنہیں کفار عرب بھی گناہ سمجھتے تھے مگر کر لیتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے لوگو اور یتیم بچوں بچیوں کے والیو یتیم کے مملوکہ مال کے قریب بھی نہ جاؤ اسے ہاتھ بھی نہ لگانا خواہ وہ مال اسے میراث میں ملا ہو یا اس نے خود کمایا ہو یا اسے کسی نے بطور بخشش دیا ہو بہر حال تم اسے استعمال نہ کرنا ہاں وہ استعمال جو یتیم کے لئے مفید ہو تم کر سکتے ہو۔ چنانچہ اس کا مال تجارت میں لگاؤ اس کی زمین میں کاشت کراؤ اس کی دکانوں مکانوں کو کرایہ پر اٹھا دو۔ غرضیکہ ہر مفید کام میں لگاؤ یہ کام تم ان کے بچپن ختم ہونے تک کرتے رہو۔ جب وہ عاقل بالغ ہو جائیں تو تم کو اس کا بھی اختیار نہیں اب ان کا مال انہیں حوالہ کر دو اور جب تم ناپنے تولنے لگو تو پیمانہ اور ترازو کو وزن درست کرو نہ باٹ کم و بیش ہوں نہ ترازو میں پاسنگ ہو نہ تم ڈنڈی مارو انصاف سے وزن و ناپ کرو لینے والا بھی زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اگر من دو من وزن میں دو چار تولہ کی کمی بیشی ہو جاوے، تمہارے بغیر ارادہ کے تو اس پر پکڑ نہ کی جاوے گی اور جب بھی بات کرو گواہی دو یا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو اس میں اپنے عزیز و قرابت دار کا بھی لحاظ نہ کرو۔ اللہ کے وعدے پورے کرو جو تم کو اس نے حکم دیئے ہیں ان پر عمل کرو جو تم نے اس سے وعدے کئے ہیں، نذر قسم وغیرہ کے ذریعہ۔ انہیں پورے کرو اور جو تم کسی سے اللہ کی ضمانت پر وعدہ کر لو وہ پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں کا تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم انہیں یاد رکھو بھول کر بھی ایسی حرکتیں نہ کرو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صرف نابالغ بچہ کو یتیم کہہ سکتے ہیں بالغ یتیم نہیں یہ فائدہ **حتی یبلغ الخ** سے حاصل ہوا کہ اس سے یتیمی کی انتہا معلوم ہوئی۔ **دوسرا فائدہ:** یتیم کا والی یتیم کے مال میں ہر وہ تصرف کر سکتا ہے۔ جس میں یتیم کا جانی یا مالی نفع ہو لہذا یتیم کی تعلیم اس کے نکاح وغیرہ پر جائز خرچ کر سکتا ہے اس کو نفع بخش کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ یہ فائدہ **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** یتیم کا والی یتیم کے مال میں ایسا کوئی تصرف نہیں کر سکتا جس میں یتیم کا نقصان ہو لہذا اس کا نکاح دھوم دھڑاکہ سے نہیں کر سکتا' اس کے مال سے اس کا ولیمہ نہیں کر سکتا۔ یتیمہ کو شاندار مگر غیر مفید جہیز نہیں دے سکتا یتیم کے ماں باپ کی فاتحہ 'تیجہ' دسواں وغیرہ یتیم کے مال سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو یہ کھانا سب کے لئے حرام ہو گا کھانے والے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھریں گے۔ رب فرماتا ہے **ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما " انما یاکلون فی بطونھم نارا "** اس کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرو یہ فائدہ بھی **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** یتیم کے مال میں نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ قربانی یتیم بچہ اپنے مال سے کسی کو صدقہ نفلی' خیرات' ہبہ نہیں دے سکتا اگر دے تو اسے قبول کرنا حرام ہے یہ فائدہ بھی **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کم ناپ تول کر کسی کو دینا یا تاجر سے جبراً" نیچا تلوانا حرام ہے اگر تاجر خود ہی کچھ نیچا تول دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے کہ زیادتی اس کی طرف سے ہدیہ ہے جو قبول کیا جا سکتا ہے یہ فائدہ **اوفوا الکیل الخ** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو اونٹ کی قیمت ادا فرمائی تو دینے والے وکیل سے فرمایا زن وارجح ان کی رقم تول دو کچھ نیچی تول دینا یہ عطیہ شاہانہ کرم خسروانہ ہے کہ فرمایا ارجح نیچی تول دو۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ بے پرواہ ہیں۔ سودا خریدتے وقت جبراً" بہت نیچا تلواتے ہیں خصوصاً" گوشت اور ترکاریاں بجائے نیچا تلوانے کے اس سے قیمت میں رعایت پہلے ہی کرا لو۔ **چھٹا فائدہ:** وزن و ناپ میں غیر محسوس سی زیادتی کمی جو قصداً" نہ ہو معاف ہے ہم نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ اگر وہ لوگ لفافہ میں شکر یا دال تول کر دیتے ہیں تو باٹ کی طرف بھی اس وزن کا خالی لفافہ رکھ لیتے ہیں تاکہ گاہک کو کاغذ بھر بھی سودا کم نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ پاکستانی تاجروں کو بھی اس دیانت داری کی توفیق دے۔ **ساتواں فائدہ:** سودے میں ملاوٹ کر کے فروخت کرنا حرام ہے کہ اس میں بھی گاہک کا حق مارا جاتا ہے مثلاً" اگر سیر دودھ میں چھٹانک پانی کی ملاوٹ ہے یا سیر دیسی گھی میں چھٹانک ولایتی گھی کی ملاوٹ ہے تو گاہک کو ایک چھٹانک دودھ و گھی کم پہنچا یہ بھی **اوفوا الکیل** کے خلاف ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** رشوت' لیکر یا کسی قرابت دار یا مالدار کی رعایت کر کے غلط فتویٰ دینا یا جھوٹی گواہی دینا یا غلط فیصلہ کرنا حرام ہے یہ فائدہ **واذا قلتم فاعدلوا** سے حاصل ہوا اس حکم عالی کی تفسیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی زندگی شریف ہے۔ جو وہ حضرات قیامت تک نہ مٹنے والی عملی تفسیر کر کے دکھا گئے یہ عدل و انصاف مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا جسے ہم کھو بیٹھے۔

عدل کیا تو اپنے پرائے دیکھا سب کو ایک نظر سے ۔۔۔ حق میں کسی کی بھی نہ رعایت صلی اللہ علیہ وسلم!!
اپنی بیٹی کے سر پر تھا ایک دوپٹہ وہ بھی شکستہ ۔۔۔ بانٹ رہے ہیں سب کو دولت صلی اللہ علیہ وسلم!!

نواں فائدہ: جس شخص سے اللہ کے نام کے ساتھ وعدہ کیا جاوے اس کا پورا کرنا اشد ضروری ہے خواہ اپنے شیخ سے عہد کرے یا کسی اور سے۔ اسی لئے نکاح کے وقت دولہا دولہن کو کلمے پڑھاتے ہیں بعد میں ایجاب و قبول کراتے ہیں کہ نکاح میں ان دونوں

سے ایک دوسرے کے متعلق عہد ہوتا ہے پانچوں کلمے پڑھا کر اس عہد کو عہد اللہ بنادیا جاتا ہے تاکہ دونوں ان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ نکاح کے یہ کلمے اس آیت سے لئے گئے ہیں **وبعهد الله اوفوا** دسواں فائدہ: بمقابلہ عبادات کے معاملات کا مسئلہ بہت اہم ہے عبادات درست کرلینا آسان ہیں مگر معاملات درست رکھنا بہت مشکل ہے اکثر لوگ اس میں فیل ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **ذالكم وصاكم** الخ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اس آیت میں پانچ معاملات کا ذکر فرما کر اسے وصیت اور تذکر فرما کر اس کی تاکید فرمائی۔ رب توفیق دے تو انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال کی ناپ تول برابر رکھے کہ جس درجہ کا گناہ ہو جاوے۔ اس درجہ کی نیکی بطور کفارہ کرے تاکہ گناہ کا پلہ وزنی نہ ہونے پائے دیکھو حضرت وحشی نے جناب حمزہ کو شہید کیا تو پھر مسلمان ہو جانے پر غزوہ یمامہ میں اسی نیزہ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا جناب ہندہ نے حضرت حمزہ کی میت کی اہانت کی تو اسلام لا چکنے کے بعد غزوہ یرموک میں سات لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا' ہر شخص دکاندار ہے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے اعمال کی ترازو درست رکھے۔ گیارھواں فائدہ: رب تعالیٰ کسی بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ احکام کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ فائدہ **لا نكلف** الخ سے حاصل ہوا دیکھو نماز میں اخلاص' خشوع' خضوع وغیرہ جو چیزیں قلبی واردات ہیں ہمارے قبضہ سے باہر ہیں وہ چیزیں نماز میں نہ فرض ہیں نہ واجب نہ سنت نہ شرعی مستحب یہ ہے۔ **لا نكلف نفسا** " الخ کا ظہور اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **صلوا كما رايتمونا صلى** تم نے جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسی نماز پڑھو یہ نہ فرمایا کہ **صلوا كما اصلى** جیسی نماز میں پڑھتا ہوں ویسی پڑھو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سا خشوع و خضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلبی ہم سے ناممکن ہے یاان سرکار کے ظاہری ارکان کی نقل ہم کرسکتے ہیں جو دیکھنے میں آتے ہیں۔ بھلا کرم تو دیکھو کہ غشی مدہوشی میں اگر منہ سے کفری بات نکلے تو اس پر پکڑ نہیں لیکن اگر اچھا لفظ نکلے تو اس پر ثواب ہے ہم سے بے خبری میں جو برا کام ہو جاوے تو پکڑ نہیں لیکن اگر بے خبری میں کوئی اچھا کام ہو جاوے تو اس پر ثواب ہے حتی کہ ہمارے باغ و کھیت جو چڑیاں کھا جاویں اس پر صدقہ کا ثواب ہے یہ ہے اس کا کرم۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں مال یتیم کی قید کیوں لگائی گئی کیا یتیموں کے علاوہ دوسروں کا مال مار لینا اسے ناجائز استعمال کرلینا جائز ہے۔ جواب: اس لئے کہ یتیم کا مال مارنا بہت ہی سخت اور خطرناک جرم ہے اولا" تو اس لئے کہ یتیم بے کس بے بس بے زور اور بے سہارا ہوتا ہے وہ کسی ظالم سے اپنا بدلہ نہیں لے سکتا وہ محض دوسروں کا منہ دیکھتا ہوتا ہے اس لئے اس پر ظلم کرنا بدترین جرم ہے دوسرے اس لئے کہ اگر یتیم ظالم کو معاف کردے تو معاف نہیں ہوتا کسی عاقل بالغ کا مال مار بعد میں اس نے معاف کردیا معاف ہو گیا مگر یہ تو کسی طرح معاف نہیں ہوتا۔ دوسرا اعتراض: تم نے **بالتى هى احسن** کے متعلق کہا کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ نہیں اس میں سے صدقہ نفل' ہدیہ' ہبہ کرنا حرام ہے تو یتیم کی زمین پیداوار پر خرج یا عشر کیوں واجب ہوتا ہے وہ بھی معاف ہونا چاہئے۔ جواب: اس لئے کہ خراج اور عشر نفلی عبادات نہیں بلکہ ٹیکس اور حقوق مالیہ ہیں' یتیم کے مال سے حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے۔ چنانچہ یتیم کی بیوی کو خرچہ اس کے مال سے دیا جاوے گا اس کے معلم کو تنخواہ' اس کے ہاں کام کرنے والے مزدوروں کی اجرت اس کے مال سے ادا کی جاوے گی۔ صدقہ اور حقوق میں بڑا فرق ہے۔ تیسرا اعتراض: **لا تقربوا** کے بعد فرمایا گیا **حتى يبلغ اشده** جس سے معلوم ہوا کہ یتیم کا مال اس کی نابالغی کے زمانہ میں مارنا' ناجائز طور پر کھانا حرام ہے مگر جب وہ بالغ ہو جاوے تو خوب کھاؤ اڑاؤ کیونکہ حتیٰ انتہا کے لئے آتا ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر

معلوم ہو گیا کہ یہاں حتی یبلغ لا تقربوا کی انتہاء بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک پوشیدہ فعل کی۔ یعنی اس کے مال کی تم حفاظت کرو اسے نہ دو کہ وہ برباد کر دے گا حتی کہ وہ اپنے بلوغ کو پہنچ جاوے۔ جب عاقل بالغ ہو جاوے تو اس کے حوالہ کر دو لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں حکم دیا گیا کہ اللہ کا عہد پورا کرو تو کیا لوگوں کے عہد و پیمان پورے نہ کئے جاویں کیا وہاں وعدہ خلافیوں عہد توڑ دینے کی اجازت ہے۔ بعهد الله کو اوفوا پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی صرف اللہ کا عہد پورا کرو۔ **جواب:** عہد اللہ کی تین تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ تیسری تفسیر یہ تھی کہ لوگوں سے جو الٰہی عہد کئے ہوں۔ وہ پورے کرے الٰہی عہد وہ ہیں جو حکم الٰہی کے خلاف نہ ہوں لہذا ناجائز وعدے حرام کاموں کے عہد حتی کہ حرام کاموں کی قسم ہرگز ہرگز پوری نہ کی جاوے ایسے عہد ایسی قسمیں توڑ دینا واجب ہیں۔ چوری' زنا' قتل کا عہد کر لیا یا ان جرموں پر قسم کھا لی کہ ضرور کروں گا تو انہیں ہرگز پورا نہ کرے۔ **پانچواں اعتراض:** پچھلی آیت کریمہ کو ختم فرمایا گیا لعلکم تعقلون اور اس آیت کریمہ کو ختم فرمایا گیا لعلکم تذکرون پر اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** پچھلی آیت کریمہ میں عقائد اور اخلاقیات کی وہ باتیں بیان فرمائی گئیں جو بہت ہی بری تھیں مگر کفار عرب اپنے بے عقلی سے انہیں اچھا سمجھ کر کرتے تھے جیسے شرک اور اولاد کا قتل اس لئے فرمایا تم بے عقل کیوں ہو گئے ہو عقل کے ناخن لو ان عیوب سے توبہ کرو۔ اس آیت کریمہ میں معاملات کی وہ بے قاعدگیاں ذکر فرمائی گئیں جنہیں کفار عرب بھی برا سمجھتے تھے مگر کبھی بھولے بھٹکے کر لیتے تھے لہذا ارشاد ہوا کہ یہ باتیں یاد رکھو انہیں نادانستہ طور پر بھی نہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: ہماری روح گویا پردیسی یتیم ہے اس کا مال وہ فطرت سلیمہ اور ایمان ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی' عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں کہ اے انسان اس یتیم کے مال یعنی اپنی فطرت کو نہ بگاڑ ایمان پر قائم رہ اس میں کمال پیدا کر اسے ترقی دے تو وہاں سے مومن آیا ہے یہاں سے عارف نمازی غازی حاجی بن کر جا اس ایمان کی اس وقت تک حفاظت کر جب تک کہ روح اپنی اشد بلوغ کو پہنچ جاوے کہ اسے موت آجاوے' موت تک ایمان سنبھال اپنی زبان کا وزن اپنے اعمال کا پیمانہ پورا رکھ ہلکی بات منہ سے نہ نکال ہلکے اعمال نہ کر اپنی زبان کی میزان درست رکھ اعمال کا پیمانہ ٹھیک رکھ جب بات کر تو عدل و انصاف کی کہ اگرچہ وہ بات تیرے نفس امارہ کے خلاف ہو۔ رب نے تجھے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے تو انصاف یہ ہے کہ تو بھی ہر طرح اس کی اطاعت کر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار | شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری!

یثاق کے دن کچھ وعدے تجھ سے رب نے کئے تھے وہ اس نے سارے پورے فرما دیئے کچھ وعدے تو نے رب سے کئے تھے اللہ کے بندے تو بھی اپنے وعدے پورے کر۔ رزق کا وعدہ رب نے تجھ سے کیا تھا اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ تو نے رب سے کیا تھا وبعهد الله اوفوا اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ تمہارے وعدے تم کو یاد دلا رہا ہے تاکہ تم یاد رکھو بھول نہ جاؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کے سارے احکام برحق اور قابل عمل ہیں مگر قرآن مجید میں تین حکم تو بے مثال ہیں اور انہیں بے مثال طریقہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور پر درود کا حکم کہ اس کے متعلق فرمایا کہ ہم

بھی نبی پر درود بھیجتے ہیں ہمارے فرشتے بھی' مومنو تم بھی بھیجو کیسا بے مثال طریقہ بیان ہے۔ دوسرے اللہ کا ذکر کہ فرمایا **فاذ کرونی اذکرکم** تم ہمیں یاد کرو ہم تمہیں یاد کریں گے۔ دیگر عبادات کو اس طرح بیان نہ فرمایا' تیسرے حلال روزی کھانا حرام سے بچنا کہ اس کے لئے ایک جگہ فرمایا **یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا**" وہاں نبیوں کو خطاب فرما کر یہ حکم دیا دوسری جگہ فرمایا **یا ایھا الذین امنوا کلوا من الطیبات ما رزقنکم** وہی الفاظ وہی طریقہ ادا ہے جو رسولوں کے لئے تھا حرام روزیوں میں بدتر حرام یتیم کا مال ظلماً" کھانا ہے بالغ کا مال ظلماً" کھالیا اس نے معاف کر دیا تو حلال ہو جاتا ہے مگر یتیم کا مال ایسا خطرناک ہے کہ وہ یتیم یا ولی کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
اور تحقیق یہ میرا راستہ ہے سیدھا پس پیروی کرو اس کی اور نہ پیروی کرو راستوں کی ورنہ الگ کردیں گی
اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کردیں
بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى
وہ تم کو اس کی راہ سے یہ چیزیں ہیں کہ وصیت کی تم کو ان کی تاکہ تم پرہیزگار ہو پھر دی ہم نے موسیٰ کو
گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب
الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
کتاب پورا کرنے کے لئے اوپر اس کے جو بھلائی کرے اور تفصیل کرنے کے لئے ہر چیز کی اور رہبری اور رحمت
عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نیکوکار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت
لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
تاکہ وہ ملنے پر اپنے رب سے ایمان قبول کریں۔
کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق : پچھلی دو آیتوں میں عقائد' اخلاق' معاملات' ملکی انتظامات وغیرہ کا تاکیدی حکم دیا گیا اب ان کی اہمیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ یہ چیزیں خدا رسی کا راستہ ہیں تم انہیں اختیار کرکے اپنے رب سے مل سکو گے تاکہ لوگ رب کی ملاقات کے شوق میں بڑے ذوق کے ساتھ انہیں قبول کریں۔ دوسرا تعلق : پچھلی آیات میں وہ چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں۔ جنہیں اختیار کرکے ہمارے گھر' ہمارے ملک' ہمارے خاندان درست ہو جاویں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان چیزوں سے صرف دنیا ہی نہیں سنبھلے گی بلکہ تمہاری آخرت بھی ٹھیک ہو جاوے گی کہ تم ان سے متقی پرہیزگار بن جاؤ گے۔ تیسرا تعلق : پچھلی آیات میں وہ باتیں ہم کو بتائی گئیں جن سے ہماری دین و دنیا درست ہو

جاویں اب ارشاد ہے کہ یہ احکام صرف تم پر ہی جاری نہیں بلکہ تم سے پہلے بھی امتوں پر جاری تھے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو جو توریت دی گئی اس میں یہ احکام موجود تھے۔ لہٰذا تم قیامت میں ان قوموں سے اچھے اور افضل بن کر آنا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں گزشتہ دس احکام کے دو فائدے بیان ہوئے تھے عقل کا حاصل ہونا **لعلکم تعقلون** اور نصیحت کا میسر ہونا۔ اب ان ہی احکام کا تیسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ان چیزوں کا سیدھا راستہ ہونا جن پر چل کر بندہ اللہ و رسول تک پہنچ جاتا ہے۔

تفسیر: **وان هذا صراطی مستقیما** " اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں آسان ترکیبیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ عبارت معطوف ہے **لعلکم تذکرون** پر اور ان سے پہلے لام پوشیدہ یعنی ان احکام پر عمل کرو اس لئے کہ تم کو نصیحت ہو اور اس لئے کہ یہ سیدھا راستہ ہے دوسرے یہ کہ یہ عبارت معطوف ہے **ما حرم ربکم علیکم** پر اور اتل کا مفعول ہے یعنی آؤ میں تم پر یہ بھی تلاوت کروں کہ رب نے کونسی چیزیں حرام کیں اور یہ بھی تلاوت کروں کہ یہ راستہ سیدھا ہے ان دونوں صورتوں میں **ان** کا فتحہ بالکل ظاہر ہے بعض قراتوں میں **ان** الف کے کسرہ سے ہے تب یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے چونکہ اس آیت کے مضمون کے منکرین بہت تھے اور رہیں اور رہیں گے اس لئے اسے **ان** تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ **هذا** سے اشارہ یا تو مذکورہ دس حکموں کی طرف ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تعلیم کی طرف یا قرآن مجید کی طرف یا اس کے سارے احکام یا اسلام کی طرف **صراطی** میں **ی** متکلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مجھ تک پہنچنے کا راستہ ہے یا میرا قائم فرمایا ہوا راستہ ہے یا مجھے بتایا ہوا راستہ ہے۔ جیسے اردو میں راستہ عام ہے۔ جو ہر قسم کے راستہ پر بولا جاتا ہے مگر سڑک، جرنیلی سڑک، گلی پگڈنڈی خاص راستوں کو کہا جاتا ہے یوں ہی عربی میں سبیل، طریق، صراط، شرعہ اور منہاج میں فرق ہے چونکہ اسلام وہ راستہ ہے۔ جو بتایا اللہ نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس پر چلے ہم لوگ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی مسلمانوں کی طرف نسبت کیا جاتا ہے یہاں اس کی نسبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور **صراط الذین انعمت علیهم** میں مومنین صالحین کی طرف اور صراط ربک میں رب تعالیٰ کی طرف کی گئی۔ **مستقیم** وہ چھوٹا اور سیدھا راستہ ہے۔ جو بغیر ہیر پھیر کے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچا دے۔ صراط اور مستقیم کے معنی، سبیل، طریق اور صراط کے فرق ہم سورۂ فاتحہ میں **اهدنا الصراط المستقیم** میں عرض کر چکے ہیں یعنی یہ مذکورہ احکام یا یہ قرآن یا دین اسلام مجھے بتایا ہوا یا میرا مقرر فرمایا ہوا یا میرا چلا ہوا سیدھا راستہ ہے یا رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے مذکورہ بالا دس احکام کے بیان کے اس فرمان عالی میں ادھر اشارہ ہے کہ ان مذکورہ بالا احکام پر عمل کرنا جب ہی خدا تک پہنچائے گا جب ان پر اس لئے عمل کیا جاوے کہ یہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ہیں اگر کوئی شخص ان دسوں احکام پر عمل کرے مگر عقلی طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہ ہو تو وہ رب تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ جو خدا کو مانے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر وہ نہ مومن ہو نہ رب تک پہنچے۔ رب تک پہنچنے کا ایک اور صرف ایک راستہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی **فاتبعوہ** یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے یعنی چونکہ یہ راستہ سیدھا ہے لہٰذا اس کی اتباع کرو۔ اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلنا مگر جب اس کا مفعول ملت یا راستہ یا سنت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس پر عمل کرنا یا چلنا یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں اور **فاتبعونی** میں پہلے معنی مراد۔ **ولا تتبعوا السبل** یہ عبارت معطوف ہے **فاتبعوہ** پر سبل جمع ہے سبیل کی بمعنی مطلقاً راستہ گلی ہو یا سڑک ان راستوں سے مراد یا تو کفر و شرک ہیں یا منسوخ دین جیسے یہودیت و نصرانیت یا وہ

گمراہیاں، بری بدعتیں، شبہات جو اسلام میں پیدا کرلی جائیں (روح المعانی) **فتفرق بکم عن سبیلہ** یہ عبارت **لا تتبعوا** پر مرتب ہے۔ جس میں ان دوسرے راستوں پر چلنے کا انجام بتایا گیا چونکہ یہ ف نہی کے جواب میں ہے اس لئے اس کے بعد ان پوشیدہ ہے اس وجہ سے تفرق کو فتحہ ہوا تفرق اصل میں تتفرق ہے باب تفعل کا مضارع **بکم** میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے جن سے **فاتبعوہ** اور **لا تتبعوا السبل** میں تھا **سبیلہ** سے مراد وہی دین اسلام ہے۔ جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے چونکہ اسلام رب تک پہنچنے کا راستہ بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا یا چلا ہوا راستہ بھی اس لئے پہلے اسے صراطی فرمایا یہاں سبیلہ فرمایا یعنی ورنہ تم کو وہ مختلف راستے خدا کے راستے خدا رسی کے طریق سے الگ کردیں گے یہاں تفرق بمعنی علیحدہ کردینا ہے **ذالکم وصاکم بہ۔ ذالکم** سے اشارہ یا تو گزشتہ دس حکموں اور اس گیارھویں حکم کی طرف ہے **فاتبعوہ** یا اسی گیارھویں حکم کی طرف چونکہ دین اسلام کی اتباع کرنا دوسرے دینوں سے بچنا بڑا ہی ضروری ہے اس لئے اس کے لئے علیحدہ **وصاکم** ارشاد ہوا یہ تیسری جگہ ہے جہاں وصاکم فرمایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو دین اسلام پر استقامت دوسرے دینوں سے بچنے کا بہت تاکیدی حکم دیا ہے۔ **لعلکم تتقون** چونکہ اسلام کی پیروی دوسرے دینوں سے پرہیز تمام شرعی احکام کی جامع ہے جس میں اللہ رسول کے سارے حکموں پر عمل ہو جاتا ہے اور ساری ممانعتوں سے بچا جاتا ہے اس لئے یہاں **تتقون** ارشاد ہوا اتقاء کے معنی ہیں پرہیزگار بن جانا یا دوزخ سے بچ جانا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ یا تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ اس فرمان عالی کے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ تمہارے ان احکام پر عمل کرنے میں نہ تو ہمارا بھلا ہے کہ ہم بے نیاز ہیں نہ ہمارے نبی کا بھلا کہ وہ صرف ہمارے نیازمند ہیں مخلوق سے بے نیاز ہیں سورج سے کوئی نور نہ لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا دوسرے یہ کہ ان اعمال سے تقویٰ پرہیزگاری تم کو ملے گی ہمارے محبوب تو متقی اول ہی سے ہیں قرآن تمہارے لئے ہدایت ہے نہ کہ ان کے لئے تم دنیا میں تقویٰ لینے آئے ہو وہ تقویٰ دینے آئے اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ تاکہ تم متقی ہو یعنی تمہارے یہ اعمال اپنے نام نمود یا شہرت کے لئے نہ ہوں بلکہ تقویٰ حاصل کرنے رب کی رضا کے لئے ہو۔ شہرت کے لئے جو کام کئے جائیں اس سے بدنامی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا چھپ کر جو نیکی کی جائے اسے اللہ تعالیٰ خود دنیا میں مشہور کردیتا ہے دوسرے یہ کہ شاید تم متقی بن جاؤ یعنی نیک کام کرکے اپنے تقوے پر یقین نہ کرو بلکہ اللہ سے امید رکھو، خاتمہ کا اعتبار ہے ابلیس کی مثال سامنے ہے۔ **ثم اتینا موسی الکتب** یہاں ثم واقعہ کی تاخیر کے لئے نہیں بلکہ خبر دینے کی تاخیر کے لئے ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے **ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم** یہ عبارت یا تو معطوف ہے **ذالکم وصاکم بہ** پر یا پوشیدہ **فعل فعلنا ذالک** پر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف یک دم عطا فرمائی گئی تھی۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو توریت اس طرح ملی کہ آپ بھی طور پر تھے اور توریت بھی طور پر آپ کے لئے آسمان سے نازل نہ ہوئی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کو آسمان سے اتارا اس لئے قرآن کے متعلق نزلنا یا انزلنا ارشاد ہوتا ہے اس وجہ سے **اتینا** ارشاد ہوا **الکتاب** سے مراد توریت شریف ہے موسیٰ علیہ السلام کو صحیفے بھی عطا ہوئے تھے اور کتاب توریت بھی۔ رب فرماتا ہے۔ **صحف ابراہیم و موسی** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ثم بمعنی واؤ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو مذکورہ چیزوں کی وصیت کی پھر سنو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی جس میں یہ مذکورہ احکام تھے یہ احکام بڑے پرانے ہیں صرف تم پر ہی نہیں جاری ہوئے تم سے پچھلی امتوں پر بھی جاری تھے۔ خیال رہے کہ عطا توریت اور نزول قرآن میں بہت طرح فرق

ہے ایک یہ کہ توریت لکھی ہوئی ملی اور قرآن پڑھا ہوا اس لئے اسے قرآن کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ توریت ایک دم عطا ہوئی قرآن آہستہ آہستہ تیئس سال میں تاکہ سلسلہ کلام قائم رہے۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلکہ بازار وغیرہ میں قرآن آیا۔ چوتھے یہ کہ توریت کے لئے کوئی شان نزول نہ تھا قرآنی آیات کے لئے صحابہ کرام کے واقعات شان نزول ہیں تاکہ صحابہ کرام کی عظمت تاقیامت قائم رہے۔ پانچواں یہ کہ جامع قرآن صحابہ کرام مقرر ہوئے توریت کا جامع کوئی اسرائیلی نہ ہوا۔ اب اس کے بعد توریت شریف کی چار صفتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی صفت یہ کہ **تماما علی الذی احسن** اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں آسان ترکیب ہے یہ کہ **تماما اتینا** کا مفعول لہ ہے اتمام کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے **اتممنا** کا مفعول مطلق ہو اتمام یا تمام کے معنی ہیں پورا کرنا اتمام اور اکمال کا نفیس فرق ہم **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ ذاتی پورا ہونے کو کمال کہا جاتا ہے اور صفاتی پورا ہونے کو تمام کہتے ہیں **الذی** سے مراد بنی اسرائیل کے مومنین' اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سب ہی ہیں کیونکہ توریت شریف پر بہت سے نبیوں نے بھی عمل کیا ہے اور اولیاء اللہ کا تو شمار نہیں احسان سے مراد ہے توریت کا حق ادا کرنا اس پر عمل کرنا یا مطلقاً نیکیاں کرنا یا ایمان لانا چونکہ کتاب اللہ سے فائدہ صرف اہل ایمان ہی اٹھایا کرتے ہیں اس لئے یہ ارشاد ہوا' جیسے قرآن کریم کے متعلق فرمایا گیا **ھدی للمتقین** یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی نیک کاروں مومنوں پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے' توریت کی دوسری صفت یہ ہے **وتفصیلا لکل شئی** یہ عبارت معطوف ہے تماما پر اور آیت کا مفعول لہ تفصیل کے لفظی معنی ہیں جدا کرنا اصطلاح میں مکمل بیان کرنے کو تفصیل کہا جاتا ہے۔ اجمال کا مقابل یہاں یہی معنی مراد ہیں کل شئی سے مراد ہے احکام شرعیہ اور علوم غیبیہ پورے کے پورے یعنی توریت شریف عطا فرمائی ساری دینی و دنیاوی غائب و حاضر چیزوں کی تفصیل بیان کرنے کے لئے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب توریت ملی تو اس میں شرعی احکام کا بھی مفصل بیان تھا اور باقی ساری چیزوں کا بھی مفصل بیان مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑا پرست یہودیوں پر غصہ فرماتے ہوئے وہ تختیاں ڈال دیں تو اس میں شرعی احکام تو باقی رہ گئے مگر باقی چیزوں کی تفصیل باقی نہ رہی اس کا بہت حصہ رب نے اٹھالیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختھا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون۔** جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے توریت کی تختیاں اٹھالیں اس وقت اس کے نسخہ میں ہدایت اور رحمت تھی دیکھو اب تفصیلا" لکل شئی نہ رہی قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا کہ **نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** قرآن مجید میں ہر دینی و دنیاوی چیز کا تفصیلی بیان تھا بھی اور رہا بھی غرضیکہ وقت عطا اور ہے وقت بقا کا حال اور قرآن کی عطا اور بقا یکساں ہے مگر توریت کی عطا کا حال اور ہے بقاء کا حال اور جیسے ہمارے اسلام کی نمازیں عطا ہوئیں پچاس باقی رہیں پانچ نمازوں کی عطا و بقاء میں فرق ہے اس فرق میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ توریت میں ہر دینی مسئلہ کا تفصیلی بیان تو تھا مگر بعض کا صراحۃ" اور بعض کا اشارۃ" اشارہ والے احکام مجتہدین کے اجتہاد سے معلوم ہوتے تھے۔ لہٰذا اس دین میں علماء مجتہدین تھے۔ جیسے قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے (تفصیل کل شئی) مگر اسلام میں اجتہاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجتہاد کیا صحابہ کرام نے بھی اور دین کے اماموں نے بھی یہ دو باتیں خیال رکھی جائیں توریت شریف کی تیسری اور چوتھی صفت یہ تھی **وھدی و رحمۃ** ہدایت سے مراد ہے بدعقیدگیوں سے ہدایت اور رحمۃ سے مراد ہے عذاب الٰہی سے امان یا ہدی سے مراد ہے شریعت کی ہدایت رحمت

سے مراد ہے طریقت کے مسائل قریباً" ساری عبادات میں شریعت بھی ہوتی ہے طریقت بھی' جو ارکان جسم سے ادا ہوں وہ شریعت ہیں جو دل سے ادا ہوں وہ طریقت ہیں' شرعی ارکان سے عبادت جائز ہوتی ہے طریقت کے ارکان سے عبادت قبول ہوتی ہے' قیام رکوع' سجدہ وغیرہ نماز کے شرعی ارکان میں دل لگنا' اخلاص ہونا اور اس طرح نماز پڑھنا کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا اس کو دیکھ رہا ہے یہ طریقت والے ارکان ہیں یہی حال ہے ساری عبادات زکوۃ' روزہ حج' جہاد وغیرہ کا' توریت میں یہ دونوں قسم کے احکام تھے یا ہدایت سے مراد ہے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات و صفات کا ذکر ان پر ایمان لانے کی ہدایت رحمت سے مراد ہے اس پر ثواب کا وعدہ اس کے اور بھی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ہدایت کے معنی اور اس کی قسمیں' قسموں کے احکام هدی للمتقین کی تفسیر میں بیان کر چکے لعلهم بلقاء ربهم يؤمنون اس عبارت میں توریت دینے کی حکمت کا ذکر ہے لعلهم میں هم غیر الذی احسن کی طرف نہیں لوٹتی ہے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں بلکہ باقی بنی اسرائیل کی طرف جن کا علم اس واقعہ کے بیان سے ہو گیا۔ لقاء رب سے مراد ہے قیامت میں اٹھنا یعنی توریت ہم نے اس لئے اتاری اور توریت میں یہ خوبیاں اس لئے رکھیں کہ سرکش اسرائیلی قیامت کو مان لیں اس جگہ تفسیر روح المعانی نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت مجاہد سے روایت کی جب موسیٰ علیہ السلام نے توریت کی تختیاں گرا دیں تو اس میں ہدایت و رحمت تو رہ گئی تفصیل کل شئی جاتی رہی الحمد للہ کہ ہمارے گزشتہ بیان کی تائید ہو گئی۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو! یقین کرو کہ یہ مذکورہ احکام یا قرآن یا اسلام میرا قائم کیا ہوا سیدھا راستہ ہے۔ جس پر چل کر انسان رب تک پہنچتا ہے اب صرف اسی راہ کی اتباع کرو صرف اسی پر چلو اب اسلام کے سواء اور رستوں' دینوں کو اختیار نہ کرو خواہ وہ کفر و شرک ہوں یا منسوخ شدہ آسمانی دین ورنہ رب کے راستے سے تم کو یہ راستے پھیر دیں گے تم رب تک نہ پہنچ سکو گے سورج کے طلوع ہو جانے پر چراغوں سے نور نہ لو اب یہ نور سورج ہی میں ہے چراغ بے نور ہو چکے اللہ تعالیٰ تم کو صرف اسلام اختیار کرنے کا تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم متقی بنو اب تقویٰ طہارت' خدا رسی' ہدایت' صرف اور صرف اسلام میں ہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو چند خط کھینچ کر دکھائے جن میں سے ایک سیدھا تھا' باقی ٹیڑھے' فرمایا یہ سیدھا خط اسلام ہے باقی ٹیڑھے خطوط دوسرے دین ہیں' تم اسی سیدھے خط پر چل کر ہی رب تک پہنچ سکتے ہو پھر یہی آیت تلاوت فرمائی وان هذا صراطی مستقیما اے لوگو پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے تم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا فرمائی تھی چار نعمتوں کے لئے مومنین' صالحین' اولیاء' انبیاء' کرام پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے کہ توریت سے پہلے جو صحیفے دنیا میں آئے ان میں عقائد عبادات اور کچھ اخلاقیات ہی تھے توریت وہ پہلی کتاب تھی جس میں اس وقت کے لحاظ سے ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ آپس کے معاملات' سیاست اور شرعی سزائیں وغیرہ نظام حیات مکمل تھا۔ اس لئے وہ تمام علی الذی احسن تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب شریعت نبی تھے۔ ہر دین دنیاوی چیز کا تفصیلی بیان کرنے کے لئے گمراہی سے بچانے سیدھی راہ پر لگنے کے لئے رحمت یعنی عذاب سے امان دینے کے لئے تاکہ وہ اس کتاب پر عمل کر کے ہمارے عذاب سے بچے رہیں یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ سارے بنی اسرائیل قیامت پر ایمان لائیں نیک بن جائیں۔

فائدے : اس آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عقائد کی درستی۔ عبادات کی ادائیگی۔ معاملات کی صفائی، حقوق ادا کرنا سیدھا راستہ ہے جو ان تینوں چیزوں میں سے کسی میں کوتاہی کرے وہ سیدھے راستہ پر نہیں عبادات اور معاملات اور دو بازوؤں کی طرح ہیں جن میں سے ایک کے بغیر روحانی پرواز نا ممکن ہے یہ فائدہ گزشتہ احکام بیان فرمانے کے بعد **ہذا صراطی مستقیما** فرمانے سے حاصل ہوا۔ آج ہم لوگ صرف زبان کے متقی رہ گئے ہیں عمل میں صفر ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ہر آسمانی دین اپنے اپنے وقت میں ہدایت بھی تھے اور خدا رسی کا ذریعہ بھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور اور اسلام کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے کوئی نہ ہدایت رہا نہ خدا رسی کا ذریعہ اب ہدایت صرف اسلام میں ہے یہ فائدہ **ولا تتبعوا السبل** سے حاصل ہوا کہ سبل سے مراد سارے راستے ہیں سوائے اسلام کے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین** اور فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** **تیسرا فائدہ:** اب توریت و انجیل وغیرہ پر عمل گمراہی ہے اور رب تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ جیسے بچہ کے لئے شیر خوارگی کے زمانہ میں ماں کا دودھ زندگی کا ذریعہ ہے بڑے ہو جانے پر وہی دودھ ہلاکت کا ذریعہ ہے اب روٹی وغیرہ کھانا پڑے گی۔ یہ فائدہ **فتفرق بکم عن سبیلہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** زندگی کامل وہ جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں گزرے موت وہ کامل ہے جو ایمان پر آئے، تقویٰ زندگی کا اصل مقصود ہے۔ یہ فائدہ **لعلکم تتقون** سے حاصل ہوا۔

آدمی ہست از برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

پانچواں فائدہ: قرآن مجید کے بعد درجہ توریت شریف کا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب ہے جیسے قرآن مجید آخری کتاب۔ یہ فائدہ **ثم اتینا موسی الکتاب** سے حاصل ہوا حتی کہ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کا۔ دیکھو ہماری کتاب مرآت شرح مشکوۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چھٹا فائدہ:** انبیاء کرام اور آسمانی کتابیں اگرچہ سب کے لئے رحمت ہیں مگر ان سے فائدہ خوش نصیب لوگ ہی اٹھاتے ہیں جو ان پر ایمان لائیں جیسے سورج اگرچہ سب کے لئے رحمت ہے مگر چمگادڑ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یہ فائدہ **تماما علی الذی احسن** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے **ھدی للمتقین** **ساتواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام مولویوں کی طرح صرف دینی مسائل ہی سے واقف نہیں ہوتے اور آسمانی کتابیں فقہ کی کتابوں کی طرح صرف دینی مسائل ہی کی حامل نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو غیبی علوم پر مطلع کرتا ہے اور آسمانی کتابیں دینی و دنیاوی علوم پر حاوی ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **وتفصیلا لکل شئی** سے حاصل ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا تھا کہ مجھے مصری خزانوں کا منتظم مقرر کرو **انی حفیظ علیم** میں ملک رانی خزانوں کی حفاظت زراعتی اصلاحات، تمام دنیا کو رزق پہنچانا کسی کو بھوکے مرنے نہ دینا یہ سب کچھ خوب جانتا ہوں بتاؤ یہ کونسے شرعی مسئلے ہیں جن کا یوسف علیہ السلام کو علیم و خبیر بنایا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کھاتے کیا ہو بچاتے کیا ہو یہ ہیں علوم انبیاء، خیال رہے کہ مختلف نبیوں کو مختلف معجزات عطا کئے گئے مگر علم غیب وہ معجزہ ہے جو ہر نبی کو ان کے مرتبے کے مطابق عطا فرمایا گیا حتی کہ آدم علیہ السلام جو پہلے نبی پہلے انسان ہیں ان کے متعلق ارشاد ہوا **وعلم ادم الاسماء کلھا** موسیٰ علیہ السلام

چونکہ بڑے پائے کے نبی ہیں اس لئے انہیں کتاب وہ دی گئی جو بوقت عطا **تفصیلا لکل شئی** تھی۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کو ہدایت دینا ہے ایمان عطا فرمانا اس کے سوا اور فائدے اس کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ **لعلھم بلقاء ربھم یومنون** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن مجید قانون بھی ہے شفا بھی مگر اس کے متعلق ارشاد ہوا **ھدی للمتقین** معلوم ہوا کہ ہدایت اس کا اصل مقصد ہے غور کرو کہ رب نے آنکھ دیکھنے کو دی ہے مگر اس سے روتے بھی ہیں اشارے بھی کرتے ہیں سرمہ لگا کر زینت بھی اس لئے خوشی و غصہ کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر اس کا اصل مقصد دیکھنا ہے عصاء موسوی دشمن کے مقابل سانپ ہوتا تھا آپ کے لئے رات میں بیٹری کنوئیں میں رسی وغیرہ۔

پہلا اعتراض: نحوی قاعدہ سے **وان ھذا صراطی** میں ان الف کے کسرہ سے آنا چاہئے کیونکہ یہ شروع کلام میں ہے یہاں الف کے فتحہ سے کیوں آیا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ عبارت معطوف ہے **لعلکم تتقون** پر اور اس سے پہلے لام پوشیدہ ہے اصل میں **لان ھذا** تھا اور جس قراۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اتباع تو کسی انسان کی ہوسکتی ہے نہ کہ کسی راستہ کی کیونکہ اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا کسی کے نقش قدم پر پھر یہاں **فاتبعوہ** کیوں فرمایا گیا۔ دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **فاتبعونی** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع چاہئے۔ **جواب:** اگر اتباع کا مفعول کوئی انسان ہو تو اس کے معنی وہ ہوتے ہیں جو تم نے کہے یعنی پیچھے چلنا نقش قدم پر چلنا اور اگر اس کا مفعول ملت یا کتاب یا راستہ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس پر چلنا اسے اختیار کرنا یوں سمجھو کہ اس کے معنی ہیں پیروی کرنا۔ پیروی انسان کی بھی ہوسکتی ہے اور راستہ کی بھی مگر معنی وہ ہوں گے جو ہم نے عرض کئے۔ **تیسرا اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف قرآن مجید سے بہت پہلے مل چکی تھی تو یہاں اسے **ثم** سے کیوں بیان فرمایا۔ **جواب:** یہاں **ثم** صرف ذکر کی فراخی کے لئے ہے یعنی جب تم یہ قرآنی احکام سن چکے تو یہ بھی سنو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی جس کی مثال ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** جب توریت شریف میں ہر چیز کی تفصیل بھی تھی ہدایت بھی رحمت بھی تو اب اس کو ماننا اس پر عمل کرنا ممنوع کیوں ہو گیا اب بھی جو توریت پر عمل کرے ہدایت پر ہونا چاہئے جو چیز ہدایت و رحمت ہے وہ ہر زمانہ میں ہدایت ہے۔ **جواب:** توریت شریف بلکہ ساری آسمانی کتابوں میں دو طرح کی ہدایت تھی اور ہے ایک ہدایت ایمان دوسرے ہدایت اعمال۔ ان سب کی ہدایت ایمان اب بھی باقی اور تاقیامت باقی رہے گی تمام کتابوں نے یہ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اپنی صفات سے موصوف ہے۔ فرشتے قیامت وغیرہ برحق ہیں رہی ہدایت اعمال وہ ان میں وقتی تھی وہ وقت گزر گیا ان کی ہدایت بھی ختم ہو گئی بلکہ گمراہی میں تبدیل ہو گئی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بہن سے نکاح کرنا ہدایت تھا مگر وہ دور گزر جانے پر یہ عمل حرام اس کو حلال جاننا کفر ہو گیا یونہی ان کتابوں کا رحمت ہونا وقتی تھی وہ بھی بنی اسرائیل کے لئے وہ وقت گزر گیا ان کی رحمت ختم ہو گئی۔ چراغ کی روشنی سورج نکل آنے پر ختم ہو جاتی ہے کھیت تک جانے پر بارش نقصان دیتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لینے کہیں نہیں گئے۔ مگر حدیث پاک میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ بقرہ کا آخری رکوع معراج میں قاب قوسین پر دیا گیا لہذا یہ رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر جا کر لائے جیسے موسیٰ علیہ السلام توریت طور پر جا کر لائے تو تمہارا یہ کلام کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں یہ رکوع لینے نہ گئے تھے بلکہ رب کا دیدار کرنے گئے

تھے یہ رکوع تو بطور تحفہ عطا فرمایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے جیسے وزیر کو بادشاہ سے ملنے کے لئے بلایا جائے۔ آنے پر کوئی تحفہ بھی دیا جائے اس لئے پھر اس رکوع کا نزول بھی ہوا اور یہ رکوع مدنی کہلایا۔ موسیٰ علیہ السلام تو صرف توریت لینے ہی طور پر گئے تھے۔ **چھٹا اعتراض:** جب توریت شریف ہر چیز کی تفصیل تھی تو چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن بھی تفصیل ہر چیز کی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی توریت بھی۔ **جواب:** ہرگز نہیں توریت اولاً ہر چیز کی تفصیل تھی۔ مگر وہ تفصیل باقی نہ رہی اور موسیٰ علیہ السلام کو وہ تفصیل بتائی سکھائی نہ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن ہر چیز کی تفصیل تھا بھی اور رہا بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قرآن مجید سکھا بھی دیا گیا۔ **الرحمن علم القران** اور فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم** وغیرہ اس کی بحث ابھی تفسیر میں گزری اور اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول دیکھو۔ **ساتواں اعتراض:** **تماما** سے معلوم ہوا کہ توریت شریف یہود پر نعت پوری کرنے کے لئے آئی تو ان کو پہلے کونسی نعمت دی گئی جسے پورا کرنے توریت آئی۔ **جواب:** بنی اسرائیل کو توریت سے پہلے بہت نعمتیں دی گئیں۔ اولاد انبیاء ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان پر من و سلویٰ اترنا ان کو فرعون کے مقابل صبر کی توفیق دینا ان کی خاطر فرعون کو غرق کرنا وغیرہ ان نعمتوں کی تکمیل یہ ہوئی کہ انہیں توریت جیسی شاندار کتاب عطا ہوئی لہٰذا **تماما** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہ مذکورہ احسانات تو سارے اسرائیلیوں پر کئے گئے تھے لہٰذا توریت کا نزول سب ہی کے لئے ان نعمتوں کی تکمیل تھا پھر **علی الذی احسن** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** بنی اسرائیل کے دو گروہ تھے ایک شاکرین دوسرے کافرین یعنی ناشکرے توریت شریف شاکرین کے لئے تو تمام نعمت تھی کہ وہی اس سے فائدہ اٹھا سکے ان میں بڑے بڑے انبیاء اولیاء علماء ہوئے۔ کافرین جماعت نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا ہمیشہ انبیاء کرام کی دشمنی ہی کی ان کے واسطے توریت تمام نعمت نہیں بنی۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت شریف بھی نعمت پوری کرنے کے لئے آئی۔ **تماما علی الذی احسن** اور قرآن مجید نے بھی رب کی نعمت پوری کی **واتممت علیکم نعمتی** پھر توریت و قرآن میں فرق کیا تم قرآن کو توریت سے افضل کیوں کہتے ہو۔ **جواب:** توریت و قرآن کے کمال میں کئی طرح فرق ہے ایک یہ کہ توریت وقتی طور پر تمام نعمت تھی جیسے بچہ کے لئے ماں کا دودھ پوری غذا ہے یا رات میں بجلی پوری روشنی ہے مگر قرآن ہمیشہ کے لئے پوری نعمت ہے جیسے انسان کے لئے روٹی چاول ہمیشہ کے لئے غذا ہے دوسرے یہ کہ توریت صرف ایک قوم یعنی بنی اسرائیل کے لئے پوری نعمت تھی **ھدی لبنی اسرائیل** اور قرآن مجید سارے جہان کے لئے **ھدی للناس** یا **ھدی للعلمین**۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا راستوں اور سواریوں کا گویا جنکشن ہے یہاں بہت سے راستے ہیں اور ہر راستہ پر ریلیں کھڑی ہیں ہر ریل میں انجن لگا ہے سواریاں بیٹھی ہیں سب کا رنگ روپ یکساں ہے مگر ان کے پلیٹ فارم جداگانہ ہیں اور رخ مختلف قرآن مجید پکار رہا ہے کہ دیکھو بہک نہ جانا ان تمام گاڑیوں اور تمام راستوں میں ایک راستہ اور ایک گاڑی ہی ایسی ہے جو تم کو خدا تک پہنچائے گی باقی گاڑیاں مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی دوزخ تک ہی پہنچائیں گی۔ وہ راستہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور وہ گاڑی ہے حضرات اولیاء اللہ کی اس میں سوار ہیں مومنین صالحین یہاں اعلان ہو رہا ہے کہ لوگو ہوش کرو یہی سیدھا راستہ ہے اس پر چلو دوسرے راستوں اور دوسری سواریوں کو اختیار نہ کرو یہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور کر دیں گی اسی راستہ میں حضرات انبیاء

اولیاء ہیں اسی راستہ سے خدا ملتا ہے یہ اعلان آج کا نہیں ہے 'سب سے پہلی کتاب توریت شریف جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی جس میں بہت خوبیاں تھیں اس میں بھی یہ ہدایت تھی وہ کتاب لوگوں کو اس کی ہدایت دیتی تھی کہ جب نبی آخر الزمان تشریف لائیں تو ان پر ایمان لاؤ توریت کی یہ ہدایت اب بھی باقی و قائم ہے اس پر عمل ضروری ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ معاملات کی خرابی عبادات کی خرابی تک پہنچا دیتی ہے اور عبادات کی خرابی کبھی عقائد کی خرابی کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے ان آیات میں معاملات اور عبادات کی اصلاح کے بعد سبیل اللہ کی اتباع کا حکم دیا چور کو دروازہ پر روک دو تاکہ گھر کا سامان محفوظ رہے 'معاملات دروازہ ہیں عقائد مومن کی اصل پونجی جس سے اسے دین و دنیا میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا
اور یہ کتاب ہے جو اتاری ہم نے برکت والی ہے بس پیروی کرو اس کی اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیے جاؤ یہ کہ کہو تم
اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو کبھی کہو کہ کتاب تو
اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ
کہ اس کے سوا نہیں کہ اتاری گئی کتاب اوپر دو ٹولوں کے ہم سے پہلے اور بے شک تھے ہم ان کے پڑھنے سے
ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں ان کے پڑھنے پڑھانے کی کچھ
لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾
البتہ بے خبر
خبر نہ تھی

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ کے راستہ پر چلنے اور دوسرے راستوں سے بچنے کا ذکر تھا اب قرآن کریم کی برکتوں رحمتوں کا ذکر ہے جو اس راستہ پر چلانے والی ہے دوسرے راستوں سے بچانے والی گویا راستے کے ذکر کے بعد راستہ پر چلانے والے ہادی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں درستی معاملات کا تاکیدی حکم دیا گیا اب قرآن کریم کا ذکر ہے جس کے ذریعہ معاملات بلکہ انسان کے سارے حالات درست ہوتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں اللہ کی پہلی کتاب توریت شریف کے فضائل بیان ہوئے اب اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی برکتوں رحمتوں کا ذکر ہو رہا ہے گویا عارضی فانی 'وقتی ہدایت و رحمت کے بعد دائمی باقی ابدی رحمت و ہدایت کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فیوض اور برکات کا ذکر ہوا ان کی تعلیم سوا مصر وغیرہ علاقوں کے اور کہیں نہیں پہنچ سکی اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کا ذکر ہے جنہوں نے دنیا بھر میں دائمی اجالا کر دیا۔ گویا شمع کے بعد سورج کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **وهذا كتاب انزلنا مبارك** یہ عبارت نئی ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **هذا** سے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ جس

کا کچھ حصہ اس وقت نازل ہو چکا تھا اور کچھ حصہ آنے والے تھا مگر چونکہ اس حصہ کا آنا بھی یقینی تھا اس لئے انزلنا فرمانا بالکل درست ہے چونکہ قرآن مجید مبدا کے لحاظ سے ہم سے بہت دور ہے کہ لوح محفوظ میں تھا جہاں سے تار خط وغیرہ اسے نہ لا سکے اس اعتبار سے اسے ذالک اشارہ بعید سے تعبیر کیا گیا کہ ذالک الکتاب لا ریب فیہ اور منتہی کے لحاظ سے بہت قریب ہے کہ ہماری زبان ہمارے دل و دماغ بلکہ ہماری رگ رگ میں سرایت کر گیا اس لحاظ سے اسے ھذا اشارہ قریب سے تعبیر کیا گیا نیز قرآن مجید کے الفاظ ہم سے ایسے قریب ہیں کہ اسے بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں لہذا اسے ہذا فرمایا گیا اور قرآن کے مضامین اس کے اسرار و رموز ایسے دور رہیں کہ وہاں تک عقل انسانی کی رسائی نہیں صرف نبی ہی بتا سکتے ہیں' اس لئے اسے ذالک فرمایا گیا' کتاب اور صحیفے کا فرق اور کتاب قرآن مجید اور دوسری کتابوں میں فرق ہم سورہ بقر کے شروع میں ذالک الکتاب کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں قرآن کریم کو یہاں فرمایا کتاب یعنی شاندار کتاب دوسری جگہ فرمایا الکتاب یعنی وہ کتاب جس کی بشارتیں گزشتہ نبیوں گزشتہ کتابوں نے دیں۔ یہی فرق رسول اور الرسول میں ہے۔ خیال رہے کہ ھذا مبتدا ہے اور کتاب اس کی خبر ہے انزلنا کتاب کی پہلی صفت ہے اور مبارک دوسری صفت الفاظ قرآن بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے گئے مگر اسرار و انوار قرآن بلا واسطہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے پہلے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جبرئیل نے قرآن اتارا دوسرے لحاظ سے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے قرآن اتارا یہاں دوسرے لحاظ سے انزلنا فرمایا گیا۔ چونکہ قرآن مجید کا نزول تو ایک بار ہو چکا مگر اس کی برکتیں دائمی ہیں اس لئے انزلنا ماضی فرمایا گیا اور مبارک اسم مفعول نزول سے مراد حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اتارنا ہے لہذا انزال بمعنی تنزیل ہے یا صرف اتارنے کے معنی میں ہے۔ بہرحال یکدم اتارنا مراد نہیں کیونکہ قرآن مجید تیئیس سال میں آہستہ آہستہ آیا یا کہو کہ لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر قرآن یکدم اترا پھر وہاں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آہستہ آہستہ آیا یا کہو کہ برکت کے لئے نزول قرآن یکدم ہوا ہر ماہ رمضان میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ دور فرماتے تھے مگر احکام جاری کرنے کے لئے نزول آہستہ آہستہ یا کہو کہ الفاظ قرآن کا نزول آہستہ ہوا مگر انوار قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر یکدم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے قرآن پر عامل تھے ان وجوہ سے انزلنا فرمایا جاتا ہے' مبارک کے معنی ہم تفسیر پارہ سیقول میں بیان کر چکے ہیں کہ اس کی اصل برکت ہے بمعنی بیٹھ جانا اس لئے طویلہ کو مبارک ابل کہا جاتا ہے اللہ کی نعمت کا ہمارے گھر میں جم جانا نہ نکلنا برکت ہے قرآن مجید دنیا میں ایسا آیا کہ آ کر گیا نہیں منسوخ نہیں ہوا جس دل میں گھر کر لے وہاں سے نکلتا نہیں جس چیز پر پڑھ دیا جائے اس چیز میں برکت ہو جائے نیز جس نبی پر قرآن آیا وہ نبی مبارک۔ جس زبان میں آیا وہ زبان مبارک۔ جس زمین میں آیا وہ زمین برکت والی جس رات میں آیا یعنی شب قدر میں وہ رات برکت والی دیکھ لو کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار رمضان میں ایک نیکی کا ثواب ستر شب قدر میں ایک ہزار مہینہ یعنی تراسی سال چار ماہ سے افضل کہ اس ایک رات میں عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل یہ برکتیں کیوں ہیں کس چیز کی برکت سے ہیں اس لئے کہ قرآن اس زمین اس زمان میں آیا ہے یہ ہے قرآن مجید کی برکتیں جس عالم کے دل و زبان میں رہے وہ عالم برکت والا ان وجوہ سے اسے مبارک فرمایا گیا بہرحال قرآن مجید ذاتا' صفاتا' ہر طرح برکتوں والا ہے۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات اس لئے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے
جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے میں تیری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

فاتبعوہ واتقوا یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے یعنی چونکہ قرآن مجید ہمارا اتارا ہوا ہے اور ہے بھی برکت والا لہٰذا اے عرب والو یا اے دنیاوالو یا اے سارے جن وانس تم اس کی اتباع کرو۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی نورانیت ہر زمانہ ہر جگہ کے لئے ہے لہٰذا **اتبعوا** کا حکم بھی ہر زمانہ اور ہر جگہ والوں کو ہے جہاں تک سلطان کی حکومت ہوتی ہے وہاں تک اس کا سکہ چلتا ہے یہ قرآن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ دائمی رائج الوقت ہے یہاں اتباع کے معنی ہیں قرآن مجید کی تعلیم پر عمل کرنا اور آیت کریمہ **فاتبعونی** میں اتباع کے معنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا لہٰذا آیت واضح ہے قرآن خاموش کتاب ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بولتی ہوئی کتاب ہیں اور اس کتاب کی جیتی جاگتی تفسیر ہیں، لہٰذا دونوں کی اتباع ضروری ہے **اتقوا** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی قرآن کریم کی مخالفت سے ڈرو یا بچو یا تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو غرضیکہ دل کو منور کرو قرآن مجید کی اتباع سے جسم صاف کرو تقویٰ کے پاس سے یا قرآن کریم کی اتباع کرو کہ اس کے احکام مانو اور تقویٰ اختیار کرو کہ اس کی ممانعتوں کو مانو جن چیزوں سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے ان سے بچو یا **اتبعوہ** میں عملی تقویٰ کا ذکر ہے اور **واتقوہ** میں تقویٰ سے مراد دلی تقویٰ ہے یعنی تعظیم شعائر اللہ کہ جسمانی تقویٰ کے ساتھ احترام و تعظیم دلی بھی ضروری ہے۔ بہرحال اتباع اور تقویٰ کے یہاں کئی تفسیریں ہیں **لعلکم ترحمون** یہاں لعل ہماری نسبت سے امید کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نتیجہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے کم میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے جن سے **فاتبعوا** اور **اتقوا** میں خطاب تھا یعنی سارے جہان کے انسانوں سے تاقیامت یہ خطاب جاری ہے **ترحمون** بنا ہے رحم سے رحم کے معنی ہیں اس کی قسمیں رحمت عامہ اور خاصہ کا فرق ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یعنی تم اس امید پر قرآن کریم کی اتباع کرو کہ تم رحم کئے جاؤ یعنی نہ تو ریا وہم نمود کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور نہ اپنی بخشش رحم و کرم کا یقین کرو بلکہ اللہ کا رحم حاصل کرنے کی نیت سے رحم کی امید پر قرآن کی اتباع اور تقویٰ اختیار کرو کیا خبر کہ انجام کیا ہو یا تم کو اتباع کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ تم پر رحم کیا جائے خواہ عام رحمت کی جائے کہ تمہیں اچھا خاتمہ گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ نصیب ہو جائے یا رحمت خاصہ سے تم کو نوازا جائے کہ تم کو صالحین میں داخل کر لیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام دعا کرتے تھے **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین** بہرحال یہ دونوں کام نہایت ضروری ہیں، اتباع قرآن اور اتقاء قرآن مگر یہ دونوں کام کر لینے کے باوجود اپنی بخشش کا یقین نہ چاہئے اللہ سے خوف چاہئے کہ خاتمہ کی خبر نہیں کہ کیسا ہو **ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین** اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت سی کی گئیں آسان ترکیبیں تین ہیں جن سے مقصد ظاہر ہو جاتا ہے ایک یہ کہ یہ عبارت **انزلناہ** کا مفعول لہ ہے اور ان کے بعد لا پوشیدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں **انزلنا فی لسانکم** پوشیدہ ہے۔ یہ عبارت اس کا مفعول لہ ہے تب بھی لا پوشیدہ ہے تیسرے یہ کہ یہ عبارت **واتقوا** کا مفعول بہ ہے تب لا پوشیدہ نہیں یعنی ہم نے قرآن مجید عربی زبان میں اس لئے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو یا اب تم اس کہنے سے ڈرو بچو کتاب سے مراد جنس کتاب ہے جو توریت و انجیل دونوں کو شامل ہے **طائفتین** سے مراد ہیں یہود و نصاریٰ چونکہ عرب میں یہ دونوں جماعتیں ہی پائی جاتی تھیں اور وہاں توریت و انجیل ہی مشہور تھیں نیز زیادہ تر احکام شرعیہ انہیں دونوں کتابوں میں تھے داؤد علیہ السلام کی امت

عرب میں نہ تھی نیز زبور شریف وہاں مشہور نہ تھی نیز زبور میں زیادہ تو دعائیں تھیں احکام شرعیہ تھوڑے ان وجوہ سے زبور کا ذکر نہ فرمایا اور داؤد علیہ السلام کی امت کا بھی ذکر نہ ہوا۔ **من قبلنا** یہ عبارت یا تو انزل کے متعلق ہے یا ثابتین پوشیدہ کے متعلق ہو کر طائفتین کی صفت ہے یعنی وہ کتابیں ہم سے پہلے اتریں یا وہ کتابیں ایسی قوموں پر اتریں جو ہم سے پہلے تھیں' چونکہ صحیح مذہبی یہودی اور عیسائی اس زمانہ میں تھے اب اس وقت تو صرف قومی یہودی عیسائی رہ گئے تھے' جن کی مذہبیت فنا ہو چکی تھی کتابیں منسوخ ہو چکی تھیں اس وجہ سے **من قبلنا** فرمانا بالکل درست ہے **وان کنا** یہ عبارت **انما انزل** پر معطوف ہے اور **ان تقولوا** کا مفعول ان اصل میں ان تھا اس کا اسم نا تھا نا مفعول کو گرا دیا گیا اور نون کا شد اڑا کر اسے جزم دے دیا گیا اسی لئے **لغافلین** میں لام لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ ان نافیہ نہیں ہے (روح المعانی) **عن دراستهم لغافلین** اس عبارت میں عن متعلق ہے غافلین کے اور غافلین خبر ہے کنا کی دراست بنا ہے درس سے بمعنی سبق دراست کے معنی ہیں سبق دینا یعنی پڑھنا پڑھانا **هم** کا مرجع وہی طائفتین ہے یہود و نصاریٰ اگرچہ دو گروہ تھے مگر ان کے افراد لاکھوں تھے اس لئے **هم** جمع ارشاد ہوا غافل بمعنی بے خبر ہے یعنی وہ لوگ جو آپس میں توریت انجیل پڑھتے پڑھاتے تھے ہم اس سے بے خبر تھے کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی ہماری زبان عربی بعض مفسرین نے فرمایا کہ دراست کے بعد لغت پوشیدہ ہے اصل میں **عن دراسته لغتهم** تھا یعنی ہم ان یہود و نصاریٰ کی زبان کی تعلیم سے بے خبر تھے ہم میں وہ زبان مروج نہ تھی۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کو چھپاتے تھے اس کے ترجمے کر کے لوگوں میں شائع کرنا گناہ سمجھتے تھے یہ کتابیں خود ان میں مروج نہ تھیں صرف ان کے علماء پوپ پادریوں تک محدود تھیں' توریت تو اب بھی چھپی ہوئی ہے انجیل کے جھوٹے سچے ترجمے قرآن مجید کی اشاعت دیکھ کر کئے گئے اس لئے یہ فرمان عالی بالکل درست ہے اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اہل عرب نے توریت و انجیل کے عربی ترجمے کیوں نہ دیکھے۔ یہ بھی خیال رہے کہ توریت و انجیل کے بتائے ہوئے عقائد اور اخلاقیات سب کے لئے قابل عمل تھے ہاں ان کے خصوصی اعمال وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھے اہل عرب پر وہ احکام جاری نہ تھے کیونکہ یہ لوگ بنی اسماعیل تھے۔ لہٰذا یہ فرمان بالکل صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : توریت شریف کی عظمت خاصہ 'ہدایت' رحمت مخصوصہ بیان فرمانے کے بعد قرآن مجید کی رحمت عامہ برکت دائمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اے لوگو! تم توریت کی وقتی عظمت تو معلوم کر چکے اب سنو یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو ہم نے اس عالمگیری نبوت والے دائمی نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے یہ بڑی ہی برکت والی کتاب ہے ہم بھیجنے والے برکت والے ہیں جبرئیل مبارک یہ محبوب نبی مبارک جس مہینہ میں قرآن آیا وہ مبارک' جس سرزمین میں آیا وہ مبارک' جس زبان میں آیا وہ مبارک' جو عالم اسے سیکھے وہ مبارک' جو کوئی اس پر عمل کرے وہ مبارک' ہر طرح مبارک ہی مبارک ہے۔ لہٰذا اے جہاں بھر کے لوگو اس قرآن کریم کی پیروی کرو کہ اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو اور اس کی مخالفت سے ڈرو یا قرآن کے حکموں کی پیروی کرو اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچو تاکہ تم پر خاص رحمت کی جائے اب رب تعالیٰ کی اخروی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف قرآن مجید کی پیروی ہے دوسری تمام کتابوں کے چراغ بجھ چکے یہ سورج ہمیشہ چمکے گا اے عرب کے باشندو ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید تمہاری زبان میں اس لئے اتاری تاکہ تم قیامت میں یہ عذر نہ کر سکو کہ خدایا تو نے توریت و انجیل ایسے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر اتاری تھیں جو ہم سے پہلے گزر چکے تھے وہ زبان عبرانی میں تھیں ہماری زبان عربی تھی اس

کے تجربے کسی اور زبان میں ہوئے نہ تھے ہمیں اس زبان کی خبر نہ تھی اگر ہم توریت و انجیل سے واقف ہوتے تو شرک و کفر وغیرہ بد عقیدگیوں سے اور ڈکیتی' چوری' زنا وغیرہ بد اخلاقیوں سے بچ جاتے 'میرے سوالی ہم اپنی بد عقیدگیوں' بری حرکتوں میں معذور ہیں 'سوچو اب تم کو کیا عذر رہے ہمارے سامنے کیا بہانہ کرو گے 'ہوش کرو قرآن پر ایمان لاؤ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن کریم بڑی برکت والی کتاب ہے حتی کہ جس کو قرآن سے نسبت ہو جائے وہ بھی مبارک ہے۔ رب فرماتا ہے **انا انزلناه فی لیلة مبارکة** جب قرآن مجید کی نسبت سے نزول قرآن کی رات مبارک ہو گئی تو جس ذات کریم پر قرآن مجید اترے اور جن سینوں میں قرآن مجید رہے جن کے اعضاء قرآن مجید پر عمل کریں وہ سب بھی مبارک ہیں۔ یہ فائدہ **انزلنا مبارک** سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ:** کھانے پر ختم قرآن پڑھنا پھر خیرات کرنا بہت بہتر ہے کیونکہ قرآن مبارک ہے جس کھانے پر پڑھ دیا جائے وہ کھانا بھی برکت والا ہو گا' یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا اس لئے کھانے کے اول میں بسم اللہ پڑھتے ہیں اور آخر میں الحمد للہ یہ دونوں قرآن کی آیات ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید میں جو برکات و رحمتیں نزول کے وقت تھیں وہی رحمتیں برکتیں اب تک ہیں اور قیامت تک رہیں گی ان برکتوں میں بالکل کمی نہیں آئی نہ آئے گی 'جیسے چاند سورج تاروں کا نور جیسا ان کے بننے کے وقت تھا ویسا ہی آج تک ہے اور رہے گا اس میں کوئی کمی نہیں نور الٰہی نہ پرانا پڑے نہ گھسے نہ اس میں کمی آئے۔ یہ فائدہ **مبارک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ مبارک ہونے کو کسی وقت سے خاص نہیں کیا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید کے نقوش مبارک اور جس کاغذ پر یہ نقوش لکھے جائیں وہ مبارک قرآن کے الفاظ بزرگ معانی مبارک 'اسرار مبارک یوں ہی جس زبان' جس دماغ' جس دل میں یہ الفاظ اور معنی اور اسرار ہوں وہ مبارک۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا کہ رب نے اس کتاب کو مبارک فرمایا۔ کتاب میں یہ سب کچھ ہے سب ہی مبارک ہے۔ دیکھو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے پاؤں تک ہر عضو بلکہ ہر کام ہر نام مبارک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں از آدم علیہ السلام تا یوم قیامت قائم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے گزشتہ نبیوں اور ان کی امتوں نے ہزارہا فائدے اٹھائے **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سارے احکام کی اتباع ضروری نہیں بلکہ بہت سی آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق آئیں۔ یہ فائدہ **فاتبعوه** سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھو۔ **فاتبعونی یحببکم اللہ** یوں ہی **صلوا علیه وسلموا تسلیما** یونہی **لا تقدموا بین یدی اللہ ورسوله** وغیرہ آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی شخص خدا رسی کے لئے نہ تو اپنی رائے سے کوئی کام کرے نہ اب توریت و انجیل پر عمل کرے کہ وہ کتب رب کے وہ سکے ہیں جن کا چلن رب نے خود بند کر دیا اب اتباع صرف قرآن کی ہو گی 'رات میں چراغ روشنی دیتے ہیں دن میں نہیں۔ یہ فائدہ بھی **فاتبعوه** سے حاصل ہوا یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم دل کی عشق کی نماز پڑھتے ہیں 'جس میں رکوع سجود نہیں وہ جھوٹے ہیں یہ لوگ عشق کی روٹی بھی کھا لیا کریں اس کا پانی بھی پی لیا کریں اس کی ہوا دھوپ لے لیا کریں۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن مجید کے احکام کی بھی اتباع چاہئے اور اس کی ممانعت پر بھی عمل چاہئے یعنی اس کے احکام پر عمل کرنا اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ یہ فائدہ **فاتبعوه** اور **واتقوا** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ**

: اب اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف قرآن مجید کی اتباع سے ہی مل سکتی ہے توریت و انجیل اب رحمت لینے کا ذریعہ نہیں یہ فائدہ **لعلکم ترحمون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کوئی شخص متقی پرہیزگار مومن ہو جانے کے بعد بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو اپنے کو یقینی جنتی نہ جانے نہ معلوم خاتمہ کیسا ہو۔ یہ فائدہ **لعلکم ترحمون** میں **لعل** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اپنے بندوں کے سارے عذر ختم کر دیئے ہیں قیامت میں کوئی مجرم اپنے جرم کے متعلق کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ یہ فائدہ **ان تقولوا انما انزل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے کفار عرب کا یہ عذر ختم کر دیا کہ ہم ایمان کیسے لاتے ہم توریت و انجیل کی زبانوں سے بے خبر تھے قیامت کے دن کی پیشی کا انتظام آج کر لو آج توبہ کر لو اس کے آستانہ پر رو پیٹ لو ورنہ آفت آجائے گی۔

آج کچھ کر لو عبادت ورنہ کل روز قیام		سامنے حق کے خجالت تم کو ہوگی لا کلام!
پرسش اعمال خالق جس گھڑی فرمائے گا		مال و دولت جاہ و حشمت کچھ نہ واں کام آئے گا

گیارھواں فائدہ: قرآن کریم اگرچہ عرب زبان میں آیا مگر اس کے سارے احکام تمام دنیا میں پہنچ گئے ہر زبان میں اس کے ترجمے تفسیریں لکھ دی گئیں بخلاف توریت و انجیل کے کہ نہ ان کے تحت لفظ ترجمے ہوئے نہ ان کی تفسیریں ہوئیں نہ ان کی اشاعت اس طرح ہوئی۔ یہ فائدہ بھی **ان تقولوا انما انزل** سے ہی حاصل ہوا کیونکہ کل قیامت میں کوئی ہندی' سندھی' امریکن' روسی یہ عذر نہ کر سکے گا کہ قرآن مجید عربی میں تھا ہم کو اس زبان کی خبر نہ تھی۔ **بارھواں فائدہ:** اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی احسان ہے کہ انہیں کسی قوم کا محتاج نہ ہونے دیا بلکہ دنیا کو ان کا محتاج کر دیا کیونکہ قرآن مجید کی ہر شخص کو ضرورت ہے اور وہ ہے عربی زبان میں دیکھو ہر مومن کعبہ کا محتاج ہے اور وہ ہے عرب میں ہر مومن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں عرب میں۔ بہر حال خطہ عرب تمام دنیا سے افضل ہے۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مبارک ہے مگر آج مسلمان ساری قوموں سے گرے ہوئے ہیں یہ کیسی برکت ہے کہ اس کے ماننے والے برکتوں سے محروم ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب اقبال کے ایک دو شعروں سے مکمل طور پر معلوم ہو سکتا ہے وہ کہتے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر		اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو		تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہماری محرومی ہماری اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہے ہم اپنے کو قرآن کے سانچے میں نہیں ڈھالتے بلکہ قرآن کریم کو اپنی رائے کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں ہم کو قرآن بدلنے اسلام میں ترمیم کرنے کی فکریں لگی ہیں جو احکام قرآنی ہمارے ذاتی مفاد کے خلاف ہوں ہم انہیں ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہم پر تو عذاب الٰہی آجانا چاہیے تھا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہم کو بچائے ہوئے ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ		حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

دوسرا اعتراض: اگر قرآن کی برکتوں میں بالکل فرق نہیں پڑا تو جو برکتیں صحابہ کے زمانہ میں قرآن میں تھیں وہ اب کیوں نہیں وہ حضرات سورہ فاتحہ دم کرکے سانپ کا زہر اتار دیتے تھے ہم سارا قرآن دم کریں بھڑ کا زہر نہیں اترتا **جواب:** تار میں

پاور یکساں آتا ہے مگر جس طاقت کا بلب ہو اتنی روشنی ہوتی ہے دین میں فرق نہیں لینے والے کے ظرف میں فرق ہے ہم ہلکا بلب ہیں بلکہ جو بدنیتی سے قرآن پڑھے تو وہ گنہگار ہوتا ہے' الٹا نقصان اٹھاتا ہے' مسلمان قرآن پڑھے تو ہر حرف پر دس نیکیاں پاتا ہے۔ کافر بدنیتی سے قرآن پڑھے الٹا گنہگار ہوتا ہے۔ **ولا یزید الظالمین الا خسارا** منافقین و کفار گویا فیوز اڑا ہوا بلب ہیں وہاں روشنی کیسے آئے۔ **تیسرا اعتراض:** جب قرآن مجید کی اتباع بلا تخصیص سب لازم ہے تو بعض اولیاء اللہ جن کی ولایت مانی ہوئی ہے وہ خلاف شرع ہوتے ہیں ان پر اتباع قرآن لازم کیوں نہیں۔ **جواب:** ان حضرات نے قرآن کی اتباع نہیں چھوڑی بلکہ قرآن نے انہیں اپنی اتباع سے علیحدہ کر دیا کیونکہ اتباع قرآن لازم ہونے کے لئے عقل و بلوغ شرط ہے مجذوب اولیاء چونکہ عقل و ہوش سے بیگانہ ہو چکے ہوتے ہیں ان پر اتباع واجب نہیں رہتی **لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ** **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن عربی میں آیا' اور پھر اسی کے ترجمے تفسیریں تمام زبانوں میں کر کے دنیا میں پھیلائی گئیں قرآن کسی اور زبان میں آجاتا پھر اس کے ترجمے عربی وغیرہ میں ہر جگہ پہنچا دیئے جاتے۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ قرآن والے محبوب عرب میں جلوہ گر ہوئے دوسرے یہ کہ زبان عربی بہت جامع ہے اور مختصر بنائی گئی ایسے عالی مضامین کی صرف عربی زبان ہی حامل ہو سکتی ہے تیسرے یہ کہ ساری دنیا میں بڑے جاہل خونخوار عرب ہی تھے وہاں نبی اور قرآن آکر ان کو سنبھالنا بلکہ انہیں عزت کے آسمان پر پہنچا دینا اس میں قرآن اور صاحب قرآن کی قوت و طاقت و معجزے کا اظہار ہوا چوتھے یہ کہ حضرت خلیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی دعا عرب کے لئے مانگی **ربنا وابعث فیھم** جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر اس کی شعاعیں پہنچتی ہیں سارے جہان میں ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رہے عرب میں مگر آپ کی تجلیات جن میں قرآن بھی داخل ہے سارے جہان میں پہنچیں نبوت کے اس سورج نے ہر دل کے شیشہ میں جلوہ گری فرمائی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن مجید کی اتباع کرنی چاہئے۔ تم نے حدیث اور فقہ کی اتباع کہاں سے نکال لی' دیکھو ارشاد ہوا **فاتبعوہ** (چکڑالوی)۔ **جواب:** ہم قرآن مجید ہی کی اتباع کرتے ہیں حدیث اور فقہ کے ذریعے سے وہ دونوں قرآن کی اتباع کرانے کے لئے ہیں اسی لئے دوسری جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا **فاتبعونی یحببکم اللہ** اور ارشاد ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** کوئی شخص بغیر حدیث و فقہ کی مدد کے قرآنی نماز بھی نہیں پڑھ سکتا زکوٰۃ بھی نہیں دے سکتا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو جیسے ہم چراغ کی روشنی سے قرآن کے نقوش و الفاظ دیکھتے ہیں ایسے ہی حدیث و فقہ کی روشنی سے مضامین قرآن دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے نماز پڑھو' حدیث شریف کہتی ہے کہ فلاں فلاں وقت میں اتنی رکعات اس طریقہ سے پڑھو فقہ نے فرمایا ہے کہ نماز میں فرض اتنے ہیں واجب اتنے مستحبات اور مکروہات اتنے اہل قرآن نماز کا طریقہ قرآن مجید سے نہیں نکال سکتے اہل حدیث کسی حدیث سے نماز کے فرائض' واجبات' مکروہات نہیں نکال سکتے۔ **چھٹا اعتراض:** توریت و انجیل صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی تھیں اگر وہ عربی زبان میں بھی ہوتیں تب بھی ان سے اہل عرب ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے پھر وہ قیامت میں یہ عذر کیوں کرتے اہل عرب بنی اسماعیل ہیں نہ کہ بنی اسرائیل' **جواب:** توریت و انجیل بلکہ ساری آسمانی کتابیں عقائد اخلاقیات کی تعلیم سارے زمانہ کو دے سکتی تھیں ہاں ان کی مخصوص عبادات اس قوم کے لئے ہوتی تھیں جن کے لئے وہ کتب آئیں لہٰذا اہل عرب یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر توریت و انجیل عربی زبانی میں ہوتیں تو ہم توحید' ایمان اخلاقیات میں درست ہوتے ہم مشرک بت

پرست ڈاکو چور نہ ہوتے۔ **ساتواں اعتراض:** رب کی بارگاہ میں اب بھی عربی نہ جاننے والے عذر کر سکتے ہیں کہ خدایا قرآن عربی زبان میں تھا ہم عربی جانتے نہ تھے لہذا ہم مشرک بت پرست یا مجرم ہونے میں بے قصور ہیں چاہیے تھا کہ اللہ تعالٰی ہر زبان میں ایک ایک آسمانی کتاب بھیجتا صرف اہل عرب کی یہ رعایت کیوں کی گئی۔ **جواب:** پچھلی کتابیں قرآن مجید کی طرح شائع نہ ہوئیں وہ صرف پوپ پادریوں کے پاس ہی محفوظ ہیں' اس لئے پوپ پادری ان میں ملاوٹ کرنے پر قادر ہو گئے دیکھ لو آج بھی انجیل و توریت تو کیا باقی رہتی ان کی زبان عبرانی بھی فنا کر دی گئی یہ اردو کی انجیلیں نہ معلوم کہاں سے اور کیسے بنائی گئیں حتی کہ ہندوؤں کے وید بھی قریباً فنا ہو گئے ان کی زبان یعنی سنسکرت بھی ناپید ہو گئی مگر قرآن مجید کا یہ حال نہیں قرآن مجید بعینہٖ جیسا آیا تھا ویسا ہی اس زبان میں دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلا پھر ہر زبان میں اس کے ترجمے اس کی تفسیریں ہوئیں غرضیکہ قرآن مجید ہر شخص تک پہنچا دیا گیا اب کوئی شخص بے عملی کا بہانہ کیسے کرے یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے قرآن مجید کے ذریعہ تمام دنیا کو عرب کا تابع بنا دیا جیسا کعبہ کے ذریعہ سب کے رخ عرب کی طرف کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام دنیا کے دل کے رخ عرب کی طرف کر دیئے یہ اہل عرب پر اللہ کا فضل ہے بعض جگہ سونا چاندی کی کانیں ہیں بعض جگہ تیل کے چشمے ہیں سب لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** جو عربی لوگ نزول قرآن سے پہلے فوت ہو گئے وہ اب بھی یہ بہانہ کر سکیں گے کہ خدایا ہم توریت و انجیل سے بے خبر تھے ہمارے پاس ہماری زبان میں کتاب نہ آئی ہم کیسے ایمان لاتے ان کا جواب کیا ہوگا۔ **جواب:** ایسے لوگوں کے لئے صرف عقیدہ توحید پر قائم رہنا ہی ہدایت ہے ان پر اور کوئی عبادت لازم نہیں توحید ایک ایسی چیز ہے جسے عقل سلیم بھی مانتی ہے یہ عقیدہ انسان اپنی عقل سے بھی اختیار کر سکتا ہے ان سے سواء توحید کے اور کوئی سوال نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے قریب بھی ہیں کہ ہر گنہگار کے سینہ میں جلوہ گر ہیں کرم و رحمت سے اور دور بھی ہیں کہ آپ کے مقام تک فرشتوں کی بھی رسائی نہیں شرف کے لحاظ سے۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

یوں ہی قرآن مجید الفاظ کے لحاظ سے قریب ہے لہذا اسے ہذا فرمایا اور اسرار کے لحاظ سے دور ہے لہذا اسے **ذٰلک** فرمایا قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مبارک ہے اس لئے کہ اس کے الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر اس کے مضامین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک پر اس کے اسرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوئے اور قرآن اخلاق محمدیہ کے بالکل مطابق نازل ہوا۔ لہذا مبارک ہے کہ یہ خود بھی برکت والا ہے اور اسے برکت والی ذات بابرکات سے تعلق ہے ہمارے لئے اس۔ لئے مبارک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالذات مبارک ہیں قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مبارک 'عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا **وجعلنی مبارکا" اینما کنت** میں جہاں بھی رہوں مبارک ہوں جب روح اللہ مبارک ہیں تو حبیب اللہ بھی مبارک ہیں۔ قرآن مجید کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں اول سے ہی دنیا والوں کو ملیں۔ والدہ کے شکم میں آئے تو سارے جہان پر بارش ہوئی پہلے تین سال سے بارش بند تھی اس سال تمام دنیا میں لڑکے ہی پیدا ہوئے۔ حمل شریف

میں تھے کہ آپ کی برکت سے ابرہہ معہ اپنے لشکر کے ابابیل کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔ جناب حلیمہ نے حضرت آمنہ کے گھر میں قدم رکھا تو آپ کے پستان دودھ سے بھر گئے آپ کی اونٹنی نے اسی رات جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لائیں اتنا دودھ دیا کہ سب گھر والے سیر ہو گئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام برکت والا کہ آپ کے نام کی برکتیں از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت دیکھی گئیں **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** بلکہ آج بھی دیکھی جا رہی ہیں اور تا قیامت دیکھی جائیں گی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے مبارک نبی کا قرآن بھی مبارک ہے یہ قرآن نبی اور امت کے درمیان بلکہ بندے اور رب کے درمیان مضبوط رسی ہے جس کے ذریعہ امتی نبی تک بندے رب تک پہنچتے ہیں لہٰذا اے لوگو اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو تب تم رحمت الٰہی کے مستحق ہو گے کیونکہ تم اس کے ذریعہ رحمۃ للعالمین کے دامن تک پہنچو گے اور ان کے کرم سے ارحم الراحمین کے دروازے تک تمہاری رسائی ہو گی جیسے کھانا پانی ہوا دھوپ جسمانی روزی ہیں جن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ایسے ہی قرآن کریم روحانی غذا ہے جس کے بغیر حیات روحانی ناممکن ہے قرآن کا ایک ظاہر ہے جس کی تفسیر علماء کرتے ہیں اور ایک باطن ہے جس کی تحقیق حضرات صوفیاء فرماتے ہیں قرآن یا بندوں کی دلیل ہے یا بندوں پر رب تعالیٰ کی حجت یہ قرآن تمام کتب میں تھا مضمون قرآن کے تھے لباس اس زبانوں کا تھا کفار عرب کا یہ عذر ختم کر دیا گیا کہ قرآن لباس عربی میں نہ آیا ہم ہدایت کیسے لیتے جیسے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بشری لباس میں عربی لباس میں آئے ایسے ہی قرآن عربی لباس میں نازل ہوا یہ قرآن کا لباس ہے ورنہ قرآن ہر صحیفے ہر کتاب میں تھا **وانہ لفی زبر الاولین**۔

أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ

یا کہو تم بے شک اتاری جاتی اوپر ہمارے کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت والے ان سے تو بیشک

یا کہو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس آئی تمہارے رب

مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ

آگئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے تمہارے رب کے اور ہدایت اور رحمت پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو جھٹلائے

کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور

صَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا

آیتیں اللہ کی اور منہ پھیرے ان سے قریب ہی ہم بدلہ دیں گے ان کو جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے سخت عذاب

ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں بڑے عذاب کی سزا دیں گے

كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۱۵۷﴾

اس وجہ سے کہ وہ تھے منہ پھیرتے

بدلہ ان کے منہ پھیرنے کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کی ایک معذرت کی تردید کی گئی جو وہ لوگ قرآن مجید نہ آنے کی صورت میں پیش کر سکتے تھے اب انہیں کفار کے ایک شیخی والے دعویٰ کی تردید ہو رہی ہے جو وہ قرآن مجید نہ آنے کی صورت میں کر سکتے تھے یا نزول قرآن سے پہلے کیا کرتے تھے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کے اس اعتراض کو ختم فرمایا گیا جو وہ توریت انجیل کے عبرانی زبان میں آنے پر کر سکتے تھے یا کرتے تھے اب ان کے اس مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ اپنی زبان میں علیحدہ مستقل کتاب نہ آنے پر کرتے تھے کہ جیسے یہود نصاریٰ پر کتابیں اتریں ہم پر بھی مستقل علیحدہ کتاب اترنی چاہئے تھی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں نزول قرآن کا ایک فائدہ بیان ہوا یعنی لوگوں پر رحمت و کرم **لعلکم ترحمون**۔ اب قرآن مجید کا دوسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے یعنی کفار عرب کا منہ بند کرنا اور ان کی شیخی ختم فرمانا۔

نزول : عرب شریف میں یہ بھی مشہور تھا کہ فلاں فلاں قوموں میں پر توریت و انجیل نازل ہوئیں اور یہ بھی کہ یہود نے ہمیشہ موسیٰ علیہ السلام کو دکھ پہنچائے ان کی مخالفتیں کیں اور عیسائیوں نے تو حد ہی کر دی کہ اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوانے کی کوشش کی تو کفار عرب کی ایک جماعت کہنے لگی کہ وہ لوگ اپنی کتابوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے اپنی سرکشی اور جہالت کی وجہ سے اگر ہم پر کوئی آسمانی کتاب آتی تو ہم اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے کیونکہ ہم ان لوگوں کی طرح بے وقوف نہیں ذہن کے صاف عقل کے تیز ہیں دیکھ لو ہم باوجود ان پڑھ ہونے کے کیسے قصے خطبے کہتے ہیں مگر جب قرآن مجید آنا شروع ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بدترین دشمن ہو گئے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن خزائن العرفان) دوسری جگہ قرآن مجید انہیں کا یہ قول نقل فرماتا ہے **ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک**۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے **واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء ھم نذیر لیکونن اھدی من احدی الامم**۔ بہرحال قرآن مجید میں ان کے شیخی کے دعوے کئی جگہ منقول ہیں۔

تفسیر : **او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب** یہ عبارت معطوف ہے **ان تقولوا انما انزل** پر یہاں بھی لا پوشیدہ ہے جو ترکیب اس عبارت کی تھی وہی اس کی ہے کہ یا تو **انزلناہ** کا مفعول لہ ہے یا **اتقوا** کا مفعول بہ یہاں بھی قیامت میں کہنا مراد ہے کتاب سے مراد توریت و انجیل کے علاوہ دوسری آسمانی کتاب ہے ہم پر نازل ہونے سے مراد ہے ہم اہل عرب میں سے کسی پر نازل ہونا ہماری زبان میں نازل ہونا۔ وہ تمنا کرتے تھے کہ ہم بھی کبھی کسی نبی کے ہم قوم ہوتے ہماری زبان میں بھی رب کا کلام اترتا یہ ہمارے لئے باعث فخر ہوتا ان کی یہ تمنا بہت ہی اچھی تھی مگر اپنے علم پر اور عقل پر اعتماد کر کے یہ دعویٰ غلط تھا اور ہو سکتا ہے کہ **الکتاب** سے مراد توریت و انجیل ہو یعنی اگر وہ آسمانی کتابیں بجائے ان کے ہم پر اتری ہوتیں تو ہم ان ملدروں سے زیادہ قدردان ہوتے بہرحال یہ گفتگو یا تو حسد کی بنا پر ہے یا اپنی شیخی کی بنا پر کہ **لکنا اھدی منھم** یہ عبارت لو کا جواب ہے کنا سے مراد عام اہل عرب یا اہل مکہ یا سرداران قریش ہیں **منھم** سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن کی سرکشیاں عرب میں مشہور تھیں **اھدی** کا مطلب یہ ہے کہ ہم کبھی اپنے نبی کی مخالفت نہ کرتے ان کے قدم دھو دھو کر پیا کرتے یا کبھی اپنی کتاب کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے اگر یہود و نصاریٰ میں کچھ علماء تھے تو ہم میں علماء بھی ہوتے اولیاء اللہ بھی ہوتے کیونکہ ہماری

عقل' ذہن' فراست دانائی ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے فقد جاء کم یہ عبارت یا تو کسی پوشیدہ فعل کی علت ہے اور ف
تعلیلیہ۔ لا تعتذروا یا انقطع عذرکم یا کسی پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ ان صدقتم فی دعواکم (بیان و
معانی) نزول قرآن اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان دونوں کے لئے جاء ارشاد ہوا چند وجہ سے۔ (1) حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید دونوں دنیا میں آنے سے پہلے موجود تھے۔ کہاں تھے یہ بہت دراز بحث ہے پھر وہاں سے
منتقل ہو کر دنیا میں آئے۔ (2) گزشتہ نبی اور کتب دنیا میں آنے جانے کے لئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن آئے یہاں
رہنے کے لئے لہذا یہ دونوں چیزیں غیر منسوخ ہیں۔ (3) دنیا کی ہر چیز ہمارے مرجانے پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے مگر جس دل و
دماغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن تشریف لے آئیں یہ ساتھ نہیں چھوڑتے۔ (4) ہر چیز کی آمد کسی خاص علاقہ کے
لئے ہوتی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد سارے جہان کے لئے ان وجوہ سے خصوصیت سے ان کے لئے
جاء فرمایا گیا ہے کم میں خطاب انہیں اہل عرب سے ہے جو یہ دعویٰ کرتے تھے قرآن مجید دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہر شخص کے
پاس آیا۔ عموماً" ہر مسلمان کے پاس آیا اور خصوصاً" اہل عرب کے پاس آیا۔ ان کی زبان میں' ان کی قوم میں سے ایک ذات
گرامی پر آیا۔ یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے ہر انسان کے پاس آئے
عموماً" ہر مسلمان کے دل میں جگر میں ایمان میں جلوہ گر ہوئے خصوصاً" اور عرب میں تشریف لائے ان کی قوم ان کی زبان میں
جیسے سورج چمکتا ہے ساری زمین پر پھل پھول دیتا ہے باغوں کو' دانہ پکاتا ہے کھیتوں میں' لعل بدخشاں بناتا ہے بدخشاں کے
پہاڑوں میں۔ لہذا یہ فرمان عالی دوسری ان آیات کے خلاف نہیں جن میں سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں سے کہا گیا ہے کہ
یہ قرآن تم سب کے پاس آیا بینۃ من ربکم وھدی ورحمۃ یہ عبارت جاء کا فاعل ہے اس میں قرآن مجید کا نام نہ لیا گیا بلکہ
اس کے تین صفات بیان ہوئے کہ توریت تو صرف ہدایت اور رحمت تھی قرآن مجید بینہ بھی ہے ہدایت بھی رحمت بھی پھر
توریت خاص قوم کے لئے خاص جگہ اور خاص وقت بھی ہدایت و رحمت تھی قرآن مجید ہر قوم کے لئے ہر جگہ اور ہر وقت بینہ
بھی ہے ہدایت بھی رحمت بھی اس کا مبارک ہونا پچھلی آیت میں بیان ہو چکا ھدی ورحمۃ کا فرق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا
گیا قرآن مجید عاقلین کے لئے بینۃ ہے سامعین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی دلیل سے ماننے والوں کے لئے
بینہ ہے دل سے ماننے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت یا دلیل والوں کے لئے بینہ ہے دل والوں کے لئے ہدایت اور
جو سب کچھ یار پر فدا کر چکے جن کے پاس نہ دلیل رہی نہ دل دلیل فنا ہو گئی دل دلدار کے حوالہ ہو گیا ان کے لئے رحمت ہے خیال
رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کو بینہ یعنی روشنی اور کھلی دلیل فرمایا کیونکہ قرآن مجید علماء صوفیاء کے لئے اپنے مضامین اور
اسرار کے لحاظ سے دلیل ہے خود اپنی حقانیت اور رب کی وحدانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مگر ہم جیسے بے پڑھوں
کے لئے اس کے ظاہری اوصاف دلیل ہیں دیکھو کوئی کلام بغیر سمجھے لطف نہیں دیتا قرآن بغیر سمجھے بھی تڑپا دیتا ہے اعلیٰ سے اعلیٰ
کلام ایک دو بار پڑھنے سننے کے بعد پرانا پڑ جاتا ہے اس میں لطف نہیں آتا قرآن مجید عمر بھر پڑھو مگر ہر بار لذت دیتا ہے دنیا والوں کے
کلام میں خلط ملط ہو جاتا ہے قرآن مجید کے ایک لفظ میں فرق نہیں ہوا ہم عوام یہ صفات دیکھ کر اسے کلام الٰہی مانیں جیسے حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر خواندہ ناخواندہ کے لئے برہان ہیں علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ میں غور کریں اور آپ
پر فدا ہو جائیں ہم بے علم جاہل لوگ یہ سوچیں کہ سارے محبوبوں پر لوگ دیکھ کر عاشق ہوئے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہ

محبوب ہیں جن پر سب دیکھے لاکھوں قربان ہیں آج حسن یوسف پر انگلیاں نہیں کٹتیں مگر نام محمد پر عشاق سر کٹا رہے ہیں بڑے بڑوں کے نام ان کے بعد فنا ہو گئے نام محمد ویسے ہی باقی ہے ان کی نعت ہر جگہ مزہ دیتی ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برہان ہیں **فمن اظلم ممن کذب بایات اللہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ جس میں ف ترتب کی ہے یعنی جب قرآن مجید میں یہ صفات و خوبیاں ہیں تو سمجھ لو کہ اس کا منکر کیسا ظالم ہے اس عبارت میں خطاب انہیں مخاطبین سے ہے مگر **اظلم منکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ ظالم کی وجہ بھی معلوم ہو جائے اور سوال کر کے انہیں سے پوچھا گیا کہ تم خود ہی سوچ لو کہ اس کے منکر سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے یہاں **ظلم** یا تو بمعنی کفر و شرک ہے رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** یا حق مارنے کے معنی میں ہے اپنا حق مارنا یا قرآن کریم کا حق مارنا ہم پر اپنے نفس کا حق یہ ہے کہ قرآن کریم مان کر اللہ کی عبادت کر کے اپنے کو جنت کا مستحق بنائیں اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے پر ظلم کرتے ہیں **ربنا ظلمنا انفسنا** ہم پر قرآن کریم کا حق یہ ہے کہ اسے سینے سے لگائیں اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں اگر ایسا نہیں کرتے تو قرآن کریم پر ظلم کرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ آیات اللہ سے مراد ہیں قرآنی آیتیں انہیں جھٹلانے کی چند صورتیں ہیں۔ (1) جنانی جھٹلانا انہیں حق نہ سمجھنا زبانی جھٹلانا منہ سے کہہ دینا کہ یہ فرمان درست نہیں یا یہ احکام اس زمانہ کے لئے تھے اب زمانہ نیا ہے اور احکام دین اس زمانہ کے مطابق چاہئیں۔ عملی جھٹلانا کہ منہ سے کہنا کہ قرآن سچا ہے مگر عمل اس کے خلاف ہی کرنا اس آخری بیماری میں آج ہم مسلمان بھی مبتلا ہیں بلکہ بعض مسلمان دوسری بیماری میں بھی گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی دل سے قرآن کریم کو جھوٹا جاننا کیونکہ جن سے یہاں خطاب ہے وہ اسی قسم کے منکر تھے اور ہو سکتا ہے کہ دوسری قسم کے بھی منکر مراد ہوں یعنی زبان سے انکاری۔ **وصدف عنھا** یہ عبارت معطوف ہے **کذب** پر اور **من** کا صلہ ہے صدف کے معنی پھرنا بھی ہیں اور پھیرنا بھی پہلے معنی لازم ہیں دوسرے معنی متعدی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اگر پھر جانے کے معنی میں ہے تو اس سے مراد وہ ہے جو قرآن کریم میں کبھی غور ہی نہ کرے نہ اسے جھٹلائے نہ تصدیق کرے یعنی مانے نہیں اور اگر بمعنی پھیرنا ہے تو مراد یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے سے روکے اور مومنین کو پھیر دینے کی کوشش کرے گمراہ بھی ہو گمراہ گر بھی **سنجزی الذین یصدفون عن ایاتنا** : **جزاء** کبھی بمعنی ثواب آتا ہے کبھی بمعنی عذاب و سزا اور کبھی بمعنی بدلہ و عوض خواہ ثواب ہو یا عذاب۔ یہاں یا تو بمعنی عذاب و سزا یا بمعنی بدلہ اس سزا سے مراد یا تو دنیاوی سزا ہے یعنی کفار مکہ کا دنیا میں ہی ذلیل و رسوا ہونا مسلمانوں کے ہاتھوں بدر وغیرہ میں مارا جانا یا برزخی عذاب مراد ہے یا اخروی چونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے لہذا یہاں سین کے ساتھ یہ صیغہ ارشاد ہوا اور **سنجزیھم** نہ فرمایا گیا تاکہ سزا کے ساتھ سزا کی وجہ کا ذکر بھی ہو جائے یعنی جو لوگ آیات قرآنیہ میں غور و فکر ہی نہیں کرتے انہیں مانتے نہیں یا جو لوگوں کو قرآن سے روکتے یا پھیرتے ہیں ہم بہت ہی جلد انہیں سزا دیں گے۔ **سوء العذاب** یہ عبارت **سنجزی** کا مفعول ہے اللہ تعالیٰ کی سزائیں ہی بہت سخت ہے پھر جسے اللہ سخت عذاب فرمادے وہ کیسی ہوگی سخت اور برے عذاب سے مراد ہے یا دنیاوی رسوائی دیکھ لو ابو جہل وغیرہ قتل تو ایک بار ہو چکے مگر ان پر پھٹکار اب تک پڑ رہی ہے اور پڑتی رہے گی یا برزخی و اخروی عذاب میں انہیں تکلیف بھی ہوگی ہمیشگی بھی اور رسوائی بھی۔ گنہگار مومن کا برزخی عذاب بہت وجہوں سے ختم یا ہلکا ہو جاتا ہے اس کی قبر پر کوئی اللہ کا بندہ گزر گیا۔ زندوں نے اس کے لئے دعاء خیر و صدقہ وغیرہ کر دیئے کوئی عظمت والا دن یا رات آ گئی وغیرہ یوں ہی گنہگار مومن کو دوزخ میں خفیہ طریقہ سے پہنچایا جائے گا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہوگی نیز اسے دوزخ میں داخل کیا

جائے گا اوپر سے دھکا نہ دیا جائے گا کچھ عرصہ بعد اسے شفاعت کرنے والے کی شفاعت کے ذریعہ نکال کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا کفار کے لئے یہ کوئی رعایت نہیں اس لئے ارشاد ہوا **سوء العذاب بما کانوا یصدفون** اس کا تعلق سنجزی سے ہے اس میں یہ بتایا گیا کہ یہ سزا تو ان کے دوسروں کو گمراہ کرنے کی ہے یا خود غور نہ کرنے کی۔ رہے ان کے دوسرے اعمال اور دوسری بدکاریاں اس کی سزا علاوہ ہو گی' اللہ کی پناہ چونکہ یہ لوگ زندگی بھر برابر یہ جرم کرتے رہے اس لئے **کانوا یصدفون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کفار عرب قیامت کے دن نہ تو تم گذشتہ مذکورہ بہانہ بنا سکو گے اور نہ یہ عذر کر سکو گے کہ خدایا اگر ہم پر تیری آسمانی کتاب آتی تو ہم ان یہودیوں عیسائیوں سے بڑھ چڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے کہ ان میں بعض ایمان لائے بعض نہیں ہم سب ایمان لاتے وہ لوگ ایمان لا کر بھی اپنے نبیوں کو ستاتے رہے ان کی مخالفت کرتے رہے ہم سب اس کتاب والے نبی کے قدم دھو دھو کر پیتے انہوں نے نبی کے پردہ فرمانے کے بعد دین مسخ کر دیا کتاب الہٰی بگاڑ دی ہم ہمیشہ کتاب کی حفاظت کرتے ان میں اولیاء بہت کم ہوئے ہم میں صالحین اولیاء بہت ہوتے اب تو تمہارے پاس تمام آسمانی کتب سے اعلیٰ و افضل کتاب آ گئی جیسے یہ رسول سید الانبیاء ہیں ایسے ہی ان کا قرآن سید الکتب ہے یہ عقل والوں کے لئے روشن دلیل ہے محبت والوں کے لئے دنیا میں ہدایت آخرت میں رحمت ہے یا یہ قرآن عقل کے لئے بینہ (دلیل) ہے دل کے لئے ہدایت روح کے لئے رحمت ہے یا یہ دنیا میں دلیل ہے برزخ میں ہدایت آخرت میں رحمت اب خود غور کر لو کہ اس سے بڑا کافر یا اپنے پر ظلم کرنے والا کون ہو سکتا ہے جو ان آیات الٰہیہ کو خود جھٹلائے اور لوگوں کو اس کے ماننے سے روکے اور جو مان چکے ہیں انہیں اس سے پھیرے۔ عنقریب وقت آتا ہے کہ ہم ان پھرنے والوں کو بڑے سخت عذاب کی سزا دیں گے یا دنیا میں یا آخرت میں برزخ میں یا ہر جگہ۔ ان کے اس پھرنے کے جرم میں۔ رہی ان کی بد عملیوں کے سزا وہ اس کے سوا ہو گی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سارے عرب اور سارے مومنین اور سارے انسانوں کے پاس آئے مگر ان کی آمد میں فرق ہے جیسے بارش عام زمین پر آتی ہے تری دینے کو باغ اور کھیتوں میں آتی ہے پھول و پھل دینے کو سمندر کے سیپ میں آتی ہے موتی بخشنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و ہدایت سب کو کی مگر ایمان مومنوں کو بخشا عرفان ایقان کے موتی حضرت صدیق و فاروق اولیاء اصفیاء کے سینوں میں بنائے آمد ایک ہے مگر آمد کی نوعیت میں فرق ہے لہذا تمام آیات مطابق ہیں یہ بھی خیال رہے کہ قرآن مجید مستحکم و محکم ہے یعنی خدا کی قائم کردہ دلیل لہذا نہ اسے کوئی توڑ سکے نہ کوئی کمزور کر سکے گا۔ جیسے سورج کو کوئی بجھا نہیں سکتا کہ ربانی چراغ ہے نیز قرآن مجید اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہے کہ اس نے جسم کی پرورش کے لئے جسمانی غذائیں پیدا فرمائیں روح کی پرورش کے لئے روحانی غذائیں یعنی قرآن مجید بھیجا۔ ربک' ربکم' رب العالمین کا فرق ہم سورہ فاتحہ میں عرض کر چکے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** آدمی کو اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد کرنا چاہئے دیکھو یہ شیخی مارنے والے کفار عرب قرآن کریم نازل ہو جانے پر کافر ہی رہے کیونکہ انہوں نے اپنی عقل پر بھروسہ کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب آتی تو ہم ان بنی اسرائیلوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ **دوسرا فائدہ:** اچھی بات اچھے عمل کی تمنا کرنا اچھا ہے کہ اس پر بڑا ثواب ہے مگر دوسروں پر طعنہ کے لئے تمنا ظاہر کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے اور محرومی کا سبب ہے آج جو کہے کہ اگر میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو آپ پر مال و

جان اللہ اگر تا یہ تمنا اچھی ہے ان شاء اللہ اس تمنا والے کا حشر صحابہ کرام کے ساتھ ہو گا مگر یہ کہنا کہ حضرت صدیق و فاروق نے کچھ بھی نہ کیا اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو کچھ کر کے دکھاتا' وہ بے دینی ہے کہ اللہ کے مقبولوں پر طعنہ کرتا ہے۔ یہ فائدہ لکنا اھدی من الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قوم میں ایک فرد پر کتاب اترنا گویا ساری قوم پر اترنا ہے سب کے لئے باعث فخر ہے۔ یہ فائدہ انزل علینا الکتاب سے حاصل ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہونا سارے مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے لئے باعث فخر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں اور ملک عرب میں نازل ہوا مگر آیا سب کے پاس اور ہر ایک کے لئے۔ یہ فائدہ فقد جاء کم کے اطلاق سے حاصل ہوا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے عرب میں مگر پہنچے ہر ایک کے دل و ایمان میں قرآن کریم نے دوسری جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ صیغہ استعمال فرمایا ہے لقد جاء کم رسول۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید ایک کتاب ہے مگر اس کی صفات بیشمار ہیں یہ دلیل بھی ہے رحمت بھی ہے ہدایت بھی مبارک بھی نور بھی مبین بھی۔ یہ فائدہ وھدی ورحمۃ سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق پہلے پارہ ذالک الکتاب کی تفسیر میں مطالعہ فرماؤ۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں صفات سے موصوف ہیں' حضور' نبی' رسول' بشیر' نذیر' نور' سراج' منیر' وغیرہ سب کچھ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم۔) **چھٹا فائدہ:** کفر بڑے سے بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے یعنی اکبرا لکبائر ہے۔ یہ فائدہ فمن اظلم سے حاصل ہوا جب کہ اظلم بمعنی اکفر ہو۔ **ساتواں فائدہ:** آیات قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا منکر بڑا بھاری ظالم ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کہ اسے دائمی عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فمن اظلم سے حاصل ہوا جبکہ اظلم اپنے معنی ہی میں ہو یعنی بڑا ظالم۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کو جھٹلانے والا اور انہیں نبی نہ ماننے والا دونوں کفر میں برابر ہیں جھٹلانا یہ ہے کہ نبی کو جھوٹا کہے نہ ماننا یہ ہے کہ نہ انہیں جھوٹا کہے نہ سچا مگر ان کی فرمانبرداری نہ کرے کلمہ نہ پڑھے۔ یہ فائدہ یصدفون عن ایاتنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** گمراہ گر کافر اس کافر سے بدتر ہے جو خود گمراہ تو ہو مگر دوسروں کو بہکاتا نہ ہو۔ یہ فائدہ یصدفون کو دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کفار عرب جو کہتے تھے کہ ہم اہل کتاب سے زیادہ ہدایت پر ہوتے اس کا کیا مطلب ہے وہ لوگ اس زمانہ میں مومن تھے ان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہوئے۔ اصحاب کہف' آصف برخیا' حضرت مریم جیسی ہستیاں انہیں میں ہوئیں پھر یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ کیسے ہوئے۔ **جواب:** بنی اسرائیل عموماً ایمان لانے کے بعد بھی نہایت سرکش اور اپنے پیغمبروں کے بے ادب ان کو ستانے والے تھے جن کی سزائیں پاتے رہتے تھے کفار عرب کہتے تھے کہ ہم ایسے بے ادب نہ ہوتے ہم وفادار اطاعت شعار ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں قرآن کریم کی تین صفتیں بیان ہوئیں۔ بینہ' ہدایت' رحمت' ہدایت و رحمت دونوں ایک ہیں پھر انہیں دو میں شمار کیوں کیا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہدایت اور رحمت میں بہت طرح فرق ہے۔ ہدایت زندگی میں رحمت' موت کے وقت اور موت کے بعد برزخ میں' ہدایت دنیا میں' رحمت آخرت میں' ہدایت جسم کے لئے رحمت روح اور دل کے لئے ہدایت' شریعت کے لحاظ سے' رحمت طریقت کے لحاظ سے۔ اور بہت طرح فرق ہو سکتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** عذاب اور سوء العذاب میں کیا فرق ہے کہ یہاں ارشاد ہوا سوء العذاب۔ **جواب:** دوزخ اور وہاں کی تکالیف تو عذاب ہیں مگر وہاں ہمیشہ رہنا برا عذاب' رسوائی برا عذاب دوزخ میں داخل کرنا عذاب اور کنارہ دوزخ سے دھکیلنا برا عذاب' چپکے سے عذاب دینا عذاب ہے رسوا کر کے سزا دینا برا عذاب' وہاں جلنا عذاب ہے اور جلنے کے

ساتھ آپس کی دشمنیاں گالی گلوچ مار پیٹ برا عذاب اور بھی فرق ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : عاقلین کو اپنی عقل پر ناز ہوتا ہے کاملین کو اللہ کے فضل پر عقل والے فیل ہو جاتے ہیں فضل پر بھروسہ کرنے والے کامیاب رہتے ہیں عاقلین کے پاس زبانی دعویٰ زیادہ ہوتے ہیں عمل کم یا بالکل نہیں واصلین کے پاس دعوے نہیں ہوتے عمل ہوتے ہیں عاقلین کے پاس اگر مگر زیادہ ہوتی ہے یہ کفار اس اگر مگر کے چکر میں تھے کہ اگر ہماری زبان میں کتاب آتی تو ہم ہدایت پاتے مگر نہ آئی چنانچہ ہم ایمان نہیں لائے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تھا پھر سارے صحیفوں میں مختلف رنگوں میں آیا پھر خوش نصیب لوگوں کی لوح وجود میں نقش ہوا ان میں جو لوگ صرف نقوش اور قرآت کے پیچھے پڑے رہے وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئے جو ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلا اسے اپنی علوت بنایا وہی پورا کامیاب رہا ایک شاعر کہتا ہے۔

نقد عمرش ز فکرت معوج خرج شد در رعایت مخرج

صرف کروش ہمہ حیات سرہ در قرآت سبعہ و عشرہ

جس کے منہ میں قرآن کے الفاظ ہوں مگر دل میں نور قرآن نہ ہو تو سمجھ لو کہ قرآن اس کے خلاف گولہ ہے اور وہ اس آیت کی زد میں ہے **فمن اظلم ممن کذب بآیات اللہ** وہ سخت عذاب کا مستحق ہے نور والوں کے لئے قرآن بینہ ہے رحمت و ہدایت ہے مگر بد نصیب اس سے عذاب قہر غضب ہی لیتے ہیں اس کا انکار کر کے صوفیاء فرماتے ہیں کہ کام اور کلام کا ثواب و عذاب نیت پر موقوف ہے ایک ہی کام اچھی نیت سے نیک ہوتا ہے بری نیت سے بد۔ موسیٰ علیہ السلام نے شوق دیدار الٰہی میں عرض کیا رب ارنی خدایا مجھے اپنا جمال دکھاوے ان کی محبوبیت اور بڑھ گئی اسرائیلیوں نے یہی کہا تھا **ارنا اللہ جھرۃ** وہ عذاب کے مستحق ہو گئے کہ انہوں نے نبی پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے کہا تھا دیکھو کفار مکہ نے کہا تھا کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے یہ تمناء خیر کی بنا پر نہ کہا تھا بلکہ گزشتہ لوگوں پر اعتراض کرنے کے لئے کہا تھا انہیں توفیق ایمان نہیں ملی قابیل کو توبہ نصیب نہ ہوئی برادران یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوئی کہ اگرچہ قصور قریبا" یکساں تھے مگر نیتوں میں فرق تھا قرآن دلیل والوں کے لئے بینہ ہے دل والوں کے لئے ہدایت جو اپنا سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر چکے ان کے لئے رحمت ہے دل کے آگے دلیل بیکار ہوتی ہے اور عشق کے سامنے عقل بیکار مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل خود نا کارہ شد شمس آمد شمع خود نا چارہ شد

ایک ہے قرآن کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس آنا اور ایک ہے ہمارا ان کے پاس آنا ان دونوں میں فرق ہے دعا ہے کہ خدا کرے ہم ان کے پاس آئیں لہذا ان جیسی آیات اس آیت کے خلاف نہیں کہ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** سورج سب کے پاس آتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ اور تہ خانہ میں بیٹھا رہنے والا آدمی سورج کے پاس نہیں آتا کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ

کیا انتظار کرتے ہیں وہ لوگ مگر اس کا کہ آئیں ان پر فرشتے یا آوے آپ کے رب کا عذاب یا آئیں بعض نشانیاں

کاہے کے انتظار میں ہیں کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی

رَبُّكَ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ

تمہارے رب کی وہ دن کہ آئیں گی بعض نشانیاں تمہارے رب کی نہیں فائدہ دے گا کسی جان کو ایمان اس کا

جس دن تمہارے رب کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ہو نہ تھی کہ ایمان لائی اس سے پہلے یا کمائی اپنے ایمان میں بھلائی بس انتظار دیکھو تم بیشک ہم انتظار والے ہیں

تھی یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار مکہ کی ڈھٹائی کا ذکر تھا کہ قرآن جیسی کتاب دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اب ان کی اس ڈھٹائی کی انتہاء کا ذکر ہے کہ ان کی یہ ڈھٹائی رہے گی نہیں، یہ عذاب الٰہی آنے پر ختم ہو جائے گی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ایمان معتبر ایمان مقبول کا ذکر تھا یعنی کتاب اللہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر ایمان لانا اب ایمان مردود ایمان غیر معتبر کا ذکر ہے یعنی عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان لانا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اس قرآن کریم کا ذکر تھا جو سراپا رحمت، ہدایت ہے اب اس عذاب یا قیامت کا ذکر ہے جو بعض کے لئے رحمت ہے اور بعض کے لئے عذاب۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے قرآن مجید ان کفار کا عذر دور کرنے ان کی بہانہ بازیاں ختم کرنے کے لئے اتارا اب ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ اب بھی ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں یہ اب بھی ایمان نہ لائیں گے ان کے مقدر میں تو وہ عذاب ہے جو یہاں مذکور ہے۔

تفسیر : **هل ينظرون** عربی میں لفظ ھل پوچھنے اور سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر یہاں اس سوال سے مقصود ہے نفی اور انکار اس لئے مفسرین اس کے معنی کرتے ہیں لا یا ما یعنی نہیں۔ **ينظرون** بنا ہے نظر سے معنی دیکھنا یا غور کرنا یعنی آنکھ کی نظر یا دل کا غور مگر کبھی معنی انتظار بھی آتا ہے یہاں معنی انتظار ہے اور انتظار سے مراد واقعی انتظار نہیں وہ کفار تو ان تینوں باتوں کے منکر تھے جن کا یہاں ذکر ہے پھر وہ ان کا انتظار کیسے کرتے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ غیبی عذاب آنا بند ہو گئے جن کے آنے پر ایمان قبول نہیں ہوتا نیز وہ لوگ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار نہ تو قیامت کا آنا اپنی زندگی میں دیکھیں گے نہ آفتاب کا مغرب سے نکلنا لہٰذا وہ ان اوقات میں ایمان کیسے لاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ آخر دم یا قیامت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ **لا ان تاتیهم الملئكة**۔ یہ ینظرون کی انتہا ہے یا استثناء ملائکہ سے مراد ہیں موت کے فرشتے چونکہ جان نکلتے وقت ایک تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور سات فرشتے ان کے معاون مددگار مومن کے لئے سات فرشتے رحمت کے اور کافر کے لئے سات فرشتے عذاب کے۔ اس لئے ملئکہ جمع ارشاد ہوا۔ (صاوی) خیال رہے کہ جان نکالنا صرف ملک الموت کا کام ہے اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔ **يتوفا كم ملك الموت الذى وكل بكم** دوسرے فرشتے اس لئے آتے ہیں کہ روح نکلتے ہی اس پر قبضہ کر لیں وہ سات ہوتے ہیں ان کے علاوہ اور فرشتے بشارت یا ڈرانے کے لئے بھی آتے ہیں وہ کم و بیش ہوتے ہیں بعض کے لئے تاحد نظر **او ياتى ربك** یہ عبارت معطوف ہے

تا تیھم پر اور الا کے تحت ہے یاتی کے بعد یا تو عذاب پوشیدہ ہے یا قیامت یا فیصلہ یا انتقام یا امر یا عذاب کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے سے پاک ہے اس کی تفسیر سورہ بقر میں اس آیت کی تفسیر میں گزر گئی **ھل ینظرون الا ان یا تیھم اللہ فی ظلل من الغمام** وہاں مطالعہ فرماؤ **او یا تی بعض ایات ربک** یہ عبارت یاتی پر معطوف ہے اور یہ بھی ال کے تحت ہے بعض آیات سے مرادیں قیامت کی بڑی نشانیاں وہ دس ہیں' دجال' دابتہ الارض' مشرق' مغرب اور عرب میں زمین دھنسنا' غیبی دھواں' آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا' یاجوج ماجوج کا خروج' عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری' غیبی آگ جو عدن سے نکلے گی اور لوگوں کو شام کی زمین پہنچادے گی۔ ان کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً" دجال نکلے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر یاجوج ماجوج کا خروج پھر دابتہ الارض پھر آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع' آفتاب کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا' عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سارے کفار ایمان قبول کریں گے ساری دنیا میں سواء اسلام کے کوئی دین نہ رہے گا آپ کی وفات ہو چکنے کے بعد کافر ہونے لگیں گے ان پر سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا۔ (صاوی شریف) اس وقت یہ حالت ہوگی کہ **یوم یا تی بعض ایات ربک لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل** خیال رہے کہ مرتے وقت یعنی عذاب کے فرشتے دیکھ کر بھی ایمان لانا قبول نہیں مگر وہ شخصی واقعہ ہوتا ہے اور یہ قومی واقعہ کا ذکر ہے یہاں بھی بعض آیات سے مراد سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہوتا ہے اس وقت لوگ پکاریں گے کہ ہم ایمان لاتے ہیں مگر اب ایمان لانا قبول نہ ہوگا کیونکہ اب ایمان بالغیب نہ رہا بلکہ ایمان بالشہادۃ ہو گیا اس کا واقعہ یہ ہوگا کہ آفتاب ڈوب جائے گا اور یہ رات تین رات کے برابر دراز ہو گی مومنین تہجد کی نماز پڑھ کر دوبارہ سوئیں گے مگر رات ختم ہونے میں نہ آئے گی لوگ چیخ پڑیں گے پھر سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اس وقت کفار کلمہ پڑھیں گے (صاوی) اس کا یہاں ذکر ہے **او کسبت فی ایمانھا خیرا** یہ عبارت معطوف ہے امنت پر اور لم تکن کے تحت ہے یا یہاں بھی لم تکن پوشیدہ ہے فی یا معنی مع ہے یا اپنے معنی میں ہے خیر سے مراد یا تو اخلاص نیت ہے یا نیک اعمال یعنی جو لوگ اب تک منافقت سے ایمان لائے تھے آج توبہ کر کے اخلاص اختیار کریں تو وہ بھی قبول نہیں اور جو مسلمان فسق و فجور میں گرفتار تھے آج توبہ کر کے نیک و صالح عمل کرنا شروع کریں تو وہ بھی قبول نہیں ہاں جو مومن پہلے ہی سے نیک اعمال کرتے ہوں گے ان کی نیکیاں اب بھی قبول ہوں گی۔ خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی انسان کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا **قل انتظروا انا منتظرون** اس فرمان عالی میں انتہائی غضب کا اظہار ہے **انتظروا** میں خطاب ہے انہیں کفار سے جن کا ذکر پہلے ہوا **انتظروا** اور **منتظرون** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے یعنی اے کافرو! مت لاؤ ایمان کرے جاؤ اس وقت کا انتظار ہم بھی تمہاری اس حالت یعنی تمہاری موت کے یا علامات قیامت کے یا قیامت کے منتظر ہیں کہ تم پر یہ واردات آئیں اور ہم تمہارا حال عبرت کی نظر سے دیکھیں اس فرمان عالی کا منشاء یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کافر رہنے کی اجازت دی جائے بلکہ اس کا مقصد اظہار غضب ہے جیسے رب فرماتا ہے **فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر** یا جیسے **امنوا بہ اولا تومنوا** بہرحال آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ کفار عرب جو قرآن مجید نازل ہوتے دیکھ کر آیات قرآنیہ سن کر آپ کے چہرہ انور کی زیارت کر کے آپ کے معجزات کا مشاہدہ کر کے بھی ایمان نہیں لائے یہ کس چیز کس دن کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کب ایمان لائیں گے کیا وہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ان کی جان نکالنے کے لئے ملک الموت اور عذاب کے فرشتے آجائیں پھر انہیں دیکھ کر ایمان

لائیں اور ایمان قبول نہ ہو یا اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب رب کا عذاب آجائے یا یہ لوگ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو جائیں پھر سب کچھ دیکھ کر ایمان لائیں یا اس دن کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت کی بعض وہ نشانیاں آجائیں جنہیں دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہ ہو یعنی سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا جب قیامت کی بعض ایسی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو گا اور اس وقت ایمان لائے گا اس کا ایمان کچھ نفع نہ دے گا یوں ہی جس نے منافقت سے کلمہ پڑھا ہو گا اس وقت اخلاص سے پڑھے گا تو کام نہ آئے گا یوں ہی جو مسلمان مخلص مومن ہو مگر گناہوں میں گرفتار ہو یہ علامات دیکھ کر گناہوں سے توبہ کرے تو یہ توبہ قبول نہ ہو گی ہاں جو مخلص مومن پہلے سے ہی نیک اعمال کرتے ہوں گے ان کی آئندہ نیکیاں قبول ہوں گی اے محبوب فرمادو کہ تم اس دن کا انتظار کئے جاؤ ہم بھی منتظر ہیں کہ تم ایسے حالات میں ایمان لاؤ اور قبول نہ ہو تم در کارے ہی جاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت نہ لے اسے ہدایت کبھی نہیں مل سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا آخری مرکز ہیں۔ یہ فائدہ **ھل ینظرون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: نزع کے وقت ایمان لانا معتبر نہیں کیونکہ اس وقت مردہ فرشتے دیکھ لیتا ہے اور ایمان وہ معتبر ہے جو بالغیب ہو۔ یہ فائدہ **تاتیھم الملئکۃ** سے حاصل ہوا مگر اس وقت گناہوں سے توبہ معتبر اور قبول ہے اگر خدا کرے کہ نزع کے وقت اوسان ٹھکانے رہیں اور گناہ گار مسلمان گناہوں سے توبہ کرے تو معافی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس حالت میں یعنی غرغرہ کے وقت اگر کسی مومن کے منہ سے کفر کے الفاظ نکل جائیں تو اس سے وہ مرنے والا کافر نہ ہو گا کیونکہ مدہوش کا کفر معتبر نہیں دیکھو ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی تھی اور سورہ کافرون میں ہر جگہ لا چھوڑ گئے تو رب نے انہیں کافر قرار نہیں دیا بلکہ حکم دیا کہ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ لہذا اگر نزع کی حالت میں کسی کے منہ سے کفر کے الفاظ سنے جائیں تو بھی اس پر نماز پڑھی جائے گی اور قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ **تیسرا فائدہ**: قیامت میں کفار ایمان لانے کی کوشش کریں گے مگر کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ اس دن بھی غیب شہادت ہو چکا ہو گا' رب کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا بھی قبول نہیں ہوتا دیکھو فرعون ڈوبتے وقت بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی** مگر قبول نہ ہوا اور ڈبو دیا گیا۔ یہ فائدہ **اویاتی ربک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: بعض علامات قیامت دیکھ کر ایمان لانا قبول نہ ہو گا جیسے سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا۔

حدیث شریف : بخاری شریف نے بروایت حضرت ابو ہریرہ روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی حتی کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو' جب ایسا ہو گا تو سارے کفار ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت ایمان قبول نہ ہو گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی (بخاری ابن کثیر وغیرہ) اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جو تفسیر خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ نے نقل فرمائیں۔ **پانچواں فائدہ**: سورج مغرب سے نکلتا دیکھ کر فسق اور گناہوں سے توبہ بھی قبول نہ ہو گی۔ یہ فائدہ **او کسب فی ایمانھا خیرا**" سے حاصل ہوا اس لئے توبہ میں جلدی کرنی چاہئے۔ **چھٹا فائدہ**: یہ علامت یعنی سورج کا مغرب سے طلوع دیکھ کر نیک لوگوں کی نیکیاں برابر قبول ہوتی رہیں گی۔ یہ فائدہ بھی **او کسبت** سے حاصل ہوا غرضکہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو گا نہ کہ قبولیت اعمال کا دروازہ۔ **ساتواں فائدہ**: گنہگار مومن اگر بحالت غرغرہ موت کے فرشتے دیکھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو قبولیت کی امید ہے۔ یہ فائدہ بھی **او کسبت فی ایمانھا خیرا** سے حاصل ہوا کہ اس کا ذکر **یوم یاتی بعض ایات ربک** کے ساتھ فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ قیامت' علامات قیامت اور موت کے فرشتوں کے قائل ہی نہ تھے پھر وہ ان چیزوں کا انتظار کیسے کرتے تھے اور **ھل ینظرون** فرمانا کیونکر درست ہوا' **جواب**: یہاں انتظار واقعی کا ذکر نہیں بلکہ ان کے ایمان میں دیر لگانے کو انتظار قرار دیا گیا ہے یعنی وہ انتظار دیکھنے والوں کا سا کام کرتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: مغرب سے سورج انکلتا دیکھ کر ایمان لانا معتبر کیوں نہ ہو گا۔ دوسری علامات دیکھ کر ایمان قبول کیوں ہو جائے گا اور یہاں بعض آیات کیوں ارشاد ہوا۔ چنانچہ جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اترتے دیکھ کر ایمان لائیں گے ان کا ایمان قبول ہو گا۔ حضرت مسیح لوگوں کو ایمان کی تلقین کریں گے' حالانکہ اس وقت لوگ دجال وغیرہ کو بھی دیکھ چکے ہوں گے۔ **جواب**: اس لئے کہ اس نشانی پر یعنی سورج کے مغرب کی طرف سے نکلتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اب توبہ بارگاہ الٰہی میں کس راستے سے جائے' چنانچہ ترمذی شریف میں بروایت صفوان ابن عسال مرادی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کی طرف آسمان میں ایک دروازہ ہے۔ جس کی چوڑائی چالیس سال کی راہ ہے یہ دروازہ آسمانوں کی پیدائش کے وقت سے توبہ کے لئے کھلا ہوا ہے اور سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے تک کھلا رہے گا جب سورج مغرب سے نکلے گا تب یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ (ترمذی تفسیر خازن) **تیسرا اعتراض**: توبہ کا دروازہ بند ہو جانے پر متقی مومنوں کی نیکیاں قبول ہوں گی یا نہیں اگر قبول ہوں گی تو وہ کس دروازے سے جائیں گی دروازہ تو بند ہو چکا اور اگر قبول نہیں ہوں گی تو اس زمانہ میں عبادات فرض رہیں گی یا نہیں حرام چیزیں حرام رہیں گی یا نہیں نیز پھر اس صورت میں ارشاد باری کا مطلب کیا ہو گا۔ **او کسبت فی ایمانھا خیرا**۔ **جواب**: جو مسلمان پہلے سے نیک تھے ان کی نیکیاں اب بھی قبول ہوں گی جو پہلے کافر تھے یا مومن تھے مگر بدکار ان کا ایمان یا نیک اعمال قبول نہ ہوں گے کیونکہ توبہ کا دروازہ اور ہے نیکیاں جانے کا دروازہ کوئی اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو گا نہ کہ نیکیاں جانے کا۔ لہذا اس وقت شریعت کے احکام برابر جاری رہیں گے مگر پرانے نیک مسلمانوں پر ان کی وفات کے بعد قیامت بہت ہی قریب ہو گی اس لئے یہاں **او کسبت فی ایمانھا** ارشاد ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: جو بچے اس وقت کے بعد پیدا ہوں وہ ایمان کے مکلف ہوں گے یا نہیں اگر ہوں گے تو یہ آیت کیسے درست ہوئی کہ **لم تکن امنت من قبل** کیونکہ وہ بچے بھی تو اس سے پہلے ایمان نہیں لائے تھے اور اگر ایمان کے مکلف نہیں ہوں گے تو چاہئے کہ وہ کافر رہ کر کافر مر کر بھی جنت میں جائیں کیونکہ ان پر ایمان فرض تھا ہی نہیں۔ **جواب**: علماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان بچوں پر سمجھدار ہو جانے پر ایمان وغیرہ فرض ہوں گے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے موجود مکلف ہوں اور ایمان یا نیک اعمال اختیار نہ کریں۔ وہ تو پہلے موجود ہی نہ تھے دوسرے یہ کہ اس وقت نہ تو کوئی بچہ ہو گا نہ اس کے بعد کوئی بچہ پیدا ہو گا' ولادت کا سلسلہ اس سے چالیس سال پہلے بند ہو چکا ہو گا اور قیامت تک بند رہے گا جیسا کہ بعض احادیث شریفہ میں ہے فقیر کے نزدیک یہ دوسرا جواب قوی ہے۔ **پانچواں اعتراض**: قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کا پہلا **نفخہ** ہونے پر ہر ماں اپنے شیر خوار بچے سے بے خبر ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے **یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا **نفخہ** ہونے تک بچے بھی ہوں گے اور حمل بھی لہذا تمہارا یہ جواب اور وہ احادیث صحیح نہیں۔ **جواب**: تمہاری پیش کردہ آیت میں اس وقت کی ہیبت دکھانے کے لئے تقدیری فرضی واقعہ کا ذکر ہے کہ اگر اس وقت شیر خوار بچے ہوں تو مائیں ان سے بے خبر ہو جائیں۔ اور اگر حاملہ عورتیں ہوں تو ان کے حمل گر جائیں اس کی تحقیق ہمارے

حاشیہ میں ملاحظہ کرو۔ چھٹا اعتراض: جب نزع کے وقت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں تو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کیوں کی جاتی ہے اس وقت کلمہ پڑھانے سے کیا فائدہ۔ جواب: اس وقت کلمہ پڑھانا اس لئے ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مرے وہ جنتی ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ ورنہ وہ تو پہلے ہی سے مومن ہے۔ خیال رہے کہ کلمہ پڑھ کر سونا اور کلمہ پڑھ کر مرنا بہت ہی اچھی چیز ہے۔ اللہ نصیب کرے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا نفس اور دل قابل کاشت بہترین زمین ہے۔ جس میں ایمان کا تخم اگر بویا جائے اور اسے آنسوؤں کا پانی توبہ کی ہوا نیک اعمال کی کھاد دی جائے تو اس میں معرفت کے درخت پیدا ہوتے ہیں۔ جس میں محبت کشف وصول وصال کمال کے پھل پھول لگتے ہیں اور یہ درخت ہمیشہ ہی پھل دیتا رہتا ہے تؤتی اکلھا کل حین مگر شرط یہ ہے کہ کاشت تخم ریزی کھاد پانی ہو اور درست و صحیح وقت پر کرلی جائے اس کا مخصوص زمانہ ہر شخص کی اپنی زندگی ہے کہ مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں مگر اس کا نوعی زمانہ وہ ہے جو اس آیت میں ذکر ہے یعنی آفتاب کا مغرب سے نکلنا اس علامت کے ظہور پر معلوم ہو جائے گا کہ زمانہ میں انقلاب آ گیا اس لئے ارشاد ہے الدنیا مزرعۃ الاخرۃ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے ہر سانس کی قدر کرے نہ معلوم کونسی سانس آخری ہو ہر رات کو آخری رات سمجھے نہ معلوم کل کی رات زمین کے اوپر آئے گی یا زمین کے اندر قبر میں۔

سونے والے اللہ اللہ کر کے سو! کیا خبر اٹھے نہ اٹھے صبح کو!

جو مر گیا اس کا سورج تو مغرب سے طلوع ہو گیا۔ (از روح البیان)

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے ٹکڑے کر دیا دین اپنا اور ہو گئے مختلف گروہ نہیں ہیں آپ ان میں سے کسی چیز میں

وہ جنہوں نے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ

إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ

اس کے سوا نہیں کہ معاملہ ان کا طرف اللہ کے ہے پھر خبر دیگا وہ انہیں اس کی جو وہ تھے کرتے۔ وہ جو لائے کا بھلائی

اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں

عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ

پس واسطے اس کے دس گنا ہیں اس کی اور وہ جو لائے گا برائی لیس نہیں بدلہ دیا جاوے گا مگر مثل اس کے اور

اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہیں ملے گا مگر اس کی برابر اور ان پر ظلم

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
ان پر لوگ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔
نہ ہو گا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین پر عتاب فرمایا گیا تھا اب یہود و نصاریٰ کے متعلق عتابانہ خطاب ہو رہا ہے گویا ایک قسم کے کافروں پر عتاب کے بعد دوسری قسم کے کافروں پر غضب کا اظہار ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار پر غضب و قہر کا اظہار کیا گیا جو صراحتہً "اسلام سے دور رہے مذہباً" "قوماً" ہر طرح اسلام اور مسلمانوں سے الگ رہے اب ان مسلمان نما کافروں پر غضب و قہر کا ذکر ہے۔ جو بظاہر مسلمان ہوں مگر حقیقتہً کافر گویا مذہبی و قومی کافروں کے بعد مذہبی کافروں قومی مسلمانوں کا ذکر ہے جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا ان شاء اللہ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان بے دینوں پر قہر کا ذکر تھا جو دین سے دور رہے اب ان خوش نصیبوں پر مہربانی کا تذکرہ ہے جو اسلام قبول کر لیں کہ ان کی ایک نیکی کی جزا دس گناہ اور ایک گناہ کی سزا ایک گناہ جانی جاوے بالحسنۃ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اس زمانہ کا ذکر تھا جب فاسق مومنوں کو بھی نیکی نفع نہ دے گی۔ یعنی سورج کا مغرب سے نکلنے کا وقت اب ان گھڑیوں ساعتوں کا ذکر ہے جب کہ دریا رحمت بہہ رہا ہے ہر گناہ سے توبہ قبول ہے ہر نیکی کے بہت ثواب ہیں تاکہ لوگ اس وقت کو غنیمت جانیں اور کچھ کر لیں۔

شان نزول : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی یہود و نصاریٰ کے بہت فرقے تھے جن میں ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا ان کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسی غلطی کرنے سے روک گیا (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ جو یہود و نصاریٰ صحیح طور پر اپنے دین پر قائم تھے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ کی تعلیم سن کر یا آپ کو بچپن شریف میں دیکھ کر آپ کی ایک جھلک دیکھ کر ایمان لے آئے جیسے بحیرہ راہب' ورقہ ابن نوفل' شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ اور عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی بلکہ تبع اول اور اس کی قوم تو صرف نام پاک سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے صدیوں پہلے ایمان لا چکے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے میں ملانے کی کوشش کیا کرتے تھے یعنی اصلی اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلتے تھے اور نقلی جھوٹے اہل کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ خود اپنا یہ حال تھا کہ آپس میں بکھرے ہوئے تھے۔ یہ آیت کریمہ اسی دوسرے گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تفسیر : **ان الذین فرقوا دینھم** چونکہ اس آیت کریمہ کا مضمون بہت ہی اہم ہے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ **الذین** سے مراد کبھی حضرات صحابہ ہوتے ہیں کبھی سارے مومنین کبھی اہل کتاب کبھی سارے کفار کبھی سارے انسان کبھی ساری مخلوق جیسا مضمون ویسی مراد یہاں اس سے سارے اہل کتاب مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ہماری قراءت میں فرقوا ہے اور بعض دوسری قراءتوں میں فارقوا ہے۔ **فرقوا** کے معنی ہیں متفرق کر دیا بکھیر دیا **فارقوا** کے معنی ہیں دور ہو گئے

جدا ہوگئے الذین میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں تب دینھم سے مراد وہ ملت ابراہیمی ہے جو ان کا پرانا اور اصل دین تھا تفریق کے معنی ہیں اس ملت ابراہیمی کے ٹکڑے کر دینا کہ اس میں بت پرستی ستارہ پرستی ان لوگوں نے داخل کر دی بعض دو خداؤں کے قائل ہوئے بعض زیادہ کے۔ دوسرے یہ کہ الذین سے مراد ہیں یہود و نصاریٰ اور فرقوا کے معنی ہیں کہ وہ فرقوں میں بٹ گئے اور دینھم سے مراد یہودیت و نصرانیت ہے۔ جس کے ماننے کے وہ مدعی تھے اور اس کے باوجود فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تیسرے یہ کہ الذین سے مراد ہیں خود کلمہ گو مسلمان اور فرقوا میں آئندہ کی غیبی خبر ہے یعنی جو لوگ مسلمان کہلا کر فرقے فرقے بن جائیں گے چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہونے والا تھا اس لئے فرقوا ماضی ارشاد ہوا اس صورت میں دینھم سے مراد اسلام ہوگا۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہود و نصاریٰ بہتر، اکہتر فرقوں میں بٹے جن میں سے سب دوزخی تھے سوا ایک کے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے سب دوزخی سوا ایک کے پوچھا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا فرمایا **ما انا علیہ واصحابی** جس کے عقیدے میرے اور میرے صحابہ کرام کے مطابق ہوں گے (ترمذی، ابوداؤد، خازن وغیرہ) **وکانوا شیعا** یہ عبارت معطوف ہے **فرقوا** پر اور **الذین** کا صلہ ہے شیعا جمع ہے شیعہ کی جس کا مادہ شیع بمعنی اتباع کرنا پیچھے چلنا اسی لئے کسی کو پہنچانے جانے کو مشایعت کہتے ہیں چونکہ ہر فرقہ کسی نہ کسی پیشوا کے پیچھے چلتا ہے اس کی اتباع کرتا ہے اس لئے اسے شیعہ کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے شیاع یا شیوع سے بمعنی پھیلنا اسی سے ہے اشاعت بمعنی پھیلانا چونکہ ہر فرقہ اپنے عقیدے پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اسے شیعہ کہا جاتا ہے یعنی جن لوگوں نے اپنا دین متفرق کر دیا اور خود الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے۔ **خیال رہے** کہ لفظ شیعہ یا شیعا قرآن کریم میں کل گیارہ جگہ آیا ہے ہر جگہ اس کے معنی ہوتے ہیں نافرمان نالائق گروہ قرآن کریم نے کہیں بھی فرمانبردار گروہ کو شیعہ نہیں کہا فرماتا ہے **ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عتیا** یہاں بھی گمراہ نافرمان گروہوں کو شیعا فرمایا جو اہل کتاب فرمانبردار تھے وہ اس سے خارج ہیں **وان من شیعتہ لابراھیم** کا جواب اعتراض و جواب میں دیا جائے گا **لست منھم فی شیء** یہ عبارت ان کی خبر ہے اس میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ آسان تفسیر یہ ہے کہ منھم سے پہلے متعلقاً پوشیدہ ہے یا موافقاً یعنی آپ کسی چیز میں ان کے موافق نہیں ان سے تعلق رکھنے والے نہیں ہر چیز میں آپ ان سے علیحدہ ہیں بیزار ہیں بے تعلق ہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں **انما امرھم الی اللہ** یہ جملہ یا تو الگ اور مستقل ہے یا لست منھم کی وجہ ہے امر سے مراد ہے سزا بدلہ الی اللہ سے پہلے موکول یا مفوض پوشیدہ ہے یعنی ان لوگوں کا معاملہ ان کی سزا بدلہ اللہ کے سپرد ہے۔ اسی کے حوالہ ہے وہ ان سب کو سخت سزا دے گا۔ خیال رہے کہ سب بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد ہے سب کو وہاں ہی پیش ہونا ہے مگر مومنین کی پیشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ کے توسل سے ہوگی اور رحمت کا باعث کفار کی پیشی براہ راست بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے ہوگی اور عذاب کا باعث اگر بجلی کے پاور گھر میں حفاظتی ربڑ وغیرہ کے ساتھ آئے تو رحمت ہے روشنی ہوا ٹھنڈک گرمی سب دے گا لیکن اگر بلا حفاظتی سامان کے آئے تو جان لے لیگا وہ عذاب ہوگا اللہ کی قدرت گویا پاور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل گویا حفاظتی سامان ہے جو عذاب کو رحمت میں تبدیل کرتا ہے جس مجرم کو پولیس عدالت میں پیش کرے تو سزا کے لئے پیش کرتی ہے اور جسے

مجرم کا وکیل یا حاکم کا حبیب پیش کرے تو اسے چھڑانے کے لئے پیش کرتا ہے وکالت اور محبوبیت انشاء اللہ ہم مجرموں کا بیڑا پار کرے گی۔ **ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون** یہ جملہ معطوف ہے **امرھم الی اللہ** پر چونکہ یہ خبر دینا قیامت میں ہوگا اور وہ بہت دور ہے اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا خبر دینے سے مراد ہے عملی خبر دینا قولی خبر تو دنیا میں بھی بذریعہ انبیاء کرام دے دی گئی ہے **کانوا یفعلون** سے مراد ان کی یہی بد عملی ہے یعنی دین میں تفرقہ بازی کرنا یا ان کی ساری بد عملیاں مراد ہیں کیونکہ کفار کو ان کی بد عملیوں کی سزا بھی ملے گی ہاں ان کی نیکیاں برباد ہیں اللہ تعالیٰ اعمال مسلمانوں کو بھی دکھائے گا اور کافروں کو بھی مگر کافروں کو دکھائے گا نیکیاں برباد کرنے گناہوں پر پکڑ کرنے کو مومنوں کو دکھائے گا نیکیاں قبول کرنے گناہ معاف کرنے کو صدقہ اپنے حبیب کا۔ **من جاء بالحسنۃ** یہ نیا جملہ ہے جس میں کفار کے عذاب کے مقابل مومنوں کے ثواب کا ذکر ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے من سے مراد ہر مومن انسان ہے اور حسنہ سے مراد مطلقاً نیکی بدنی ہو یا مالی فرض ہو یا سنت واجب ہو یا مستحب زبان کی نیکی ہو یا دل کی لہٰذا اس میں بڑی گنجائش ہے بعض نے فرمایا کہ من سے مراد ہیں سارے انسان مومن ہوں یا کافر اور حسنہ سے مراد ہے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جانا یا اسلام کے بعد کوئی اور نیکی کرنا مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ کافر کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جانا اس کے سارے کفر و گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اس کی جزاء صرف دس گنا نہیں۔ (از روح المعانی) خیال رہے کہ جس قول و فعل سے اللہ رسول راضی ہو جائیں وہ نیکی ہے اور جس قول و فعل سے اللہ رسول ناراض ہوں وہ گناہ۔ منافقین کا کلمہ پڑھنا گناہ تھا کہ اللہ رسول اس سے راضی نہ تھے **واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون** اور حضرت ابو امیہ ضمری کا منہ سے کفر بول دینا نیکی ہوا کہ اللہ رسول اس سے راضی تھے **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان** حضرت علی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز عصر قضا کر دینا نیکی تھا کہ اللہ رسول اس سے راضی تھے منافقین کی نمازیں اداکرنا گناہ کہ اللہ رسول اس سے ناراض تھے **فلہ عشر امثالھا**: یہ عبارت من جاء کی خبر بمعنی جزا ہے لہ میں لام ملکیت کا ہے جو عطاء الٰہی سے حاصل ہوگی اس کی اصل عبارت یہ تھی۔ **فلہ عشر حسنات امثالھا** یعنی اسے ایک نیکی جیسی دس نیکیاں عطا فرمائی جائیں گی ایک نماز کی دس نمازیں ایک روپیہ صدقہ کے دس روپیہ یہاں قانون کا ذکر ہے اس سے بہت زیادہ رب دیدے تو وہ اس کا فضل و کرم ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں جس میں سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ کی عطا کا وعدہ ہے۔ **کمثل حبۃ انبتت** حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ یہ وعدہ عام مومنوں کے لئے ہے اور سات سو سے زیادہ کا وعدہ مہاجرین کے لئے ہے مگر پہلا قول قوی ہے **ومن جاء بالسیئۃ** جتنے احتمال **من جاء بالحسنۃ** میں تھے اس کے مقابل اتنے ہی احتمال اس عبارت میں ہیں کہ من سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں تو سیئہ سے مراد ان کے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہ ہیں یا من سے مراد کفار ہیں تو سیئہ سے مراد ان کا کفر و شرک ہے یا من سے مراد سارے انسان ہیں کافر ہوں یا مومن تو سیئہ سے مراد مطلقاً گناہ ہیں کفر و شرک ہوں یا دوسرے گناہ **فلا یجزی الا مثلھا** یہ **من جاء بالسیئۃ** کی خبر بمعنی جزا ہے یہاں جزا سے مراد سزا ہے یعنی جو بندہ گناہ لے کر حاضر بارگاہ ہوگا اسے ایک ہی گناہ کی سزا دی جائے گی اس میں اضافہ نہ ہوگا یہ بھی قانون کا ذکر ہے اگر رب تعالیٰ مومن گنہگار کو معاف فرمادے تو اس کا کرم ہے اس کی بندہ نوازی ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ نہ تو معافی کی آیت کے خلاف ہے نہ اس آیت کے کہ **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** ہم ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل فرمادیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں دونوں جگہ **من عمل** نہ کہا **من جاء** فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وعدے وعید ان لوگوں کے لئے ہیں جو نیک و بد اعمال لے کر بارگاہ

اتنی میں پہنچ جائیں اگر کوئی دنیا ہی میں اپنی نیکیاں برباد کر گیا یا کوئی گنہگار دنیا ہی میں رو پیٹ کر توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرا کر مرا وہ رب کی بارگاہ میں گناہ یا نیکی لے کر پہنچا ہی نہیں اسے سزا یا جزا کیسی سبحان اللہ کیسا پیارا کلام ہے۔ **وھم لا یظلمون** یہ اس پوری آیت کا تمہ ہے **ھم** سے مراد یہ دونوں قسم کے نیک و بد مومن کافر ہیں۔ **ظلم** سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا یا بلاوجہ اس کی نیکیاں کم کر دینا یونہی مجرم کی سزا میں بلاوجہ اضافہ کرنا اللہ تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہے وہ بردار رحیم و کریم ہے یہاں **ظلم** کے تیسرے معنی اور بھی ہیں کسی دوسرے کی چیز اس کی بغیر اجازت استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ظلم کے یہ معنی نہیں بنتے لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سارے بندوں کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں کیونکہ ہر بندہ اس کی اپنی ملک ہے کسی اور کی ملک نہیں پھر ظلم کیسا۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلی آیت کریمہ میں انسانوں کے دو جرم بیان ہوئے اور ان کی تین سزائیں۔ اللہ کے دین میں مختلف راہیں نکالنا ایک جرم الگ الگ فرقے بن جانا دوسرا جرم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب باطل فرقوں سے الگ اور بے تعلق ہو جانا ان کی ایک سزا ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو جانا دوسری سزا ان کے اعمال کی انہیں خبر دیا جانا تیسری سزا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو بکھیر دیا متفرق کر دیا اور خود مختلف فرقے بن گئے انہوں نے اپنی اپنی ٹولیاں گروہ الگ الگ بنا لئے اے محبوب آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں آپ ان سے بری و بیزار ہیں ان کی سزا ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے وہ ابھی دنیا میں تو انہیں ڈھیل دے گا مگر قیامت میں ان کی ان حرکتوں پر اچھی طرح خبر لے گا اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ ہم نے دنیا میں کیا کیا تھا اے محبوب ہمارا قانون یہ ہے کہ ہمارا جو بندہ ایک نیکی لے کر ہماری بارگاہ میں حاضر ہو تو ہم اسے دس نیکیاں اور ان کا ثواب عطا فرمائیں گے اور جو بندہ ایک گناہ لے کر ہماری بارگاہ میں حاضر ہو تو اس کے گناہوں میں زیادتی نہ کریں گے صرف ایک گناہ کی سزا دیں گے کیونکہ مزدور کو مزدوری نہ دینا بے قصور کو سزا دے دینا ہماری بارگاہ میں **ظلم** ہے اور ہم **ظلم** سے پاک ہیں کسی بندے پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ خیال رہے کہ اعمال کرنے کی جگہ دنیا ہے اس کا وقت زندگی مگر اس کی سزا جزا کی جگہ آخرت ہے اس لئے ارشاد ہوا من جاء جو نیکی بدی لائے یعنی کمائے دنیا میں، نفع نقصان اٹھائے آخرت میں کیونکہ دنیا میں ہر چیز غیب ہے اور آخرت میں ہر چیز شہادت نیک عمل وہ معتبر ہیں جو ایمان بالغیب کے ساتھ ہوں پیغمبر پر اعتماد کرتے ہوئے۔ نیز دنیا میں نیکیوں سے رکاوٹیں بہت ہیں آخرت میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جزا اس عمل پر ہے جو رکاوٹ کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف : مسلم بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالیٰ نے کاتبین اعمال فرشتوں کو حکم دیا ہوا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کا خیال کرے تو نہ لکھو جب کرے تو ایک گناہ لکھو اور اگر ارادہ گناہ کر کے توبہ کرے گناہ نہ کرے تو باز آ جائے اور گناہ نہ کرنے کی نیکی لکھ لو اور اگر میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو کہ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اور اگر کرے تو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھو جیسا اس کا اخلاص ویسی جزاء یہ حدیث بہت طریقوں سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان، ابن کثیر وغیرہ۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دین میں نئے عقیدے گھڑنا اور نہیں اسلامی عقیدے جاننا سخت بے دینی ہے۔ یہ فائدہ **فرقوا دینھم** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ دنیا میں نئی چیزیں استعمال کرو مگر دین

وہی پرانا چودہ سو سال والا رکھو۔ حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ صاحب فرماتے تھے ہمارا خدا پرانا (قدیم) ہمارا رسول پرانا ہمارا کعبہ پرانا ہمارا قرآن پرانا ہم تو اس قرآنی لکیر کے فقیر ہیں۔ آج لوگوں نے بجائے ایمان کے توحید نکالی اور توحید کی بہت قسمیں کر والیں توحید فی الذات توحید فی الصفات توحید فی العلم توحید فی التصرف وغیرہ وغیرہ اور توحید کی ان من گھڑت قسموں کے مقابل بیسیوں شرک گھڑ لئے اور مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہنا شروع کر دیا یہ وہ عقیدہ ہے جس کا پتہ اسلام میں نہیں ملتا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے لوگوں کو توحید کی دعوت نہیں دی ایمان کی دعوت دی توحید کا قائل تو ابلیس ' آریہ ' بہت سے عیسائی بھی ہیں اسی لئے سارے قرآن مجید میں توحید یا توحید کا کوئی مشتق صیغہ بھی موجود نہیں ہم کو ایمان کا حکم دیا **امنوا باللہ ورسولہ** اور ہمارا نام مومنین یا مسلمین رکھا **ھو سما کم المسلمین** موحدین نہ رکھا۔ دوسرا فائدہ: مسلم قوم میں متفرق فرقے بنانا مومنوں کا شیرازہ بکھیرنا ایسا جرم ہے جس کی سزا آخرت میں تو ملے گی دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ **و کانوا شیعا** " سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: کسی شخص یا کسی فرقے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیزار ہو جانا اللہ تعالیٰ کا انتہائی عذاب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے طرف دار ہو جائیں اس پر رحمت الٰہی نثار ہوتی ہے۔

رحمت نہ کس طرح ہو گنہگار کی طرف　　رحمان خود ہے میرے طرفدار کی طرف

یہ فائدہ **لست منھم فی شئی** سے حاصل ہوا جس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے خدا اور خدائی اس کی ہو گئی۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس فرقے سے بیزار ہیں وہ فرقہ فی النار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس فرقہ کے غمخوار ہیں وہ جنتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **لست منھم** سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری غمخواری کی بہت اعلیٰ علامت یہ ہے کہ جس فرقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اس میں اولیاء اللہ نہیں ہوتے ولایت اس سے چھین لی جاتی ہے اور جس فرقے کے غمخوار ہیں اس میں ہمیشہ اولیاء اللہ رہتے ہیں ایمان درخت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جڑ ہیں ولایت اس درخت کے پھول و پھل ہیں جس شاخ کا تعلق جڑ سے ختم ہو جائے اس میں سبزہ پھل پھول نہیں آتے وہ کاٹ کر جلا دی جاتی ہے جس شاخ کا تعلق جڑ سے قائم ہے اس میں پھل پھول آتے ہیں اسے پانی بھی دیا جاتا ہے اس کی مالک حفاظت بھی کرتا ہے الحمدللہ فرقہ اہلسنت و جماعت نجات والا فرقہ ہے اس فرقہ میں ہمیشہ سے اولیاء اللہ رہے اور رہیں اس فرقہ کے سواء کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔ رب فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیھم** اللہ کے بندو ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہو اولیاء اللہ سچے ہیں۔ ولی کی پہچان یہ ہے کہ مومن متقی ہو اور لوگوں کی زبان سے نکلے کہ وہ ولی ہے۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی فرقے کو خدا کے سپرد کر دینا خود علیحدہ ہو جانا اس فرقے کے مارکھانے کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **انما امرھم الی اللہ** سے حاصل ہوا جس پر رب کرم فرماتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے دامن کرم میں رکھتے ہیں فرماتے ہیں **الصالحون للہ والطالحون لی** نیک بندے اللہ کے ہیں اور برے بندے میرے۔ یہ وہی میرے بندے ہیں جو گنہگار ہیں مگر غدار نہیں 'الطاف حسین حالی پانی پتی کہتے ہیں۔

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ　　اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے

تفاسیر متعلق یہاں ارشاد ہوا **لست منھم فی شئی** آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں 'دوسری جگہ ارشاد ہوا **ولا تمدن**

عینک الی ما متعنا بہ ازواجا اے محبوب آپ ان کفار اور ان کے مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو ایک جگہ ارشاد ہے وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ ان مالدار کافروں کو مجھ پر چھوڑ دو یعنی میرے حوالہ کرو آپ بیچ سے ہٹ جاؤ۔ یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جانا خدا بچائے اور مومنوں کے متعلق قرآن کریم ایک جگہ فرماتا ہے ولا تعد عیناک عنہم اے محبوب ان مومنوں سے آپ کی نگاہ کرم نہ ہٹے یعنی مالدار کفار کی طرف نظر اٹھاؤ مت اور فقراء مومنین سے نظر ہٹاؤ مت اور فرماتا ہے واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم اے محبوب اپنے کو ان کے ساتھ رکھو جو صبح شام رب کو یاد کرتے ہیں اور فرماتا ہے واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین اے محبوب اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے تابع مسلمانوں کے لئے اور فرماتا ہے وتقلبک فی الساجدین اے محبوب ہم آپ کا دورہ تہجد خواں نمازیوں میں دیکھتے رہتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: نیک و بد، ناریوں نوریوں کا فیصلہ قولی تو بذریعہ انبیاء کرام دنیا میں ہو چکا مگر فاصلہ نہیں ہوا یہ فاصلہ قیامت میں کیا جائے گا ثم بینہم سے حاصل ہوا اس دن کہا جائے گا وامتازوا الیوم ایہا المجرمون کھیت میں دانہ بھوسا گھاس ایک ساتھ رہتی ہے مگر کٹائی کے دن سب الگ کر دی جاتی ہیں دنیا کھیت ہے قیامت کٹائی کلون۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں نیک عمل کر لینا بڑا کمال نہیں بلکہ کیے ہوئے اعمال کو بخیریت لے کر رب تک پہنچ جانا کمال ہے اللہ تعالی یہ دولت بخیریت ہمارے گھر تک پہنچائے۔ یہ فائدہ من جاء بالحسنۃ سے حاصل ہوا یوں ہی قبر میں پہنچ کر یا قیامت میں اٹھ کر کوئی شخص نیکی نہ کرے گا کہ اب وقت نکل گیا۔ یہ فائدہ بھی جاء بالحسنۃ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو مدفون مسلمان زندوں سے ایصال ثواب کی توقع رکھتے ہیں خود ہی تلاوت قرآن نہیں کر لیتے کیونکہ ان کی تلاوت پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالی کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، دیکھو وہ رحیم و کریم بندوں کی نیکیوں کو دس گنا کر دیتا ہے مگر ان کے گناہوں میں اضافہ نہیں کرتا ہے ایک کا ایک ہی رہتا ہے وہ بھی اگر معاف نہ ہو جائے ورنہ وہ بھی ختم۔ یہ فائدہ فلہ عشر امثالہا سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: کفار کے جھوٹے بے سمجھ بچے فوت شدہ دوزخی نہیں نہ انہیں کوئی سزا ہے۔ یہ فائدہ وہم لا یظلمون سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ جب وہ رحیم ہمارے کیے ہوئے گناہ میں اضافہ نہیں فرماتا تو بے کیے عمل کو کسی کا گناہ کیسے بتائے گا اور سزا کیونکر دے گا بغیر عمل عطیہ دے دینا کرم ہے بغیر جرم سزا دے دینا ظلم ہے رب تعالی کریم ہے اس کے ہاں ظلم نہیں۔ رب فرماتا ہے لا تجزون الا ما کنتم تعملون۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس دین میں چند فرقے ہو جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے فرقوں سے بیزار ہیں وہ سارے عذاب والے ہیں اسلام میں ہی بہت سے فرقے ہیں ان سب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اب بتاؤ خدا راضی کس سے ہے۔ جواب: جو فرقے لوگ اپنی طرف سے بنالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا رب ان سے بیزار ہیں، اس لئے فرقوا فرمایا۔ یا فرقہ بنانے والے بندوں کو قرار دیا اور جو فرقہ رب نے بنایا ہے وہ فرقوا میں داخل نہیں پولیس اور ڈاکوؤں میں مقابلہ دو طرفہ گولی چلے تو پولیس کو حکومت کی مدد حاصل ہوگی ڈاکو غضب کے مستحق ہیں کیونکہ محکمہ پولیس حکومت کا قائم کردہ ہے ڈاکو خود اپنا جتھہ بنا بیٹھے اس لئے آگے ارشاد ہوا وکانوا شیعا وہ لوگ خود جماعتیں اور گروہ بن گئے وہ پھٹکارے گئے۔ دوسرا اعتراض: یہاں دوزخی فرقوں سے متعلق ارشاد ہوا امرہم الی اللہ حالانکہ ساری مخلوق کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے پھر یہ فرمان بطور غضب کیوں وارد ہوا۔ جواب: کسی فقرے سے حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کا بیزار ہو کر اسے رب کے سپرد کر دینا یہ عذاب الہٰی ہے رحمت والے لوگ اللہ کے سپرد ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں رہ کر قاتل کا سیشن سپرد ہو جانا سزائے موت کی علامت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے جو تفسیر میں ابھی ایک حدیث نقل کی کہ یہود و نصاریٰ کے بہتر فرقے بنے ان میں سے ایک جنتی ہے باقی اکہتر دوزخی ہیں اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی دوزخی تو کیا اگر کوئی آج عیسائیت یا یہودیت کے جنتی فرقہ میں داخل ہو جائے تو نجات پا جائے گا اگر پا جائے گا تو پھر اسلام لانے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب:** ان لوگوں میں ایک ایک فرقہ جنتی جب تک ہو سکتا تھا جب تک وہ دین منسوخ نہیں ہوئے تھے۔ اب منسوخ ہو چکنے کے بعد وہ سارے فرقے دوزخی ہیں اگر کوئی شخص آج اصلی توریت وانجیل حاصل کر کے اس پر عمل کرے تب بھی دوزخی ہے اسلام چونکہ کبھی منسوخ نہ ہو گا لہٰذا اس کا فرقہ ہمیشہ جنتی رہے گا اس فرقہ میں رہنا چاہئے وہ وہی فرقہ ہے اہل سنت و جماعت جس میں حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** جب اسلام میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے تو بتاؤ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ان چاروں میں جنتی فرقہ کونسا ہے ایسے ہی طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ان چاروں میں جنتی فرقہ کونسا ہے۔ **جواب:** یہ سب جنتی ہیں یہ ایک ہی فرقہ ہیں ان میں دینی اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے اس لئے یہاں **فرقوا دینھم** فرمایا **منھبھم یا مسائلھم** ارشاد نہ ہوا۔ دین عقائد کا نام ہے اور اس حدیث میں اصولی فرقے مراد ہیں ان کے سارے گروہ ایک میں شمار ہیں مثلاً "مرزائی" دو فرقے ہیں قادیانی لاہوری وہ دونوں ایک ہی فرقہ ہیں اسی طرح دوسرے فرقوں کو سمجھو اہل سنت ایک فرقہ ہیں خواہ حنفی ہوں یا شافعی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ قرآن مجید میں شیعہ نافرمان گروہ کو کہا گیا ہے حالانکہ دو جگہ قرآن نے فرمانبردار گروہ کو شیعہ فرمایا ہے **وان من شیعتہ لابراھم** اور فرماتا ہے **ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ** دیکھو حضرت ابراہیم جناب نوح علیہ السلام کے فرمانبردار گروہ سے تھے انہیں جناب نوح کا شیعہ فرمایا گیا اور وہ اسرائیلی شخص جو قبطی سے لڑ رہا تھا اسے حضرت موسیٰ کا شیعہ کہا گیا حالانکہ وہ فرمانبردار تھا (شیعہ)۔ **جواب:** حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت نافرمان کافر قوم میں پیدا فرمائے گئے نہ کہ فرمانبردار گروہ میں چنانچہ آپ نے اپنے چچا آزر سے کہا **انی اراک وقومک فی ضلال مبین** یونہی وہ قبطی اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی اسرائیلی تھا مگر تھا نافرمان چنانچہ ہم خود آپ نے اس اسرائیلی سے فرمایا **انک لغوی مبین** یہ تو رب تعالیٰ نے اپنی شان دکھائی ہے کہ پتھروں میں سے لعل پیدا کئے ایک سرکش قوم سے حضرت خلیل پیدا کئے دوسری سرکش قوم سے حضرت کلیم پیدا فرمائے شیعہ نافرمان گروہ کو ہی کہتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **من جاء بالحسنتہ** کیوں ارشاد ہوا **من عمل حسنتہ** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ نیکی کر لینا اور چیز ہے اور نیکی یا گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنا کچھ اور ثواب یا عذاب ان نیک و بد اعمال پر ہے جو بارگاہ الہٰی تک پہنچے ضبط شدہ نیکی، معاف شدہ گناہ ثواب یا عذاب کا باعث نہیں، خیال رہے کہ نیکی برباد ہونے کی چند وجہیں ہیں کفر جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں **الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا**۔ خواہ کفر اصلی ہو یا کفر طاری یعنی ارتداد، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** صدقہ پر طعنہ دینا **لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی** اپنی نیکیوں پر تکبر غرور جیسے ابلیس کی نیکیاں مگر گناہ معاف ہونے کے بہت زیادہ اسباب ہیں حتیٰ کہ مسجد کو نماز کے لئے جاتے وقت ہر قدم پر ایک گناہ معاف اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا اس سے گناہ معاف یہاں تک کہ مرتے وقت اپنے گناہوں پر ندامت سے بھی۔

ساتواں اعتراض: اس آیت میں نیکی پر دس گنا ثواب کا وعدہ ہے مگر دوسری آیات میں سات سو گنا کا وعدہ ہے' احادیث شریفہ میں بھی بہت ثواب مذکور ہیں ان میں مطابقت کیسے ہو۔ جواب: اس کے بہت جواب دیئے گئے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ یہاں عطا کا قانون بیان ہوا ان آیات و احادیث میں فضل و کرم کا ذکر ہے اس لئے وہاں سات سو والی آیت میں ہے **واللہ یضاعف لمن یشاء** اللہ جسے چاہے اور زیادہ دے یا یوں کہو کہ جو نیکی اعلیٰ درجہ کے اخلاص سے کی جائے اس کا ثواب سات سو گنا ہے۔ جس میں اخلاص کی کمی ہو اس کا ثواب کم ہے جتنا اخلاص زیادہ اتنا ثواب زیادہ یا یوں کہو کہ جو نیکی نفس کی زمین میں بوئی جائے اس کا ثواب کم ہے مگر جو دل کی یا روح کی زمین میں بوئی جائے اسے اخلاص کا کھلو آنکھوں کلپانی دیا جائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی دھوپ ملے ان شاء اللہ اس کا ثواب زیادہ یا یوں کہو کہ جو نیکی اطاعت کے لئے کی جائے اس کا ثواب کم ہے جو نیکی عشق رسول محبت الٰہی کی بنا پر کی جائے اس کا ثواب زیادہ یا یوں کہ جو نیکی جنت حاصل کرنے کے لئے کی جائے یا دوزخ سے بچنے کے لئے اس کا ثواب کم ہے مگر جو نیکی رضاء الٰہی رضاء مصطفوی کے لئے کی جائے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ آٹھواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یا یوں کہو کہ وہاں ثواب کی زیادتی اس جگہ کی برکت سے ہے عمل کا ثواب اور چیز ہے جگہ یا وقت کا ثواب کچھ اور چیز پہاڑی مرچ آلو بہت بڑے ہوتے ہیں یہ تخم کا اثر نہیں بلکہ جگہ کی تاثیر ہے یا یوں کہو کہ کثرت اور عظمت میں فرق ہے دیسی مرچیں تین اور پہاڑی مرچیں تین تعداد یا کثرت میں برابر ہیں مگر ان کی حشمت میں بڑا فرق ہے ایک ایک روپیہ کے تین نوٹ اور سو سو روپے کے تین نوٹ دونوں گنتی میں برابر ہیں کہ تین تین ہیں مگر قیمت و قدر میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ وہ صرف تین روپیہ کے ہیں یہ تین سو روپیہ کے۔ نواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ ایک گناہ کا عذاب ایک ہی ہے جو اس کی مثل ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ گمراہ گریوں ہی گناہ کے موجد کا عذاب ان سب کے برابر ہوگا جو یہ گناہ کریں پھر ایک کا بدلہ ایک کیسے ہوا؟ جواب: یہاں مثل سے مراد شرعی مثل ہے نہ کہ عقلی مثل اللہ تعالیٰ جسے مثل قرار دیدے وہ ہی مثل ہے گمراہ گر انسان کا گناہ ایک ہی ہے مگر وہ ایک ان تمام گناہوں کے برابر ہے جو لوگ کریں غرضیکہ قانونی مثل اور چیز ہے۔ زنا کی سزا سنگسار کرنا' چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا یا آج چوری کی سزا تین سال قید کرنا ہے یہ تمام سزائیں اس جرم کی مثل ہی ہیں اگرچہ چوری ایک گھنٹہ میں ہوتی ہے اور سزا تین سال تک بھگتنا پڑتی ہے۔ دسواں اعتراض: کفر و شرک کی سزا ابد الاباد تک دوزخ ہے یہ سزا جرم کی مثل نہیں کہ کفر چند سال کیا اور سزا ہمیشہ بھگتی وہ بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دائمی دوزخ میں رہنا شرک کی مثل ہے یعنی قانونی مثل یا یوں کہو کہ مشرک اگر ہمیشہ جیتا تو ہمیشہ ہی شرک و کفر کرتا بلکہ اگر قیامت کے بعد بھی دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو بھی شرک و کفر ہی کرتا اور عادی مجرم کی سزا عمر قید ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه**

تفسیر صوفیانہ: جیسے شریعت میں ایک فرقہ اہل سنت جنتی ہے باقی دوزخی ایسے ہی طریقت میں بھی صرف ایک جماعت واصل ہے باقی فراق کے جہنم میں داخل طریقت اور اس کے اشغال وہی قبول ہیں جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں بے نماز بے روز' شرابی' بھنگی پیر جو مدعی طریقت ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے لست منهم اے محبوب آپ ان سے بیزار اور بے تعلق ہیں یہ بے دین خلاف شرع پیر یہاں اپنے مریدوں میں رہ کر کیسی ہی شیخی ماریں مگر ان کو مع ان کے مریدین کے سزا رب ہی دیگا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے درخت کو کھاد پانی' ہوا' دھوپ' جب ہی مفید ہے جب وہ جڑ کی معرفت شاخوں میں پہنچے ایسے ہی ساری عبادات ریاضات انسان کو جب ہی مفید ہیں جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اسے پہنچے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے تعلق ہو گئے اسے قرآن کعبہ اور سارے ارکان اسلام کچھ مفید نہیں۔ یہ ہے مطلب **لست منهم فی شئی** کا **فی شئی** فرما کر بتایا کہ اے محبوب آپ کو ان مردودوں کی کسی چیز سے تعلق نہیں نہ ان کی نیکیوں سے نہ گناہوں سے نہ عبادات نہ زندگی سے نہ موت سے نہ ان کے سونے سے نہ جاگنے سے رب۔ مقبولین سو آپ کو ان کی ہر چیز سے تعلق ہے ان کی نیکیوں سے آپ کو تعلق جس سے وہ قبول ہوں گی ان کے گناہوں سے آپ کو تعلق جس سے وہ معاف ہوں گے ان کے جینے مرنے سونے جاگنے سے آپ کو تعلق ہے کہ وہ لوگ یہ سب کام آپ کے زیر سایہ کرتے ہیں ان کے یہ سارے کام عبادات بن جاتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں جیسے جسمانی عالم کا نظام ایک سورج سے وابستہ ہے کہ اگر سورج نہ نکلے تو نہ دن ہو نہ رات نہ شام نہ سویرا نہ ہفتے نہ مہینے نہ سال نہ کسی کی عمر گزرے نہ موسم بنیں نہ دانہ اور پھل پکیں نہ بارشیں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دل کی دنیا کے سورج ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں پر طلوع نہ کریں تو نہ قرآن ملے نہ ایمان نہ عرفان' نہ رحمان نہ روزے ملیں نہ نمازیں نہ حج نہ زکوٰۃ غرضیکہ اس دنیا میں انقلاب ہی آجائے لہذا کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے تعلق ہو جانا رب کا بڑا عذاب ہے اللہ اس سے بچائے یہاں ایک نیکی پر دس کا وعدہ حد بندی کے لئے نہیں بلکہ کثرت یا زیادتی بیان فرمانے کے لئے ہے یعنی اسے بے شمار زیادتی عطا ہو گی اگر یہ زیادتیاں نہ ہوں تو بندہ قیامت میں دیوالیہ ہو جائے کیونکہ اس کی نیکیاں حقوق والے لے جائیں گے پھر اسے کیا بچے گا اب ایک تو اسے بچے گی اور باقی وہ لے جائیں تو لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو بعد مغرب چھ رکعات اوابین کی نماز پڑھے اسے بارہ برس کی عبادت کا ثواب ہے حالانکہ مغرب کے فرض کا اتنا ثواب نہیں مگر جو قرب الٰہی فرائض سے نصیب ہوتا ہے وہ نوافل سے نصیب نہیں ثواب نوافل کا زیادہ ہو سکتا ہے مگر قرب و حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرائض سے زیادہ میسر ہوتا ہے اس لئے یہاں **عشر امثالها** فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دس حسنات عطا فرماتا ہے اس کے بعد ہم ایک حسنہ (نیکی) کرتے ہیں' ایجاد' استعداد' تربیت' رزق' انبیاء کرام کی بعثت' کتب آسمانی کا نزول' برائی بھلائی میں فرق کرنے کی تمیز' توفیق اخلاص قبولیت۔ گناہ کا تخم نفس میں بویا جاتا ہے نفس امارہ گویا خبیث زمین ہے اس لئے اس میں پھل ایک کا ایک ہی لگتا ہے نیکی کا تخم دل میں بویا جاتا ہے دل ہے زمین اعلیٰ اس میں پیداوار اعلیٰ ہوتی ہے ایک کی دس' رب فرماتا ہے **والبلد الطیب یخرج نباته** اعداد کے عربی میں چار مرتبے ہیں' اکائی' دہائی' سینکڑہ' ہزار جنہیں احاد عشرات مائین اور الوف کہتے ہیں' واحد یعنی ایک دس بار ہو تو دہائی بن جاتا ہے' سو بار ہو تو سینکڑہ بنتا ہے' ہزار بار ہو تو الوف بنتا ہے یوں ہی انسان کے چار مرتبے ہیں نفس' قلب' روح' سر۔ ایک عمل نفس کے درجے میں ہو تو ایک رہتا ہے۔ **جزاء سيئة سيئة مثلها** قلب کے مرتبہ میں ہو تو دس بنتا ہے' روح کے مرتبہ کے سو اور سر کے مرتبے میں پہنچے تو ہزار پھر جیسا اخلاص ویسے ہزار بھی لاکھ تک پہنچ جاتا ہے **وهم لا يظلمون** (از روح البیان) اگر عدد کے ساتھ ایک صفر مل جائے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ دو چار یا زیادہ صفر مل جائیں تو اسے سو ہزار یا لاکھ گنا کر دیتے ہیں اگر نیکی کے ساتھ اخلاص' محبت' رضا جوئی کے یا کسی اعلیٰ وقت یا اعلیٰ جگہ کی برکت کے صفر لگتے جائیں تو اس کا ثواب بڑھتا جائے گا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعمال گویا تخم ہیں دل' نفس' روح گویا اس تخم کی زمین ہے' اخلاص گویا اس کی عرشی کھاد ہے' خوف خدا سے آنکھوں سے

نکلے ہوئے آنسو گویا قدرتی پانی 'توبہ گویا کیڑے مار دوا اور اس کھیت کی گوڈی جب یہ چیزیں جمع ہوں تو پیداوار یقیناً اچھی ہوگی ایک کا ثواب سینکڑوں اللہ اس قال کو حال کردے۔ یہ چیزیں نیک اعمال کے آگے گویا صفر ہیں پہلا صفر اکائی کو دہائی بناتا ہے 'دوسرا صفر دہائی کو سینکڑہ' تیسرا سینکڑے کو ہزار یونہی ان احوال کا حال ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ

فرمادو بے شک مجھ کو ہدایت دی میرے رب نے طرف راستے سیدھے کی دین مضبوط ملت ابراہیم کی

تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر

حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ

اور باطل سے اور نہیں تھے وہ مشرکین میں سے فرما دو کہ نماز میری اور قربانی میری اور میری

باطل سے جدا تھے اور مشرک نہ تھے تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں

وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا

زندگی اور موت میری سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہ ہی حکم ہوا

اور زندگی جینا اور مرنا سب واسطے اللہ کے ہے پالنے والا جہانوں کا نہیں ہے کوئی شریک واسطے اس

اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ہے اور میں پہلا ہوں مسلمانوں میں۔

کے اور اس کا حکم دیا گیا میں پہلا مسلمان ہوں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بے دینوں سے اے محبوب آپ کو کوئی تعلق نہیں اب اس بے تعلقی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ آپ وجہ یہ بیان فرمادو کہ مجھے فطری طور پر رب نے ہدایت دی ہے میں گمراہوں سے تعلق کیسے رکھ سکتا ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ نئے ایجاد کردہ دین گمراہی ہیں اصل دین ہدایت ہے اب اصلی دین کی پہچان بتائی جارہی ہے اور اس کی نشان دہی کی جارہی ہے کہ اصل دین ملت ابراہی ہے اور ملت ابراہیمی وہ ہے جس پر اے محبوب تم ہو گویا دین حق کا ذکر پہلے ہوا اس کا پتہ اب بتایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایک نیکی کا ثواب رب کے ہاں دس گنا ہے اب محبوب کی شان دکھائی جارہی ہے کہ ان کی عبادات 'معاملات' وفات' حیات سب نیکی ہی نیکی ہے بتاؤ کہ وہ کس درجہ کے مقرب ہیں یعنی پہلے نیکیوں کا ذکر ہوا۔ اب نیکیوں کے جامع ذات کا ذکر ہے قل ان صلوتی الخ۔

شان نزول: ایک بار کفار مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باطل دین میں آجانے اور بت پرستی کرنے کی دعوت دی تھی کہ یہ دین آپ کے خاندان ہمارے باپ داداؤں کا ہے آپ ان کی مخالفت نہ کریں ان کی تردید میں یہ آیات نازل

ہوئیں جن میں نہایت نفیس اور مدلل طریقہ سے ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مایوس کر دیا گیا کہ جس نے دنیا میں آ کر ہدایت لی ہو وہ گمراہ ہو جائے تو ہو جائے محبوب تو ہدایت ہم سے لے کر ہمارے ہاں سے لے کر گئے ہیں وہ اس سے کیسے ہٹ سکتے ہیں (از تفسیر خازن و تفسیر مدارک و تفسیر بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: **قل اننی ھدانی ربی** قرآن مجید میں قل فرمانے کی مختلف حکمتیں ہوتی ہیں' ایک یہ کہ یہ کلام صرف تم کہو تمہارے سواء کوئی نہ کہے جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** دوسرے یہ کہ تم فرماؤ تم سے سن کر لوگ کہیں جیسے **قل ھو اللہ احد** تیسرے یہ کہ یہ بات تم فرماؤ تاکہ الفاظ کی تاثیر کے ساتھ تمہاری زبان کی تاثیر بھی شامل ہو جائے جیسے **قل اعوذ برب الفلق** وغیرہ چوتھے یہ کہ تم فرماؤ تاکہ لوگوں کو اس مضمون کا پتہ لگے تمہارے اس فرمان سے لوگ تمہیں پہچان سکیں یہاں قل میں چوتھی حکمت ہے اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے تو دنیا کو آپ کی اور رب کی شان کیسے معلوم ہوتی اس آیت کریمہ میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا ذکر ہے لیکن در حقیقت رب تعالیٰ کی شان اس کی صفات کا تذکرہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی صفت کا مظہر ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہدی ہیں تو رب تعالیٰ بلاواسطہ ان کا ہادی ہے اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا۔ قل میں خطاب ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور روئے سخن ہے انہیں مشرکین کی طرف جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی دعوت دی تھی' **اننی** فرما کہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست بلاواسطہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی باقی جس کسی کو ہدایت دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دی حتی کہ حضرات انبیاء کرام کو بھی اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت سے ہدایت ملی جب رب تعالیٰ نے فرمایا **الست بربکم** تو سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیٰ فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر تمام نبیوں نے بلیٰ کہا ان سے سن کر ولیوں نے ان سے سن کر عوام نے بلیٰ کہا' ہدایت کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے درجات ہم سورۂ فاتحہ **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں چونکہ ربوبیت الٰہیہ کے پہلے مظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دوسروں کو اس ربوبیت سے حصہ ملا اس لئے ربی ارشاد ہوا **اللہ المعطی و انا قاسم**۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں اول ہدایت یافتہ ہیں اس لئے **ھدانی** ماضی مطلق ارشاد ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے لوگو میں تمہارے بہکانے سے بہک نہیں سکتا تم میری ہدایت سلب نہیں کر سکتے کیونکہ بندہ اللہ کی چیز فنا نہیں کر سکتا۔ بندے کی صنعت فنا کر سکتا ہے بندہ مکان توڑ سکتا ہے میں نے دنیا میں آ کر تم سے ہدایت نہیں لی میری ہدایت ربانی ہے تو بندہ کیسے چھین سکتا ہے سورج کو نہیں بجھا سکتا۔ میں نے دنیا میں آ کر تم سے ہدایت نہیں لی میری ہدایت ربانی ہے تو بندہ کیسے چھین سکتا ہے یا میں اس عالم سے ہدایت لے کر آیا ہوں اسے اس دنیا کے لوگ کیسے سلب کر سکتے ہیں' خیال رہے کہ اس لفظ میں تین باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ مجھے براہ راست رب نے ہدایت دی دوسرے یہ کہ مجھے دنیا میں آنے سے پہلے ہدایت دی جیسا کہ **ھدانی** ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ ہر قسم کی ہدایت مجھے رب نے دی۔ دنیاوی دینی تمام کام مجھے رب نے سکھائے **الی صراط مستقیم** کی تفسیر ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں **صراط مستقیم** سے مراد وہ عقیدے وہ اعمال وہ قلب کی کیفیات ہیں جو رب تعالیٰ تک پہنچا دیں' **صراط مستقیم** کی بہت شاخیں ہیں جنت تک پہنچانے والا۔ رب کی صفات تک پہنچانے والا' رب کی ذات تک پہنچانے والا جس کی تفسیر اگلی عبارت ہے۔ خیال رہے کہ

گزشتہ نبیوں کو بھی رب تعالیٰ نے فطری طور پر ہدایت دی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالتے ہی توحید پر ایسے قوی دلائل قائم فرمائے کہ سبحان اللہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کسی دائی کا دودھ قبول نہیں کیا۔ سوا اپنی والدہ کے یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** اور فرمایا **فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ** دیکھو ملک رانی اور دنیا بھر کو پال لینا گندم کی حفاظت کے طریقے ان سب کی ہدایت فطری طور پر آپ کو دی گئی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی فطری ہدایت کا ذکرماں کی گود میں ہی فرمادیا مگر وہ ہدایات جزوی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے فطری طور پر ہدایت کلی عطا فرمائی لہٰذا یہ ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نعت ہے **دینا قیما** یہ عبارت **صراط مستقیم** کے محل سے بدل یا اس کا بیان ہے دین کے معانی اور دین و ملت اور مذہب میں فرق ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ ہماری قرآت میں **قیما قاف** کے کسرہ سے اور ی کی فتحہ سے ہے بعض قراتوں میں **قیما قاف** کے فتحہ اور ی کے شد سے ہے **قیما** یا تو مصدر ہے جیسے صغر اور کبر تو اس سے پہلے ذا پوشیدہ ہے یا مبالغۃ دین کو قیم فرمایا گیا جیسے **زید عدل قیما** اصل میں قوما تھا۔ جیسے قام کی وجہ سے **قیاما** میں تعلیل ہو گئی کہ **واو ی** سے بدل گیا ایسے ہی **قیما** میں تعلیل ہو گئی کہ **واو ی** سے بدل گیا یا یہ صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں سیدھا مستقیم، قویم، قیم، قیم یہ چاروں لفظ قریبا" ہم معنی ہیں بعض نے فرمایا کہ مستقیم وہ جو خود سیدھا ہو قیم وہ جو سیدھا کردے لوگوں کو ان کی دنیا و آخرت کو۔ **ملتہ ابراھیم** یہ عبارت یا تو **دینا قیما** کا عطف بیان ہے یا اعنی پوشیدہ کا مفعول بہ عطف بیان اور معطوف علیہ کا نکرہ معرفہ میں متفق ہونا ضروری نہیں اس لئے **دینا** اگرچہ نکرہ ہے اور **ملتہ ابراھیم** معرفہ مگر اس کا عطف بیان ہو سکتا ہے (روح المعانی) **ملتہ** کے معنی اور لفظ ابراہیم کی تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مفصل حالات میں ہم پارۂ اول کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **حنیفا** یہ لفظ ابراہیم کا حال ہے یہ بنا ہے **حنف** سے بمعنی مائل ہونا دور ہونا شریعت میں حنیف وہ ہے جو گمراہی سے برائیوں سے ایسا دور ہو کہ نہ کبھی گمراہ ہوا ہو نہ آئندہ گمراہ ہو سکے۔ یہ فرق ہے مہدی اور حنیف میں (روح البیان) اہل عرب ہر ختنہ شدہ یا حاجی کی حنیف کہہ دیتے ہیں یعنی مذہب ابراہیمی پر قائم (تفسیر خازن) **وما کان من المشرکین** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے معترضہ اس میں مشرکین مکہ کی تردید ہے کہ تم اپنے کو ابراہیم کہتے ہو اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہو، بت پرستی کرتے ہو تم حنیفی کیسے ہوئے یونہی یہود و نصاریٰ کی تردید ہے کہ تم لوگ اپنے کو حنیفی کہتے ہو مگر یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں پھر وہ بھی ابراہیمی کیسے ہوئے یہ دونوں تو مشرک ہیں ایسے گندے عقیدے والے ابراہیمی نہیں ہو سکتے ابراہیمی تو صرف مسلمان ہیں اگر تم ابراہیمی بننا چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ **قل ان صلوتی و نسکی** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بےمثال زندگی کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ **قل** میں روئے سخن کبھی رب کی طرف ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں عرض کرو جیسے **قل اعوذ برب الفلق** کبھی صحابہ کرام سے، کبھی عام مومنین سے، کبھی کفار سے، کبھی سارے جہان سے۔ یہاں آخری دو احتمال ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کرانا فخریہ نہیں بلکہ یا تو شکر کے لئے ہے یا تبلیغ کے لئے تاکہ لوگ بھی یہ کہیں اور اس پر عمل کریں۔ خیال رہے کہ ہمارے دعوے کبھی کبھی مبالغہ یا غلط بھی ہو سکتے ہیں مگر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل بیان کئے یا رب نے جو آپ سے بیان فرمائے ان میں مبالغہ یا غلطی ہو سکتی ہی نہیں، صلوۃ سے مراد مطلقاً نماز ہے نفل ہو یا واجب یا فرض **نسک** جمع ہے **نسیکتہ** کی بمعنی عبادت بدنی ہو یا مالی یا اس سے مراد ہے حج و عمرہ کی قربانیاں یا مطلقاً قربانی

جو بقر عید میں کی جاتی ہے یہ ہی قول قوی ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فصل لربک وانحر** وہاں نماز کے ساتھ قربانی کو جمع فرمایا گیا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت کریمہ نماز پڑھتے وقت اور قربانی کرتے وقت پڑھا کرتے تھے اگر یہاں **نسکی** سے مراد قربانی نہ ہو تو قربانی کے وقت یہ آیت کیوں پڑھتے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قربانی کرتے تھے اس لئے **نسک** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ نسک چاندی کے گلائے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں چونکہ ایسی چاندی میل وغیرہ سے صاف ہو جاتی ہے اس لئے ہر پاک بناپاک کرنے والی چیز کو **نسک** کہنے لگے ارکان حج کو مناسک حج کہتے ہیں قربانی گاہ کو **منسک** کہا جاتا ہے (خازن)۔ اگرچہ زندگی و موت میں نماز و قربانی بھی داخل تھی مگر چونکہ یہ خصوصاً" نماز بڑی اہم چیزیں ہیں اس لئے انہیں خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا نماز جن و انس بلکہ فرشتوں کی بھی عبادت ہے نماز سے انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے نیز اس کی برکت سے انسان اپنے کپڑوں بدن وغیرہ کو پاک رکھتا ہے یہ مومنوں کی معراج ہے وغیرہ ان وجوہ سے اسے الگ بیان کیا' قربانی بڑی پرانی سنت ہے از آدم علیہ السلام تا قیامت جاری ہے اور اسلام کی موجودہ قربانی حضرت اسماعیل کے ذبح کی یادگار ہے اس کی نسبت بڑی ذات سے ہے اس لئے اسے نماز کے ساتھ ذکر کیا **ومحیای و مماتی** یہ عبارت معطوف ہے **نسکی** پر **محیا** تو **حیوۃ** کا ظرف ہے یا مصدر میمی اور **ممات** موت کا ظرف یا مصدر میمی ہے یعنی میری زندگی و موت کے زمانہ کے سارے کام یا میرا خود جینا مرنا یا میری زندگی و موت آخری دو معنی زیادہ قوی ہیں **للہ رب العلمین** یہ عبارت ان کی خبر ہے **للہ** میں لام ملکیت عبادت' اطاعت کا ہے یہ لام نفع کا نہیں اللہ تعالیٰ نفع سے پاک ہے یعنی میری زندگی و موت اور عبادات نماز و قربانیاں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اس کی عبادت و اطاعت کے لئے ہیں ان میں سے کوئی چیز میری اپنی نفس و خواہش کے لئے نہیں یہ درجہ ہے فنا فی اللہ کا کہ انسان کا اپنا کچھ نہ ہو اپنے لئے کچھ نہ ہو اس کا سب کچھ اللہ کا ہو اللہ کی رضا کے لئے ہو جو اللہ کا ہو جائے اسے چند نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں۔ (1) پھر اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر بات مانتا ہے۔ (2) یہ بندہ اللہ کا مظہر بن جاتا ہے کہ اللہ کی ہر چیز کا مالک ہو جاتا ہے جسے جو چاہے دے **اسئلک مرافقتک فی الجنتہ**۔ (3) وہ بندہ بفضلہ تعالیٰ دنیاوی فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پالتو جانور کی ساری فکریں مالک کو ہوتی ہیں شکاری جانور اپنی غذا پانی کی خود فکر کرتا ہے۔ (4) وہ بندہ بفضلہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے شیطان اسے شکار نہیں کر سکتا پالتو جانور شکاریوں کی شر سے محفوظ ہوتا ہے شکاری آزاد جانور کو جو چاہے شکار کرے۔ (5) پھر بندہ کے کام کو رب اپنا کام قرار دیتا ہے اور رب کے کام کو بندہ اپنا کام کہتا ہے' غرضیکہ یہ مقام فنا فی اللہ کا ہے جو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ **لا شریک لہ** یہ عبارت پچھلے جملہ کا تتمہ ہے یعنی میری ان عبادات وغیرہ میں کوئی اللہ کا شریک نہیں خدا کے سواء کسی اور کے لئے میری کوئی چیز نہیں نہ بتوں کے لئے نہ میرے اپنے نفس کے لئے نہ دنیا کے لئے میں اس کا ہوں اور وہ میرا ہے **وبذالک امرت** یہ جملہ نیا ہے **بذالک** کو **امرت** پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا **امر** سے مراد اللہ کے وہ حکم ہیں جو فطری طور پر عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے یعنی دنیا بننے سے پہلے مجھے رب نے ان چیزوں کا حکم دیا ہے میں حکم یافتہ مطیع و فرمانبردار پیدا ہوا ہوں اس کا بیان اس طرح ہوا کہ **وانا اول المسلمین** میں اللہ کے سارے مطیع بندوں میں پہلا مطیع ہوں حضرات انبیاء اولیاء ساری مخلوق نے مجھ سے اطاعت الٰہی سیکھی ہے میں نے کروڑوں سال جب اللہ کی اطاعت کی ہے جب کہ میرے نور کے سوا کوئی چیز نہ تھی نہ زمین و آسمان نہ سورج و چاند نہ فرشتے نہ جن و انس وغیرہ۔ **مسلمین** میں اول حقیقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باقی انبیاء و اولیاء اور مومنین اضافی اول ہیں حقیقی اول اور اضافی اول میں بہت فرق ہوتا ہے

ہم اپنی اولاد اپنے بعض دوستوں بعض ماتحتوں شاگردوں مریدوں میں اول مطیع ہو سکتے ہیں مگر حقیقی پہلے عابد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین ایسی صفتیں بیان فرمائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اپنی مخلوق میں کسی کو نہ بخشیں جن صفات کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے راہ چلنا کفار کی بات ماننا بالکل ناممکن ہو گیا ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں جیسے سورج رب کی طرف سے نور یافتہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح سے ہدایت لے کر دنیا والوں کو دینے کے لئے آئے دوسرے یہ کہ آپ اور آپ کی ساری عبادات آپ کی زندگی اللہ کے لئے ہے اپنے لئے نہیں تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مامور ہیں اس کا مقصود ہے ان کفار کو پورا مایوس کر دینا جو یہ آس لگاتے تھے کہ کبھی نہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا دین قبول کر لیں گے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ان بے وقوف کفار بلکہ ساری مخلوق میں اعلان فرما دو کہ ساری مخلوق میں صرف میں وہ محبوب بندہ ہوں جسے ازل میں بلا واسطہ رب نے اس راستہ کی ہدایت فرمائی جو سیدھا رب تک پہنچاتا ہے وہ سیدھا راستہ وہ ہے جو دنیا میں دین ابراہیمی کی شکل میں بندوں کے سامنے آیا جناب ابراہیم وہ ہیں جنہیں رب نے حنیف کیا حنیف کہا حنیف کہلوایا یعنی تمام برائیوں سے ایسے دور کہ کبھی کسی برائی کے قریب نہ آ سکیں تم اپنے کو ابراہیمی کہتے ہو مگر غلط کہتے ہو تم لوگ کھلے یا چھپے مشرک ہو مشرکین عرب کھلے مشرک یہود و نصاریٰ چھپے مشرک اور حضرت ابراہیم کا یہ کمال ہے کہ مشرک تو کیا ہوتے وہ تو مشرکین میں سے بھی نہ تھے اے محبوب یہ تو تھا تمہارے عقائد تمہارے دلی حالات کا بیان اپنے اعمال کے متعلق یہ اعلان فرما دو کہ میں ایسی صاف ستھری زندگی والا بنایا گیا ہوں کہ میری ہر قسم کی نماز ہر طرح کی قربانی حتیٰ کہ میری زندگی میری موت دنیا کے لئے یا اپنے نفس کے لئے نہیں صرف جنت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کے لئے ہے کہ میری ہر ادا اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ راضی ہو جائے میری اس زندگی و موت نماز و عبادات میں اللہ کا کوئی شریک نہیں صرف اللہ کے لئے میرا سب کچھ ہے مجھے فطری طور پر اول سے ہی اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں ساری مخلوق الٰہی میں پہلا رب کا مطیع و فرمانبردار ہوں سارے مطیع و فرمانبرداروں نے مجھ سے اللہ کی فرمانبرداری سیکھی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں المسلمین سے مراد صرف امت محمدیہ نہیں بلکہ ساری مخلوق مراد ہے۔ رب فرماتا ہے کل لہ قانتون اور فرمان عالی ہے ولہ اسلم من فی السموت والارض اور فرماتا ہے فلما اسلما وتلہ للجبین ان سب میں مسلم بمعنی مطیع فرمانبردار ہے ہر مشرک و کافر بھی رب کے زیر فرمان ہے۔ جب رب چاہے اسے بیمار یا ہلاک کر دے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق اول عابد اول مطیع ہیں' عمارت کی پہلی اینٹ یعنی سنگ بنیاد درخت کی جڑ اول ہیں تو ان پر ساری عمارت سارا درخت موقوف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق ہیں تو ساری مخلوق آپ کے دم سے وابستہ ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہیں خلق نہ رہے پھر اول عابد کو سارے عابدین کی برابر بلکہ سب سے زیادہ ثواب ملتا ہے تمام مخلوق کی عبادات کا مجموعی ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا ہے۔ رب فرماتا ہے ان لک لا جرا غیر ممنون اور ہو سکتا ہے کہ اول سے مراد ذاتی اولیت والا ہو اور مسلمین سے مراد ہو سارے مومنین خواہ حضرات انبیاء ہوں یا سارے صالحین موصوف بالذات کو اول کہتے ہیں اور عارضی موصوف کو آخر۔ ہاتھ اور قلم دونوں بیک وقت چلتے ہیں' انجن اور ڈبے دونوں بیک وقت حرکت کرتے ہیں مگر ہاتھ اور

انجن اول یعنی بالذات اور قلم وڈبے بعد ہیں بالفرض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالذات اللہ کے عابد مطیع فرمانبردار ہیں باقی سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض آپ کی نظر کریمانہ سے عابد زاہد بنتے ہیں کوئی شخص بذات خود مومن نہیں بن سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے ایمان ملتا ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی نعت گوئی بہترین عمل ہے یہ سنت الیہ بھی ہے سنت انبیاء بھی سنت محمدیہ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) سنت اولیاء بھی انسانوں کی پیدائش سے پہلے بھی یہ نعت خوانی ہو رہی تھی دنیا میں بھی برابر اول سے ہی ہو رہی ہے اور قیامت میں بھی ہوگی۔ رب فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** وہاں ساری مخلوق بلکہ رب تعالیٰ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے اس لئے آپ محمد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قرب وہ درجہ وہ مقام عطا کیا جو آپ کے سوا کسی کو نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ خالقیت میں لاشریک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندگی میں لاشریک۔ یہ فائدہ للہ رب العالمین اور لا شریک لہ سے حاصل ہوا' جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت فرمائی یا انبیاء کرام کی نعت خوانی نقل فرمائی وہ بہت ہیں اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے رب نے کہلوائی ہے۔ یہ فائدہ قل فرمانے سے حاصل ہوا' اللہ تعالیٰ ہم کو اس دائمی سنت پر عمل کرنے کی ہمیشہ توفیق دے۔

زباں تابود در دہاں جائے گیر ثنائے محمد بود دلپذیر (سعدی)

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثناء مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا اس پیارے سے محبت کیجئے (اعلیٰ حضرت بریلوی)

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی ہدایت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ نے بخشی آپ کو کسی نبی کسی فرشتہ یا کسی آسمانی کتاب یا قرآن مجید سے ہدایت نہیں ملی۔ یہ فائدہ **ھدانی ربی** سے حاصل ہوا اسی لئے قرآن نے فرمایا **ھدی للمتقین** یہ نہ فرمایا **ھدی لمحمد یا ھدی لک** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے اللہ کے عابد عارف سب کچھ تھے معراج کی شب عرش سے آگے جا کر رب سے نماز کا تحفہ لیا مگر جاتے ہوئے راستہ کی ایک منزل یعنی بیت المقدس میں سارے نبیوں کو نماز پڑھائی وضوء کی آیت حکم نماز سے پانچ چھ سال بعد آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں سب کو وضو سکھا دیا کرا دیا **اللھم صلی وسلم و بارک علیہ** تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل اپنے اعمال اپنے احوال میں کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صرف خدا کی محبت۔ آپ کے اعمال صرف خدا کے لئے تو رب تعالیٰ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں کسی کو شریک نہ کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قرب وہ درجہ وہ مقام عطا کیا جو آپ کے سواء کسی کو نہ دیئے اللہ تعالیٰ خالقیت میں لاشریک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندگی میں لاشریک۔ یہ فائدہ **للہ رب العالمین** اور **لا شریک لہ** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی کاموں کی ہدایت بھی ماں باپ یا کسی عزیز قریب نے نہ دی وہ بھی رب ہی نے بخشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے ہادی ہیں بجز پروردگار کسی کے مہدی نہیں' جناب حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں وہ عدل فرمایا کہ سبحان اللہ۔

بھائیوں کے لئے ترک پستاں کریں بچپنے کی نفاقت پہ لاکھوں سلام

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے ہدایت پر تھے ایک آن کے لئے ہدایت سے جدا نہ ہوئے۔ یہ فائدہ ھدانی بمعنی مطلق سے حاصل ہوا جو ایک آن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت سے جدا مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ذات وحدہٗ لاشریک ہے جنت تو اس راستہ کی ایک منزل ہے جیسا کہ صراط مستقیم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام مختلف دین و ملت لائے مگر ان سب میں ملت ابراہیمی بہت ہی افضل و اشرف و اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ دینا قیما کے بعد ملتہ ابراہیم فرمانے سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام سے کفار کے بہتان دور کرنا سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ وما کان من المشرکین سے حاصل ہوا دیکھو کفار عرب نے اپنے شرک و بت پرستی کو جناب ابراہیم علیہ السلام پر تھوپا رب نے ان کی صفائی بیان فرمائی۔ جو عالم اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ ان حضرات سے کفار کے اعتراضات دور کرے وہ سنت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے تو حضرت مریم سے بھی بہتان دور کئے جو اللہ کی مقبول ولیہ تھیں۔ نواں فائدہ: بدنی عبادات خصوصاً نماز مالی عبادات سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ صلوتی کو نسکی پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: جانوروں کی قربانیاں بحکم قرآن اسلام کا رکن ہیں۔ یہ فائدہ ونسکی فرمانے سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت نماز اور قربانی دونوں پر پڑھتے تھے۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام کی زندگیاں دنیاوی زندگی نہیں۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جس کے لئے فنا ہے اسی کی برائیاں قرآن مجید میں آئی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی رحمانی زندگی ہے۔ یہ فائدہ للہ رب العالمین سے حاصل ہوا۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جو دنیا کے کاموں میں صرف ہو، رحمانی زندگی وہ ہے جو اللہ کی رضا میں صرف ہو، نفسانی زندگی، شیطانی زندگی، ایمانی زندگی، رحمانی زندگی ان سب کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ بارھواں فائدہ: ساری مخلوق میں سب سے پہلے مومن پہلے رب کے مطیع پہلے مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ فائدہ اول المسلمین سے حاصل ہوا باقی ساری مخلوق بعد کے مسلم بعد کے مطیع و عابد ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی آخری مطیع آخری عابد بھی ہیں اولیت حقیقیہ اور آخریت حقیقیہ کا سہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے۔ تیرھواں فائدہ: مخلوق میں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہو سکتا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن بالذات ہے کیونکہ حقیقی اول حقیقی آخر ایک ہی ہو سکتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے اولیت اور آخریت میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ فائدہ بھی وانا اول المسلمین سے حاصل ہوا ہم نے عرض کیا ہے۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداء و منتہیٰ
نہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

نیز سارا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہو چکا اب دوسرا ایسا کون ہو سکتا جس کے نور سے دنیا بنے۔ جو ہمارا باپ یا ماں بن چکے وہ بن چکے دوسرا شخص ہمارا باپ یا ماں نہیں بن سکتا۔ چودھواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ کی عبادات میں آپ کے دل میں خدا کا کوئی شریک نہیں سب عبادات اللہ کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صرف اللہ کی محبت ہے اور کسی کی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ یہ فائدہ لا شریک لہ سے حاصل ہوا ان صلوتی ونسکی کے بعد لا شریک لہ فرمانے کا یہی مقصد ہے۔ اس کی جزاء حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو یہ دی گئی کہ رب کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شریک نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درجہ وہ مقام بخشا جو کسی کو نہ دیا حدیث شفاعت میں ہے کہ جناب خلیل کہیں گے کہ کنت خلیلا من وراء وراء میں تو باہر کا دوست ہوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اندر کے دوست ہیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام پہلی بار طور پر خلوت میں کیا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنادیا وما تلک بیمینک یا موسی مگر معراج میں جو کلام محبوب سے کیا وہ کسی کو نہ سنایا فاوحی الی عبدہ ما اوحی بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات میں خدا کا کوئی شریک نہیں اور رب کے ہاں قرب و مراتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شریک نہیں۔ رب الوہیت میں وحدہ لاشریک ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت میں وحدہ لاشریک ہیں۔ پندرھواں فائدہ: نزول قرآن سے پہلے بلکہ عالم ارواں میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام الہیہ پہنچتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر عمل کرتے تھے آپ پر احکام نزول قرآن کے بعد ہی نہیں آئے۔ یہ فائدہ وامرت کے ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے مومن موحد عارف وغیرہ سب کچھ تھے یہاں امرت سے امر قرآنی مراد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مومن ہونا نزول قرآن بلکہ عالم بننے سے پہلے ہے۔ سولھواں فائدہ: کوئی شخص اپنے کو شیطان اور برے مشیروں سے محفوظ نہ سمجھے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دین و ایمان کی حفاظت کی دعا کرے اور برا مشورہ دینے والے بہکانے والے کو ایسا سخت جواب دے کہ پھر اسے دوبارہ بہکانے کی ہمت نہ پڑے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المحفوظین اور امام المعصومین ہیں کفار اس ذات کریم پر بھی بے دینی کا حملہ کرنے سے باز نہ آتے تھے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا سخت جواب دیا کہ پھر انہیں اس حرکت کی ہمت نہ پڑی جیسا کہ ان آیات کے مضمون سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رب تک پہنچے نہیں بلکہ ابھی سیدھے راستہ پر ہیں اور دوسرے مسلمان بھی سیدھے راستے پر ہیں خود چلنے کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں میں فرق کیا ہوا؟ جواب: ہم لوگ سیدھے راستے پر ہیں خود چلنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستے پر ہیں مخلوق کو چلانے کے لئے، رب تک پہنچانے کے لئے رب فرماتا ہے انک لتھدی الی صراط مستقیم جانے والے اور لے جانے والے میں بڑا فرق ہے۔ دوسرا اعتراض: دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستہ پر چلتے ہیں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح راہ خدا کے مسافر ہیں۔ جواب: اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ آپ سیدھے راستے پر چلتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ سیدھے راستہ پر ملتے ہیں جیسے کہا جائے کہ لاہور سیدھے راستہ پر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لاہور بھی سفر کر رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا لاہور پہنچ جاتا ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے ان ربی علی صراط مستقیم میرا رب سیدھے راستہ پر ہے یعنی سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے ھدانی کی تفسیر میں کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بننے سے پہلے ہدایت پر تھے حالانکہ یہاں فرمایا جا رہا ہے ملتہ ابراھیم اس وقت ملت ابراہیمی کہاں تھی اس وقت نہ حضرت ابراہیم تھے نہ ان کی ملت پھر یہ فرمان کیسے درست ہوا۔ جواب: اول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دین پر تھے توحید رسالت، معرفت الٰہی، اطاعت الٰہی، عبادت الٰہی وہ اس دنیا میں ملت ابراہیمی کی شکل میں نمودار ہوا ملت ابراہیمی دنیا میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری سے آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں تو بت پہلے سے تھی بلکہ احکام قرآنیہ نزول قرآن سے دنیا میں آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں پہلے سے تھے خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مجھے رب تعالیٰ نے اس عالم میں ہی اس دین کی ہدایت کردی تھی جو دنیا میں دین ابراہیمی بن کر نمودار ہوا اور پھر اسلام نے اسے چمکایا۔ خیال رہے کہ دین نام عقائد کا ہے اعمال دین' دین نہیں بلکہ مذہب ہیں ملت ابراہیمی کے اعمال حج قربانی ختنہ وغیرہ دنیا میں اختیار کئے گئے مگر معرفت الٰہی کا اعلیٰ درجہ نفس اطاعت وغیرہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان میں بھی موصوف تھے نیز ان اعمال کو حق ماننا یہ پہلے ہی سے حاصل تھا۔ **چوتھا اعتراض:** سارے آسمانی دین دین قیم تھے پھر خصوصیت سے اسلام کو **دینا قیما** کیوں فرمایا۔ **جواب:** وہ سارے دین خاص وقت خاص قوم کے لئے **دینا قیما** تھے اسلام سارے انسانوں کے لئے تاقیامت دین قیم یعنی سیدھا دین یا سیدھا کردینے والا دین ہے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان میں سے کوئی دین قیم نہ رہا تھا سوا اسلام کے لہٰذا یہ فرمان درست ہوا بند شدہ راستہ منزل پر نہیں پہنچاتا جس سکہ کا چلن بند ہو جائے اس سے سوائیں ملتا۔ **پانچواں اعتراض:** گزشتہ دین یعنی یہودیت نصرانیت کو ملت ابراہیمی کیوں نہیں کہا جاتا وہ سب بھی حضرت ابراہیم کی اولاد ہی کے دین تھے' حضرت موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام سب اولاد ابراہیم ہیں صرف اسلام کو دین ابراہیمی کیوں کہا جاتا ہے؟ **جواب:** اولاد اسحاق میں بہت نبی آئے الگ الگ دین لائے پچھلے نبی نے اگلے نبی کا دین منسوخ کیا پھر اس سلسلہ اولاد میں دین ابراہیمی کیسے باقی رہ سکتا تھا۔ اولاد اسماعیل میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کوئی نبی نہ آیا' صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے دین ابراہیمی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کی تائید کرکے مع اضافہ باقی رکھا نیز اکثر ابراہیمی سنتیں حجاز میں ہوئیں فلسطین میں نہ ہوئیں قربانی' تعمیر کعبہ مقام ابراہیم کا اہتمام' صفا مروہ کی سعی' جمروں کو کنکر مارنا۔ ختنہ وغیرہ سب چیزیں حجاز میں ہوئیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو باقی رکھا بلکہ انہیں فروغ دیا لہٰذا اسلام اور صرف اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے صرف حجاز کے لوگ حج کعبہ کرتے تھے اب ساری دنیا کے لوگ کعبہ کا حج کرتے ہیں کعبہ تو وہی ہے مگر راجہ دوسرا ہے جس کا راج سارے جہان میں ہے جہاں تک راج وہاں تک سکہ اور قانون جہاں تک جناب مصطفیٰ کا راج وہاں تک قرآن اور کعبہ کی دھوم۔ **چھٹا اعتراض:** ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہیں کیونکہ آپ دین ابراہیمی کے متبع ہیں۔ **جواب:** ہم اس اعتراض کا جواب **قل بل ملتہ ابراہیم حنیفا** کی تفسیر یعنی پارہ اول میں دے چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ دین اسلام ملت ابراہیمی کے موافق اس کے مطابق ہے اور اسلام اپنے میں ملت ابراہیمی کو ایسے لئے ہوئے ہے جیسے نماز اپنے میں رکوع یا سجود کو لئے ہوئے ہے قریبا" سارا دین ابراہیمی اسلام میں موجود ہے اضافہ علاوہ ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں اور دوسری آیات میں حضرت ابراہیم کے متعلق یہ کیوں کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ **جواب:** اس لئے کہ مشرکین عرب' یہود' عیسائی' داؤدی' وغیرھم سارے دینوں والے کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں اور ہمارا دین ملت ابراہیمی ہے اور وہ سب شرک و کفر میں گرفتار تھے اس ایک لفظ میں ان سب کی تردید ہو گئی کہ تم میں سے کوئی ابراہیمی نہیں کہ تم لوگ مشرک ہو وہ اعلیٰ درجہ کے مومن موحد تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں نسک کے معنی قربانی نہیں بلکہ عام عبادات ہیں یا ارکان حج اسلام میں موجود قربانی کچھ نہیں۔ صرف حج کی قربانی ہے (منکرین قربانی)۔ **جواب:** یہ ترجمہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز یا قربانی لوا کرتے تو یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ قربانی پر اس آیت کا پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ یہاں معنی قربانی ہے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک کیا مگر قربانی ہر سال مدینہ منورہ ہی میں کرتے تھے نیز رب فرماتا ہے **فصل لربک وانحر** کے کیا معنی لہٰذا یہاں نسک سے مراد قربانیاں ہی ہیں۔ **نواں اعتراض:** اگر اول المسلمین کے یہ معنی ہیں کہ ساری مخلوق میں پہلے مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو ہم لوگ نماز کے اول یہ آیت کیوں پڑھتے ہیں ہم میں یہ وصف کہاں ہے۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی اول مسلم ہیں اور باقی لوگ اضافی اول یعنی اپنی اولاد اپنے بعض خاندان مسلم ہیں ان دونوں لویتوں میں بڑا فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں اول مسلم ہیں۔ **دسواں اعتراض:** سورہ اعراف مکیہ ہے اس کے نزول کے وقت نہ قربانی اسلام میں آئی تھی نہ حج پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **ان صلوتی و نسکی۔** **جواب:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہی قربانی کرتے تھے۔ دیکھو سورہ کوثر مکیہ ہے مگر اس میں ہے **فصل لربک وانحر** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے حج کئے لوگوں میں تبلیغ فرمائی' طواف کئے۔ **گیارھواں اعتراض:** قرآن مجید میں نماز کو زکوۃ سے ملایا جاتا ہے **اقیمو الصلوۃ واتوا الزکوۃ** مگر اس آیت میں قربانی سے ملایا اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** چند وجوہ سے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہیں اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ذکر ہوا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زکوۃ کا دوسرے یہ کہ ہجرت سے پہلے قربانی تھی زکوۃ نہ تھی پھر یہاں زکوۃ سے کیسے ملاتے تیسرے یہ کہ اسلامی قربانی کو حضرت اسماعیل و خلیل علیہما السلام سے نسبت ہے کہ وہاں سے ایجاد ہوئی بڑوں کی نسبت چیز کو بڑا کر دیتی ہے' دیکھو عید فطر کو چھوٹی عید کہتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے روزوں تراویح کا شکریہ ہے مگر بقر عید کو بڑی عید کہتے ہیں کہ وہ حضرت خلیل و ذبیح کی قربانی قبول ہونے کا شکریہ ہے لہٰذا بڑی ہے۔ **بارھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی نیکی میں رسول کو راضی کرنے کی نیت شرک ہے کہ یہاں ارشاد ہوا کہ نماز قربانی زندگی و موت صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے۔ جو اللہ رسول کی رضا کے لئے عمل کرے' وہ مشرک ہے۔ **جواب:** رسول کی رضامندی کا ذریعہ ہے شرک نہیں۔ جس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوں اس سے خدا تعالیٰ راضی کبھی نہیں ہوتا رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اور فرماتا ہے **مہاجرا الی اللہ ورسولہ** دیکھو ہجرت عبادت ہے مگر اس میں رسول کی رضا کو شامل کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ : اے محبوب اعلان فرما دو کہ رب نے مجھے توحید ذاتی شہودی حق الیقینی کی خود ہدایت دی' دوسروں کو توحید صفاتی کی میرے ذریعہ ہدایت دی یہ توحید ذاتی میرے لئے صراط مستقیم سیدھا راہ ہے یہ وہ مضبوط دین ہے جسے کوئی دین وملت منسوخ نہیں کر سکتے اس کی جھلک حضرت خلیل اللہ پر پڑی تو انہوں نے اپنی مال' اولاد قرابت دار' وطن وغیرہ سب کچھ قربان کر دیا انہوں نے اپنی تمام چیزوں میں کسی کو شریک نہ کیا' سب اللہ کی ملک کر دیں تم یہ بھی فرما دو کہ میری روحانی' حضوری' مشہودی نماز جو میری معراج ہے اور میرے نفس کی قربانی کہ دل فدا کر کے رب سے قریب ہو جانا میری دلی' روحانی زندگی نفسانی موت نفسانی فنا محض ذات رب العالمین کے لئے ہے کہ ان سے وہ راضی ہو جائے میں نے اس کا کسی کو شریک نہ بنایا جو میرا مطلوب ہو بلکہ وہی وحدہٗ لا شریک لہ' میرا واحد مطلوب ہے اس کا کوئی شریک نہیں لا معبود الا ہو لا مطلوب الا ہو لا مقصود الا ہو بلکہ لا موجود الا ہو لا مشہود الا ہو' مجھے اسی اخلاص کا اس کے سواء کسی پر نظر نہ کرنے کا ازلی حکم دیا گیا ہے میں ہی پہلا مطیع فرمانبردار ہوں کہ سب سے

پہلے ہی نے اپنے کو فنافی اللہ کر کے بقاباللہ کی لذت پائی ہے (معانی ٔ بیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ جس خوش نصیب کی زندگی و موت اللہ کے لئے ہو جائے اسے چند نعمتیں ملتی ہیں۔ (1) اس کے لئے فنا نہیں موت اسے فنا نہیں کر سکتی بل احیاء ولکن لا تشعرون کیونکہ رب کے لئے فنا نہیں۔ (2) اسے شیطان نفس امارہ اور کوئی چیز روک نہیں سکتی یا لتو جانور کو کوئی شکاری شکار نہیں کر سکتا۔ (3) اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اس سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں واحی الموتی باذن اللہ مگر خیال رہے کہ اللہ کے لئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس کا ہر حکم بلا چون و چرا مانے جناب خلیل نے بلا عذر آگ میں جانا، بچہ ذبح کرنا، ترک وطن سب کچھ منظور کر لیا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ
آپ کہیے کیا اللہ کے سوا کر تلاش کروں میں رب اور وہ ہی ہے پالنے والا ہر چیز کا اور نہیں کماتا ہر نفس مگر
تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ سب اس کے
اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ
اوپر اس کے اور نہیں اٹھاتی کوئی بوجھل جان بوجھ دوسرے کا پھر طرف رب تمہارے کے لوٹنا ہے
ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
تمہارا پس خبر دیگا وہ تم کو اس کی کہ تھے تم اس میں جھگڑتے۔
پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ میری نماز قربانیاں اللہ کے لئے ہیں اس کا کوئی شریک نہیں اب اس دعوے کی پرزور دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے، جو ہر چیز کا رب ہو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں توحید الٰہی کے وہ وجوہ بیان کیے گئے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تھے۔ یعنی آپ کا معصوم ہونا ہدایت پر ہونا فنافی اللہ ہونا اب اس توحید کے وہ دلائل بیان ہو رہے ہیں، جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے یعنی اللہ کا رب ہونا باقی کا مربوب و مخلوق ہونا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عقائد اسلامیہ توحید الٰہی اختیار کرنے کی وہ وجوہ بیان ہوئیں جن کا تعلق ابتداء سے ہے اب اس کی وہ وجوہ بیان ہو رہی ہیں جن کا تعلق انتہا اور آئندہ سے ہے یعنی کسی نفس کا دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھانا ہر ایک کو اپنی اپنی بھگتنا۔

شان نزول : سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ مسلمانوں سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ آپ ہمارے دین میں لوٹ آئیں اگر اس وجہ سے تم پر عذاب آیا تو وہ عذاب میں جھیل لوں گا۔ ساری ذمہ داری میری ہو گی اس مردود کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا (خازن)۔

تفسیر : **قل اغیر اللہ ابغی ربا** یہ نیا جملہ ہے قل میں خطاب یا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ان مسلمانوں سے جنہیں شرک کی طرف کفار نے بلایا تھا روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت دینے کی جرات کی تھی اور اس فرمان عالی کا مقصد ہے کفار کو اپنے سے مایوس فرمادینا کہ تم مجھے کسی طرح کبھی بھی بہکانہ سکو گے جیسے آنکھوں سے نگاہیں مختلف نکلتی ہیں دوست دشمن ماں بہن بیٹی' بیوی کو دیکھنے کی نگاہیں جدا گانہ ہیں ایسے ہی ایک منہ سے ایک زبان سے کلام مختلف قسم کے نکلتے ہیں قہر کا کلام اور ہوتا ہے' مہر و محبت کا اور دشمنوں سے کلام اور ہوتا ہے' دوستوں سے اور بلکہ رازداروں سے اور طرح کا یہ کلام قہر کا ہے۔ **اغیر اللہ** میں ہمزہ سوال اور پوچھنے کا ہے اور یہ سوال ان کفار پر اظہار غضب یا اظہار تعجب کے لئے ہے۔ **غیر اللہ** سے مراد ماسوی اللہ ہے خواہ کوئی ہو کیونکہ رب اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں ہم غیر' الا' سوی' دون کے معانی ان میں فرق اور ان کے استعمال کے مواقع بارہا بیان کرچکے ہیں۔ **ابغی** بنا ہے بغی سے بمعنی تلاش کرنا چاہنا' بغاوت سے نہیں بنا۔ خیال رہے کہ یہاں رب کے تلاش کرنے کا انکار نہیں بلکہ خدا کے سوا کسی اور کو رب بنانے اسے معبود ماننے کا انکار ہے' اس لئے غیر اللہ پہلے ارشاد ہوا اور ابغی بعد میں (معانی) رب سے مراد ہے حقیقی و دائمی اور ہر طرح پالنے والا یعنی اللہ تعالیٰ ماں باپ بادشاہ کو قرآن کریم نے رب فرمایا ہے بمعنی مربی جیسے **کما ربیانی صغیرا** یا جیسے **ارجع الی ربک**۔ **وھو رب کل شیء** اس عبارت میں گزشتہ انکار و اظہار غضب کی دلیل ارشاد ہوئی یہ ابغی کے فاعل یا ربا سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے کل شیء سے مراد ہر ماسوا اللہ ہے عرشی ہو یا فرشی یعنی رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز اس کی مربوب اس کی پروردہ ہے اس کا بندہ ہے۔ اس نے مخلوق کے فانی جسم کی تربیت کے لئے ہزاروں غذائیں دوائیں پھل فروٹ پیدا فرمائے اس کی باقی رہنے والی روح کی پرورش کے لئے نبی' وحی' کتاب' احکام بھیجے اور وہ رحیم و کریم ہر ایک کو اس کی حیثیت کے لائق پالتا ہے شیر کو گوشت سے بکری کو گھاس سے چیونٹی کو کن سے ہاتھی کو من سے پالتا ہے یونہی روحانیت میں کسی کو نبوت سے کسی کو ایمان سے کسی کو عرفان سے پالتا ہے تو سوچ لو کہ بندہ' پروردہ' اپنے پالنے والے مالک کا شریک کیسے ہوسکتا ہے۔ یہاں تک تو عقیدہ شرکیہ کی پر زور تردید ہوئی **ولا تکسب کل نفس الا علیھا** اس فرمان عالی میں کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ تم لوگ مشرک ہو جاؤ اگر شرک گناہ ہوا تو تمہارا گناہ ہم اٹھالیں گے **تکسب** بنا ہے کسب سے اور کسب ظاہر اعضاء کے اعمال کو کہا جاتا ہے یہاں مطلقاً عمل مراد ہے' خواہ دل و دماغ کا ہو یا ظاہری اعضاء کا لہذا اس میں شرک و کفر اور ساری بد عقیدگیاں سارے برے کام داخل ہیں' خوش عقیدے اور نیک اعمال یہاں مراد نہیں جیسا کہ **علیھا** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے نفس کے بہت معنی ہیں ذات' جان' نفس امارہ' نفس مطمئنہ وغیرہ یہاں بمعنی جان ہے' مراد ہے ہر مکلف انسان اور مکلف جن کیونکہ سزا اور عذاب انہیں دو کو ہے۔ فرشتے گناہ کرسکتے ہی نہیں جانوروں کے اعمال نہ نیک ہوں نہ بد نہ ان پر ثواب ہو نہ عذاب علیھا میں علیٰ یا تو لزوم کے لئے ہے یا نقصان کے لئے ہے یعنی ہر مکلف بندہ جو گناہ کرے گا اس کا وبال خود اس کرنے والے پر ہوگا دوسرے پر نہیں ہوگا کہ کرنے والا مجرم چھوٹ جائے اور دوسرا پکڑا جائے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم شرک و کفر کریں اور عذاب سے بچ جائیں تو لوگ وہ عذاب اپنے پر لے لیں۔ **ولا تزر وازرۃ وزر اخری**۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ یہ کلام پہلے فرمان **ولا تکسب** کی تاکید ہے مگر محققین مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں نئی بات فرمائی گئی کفار نے دو باتیں کہی تھیں ایک یہ کہ تم ہمارے کہنے سے مشرک ہو جاؤ اگر یہ شرک گناہ ہوا تو ہمارے نامہ ء اعمال میں لکھا جائے گا نہ کہ تمہارے

کیونکہ تم سے کفر ہم کرا رہے ہیں' دوسرے یہ کہ اگر گناہ تمہارے نامہ اعمال میں لکھا بھی گیا تو قیامت میں ہم رب تعالیٰ سے کہہ کر اپنے نامہ اعمال میں لکھوالیں گے تمہارا نامہ ء اعمال صاف کرادیں گے پہلی بات کی تردید پہلے جملہ **ولا تکسب** الخ میں کی گئی۔ دوسری بات کی تردید دوسرے جملہ **ولا تزد** الخ میں کردی گئی (روح المعانی) **لا تزو** بنا ہے وزر سے وزر کے معنی ہیں گناہ' گناہ کرنا بوجھ اور بوجھ اٹھانا یہاں بمعنی بوجھ اٹھانا ہے اور وزر بمعنی بوجھ ہے اخریٰ سے مراد دوسری جان ہے جو کسی کے کہنے سے گناہ کرے یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اس طرح کہ مجرم تو بالکل ہلکا پھلکا ہو جائے اور یہ اس کا بوجھ اٹھائے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت میں کوئی مجرم دوسرے کا جرم اٹھانے کے لئے بخوشی تیار نہ ہوگا' یہ بات ضرور خیال میں رہے **ثم الی ربکم موجعکم** ثم تراخی ذکری کے لئے ہے نہ کہ زمانی مہلت کے لئے یعنی پھر تم یہ بھی خوب یاد رکھو مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع کرنا لوٹنا' چونکہ سب بندے رب کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے ہیں اور کچھ دن کے لئے آئے ہیں کچھ کمانے کے لئے آئے ہیں' اس لئے رب کی بارگاہ میں حاضری کو رجوع اور لوٹنا فرمایا جاتا ہے **کم** میں خطاب سارے جن وانس سے ہے کہ حساب و کتاب کے لئے پیشی انہیں کی ہوگی۔ دوسری مخلوق تو ان کے خلاف یا ان کے موافق گواہی دینے کے لئے پیش ہوگی **فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون** یہ عبارت معطوف ہے **ثم الی ربکم** پر ینبئ بنا ہے 'بناء' سے بمعنی خبر دینا یہاں مراد ہے فیصلہ سنانا اور اپنا فیصلہ بندوں پر جاری کرنا **بما** میں **ما** سے مراد سارے عقیدے سارے اعمال ہیں جن میں کفار مومنین جھگڑتے ہیں یعنی رب تعالیٰ قیامت میں تم سب جھگڑنے والوں میں فیصلہ فرمائے گا۔ جزا و سزا دے گا اس فیصلہ سے پہلے اپنا انتظام کرلو۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت میں رب تعالیٰ نے چھ چیزیں بیان فرمائی ہیں دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتیں اور دو قانون اور دو کفار کے انجام چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے بے وقوف مشرکو تم جو مجھے شرک کی طرف بلا رہے ہو تم اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں سب کو دعوت توحید دینے والا بت شکنی کرنے والا لوگوں کو خدا پرست بنانے والا اللہ کے سوا کسی چیز کو رب مان لوں تمہاری عقل کہاں گئی۔ مجھے تو اللہ نے وہ شان بخشی ہے کہ جس پر نگاہ کرم کردوں وہ بت شکن بن جائے اس فرمان عالی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت بیان فرمائی گئی' غور تو کرو کہ جو چیز بھی اللہ کے سوا ہے اللہ اس کا رب ہے اور وہ اللہ کا بندہ ہے پھر وہ رب کیسے ہو سکتی ہے۔ عبدیت اور الوہیت کیسے جمع ہو سکتی ہیں اس خبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع تمام چیزوں میں بیان فرمائی گئی کہ میں نے ہر شے کی مربوبیت اللہ کی ربوبیت آنکھوں دیکھی ہے یہ خیال رکھو کہ جو کوئی گناہ کرے گا شرک یا بد عملی وہ اسی پر پڑے گا اس کی سزا اسے ہی بھگتنا پڑے گی اتنے جز میں اسلام کے ایک قانون کا ذکر ہے کہ دنیا میں کوئی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہر ایک اپنے لئے گناہ کرے گا' تمہارا یہ کہنا محض غلط ہے کہ لوگوں کے گناہ ہم اٹھائیں گے کوئی نفس کسی کے گناہ نہیں اٹھا سکتا ہر ایک کو اپنی پڑ جائے گی یہ ہے دوسرا قانون کہ قیامت میں کوئی بوجھل نفس کسی کے بوجھ اٹھانے پر تیار نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ کفار کی نیکیوں میں وزن نہ ہوگا۔ **فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا** اور ان کے گناہوں میں بوجھ ہوگا بے ادب کافر کے گناہوں کا بوجھ زیادہ باادب کافر کا کم ابولہب و ابوطالب میں فرق ہوگا کافر کے گناہ اس پر سوار ہوں گے مومن اپنی نیکیوں پر سوار ہوگا' وازرہ وہ نفس جس پر اس کے گناہ سوار ہوں سب کا لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے وہاں ہی سب کو پیش ہونا ہے وہاں رب تعالیٰ تم میں ان باتوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں تم یہاں دنیا میں جھگڑتے اختلاف کرتے ہو ضروری ہے

کہ دنیا میں بندے بن کر رہو تا کہ تمہارا فیصلہ اچھا ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو بھی اللہ کے سوا ہے اللہ اس کا رب ہے اور وہ اب کی مربوب کوئی چیز اس کی ربوبیت سے علیحدہ نہیں ہر جگہ ہر حال میں ہر وقت اس کی ربوبیت سے ہر ایک کو ہر وقت حصہ مل رہا ہے مگر جیسا مربوب ویسا اس کا حصہ۔ یہ فائدہ رب کل شئی سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخشنا ہر گز درست نہیں یعنی ایصال ثواب تو درست ہے مگر ایصال عذاب درست نہیں۔ یہ فائدہ **الا علیھا** سے حاصل ہوا۔ ایصال ثواب سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی فرما کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے **اللھم ھذہ لا متی** مالی بدنی ہر طرح کی عبادات کا ثواب بخشا جا سکتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی کسی کی طرف سے گناہ نہیں کر سکتا ہاں بعض نیکیاں دوسروں کی طرف سے کی جا سکتی ہیں۔ حج بدل کیا جاتا ہے کسی کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **الا علیھا** سے حاصل ہوا یعنی نیکی میں نیابت درست ہے گناہ میں درست نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت میں کوئی شخص دوسرے کے جرم میں گرفتار نہ ہو گا اس طرح کہ مجرم تو چھوٹ جائے اور غیر مجرم پکڑا جائے ہر ایک کو اپنے ہی جرم کی سزا ملے گی۔ یہ فائدہ **ولا تزروا زرۃ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی مجرم کو بغیر اس کے جرم دکھائے بتائے بلکہ بغیر گواہی قائم فرمائے بغیر اس سے اقرار کرائے سزا نہ دے گا۔ یہ فائدہ **فینبئکم** سے حاصل ہوا تھا۔ دنیا کی کچہریاں یہاں کے قائدے قوانین آخرت کی کچہریوں کا نمونہ ہیں حتی کہ قبر میں پہلے امتحان میں فیل بندہ فیل ہو گا پھر دوزخ کی کھڑکی کھولی جائے گی' یہ اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** قبر میں صرف عقائد کی چھان بین ہو گی وہاں اعمال کی تحقیق جرح قدح نہ ہو گی مگر قیامت میں عقائد اور اعمال دونوں کی تحقیقات ہو گی۔ یہ فائدہ **کنتم فیہ تختلفون** سے حاصل ہوا' کیونکہ مومنین اور کفار عموماً" عقائد میں مختلف ہوتے ہیں ان کا بنیادی اختلاف اسی میں ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ کے مقبول بندے گنہگاروں کا بوجھ ضرور ہلکا کریں گے ان کے گناہ بخشوائیں گے۔ یہ فائدہ وازرۃ فرمانے سے حاصل ہوا جس میں فرمایا گیا کہ بوجھل نفس کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا جس سے معلوم ہوا کہ ہلکا اور بے گناہ نفس دوسرے کو ہلکا کرے گا۔ **خیال رہے** کہ ایک ہے کسی کا بوجھ اٹھا لینا یہ تو کوئی نہ کرے گا کہ کسی کے گناہ اپنے ذمہ لے لے دوسرا ہے بوجھ اٹھوا دینا ملکا بنا یہ ان شاء اللہ قیامت میں ہو گا۔

پہلا اعتراض : یہاں **اغیر اللہ ابغی ربا** سوال کے طریقہ سے کیوں ارشاد ہوا نفی کے طریقہ پر لا ابغی فرمانا زیادہ مناسب ہوتا۔ **جواب:** مقصد تو نفی ہی ہے مگر سوال کے طریقہ سے ارشاد فرمانے میں نفی کے ساتھ تعجب کا اظہار بھی ہو گیا کہ مجھ جیسا اللہ کا نبی محبوب و مقرب بندہ شرک کر سکتا ہے بے وقوفو! تم اتنے بے عقل کیوں ہو گئے ہو اس میں کفار کی حماقت پر تعجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت وغیرہ سب کا ہی ذکر ہو گیا۔ یہ باتیں **لا ابغی** فرمانے سے حاصل نہ ہوتیں۔ **دوسرا اعتراض:** تو پھر آگے **وھو رب کل شئی** کیوں ارشاد ہوا مناسب تھا کہ میں تو اللہ کا معصوم محبوب ہوں۔ **جواب:** اس جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کے ساتھ توحید الٰہی کی قوی دلیل کا بھی ذکر ہو گیا کہ مجھے معلوم ہے کہ ہر ماسوی اللہ کا رب تعالیٰ رب ہے اور ہر چیز اس کی پروردہ اور بندہ پھر کوئی چیز رب کیسے ہو سکتی ہے میں نے رب کی ربوبیت بندوں کی مربوبیت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے بلکہ سب کو میرے ہی ذریعے رب کی ربوبیت سے حصہ ملا ہے وہ رب العالمین ہے تو مجھے اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے اس ایک فرمان میں یہ سب باتیں بتا دی گئیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مجرم اپنے گناہ

میں خود ہی گرفتار ہو گا۔ جیسا کہ **الا علیھا** کے حصر سے معلوم ہوا مگر حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ گناہ کے موجد کو تمام گنہگاروں کے برابر سزا ملے گی وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا مفصل جواب ہم تیسرے پارہ میں **لہاما کسبت وعلیھا ما اکتسبت** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ گناہ کے موجد کو اپنی ایجاد گناہ کا ہی عذاب ہو گا نہ کہ دوسروں کے جرم کا مگر چونکہ ایجاد گناہ بدترین جرم ہے اس لئے اس کی سزا تمام گناہ کرنے والوں کے برابر ہے' اس اعتراض کے اور بہت جواب ہیں۔ یہ جواب کافی ہے باقی جوابات وہاں ہی دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کوئی نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا مگر دوسری آیت میں سرداران کفر کے متعلق ارشاد ہوا **ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم** وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کا بوجھ بھی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے بہت جوابات ہیں آسان جواب دو ہیں ایک یہ کہ سرداران کفار بخوشی سب کا بوجھ نہ اٹھائیں گے ان پر جبراً" بوجھ لادے جائیں گے اس آیت میں بخوشی اٹھانے کی نفی ہے وہاں اس میں لادے جانے کا ثبوت لہذا دونوں آیات برحق ہیں دوسرے یہ کہ سرداران کفر اپنے ماتحتوں کا بوجھ اس طرح نہ اٹھائیں گے کہ ماتحت لوگ ہلکے ہو جائیں اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر بھی بوجھ باقی رہیں گے یہاں پہلی صورت کی نفی ہے وہاں دوسری آیت میں دوسری بات کا ثبوت ہے چونکہ سرداران کفر نے دو جرم کیے ہیں خود گمراہ ہونا دوسروں کو گمراہ کرنا اس لئے ان پر دوسروں کا بھی وبال پڑا۔ ماتحتوں نے یہ جرم کیا کہ ان کی بات مان کر ان کی صحبت میں رہ کر گمراہ ہوئے لہذا وہ بھی بوجھ تلے دبے۔ **پانچواں اعتراض:** اس کا کیا مطلب ہے کہ پھر تم سب کو رب کی طرف واپس ہونا لوٹنا ہے ہر بندہ ہر وقت رب کی قدرت رب کے علم رب کے تصرف میں ہے رب کے حضور حاضر ہے پھر لوٹنے کے کیا معنی لوٹ کر تو وہ آئے جو کہیں اس کے پاس سے گیا ہو' غائب ہو' **جواب:** لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ تم عالم ارواح سے ہی اس عالم اجسام میں نئے ہو' تمہارا یہاں رہنا عارضی ہے پھر تم اس عالم ارواح کی طرف واپس جاؤ گے لوٹنے کے تو یہ معنی ہیں چونکہ اس عالم میں کسی بندے کی عارضی اور ظاہری حکومت بھی نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام وہاں جاری ہیں اس لئے وہاں جانے کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانا فرمایا گیا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کرجانے کے متعلق فرمایا **انی ذاھب الی ربی** میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں حالانکہ آپ عراق میں رہتے ہوئے بھی رب ہی کے پاس تھے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ تم لوگ جن چیزوں میں جھگڑ رہے ہو اس کی خبر رب دے گا' حالانکہ اس کے متعلق خبر تو دنیا میں بھی دے دی گئی ہے بذریعہ انبیاء کرام علماء عظام' آسمانی کتابوں کے' پھر وہاں خبر دینے کے کیا معنی؟ **جواب:** یہاں رب تعالیٰ نے صرف اطلاع کے طور پر خبر دی ہے وہاں فیصلہ اور سزا جزا کے طور پر خبر دے گا' اس خبر اور اس خبر میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں اولاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظیت' معصومیت کا ذکر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و تصرف کا پھر ہر کاسب نفس کے متعلق قوانین الٰہیہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ **ابغی ربا** تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کا ذکر ہے اور **وھو رب کل شئی** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط کا ذکر ہے کہ میں نے ہر چیز کو بھی دیکھا انہیں پرورش پاتے ان کی نوعیت پرورش کو دیکھا ہے پھر قوانین اسلام کا ذکر ہے' چنانچہ بطور تعجب کے سوال کے ارشاد ہوا کہ کیا میں محمد مصطفیٰ جس کی ذات' جس کی صفات' جس کے افعال' جس کے تمام حرکات و سکنات قابل حمد ہیں جسے اللہ نے محمد کہا محمد کیا محمد بنایا وہ ذات ستودہ صفات اللہ کے ماسواء کو رب بنا سکتی ہے۔ جس کی عالی صفات کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا کہ اللہ ہر چیز کا رب ہے اس کی ربوبیت مخلوق کی مربوبیت میرے توسل سے ہے کہ اس کی ربوبیت سے جسے جو حصہ ملا میرے وسیلہ سے ملا قانون قدرت یہ ہے کہ ہر مجرم نفس اپنی ذمہ داری پر جرم کرے گا اس کے جرم صرف اسی پر ہوں گے مگر ہر فیض رساں نفس اپنی نیکیوں سے اپنے فیوض سے ہزاروں کو تر ادیگا کسب اور فیض میں فرق ہے یہاں کسب کا ذکر ہے اور قانون یہ ہے کہ بعض نفس خود بو جھل ہیں اور بعض نفس خود ہلکے ہیں اور ہزاروں بو جھلوں کو اپنے کرم سے ہلکا پھلکا کرنے والے ہیں وہ دریائے رحمت ہیں کہ جو گناہوں کے نمک سے لدا ہو انفس اس میں ایک غوطہ لگائے نمک کو پانی بنا کر بہادیں اسے ہلکا کر دیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا **لا تزر وازرۃ** کوئی بو جھل نفس کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا بوجھ میں دبے ہوئے نفس اور ہیں بوجھ ہٹانے والے نفس کچھ اور خیال رکھو کہ سب کو لوٹنا رب ہی کی طرف ہے کوئی اپنے آپ وہاں جائے گا۔ اپنی ذمہ داری پر اور کوئی کسی کے دامن کرم میں چھپ کر پھر ان کا فیصلہ رب ہی کرے گا وسیلہ والوں کا اور بے وسیلوں کا رب فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا**۔

حکایت : یہاں روح البیان نے توکل اور توحید کے متعلق ایک عجیب حکایت نقل فرمائی کہ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا راہ میں ایک صالح جوان کو دیکھا کہ بغیر سواری بغیر توشہ پیدل حج کو جارہا ہے میں نے اس سے بعد سلام پوچھا کہ اے جوان کہاں سے آتا ہے ار کہاں جارہا ہے وہ بولا رب کے پاس سے آرہا ہوں اور رب کے پاس جارہا ہوں میں نے کہا زاد راہ کہاں ہے بولا رب کے ذمہ میں نے کہا کہ یہ راہ بغیر کھانا پانی طے نہیں ہو سکتا وہ بولا میرے پاس پانچ توشے ہیں کھیعص یہ پانچ کافی ہیں میں نے کہا مجھے سمجھاوہ بولا کاف سے کافی ہ سے ہادی ی سے یاور (مددگار) عین سے عالم صاد سے صادق جب رب کافی بھی ہے ہادی بھی یاور بھی' عالم بھی' صادق الوعد بھی پھر مجھے کیا فکر ہے میں نے چاہا کہ اسے ایک قمیص پہنادوں کہ وہ ننگا تھا وہ بولا اے شیخ ننگا ہو نادار الفنا کے لباس سے افضل ہے دنیا کا حلال مال حساب ہے حرام عقاب جب رات ہوتی تو کہتا اے وہ کریم جسے طاعات پسند ہیں' ہمارے گناہ مضر نہیں اپنی پسندیدہ کی ہدایت دے اور میرے وہ گناہ بخش دے جو تجھے نقصان دہ نہیں پھر میں نے اسے منیٰ شریف میں دیکھا کہ رہا تھا کہ الٰہی حجاج نے اپنی قربانیاں پیش کیں میرے پاس میری جان ہے اس کی قربانی قبول کر یہ کہا اور گر کر جان جان آفرین کے سپرد کردی میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ یہ حبیب اللہ ہے یہ قتیل اللہ ہے جو سیف اللہ سے قتیل ہوا میں نے اس کا کفن دفن کیا رات کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ رب نے تیرے ساتھ کیا کیا بولا جو شہداء بدر کے ساتھ کیا کہ وہ کفار کی تلوار سے شہید ہوئے اور میں جبار کی تلوار سے۔

جاں کہ نہ قربانی جاناں بود! جیفہء تن بہتر از آناں بود!
ہر کہ نہ شد کشتہ شمشیر دوست لاشہ مردار بہ از جان اوست

یہ ہے **ثم الی ربکم مرجعکم** کی زندہ جاوید تفسیر اللہ تعالیٰ ہم کو رجوع الی اللہ کی توفیق دے خوشی خوشی اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ

اور وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا تم کو خلیفہ زمین میں اور بلند کیا تم میں سے بعض کو اوپر بعض کے درجوں تاکہ

اور وہ ہی جس نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی

بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ

امتحان کرے تمہارا اس میں جو دیا تم تحقیق رب تمہارا جلد عذاب والا

دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے

الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

(الربع ۲۰)

ہے اور تحقیق البتہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نفس اپنے کئے کا ذمہ دار ہے کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اب اس کا ثبوت دنیاوی زندگی سے دیا جا رہا ہے کہ دنیا میں اگلے لوگ اپنے کام کر گئے تم ان کے خلیفہ نائب ہوئے تو تم اپنے کام کرتے ہو' تمہارے کاموں سے وہ لوگ بے تعلق ہیں ان کے کاموں سے تم بے تعلق وہ اپنا رزق کھا پی گئے تم اپنا کھا پی رہے ہو چین رہے ہو یہاں کے ان حالات میں غور کرو آخرت کا پتہ لگاؤ' **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ تم سب کا لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اب ارشاد ہے کہ تمہارا یہ رجوع الی اللہ مختلف شانوں سے ہو گا کوئی مہمان بن کر کوئی دوست بن کر کوئی گرفتار ہو کر کیونکہ یہاں زندگی میں تمہارے حالات مختلف ہیں غرضیکہ رجوع الی اللہ کا ذکر پہلے ہوا اور نوعیت رجوع کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ ہم تم کو تمہارے اعمال کی خبریں دیں گے اب ارشاد ہے کہ یہ خبر محض قولی نہ ہو گی بلکہ عملی ہو گی کہ بعض کو عذاب میں گرفتار کیا جائے گا' بعض کو بخشا جائے گا۔

تفسیر : **وھو الذی جعلکم خلئف الارض۔ ھو الذی** سے چار باتیں بیان ہوتی ہیں۔ اللہ کی شان' اللہ کی پہچان' اللہ کے نشان' اللہ کا احسان و انعام **ھو الذی** کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو وہاں اللہ کا نشان یا اللہ کی پہچان کے لئے ہوتا ہے جیسے **ھو الذی ارسل رسولہ** یا جیسے **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم** کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نشان بھی ہیں اللہ کی پہچان بھی' بے نشان' بے پتے والے سے جب ملنا ہو یا اسے خط لکھنا ہو تو کسی نشان والے کی معرفت اس سے ملا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ مکان و پتے سے پاک ہے جب اس سے ملنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان سے ملو۔

نشان بے نشاں بنکر زباں بے زباں بن کر ۔۔۔ وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا بن کر

یہاں چونکہ ایک نعمت کا ذکر ہے لہٰذا یہاں انعام احسان قدرت کے لئے ہے۔ یہ جملہ نیا ہے اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ لو

احسان کا بیان ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے **ھو** اور **الذی** دونوں سے اللہ تعالیٰ مراد ہے **ھو** سے ذات الٰہی مراد ہے **الذی** سے اس کا احسان شان وقدرت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ شان والا قدرت والا ہے **جعلکم** میں **جعل** بمعنی خلق نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں بنایا اس لئے اس کے دو مفعول آئے پہلا مفعول کم دوسرا خلائف یہاں کم میں خطاب یا تو مسلمانوں سے ہے۔ تب خلائف سے مراد ہے آخری امت جو تمام گزشتہ امتوں کی نائب ہے چونکہ خطاب ہر فرد مومن سے ہے لہٰذا خلائف جمع فرمانا درست ہوا **الارض** سے مراد ہے ساری روئے زمین کہ اس زمین میں مختلف جگہ مختلف وقتوں میں مختلف امتیں گزریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ساری روئے زمین پر ایک امت ہے۔ جو سب امتوں سے پیچھے ہے یا کم میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سارے انسانوں سے ہے تو خلیفہ کے معنی ہیں نائب وارث یعنی اے موجودہ لوگو تم کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے گزشتہ باپ دادوں کا ان کی زمین میں وارث مالک بنایا کہ وہ چلے گئے تم نے ان کی جگہ سنبھال لی یا ہر زمانہ کے سارے لوگوں سے خطاب ہے یعنی اے موجودہ لوگو تم اپنے سے اگلوں کے نائب ہو اگلے جارہے ہیں پچھلے ان کے خلیفہ و نائب بن رہے ہیں۔ خلائف جمع ہے خلیفہ کی۔ خلیفہ کے معنی' اس کی اقسام' ہم پہلے پارہ میں **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں اگر خلیفہ صفت مشبہ ہے خلف کا بمعنی پیچھے تو خلیفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا یا خلائف جمع ہے خلیفہ بمعنی بادشاہ کی اور کم میں خطاب ہے صحابہ کرام سے اور ارض سے مراد ہے زمین حجاز یعنی وہ اللہ وہ شان والا ہے۔ جس نے تم کو اے محبوب کے صحابہ زمین عرب یا زمین حجاز کا خلیفہ بادشاہ بنایا اس صورت میں **جعل** بمعنی مستقبل ہوگا۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور فتوحات بعد ہجرت ہوئیں اس صورت میں اس میں آئندہ زمانہ خصوصاً عہد فاروقی کے فتوحات کی بشارت ہے غرضکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں **ورفع بعضکم فوق بعض درجات** یہ عبارت معطوف ہے **جعلکم** پر' واؤ عاطفہ ہے رفع کے معنی ان کی تحقیقات تیسرے پارے میں **ورفع بعضھم درجات** کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ رفع کے معنی ہیں بلند کرنا اونچا کرنا اگر اس کے اور کسی جسم کا ذکر ہو تو مکانی بلندی مراد ہوتی ہے جیسے **یرفع ابراھیم القواعد** یا جیسے **ورفع ابویہ علی العرش** اور اگر اس کے بعد درجات وغیرہ کا ذکر ہو تو مکانی بلندی مراد نہیں بلکہ بلندی شان مراد ہے یہی فوق کا حال ہے کہ یہاں فوقیت مکانی مراد نہیں اس عبارت میں وہی چار احتمال ہیں جو ابھی پچھلی عبارت میں عرض کئے گئے کہ **بعضکم** میں خطاب یا سارے انسانوں سے ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے موجودہ لوگوں سے یا مسلمانوں سے یا صحابہ کرام سے۔ رب العالمین نے سارے انسان سارے مسلمان سارے صحابہ کرام یکساں نہیں کئے بعض کو بعض سے افضل واعلیٰ کیا بعض انسان اچھے ہیں بعض برے بعض فقیر بعض عالم بعض نیک کار بعض جاہل بعض قوی بعض کمزور بعض مومن بعض کافر بعض سعید ہیں بعض شقی۔ مومنین میں بعض گنہگار 'بعض نیک کار 'بعض ولی 'بعض غوث 'بعض قطب 'بعض عالم 'بعض عارف۔ حضرات صحابہ میں بعض مہاجرین ہیں 'بعض انصار 'کوئی صدیق ہے 'کوئی فاروق 'کوئی غنی 'کوئی حیدر کرار غرضیکہ یکسانیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سوا دوسرے جانوروں میں اپنی شان یکتائی دکھائی کہ سب جانور بولی غذا' طریقہ زندگی میں یکساں مگر انسان میں اس نے اپنی شانیں دکھائی ہیں کہ ایک ماں کے چار بچے چاروں صورت 'سیرت 'نصیبہ 'وغیرہ میں مختلف ہوتے ہیں ایک بھائی خوبصورت 'خوش خلق 'لکھ پتی دوسرا بدصورت 'بدخلق 'فقیر' یونہی قرآن میں ایک 'کعبہ ایک 'کلمہ ایک 'نبی ایک نماز 'روزہ ایک 'مگر اس قرآن وکلمہ سے بعض غوث وقطب بنتے ہیں بعض ہم جیسے گنہگار یونہی سب کو صحابی بنانے والے رسول

ایک مگر صدیق اکبر کی شان اور ہے حضرت بلال کی شان کچھ اور بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں میں حضرت فاطمہ کی شان اور ہے بی بی زینب' رقیہ' کلثوم کی شان کچھ اور۔ ازواج پاک میں حضرت عائشہ' خدیجہ کی شان اور ہے دوسری ازواج کی شان کچھ اور لیبلوکم فیما اتا کم اس عبارت کا تعلق ہے رفع سے یعنی تمہارے درجات مختلف کرنا ہماری عاجزی یا بخل کی وجہ سے نہیں ہم ان دونوں سے بلکہ تمام عیوب سے پاک ہیں ہم چاہتے تو سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں یا سارے صحابہ کو یکساں درجے والا بنا دیتے مگر اس اختلاف درجات میں تمہاری آزمائش ہے کہ اعلیٰ درجات والے اپنے ماتحتوں کو دیکھ کر شکر کریں اور شکر کا ثواب پائیں اور نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر صبر کریں اور صبر کے درجے حاصل کریں وہ شاکر بن کر یہ صابر بن کر اللہ کے پیارے بنیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ امتحان کا تعلق خلائف سے ہو یعنی اے مسلمانو یا اے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ نے تم کو خلافت و سلطنت کے لئے نامزد فرمایا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم سلطنت کا حق ادا کرتے ہو یا نہیں خلافت حکومت عیش کرنے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ رعایا میں عدل کرے۔ ملک سنبھالنے دین کی خدمت کرنے کے لئے دی جاتی ہے بلکہ اللہ کی ہر نعمت کا یہی حال ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے امتحانات ہوتے ہیں وہ رب کے علم کے لئے نہیں ہوتے' رب تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے بلکہ انسانوں کو مختلف مرتبے جنت کے مختلف مقامات عطا فرمانے کے لئے ہوتے ہیں اس کی مفصل تحقیق دوسرے پارے میں ولنبلونکم بشی من الخوف کی تفسیر میں کی جاچکی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ عوام کے امتحان کا انجام اور ہوتا ہے خواص کے امتحان کا نتیجہ کچھ اور' خاص الخاص کے امتحان کا نتیجہ کچھ اور۔ میلا لوہا آگ میں تپ کر صاف ہو جاتا ہے' صاف لوہا بھٹی میں تپ کر قیمتی پرزہ بن جاتا ہے۔ سونا بھٹی میں تپ کر محبوب کے گلے کا زیور بن کر قرب محبوب پاتا ہے لیبلوکم ان سب کو شامل ہے ان ربک سریع العقاب یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا ذکر ہے۔ سرعت' عجلت کا فرق اور عتاب و عذاب' عقاب کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ جب عذاب کا ارادہ فرمائے تو آناً "فاناً" عذاب بھیج دیتا ہے اسے عذاب بھیجنے کی تیاری نہیں کرنا پڑتی کہ وہ قادر مطلق ہے ہاں بندوں پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا انہیں ڈھیل دیتا ہے لہذا وہ سریع العقاب تو ہے مگر مستعجل العقاب نہیں وہ حلیم ہے بہت مہلت دیتا ہے وانہ لغفور رحیم یہ عبارت پہلے جملہ پر معطوف ہے اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں' غفر اور رحم میں بہت طرح فرق ہے۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کی توفیق دینا مغفرت ہے آئندہ نیک اعمال کی توفیق دینا رحمت ہے۔ گزشتہ معاف کر دینا مغفرت نیکیاں' قبول فرمالینا رحمت ہے گناہوں پر سزا نہ دینا مغفرت ہے۔ نیکیوں پر ثواب بھی دینا انعام و اکرام بھی دینا رحمت ہے ہمارے گناہوں کو چھپالینا مغفرت ہے۔ ہماری نیکیاں سب پر ظاہر فرما دینا رحمت ہے' جس کا ظہور دنیا میں بھی ہو رہا ہے اور قیامت میں بھی ہو گا۔ ہم جس عذاب کے مستحق تھے اس سے بچالینا مغفرت ہے اور جس کرم کے ہم مستحق نہ تھے وہ عطا کر دینا رحمت ہے۔

مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا ۔۔۔ اے مرے مہرباں ترے صدقے

سبحان اللہ کیسی پیاری سورت ہے جس کی ابتدا الحمد للہ سے ہے اور انتہا انہ لغفور رحیم پر اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت بھی کرے اور ہم پر رحم بھی فرمائے (آمین)

خلاصہ ء تفسیر : وہ اللہ وہ شان والا قدرت والا کرم والا ہے جس نے اے انسانو! تم کو روئے زمین میں خلیفہ بنایا کہ تم سے پہلے یہاں جنات آباد تھے انہیں پہاڑوں دریاؤں اور چھپے مقامات پر بھیج دیا تمہیں ظاہر زمین پر آباد کر دیا یا اے موجودہ انسانو! تم کو گزشتہ لوگوں کا خلیفہ و نائب کیا کہ انہیں موت دی تم کو ان کی عمارات باغات میں بسایا یا اے مسلمانو! تم کو ساری پچھلی امتوں کا خلیفہ' ان کے بعد پیدا کیا کہ تم آخری امت ہو' تمہارے نبی آخری' رسول تمہارا دین' آخری دین' تمہاری کتاب آخری کتاب یا اے صحابہ کرام تمہارے لئے زمین کی خلافت حکومت' سلطنت نامزد کر دی کہ عنقریب تم کو زمین حجاز بلکہ عرب بلکہ ساری زمین کا بادشاہ بنا دیا جائے گا اس کی قدرت ہے کہ اس نے تم کو یکساں نہ بنایا بلکہ بعض کو دوسروں پر درجوں اونچا کیا شرف بخشا کہ بعض انسان امیر ہیں بعض غریب بعض عالم بعض جاہل' بعض تندرست قوی' بعض کمزور بیمار بعض گورے بعض کالے یا اے مسلمانو! مسلمان تم سب ہو مگر یکساں نہیں بعض گنہگار ہیں بعض نیک کار بعض عالم ہیں بعض جاہل بعض عام مومن ہیں بعض ولی غوث و قطب وغیرہ بعض فیض لینے والے بعض فیض دینے والے یا اے صحابہ کرام تم صحابیت میں یکساں ہو مگر تمہارے درجات مختلف ہیں بعض انصار ہیں بعض مہاجرین بعض مقربین ہیں بعض واصلین بعض خلفاء راشدین۔ یہ فرق درجات اس لئے انہیں کہ ہم تم کو یکساں بنانے پر قادر نہ تھے یا ہمارے ہاں کچھ کمی تھی کہ سب کو کمال یکساں نہ دے سکے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے تم سب کی آزمائش کہ اعلیٰ لوگ ان لوگوں کو دیکھ کر شکر کریں ادنیٰ اعلیٰ کو دیکھ کر صبر وہ شاکر بن کر یہ صابر بن کر ہم تک پہنچیں۔ ہم پر اعتراض نہ کرو ہماری اطاعت کرو ہمارا عذاب بھی جلد آجاتا ہے جب کسی پر عذاب بھیجنے کا ارادہ فرمالیں تو پھر عذاب میں دیر نہیں لگتی اس کے باوجود غفور بھی ہیں رحیم بھی ہیں تو کوشش کرو کہ ہماری مغفرت و رحمت سے حصہ پاؤ ہمارے عذاب سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان صبح کے وقت سورہ انعام کی تین آیات پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ (تفسیر مدارک)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: انسان سب سے آخری مخلوق ہے جنات جانور وغیرہ سب پہلی مخلوقات ہیں یہ فائدہ **خلائف الارض** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس زمین پر اولاً جنات رہے پھر جانور ہے پھر انسان مقصود اصلی آخر میں ہی آتا ہے کھیت میں دانہ باغ میں پھل آخر میں ہی آتا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی دوسری امت۔ یہ فائدہ **خلائف الارض** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: زمین کی ملکیت میں میراث جاری ہے مگر آسمان میں توارث وغیرہ نہیں یہ فائدہ **خلائف الارض** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنی موت یاد رکھے' دنیا کی کسی چیز میں دل نہ لگائے یہاں کے امانت تو ہمارے ہیں مگر یہاں کامل دمنل دوسروں کا ہے۔ یہ فائدہ **خلائف الارض** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: عام انسان' عام مومنین نفس ولایت میں عام اولیاء' نفس نبوت میں سارے نبی یکساں ہیں مگر مراتب اور درجات میں بہت فرق ہے رب فرماتا ہے **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **لا نفرق بین احد من رسله** ان دونوں آیتوں کا وہی مطلب ہے جو ابھی ہم نے عرض کیا۔ یہ فائدہ **ورفع بعضکم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضرات اولیاء اللہ و حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ بعض بعض سے افضل ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض بعض سے کمتر ہیں کہ اس میں بے ادبی

ہے۔ یہ فائدہ بھی ورفع بعضکم سے حاصل ہوا جو تمام صحابہ کو یا سارے نبیوں کو یا سارے ولیوں کو درجات میں یکساں مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس کے کسی کام پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اگرچہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے یہ فائدہ لیبلوکم سے حاصل ہوا۔

آنکس کہ تو انگرت نمی گرداند!　　او مصلحت تو از تو بہتر داند!

آٹھواں فائدہ: مومن کو اللہ سے خوف بھی چاہئے اور امید بھی اس پر مدار ایمان ہے۔ یہ فائدہ یہاں عقاب اور مغفرت و رحمت کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سے خوف پہلے چاہئے امید بعد میں یہ فائدہ عقاب کو مغفرت و رحمت سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا خوف کی بنا پر انسان برائیوں سے بچے گا امید کی بنا پر نیکیاں کرے گا اور گناہوں سے بچنا مقدم ہے۔ طہارت نماز سے ' غسل وغیرہ زیورات سے پہلے ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت اس کے غضب سے زیادہ ہے دیکھو غضب کے لئے صرف عقاب ارشاد ہوا اور کرم نوازی کے لئے غفور' رحیم دو کلمات ارشاد ہوئے۔

پہلا اعتراض: دنیا میں خلیفۃ المسلمین تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے پھر یہاں خلائف جمع کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں خلافت اسلامیہ ہی مراد نہیں' بلکہ دوسرے معنی بھی مراد ہیں اگر خلافت ہی مراد ہو تب بھی مختلف وقتوں میں مختلف خلیفہ ہو سکتے ہیں ہاں ایک وقت میں چند خلیفہ نہیں ہو سکتے چند سلطان اسلام ہو سکتے ہیں۔ بہرحال خلائف یا بنا ہے خلف سے معنی پیچھے آنا یا پیچھے ہونا یا بنا ہے خلافت سے اگر خلافت سے بنا ہو تو خلیفہ یا بمعنی نائب ہے یا بمعنی حاکم اسلام رسول اللہ کا جانشین اس لئے آیت واضح ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس زمین میں ہی پچھلے لوگ اگلوں کے وارث ہیں آخرت کا یہ حال نہیں وہاں کوئی کسی کا وارث نہیں مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے و اورثنا الارض نتبوا من الجنۃ حیث نشاء۔ جس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بھی وراثت جاری ہو گی کہ مسلمان کفار کی جنتی جگہ کے مالک کیے جائیں گے آیات میں تعارض ہے؟ جواب: یہاں جعل ماضی ہے۔ جس میں وارث بنا دیئے جانے کا ذکر ہے جنت کی وراثت تو آئندہ ہو گی یہاں اس کی نفی نہیں یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اس کی وراثت کا حال دیکھ کر آخرت میں زمین جنت کی وراثت کا حال بھی معلوم کر لو' یہاں کی وراثت نسبی قرابت سے ہے وہاں کی وراثت ایمان و نیک اعمال سے ہے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اسے بندوں کے امتحان لینے کی ضرورت ہی کیا ہے پھر کیوں ارشاد فرمایا لیبلوکم۔ جواب: اس اعتراض کا جواب دوسرے پارہ میں ولنبلونکم بشیء من الخوف کی تفسیر میں گزر گیا کہ امتحان ہمیشہ ممتحن کے علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا کبھی انعام دینے' تمغہ عطا کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے یہاں رب کے امتحانات اس دوسری حکمت سے ہیں۔ تفصیل وہاں ہی دیکھو۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ بہت جلد عذاب دینے والا ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ حلیم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟ جواب: ان آیات میں عجلت کی نفی ہے یہاں سرعت کا ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ بندے کو اس کے جرم کرتے ہی پکڑ لینا توبہ وغیرہ کی مہلت نہ دینا عجلت ہے مگر جب مجرم کا پیالہ بھر جائے اور دریائے غضب جوش میں آجائے تب فوراً پکڑ لینا سرعت ہے کہ رب نے عذاب دینا چاہا فوراً آگیا نماز میں سرعت اچھی ہے عجلت بری ہے۔ پانچواں اعتراض: اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت اس کے غضب و عذاب پر غالب ہے تو یہاں عقاب کا ذکر مغفرت' رحمت سے پہلے

کیوں ہوا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اللہ کا عذاب بندوں کو ڈرانے کے لئے ہے' اور مغفرت و رحمت کا ذکر امید دلانے کے لئے اور خوف پہلے چاہئے امید بعد میں اس لئے عذاب و عتاب کا ذکر پہلے ہوا مغفرت و رحمت کا ذکر بعد میں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض بنی آدم اپنے وقت کے آدم اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں' جن کو رب تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے' چنانچہ انہیں حی' قیوم' سمیع' بصیر' عالم' قادر' متکلم' مریدبنایا۔

آدمی چیست برزخ جامع صورت خلق حق درو واقع
متصل باداتق جبروت مشتمل بر حقائق ملکوت

اس عطا میں ان کا امتحان ہے کہ وہ ان صفات کا شکر کریں اس کی نعمتوں سے اس کے گناہوں میں مدد نہ لیں کہ یہ ان نعمتوں کا کفران ہے بلکہ اس کی نعمتوں کو اس کی اطاعت میں خرچ کریں اور موت و فوت سے پہلے فرصت و موقعہ کو غنیمت جانیں۔

بہ ملکے کہ سپہرت دہد زراہ مرو! ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دوستاں کرد

اللہ تعالیٰ نے جیسے مال' منال' عزت اپنے بندوں کو اس لئے بخشے کہ ان سے شاکر و کافر کی چھانٹ ہو جائے یوں ہی حال' کمال' خلافت کی قابلیت اس لئے بخشی کہ اس سے حقیقی انسانوں اور صرف صورت کے انسان میں فرق ہو جائے جو اپنے ربانی صفات کو حیوانی صفات سے تبدیل کر دے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جلد عذاب دینے والا ہے' جو ان صفات کو سنبھال لے اس کے لئے رب تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔ (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کو امید و لالچ سے مانتے ہیں' بعض خوف و ڈر سے' بعض دلائل سے اس لئے قرآن مجید میں امید کی آیات بھی ہیں' خوف ڈر کی آیات بھی دلائل قدرت کی آیات بھی۔ کیونکہ قرآن مجید سارے انسانوں کے لئے ہے' جس طبقہ کا انسان ہو اس طریقہ سے رب کو مان لیں یہاں رحمت و قدرت کے ذریعہ رب کو منوایا گیا ہے یہ حال یہ اقسام عقل والوں کے ہیں مگر عشق والے رب تعالیٰ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں' انہیں منوانے کے لئے کسی مذکورہ چیز کی ضرورت نہیں دل کسی چیز کو نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ دل والا بنائے ہم اپنے بچہ کو نہ امید و لالچ سے مانتے ہیں نہ خوف سے نہ دلیل سے صرف دل سے مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے شکر کی توفیق بخشے۔

الحمد للہ کہ سورۂ انعام کی تفسیر آج 17 ذی الحجہ 1387ھ' 17 مارچ 1968ء یکشنبہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ رب تعالیٰ پورے قرآن مجید کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق بخشے' اسے قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خاں مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)

❀❀❀

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ

اٰیَاتُھَا ۲۰۶ رُکُوْعَاتُھَا ۲۴

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوع ہیں

سورۃ، آیت، رکوع، منزل وغیرہ کے معنی، ان میں فرق ہم سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ سورۃ قرآن مجید کا وہ حصہ ہے جس کا مضمون پورا ہو اور اس کا کوئی نام بھی ہو۔ سورۃ کے نام مختلف وجہوں سے ہوتے ہیں کبھی اس کے بعض الفاظ سے سورت کا نام رکھا جاتا ہے، کبھی خاص مضمون سے کبھی خاص مقصود سے۔ سورۃ اعراف کا نام

اس کے ایک مضمون سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں اعراف کا ذکر ہے سورتیں دو قسم کی ہیں مکیہ۔ مدنیہ سورتوں کے مکیہ مدنیہ ہونے کی وجہ نہ تو یہ ہے کہ ان کا بھیجنے والا رب تعالیٰ مکی یا مدنی ہے وہ تو جگہ سے پاک ہے نہ یہ وجہ ہے کہ اس کے لانے والے جبریل مکی یا مدنی ہیں وہ تو سدرۃ المنتہی کے رہنے والے ہیں نہ یہ وجہ ہے کہ لوح محفوظ جہاں سے قرآن آرہا ہے وہ مکی مدنی ہے بلکہ اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے وہ یہ کہ ان سورتوں کے لینے والے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکی رہے تب تک قرآن کی سورتیں آیتیں بھی مکی ہوئیں اور جب وہ محبوب مدنی بن گئے مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تب قرآن کی سورتیں آیتیں بھی مدنی ہو گئیں بلکہ قرآن عربی زبان میں صرف اسی وجہ سے آیا کہ محبوب کی زبان عربی ہے۔

ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور زاں سبب آمدہ قرآن بزبان عربی

بعض لوگوں نے کہا کہ جس زمین میں سورتیں آیات آئیں اسی زمین کے نام سے ان کے نام ہوئے یہ بالکل غلط ہے ورنہ پھر تو

چاہئے تھا کہ بعض سورتیں آئتیں طاہی۔ بعض خیبری بعض تبوکی ہوتیں مگر ایسا نہ ہوا نیز سورہ فتح بعد ہجرت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تو چاہئے تھا کہ یہ مکی ہوتی مگر ہے مدنی بات وہی ہے جو ابھی فقیر نے عرض کی کہ سورتوں کے نام میں محبوب کے حال بتائے گئے ہیں کہ یہ سورت وہ ہے جو محبوب کے مکی ہونے کی حالت میں آئی اور یہ سورت وہ ہے جو محبوب کے مدنی بن جانے پر نازل ہوئی گویا مکہ والے نبی کی نسبت سے سورۃ مکیہ ہوتی ہے یعنی مکہ والے کی سورۃ اور مدینہ والے نبی کی نسبت سے سورہ مدنیہ ہوتی ہے یعنی مدینہ والے نبی کی۔ خیال رہے کہ مکی مدنی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے حالات ہیں روح پاک تو عرشی بلکہ لامکانی ہے۔

خلد والے انہیں سرو چمنی کہتے ہیں   ہند والے انہیں مکی مدنی کہتے ہیں

پوچھا حوروں نے حضور آپ کا ہے وطن کہاں   ہنس کے بولے ہمیں مکی مدنی کہتے ہیں

بلکہ قرآن کے رکوع آیت۔ وقفہ۔ سکتہ یہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں رکوع تو نماز کے ایک حال کا نام ہے اور آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانس لینے کے لئے رکنے کا نام ہے وقفہ بغیر سانس توڑے کچھ دیر ٹھہرنے کا نام اور سکتہ بغیر سانس توڑے بہت کم دیر ٹھہرنے کا نام ہے ظاہر ہے کہ رکوع اور سانس اور سانس کے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ادائیں ہیں رب تعالیٰ ان سب سے پاک ہے یوں ہی حضرت جبریل کہ وہ نہ رکوع کریں نہ سانس لیں یوں ہی مکی مدنی ہونا قالب قرآن یعنی الفاظ قرآن کے حالات ہیں مضمون۔ مقصود اور جذبہ قرآن ان سب سے سوا ہے۔ بہرحال سورۂ اعراف مکیہ ہے مگر اس کی پانچ آئتیں یا آٹھ آئتیں مدنیہ ہیں **واسئلھم عن القریۃ** سے پانچ یا آٹھ آیات تک حضرت عباس کا یہی قول ہے (تفسیر خازن) نیز یہ ساری سورت محکم ہے سوا دو آیتوں کے کہ وہ منسوخ ہیں ایک **واملی لھم** الخ کہ وہ آیات جہاد سے منسوخ ہیں۔ دوسری **خذ العفو** یہ آیت بھی آیات جہاد سے منسوخ ہے۔ (روح المعانی)۔

تعلق : سورۂ اعراف کا سورۂ انعام سے کئی طرح تعلق ہے ایک یہ کہ سورۂ انعام میں خلقت مخلوق انبیاء کرام وغیرہم کا ذکر اجمالاً کیا گیا تھا۔ اس سورۃ میں ان چیزوں کی شرح اور تفصیل کی گئی ہے گویا یہ سورت اس سورت کی شرح یا تفصیل ہے چنانچہ وہاں تھا **ھوالذی خلقکم من طین** اور وہاں تھا **کم اھلکنا من قبلھم من قرن** اور وہاں تھا **ھوالذی جعلکم خلائف** اس سورت میں خلافت آدم علیہ السلام کی تفصیل قوم عاد و ثمود کی ہلاکت کا تفصیلی واقع مذکور ہو گا دوسرا تعلق یہ ہے کہ سورۂ انعام میں جانوروں کا ذکر ہے جانور انسان اور جمادات کے درمیان گویا برزخ ہیں اس سورت میں اعراف کا ذکر ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے سورۂ انعام کی آخری آیات کی سورۂ اعراف کی اگلی آیات سے تعلق یہ ہے کہ وہاں صراط مستقیم اور قرآن مجید کے کتاب مبارک ہونے کا ذکر تھا یہاں اس صراط مستقیم پر چلنے اور قرآن مجید کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (روح المعانی)

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ اعراف مکیہ ہے اس میں چوبیس رکوع دو سو آیتیں تین ہزار تین سو پچیس کلمے چودہ ہزار دس حروف ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

میری ابتدا ساتھ نام اللہ کے عام رحمت والا خاص مہربان

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ

الٓمّٓصٓ ، کتاب اتاری گئی طرف تمہارے بس نہ ہو سینہ میں تمہارے تنگی اس سے تاکہ ڈراؤ تم

الٓمّٓصٓ ، اے محبوب ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے

بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②

ساتھ اس کے اور نصیحت ہے واسطے ایمان والوں کے

اس لئے کہ تم اس سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اب اس کی مغفرت و رحمت بندوں تک پہنچنے کے ذریعہ کا ذکر ہے کہ میری مغفرت و رحمت میرے بندوں تک تمہارے ذریعہ اور اس کتاب کی معرفت پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ عالم کو منور کرنے والا ہے مگر سورج اور اس کی شعاعوں کے ذریعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قلب و جان کا سورج ہیں آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاعیں ہیں ہمارے دل اندھیری زمین ہیں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو یہ نعمتیں بخشتا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس امت کے آخری امت ہونے کا ذکر تھا جعلکم خلائف اب اس آیت میں اس کتاب یعنی قرآن کے آخری کتاب ہونے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آخری امت اور قرآن کو آخری کتاب بتایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لے آتے تو قرآن میں پہلے ہی آجاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی پہلی امت ہی ہوتی دیکھو جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے پہلے جائیں گے تو آپ کی امت ساری امتوں سے پہلے جائے گی مقدم و موخر کرنے والے حضور ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے انسانوں کے درجات مختلف کئے اب ارشاد ہے کہ یہ اختلاف درجات قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے وابستہ ہو گیا وہ اونچا ہو گیا جو ان کی نظر سے گر گیا وہ نیچا ہو گیا۔

قسم خدا کی وہ اٹھ نہ سکا قیامت تک　　کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں بندوں کے امتحان کا ذکر تھا اور امتحان عموماً کتاب اور معلم کی صحبت کا ہوتا ہے ان دونوں کا ذکر اس آیت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم سے انسانوں کا امتحان ہے یہاں بھی قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حتی کہ قبر کا امتحان کا آخری پرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہے۔

نکتہ: امتحان قبر میں توحید اور دین کے سوال میں ارشاد ہو گا' رب تیرا کون' دین تیرا کیا' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوال نہ ہو گا کہ نبی تیرا کون بلکہ پوچھا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا کہتا تھا اس فرق کی دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ وہاں رب اور دین دکھائے نہیں جاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دکھائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس سوال میں بڑا ہے دوسرے یہ کہ عشاق جان نثاروں کو موقعہ دیا جاتا ہے "ثناخوانی مدح گوئی کا پوچھتے ہیں اے بندے تو نے غائبانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں کہیں اور پڑھی ہیں اسے آج موقعہ ہے دیکھ وہ تیرے سامنے ہیں ہم سننے والے ہاں ذرا کہہ تو۔ تو انہیں اپنی زندگی میں کیا کہا کرتا تھا' اب عشاق کو موقعہ ہے کہ وہ نکیرین سے کہیں کہ اب جب تم نے پوچھ لیا تو جواب بھی سننا پڑے گا' اچھا جمھو سنو میں انہیں کیا کہتا تھا۔ خدا کرے اس جواب میں ہی قیامت آجائے نہ ہماری نعت خوانی ختم ہو نہ حساب قبر تمام ہو خدا کرے نظارہ یہ ہو۔

قبر میں جب فرشتے آئیں شکل خدا نما دکھائیں!
پڑھتا اٹھوں میں یا خدا صلی علیٰ محمد
حشر میں سالک حزیں تھام کے دامن نبی
عرض کرے یہ برملا صلی علیٰ محمد

تفسیر: المص یہ آیت متشابہات قرآنیہ میں سے ہے۔ جس کا مطلب و مقصد یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خاص اولیاء اللہ جانتے ہیں۔ ہم متشابہات کے متعلق پارہ اول الم کی تفسیر میں کچھ تفصیل سے عرض کر چکے ہیں کہ متشابہات قرآنیہ دو قسم کے ہیں نامعلوم المراد جنہیں آیات صفات کہتے ہیں دوسرے نامعلوم المعنی جنہیں مقطعات کہتے ہیں یہ مقطعات قرآنیہ میں سے ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ الف' لام' میم' صاد' یہ چاروں حروف یعنی 'ا ل م ص کے نام ہیں۔ حروف معانی بعض وہ ہیں جن کے اسم اور مسمی دونوں ایک ہی ہیں جیسے من' فی' مذ' منذ کہ یہ اسماء حروف بھی ہیں اور حروف بھی مگر حروف جلبلی کے نام اکثر حروف کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس میں گفتگو ہے کہ المص ایک کلمہ ہے یا پانچ کلموں کے مخففات ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایک کلمہ ہے اس سورت کا نام ہے یا اسماء الٰہیہ میں سے ایک نام ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف ہے بعض فرماتے ہیں کہ یہ پانچ کلمات کے مخفف ہیں۔ پھر اس میں گفتگو ہے کہ وہ پانچ کلمات کیا ہیں' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں انا' اللہ' اعلم مصور کے مخففات ہیں' محمد ابن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ الف لام تو اللہ کے حرف ہیں' میم رحمٰن کا' صاد صمد کا بعض نے فرمایا کہ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے الم نشرح لک صدرک اور بہت سے قول ہیں واللہ و رسولہ اعلم خیال رہے کہ جیسے قرآن مجید کی بعض آیات ظاہر ہیں بعض مخفی بعض مشکل بعض مجمل بعض متشابہ ان میں سے متشابہ ناقابل فہم' جہاں انسانی فہم کام نہیں کرتی یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات ظاہر ہیں بعض خفی بعض مشکل بعض مجمل بعض متشابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت' رسالت' نبوت ایسی ظاہر ہے کہ جانوروں' چاند' سورج' چاند

تاروں ذروں ذروں کو معلوم ہے مگر حقیقت محمدیہ ایسی مخفی کہ بجز پروردگار عالم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نہیں معلوم' حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

کس نداںست کہ منزل گہ محبوب کجاست — ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

فرماتے ہیں لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل مولانا فرماتے ہیں۔

لی مع اللہ شان خود فرمودۂ — من نہ دانم بندۂ یا حق توئی

بلکہ بہت چیزوں میں ایسی ظاہر خفی متشابہ کا چکر ہے ہمارے اعضاظاہر بالکل ظاہر ہیں اور باطنی اعضاء' دل' جگر' دماغ وغیرہ خفی ہیں لیکن روح گویا متشابہ ہے جس کا پتہ آج تک کسی کو نہ لگا کہ کیا ہے کیسی ہے بجلی کے بلب وغیرہ ظاہر ہیں مگر پاور گویا متشابہ ہے جو آج تک سمجھا نہ جاسکا کتاب انزل الیک یہ عبارت نئی ہے جس میں کتاب موصوف ہے اور انزل صفت یہ مجموعہ یا فلک پوشیدہ کی خبر ہے انزل کے بعد منہ یک پوشیدہ ہے یعنی یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی طرف اتاری گئی۔ نزول قرآن کی ابتداء ذات باری تعالیٰ سے ہے اس کی انتہا ذات پاک محمد مصطفیٰ ہے اس لئے الیک ارشاد ہوا۔ پھر تبلیغ قرآن کی ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسرے لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اس لئے کہیں انزل علیک آتا ہے علیٰ کے ساتھ۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں چار چیزیں ہیں الفاظ' معنی' مقصد' اسرار' الفاظ' قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر ہوا معنی کا نزول دماغ شریف پر مقصد کا نزول دل مبارک پر اسرار کا نزول روح پاک مصطفوی پر اب پڑھوا نزل الیک دوسری جگہ ارشاد ہے انزل علی قلبک ان چاروں چیزوں میں سے جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے ملے گا الفاظ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملیں گے۔ معنی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے مقاصد قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے اسرار قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے اس لئے رب نے فرمایا یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اس سب کا سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہے اس چشمے کی پائپ لائن علماء و اولیاء کے سینے ہیں ہم جیسے لوگوں کے دل ان کی محتاج زمینیں ہیں فلا یکن فی صدرک حرج منہ یہ جملہ نیا ہے اس میں ف ترتیب کی لایکن نہی ہے صدرک سے مراد ہے دل جو سینہ میں ہے حرج کے معنی تنگی' خوف' شک' تردد یہاں شک کے سوا باقی سارے معنی درست ہیں اور تردد سے مراد ہے تبلیغ فرمانے میں تردد کرنا سوچ بچار کرنا خوف سے مراد ہے قوم کی مخالفت کا ڈر یا پرواہ یعنی اے محبوب قرآن مجید کی وجہ سے آپ کے مبارک دل میں کفار کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگ اسے قبول کریں گے یا نہیں نہ تردد چاہئے آپ اپنا کام کریں یعنی تبلیغ۔ رہا اثر وہ ہمارے سپرد کریں' اس کی تائید اس آیت سے ہے فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک وضائق بہ صدرک ان یقولوا لولا انزل علیہ اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ' نے ترجمہ فرمایا تمہارا جی اس سے نہ رکے یعنی اس کی تبلیغ سے نہ رکے' قرآن مسلمانوں کو ان کا مقصد حیات یاد دلانے کے لئے آیا انہیں وہ وعدہ یاد دلانے کے لئے آیا جو وہ میثاق کے دن رب تعالیٰ سے کر کے آئے ہیں یا انہیں گزشتہ قوموں کے واقعات گزشتہ نبیوں کے حالات یاد دلانے کو آیا انہیں آئندہ پیش آنے والے واقعات یاد دلانے کے لئے آیا اور ہو سکتا ہے کہ ذکریٰ معنی عزت ہو اور ہو سکتا ہے فلا یکن کی ف تعلیلیہ ہو اور اس جملہ میں انزل الیک کی حکمت کا بیان ہو اور لایکن معنی نفی ہو یعنی صورۃً میں نہی معنی میں نفی یعنی ہم نے ساری دنیا کے لئے

والی کتاب قرآن مجید آپ پر اس لئے اتاری کہ اس کتاب کے لئے لائق آپ کا ہی دل ہمت والا ہے جو عرش اعظم سے زیادہ قوی ہے اس کتاب کا تحمل و برداشت سوا آپ کے دل اور کوئی چیز نہ کر سکتی تھی اس معنی کی تائید وہ آیت کرتی ہے **لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ** جس میں فرمایا گیا کہ پہاڑ بھی قرآن مجید کے نزول کا تحمل نہیں کر سکتا تھا وہ بھی پھٹ جاتا یا وہ آیت **انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض** یہ دوسرے معانی نہایت ہی نفیس اور لذیذ ہیں۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر اور بنی اسرائیل کا جب نبی بنایا گیا تو آپ نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے فرعون کے ظلم سے ڈر آتا ہے میرا سینہ کھول دے زبان کی لکنت دور کردے میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر بنادے۔ یہ سب باتیں منظور ہوئیں تب آپ فرعون کے پاس گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ سارے عالم کا نبی آپ کو بنایا گیا' ابوجہل وغیرہ دست سے فرعون سامنے آئے پھر پاس کوئی طاقت نہیں فوج خزانہ وغیرہ مگر کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گھبراہٹ ظاہر کی ہو **لتنذر بہ** اس عبارت کا تعلق **انزل الیک** سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ **لا یکن فی صدرک** سے تعلق ہو لام معنی کے ہے اس میں نزول قرآن کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے عذاب اس کے عقاب' اس کے عتاب اس کی ناراضی سے ڈرانا **لتنذر** کا مفعول ذکر نہیں ہوا کیونکہ قرآن مجید سے ڈرانا سارے بندوں کو ہے مسلمان ہو یا کفار جن ہوں یا انس مگر اس کے ذریعہ بشارت دینا صرف مومنوں کو ہے **لتنذر** فرما کر یہ بتایا کہ قرآن کریم نذارت ہے نذیر نہیں' قرآن کریم بشارت ہے بشیر نہیں قرآن ہدایت ہے' ہادی نہیں قرآن حکمت ہے حکیم نہیں' قرآن حکیم ہے حاکم نہیں' بشیر' نذیر' ہادی' حکیم' حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے صابن پانی وغیرہ پاکی صفائی کا ذریعہ ہیں پاک کرنے والے نہیں پاک کرنے والا تو دھونے والے کا ہاتھ ہے یوں ہی دلوں کو پاک کرنے والی نگاہ پاک مصطفیٰ کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی بتایا کہ قرآن کریم آپ کے لئے نذارت نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے اسی طرح قرآن مجید آپ کے لئے ہدایت نہیں لوگوں کے لئے ہے آپ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں فرماتا ہے **ھدی للمتقین** اور **ھدی للناس' ھدی** لک کہیں نہیں ارشاد ہوا **بہ** میں یا ذریعہ کی ہے ہ کا مرجع کتاب ہے **وذکری للمومنین** یہ عبارت معطوف ہے **لتنذر بہ** پر اور اس سے پہلے تذکر پوشیدہ ہے اصل عبارت یہ تھی **ولتذکر المومنین ذکری** یہاں **ذکری** یاد دلانے نصیحت کرنے کے معنی میں ہے اور نصیحت سے مراد نیک اعمال کی نصیحت ہے چونکہ نیک اعمال صرف مسلمان ہی کرسکتے ہیں کہ اعمال کے لئے ایمان ایسا ضروری ہے جیسے نماز کے لئے وضو اس لئے یہاں للمومنین کی قید لگائی گئی یعنی قرآن مجید اس لئے بھی اتارا گیا تاکہ آپ مسلمانوں کو اس کے ذریعے سے نصیحت کریں یہاں بھی وہی بات۔ خیال رہے کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذکر یا نصیحت نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے نیز قرآن مجید نصیحت ہے ناصح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کبھی بھی تبلیغ سے نہیں گھبرایا۔ آپ کو کبھی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اگر اس کا اندیشہ ہوتا تو انداء ... [illegible] ... ہے کہ قرآن مجید میں بہت صفات ہیں جن میں سے دو صفات کا [illegible]

خلاصہ تفسیر [illegible] قرآن مجید کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] مجید [illegible] کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی' دوسری کتابوں کے نے اور

نبی تھے مگر اس عالمگیر دائمی کتاب کے لئے آپ منتخب کئے گئے کہ ایسی کتاب کے لئے آپ جیسا عالمگیر دائمی نبی ہونا چاہئے اگر قرآن کسی اور نبی پر آتا تو دوسری کتب کی طرح یہ بھی منسوخ ہو جاتا اور اس کا حلقہ بھی محدود ہوتا کیونکہ نبوت منسوخ ہونے سے نبی کا دین نبی کا کلمہ نبی کی کتاب سب ہی منسوخ ہو جاتے ہیں چونکہ آپ کی نبوت عالمگیر ہے غیر منسوخ ہے اس لئے یہ قرآن بھی عالمگیر اور غیر منسوخ ہے لہٰذا آپ کے دل شریف میں اس کتاب کی وجہ سے کوئی فکر تردد کفار کی مخالفت کا خوف نہ ہونا چاہئے' بے دھڑک آپ اس کتاب کی تبلیغ فرمائیں یا یہ قرآن آپ پر اس لئے اتارا گیا کہ آپ ہی کا سینہ دل و جگر وہ قوی ہے جو اس کتاب کی برداشت کر سکے آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی نہ ہوگی آپ کا دل عرش و کرسی سے بھی زیادہ فراخ اور قوی ہے یہ قرآن آپ پر اس لئے اتارا کہ آپ مومنوں کو نصیحت کریں انہیں نیکیوں کی طرف بلائیں' قرآن مجید ذکریٰ ہے آپ مذکر ہیں' قرآن نذارت ہے آپ نذیر ہیں' قرآن بشارت ہے آپ بشیر ہیں' قرآن نصیحت ہے آپ ناصح ہیں' قرآن آپ کے ساتھ ایسا وابستہ ہے جیسے سورج کے ساتھ شعاعیں' موصوف کے ساتھ صفات۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی دولت عطا فرمائے اس کا دل وسیع' اخلاق کا بلند لوگوں سے بے نیاز' مخالفین سے بے خوف ہونا چاہئے یہ فائدہ **فلا یکن فی صدرک** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں ہے **لیس منا من لم یتغن بالقران** جو قرآن مجید کے ذریعہ غنی و بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہماری جماعت سے نہیں۔

کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا وسیع دل فراخ سینہ عطا فرمایا ہے کہ عرش اعظم میں بھی ایسی وسعت نہیں ہے۔ اسی وسعت و ہمت سے تو آپ نے نزول قرآن کی تحمل و برداشت کی' یہ فائدہ **فلا یکن فی صدرک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم ہو جائے وہ وسیع القلب ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دل مومن بگنجم اے عجب — گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

تیسرا فائدہ: قرآن مجید بذات خود بھی اعلیٰ و اشرف کتاب ہے اور اس لئے بھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کا رقبہ لامحدود ہو گیا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید نسخ سے محفوظ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کی تلاوت مومن کی قبر کے اندر اور قبر پر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کریم کی دھوم دھام قیامت میں ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کریم کا چرچا جنت میں بھی ہوگا کیونکہ ان سب جگہوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے جہاں تک سلطان کی حکومت وہاں تک اس کے چرچے' قوانین کا چلن ہوتا ہے یہ فائدہ بھی **کتاب انزل الیک** سے حاصل ہوا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ چیزوں کو زوال' نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو فنا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید خود ڈرانے والا نہیں بلکہ ڈرانے کا ذریعہ ہے اسی لئے قرآن مجید کا نام بشیر و نذیر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بشیر بھی ہے' نذیر بھی یہ فائدہ لتنذر بہ

سے حاصل ہوا لتنذر کا فاعل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور ذریعہ ہدایت قرآن مجید کو لتنذر بہ کی ہ میں غور کرو۔ پانچواں فائدہ: قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈر کا ذریعہ نہیں یہ فائدہ بھی لتنذر بہ سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس قرآن کے ذریعے آپ ڈریں' اس کی تحقیق سورہ بقر کے شروع میں ھدی للمتقین کی تفسیر میں کی جا چکی ہے۔ چھٹا فائدہ: قرآن مجید کی نذارت عام ہے مگر بشارت خاص ہے یعنی اسی کے ذریعہ ڈرایا سب کو جائے گا مگر بشارت خاص مومنین متقین کو دی جائے گی۔ یہ فائدہ بھی لتنذر سے حاصل ہوا کہ یہاں تنذر کا مفعول ذکر نہیں ہوا۔ ساتواں فائدہ: نیک اعمال کے لئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کوئی نیکی قبول نہیں' نہ اس کا ثواب ہے۔ یہ فائدہ ذکری للمومنین فرمانے سے حاصل ہوا کہ ذکریٰ کے ساتھ مومنین کی قید لگائی گئی۔ آٹھواں فائدہ: قرآن مجید تاقیامت ہر درجے کے مومن کے لئے نصیحت ہے' مومن خواہ فاسق ہو یا متقی ولی ہو یا عام۔ یہ فائدہ للمومنین کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ مگر جیسا مومن ویسی اس کے لئے نصیحت۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید ازلی وقدیم نہیں بلکہ حادث اور نوپیدا ہے کیونکہ ازلی قدیم چیز اولنے بدلنے اترنے چڑھنے سے محفوظ ہے اور قرآن مجید اتری ہوئی کتاب ہے۔ جواب: قرآن مجید کلام الٰہی قدیم ازلی ہے باقی اس کے حروف۔ نفوس ازلی نہیں نزول انہیں نقوش و حروف کا ہوا ہے۔ ہاں یہ نقوش و حروف اس کلام ازلی پر دلالت کرتے ہیں (تفسیر کبیر) اس کی بحث علم کلام میں ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان خدا تعالیٰ کو اوپر والی جگہ میں مانتے ہیں ورنہ قرآن مجید اتارنے کے کیا معنی اور جو جگہ میں ہو وہ خدا نہیں۔ (آریہ) جواب: قرآن اتارنے کے معنی یہ کہ فرشتہ قرآن لے کر اترا کہ اس نے بہ حکم الٰہی لوح محفوظ میں قرآن دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر سنایا' فرشتے جگہ میں رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔ تیسرا اعتراض: یہاں انذار یعنی ڈرانے کو ذکر یعنی نصیحت سے پہلے کیوں بیان فرمایا گیا۔ جواب: اس لئے کہ ڈرانے سے ایمان دیا جاتا ہے اور نصیحت سے نیک اعمال اور ایمان اعمال سے پہلے ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں ڈرانے کو مطلق کیوں فرمایا یہ کیوں نہ فرمایا کہ آپ کفار کو ڈرائیں؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ قرآن مجید کا ڈرانا صرف کفار کے لئے نہیں بلکہ کفار' مومنین' فاسقین' غافلین' عاقلین' واصلین' سب ہی کے لئے ہے' ہاں جیسا شخص ویسا اسے ڈرانا لہٰذا تنذر کو مطلق فرمانا بالکل درست ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن ڈرانے کے لئے ہوا حالانکہ قرآن مجید میں آیتیں بشارت کی' احکام کی' ذات و صفات الٰہیہ کی' قصوں' مثالوں کی بھی ہیں اور بعض آیات متشابہات بھی ہیں جن کے مطلب مقصد عقل انسانی سے وراء ہیں ان سے ڈر بشارت وغیرہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتے پھر یہ کیونکر درست ہوا کہ قرآن مجید ڈرانے کے لئے اترا۔ جواب: یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ یہاں کوئی کلمہ حصر کے لئے ہوتا یعنی یہ کہ صرف ڈرانے کے لئے ہے۔ قرآن مجید کے نزول میں صدہا حکمتیں ہیں جن میں سے ایک حکمت ڈرانا بھی ہے دوسری حکمتوں کا ذکر دوسری آیات میں ہے کہیں فرمایا لتبشر بہ کہیں ارشاد ہوا ھدی للمتقین کہیں فرمایا گیا ذکر لک ولقومک غرضیکہ۔

کلام اللہ یہ نام خدا کیا راحت جاں ہے عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنگی گھبراہٹ تھی۔ تبلیغ کی ہمت نہ تھی تب

ہی تو رب نے فرمایا کہ دل تنگ نہ ہو اگر تنگی نہ ہوتی تو اس سے ممانعت کیوں فرمائی جاتی۔ **جواب:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا کہ یا تو علماء صالحین کو سنانے کے لئے ہے، خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا امت کو ہے جیسے **یا ایھا النبی اتق اللہ** یا جیسے **یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء** علماء کو چاہئے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ قرآن کا علم دے تو وہ کسی کی پرواہ نہ کریں کسی کی خوشامد نہ کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں یا یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے ہے جیسے رب فرماتا ہے **والقران الحکیم انک لمن المرسلین** اے محبوب قرآن کی قسم تم رسول ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ تھی کہ ہم نبی ہیں جیسے مہربان باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ خدا کی قسم تو میرا بیٹا مجھے پیارا ہے یہاں بھی اسی طرح ارشاد ہے کہ اے محبوب تم پر قرآن اتارا ہم گھبرانا نہیں کسی کی پرواہ نہ کرنا خاص کرم کا اظہار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: **المص** چار حرفوں کے نام ہیں جن میں چار چیزوں کی طرف اشارہ ہے الف سے ذات احدیت کی طرف، لام سے ذات احدیت مع صفت علم کی طرف، میم سے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب۔ یعنی نفس محمدیہ حقیقت محمدیہ۔ ص سے صورت مصطفیٰ کی طرف، یعنی آپ کے جسم اطہر آپ کے ظاہر کی جانب جس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ بندوں کا تعلق ذات احدیت سے بواسطہ حقیقۃ محمدیہ ہی ہو سکتا ہے اور اس کے صفات سے تعلق بواسطہ صورت محمدیہ ہی ممکن ہے یہاں عقول کلی نہیں وصول کی حاجت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قرآن اور عمل بالقرآن تو دنیا میں تشریف آوری کے وقت ہی سے عطا ہو گیا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالقرآن پیدا ہوئے نزول قرآن یعنی الفاظ قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر نزول ہوا۔ یہ ظہور نبوت کے وقت سے شروع ہوا اسی طرح تبلیغ قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ہی سے شروع فرمادی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا تبلیغ تھی مگر انذار بالقرآن یعنی خلق کو ڈرانا اور ڈرا کر بلانا نزول قرآن سے شروع ہوا اس کا یہاں ذکر ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے عالم بالقرآن عامل بالقرآن تھے اس لئے نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دلی تنگی کا باعث نہ ہوا کہ آپ کے لئے یہ نئی چیز نہ تھی۔ جانی مانی پہچانی تھی نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کرنے کے لئے نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے سے عالم و عامل تھے بلکہ ڈرانے بشارت دینے لوگوں سے عمل کرانے کے لئے ہے انہی دو چیزوں کا یہاں خصوصیت سے ذکر ہے، اسرار قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہیں احکام قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہیں۔ الفاظ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک پر، نقوش قرآن کاغذوں وغیرہ میں، نزول الفاظ کا ہے نقوش قرآن اس کی طرف راہ نما۔

نکتہ عجیبہ: الف اور لام میں آپس میں بڑی مناسبت ہے وہ یہ کہ الف کے درمیان میں لام ہے اور لام کے درمیان میں الف ہے لکھ کر دیکھ لو پڑھ کر دیکھ یعنی الف نے لام کو اپنے سینہ میں لے رکھا ہے اور لام نے الف کو۔

میان طالب و مطلوب رمزے است کراماً کاتبیں راہم خبر نیست!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم کو اس پر ناز ہے کہ قرآن ہمارا ہے مگر قرآن کو اس پر ناز ہے کہ وہ محمد رسول اللہ کا ہے بلکہ کلمہ نماز ساری عبادت پر ہم ناز کرتے ہیں مگر یہ چیزیں اس پر ناز کرتی ہیں کہ ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہم کو اس پر ناز ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں مگر دست قدرت کو اس پر ناز ہے کہ محمد رسول اللہ میرے بندے ہیں۔ فرماتا ہے **ھو الذی ارسل**

رسولہ بالھدیٰ اس لئے ارشاد ہوا **کتاب انزل الیک** قرآن مجید کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا باعث فخر و عزت ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قرآن مجید سے ہے **ذکر لک و لقومک** یوں ہی قرآن مجید کی عزت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن مجید کا رتبہ وسیع ہوا نسخ سے محفوظ ہوا' تعویذ بن کر گلوں پڑا شفا رحمت بنا۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ
پیروی کرو اس کی جو اتارا گیا طرف تمہارے پاس سے رب تمہارے کے اور نہیں پیروی کرو اس کے مقابل
اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے
قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳
والیوں کی بہت تھوڑی نصیحت قبول کرتے ہو تم ۔
پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں نزول قرآن کی دو حکمتوں کا ذکر ہے' ڈرانا اور نصیحت اب اس کی تیسری حکمت کا ذکر ہے یعنی اس پر عمل اس کی اتباع چونکہ وہ دونوں فائدے علمی تھے اور یہ تیسرا فائدہ عملی ہے اور علم پہلے ہوتا ہے عمل بعد میں اس لئے ان دونوں کے بعد اس تیسرے فائدہ کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں قرآن کریم کے اس تعلق کا ذکر ہوا جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' اب اس تعلق کا ذکر ہے جو اسے دوسرے لوگوں سے ہے۔ یعنی قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تبلیغ کے لئے ہمارے پاس آیا اتباع اور عمل کے لئے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں نزول قرآن کا ذکر تھا' یہاں نزول احادیث کا ذکر ہے چونکہ درجہ قرآن اعلیٰ ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں یہاں احادیث کا۔ گویا ایمان کے دو بازوؤں میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے یا ایمان کے دل کا ذکر پہلے تھا اور اس کے دماغ کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں دو چیزوں کا اجمالی ذکر تھا انذار و تذکرہ اب اس آیت میں انہیں دونوں کی تفصیل ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفسیر یا تشریح یا تفصیل ہے۔ **پانچواں تعلق**: تبلیغ کا تعلق تین ذاتوں سے ہے۔ (1) مرسل۔ (اللہ تعالیٰ) (2) رسول۔ (3) مرسل الیہ۔ (امت) جن میں دو کا ذکر پہلے ہوا۔ تیسرے یعنی امت کا ذکر اب ہے (تفسیر کبیر) گویا پہلے ارشاد ہوا کہ اے رسول آپ تبلیغ فرمادیں۔ اب ارشاد ہے اے امت تو نبی کی اطاعت کر۔

تفسیر : **اتبعوا** یہ عبارت نئی ہے لہذا اس سے پہلے کوئی فعل پوشیدہ نہیں مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ پوری آیت بیان ہے لتنذربہ کا لہذا اس سے پہلے کوئی قل پوشیدہ ہے اور یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ہے۔ جو رب نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے کہلوایا یعنی چونکہ یہ قرآن اس لئے اترا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں لہذا آپ فرمادیجئے کہ اتباع کرو' اتباع کے لغوی معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر اس کے پیچھے پیچھے چلنا اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اتباع نہیں کہا جاتا کہ وہ قدم اور نقش قدم سے پاک ہے اس کا مادہ تبع ہے بمعنی پیچھے۔ جہاں کہیں قرآن یا دین یا طت کی اتباع کا حکم ہے وہاں اس کے معنی ہیں ان چیزوں کے زیر حکم اور ان کے لانے والوں کے نقش قدم پر چلنا یہاں یہی مراد ہے قرآن مجید کی اکثر آیات احکام میں تخصیص اور تشابہات میں دیکھ لو **اقیموا الصلواۃ** کے حکم سے کفار' ناپاک عورتیں علیحدہ ہیں یونہی **اتوا الزکوۃ** غریب' مساکین علیحدہ ہیں مگر ایمان' اطاعت' اللہ و رسول' اتباع رسول کے احکام کی آیات میں کوئی تخصیص نہیں چنانچہ یہاں روئے سخن سارے مکلفین سے ہے' مومن ہوں یا کافر مرد ہوں یا عورتیں انس ہوں یا جن۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم سب ہی کے نبی ہیں اور قرآن مجید سب کے لئے واجب العمل۔ مگر جیسا شخص ویسی اس کی اتباع۔ کفار قرآن کے عقائد اختیار کریں مومنین قرآن کے احکام پر عمل کریں غافلین قرآن کی تشابہات پر عمل کریں واصلین قرآن کے اسرار و رموز کی اتباع کریں' غرضیکہ لفظ اتبعوا ایک ہے مگر اس میں صدہا امور ہیں بلکہ جن اور فرشتے جانور' کنکر' پتھر سب پر یہ حکم حاوی ہیں۔ دیکھو رب فرماتا ہے کہ نبی کے گھر بغیر اجازت نہ جاؤ' چنانچہ ملک الموت بھی اجازت لے کر حاضر ہوتے ہیں' قرآنی حکم ہے کہ نبی کے بلانے پر آجاؤ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی طلب پر بار ہا درخت اپنی جگہ سے ہٹ کر حاضر بارگاہ ہوگئے۔ قرآن میں حکم ہے کہ نبی کی اطاعت کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے حکم سے درختوں کنکروں نے کلمہ پڑھا' حکم سے چاند پھٹا۔ سورج لوٹا ایک حکم سے بادل آیا برسا دوسرے حکم سے چلا گیا یہ ہے **اتبعوا ما انزل الیکم** کی وسعت **ما انزل الیکم من ربکم** یہ عبارت **اتبعو** کا مفعول ہے۔ **ماانزل** سے مراد قرآن مجید اور سنت رسول اللہ سب ہی ہے اسی لئے یہاں **القران** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ قرآن' حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان' حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے افعال و اعمال' حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے احوال بلکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خوابیں' بلکہ صحابہ کرام کی وہ خوابیں جن کی تصدیق نبوت سے ہوگی سب ہی لازم العمل ہیں اور **ما انزل اللہ** میں داخل دیکھو حضرت خلیل کی خواب سے ہم پر قربانی لازم ہوئی صحابہ کرام کی خواب سے اسلام میں اذان شائع ہوئی غرضیکہ **ما انزل اللہ** بہت وسیع ہے۔ پھر خیال رہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی رب کی طرف سے ہیں اور مضامین بھی۔ حدیث شریف کے مضامین تو رب کے اتارے ہوئے ہیں مگر الفاظ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے اسی لئے حدیث کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ سارا قرآن ساری احادیث قابل اتباع ہیں خواہ قابل عمل ہوں یا نہ ہوں لہذا منسوخ آیات و حدیث یوں ہی تشابہات اگرچہ ان پر عمل ناجائز ہے مگر اتباع ان کی بھی ضروری ہے۔ ان کی حقانیت پر ایمان لاؤ یہ مانو کہ ان پر عمل یا ان میں غور کرنا ممنوع ہے۔ جہاں تشابہات کی اتباع سے منع فرمایا گیا ہے وہاں مراد ہے ان کے معنی مطلب کے پیچھے پڑنا لہذا یہاں **ماانزل** بالکل عموم پر ہے۔ **الیکم** میں اگر **الی** بمعنی لام ہو تب تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ سارا قرآن' ساری احادیث بندوں کے نفع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر اتاری گئی ہیں اور اگر **الی** اپنے معنی ہی میں ہو یعنی انتہاء کے لئے تو مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سارے مکلفین کے امام ہیں اور ان پر اترنا ان سب پر اترنا

ہے' جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا تو گویا ساری امت نے بالواسطہ دیکھا عیسیٰ علیہ السلام پر غیبی دستر خوان آیا تو گویا کل پر آیا لہٰذا الیکم فرمانا بالکل درست ہے۔ باغ کھیت پر بارش آتا ہم سب پر آتا ہے کہ وہاں کے پھل دانے ہم سب ہی کھائیں گے رب فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ ہم تمہارے ظاہر و باطن دونوں کی پرورش کے لئے آیات و احادیث کا تم پر مینہ برساتے ہیں۔ نیز ربکم فرما کر یہ بتایا کہ تم اپنے مربیوں کی ہر نرم گرم بات یہ سمجھ کر مان لیتے ہو کہ یہ ہمارے مربی ہیں ان کے ہر حکم میں ہماری مصلحت ہے' ماں کی کڑوی دوائیں اس کی مار سختی جھیل جاتے ہو ہم تو تمہارے رب ہیں ہمارے ہر حکم میں تمہاری مصلحت ہے ہم تم کو زکوٰۃ کا حکم دیں مان لو' جہاد کا حکم دیں قبول کر لو۔ خیال رہے کہ یہاں تک ان کا ذکر ہوا جن کی اتباع ضروری ہے اب ان کا ذکر ہے جن سے اجتناب و پرہیز لازم ہے کہ علاج میں دوا پرہیز دونوں ضروری ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا **ولا تتبعوا من دونہ اولیا** یہاں لا تتبعو میں بھی خطاب سارے مکلفین سے ہے جن ہوں یا انسان کافر ہو یا مومن **لاتتبعوا** فرما کر بتایا کہ ان مردودوں کی نہ باتیں مانو نہ ان کے لئے اعمال کرو **دونہ** میں ہ کا مرجع یا تو رب تعالیٰ ہے **یا ما۔ انزل' دون' الا' سوی' غیر** کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **دون** اکثر اس **مملوک** کو کہتے ہیں۔ جو دور ہو' غیر ہو' مقابل ہو کمتا ہوا ہو جہاں **ولی من دون اللہ** فرمایا جاتا ہے وہاں دشمنان خدا' کفار' شیاطین ہی مراد ہوتے ہیں' اولیاء اللہ انبیاء کرام مراد نہیں ہوتے اس کا بہت خیال چاہئے اس **ولی من دون اللہ** کی تفسیر یہ آیات ہیں۔ **والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت۔** (2) **انا جعلنا الشیاطین اولیا للذین لا یومنون۔** (3) **انھم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون اللہ** پتہ لگا کہ اولیاء **من دون اللہ شیاطین** طاغوت' کفار ہیں یا پھر وہ لوگ جو شیاطین و کفار کے پیروکار ہوں ان کی اتباع سے روکا گیا ہے **دون** اور **ولی من دون اللہ** کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرماؤ اور اگر اولیاء بنا ہے **ولایت** بمعنی حکومت سے تو اس سے مراد ہیں وہ احکام جو خلاف شرع احکام ہیں' جیسے کفار و فساق'۔ بے دین حکام' کہ خلاف شرع احکام میں کسی کی اطاعت و اتباع نہیں کوئی حاکم نماز روزے وغیرہ سے روکے تو اس کی اطاعت نہیں **قلیلا ما تذکرون** یہ عبارت گویا **لا تتبعوا** کی دلیل ہے یعنی تم میں چونکہ ذکر و تذکر کم ہے لہٰذا برے حکام' برے ولی کی اتباع نہ کرو اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے ما تنکیریہ ہے اس لئے **قلیلا** کی کو اور بڑھا دیا' یہ دونوں تذکرون کا مفعول ہیں اس صورت میں اس عبارت کے وہی معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے اس میں خطاب کفار سے یعنی اے کافرو تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو تم سن چکے کہ قرآن مجید لوگوں کو ڈرانے' مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے لئے نازل ہوا اور حضور محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تم پر لازم ہے کہ تم ان تمام چیزوں کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے نفع کے لئے یا تمہاری طرف نازل کیا گیا خواہ وہ قرآن ہو یا محبوب کے فرمان۔ اس کے مقابل کافر سرداروں' بے دین پوپ پادریوں' اللہ کے دشمن حاکموں کے احکام کی پیروی نہ کرو کیونکہ تم میں تذکرہ عقلی بہت کم ہے تم ہر قدم پر رہبر کے محتاج ہو اگر تم نے رہبروں کو چھوڑ کر رہزنوں کی پیروی کی تو تم گم کردہ راہ ہو کر بہت سخت عذاب میں پھنس جاؤ گے۔ یہ قرآن مجید اور یہ محبوب تمہاری دستگیری ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قرآن مجید کی پیروی 'حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے خواہ وہ کسی جگہ کا رہنے والا اور کبھی پیدا ہو۔ کوئی بھی ان سے مستغنی نہیں۔ یہ فائدہ اتبعوا عام اعلان فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: زندگی کی ہر حالت میں ان دونوں کی پیروی ضروری ہے اور کوئی شخص کسی حالت پر پہنچ کر ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جو کہے کہ بندہ خدا تک پہنچ کر قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ اتبعوا مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ مطلق اور عام کا فرق علم اصول فقہ میں مفصل مذکور ہے ایسے جھوٹے خدا رسیدہ مردودوں کو چاہئے کہ وہ کھانے 'پانی 'ہوا' سورج سے بے نیاز ہو کر دکھاویں۔ تعجب ہے کہ یہ جھوٹے مدعی سورج ہوا غذا سے بے نیاز نہیں مگر آسمان نبوت کے سچے سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں مرنے کے بعد غذا ہوا کی ضرورت نہیں رہتی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت پھر بھی رہتی ہے۔ تیسرا فائدہ: قرآن مجید کی طرح سنت نبوی کی اتباع بھی ضروری ہے بلکہ سنت کے بغیر قرآن مجید کی اتباع ناممکن ہے۔ یہ فائدہ ما انزل فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ چوتھا فائدہ: سنت رسول اللہ کی اتباع کا درجہ قرآن مجید کی اتباع کے برابر ہے یعنی ان دونوں کی اتباع بالکل یکساں چاہئے ان دونوں میں کوئی ترتیب نہیں۔ یہ فائدہ بھی ما انزل فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں اتبعوا القرن ثم سنته النبی نہیں فرمایا گیا۔ یہ بات خوب سمجھ لو حتیٰ کہ سنت سے قرآن کا نسخ جائز بلکہ واقع ہے۔ دیکھو اہل قرابت کی وصیت کرنا 'بندوں کو سجدہ تعظیمی کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے' حدیث شریف سے منسوخ ہے اس کی مکمل بحث ہم تیسرے پارہ میں ما ننسخ من آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچواں فائدہ: قرآن و حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں اور ہمارے نفع کے لئے نازل ہوئیں۔ اسی لئے قرآن کریم سے صرف ہم کو ہدایت ہے یہ فائدہ الیکم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الی بمعنی لام ہو۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کی اصل ان کے امام ہیں۔ رب تعالیٰ کا ان پر کرم ساری امت پر کرم ہے یہ فائدہ الیکم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الی بمعنی انتہا ہو کہ پہلے فرمایا گیا تھا انزل الیک اور یہاں ارشاد ہوا' انزل الیکم ساتواں فائدہ: قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر ہیں جیسے ظاہری غذائیں نعمتیں اس کریم کی جسمانی ربوبیت کا مظہر ہیں ایسے ہی یہ دونوں اس رب کی روحانی ربوبیت کا مظہر۔ یہ فائدہ یہاں من ربکم فرمانے سے حاصل ہوا۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ: قرآن و حدیث کے مقابل کسی کا قول 'کسی کا حکم قابل قبول نہیں 'اگرچہ وہ کسی درجہ کا ہو کسی پایہ کا ہو۔ یہ فائدہ ولا تتبعوا سے حاصل ہوا جس کسی کی اطاعت ہو گی وہ قرآن و حدیث کے ماتحت ہو گی۔ نواں فائدہ: عقل انسانی ہدایت کے لئے کافی نہیں اس کے لئے نبی کی دستگیری ضروری ہے یہ فائدہ قلیلا ما تذکرون سے حاصل ہوا 'عقل انسانی ہوائی جہاز' راکٹ 'بجلی بنا سکتی ہے مگر یار کو نہیں منا سکتی ایمان و ہدایت نہیں بنا سکتی۔ دسواں فائدہ: اتباع اور اطاعت میں بڑا فرق ہے اسی لئے واولی الامر بھی فرمایا گیا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم مگر اتباع کے موقعہ پر اولی الامر کا ذکر نہیں ہوا۔

پہلا اعتراض : اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلنا تو قرآن و حدیث کی اتباع کیسے ہو سکتی ہے نہ ان کے قدم ہیں نہ نقش قدم۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی اتباع نہیں ہو سکتی کہ وہ ان دونوں سے پاک ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں کہیں **اتبعوا اللہ** نہیں فرمایا گیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر اتباع کے معنی ہوتے ہیں بلا تأمل اطاعت یا اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑنا۔ حدیث شریف میں ہے **اتبعوا السواد الاعظم** دوسرا اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ اتباع قرآن اور اتباع سنت بالکل یکساں ہے ان میں ترتیب نہیں۔ حالانکہ تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ اولاً کتاب اللہ ہے پھر سنت رسول اللہ ان میں ترتیب تو ہے' پھر تمہارا یہ قول کیسے درست ہوا۔ جواب: یہ ترتیب احادیث کی اسنادوں کی وجہ سے ہمارے لئے ہے کہ اکثر احادیث ہم تک ظنی ہو کر پہنچیں۔ قطعی متواتر احادیث ہمارے لئے بھی قرآن مجید کی طرح ہی قابل عمل ہیں جیسے نماز کی تعداد' ان کی رکعات' زکوٰۃ کی مقدار' حضرات صحابہ کے لئے یہ فرق نہ تھا' دیکھو حضرت ابو بکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے سن لیا کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ہمارا وارث ہو۔ حالانکہ قرآن مجید میں میراث کی آیات موجود ہیں تو انہوں نے یہ نہ کہا کہ چونکہ حدیث کا درجہ قرآن کے بعد ہے اور قرآن نے میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے لہذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم کروں گا بلکہ بے تأمل یہ حکم دے دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر شریف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقبرہ بنے گا اور آپ کی ساری املاک وقف ہو گی' کسی کو میراث میں نہ ملے گی اور کسی صحابہ نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ حکم عالی اپنے کانوں سے سنا تھا ان کے لئے قطعی تھا۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہے **اتبعوا ما انزل** اور ظاہر ہے کہ **منزل** صرف قرآن مجید ہے وہی آسمان سے بذریعہ جبریل اترا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام وغیرہ **منزل** نہیں وہ صرف **ملقی** ہو سکتے ہیں یعنی دل میں ڈالے ہوئے نہ کہ اتارے ہوئے لہذا صرف قرآن کی اتباع چاہیے (چکڑالوی)۔ جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی القاء بھی آسمان ہی کی طرف آتے ہیں جن کا ظہور دل پاک پر ہوتا ہے دیکھو بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور لوہا بظاہر زمین میں سے یعنی کان سے نکلتا ہے' یعنی نیچے سے مگر قرآن کریم نے دوسروں کے لئے انزال فرمایا **انزلنا من السماء ماء**" اور لوہے کے بارے میں کہا **وانزلنا الحدید** حتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کو انزال فرمایا کہ ارشاد فرمایا **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا** ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب پاک الہامات الٰہیہ کی کان ہے لہذا اس میں قرآن و حدیث دونوں داخل ہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **اتبعوا ما انزل الیکم** حالانکہ سارا قرآن اور ساری احادیث قابل عمل نہیں' بعض آیات و احادیث منسوخ ہیں بعض متشابہات۔ بعض صرف قصے غرضیکہ ساری آیات و احادیث کی اتباع کیسے کی جائے اور اس آیت پر عمل کیونکر ہو؟ جواب: ایسی تمام آیات و احادیث کی اتباع یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور متشابہات میں غور و فکر نہ کیا جائے اتباع بہت عام ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں صرف قرآن و حدیث کی اتباع کا حکم دیا گیا لہذا صرف ان دونوں ہی کی اتباع چاہیے' قیاس مجتہدین کی اتباع کرنا حنفی شافعی بننا اس آیت کے خلاف ہے۔ (وہابی) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ مولویوں کی اتباع بھی نہ چاہیے کسی عالم سے مسئلہ نہ پوچھا جائے نیز پھر اجماع امت اور اجماع صحابہ کی بھی اتباع نہ چاہیے۔ اب بتاؤ کہ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت قطعیہ یقینیہ کیسے ثابت کرو گے ان کی خلافت اجماع سے ثابت ہے حتی کہ اس کا انکار کفر ہے۔ حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں **علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین** تم میری اور حضرات خلفاء راشدین کی سنت پر مضبوطی سے عمل کرو' جواب تحقیقی یہ ہے کہ قیاس پر عمل در حقیقت قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے مجتہد علت مشترکہ کی وجہ سے قرآن یا حدیثوں کا حکم دوسری جگہ پہنچاتا ہے۔ دیکھو حدیث پاک میں آٹھ چیزوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان میں سود حرام ہے۔ سونا چاندی گندم نمک جو وغیرہ پھر مجتہدین نے فرمایا کہ چاول باجرہ وغیرہ میں بھی سود حرام ہے۔ کیونکہ حرمت کی علت ان میں بھی موجود ہے یا جیسے قرآن مجید نے فرمایا کہ چاند و سورج کو سجدہ نہ کرو فقہاء نے فرمایا کہ بادشاہوں امیروں یا کسی انسان یا کسی مخلوق کو سجدہ نہیں کرو کیونکہ حرمت کی علت یہاں بھی موجود ہے۔ یہ قرآنی حکم ہی ہے۔ جو ان مقامات پر پہنچایا گیا دریا سے نہریں اور نہروں سے جو نالے نکالے جائیں ان سب میں دریا ہی کا پانی ہوتا ہے۔ جو ان نہروں نالوں کے ذریعہ وہاں پہنچایا جاتا ہے۔ جہاں دریا نہیں پہنچا۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ امام مجتہدین احکام بنانے والے نہیں بلکہ حاکم کے احکام سنانے والے' پہنچانے والے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولیوں پیروں مشائخ کی اتباع نہ چاہئے' صرف قرآن و حدیث کی اتباع ضروری ہے فرماتا ہے **ولا تتبعوا من دونہ اولیاء** پھر تم لوگ ولیوں کی فرمانبرداری کیوں کرتے ہو۔ **جواب:** یہاں اولیاء من دون کی اتباع سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اولیاء کی اتباع سے ہم نے ابھی تفسیر میں بھی مختصرا" اور اپنی کتاب علم القرآن میں مجملا ولی اللہ اور ولی من دون اللہ کا فرق بیان کیا ہے۔ شیاطین' پوپ' پادری' سرادران کفریہ ہیں **اولیاء من دون اللہ**۔ دیکھو تفسیر جو ابھی عرض کی گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے لئے فرمایا **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاجاؤ گے۔ صحابہ کرام بھی تو اولیاء اللہ ہی ہیں۔ رب فرماتا ہے **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** دیکھو ہم کو ذکر والوں یعنی ولیوں عالموں کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ غرضیکہ ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے الفاظ قرآن استاذ کے ذریعہ' اوصاف آیات قاریوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں ایسے ہی مقاصد قرآن مجتہدین کے ذریعہ اور اسرار قرآن مشائخ کے ذریعہ ہمارے دماغ اور دل تک پہنچتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان حضرات کے ذریعہ ہم کو ملتے ہیں استاذ عالم الفاظ کے قالب میں ہم تک قرآن کے احکام پہنچاتا ہے اللہ کے مقبول بندے اپنی نظر' اپنے عمل' اپنی توجہ کے غلاف میں ہم تک قرآن مجید کے فیوض و برکات انوار پہنچاتے ہیں باذن پروردگار یہاں حکم دیا گیا کہ اے بندو رب کی طرف سے جو واردات' الہامات' احکام اللہ کے بندوں کے ذریعہ سے پہنچے تم اس کی بے دھڑک اتباع کرو کہ یہ سب رب کی طرف سے تم کو ملا ہے۔ یہ بندے واسطہ اور ذریعہ ہیں ابھی بیان پر عمل کرو پھر کبھی عیاں تک پہنچ جاؤ گے۔ اولا" **ایاک نعبد** پر عمل کرو' عبادات سے مجاہدہ کرو پھر **ایاک نستعین** پر یعنی ہم تیرا ہی معائنہ کرتے مشاہدہ کرتے ہیں نستعین بنا ہے عین سے معنی آنکھ سے مشاہدہ کرنا غرضیکہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ ہو گا۔ خیال رہے کہ اس راہ میں بہت راہ مار پھرتے ہیں جو شکل انسان میں شیطانی ہیں یہ **اولیاء من دون اللہ** ہیں' ان کے جبہ و دستار سے دھوکہ نہ کھانا ان کے جال میں نہ پھنس جانا ان کی اتباع نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جائے گے تم لوگ عقل کے کوتاہ ہو اس سے کسی فضل والے کے دامن کرم میں رہنا اس جنگل میں بہت شکاری جانور رہیں۔

بائیں رستہ نہ جا مسافر سن راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں! (اعلیٰ حضرت)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اتباع اور صحبت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ اچھوں کی اتباع دل نرم کرتی ہے بروں کی اتباع دل سخت کرتی ہے دل نرم ہو تو کچھ نہیں بنتا اس لئے ہم کو اچھوں کی اتباع کا حکم ہے' بروں کی اتباع سے بچنے کا حکم ہے اس آیت کو ختم فرمایا **قلیلا ما تذکرون** پر۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جیسے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ورق سادہ کی طرح ہوتا ہے کہ جو چاہو اس پر لکھ دو یا سفید لباس کی طرح کہ جس رنگ میں چاہو رنگ دو تم بڑے سے بڑے عاقل ہو کر بھی دین کے معاملہ میں بچہ کی طرح ناسمجھ ہو بے وقوف ہو جیسی صحبت ہوگی ویسے تم ہو گے۔ اس سے پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ہماری فطرت سے جدا گانہ ہے' ہم بروں میں پیدا ہوں تو برے بن جاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ایسی ہے کہ بروں میں آئے اچھے ہوئے بلکہ ان بروں کو اچھا بنا لیا۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا

اور بہت سی بستیاں برباد کر دیں ہم نے پس آیا ان پر عذاب ہمارا رات میں یا اس حالت میں کہ وہ قیلولہ میں

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے تو ان کے منہ

كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

تھے۔ پس نہیں تھی انکی پکار جب آیا ان پر عذاب ہمارا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم مجرم تھے۔

سے کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں قرآن مجید کے نزول کی دو حکمتیں بیان ہوئیں سب کو ڈرانا مسلمانوں کو نصیحت کرنا اب ڈرانے کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ان کو پچھلی امتوں کی ہلاکت کے واقعات سنائے جا رہے ہیں گویا یہ آیتیں پچھلی آیت کی تفصیل ہیں ڈرانے کی بہت صورتیں ہیں۔ آئندہ عذابوں سے ڈرانا۔ گزشتہ قوموں کے عذاب سنا کر ڈرانا' اللہ کی قدرت اس کی بے نیازی بیان کر کے ڈرانا وغیرہ وغیرہ یہاں دوسری صورت کا ڈرانا ہے۔ یعنی گزشتہ عذاب یاد دلا کر ڈرانا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اتباع قرآن کا حکم دیا گیا تھا' اب اتباع نہ کرنے کے نقصانات کا ذکر ہے اتباع یا تو ڈرا کر کرائی جاتی ہے یا لالچ سے۔ ڈر کر اتباع زیادہ ہے لالچ کی اتباع سے۔ گویا پچھلی آیت میں حکم تھا اس آیت میں اس حکم پر عمل کراتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ رب تعالیٰ کے مقابل کسی کی اتباع واطاعت نہ کرو نہ حاکم کی نہ بے دین عالم کی۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ مصیبت پڑنے پر بالکل کام نہیں آتے چنانچہ گزشتہ قوموں کا حال دیکھ لو کہ عذاب آنے پر ان کے گمراہ حکام بے دین پوپ پادری کچھ کام نہ آ سکے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں کتاب وسنت کی اتباع کا حکم دیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے۔ اس صحت وزندگی کو غنیمت جانو جو کرنا ہے کر لو ورنہ پھر سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ ہو گا' اس کے لئے پچھلی امتوں کے حالات بیان ہو رہے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں اتباع کا حکم تھا اب اتباع کے وقت کو مقرر فرماتا ہے۔

تفسیر : وكم من قريته اهلكنا ها یہ جملہ نیا ہے ... میں **وكم من قريته** مبتداء ہے اور **اهلكنا ها** اس کی خبر ہے یہاں

کم خبریہ ہے بمعنی بہت ہی یا کتنی ہی اس لئے اس کی تمیز میں من ارشاد ہوا قریتہ مطلقاً بستی و آبادی کو کہتے ہیں خواہ شہر ہو یا گاؤں شہر کو بلد گاؤں کو بدو کہا جاتا ہے جیسے **لا اقسم بهذا البلد** اور جیسے **جاء بکم من البدو** یہاں بستیوں سے وہ بستیاں مراد ہیں جن میں رسول بھیجے گئے اور وہاں کے باشندوں نے ان کی نافرمانی کی انہیں دکھ دیئے۔ جیسے قوم لوط' قوم شعیب و صالح علیہم السلام کی بستیاں۔ چونکہ برباد ہونے والے اجڑنے والے مقامات بعض شہر تھے بعض گاؤں اس لئے یہاں قریہ ارشاد ہوا جو دونوں کو شامل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قریہ سے مراد بستی والے لوگ ہیں کیونکہ آگے ہے **اهلکنا ها** اور **اهلکنا ها** میں ہلاکت سے مراد عذاب کے ذریعہ برباد کرنا ہے نہ کہ طبعی موت سے اور **اهلاک** سے مراد ہے عذاب و ہلاکت کا ارادہ کرنا یا حکم دینا۔ خیال رہے کہ تمام عذاب والی بستیوں کو عذاب کے فرشتوں نے ہلاک کیا تھا مگر چونکہ فرشتوں کا یہ عمل رب تعالیٰ کے حکم سے تھا نیز اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کا کام گویا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لئے **اهلکنا** ارشاد ہوا یعنی ہم نے ہلاک کیا یہ بھی خیال رہے کہ عموماً" بستیوں میں ہی عذاب آئے اس طرح کہ وہاں کے باشندے مار دیئے گئے وہاں کی عمارات تباہ کر دی گئیں پھر وہاں آبادی نہ ہوئی مگر فرعونیوں کو مصر سے باہر نکال کر بحر قلزم میں غرق کیا گیا۔ مصر اب تک آباد ہے کیونکہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کی قبریں تھیں اور آئندہ وہاں اللہ والے آنے والے تھے اللہ والوں کی قبریں بھی امان کا ذریعہ ہیں۔ یہ حضرات جیتے جی خود فیض پہنچاتے ہیں وفات کے بعد ان کی قبر کی مٹی فیض دیتی ہے یونہی اصحاب فیل یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب آیا تو مکہ معظمہ سے باہر جنگل میں آیا مکہ معظمہ آباد رہا کیونکہ وہاں حضرت حاجرہ و اسماعیل کی قبریں تھی وہاں کعبہ معظمہ اور مقام ابراہیم تھے نیز وہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہونے والی تھی۔ یہ ہے اللہ والوں کی برکت' جس چیز کو اللہ والوں سے نسبت ہو جائے وہ بلاؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جس کپڑے کے دسترخوان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ منہ پونچھ لئے تھے وہ آگ میں جلتا نہ تھا۔ **فجاء ها باسنا** چونکہ **اهلکنا** کے معنی تھے ہم نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا لہٰذا **فجاء ها** کی ف تعقیبیہ ہے اور کوئی اعتراض نہیں اور اگر **اهلکنا** کے معنی تھے ہم نے ہلاک کر دیں تو یہ ف تفسیریہ ہے اور یہ عبارت **اهلکنا ها** کی تفسیر ہے یہ خوب خیال رہے اس صورت میں کوئی دشواری اور کوئی اعتراض نہیں چونکہ قریہ مونث تھا اگرچہ مراد بستی والے تھے اس لئے **اهلکنا ها** میں ھا ضمیر مونث لائی گئی جیسے **کاین من قریتہ عتت** اس کے بہت معنی ہیں' سختی جنگ' قحط سالی' عذاب' آنچ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی عذاب اس عذاب میں تمام وہ عذاب داخل ہیں جو پچھلی امتوں پر آئے جیسے زمین کا تختہ لوٹنا' زلزلہ' چیخ' سخت آندھی وغیرہ **بیا تا " اوھم قا ئلون** بیاتاً تو مصدر ہے بات یبیت کا' بیت' بیتوتہ' بیاتا' تینوں ہم معنی ہیں بمعنی رات میں داخل ہونا گھر کو بیت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اکثر انسان رات کے وقت گھر میں رہتے ہیں دن میں عموماً" باہر کماتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ بائت کی جمع ہو جیسے قائم کی جمع قیام اور نائم کی جمع نیام۔ بعض نے فرمایا کہ بیات بمعنی رات ہے لہٰذا بیات یا تو ظرف ہے یا حال **قائلون** جمع ہے **قائل** کی۔ یہ بنا ہے قیلولتہ سے قیلولہ دوپہری کے آرام کو کہتے ہیں خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔ رب تعالیٰ نے جنت کے آرام کو قیلولہ فرمایا ہے **احسن مقیلا** حالانکہ وہاں نیند نہ ہوگی' **ھم قا ئلون** حال ہے **اهلکنا ها** کی ضمیر سے۔ نحوی قاعدے سے یہاں واؤ حالیہ چاہئے تھا مگر چونکہ او عاطفہ آگیا ہے او کا اور واؤ کا جمع ہونا ناپسند ہے اس لئے واؤ نہ لایا گیا۔ صرف ضمیر پر کفایت کرلی گئی۔ (تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ رات میں آرام قریباً" سارے انسان کرتے ہیں۔ امیر ہوں یا غریب مگر دوپہری میں

آرام امیر لوگ کرتے ہیں غریب غرباء مزدور پیشہ نہیں کرتے اس فرق کے لئے دونوں عبارتیں مختلف لائی گئیں یا تامفرد لو رھم قا ئلون جمع فما کان دعواھم یہ عبارت معطوف ہے فجاء ھا پر۔ دعویٰ بمعنی دعاء ہے نہ کہ بمعنی ادعاء یا دعویٰ کرنا جیسے رب فرماتا ہے واخر دعواھم ان الحمدللہ رب العالمین یا فرماتا ہے دعواھم فیھا سبحانک اللھم دعا کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔ عرض مدعی اپنے جرموں کا اقرار' رب تعالیٰ کی حمد و ثنا' یہاں دوسرے معنی میں ہے اذ جاء ھم باسنا یہ عبارت ظرف ہے یا تو دعوا کا یا ماکان کا بلس بمعنی عذاب ہے' ھم کا مرجع وہی بستی والے ہیں جن پر عذاب آیا الا ان قالوا انا کنا ظالمین یہ عبارت فما کان سے مستثنیٰ ہے۔ اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا کنا کے معنی ہیں تھے ہم یا ہیں ہم۔ ظالمین بمعنی مشرکین ہے یا بمعنی کافرین یا بمعنی مجرمین بہرحال ان لوگوں نے عذاب دیکھ کر اپنے شرک و کفر' سرکشی کا اقرار کر لیا مگر اس وقت کا اقرار کام نہ آیا وقت پر جرم کا اقرار توبہ ہے مگر وقت نکل جانے پر بیکار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب آجانے پر وہ لوگ کسی تدبیر سے عذاب دفع نہیں کر سکے' صرف اپنے جرموں کا اقرار کر کے توبہ اور دعائیں ہی کرتے رہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سرکش کفار مکہ کو ہماری طرف سے سنا دو کہ تم سے پہلے بڑے زور بڑے زر بڑے جتھے والے کفار نے ہمارے رسولوں کی مخالفت کی' اولا" انہیں ہر طرح تبلیغ کی گئی آخر کار ان کی بستیاں یا وہ بستیوں والے ہم نے غیبی عذاب سے ہلاک کر دیئے۔ چنانچہ ان پر بغیر کسی علامت بغیر اطلاع کے غفلت کے وقت عذاب اچانک آئے یا جب کہ وہ رات میں آرام کر رہے تھے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم جو رات کے آخری حصہ میں ہلاک کی گئی یا جب کہ ان کے امیر عیش پسند دوپہری میں قیلولہ کر رہے تھے وہ اس حالت میں بھاگ بھی نہ سکے اس آرام کی حالت میں سارے کے سارے ہلاک کر دیئے گئے۔ پھر یہ بھی سن لو کہ جب ان سرکشوں پر ہمارا عذاب آیا تو ساری سرکشی شیخی رسولوں کی مخالفت بھول گئے' دفع عذاب کی کوئی تدبیر نہ کر سکے صرف اپنے جرم اپنے کفر و شرک کا اقرار کر کے توبہ کرنے لگے یہ ہی کہتے تھے کہ ہم ہی ظالم تھے یا ظالم رہے یا ظالم ہیں یہ عذاب ہماری حرکتوں سے آیا مگر چونکہ توبہ کا وقت نکل چکا تھا اس لئے ان کی یہ چیخ و پکار یہ اقرار جرم' یہ توبہ وغیرہ کچھ کام نہ آئی تم بھی ہوشیار ہو جاؤ ابھی وقت ہے ہمارے حبیب کی مخالفت سے باز آجاؤ۔

در عفو بازاست اکنوں بکوب   کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

خیال رہے کہ آبادیوں کا اللہ کے عذاب سے برباد ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہو گیا مگر ویسے ہی ختم ہو جانا تاقیامت جاری ہے کچھ مدت کے بعد جنگل شہر بن جاتے ہیں اور شہر جنگل میں تبدیل ہو جاتے ہیں مگر چند شہر ایسے ہیں کہ ان شاء اللہ تاقیامت آباد رہیں گے کبھی ویران نہ ہوں گے ان میں سے ایک مکہ معظمہ ہے کیونکہ اسے اللہ کے خلیل نے بسایا ہے رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع اے میرے رب میں نے اپنی بعض ذریت یہاں بسادی ہے جسے خلیل بسائیں وہ کیسے اجڑے۔ یونہی مدینہ منورہ ان شاء اللہ آباد رہے گا کہ اسے اللہ کے حبیب نے بسایا ہے قریب قیامت جب یہاں انسان نہ رہیں گے تو اس کی حفاظت جانور کریں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: علم تاریخ بہترین علم ہے کبھی اس کے ذریعہ ایمان مل جاتا ہے دیکھو قرآن کریم نے گزشتہ قوموں کے تاریخی واقعات بہت تفصیل سے جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں ہاں چاہئے یہ کہ تاریخ صحیح

ہو۔ دوسرا فائدہ: گزشتہ کفار کے عذاب سے عبرت پکڑنا اس میں غور کرنا اس طرح پچھلے صالحین کے اعمال اور ان پر رحمت الٰہی کے نزول میں غور کرنا عبادت ہے اس سے گناہوں سے نفرت اور نیکیوں کی رغبت حاصل ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاعتبروا یااولی الابصار**۔

پند گیر از مصائب دگران　تانہ گیرند دیگراں ز تو پند

نقہا اس کو قیاس کہتے ہیں یعنی مشترکہ علت کی وجہ سے حکم مشترک کرنا' تیسرا فائدہ: اکثر عذاب الٰہی رات کے آخری حصہ میں آئے جب سب لوگ خواب راحت میں مست ہوتے تھے تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے رات کا آخری حصہ ذاکروں کے لئے نزول رحمت کا ہے' غافلوں کے لئے نزول عذاب کا۔ اس لئے اس وقت نماز تہجد بہت بہتر ہے۔ چوتھا فائدہ: راحت و خوشی لوگوں کو غافل کر دیتی ہے' تکلیف و غم بڑے بڑے سرکشوں کو جگا دیتا ہے رب کے دروازے پر جھکاتا ہے۔ دیکھو ان سرکشوں نے عذاب دیکھ کر اپنے جرموں کا اقرار کیا فرعون بھی ڈوبتے وقت خدائی سے اتر کر بندہ بن گیا کہ بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی**۔ مصیبت بھگوڑے مجرم کے لئے وارنٹ گرفتاری ہوتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: عذاب دیکھ کر توبہ کرنا بالکل بیکار ہے کیونکہ ایمان تو نبی کے قول پر چاہئے نہ کہ اپنی آنکھ پر دیکھو ان مجرم قوموں نے عذاب دیکھ کر توبہ کی مگر قبول نہ ہوئی۔ چھٹا فائدہ اپنے جرموں کا اقرار بھی توبہ ہے دعا ہے۔ یہ فائدہ **دعواھم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے ان کے اس اقرار جرم کو دعا فرمایا۔ **ساتواں فائدہ**: ہر کفر و شرک ظلم ہے کیونکہ مشرک و کافر اپنے پر ظلم کرتا ہے کہ کفر کر کے اپنے کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے یہ فائدہ **ظلمین** فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ ہر گناہ اپنے پر ظلم ہے بلکہ بزرگوں نے تو اپنی خطاؤں کو بھی ظلم فرمایا ہے **ربنا ظلمنا انفسنا**۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ قوموں کو ہلاک پہلے کیا گیا اور ان پر عذاب بعد میں آیا کہ ارشاد ہوا **اھلکنا ھا فجاء ھا باسنا** ف سے معلوم ہوا کہ ہلاکت عذاب سے پہلے ہوئی حالانکہ عذاب پہلے آیا وہ ہلاک بعد میں ہوئے۔ جواب: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ **اھلکنا** کے معنی ہیں **اردنا اھلاکھم** ہم نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا جیسے **اذا قمتم الی الصلواۃ فاغسلوا وجوھکم** میں نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کرنا مراد لیا گیا ہے اس صورت میں ف ترتیب کی ہے دوسرے یہ کہ یہاں ف ترتیب کی نہیں بلکہ تفصیل کی ہے۔ یعنی ہم نے ان کو اس طرح ہلاک کیا کہ ان پر ہمارا عذاب آیا تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب ایک ہی چیز تھے ایک ہی ساتھ واقع ہوئے' اہل عرب ایسے موقعہ پر ف بول دیتے ہیں' جیسے **اعطتنی فاحسنت الی** آپ نے مجھے دیا تو مجھ پر احسان کیا عطا اور احسان ایک ہی چیز ہے مگر ف درمیان میں آئی۔ (خازن' معانی' کبیر وغیرہ) دوسرا اعتراض: یہاں قریہ کی طرف دو قسم کی ضمیریں راجع ہیں۔ **فجاءھا** میں **ھا** واحد مونث ہے اور **ھم قائلون۔ دعواھم** اور **جاءھم قالوا** اور **ظلمین** ساری ضمیریں جمع مذکر اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ قریہ لفظاً" مونث ہے مگر وہاں کے باشندے مذکر تھے یعنی **اھل قریۃ۔ جاءھا** میں لفظ قریہ کا لحاظ ہے اور باقی ضمیروں میں اہل قریہ کا اعتبار اس قسم کے فرق قرآن کریم میں بھی ہیں اور فصحاء عرب کے کلاموں میں بھی چونکہ وہ بستیاں بھی ویران کر دی گئی تھیں اور وہاں کے لوگ بھی مار دیئے گئے تھے اس لئے اس طرح بیان بالکل درست ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **فجاءھا** میں اہل پوشیدہ ہے اصل میں تھا **فجاء اھلھا باسنا**۔

تیسرا اعتراض: بیاتا اور ھم قائلون دونوں حال ہیں تو طریقہ بیان میں کیوں فرق ہے کہ بیاتا تو مفرد ہے اور اوھم قائلون جمع۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: چونکہ رات کو آرام سب ہی کرتے ہیں امیر ہوں یا فقیر مگر دوپہری میں آرام کرنا امیروں کا کام ہے غریب اور مزدور لوگ اس وقت بھی کام کرتے ہیں اور ہلاکت و عذاب سے اصل مستحق مالدار کفار ہوتے ہیں غریب غرباء انہیں کی وجہ سے کافر ہوتے ہیں اور انہیں کی وجہ سے عذاب کے مستحق اس لئے یہاں طریقہ بیان میں فرق کر دیا گیا۔ چوتھا اعتراض: جب انہوں نے عذاب دیکھ کر اپنے جرموں کا اقرار کر لیا اور یہ اقرار ان کی توبہ تھی تو رب تعالیٰ نے انہیں معافی کیوں نہ دے دی وہ تو غفور رحیم ہے توبہ سے کفر و گناہ سب بخش دیتا ہے۔ جواب: اس لئے کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ توبہ ء کفر عذاب دیکھنے پر قبول نہیں ہوتی ہر کام کا ایک وقت ہے جمعہ کی نماز ہفتہ یا اتوار کی نہیں ہو سکتی' جنوری میں گندم بویا ہوا پھل نہیں دیتا کہ یہ کام بے وقت ہوئے ایسے ہی عذاب دیکھ کر توبہ میں قبولیت کا پھل نہیں لگتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگ ان کی خبروں پر ایمان لائیں یہ لوگ ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اپنی آنکھ کے دیکھے عذاب پر ایمان لاتے ہیں' پھر قبول کیسے ہو کفر کو ایمان مٹاتا ہے یہ توبہ ایمان ہی نہیں۔ پانچواں اعتراض: اگر قانون یہ ہے تو یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی اور وہ قبول ہوئی رب فرماتا ہے الا قوم یونس وہاں یہ ایمان اور توبہ کیوں قبول ہوئے۔ جواب: اس اعتراض کے تفصیلی جوابات تو ان شاء اللہ ہم اسی آیت کی تفسیر میں دیں گے یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ علامات عذاب دیکھ کر ایمان لائے تھے نہ کہ عذاب دیکھ کر یا وہ لوگ عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے مگر وہ انہیں نہیں ملے کہ وہ تو پہلے ہی وہاں سے تشریف لے گئے تھے تلاش نبی میں نکل پڑنا رب کو پسند آ گیا اور عذاب دفع ہو گیا یا یوں کہو کہ قانون کے پابند ہم ہیں' رب تعالیٰ قانون والا ہے' قدرت والا بھی' وہاں قدرت کا اظہار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کریمین کو ان کی وفات کے عرصہ کے بعد زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھایا مومن اور صحابہ بنایا رب کے ہاں ان کا ایمان ان کی صحابیت قبول ہوئے یہ ان حضرات کی خصوصیت ہے یا اپنے محبوب پر خاص کرم دیکھو (شامی) سب پیدا ہوتے ہیں ماں باپ سے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے صرف ماں سے' وہاں قانون ہے یہاں قدرت کی جلوہ گری قانون اور قدرت پر ایمان چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: صبح کا وقت نزول رحمت کا وقت ہے اس لئے اس وقت نماز تہجد' توبہ استغفار چاہئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ سوتے والیو رب رب کو لو کھلا ہے دروازہ

مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عقل کی کشتی میں سوار نہ ہوں' عشق نبی' اطاعت خدا کی کشتی میں سوار ہوں۔ عقل کے چکر میں پھنسے ہوؤں کے لئے وہی وقت نزول عذاب کا بن جاتا ہے۔ اکثر قوموں پر عذاب اسی وقت آئے انہوں نے توبہ کی مگر عقل کی روشنی میں نہ کہ نبوت کی روشنی میں۔ اس لئے توبہ بیکار ہوئی اس وقت عقل بیکار ہوتی ہے جیسے خشکی کی سواری سے دریا عبور نہیں کیا جاتا یوں ہی عقل کی سواری سے راہ مولیٰ طے نہیں کیا جا سکتا عقل و حواس کے ذریعہ رب کو ماننا توبہ کرنا ایمان نہیں نبی کے ذریعے ماننا بلکہ کرنا ایمان ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہمچو آں مردی کہ مفلس روز مرگ عقل رامی دید بس بے بال و برگ

بے غرض کردند آندم اعتراف کز ذکاوت راندہ ایم اسپ از گزاف

آشنا ہیچ است اندر بحر روح   نیست اینجا چارہ جز کشتی نوح
ایں چنیں فرمود آں شاہ رسل   کہ منم کشتی واین دریائے کل!
باکسے کو در بصیر تہائے من   شد خلیفہ راستیں برجائے من!
کشتی نوحیم در دریا کہ تا   روئے گردانی زکشتی اے فتی

دریا کا سفر اپنی عقل سے طے نہیں ہوتا بلکہ کسی کی کشتی اور کشتی بان کی مدد سے طے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نبی کی اتباع نصیب فرما دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزوں میں غور کرنا انہیں سوچنا عبادت ہے' اپنے گناہ سوچنا' رب کے احسانات سوچنا' اللہ کے پیاروں کے فضائل سوچنا' کفار کے عیوب' سوچنا' عذاب والی بستیوں کے حالات سننا اور سوچنا ان سب غوروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل' آپ کا عیبوں سے بری ہونا' یہ سوچ وبچار سب سے **افضل** ہے۔ رب فرماتا ہے **ان تقوموا لله مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنة** اے لوگو! اللہ کا واسطہ تم اکیلے اکیلے یا دو دو مل کر غور کرو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں۔ یہاں جن قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس لئے ہے کہ لوگ ان کے عیوب میں غور کریں پھر ان سے خود بچیں۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ
پس البتہ تحقیق پوچھیں گے ہم ان سے جو بھیجے گئے طرف ان کی رسول اور البتہ تحقیق پوچھیں گے ہم مرسلین سے
تو بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے
عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝
پس ہم بتائیں گے ان کو علم سے اور نہیں ہیں ہم غائب۔
رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اس سے پچھلی آیات میں کفار پر دنیاوی عذابوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں ان پر اخروی عذاب کا تذکرہ ہے یعنی دنیاوی بادشاہوں کے مجرم مر کر ان کی پکڑ سزا سے چھوٹ جاتے ہیں' مگر انبیاء کے دشمن مر کر بھی نہیں چھوٹتے اللہ ان کی پکڑ سے بچائے' **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ذکر ہوا اور لوگوں کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ اب اتباع نہ کرنے والوں کو عذاب آخرت سے ڈرایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ کفار اور سرکشوں پر دنیا میں عذاب بغیر اطلاع اور مقدمہ چلائے بھیجے گئے مگر ان پر اخروی عذاب مقدمہ چلا کر' تحقیقات' گواہی اور شہادت قائم کر کے دیا جائے گا' دنیا کا عذاب گویا حوالات کی قید ہے جو بغیر مقدمہ ہوتی ہے اور اخروی عذاب گویا جیل کی قید ہے جو قیامت کا مقدمہ چلا کر ہوگا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر

میں ارشاد ہوا تھا کہ گزشتہ کفار پر جب عذاب آئے تو انہوں نے اپنے جرموں قصوروں کا اقرار کر لیا اور اقرار کرکے مرے اب ارشاد ہے کہ ان کا یہ اقرار ہی کافی نہ ہو گا بلکہ ان سے آخرت میں تحقیق کی جائے گی اقرار گواہی شہادت کے بعد انہیں سزا دی جائے گی۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ اللہ رسول کے مقابل دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اللہ رسول کے احکام کی اتباع کرو' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ جھوٹے معبود تمہارے کام نہیں آئیں گے بلکہ حضرات انبیاء کرام کی دوستی فائدہ دے گی ان کی دشمنی سخت نقصان دے گی کہ کل قیامت میں وہ تمہارے موافق یا خلاف گواہ ہوں گے۔

تفسیر: **فلنسئلن الذین ارسل الیھم** اس عبارت میں **ف** میں چند احتمال ہیں۔ (1) کہ **ف** تعلیلیہ ہے اور اس کا جملہ کا تعلق گزشتہ **اتبعوا** اور **لاتتبعوا** سے ہے یعنی قرآن کی اتباع کرو دو چیزوں کی پیروی نہ کرو کیونکہ ہم قیامت میں اس کے متعلق تفتیش فرمائیں گے۔ (2) یہ **ف** ترتیب کی ہے یعنی دنیا میں تو ہم نے کفار پر مذکورہ عذاب بھیجے اس کے بعد آخرت میں ان سے یہ سوال و جواب ہوں گے۔ (3) یہ ف تعقیبیہ ہے ایک پوشیدہ جملہ سے اس کا تعلق ہے۔ یعنی ہم آخرت میں انہیں اٹھائیں گے پھر ان سے مذکورہ سوال کریں گے۔ اس سوال کے متعلق چند قول ہیں ایک یہ کہ یہ سوال گزشتہ امتوں سے ہو گا ان کے نبیوں کے متعلق کہ تم کو انہوں نے تبلیغ کی یا نہیں دوسرے یہ کہ ان کفار سے ان کے اپنے اعمال کے متعلق سوال ہو گا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا۔ (3) تیسرے یہ کہ کفار سے ان کی بد عملیوں کی وجہ پوچھی جائے گی کہ تم نے کفر و گناہ کیوں کئے تھے جسے کہتے ہیں حساب مناقشہ۔ ان صورتوں میں **الذین** سے مراد وہ امتیں ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ارسل کا نائب فاعل پوشیدہ ہے یعنی الرسل۔ (4) چوتھے یہ کہ **ارسل الیھم** سے مراد حضرات انبیاء کرام ہی ہیں یعنی ہم نبیوں سے پوچھیں گے کہ تم کو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سوال خیر مراد ہو یعنی ہم قبر میں تمام امتیوں سے ان کے ایمان کے متعلق پوچھ گچھ کریں گے اور نبیوں سے سوال ہوتا ہے کہ تم سے تمہاری قوم نے کیا برتاؤ کیا۔ بہرحال سوال کسی سے ہو اور کچھ بھی ہو رب تعالیٰ کا یہ سوال اپنے علم کے لئے نہ ہو گا وہ تو علام الغیوب ہے بلکہ حضرات انبیاء کرام کی عزت افزائی کے لئے اور ان کفار کو شرمندہ کرنے اور سخت عذاب دینے کے لئے ہو گا **ولنسئلن المرسلین** اس عبارت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مرسلین سے مراد ہیں حضرات انبیاء کرام اور یہاں مرسلین سے مراد ہیں اعمال لکھنے والے فرشتے اگر مرسلین سے مراد ہوں انبیاء کرام تو یا تو ان حضرات سے ان کی امتوں کے بارے میں سوال ہو گا کہ انہوں نے تمہاری اطاعت کی یا نہیں ارشاد ہو گا **ماذا اجبتم** اور یا خود ان کی اپنی تبلیغ کے متعلق سوال ہو گا کہ تم نے لوگوں کو تبلیغ کی یا نہیں کیونکہ تمہاری امتیں تمہاری تبلیغ کا انکار کر رہی ہیں۔ خیال رہے کہ امتوں کا اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار اور پھر خود انبیاء سے سوال گزشتہ نبیوں کے متعلق ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا نہ تو کفار انکار کریں گے اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان نبیوں کے حق میں گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی پر گواہی بھی دیں گے اور ان کی صفائی بھی بیان فرمائیں گے۔ رب فرماتا ہے **لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا فلنقصن علیھم بعلم** اس عبارت میں ف ترتیب کی ہے جس میں بتایا گیا کہ اولاً تو ان سے سوالات ہوں گے تفتیش کے لئے پھر ہم ان کو خود بتائیں گے کہ تم نے کیا کیا تھا یہ سوال و جواب قانونی کارروائی کے لئے ہو گا نہ کہ ہمارے علم کے لئے علیھم سے مراد یا تو وہ گزشتہ امتیں ہیں یا حضرات انبیاء کرام۔ پہلی

صورت میں ان کے خلاف خبریں ہوں گی دوسری صورت میں حضرات انبیاء کی تائید میں وما کنا غائبین یہ عبارت معطوف ہے فلنقصن پر اور اس میں اس بیان کی وجہ بتائی گئی ہے۔یعنی ہم دنیا میں ان امتوں سے یا ان کے نبیوں سے نہ بے خبر تھے نہ دور تھے نہ پس پردہ تھے ان کی ایک ایک حالت ایک ایک بات کی خبر رکھتے تھے لہذا ہمارا انہیں یہ سب کچھ بتانا بالکل درست ہو گا کسی کافر کو ہمارے کسی بات کے انکار کی جرات نہ ہو گی۔

خلاصہ تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم اس خلاصہ میں ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے مطابق ہے اور بہت نو اور پیاری ہے ان دو آیتوں میں قیامت کی دو چیزوں کا ذکر ہے قیامت میں لوگوں کا خصوصا" کافر امتوں کا حساب اور رب تعالیٰ کا اہانہ فیصلہ' چنانچہ ارشاد ہے کہ کفار دنیاوی عذاب پاکر چھوٹ نہیں جاتے اور دنیا میں عذاب کے وقت اپنے کفر کا اقرار کر کے بری نہیں ہو جاتے بلکہ تمام وہ کفار جن کی طرف رسول بھیجے گئے اولا" تو ہم ان کے عقائد ان کے اعمال کے متعلق اور حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کے متعلق ان سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عقیدے اور کیسے اعمال اختیار کئے اور کیوں کئے اور ان کے رسولوں سے ان قوموں کے متعلق سوال فرمائیں گے کہ تمہاری قوموں نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ تمہاری اطاعت کی یا مخالفت۔ پھر خیال رکھو کہ ہمارا یہ سوال فرمانا ہماری بے علمی کی وجہ سے نہیں ہو گا بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم مجرم کو سزا اس کی تسلی کئے بغیر نہیں دیتے پھر بعد میں ہم سب کچھ ان کے اعمال ان کے معاملات ان کے عقائد ان کو بتائیں گے کیونکہ ہم دنیا میں نہ تو ان سے غائب تھے نہ ان سے بے خبر۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں اس طرح خبر دے گا کہ کفار کی کتاب نامہ ءاعمال خود بولے گی ان کے اعمال کو تفصیل وار بیان کرے گی اس گواہی پر ان لوگوں کو کسی بات کے انکار کی جرات نہ ہو گی۔ خیال رکھو کہ دنیاوی رنج و راحت بغیر بتائے بغیر سمجھائے آتے ہیں مگر قبر و حشر کے عذاب و ثواب حساب کر کے اور بتا سمجھا کر دیئے جائیں گے پھر قبر و حشر کے حسابوں میں چند طرح فرق ہے قبر میں حساب صرف ایمان کا ہے اعمال کا نہیں حشر میں حساب ایمان اعمال دونوں کا۔ قبر میں اب سے صرف تین سوال مگر حشر میں جیسا بندہ ویسا اس کا حساب ویسے اس سے سوالات جو تبلیغ نبی کے منکر ہوں گے ان کا حساب و کتاب اور قسم کا جس کا ذکر اس آیت میں ہے لتکونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا جو کفار اپنے کفر اور گناہوں کا انکار کریں گے ان کا حساب و سوالات اور طرح کے اليوم نختم على افواههم و تكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم جو اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اپنی مجبوری و معذوری کے بہانے کریں گے ان سے سوالات اور طرح کے مگر جو لوگ اپنے گناہوں کا اقرار بے چون و چرا کر لیں گے ان شاء اللہ ان کا حساب نہایت آسان۔ یہاں ایک لفظ نسئلن میں اجمالا" سارے سوالات ہر قسم کے حساب کا ذکر فرما دیا۔ جس کی تفصیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے فرمائی جیسے اقيموا الصلواة ایک لفظ ہے جس میں نماز عید 'جمعہ' پنجگانہ 'پھر فرائض نوافل سب ہی شامل ہیں ان کی تفصیل صاحب قرآن نے فرمائی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سوال یا پوچھ گچھ ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتی کبھی سامنے والے کو الزام دینے کے لئے کبھی اس سے اقرار کرانے کے لئے کبھی اور حکمت سے بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ فلنسئلن سے حاصل ہوا کہ رب علیم و خبیر ہے مگر تحقیقات کے لئے اپنے بندوں سے یہ سوال فرمائے گا۔ دوسرا فائدہ:

حاکم محض اپنے علم پر کسی مجرم کو سزا نہ دے بلکہ تحقیقات، تفتیش کر کے گواہ شہادی اقرار وغیرہ سے جرم ثابت کر کے سزا دے گا۔ یہ فائدہ بھی اسی فلنسئلن سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اپنے ہر امتی کے ہر عمل سے خبردار ہوتے ہیں اپنی زندگی میں بھی اور اپنی وفات کے بعد بھی یہ فائدہ **فلنسئلن المرسلین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ اگر وہ حضرات ان لوگوں سے بے خبر ہوں تو ان کے اعمال وغیرہ کی گواہی کیسے دیں رب فرماتا ہے **رسولا شاهدا علیکم** **چوتھا فائدہ:** جن لوگوں کو کسی نبی کی نبوت نہیں پہنچی جیسے فترت والے لوگ ان کے اعمال کا بوجھ نہ ہو گا اور ان کے متعلق کسی نبی سے دریافت نہیں کیا جائے گا جیسے ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین ان کی بخشش کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہو گا یہ فائدہ **الذین ارسل الیهم** سے حاصل ہوا۔ یہ فائدہ خوب خیال میں رہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام سے ان کے اپنے اعمال و تبلیغ کے متعلق کوئی سوال نہ ہو گا نہ ان کا حساب نہ سوال جواب ان سے سوال ان کی امتوں کے متعلق ہو گا کہ انہوں نے کیا عقائد و اعمال اختیار کئے۔ یہ فائدہ **ولنسئلن المرسلین** کی تفسیر سے حاصل ہوا ان کی شان تو بہت بلند و بالا ہے ان کے بعض خدام کا حساب و کتاب نہ ہو گا علماء فرماتے ہیں کہ قبر میں ہمارا حساب تو ہمارے عقائد کے متعلق ہو گا کہ تمہارا رب کون تمہارا دین کیا تم ان محبوب کے متعلق کیا کہتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر انور میں پوچھا گیا کہ آپ کی قوم نے آپ سے کیا معاملہ کیا حساب قبر میں بھی فرق ہے۔ دیکھو شاہی یوں ہی حشر کے حساب میں بہت فرق۔ **چھٹا فائدہ:** نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے بھی انسان کے اعمال وغیرہ کے گواہ ہوں گے یہ فائدہ **المرسلین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ **مرسلین** سے مراد فرشتے ہوں۔ خیال رہے کہ عینی گواہی میں یہ ضروری ہے کہ گواہ عامل اور اعمال دونوں کو دیکھے انہیں یقین سے جانے مگر یہ ضروری نہیں کہ عامل بھی گواہ کو دیکھے۔ یہ فرشتے ہم کو دیکھتے جانتے ہیں مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے اور وہ ہمارے گواہ ہوں گے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ آخر میں خود بھی بندوں کے اعمال انہیں بتائے گا کہ تم نے یہ کیا۔ یہ فائدہ **فلنقصن** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہونے رہنے سے پاک ہے مگر وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے ہم سے ایک آن کے لئے غائب نہیں۔ یہ فائدہ **وما کنا غائبین** سے حاصل ہوا۔ وہ فرماتا ہے **نحن اقرب الیه من حبل الورید** اور فرماتا ہے **نحن اقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون** اور فرماتا ہے **وهو معکم اینما کنتم** **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کلیات و جزئیات کا ہمیشہ سے عالم ہے کوئی ذرہ کوئی قطرہ اس کے علم سے باہر نہیں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم نہیں یا ہر وقت عالم نہیں وہ اس آیت کا منکر ہے (تفسیر کبیر) یہ فائدہ **فلنقص علیهم بعلم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ رسولوں سے ان کی امتوں سے بہت قسم کی پوچھ گچھ فرمائے گا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز پر علیم و خبیر ہے جب اسے ہر چیز کا خود علم ہے تو پھر پوچھ گچھ کیوں۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں پوچھ گچھ رب تعالیٰ کے علم کے لئے نہیں بلکہ کفار کی زبان بندی اور ان کی رسوائی و خواری کے لئے ہو گی۔ پچھلی آیت میں پوچھ گچھ کا ذکر ہے دوسری آیت میں اس شبہ کی نفی ہے کہ رب تعالیٰ علیم و خبیر نہیں۔ (تفسیر خازن) **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ کو علم ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے تبلیغ فرمائی پھر ان سے یہ سوال کیوں ہو گا۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کی کافر امتیں ان کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی ان کا منہ بند کرنے کے لئے یہ سوال جواب اور گواہی شہادی ہو گی (خازن) **تیسرا اعتراض:** قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ کفار اپنے جرم و قصور کا اقرار کر لیں گے **انا کنا**

ظالمین پھر اس تحقیق و تدقیق کی کیا ضرورت ہوگی۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار پہلے تو اپنے جرموں کا انکار کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** پھر اس تحقیقات کے بعد مجبوراً "اقرار کریں گے یہ تحقیق و تدقیق ان کے انکار کی بنا پر ہوگی اس کے بعد اقرار ہوگا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں دوسرے یہ کہ یہاں وجہ جرم کا سوال ہوگا یعنی لولا "ان سے سوال ہوگا کہ تم نے کیا جرم کئے وہ اقرار کرلیں گے پھر سوال ہوگا کہ کیوں کئے تھے اسی کا نام ہے حساب مناقشہ یہاں دوسرے سوال کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض**: قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے **ولا یسئل عن ذنوبھم المجرمون** یعنی قیامت میں مجرموں سے کچھ سوال جواب پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ مگر یہاں ارشاد ہے کہ ہوگی دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جوابات دیئے گئے ہیں مگر آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ قیامت کے حالات 'مقامات مختلف ہیں 'موقف حساب میں ان سے پوچھ گچھ ہوگی اور موقف عقاب یعنی دوزخ میں ڈالتے وقت ان سے پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ مقدمہ کچہری میں ہوتا ہے سزا جیل میں یا پھانسی گھر میں 'ان دونوں جگہ جرم کی تحقیق نہیں ہوتی 'ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ قیامت میں مجرموں کے جرموں کا پتہ ان کے چہروں وغیرہ بہت سی علامات سے چل جائے گا ہر شخص ان کی علامات دیکھ کر ہی پہچان لے گا کہ یہ کس نمبر کا مجرم ہے' پہچان کے لئے پوچھ گچھ نہ ہوگی' تحقیق کے لئے ہوگی۔ رب فرماتا ہے **یعرف المجرمون بسیماھم** **پانچواں اعتراض**: کفار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم پر ہوگا یا اس تحقیقات پر 'اگر تحقیقات پر ہوگا تو یہاں یہ کیوں فرمایا **فلنقصن علیھم بعلم** اور اگر اس کے علم پر ہوگا تو اس تحقیقات کی کیا ضرورت۔ **جواب**: یہ تحقیقات کفار کی زبان بند کرنے کے لئے ہوگی ان کے لاجواب ہو جانے بلکہ جرم کا اقرار کرلینے کے بعد۔ رب تعالیٰ اپنے علم سے اس تحقیق کی تائید فرمائے گا کہ جو کچھ انبیاء کرام نے فرمایا اور اے مجرمو! تم نے اقرار کیا یہ سب ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے اب جاؤ دوزخ میں۔ لہٰذا اس تحقیق اور علم الٰہی کی تائید پر ہوگا۔ **چھٹا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم ان لوگوں سے پوچھ گچھ کریں گے جن کے پاس نبی بھیجے گئے تو نبی تو ہر شخص کی طرف بھیجے گئے کوئی وقت کوئی جگہ نبوت سے خالی نہیں پھر اس آیت کا مطلب کیا ہوا؟ **جواب**: نبوت تو سب کو پہنچی مگر بعض کو اس کی خبر نہ ہوئی اس بنا پر ان پر اعمال واجب نہ ہوئے قیامت میں ان سے اعمال کی پوچھ گچھ نہ ہوگی جیسے زمانہ فترت کے لوگ 'یا نا سمجھی میں یا غشی و بیہوشی میں فوت ہو جائیں یعنی بچہ نے ہوش نہ سنبھالا کہ مرگیا ایک آدمی کبھی ہوش میں نہ آیا کہ مرگیا ان لوگوں سے نہ قیامت میں حساب ہو نہ قبر میں۔

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں حساب کفار کا بھی ہوگا اور عام مومنین کا بھی۔ مومنوں میں گنہگاروں کا بھی حساب ہوگا صالحین کا بھی غافلین کا بھی ہوگا واصلین کا بھی مگر نوعیت حساب میں فرق ہوگا۔ کفار کا حساب انہیں رسوا کرنے کو ہوگا مومنوں کا حساب ان کی عزت بڑھانے کے لئے ہوگا اس لئے مومنوں کے گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا۔ نیکیوں کا حساب علانیہ کفار کے منہ کالے مومنوں کے اجیالے ہوں گے کاملین کا حساب ہوگا۔ ان کے کمالات لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ دنیا میں ان کے کچھ درجات و کمالات بتائے گئے تھے وہاں ان کے سارے کمالات دکھائے جائیں گے دکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہے۔ یوں ہی حضرات انبیاء کرام فرشتوں وغیرھم کی گواہیاں کافروں کو عذاب اور رسوا کرنے کے لئے ہوں گی مومنوں کے لئے بھی ہیں۔ کفار یہاں متکبر تھے وہاں ذلیل کئے جائیں گے مومنین یہاں تواضع عجز و انکسار والے تھے وہاں ان کے منہ اجیالے ہوں گے۔ حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مجھے متکبر فخر والے پر تعجب ہے کہ وہ کل نطفہ تھا اور آئندہ کل گل مٹی بنے گا۔ اب فخر کس چیز پر

کرتا ہے، تعجب ہے اس پر جو اللہ کی ہستی میں شک کرتا ہے اور نعمتیں اس کی کھاتا ہے تعجب ہے اس پر جو اگلی زندگی کا انکار کرتا ہے حالانکہ یہ زندگی دیکھتا ہے، تعجب ہے اس پر جو مٹنے والی دنیا کے لئے ہر دم کوشش کرتا ہے اور باقی رہنے والے جہان سے غافل ہے (از روح البیان)۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور تولنا اس دن برحق ہے پس وہ شخص کہ بھاری ہوگئے وزن اس کے پس وہ لوگ کامیاب
اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہ ہی مراد کو پہنچے اور جن کے پلے
الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
ہیں اور وہ لوگ کہ ہلکے ہوئے وزن ان کے پس یہ وہ ہیں جنہوں نے نقصان میں
ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو
اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨
ڈالا جانوں کو اپنی اس وجہ سے کہ تھے وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے۔
ہماری آیتوں پر کرتے تھے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قیامت کی ایک ہولناک چیز کا ذکر ہوا یعنی حساب و کتاب گواہی شاہدی اب ان آیتوں میں اس دن کی دوسری ہولناک چیز کا ذکر ہے یعنی وزن اعمال چونکہ حساب پہلے ہوگا وزن بعد میں۔ اس لئے پہلے حساب کا ذکر ہوا اب وزن اعمال کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفر و ایمان یوں ہی نیکیوں گناہوں کی تعداد کی جانچ فرمانے کا ذکر تھا اب اعمال کیفیات کی تحقیق فرمائے جانے کا ذکر ہے یعنی اعمال کا ہلکا بھاری ہونا ریا یا اخلاص والا ہونا گویا مقدار کی تحقیقات کے بعد کیفیات کی تحقیقات کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کے رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشی کا ذکر تھا اب بندوں کے فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا تذکرہ ہے جو فرشتے اعمال تولنے پر مقرر ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قولی تحقیقات کا ذکر تھا اب عملی تحقیقات کا تذکرہ ہے یعنی اعمال کی ناپ تول۔

تفسیر : **والوزن یومئذ الحق** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیبیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ **الوزن** مصدر ہے بمعنی تولنا **یومئذ** اس مصدر کا ظرف ہے یہ مبتداء ہوا اور **الحق** اس کی خبر دوسرے یہ کہ **الوزن** موصوف ہے اور **الحق** صفت یہ دو مبتدا مل کر مبتداء ہیں اور **یومئذ** خبر **الوزن** میں الف لام پوشیدہ مضاف الیہ کی عوض ہے وزن الاعمال یا وزن الصحف حق بمعنی درست و صحیح ہے باطل کا مقابل یا بمعنی غیر زائل ہے یعنی اصل ضرور واقع ہونے والا یعنی قیامت کے دن اعمال یا نامہ

اعمال کا تولنا یا تولا جانا بالکل حق ہے یا اعمال کی یہی تول قیامت کے دن ہے۔ خیال رہے کہ (1) قیامت میں کفر و ایمان کا وزن نہ ہو گا بلکہ نیک و بد اعمال کا وزن ہو گا کیونکہ کافر کے پاس ایمان نہیں اور مومن کے پاس کفر نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو' (2) وہاں وزن باٹ یا من سیر سے نہ ہو گا بلکہ گناہوں کا نیکیوں سے ہو گا' ترازو کا ایک پلہ نورانی ہو گا جس میں نیکیاں رکھی جائیں گی۔ دوسرا پلہ ظلمانی جس میں گناہ رکھے جائیں گے (3) جن کے پاس صرف نیکیاں ہیں گناہ کوئی نہیں ان کا وزن نہ ہو گا جیسے حضرت ابو بکر صدیق یا دوسرے خاص صحابہ اور خاص اولیاء اللہ یونہی جن کے پاس صرف گناہ ہیں نیکیاں کوئی نہیں ان کا وزن بھی نہ ہو گا جیسے ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے بھاری مجرم کفار کیونکہ ان کے پاس دوسرے پلہ میں رکھنے کے لئے کوئی چیز نہیں (4) جس کی نیکیوں کو وہ ترازو تول نہ سکے ان کا وزن ناممکن ہو گا جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان کے ایک سجدہ کا وزن وہ ترازو نہیں کر سکتی جیسے دنیا کا بڑے سے بڑا کنڈا سمندر کا پانی نہیں تول سکتا (5) وہاں اعمال میں وزن قوت اخلاص سے ہو گا جتنا اخلاص زیادہ اتنا ہی وزن زیادہ یوں ہی مشقت و محنت نیکی کا وزن بڑھائے گی اندھیری رات میں مسجد میں پہنچ کر نماز باجماعت کا وزن اس نماز سے زیادہ ہو گا جو راحت کے ساتھ پڑھی جائے جہاد بلکہ شہادت کا حال بھی یہ ہے کہ ان میں جتنی مشقت زیادہ وزن زیادہ یوں ہی اللہ والوں کی نگاہ کرم نیکی کا وزن بڑھا دیتی ہے ان کی نگاہ قہر گناہ کا وزن بڑھا دیتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے صحابی کا چار سیری جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے کیونکہ وہ بارگاہ رسالت میں منظور شدہ (6) وہاں بھاری پلہ اونچا ہو گا اور ہلکا پلہ نیچا کیونکہ وہاں وزن نورانیت کا ہے اور نور اوپر جاتا ہے نیچے نہیں گرتا اس کی اور تحقیق یہاں ہی تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ کرو **فمن ثقلت موازینہ** عبارت پہلے جملہ کی تفصیل ہے لہذا ف تفصیلیہ ہے من سے مراد مکلف بندے ہیں کیونکہ انہیں کے اعمال کا وزن ہے۔ فرشتے' جانور' انسانوں کے چھوٹے بچے' دیوانے جو کبھی مکلف ہی نہیں ہوئے ان کا وزن بھی نہ ہوگا۔ **ثقل** سے مراد بوجھ ہے کسی کی ایک نیکی ہزاروں گناہوں سے زیادہ بوجھل ہو گی۔ **موازین** یا تو جمع ہے **موزون** کی جیسے موعود کی جمع مواعید' مکتوب کی جمع مکاتیب' معبود کی جمع معابید' تب تو مطلب ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہیں تولی ہوئی نیکیاں اور یا جمع ہے میزان کی بمعنی ترازو اس صورت میں موازین سے پہلے کفتہ پوشیدہ ہے بمعنی پلہ اور پلہ سے مراد ہے نیکیوں کا پلہ چونکہ ہر شخص کی ترازو الگ ہو گی یا ہر شخص کی مختلف نیکیاں مختلف وزنوں سے تولی جائیں گی ان وجوہ سے **موازینہ** جمع فرمایا یعنی جس شخص کے نیک اعمال بھاری ہوں گے یا جس کی نیکیوں کے پلے بھاری رہیں گے خیال رہے کہ جیسے جسمانیات میں پانی' مٹی' سنکری' پارہ ان کی آمیزش چیز کو وزنی کر دیتی ہے مگر پارہ بہت زیادہ وزن کرتا ہے کہ خود بہت بھاری ہے یوں ہی روحانیات میں اخلاص خشوع خضوع' عشق رسول نیکیوں کو وزنی کرتے ہیں ان سب میں زیادہ وزنی عشق رسول ہے۔ جو نیکی عشق سے کی جائے وہ وزنی ہے' فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرا صحابی چار سیر جو خیرات کرے اور دوسرا شخص پہاڑ بھر سونا خیرات کرے تو صحابی کے جو کا درجہ بڑا ہے کیوں اس لئے کہ جو عشق رسول صحابی کو نصیب ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں **فالئک ھم المفلحون** یہ عبارت **من ثقلت** کی جزاء ہے **اولئک** میں اشارہ من کی طرف ہے چونکہ **من** اگرچہ لفظاً" واحد تھا مگر معنی" جمع اس لئے **اولئک** بھی جمع لایا گیا اور **ھم** بھی **مفلحون** بھی۔ **مفلحون** بنا ہے **فلاح** سے بمعنی کامیابی اس فلاح کے اقسام ہم پارہ الم' **اولئک ھم المفلحون** میں بیان کر چکے ہیں یہاں فلاح سے مراد ہے دوزخ میں بغیر گئے ہوئے جنت میں پہنچ جانا یہ ان مومنوں کے لئے ہو گا جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں **ومن خفت موازینہ** تصویر کا دوسرا رخ ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں من سے

کون لوگ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ کفار مراد ہیں جن کے پاس نیکیاں بھی ہوں جیسے صدقات خیرات لوگوں کی خدمت ماں باپ کی اطاعت اولیاء اللہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور گناہ بھی ہوں۔ جیسے رشوت 'جھوٹ' سود خواری وغیرہ ان اعمال کا مقابلہ میں وزن ہو گا مگر نیکیوں کا وزن ہلکا ہو گا کیونکہ ان کے پاس ایمان و اخلاص نہ تھا' بعض کے نزدیک اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ تھے اور وزنی تھے نیکیاں کم اور ہلکی تھیں یہاں بھی موازین کے وہی دو معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ اس سے نیک اعمال یا نیک اعمال کا پلہ مراد ہے **فاولئک الذین خسروا انفسھم** اگر من حفت سے مراد کفار تھے تو خسران سے مراد ہے ہمیشہ کے لئے دوزخی ہونا کہ پورا نقصان یہی ہے۔ جس میں اصل پونجی بھی ہاتھ سے جائے اور اگر وہاں من سے مراد گنہگار مسلمان ہیں تو خسران سے مراد ہے اول سے جنت میں داخل نہ ہونا سزا کا مستحق ہونا۔ **بما کانو ا بایتنا یظلمون** یہ عبارت متعلق ہے خسروا سے۔ اگر من سے مراد کفار ہیں تو آیات سے مراد قرآنی آیتیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالیہ یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ ظلم سے مراد ہے ان کا کفر و انکار کرنا۔ رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** اور اگر من سے مراد گنہگار مسلمان ہیں تو آیات سے مراد ہے احکام اسلامیہ کے فرمان خواہ قرآن مجید میں ہوں یا حدیث شریف میں اور ظلم سے مراد ہے ان پر عمل نہ کرنا چونکہ **من** لفظاً" مفرد تھا معنی" جمع۔ اس لئے **اولئک الذین خسروا** وغیرہ تمام ضمیریں جمع لائی گئیں' لہذا مضمون واضح ہے۔ خیال رہے کہ جسمانیات میں ہر رشتہ دار کا حق ہے۔ جس کا مارنا ظلم ہے حتی کہ جو جانور پالا اس کا بھی اگر اسے کھانا پانی نہ دیا تو ظلم ہوا۔ ایک عورت بلی کی وجہ سے دوزخ میں گئی۔ یوں ہی قرآن مجید اسلام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہم پر حقوق ہیں بلکہ بعد خدا سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ ماں باپ سے جان ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان ملا مرنے پر سب رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی قائم رہتا ہے۔ ماں بیمار بچے کے لئے چار راتیں جاگ کر گھبرا جاتی ہے اس کے مرنے کی دعا کرتی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کے لئے برسوں رات بھر جاگے' غاروں میں گریہ زاری فرمائی سب سے بڑا ان کا حق ہے' سب سے زیادہ ان سے محبت کرنا سب سے بڑھ کر ان کی اطاعت کرنا ان کا حق ہے اگر ان کے حق ادا نہ کئے تو اپنے پر ظلم کیا وہ آیات الہیہ میں سے ہیں سر سے دم تک ہر عضو اللہ کی آیت ہے۔
آیت کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ان لوگوں نے رسول اللہ کے حق مارے اس لئے خسارہ میں رہے ان کے اعمال ہلکے رہے۔

خلاصہ ء تفسیر : قیامت میں صرف حساب سے کام نہ چلے گا بلکہ حساب کے بعد نیک و بد اعمال کا یا نامہ ء اعمال کا میزان قیامت میں تولا جانا برحق ہے حساب تو اعمال کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے ہو گا اور وزن اعمال کی کیفیت ظاہر فرمانے کے لئے۔ جن خوش نصیب شخصوں کے نیک اعمال یا نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوا تو وہ پورے پورے کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو سمجھ لو کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات قرآنیہ احکام شرعیہ پر زیادتی کی کہ وہ آیات ماننے عمل کرنے کے لئے اتاری گئی تھیں انہوں نے ان کا انکار کیا یا ان پر عمل نہ کیا۔ خیال رہے کہ وزن اعمال کے متعلق مسلمانوں میں تین گروہ ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ خود اعمال ہی وہاں تولے جائیں گے کہ دنیا کے اعراض وہاں جواہر ہوں گے نیک و بد اعمال کی اچھی بری شکلیں ہوں گی خود وہی تولے جائیں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نیک و بد اعمال کے دفتر تولے جائیں گے بعض نے فرمایا کہ نیک و بد انسان ہی تولے جائیں گے مگر پہلا قول قوی ہے۔ ان

کے دلائل تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں اسی جگہ دیکھو۔ یاد رکھو کہ اصلی کامیابی مال و دولت' اسباب' سامان اور دنیاوی سلطنت حکومت سے نہیں۔ اصلی کامیابی اللہ رسول کو راضی کر لینا ہے۔ دیکھو قارون کے پاس مال' نمرود کے پاس حکومت بہت تھی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ ہر انسان تاجر ہے زندگی کی گھڑیاں اپنی پونجی ہیں اعمال کمائی ہے تاجر سودا دیتا ہے قیمت لیتا ہے۔ مومن زندگی کی گھڑیاں خرچ کرتا ہے اعمال کماتا ہے نفع میں ہے مگر جو زندگی گزار دے اعمال نہ کمائے وہ گھاٹے میں ہے۔ جو زندگی گزارے گناہ کمائے اس نے اپنے کو تباہ کر لیا **مفلحون** اور **خسروا انفسهم** کی بتا رہی ہے' روح باز ہے' جسم اس کا سایہ ہے انسان شکاری ہے' زندگی کے دن ترکش کے تیر ہیں۔ اگر صرف جسم کو پالنے میں یہ دن رات خرچ کر دیے تو اس نے قیمتی تیر برباد کر دیئے اگر روحانیت کمائی تو شکار کامیاب رہا یہ آیت کریمہ آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

میزان اعمال : اعمال کی تول اس کی ترازو جس کے دو پلے ہیں ایک ڈنڈی اور ڈنڈی کے درمیان ترازو کی لمبائی بالکل حق ہے اس کا انکار کرنا اور اس جیسی آیات میں تاویلیں کرنا گمراہی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولیٰ مجھے وہ ترازو دکھا دے۔ رب نے آپ کی نگاہ سے حجاب اٹھا دیئے میزان ملاحظہ فرمائی تو اس کی پلوں کی فراخی دیکھ کر آپ کو غشی آ گئی۔ عرض کیا الٰہی اتنے بڑے پلے کون بھر سکے گا' کس کے پاس اتنی نیکیاں ہوں گی جن سے یہ وسیع پلے بھرے جائیں۔ فرمایا اے داؤد جس پر ہمارا اکرم ہو گا اس کے ایک کھجور کی قاش سے ہم یہ پلہ بھر دیں گے یعنی معمولی صدقہ پلہ بھر دے گا (روح المعانی) وزن اعمال کے متعلق کچھ احادیث ملاحظہ کرو۔

حدیث نمبر 1 : احمد' ترمذی' ابن ماجہ' حاکم' بیہقی' نے بروایت سیدنا عبد اللہ ابن عمرو روایت فرمایا کہ گنہگار کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے' تاحد نظر پھیلے ہوں گے۔ رب فرمائے گا کہ اے بندے کیا تجھے اپنے ان گناہوں کا انکار ہے عرض کرے گا بالکل نہیں یہ سب میرے گناہ ہیں' تیرے فرشتوں نے بالکل حق لکھا ہے ارشاد باری ہو گا کہ تیری ایک نیکی بھی ہمارے پاس ہے ایک پرچہ لایا جائے گا جس پر کلمہ طیبہ تحریر ہو گا یہ پرچہ نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا تو یہ پلہ کلمہ والا بھاری ہو جائے گا اور گناہوں کا پلہ ہلکا' بندہ بخشا جائے گا' فرمایا جائے گا کہ وہ ہیں تیرے کام یہ ہے میرا نام میرا نام بھاری تیرے اعمال ہلکے۔ خیال رہے کہ یہ وزن اعمال کا ایمان سے نہ ہو گا بلکہ وہ جو اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھا کرتا تھا یا مرتے وقت کلمہ پڑھا تھا وہ عمل یعنی کلمہ پڑھنا وزن کیا گیا۔ پڑھنا عمل ہے اسی لئے اسے نیک اعمال کے پلہ میں رکھا گیا۔ (خازن کبیر' معانی)

حدیث نمبر 2 : ابن ابی الدنیا اور امام نمیری نے سیدنا عبد اللہ ابن عمرو سے کتاب الاعلام میں روایت کی حضرت آدم علیہ السلام سبز جوڑا پہنے ایک مقام پر کھڑے ہوں گے کہ آپ ایک شخص کو جو امت محمد مصطفیٰ میں سے ہو گا دیکھیں گے کہ اسے فرشتے دوزخ کی طرف لئے جا رہے ہیں آپ پکاریں گے کہ یا احمد یا احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے **لبیک یا ابا البشر** آدم علیہ السلام فرمائیں گے تمہارا ایک امتی دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند سمیٹ کر ان کے پیچھے دوڑیں گے۔ اے فرشتوں ٹھہرو میرے امتی کو روکو پھر بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے تو نے مجھ سے میری امت کے متعلق وعدہ فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ ان فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے محبوب کا حکم مانو جو وہ کہیں وہ کرو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے پھر میزان پر لائیں گے اور اب اس کی نیکیوں کے پلے میں ایک پرچہ اپنے پاس سے نکال کر رکھ دیں گے

جس میں باریک حروف میں کچھ لکھا ہوگا اس پرچے سے اس کی نیکیاں گناہوں پر بھاری ہو جائیں گی' آواز آئے گی سعد یہ سعد یہ' یہ بندہ کامیاب ہو گیا کامیاب ہو گیا۔ اب اسے رحمت کے فرشتے جنت کی طرف لے چلیں گے یہ کہے گا۔ فرشتو ٹھہرو مجھے اس محسن اعظم سے کچھ عرض معروض کر لینے دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے گا آپ کون ہیں جنہوں نے مجھ پکڑے ہوئے کو چھوڑایا۔ مجھے ڈوبتے کو ترایا تمہارا سوا میرے کوئی کام نہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے انا نبیک محمد میں تیرا نبی محمد مصطفیٰ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھ پر درود شریف بہت پڑھتا تھا' وہ تیرے درود میرے پاس محفوظ تھے' تیری مصیبت میں آج ان کے ذریعہ تیری بگڑی بنائی گئی۔ (تفسیر روح المعانی) خیال رہے کہ درود شریف کا پرچہ وزن نہ کیا بلکہ بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے رکھوایا گیا تاکہ اس دست پاک کی برکت سے اس پرچہ کا وزن اتنا بڑھ جائے کہ سارے گناہوں کو ہلکا کر دے یہ وزن اس ہاتھ شریف کی برکت کا ہوگا۔

پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا   دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے

حدیث نمبر 3 : ابن عبدالبر نے بروایت ابراہیم نخعی روایت کی۔ ایک مسلمان کے نیک اعمال میزان میں ہلکے ہو جائیں گے تو کوئی چیز ہلکی بارش کی طرح اس نیکیوں کے پلہ پر برسے گی۔ جس سے یہ پلہ وزنی ہو جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو جانتا ہے یہ کیا چیز برسی جس نے تیری نیکیاں بھاری کر دیں۔ عرض کرے گا نہیں ارشاد ہوگا کہ تو نے دنیا میں لوگوں میں علم دین پھیلایا پڑھایا۔ علم لکھایہ تیری وہ خدمات تھیں جو آج تیری رہائی کا ذریعہ بنیں (تفسیر روح المعانی) ان تمام احادیث سے میزان اور وزن اعمال برحق ہونے کا مکمل ثبوت ملتا ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** قیامت کے دن عقائد کا بھی حساب ہوگا اور نیک و بد اعمال کا بھی 'مگر وزن صرف نیک و بد اعمال کا ہوگا عقائد کا نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ قبر میں حساب صرف ایمان کا ہوگا اعمال کا نہیں۔ یہ فائدہ **الوزن یومئذ** کے الف لام سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** صرف مکلف لوگوں کے اعمال کا حساب و وزن ہوگا یعنی عاقل بالغ لوگوں کا نابالغ بچے دیوانہ لوگوں کا حساب نہیں کہ انہیں ان اعمال پر سزا نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** کفار کے نیک و بد اعمال کا بھی حساب اور وزن ہوگا ان کی نیکیوں پر قدرے عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ جنت میں داخلہ نہ ہوگا' یہ فائدہ بھی **الوزن** کے مطلق فرمانے اور **ومن خفت موازینہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جن لوگوں کے پاس صرف نیکیاں ہوں گناہ کوئی نہ ہو ان کا وزن اعمال نہ ہوگا' جیسے حضرت ابوبکر صدیق وغیرھم صحابہ کرام اور خاص اولیاء عظام۔ یوں ہی جن کفار کے پاس صرف گناہ تو ہیں مگر نیکی کوئی نہیں ان کا وزن اعمال بھی نہیں ہوگا' کیونکہ وہاں وزن باٹوں سے نہیں بلکہ اعمال کا اعمال سے۔ دونوں پلوں کے لئے نیک و بد اعمال دونوں درکار ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** دلی محبت و عشق کا وزن نہیں ہوگا کہ وہ عمل نہیں بلکہ ان کی تحریر نامہ اعمال میں نہیں ہوتی۔

کراماً کاتبیں راہم خبر نیست   میان عاشق و معشوق رمزے است

چھٹا فائدہ: نیک اعمال میں وزن اخلاص و ایمان سے ہوگا۔ ریاکار کے بہت اعمال ہلکے ہوں گے' مخلص کا ایک نیک عمل بھاری ہوگا۔ یہ فائدہ **فمن ثقلت موازینہ** سے اشارۃً حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : قیامت میں حساب کے بعد وزن اعمال کیوں ہو گا کیا حساب کافی نہیں۔ **جواب**: اعمال کا حساب تو ان کی تعداد ظاہر کرنے کے لئے ہو گا اور اعمال کا وزن ان کی کیفیت بتانے کے لئے ہو گا حساب میں یہ بتایا جائے گا اعمال کتنے ہیں وزن سے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ اعمال کیسے ہیں۔ جیسے کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ جاؤ تو کراچی میں اسباب تولا جاتا ہے کرایہ کے لئے کہ اگر چالیس پونڈ سے زیادہ ہو تو کرایہ وصول کیا جائے اور جدہ میں اسباب دیکھا جاتا ہے کہ کیسا ہے' نشہ آور یا تجارتی کسٹم کے لائق ہے یا نہیں غرضیکہ وزن کراچی میں دیکھا گیا اور نوعیت جدہ میں۔ **دوسرا اعتراض**: تم نے کہا کہ کفار کے اعمال کا بھی حساب ہو گا مگر دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے **فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا **جواب**: اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کفار کے نیک اعمال میں زیادہ وزن نہ ہو گا وہ ہلکے ہوں گے یا یہ کہو کہ وہاں ان کفار کا ذکر ہے جن کی نیکیاں ضبط ہو چکیں کیونکہ اس سے پہلے یہ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: تم نے کہا کہ بعض نیک لوگوں کا وزن و حساب نہ ہو گا مگر یہاں کسی کی قید نہیں مطلقاً" فرمایا گیا **الوزن یومئذ الحق** تم نے یہ فرق کہاں سے کیا۔ **جواب**: دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے **یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب** حدیث کی بنا پر یہ قیدیں لگائی گئیں۔ **چوتھا اعتراض**: اگر کافر مومن دونوں کے نیک و بد اعمال کا وزن ہے تو چاہئے کہ جس کافر کی نیکیاں بھاری ہو جائیں وہ جنت میں پہنچ جائے کہ فرمایا گیا **فاولئک ھم المفلحون** اور جس مسلمان کے گناہ بھاری ہو جاویں تو وہ دائمی دوزخی ہو جائے کہ ان کے لئے ارشاد ہے **خسروا انفسھم** حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ **جواب**: کافر کی نیکیاں اس کے گناہوں سے بھاری نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ نیکیاں ایمان سے خالی ہیں لہذا ہلکی ہیں اور بدیاں کفر کے ساتھ ہیں لہذا بھاری ہیں اگر بالفرض اس کی نیکیاں بھاری ہو بھی جائیں تو اس کی فلاح یہی ہے کہ اس کی سزا ہلکی ہو جائے۔ دوزخ کے نیچے طبقے سے نکال کر اونچے طبقے میں پہنچا دیا جائے ہر شخص کی فلاح جداگانہ ہے یوں ہی مومن کا خسارہ یہ ہے کہ اسے کچھ دن دوزخ میں رہنا پڑ جائے یا اس کا جنت میں درجہ ادنیٰ کر دیا جائے ہر شخص کا خسارہ جداگانہ ہے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں وزن سے مراد یہ مروجہ تولنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے عدل و انصاف اور رب تعالیٰ کا فیصلہ' کیونکہ انسان کے اعمال جوہر نہیں بلکہ عرض ہیں جو کرتے ہی فنا ہو جاتے ہیں اور معدوم و فنا شدہ چیز کا وزن ناممکن ہے اعمال میں بوجھ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ (معتزلہ) **جواب**: قرآنی آیات میں بلا شرعی ضرورت تاویلیں تحریفیں کرنا ہرگز درست نہیں ورنہ پھر آیات قرآنیہ معتبر نہ رہیں گی۔ لوگ صلوٰۃ' صوم زکوٰۃ میں ایسی واہیات تاویلیں شروع کر دیں گے قیامت کی ترازو کو اپنے دنیا کے ترازو پر قیاس نہ کرو۔ کل وہاں ہماری صفات کی شکلیں بھی ہوں گی ان میں وزن بھی۔ دنیا میں علم' دولت' قحط' ارزانی' خواب میں مختلف شکلوں میں نظر آ جاتے ہیں بادشاہ مصر نے قحط اور ارزانی کے برسوں کو سات گایوں سات بالیوں کی شکل میں دیکھا۔ آج سائنسی آلات بخار کا ٹمپریچر ناپ لیتے ہیں کہ بخار 100 ڈگری ہے یا ایک سو پانچ۔ بجلی کا پاور میٹر کے ذریعہ ناپ لیا جاتا ہے کہ کتنے یونٹ خرچ ہوا' ہومیو پیتھک والے دوا کی طاقت' بیماری کی قوت ناپ لیتے ہیں' دوا بیماری سے زیادہ طاقتور استعمال کراتے ہیں۔ ہوا کی رفتار ناپ لی جاتی ہے کہ اتنے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا اگر وہاں یہ چیزیں وزن میں آ جائیں تو کیوں انکار ہے وزن کے متعلق آیات اور احادیث بہت ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے جو وزن کے متعلق حدیث پیش کی کہ ایک شخص نیکیاں ہلکی ہو جانے کی وجہ سے دوزخ میں لے جایا جا رہا ہو گا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پلے میں درود شریف یا اس کی عملی خدمات رکھ کر اس کا وزن بڑھا دیں گے تو رب

تعالیٰ نے اس کی یہ نیکیاں پہلے ہی اس کے نیکیوں والے پلہ میں کیوں نہیں رکھ دیں کیا وہاں اعمال میں کتر بیونت بھی کی جائے گی۔ **جواب:** ہم نے اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کر دیا کہ منشاء الٰہی یہ ہو گا کہ اس کی اس نیکی کا وزن بڑھ جائے روئی میں پانی لگ جائے تو بھاری ہو جاتی ہے ہم گنہگاروں کے ہلکے اعمال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر یا دست کرم لگ جائے تو بھاری ہو جاتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لگوانا اس گنہگار کی قسمت جگانے 'مشکل حل کرنے کے لئے ہو گا اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھائی جائے گی کہ پکڑے ہوؤں کو چھڑا لیتے ہیں بگڑے ہوئے کو بنا دیتے ہیں ڈوبتے ہوؤں کو ترا دیتے ہیں دوزخ میں جاتے ہوؤں کی لائن بدل کر جنت کی لائن پر لگا دیتے ہیں **اللھم صل وسلم وبارک علیہ**

ساتواں اعتراض: یہاں دو گروہوں کا ذکر ہوا ایک وہ جن کی نیکیاں زیادہ دوسرے وہ جن کے گناہ زیادہ تیسری جماعت کا ذکر نہیں ہوا جن کی نیکیاں گناہ برابر ہوں وہ کہاں جائیں گے۔ **جواب:** ان کا ذکر اس سورت میں ہے **وعلی الاعراف رجال** آیت میں آ رہا ہے کہ وہ لوگ قانونی طور پر تو اولاً "اعراف میں رکھے جائیں گے پھر کچھ عرصہ کے بعد جنت میں بھیجے جائیں گے اور اگر کرم خسروانہ ہو جائے یا کسی اللہ والے کی شفاعت کا سہارا مل جائے تو اس کرم بندہ نوازی اور شفاعت کی برکت سے اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری کر دیا جائے گا کسی کو کوئی بندہ اپنی ایک نیکی دے دے گا جس سے ان کا وزن بڑھ جائے گا۔ ان شاء اللہ اس کی بحث وہاں ہی کی جائے گی۔ **اٹھواں اعتراض:** یہاں **مفلحون** سے مراد ہیں متقی مومنین اور **خسروا انفسھم** سے مراد ہیں کفار تو بتاؤ کہ گنہگار مسلمانوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ **جواب:** ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ **خسروا انفسھم** میں گنہگار مسلمان اور کفار دونوں داخل ہیں گنہگار مومنین ہلکے خسارہ میں رہتے ہیں۔ کفار بھاری خسارہ میں۔ مگر تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ گنہگاروں کا ذکر یہاں نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر کفار کی سزا کا ذکر ہوتا ہے گنہگار مسلمانوں کی اخروی سزا کا ذکر نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی دنیا میں بھی ہے کہ ان سزاؤں کا ذکر نہیں اور آخرت میں بھی ہو گی۔ دیکھو بے نماز بے روزوں کی سزا کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت میں ایک ایک آدمی کے لئے الگ الگ میزانیں (ترازو) قائم کی جائیں گی اس کے بدن کے وزن کے لئے ایک ترازو جس سے اس کے بدنی اوصاف تولے جائیں گے' اس کی روح کے وزن کے لئے دوسری ترازو جس سے اس کے دل کے حالات تولے جائیں گے' اس کے سر کی اور ترازو جس سے اس کے احوال کا وزن ہو گا' اس کے خفی کی دوسری ترازو جس سے اس کے اخلاق تولے جائیں گے۔ خیال رہے کہ خفی ایک ربانی لطیفہ ہے جس سے آدمی اخلاق ربانی کے فیض کے لائق ہو جاتا ہے بعض چیزیں نیکیوں کا وزن بڑھاتی ہیں بعض چیزیں گناہوں کا بوجھ بڑھاتی ہیں۔ ریا کے لئے نماز' جنت کے لئے نماز' دوزخ سے بچنے کے لئے نماز' اللہ کی رضا کے لئے نماز' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے نماز' ان کے حساب کے وزن یکساں نہیں۔ یونہی سستی سے ترک نماز گناہ' لاپرواہی سے گناہ' اسے ہلکا سمجھ کر گناہ کرنا ان سب گناہوں کے وزن برابر نہیں' جن چیزوں کا حساب ہے انہیں کا وزن ہے چنانچہ صابرین کے صبر کا وزن نہ ہو گا اس لئے روزہ کا وزن نہیں کہ وہ بھی صبر کی ایک قسم ہے انہیں رب لپ بھر بھریوں ہی جزا دے گا فرماتا ہے **انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب** توحید حکمی کا وزن ہو گا توحید' حقیقی عشق و محبت والی توحید کا وزن کوئی نہیں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اعضاء ظاہری کے اعمال کا وزن ہو گا یہ سات ہیں' کان' آنکھ' ہاتھ پاؤں' پیٹ' فرج' شرمگاہ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنے ان سات اعضاء کی بڑی حفاظت کرے

اس لئے یہاں موازین جمع ارشاد ہوا آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے یہ سارے اوزان بھاری رہے وہ پورا پورا کامیاب رہا' جس کے یہ سارے اوزان ہلکے رہیں گے وہ پورا نقصان میں ہو گا' رہے تیسری قسم کے لوگ جن کے بعض وزن تو بھاری رہیں بعض ہلکے ان کا یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا ان کا معاملہ رب کے کرم کے سپرد ہے' فضل کرے تو چھٹیاں' عدل کرے تو مٹھیاں

عدل کرے تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے فضل کرے تے بخشے جاون میں ورگے منہ کالے

اس لئے بڑے سے بڑے متقی بھی خوف کرتے دیکھے گئے ہیں کہ نہ معلوم کون سا وزن ہلکا ہو جائے اور ہم پکڑے جائیں۔ (از روح البیان۔)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا
اور البتہ تحقیق جگہ دی ہم نے تم کو زمین میں اور بنائیں ہم نے تمہارے لئے اس میں معیشتیں بہت
اور بے شک ہم نے ضرور تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾
کم تم شکریہ ادا کرتے رہو۔
کے اسباب بنائے بہت ہی کم شکریہ کرتے رہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بندوں کو گزشتہ قوموں کے عذاب اور آئندہ حساب کا ذکر فرما کر ڈرا کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا' اب رب تعالیٰ نے اپنی موجودہ نعمتیں ہم کو بتا کر اپنی اطاعت کی رغبت دی گویا پچھلی آیات میں ترہیب تھی (ڈرانا) اور اس آیت میں ترغیب ہے (رغبت دینا) تفسیر کبیر۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں قیامت کے حساب وہاں کے وزن کا ذکر فرمایا گیا تھا اب ارشاد ہے کہ ابھی موقعہ ہے تمہارے ہاتھ پاؤں قابو میں ہیں سامان اطاعت جمع ہیں نیکیاں کر کے اپنے وزن بڑھا لو پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا' گویا پہلے وزن اعمال کا ذکر تھا اب نیک اعمال کے وزن بڑھانے کی تدبیروں کی تعلیم ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں قیامت کے وزن کا ذکر تھا اب ہم کو دنیا کے وزن خود کرنے کا حکم ہے یعنی ہماری نعمتوں کو سوچو پھر اپنی اطاعتوں پر غور کر کے خود ہی موازنہ کر لو کہ کیا تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کر لیا ہے یہاں اپنا حساب اپنا وزن خود کرتے رہو تاکہ کل قیامت میں حساب او روزن آسان ہو۔

تفسیر : ولقد مکنا کم فی الارض چونکہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے اس کی واؤ ابتدائیہ ہے اور چونکہ اس کا مضمون بہت اہم ہے اور اس پر توجہ کرنے والے بہت کم اس لئے اسے لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا۔ مکنا بنا ہے تمکین سے جس کی اصل یا مکان ہے بمعنی جگہ یا مکنت ہے بمعنی قدرت و ملکیت لہذا امکنا کے دو معنی ہوئے ہم نے تم کو جگہ دی' قرار دیا' سکونت دی یا ہم نے تم کو قدرت دی' ملکیت دی۔ کم میں خطاب یا تو اہل مکہ سے ہے تو الارض سے مراد زمین حرم شریف ہے جہاں وہ امن و امان سے رہتے تھے اور جہاں گھر بیٹھے ان کو روزی پہنچ جاتی تھی حجاج کے ذریعہ۔ یا الارض سے مراد

یمن و شام کی زمین ہے جہاں وہ سردیوں گرمیوں میں سفر کو جاتے تھے وہاں ان کا بڑا ادب و احترام ہوتا تھا کہ یہ لوگ اہل حرمین تھے۔ وہاں سے نذرانے اور تجارت کے ذریعہ خوب سامان لاتے تھے مگر وہ لوگ اس عزت کو سنبھال نہ سکے اللہ کی نافرمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں رہے اس کا انجام دنیا نے دیکھ لیا کہ ابو جہل وغیرہ باوجود مکی ہونے کے کس طرح ذلیل و خوار ہو کر مرے یا کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور الارض سے مراد عام زمین کا ظاہری حصہ ہے۔ یہ تیسرے معنی قوی تر ہیں۔ خیال رہے کہ فرشتوں کی اصل جگہ آسمان ہے ان کا زمین پر آنا عارضی ہوتا ہے۔ جنات زمین کے سوراخوں تہ خانوں ویرانوں میں چھپے ہوئے رہتے ہیں' مچھلیاں وغیرہ پانی میں رہتی ہیں اور پانی زمین پر ہے تو بالواسطہ وہ بھی زمین میں ہیں' دوسرے جانور اگرچہ ظاہری زمین پر ہی رہتے ہیں مگر انہیں اس میں قرار نہیں نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ کسی چپہ زمین کے مالک ہوتے ہیں' ظاہری زمین پر ملکیت قبضہ رہائش تصرف صرف انسانوں ہی کو حاصل ہے ان وجوہ سے مکنا کم میں انسانوں سے خطاب فرمانا بالکل درست ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ ہم نے تم کو زمین میں اعمال نیک کا موقعہ دیا اور اعمال کے لئے اسباب عطا فرمائے تو مطلب یہ ہو گا کہ اعمال کی جگہ یہ زمین ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات نماز ملنے پر وہاں ہی نماز نہ پڑھی' عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ہیں وہاں نمازیں نہیں پڑھتے ہم لوگ قبروں میں جا کر نیک اعمال نہ کر سکیں گے نیز وہاں ہمارے پاس اعمال کے اسباب بھی نہ ہوں گے؟ زکوۃ' جہاد' تلاوت' روزہ' حج کے اسباب صرف اسی زمین پر ہیں جیسے پانی یا شورہ زمین یا پتھریلی زمین میں دانہ ڈالو تو پیدا نہیں ہوتا۔ کعبہ معظمہ دور سے لوگوں کی نمازیں درست کر دیتا ہے مگر حج کے لئے پاس بلاتا ہے کیونکہ نماز کی زمین ساری روئے زمین ہے مگر حج کی زمین صرف حرم کی زمین ہے۔ اس لئے یہ معنی بالکل درست ہوئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ انسان کا اصل مقام زمین ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صدیوں سے آسمان پر قیام فرمانا عارضی ہے اس لئے انہوں نے وہاں نہ مکان بنایا نہ بود و باش اختیار کی۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں آسمانوں پر جانا وہاں کی سیر فرمانا عارضی تھا' جیسے ہم ہوائی جہاز میں بیٹھ کر گھنٹوں فضا میں ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام بھی عارضی تھا وہ خلافت زمین ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے لہٰذا یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں خطاب مکلف انسانوں سے ہے جو اس جسم کے ساتھ ہیں اس جسم کا وطن یہ زمین ہے۔ رہی روح اس کا پچھلا وطن عالم ارواح تھا اور اگلا وطن جنت یا دوزخ ہے لہٰذا یہ تمام صورتیں اس فرمان عالی کے خلاف نہیں **وجعلنا لکم فیھا معایش** یہ عبارت معطوف ہے مکنا کم پر اس لئے واؤ عاطفہ ہے **جعلنا** بمعنی **خلقنا** ہے لکم میں لام نفع کا ہے **فیھا** میں ھا ضمیر زمین کی طرف ہے اور **معایش** جمع **معیشۃ** کی جس کی اصل ہے عیش بمعنی زندگانی **معیشۃ** کے معنی ہیں زندگی گزارنے کا سامان یا ذریعہ۔ معیشت کو روزی کو بھی کہتے ہیں کہ وہ زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں بھی لکم میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب کفار مکہ سے ہو اور **فیھا** سے مراد وہ زمین حرم شریف' تو مطلب یہ ہو گا کہ اے قریش مکہ ہم نے تمہارے لئے یہاں حرم شریف کی زمین میں جو بے آب و گیاہ ہے۔ روزیاں پیدا فرما دیں کہ تم کو یہاں ہی سامان زندگی عطا فرمایا دنیا کماتی ہے اور تم ان کی کمائیاں یہاں آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہو کہ زمانہ حج میں لوگ تم کو ہر قسم کا سامان زندگانی دے جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بقدر طاقت بندے پر بوجھ ڈالتا ہے' درختوں کو ان کی جگہ ہی روزی پہنچاتا ہے پانی کھاد وغیرہ چڑیوں کو اڑنے کی طاقت دی کمانے کی نہ دی۔ تو انہیں گھونسلے میں روزی نہ پہنچی کھیت میں کمایا ہوا رزق ملا یوں ہی جو انسان اپنے کو دین کے لئے

وقف کردے اسے بے گمان روزی پہنچتی ہے **ویرزقہ حیث لا یحتسب** چونکہ مکہ والوں پر خدمت 'بیت اللہ لازم تھی **ان طھرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود** اس لئے انہیں گھر بیٹھے روزی پہنچائی گئی جو عالم دین اپنے کو خدمت دین کے لئے وقف کردے تو دنیا اس کے پیچھے دوڑتی آتی ہے۔ مکہ والوں کے لئے کعبہ روزی کا ذریعہ ہے مدینہ والوں کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزی کا ذریعہ۔ مگر در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے روزی کا ذریعہ ہیں دوسرے یہ کہ **لکم** میں خطاب عام انسانوں سے ہو اور **فیھا** کی ضمیر مطلق زمین کی طرف ہو یعنی اے انسانو! ہم نے زمین میں تم کو روزیاں عطا فرمائیں کہ کھانے پینے 'پہننے 'مکان بنانے کا سامان زمین میں سے تم کو عطا فرمایا۔ زمین میں بظاہر مٹی کے سوا کچھ نہیں مگر ہر قسم کا رزق وہی ہم کو دیتی ہے۔ کروڑوں من گندم 'وغیرہ دے چکی کبھی نہیں کہتی کہ اب میں بوڑھی ہو گئی میرے پاس دانے پھل نہیں یوں ہی حضور اقدس بظاہر خالی ہاتھ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر دنیا بھر کو ایمان 'عرفان 'تقویٰ وغیرہ کی روحانی روزیاں دے رہے ہیں۔ نہیں کہتے کہ اب میرے پاس نہیں اور ہو سکتا ہے کہ **لکم** میں خطاب قریش مکہ سے ہو اور **فیھا** سے مراد ہو عام زمین یعنی اے مکہ والو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامان عیش پیدا فرمائے کہ تم جاڑے گرمیوں میں سفر کرتے ہو ہر جگہ تمہاری عزت ہوتی ہے لوگ تم کو ہر قسم کا سامان زندگی نذرانہ تحفہ کے طور پر دیتے ہیں ہر جگہ ڈکیتی ہوتی ہے تم اس سے محفوظ رہتے ہو (از روح البیان) غرضیکہ اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں رب تعالیٰ نے **مکنا** اور **جعلنا** فرما کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اسباب ہیں اور ہم مسبب الاسباب اسی لئے غذا ہوا پانی جب تک ہم چاہیں تب تک تمہارے لئے اسباب زندگی ہیں ورنہ یہی اسباب موت بن جاتے ہیں کہ اس ہوا پانی سے تمہاری موت واقع ہو جاتی ہے **قلیلا ما تشکرون** اب تک رب کی کرم نوازیوں کا ذکر تھا اب بندوں خصوصا" انسانوں کی ناشکری کا ذکر ہے یہاں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں بھی خطاب قریش مکہ سے ہو یعنی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں تم بہت کم شکر کرتے ہو تم پر نعمتیں زیادہ ہیں مگر تمہارا شکر تھوڑا ہے۔ حرم شریف کا جتنا احترام دوسرے لوگ کرتے ہیں تم نہیں کرتے۔ نیز یہاں سے جو دینی فائدہ دوسرے اٹھاتے ہیں تم نہیں اٹھاتے۔ تم نے ہی کعبہ میں بت رکھے تم نے زمین حرم میں زنا' شراب 'جوئے زندہ لڑکیوں کا دفن جاری کیا۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب عام لوگوں سے ہو۔ یعنی اے انسانو! تم بہت کم شکر کرتے ہو یا اس طرح کہ اکثر اوقات ناشکری کرتے ہو بہت کم وقت شکر یا اس طرح کہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں تم شکر بہت کم کرتے ہو یا دوسری مخلوق کے مقابلہ میں تم بہت کم شکر کرتے ہو گناہ زیادہ کرتے ہو نیکیاں کم۔ خیال رہے کہ **قلیلا ما** میں **ما** تنکیریہ ہے کمی کی زیادتی بتانے کے لئے **قلیل** معنی کم اور **قلیلا ما** کے معنی ہیں بہت ہی کم۔ واقعی انسان دوسری مخلوق کے مقابل بہت کم شکر ادا کرتا ہے' غرضیکہ یہ فرمان عالی یا تو شکایت ہے یا حکایت اگر شکایت ہے تو یا کفار عرب کی شکایت ہے یا عام انسانوں کی اگر حکایت ہے تو سب کی کہ جانور تمہارا دانہ پانی کھا پی کر تم پر اپنی طاقت استعمال نہیں کرتے بلکہ تمہارے اشاروں پر چلتے ہیں تم اللہ کی کروڑوں نعمتیں کھا کر شاکر نہیں بنتے۔ خدا بنے تو انسان جھوٹے نبی بنے تو انسان۔

خلاصہ تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں اگر قریش مکہ سے اس میں خطاب ہو تو کچھ اور ہی تفسیر ہے ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں اے انسانو! ہم نے تم پر احسان عظیم کیا کہ زمین میں تم کو رہنے سہنے کی جگہ بخشی تم کو یہاں ہر طرح کی قوت 'قدرت 'سہولت بخشی تم کو زمین کا حاکم و سلطان کیا تمہیں ہر طرح کے اعمال کرنے ' آخرت کا سامان جمع کرنے کا موقعہ دیا۔ یہ نعمتیں تمہارے سوا دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ جنات جانور اگرچہ زمین میں ہی رہتے

ہیں مگر زمین پر تمہاری طرح راج تصرف نہیں کرتے پھر تم کو زمین میں پیدا فرما کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسی زمین میں سے تم کو سامان زندگی بخشے کہ ہر قسم کے دانے پھل 'سونا' چاندی وغیرہ ساری زندگانی کی نعمتیں تم کو زمین سے ہی عطا فرمائیں۔ بعض چیزیں تم کو براہ راست ہم نے بخشیں بعض چیزیں تم نے کما کر حاصل کیں مگر یہ سب کچھ ہے ہماری عطا سے پھر تمہارا یہ حال ہے کہ تمام مخلوق میں بہت کم شکر کرنے والے تم ہو تم پر نعمتیں زیادہ ہیں مگر تمہاری شکر گزاری کم ہے۔ خیال رہے کہ ہم کو اکثر نعمتیں زمین سے ملتی ہیں اور بعض نعمتیں آسمان سے ملتی ہیں جیسے دھوپ بارش وغیرہ مگر یہ سب ملتی ہیں زمین ہی میں۔ ہم دھوپ یا بارش یا ہوا لینے فضا میں نہیں جاتے سب کچھ ہمیں گھر بیٹھے پہنچتا رہتا ہے لہٰذا فیہا معایش فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز اگرچہ جنات بھی گناہ و کفر کرتے ہیں مگر انسان ان سب سے زیادہ گناہ کرتا ہے دعویٰ خدائی کرتا ہے تو انسان جھوٹا ہی بنتا ہے تو انسان ہلاکت کے سامان بناتا ہے تو انسان لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ تم بہت کم شکر کرتے ہو 'اگر خطاب کفار قریش سے ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے ان پر اللہ کا فضل بڑا ہی رہا مگر ناشکری میں سب سے اول وہی رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا تو کفار عرب نے کعبہ معظمہ کو بت خانہ بنایا تو کفار عرب نے باہر کے لوگ کعبہ معظمہ پہنچ کر بہت کچھ کماتے تھے جن سے خود کفار مکہ محروم رہتے تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** انسان کی اصل جگہ زمین ہے یہاں ہی اس کا رہنا سہنا ہے یہاں ہی مرنا جینا یہ فائدہ **مکنا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جس کو مقدس زمین خصوصاً "حرم شریف میں رہنے سہنے کا موقعہ ملے اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی احسان ہے یہ فائدہ **مکنا کم فی الارض** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا دوسری جگہ رب تعالیٰ انصار مدینہ کے متعلق فرماتا ہے **تبوء الدار والایمان** ان لوگوں نے پہلے ہی سے اس شہر مدینہ میں اور ایمان میں گھر بنا لیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں پر احسان جتایا کہ ہم نے تم کو زمین مکہ میں سکونت بخشی اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی خوش نصیبی کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں گھر بنا لیا تھا۔ خیال رہے کہ تمام دنیا کے لوگ تو اپنے شہروں میں خود بستے ہیں مگر مکہ والے بسائے گئے ہیں' جناب خلیل اللہ نے انہیں بسایا رب **انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع** جسے خلیل بسائیں وہ اجڑ نہیں سکتا۔ **تیسرا فائدہ:** مقدس زمین میں پیدا ہونا بھی افضل ہے وہاں رہنا بھی افضل وہاں مرنا بھی بہتر ہے وہاں دفن ہونا بھی بہتر۔ یہ فائدہ بھی **مکنا کم فی الارض** کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعقوب علیہ السلام وفات کے قریب کنعان چلے گئے یوسف جیسے محبوب کو چھوڑ کر۔ کیوں نبیوں کی بستی میں دفن ہونے کے لئے۔ یوسف علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ میری نعش شریف میرے والد کی قبر کے پاس پہنچا دی جائے۔ **چوتھا فائدہ:** زمین کا درجہ آسمان سے زیادہ ہے کہ زمین ہی انسانوں خصوصاً "اللہ کے مقبولوں نبیوں ولیوں کی قیام گاہ ان کی آرام گاہ ان کی معیشت ان کی دفن گاہ ہے یہ فائدہ **فیہا معایش** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

زمین تو ہے شہیدان ناز کا مدفن رہے خیال کہ ان کا کفن نہ ہو میلا

پانچواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ دنیا میں عجز و انکسار اختیار کرے متکبر نہ بنے کیونکہ زمین کا باشندہ ہے مٹی میں عجز و انکسار ہے خاکی ہو کر افلاکی نہ بنے یہ فائدہ اشارۃ "**ولقد مکنا کم**" سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ زندگی کو غنیمت جانے اور جو نیکیاں کر سکتا ہے کرے پھر یہ موقعہ ہاتھ نہ آئے گا' یہ فائدہ بھی **مکنا کم فی الارض** کی ایک تفسیر سے حاصل

ہوا کہ ہم نے تم کو زمین میں اعمال کی قدرت اور اس کا موقعہ دیا۔ **ساتواں فائدہ:** زمین اللہ کی ہے ہم اس کے عارضی مالک اللہ جس کو چاہے اس کا مالک بنائے۔ یہ فائدہ **مکنا** فرمانے سے حاصل ہوا اگر انسان اس کا عقیدہ رکھے تو دنیا کے جاتے رہنے پر اسے غم نہ ہوا کرے اور جانکنی آسان بلکہ خوش گوار ہو کہ اس وقت اسے دنیا کے چھوٹنے کا غم نہ ہو اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خوشی ہو کہ اس کے لئے موت عید بلکہ شادی بن جائے۔ **آٹھواں فائدہ:** زمین مکہ اگرچہ قابل کاشت اور قابل پیداوار نہیں ہے مگر لوگوں کی رزق گاہ ہے کہ وہاں کے باشندے کبھی قحط سے نہیں مرتے اور دنیا بھر کے پھل وہاں پہنچتے ہیں جیساکہ وہاں کی منڈی میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **فیھا معایش** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **فیھا** سے مراد ہو زمین مکہ۔ حضرت خلیل نے دعا کی تھی **وارزق اھلہ من الثمرات** **نواں فائدہ:** کوئی شخص رب تعالیٰ کی نعمتوں کا کماحقہ' شکریہ ادا نہیں کر سکتا کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں کماحقہ اس کا شکر گزار ہوں' یہ فائدہ **قلیلا ما تشکرون** سے حاصل ہوا بلکہ ہم تو اس کی نعمتوں کو گن بھی نہیں سکتے فرماتا ہے **وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا**۔

گر برتن من زبان شود ہر مو — احسان ترا شمار نہ توانم کرد

یہ تو اس کی شان کریمی ہے کہ تھوڑے شکر پر نعمتیں اور زیادہ دیتا ہے **لئن شکرتم لازیدنکم** اللہ تعالیٰ اپنے شکر کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کے رہنے کی جگہ زمین ہے **ولقد مکنا کم فی الارض**۔ پھر تم یہ کیوں مانتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر رہتے ہیں تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے کہ جناب عیسیٰ صرف 30 سال تو زمین پر رہے اور دو ہزار سال آسمان پر۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی اور دو تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جناب آپ نو ماہ ماں کے پیٹ میں کیوں رہے آپ انسان ہیں اور انسان کی جگہ زمین ہے نہ کہ کسی کا پیٹ۔ آپ ہوائی جہاز اور بحری جہاز کے ذریعہ گھنٹوں بلکہ دنوں بلکہ مہینوں فضا اور سمندر میں کیسے رہ لیتے ہیں آپ کی جگہ زمین ہے نہ فضا نہ سمندر' یونس علیہ السلام بہت روز تک مچھلی کے پیٹ میں کیوں رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں عرش اعظم سے اوپر کیسے پہنچے ان بزرگوں کی جگہ زمین تھی نہ کہ مچھلی کا پیٹ نہ عرش اعظم۔ **جواب تحقیقی** پہلا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر یہ قیام عارضی ہے پھر زمین پر ہی تشریف لائیں گے اور یہاں ہی وفات پا کر دفن ہوں گے یہاں اس آیت میں اصل جگہ کا ذکر ہے وہ زمین ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں **اسکنا** نہیں فرمایا بلکہ **مکنا کم** فرمایا سکونت اور ہے مکنت کچھ اور۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر سکونت تو ہے مگر وہاں آپ کی مکانت نہیں۔ یعنی آپ نے نہ وہاں مکان بنایا ہے نہ وہاں شادی بیاہ کی نہ وہ جگہ آپ کا وطن بنی نہ وہاں آپ نے اپنی سلطنت وغیرہ قائم فرمائی۔ آج ہم اگرچہ پردیس میں برسوں رہیں مگر کہتے یہی ہیں کہ ہمارا مکان فلاں جگہ ہے رہتے سہتے یہاں ہیں رہنا اور مکان بنانا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** انسانوں کی طرح جنات' جانور بھی زمین ہی میں رہتے ہیں یہاں ہی کھاتے پیتے ہیں پھر خصوصیت سے انسانوں کا ذکر کیوں فرمایا کہ ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی۔ **جواب:** وہ سب اگرچہ رہتے سہتے زمین میں ہی ہیں مگر زمین کے استعمال پر قدرت اور کسی کو نہیں بخشی' یہ قدرت صرف انسانوں کو دی گئی دیکھو کسی جگہ نہ جنات کی سلطنت ہے نہ جانوروں کی صرف انسانوں کی ہے نیز کھیت باغ' بستیاں جنگلات زمین پر قبضہ اسے ہر طرح آباد کرنا بسانا یہاں ریل' موٹر دوڑانا ہوائی جہاز راکٹ اڑانا یہاں کی پیداوار

سے مشینری تیار کر کے اسے استعمال کرنا پہاڑوں کو جنگل میدان بنا دینا یہ صرف انسانوں ہی کا کام ہے خلیفۃ اللہ فی الارض صرف انسان ہی ہے اس لئے محنت اور قدرت صرف انسان ہی کی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تم کو زمین میں سے روزیاں دیں **وجعلنا لکم فیھا معایش** حالانکہ ہم کو دھوپ 'ہوا' بارش آسمان سے ملتی ہے یہ بھی تو روزیاں ہیں پھر یہ فرمان کیوں کر درست ہوا۔ **جواب:** یہ مذکورہ نعمتیں بھی ہم کو زمین ہی میں ملیں ہم انہیں حاصل کرنے آسمان یا فضایا سمندر میں نہیں گئے۔ اسی لئے یہاں **فیھا** ارشاد ہوا **منھا** نہ فرمایا گیا نیز یہ دھوپ ہوا بارش وغیرہ کے ذریعہ ہم کو زمین سے ہی روزیاں ملتی ہیں کہ ان کے ذریعہ دانے پھل وغیرہ پکتے ہیں جو ہم کھا کر جیتے عیش کرتے ہیں' صرف ہوا دھوپ بارش استعمال کر کے ہم نہیں جی سکتے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ زمین افضل ہے آسمان اور فضا اور پانی سے اس کی وجہ کیا ہے آسمان پر صرف نورانی فرشتے رہتے ہیں وہاں گناہ' کفر و شرک' گندگی وغیرہ نہیں زمین پر یہ سب ہیں ابو جہل وغیرہ زمین ہی میں رہتے چاہئے کہ وہ مقامات زمین سے افضل ہوں۔ **جواب:** قانون قدرت یہ ہے کہ جس چیز یا جس جگہ میں ہزار ہا خرابیاں گندگیاں ہوں مگر وہاں کسی مقبول بندے کا مقام یا گزر ہو تو وہ رب تعالیٰ ان خرابیوں پر نظر نہیں فرماتا اس بندے کی برکت سے اس جگہ کو مقبول فرما لیتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد** مجھے مکہ شہر کی قسم حالانکہ مکہ معظمہ میں کفار مشرکین 'کفر و شرک' گناہ سب ہی کچھ تھے مگر رب کی نظر اسی پر ہے کہ **وانت حل بھذا البلد** اس شہر میں تم تشریف فرما ہو' اسی لئے مکہ مدینہ بغداد اجمیر کو شریف کہا جاتا ہے اس قاعدہ سے زمین تمام جگہوں سے افضل ہے کیونکہ یہ انبیاء کرام خصوصاً "سید الانبیاء کا جائے مقام ہے لوگوں کے نیک اعمال کی جگہ ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ زمین میں تم کو اسباب دیئے دوسری آیت میں ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** تمہارا رزق آسمان میں ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں رزق کے کارخانہ کا ذکر ہے اس آیت میں رزق کے خزانہ کا ذکر ہے یعنی روزی بنتی ہے آسمان میں تم کو ملتی ہے زمین میں یا یوں کہو کہ تمام روزیاں تمہارے لئے روزی بنتی ہیں کب' جبکہ زمین کے ذریعہ تم کو پہنچیں۔ دھوپ بارش اگرچہ آسمان میں روزی ہے مگر یہ چیزیں جب زمین میں گریں تو تم کو پھل پھول دانے ملیں گے دیکھو پانی میں یہ چیزیں پڑیں تو وہاں بیج کھیت نہیں بنتے اسی طرح قرآن واعمال ہمارے لئے روحانی روزی ہیں مگر جب' جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو ملیں ان کے بغیر وسیلہ کے قرآن گمراہی دے گا **یضل بہ کثیرا" ویھدی بہ کثیرا** **چھٹا اعتراض:** جانوروں اور جنات کو بھی روزی' زمین ہی سے ملتی ہے پھر خصوصیت سے انسانوں کا یہاں ذکر کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا **وجعلنا لکم فیھا معایش**۔ **جواب:** جانوروں جنات کو زمین سے صرف ایک دو قسم کی روزیاں ملتی ہیں ہر قسم کی روزی صرف انسان ہی کو ملتی ہے وہ چیزیں صرف غذا پر گزارا کرتی ہیں ہم غذا لباس مکانات پھر غذا میں ہزار ہا قسم کے پھل فروٹ' وغیرہ ہمارے ہی لئے ہیں نیز یہ تمام غذائیں صرف انسانوں کے لئے ہیں' وہ جانور جنات انسان کی طفیل کچھ کھا پی لیتے ہیں برات کا سارا اہتمام دولہا کے لئے ہوتا ہے براتی طفیلی ہوتے ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** صرف قاعدے سے معائش ہمزہ سے ہونا چاہئے کیونکہ یہاں ہمزہ الف زائدہ کے بعد واقع ہے جیسے مصائب جمع مصیبت کی پھر یہاں معایش ی سے کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ معیشت کی ی اصلی ہے اور مصیبۃ کی ی زائد والف جمع کے بعد زائدہ ہمزہ بنتی ہے نہ کہ ی اصلیہ (تفسیر کبیر وغیرہ) جس قراۃ میں معائش ہمزہ سے ہے وہاں مصائب پر قیاس کر کے ہے۔

تفسیر صوفیانہ : لفظ تمکین بہت جامع ہے مالک کرنا' مسلط کرنا' قدرت دینا' اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں قدرت دی ہے کہ وہ ہر چیز کے اسباب جمع کرے دینی دنیاوی سعادت حاصل کرے' معرفت محبت طلب' سیر الی اللہ' وصال یار کی کوشش کرے۔ یہ چیزیں صرف انسان ہی کو عطا ہوئیں۔ اس لئے زمین کا خلیفہ صرف انسان بنایا گیا اور فرشتوں سے انسان ہی کو سجدہ کرایا گیا اس کا احسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو جتایا گیا کہ **ولقد مکنا کم فی الارض** یعنی ہم نے تم کو خلافت زمین سیر الی اللہ کے وہ موقعے بخشے جو تمہارے سوا کسی کو نہ بخشے نہ حیوانات کو نہ جنات کو نہ فرشتوں کو پھر اس کے علاوہ تم کو ہر قسم کی روزیاں عطا کیں۔ فرشتوں کو صرف روحانی روزی دی حیوانات کو صرف جسمانی روزی بخشی جنات کو صرف نفسانی روزی عطا کی' چونکہ تم ان تمام کا خلاصہ ہو لہذا تم کو یہ تمام روزیاں عطا فرمائیں **وجعلنا لکم فیها معایش** چنانچہ تمہارے جسم کی پرورش کے لئے حلال طیب روزیاں ہیں' مشہود جنانی روزی ہے کشوف سری روزی' وصال یار تمہارے خفی کی روزی ہے تم میں کم لوگ ہیں جو شکر کریں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کو رب کی طرف سے جاننا اولی شکریہ ہے اور جن نعمتوں کے اظہار کا حکم ہے ان کا اعلان کرنا دوسرا شکر ہے **واما بنعمة ربک فحدث**

نعمت بے است و شکر گزارندہ اندکیست گویندۂ سپاس الٰہی ز صدیک است

جو نعمت کی قدر نہ کرے اس کا شکر نہ گزارے اندیشہ ہے کہ نعمت اس سے چھن جائے اس کی دلیل بلعم باعور کا حال ہے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی بعض مخلوق آسمانوں میں رہتی ہے بعض فضا میں بعض پانی میں بعض ہوا میں مگر حضرت انسان کے لئے زمین منتخب فرمائی اپنی خلافت یہاں ہی قائم فرمائی کیونکہ مٹی میں عجز و انکسار ہے آگ پانی وغیرہ میں تکبر ہے لہذا خاک ہی میں باغ و کھیت ہوتے ہیں آگ یا پانی ہوا یا آسمان میں نہیں اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ اے انسان تو خاکی ہے تو خاک ہو کر رہ تاکہ تجھ میں عرفان و ایقان ولایت اور قرب الٰہی کے باغات لگیں جیسے زمین اللہ کو پیاری ہے اگرچہ وہاں کفار و کفر سب کچھ ہے کیونکہ اس میں نبی الانبیاء ہیں ایسے ہی اے انسان اگر تیرے دل میں نور خدا عشق رسول جلوہ گر ہو تو اگرچہ تو گنہگار ہو مگر خدا کو پیارا ہو گا رب تیرے گناہ کو نہیں دیکھے گا تیرے سینہ کے نور کو دیکھے گا' تیرے دل کے درد و عشق کو دیکھے گا۔ خیال رکھنا کہ تیرے دل میں سوائے اللہ رسول کے اور کچھ نہ رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس جانور کے تم مالک ہو جاؤ اس کی ہر طرح کی فکر تم رکھتے ہو اسے کوئی شکار نہیں کر سکتا تم اپنی مملوکہ زمین کو یوں ہی نہیں چھوڑتے اس میں کھیت باغ' مکانات بنا کر اسے آباد رکھتے ہو' تم اپنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں دے دو پھر تمہاری ہر فکر انہیں ہو گی تم شیطان کے شکار نہ ہو گے تمہارے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان عرفان رحمت رحمان کے ایسے باغ لگیں گے جن سے تم اور دوسرے فائدے اٹھائیں گے زمین ہماری ہے تمہاری مملوکہ ہوتی ہے تو تم باغ لگاتے ہو تم بندے ہمارے ہو' ملک بن جاؤ محمد مصطفیٰ کی تب تم میں باغ لگیں گے وہ اسے آباد کریں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُ

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورت بنائی ہم نے تمہاری پھر کہا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو

اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب

وَاِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ

پس سجدہ کیا انہوں نے سوا ابلیس کے نہ ہوا وہ سجدہ کرنیوالوں میں سے فرمایا رب نے کیا ہے وہ جس نے منع کیا تجھ
سجدہ میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے

اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾

کو یہ کہ نہ سجدہ کرے تو جبکہ حکم دیا ہے تجھ کو کہا اس نے میں اچھا ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے انہیں گارے سے
حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اس نے بلاواسطہ ہم کو عطا فرمائیں اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس نے ہم کو ہمارے دادا آدم علیہ السلام کے ذریعہ عطا فرمائیں یعنی اپنے دست قدرت سے انہیں بنایا پھر انہیں مسجود ملائکہ فرمایا گویا بلاواسطہ نعمتوں کا ذکر پہلے تھا اور بالواسطہ نعمتوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی دائمی نعمتوں کا ذکر تھا جو ہم کو ہمیشہ ملتی رہتی ہیں' زمین میں قیام' یہاں روزیوں کا ملنا اب اس نعمت خاص کا ذکر ہے جو ایک بار عطا ہو چکی مگر اس کا اثر اس کا چرچا ہمیشہ رہے گا۔ **تیسرا تعلق**: اللہ تعالیٰ نے اولاً ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو مومنوں کو قیامت میں ملیں گی نیکیوں کا پلہ بھاری ہونا اول درجہ کا کامیاب ہونا وغیرہ پھر موجودہ نعمتوں کا ذکر فرمایا زمین میں جگہ ملنا روزیاں ملنا اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو گزشتہ زمانہ میں ہم کو عطا ہو چکیں۔ گویا مستقبل اور حال کی نعمتوں کے بعد ماضی کی نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے' زمانے بھی تین ہیں اور رب تعالیٰ کی نعمتیں بھی تین قسم کی۔

تفسیر : **ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملئکۃ** اس جملہ کی چار تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ خلقناکم اور صورناکم دونوں جگہ لفظ "اب" پوشیدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تمہارے پہلے والد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' اور تمہارے ان والد کو صورت بخشی۔ اس صورت میں خلق کے معنی ہیں ان کی خلقت کا مادہ جمع فرمانا تمام جگہ کی مٹی اور ہر طرح کا پانی یعنی تمام قسم کی مٹی اور تمام پانیوں سے ان کا خمیر تیار کیا چونکہ باپ دادوں پر احسان اولاد پر احسان ہوتا ہے اس لئے **خلقناکم** فرمایا گیا جیسے رب موجودہ یہود سے فرماتا ہے **علیکم المن والسلوی** یا جیسے **واذ فرقنا بکم البحر** وغیرہ۔ امام حسن بصری وغیرہم کا یہ قول ہے چونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی شاندار ہے انہیں صورت بخشنا بھی شاندار اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا اگرچہ ساری مخلوق کا خالق رب ہی ہے چنانچہ (1) ہر قسم کی مٹی آپ میں جمع فرمائی گئی (2) ہر قسم کے پانی سے خمیر کی گئی۔ (3) آپ کا نقشہ صورت خود رب نے اپنے دست قدرت سے بنائی (4) آپ پیدائشی ساٹھ ہاتھ کے ہوئے' دوسروں کی طرح پہلے چھوٹے پھر بڑے نہ ہوئے۔ (5) آپ کو پیدائشی عالم بنایا **وعلم ادم الاسماء کلھا** (6) آپ کو پیدائشی عارف باللہ بنایا پھر آپ کو رب نے اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا یہی صورت خدا کو پیاری ہے فرماتا ہے **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** ان وجوہ سے آپ کی پیدائش آپ کی صورت گری کو بطور احسان بیان فرمایا۔ دوسرے یہ کہ خلقناکم میں تو الدیاب

پوشیدہ ہے مگر صورناکم میں کچھ پوشیدہ نہیں یعنی ہم نے تمہارے والد آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت میں تم سب کے نقشے امانت رکھے جو بعد میں چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں ان کے پیٹ سے نکالے گئے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں یہ قول مجاہد کا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان دونوں جگہ میں خطاب عام لوگوں سے ہے اور ثم ترتیب بیانی کے لئے ہے یعنی اے لوگو ہم نے تم سب کو تمہارے باپوں کی پیٹھوں میں پیدا کیا پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں صورت بخشی پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جناب آدم کو سجدہ کریں' اگرچہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کریم نے انسان کی پیدائش اور اس کی صورت گری میں بڑی شان دکھائی ہے کہ سارے جانور کچھ سمجھ بوجھ لے کر ماں کے پیٹ سے آتے ہیں مگر انسان بالکل ناسمجھ کہ سوائے رونے کے کچھ نہیں جانتا' مگر آگے چل کر جانور ناسمجھ ہوتے ہیں انسان عقل و دانائی میں سب سے بڑھ جاتا ہے بعض انسان فرشتوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **لقد خلقنا کم** نیز اس قدرت والے نے انسان کی صورت میں یہ کمال رکھا ہے کہ بالشت بھر چہرے میں کروڑوں نقشے ایسے بنے کہ کوئی دوسرے سے نہیں ملتا ورنہ کوئی پہچانا نہ جاتا۔ گھر میں ماں' بہن' بیوی پہچان میں نہ آتیں۔ چوتھے یہ کہ اس میں خطاب حضرت آدم اور ان کی اولاد سب سے ہے اس صورت میں خلق سے مراد ہے ان کی پیدائش کا فیصلہ فرمانا جو علم الٰہی میں پہلے ہی ہو چکا تھا اور صورت بنانے سے مراد ہے لوح محفوظ میں تفصیل وار ان کی صورتوں کا ذکر فرمانا یعنی اے آدم اور اولاد آدم ہم نے تمہاری پیدائش کا پہلے ہی فیصلہ فرمالیا تھا پھر لوح محفوظ میں اس علم کو تحریری صورت بخشی پھر اس کے بعد فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم دیا (تفسیر کبیر) تفسیر جلالین نے دوسری تفسیر اختیار کی اور تفسیر کبیر نے چوتھی تفسیر کو ترجیح دی' ظاہر یہ ہے **ملائکہ** سے مراد سارے ہی فرشتے ہیں کیونکہ قرآن میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی اس کی مفصل بحث سورہ بقر کی شروع میں گذر چکی وہاں ملاحظہ کرو **اسجدوا لادم** حق یہ ہے کہ سجدہ سے مراد نہ تو محض تعظیم ہے نہ سلام کرنا نہ رکوع کرنا بلکہ یہی مشہور سجدہ مراد ہے یعنی پیشانی زمین پر رکھنا کیونکہ دوسری جگہ **فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین** سجدہ میں گرنا جب ہی درست ہے۔ جبکہ یہی سجدہ مراد ہو اور یہ سجدہ تعظیمی تھا' خود آدم علیہ السلام ہی کو تھا یہ نہ تھا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہو اور آدم علیہ السلام کعبہ کی طرح صرف قبلہ ہوں ورنہ انی آدم ہو تا لادم نہ ہوتا نیز پھر شیطان اس سجدہ کا انکار نہ کرتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ ہمیشہ ہی سے کرتا تھا اس کی تحقیق اور مفصل بحث پارہ الم سورہ بقر کے شروع میں کی جاچکی ہے فرشتوں کا یہ سجدہ گویا حلف وفاداری تھا جو انہوں نے خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا۔ **فسجدوا الا ابلیس** یہ عبارت معطوف ہے **قلنا للملئکۃ** پر **سجدوا** کا فاعل سارے ہی فرشتے ہیں اور حق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سارے فرشتوں نے ایک سجدہ کیا اور ایک ساتھ کیا آگے پیچھے نہ کیا اور صرف ایک بار کیا آئندہ سجدہ نہیں کرتے رہے جیسا کہ **سجدوا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ ابلیس شیطان کا اصلی نام ہے مردود ہونے پر اس کا لقب شیطان ہوا ابلیس اور شیطان کے معنی اول سورہ بقر میں دیکھو۔ حق یہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جن ہے کیونکہ اسے قرآن مجید نے جن فرمایا ہے **کان من الجن** نیز اس کی پیدائش آگ سے ہے اور فرشتوں کی پیدائش نور سے اس نے کہا تھا **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** مگر چونکہ وہ فرشتوں میں رہتا تھا اس لئے اس کو بھی سجدہ کا حکم ہو گیا تھا یہاں تو فرمایا کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا آگے ارشاد ہے کہ وہ **لم یکن من الساجدین** سجدہ کرنے والوں کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوا اس طرح کہ اس حکم سجدہ کو برحق نہ جانا اس کو واجب نہ جانا۔ سجدہ نہ کرنا اور چیز ہے سجدہ کو فرض نہ جاننا' ساجدین کی جماعت سے نہ ہونا کچھ اور چیز ہے۔ لہذا

یہ عبارت مکرر نہیں **قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک** رب کا یہ فرمان بطور عتاب ہے کلام عتابانہ بھی ہوتا ہے محبوبانہ بھی کریمانہ بھی نبیوں سے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام و خطاب اور ہی قسم کا ہے۔ **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **ما** معنی **ای شی** ہے **الا تسجد** میں لا زائدہ ہے اور ان مصدریہ ہے **اذ** ظرفیہ ہے معنی یہ ہیں کہ جب ہم نے تم کو حکم دیا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا رب تعالیٰ کا یہ سوال فرمانا غضب کے اظہار کے لئے ہے نیز تاکہ وہ اس کا جواب دے اور مخلوق اس کے جواب سے عبرت پکڑے۔ کوئی شیطان آدمی یہ نہ کہہ سکے کہ شاید اس وقت شیطان بیمار ہو گا سجدہ میں جھک نہ سکتا ہو گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کا کلام بھی نقل فرمایا ہے تاکہ لوگ ایسا کلام کیا کریں اور مردودوں کی باتیں بھی نقل کی ہیں تاکہ لوگ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ یہ سوال رب کی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جنت کی سیر کے وقت حضرت جبریل سے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے یہ کس کا باغ ہے تاکہ لوگوں کو اس کا پتہ لگے۔ **قال انا خیر منہ** یہ ابلیس کا جواب ہے اس میں اس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے یعنی عقلی قانون یہ ہے کہ افضل کو مفضول سجدہ کرے نہ کہ افضل مفضول کو میں افضل ہوں اور آدم علیہ السلام مفضول ہیں پھر یا تو کوئی کسی کو سجدہ نہ کرے یا وہ مجھے سجدہ کریں اس نے اپنی فضیلت کی بہت دلیلیں اپنے دل میں سوچی تھیں کہ میں لاکھوں سال کا نمازی ' ساجد راکع ہوں ' انہوں نے ابھی ایک بھی عبادت نہیں کی میں عمر میں بڑا ہوں یہ چھوٹے کہ ابھی پیدا ہوئے مگر یہاں صرف ایک وجہ بیان کی وہ یہ کہ **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** میری پیدائش آگ سے ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل ہے اور جو افضل چیز سے پیدا ہو وہ بھی افضل ہوتا ہے ' نتیجہ یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر آدم علیہ السلام سے افضل ہوں ' میرے عارضی فضائل اور بہت ہیں۔ اس کی مفصل بحث پہلے پارہ میں گزر چکی ہے۔ خیال رہے کہ عمر میں بڑا ہونا افضلیت کا باعث ہوتا تو درخت ' گدھ ' سانپ انسان سے افضل ہوتے حالانکہ انسان افضل ہے اگر سجدوں رکوع کی زیادتی افضلیت کا باعث ہوتی تو فرشتے آدم علیہ السلام سے افضل ہوتے ' افضل وہ جسے اللہ افضل کرے نیز یہ بھی غلط ہے کہ ہمیشہ افضل کو مفضول سجدہ کرے کبھی مفضول کو افضل سجدہ کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل تھے مگر انہوں نے جناب یوسف کو سجدہ کیا نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ سے افضل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلق اللہ ہیں مگر ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کیا لہٰذا شیطان کے سارے مفروضہ قاعدے غلط تھے۔ شیطانی عقل ہمیشہ ایسی ہی ٹھوکر کھاتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے سجدہ آدم کا یہ واقعہ قرآن مجید میں سات جگہ بیان فرمایا۔ (1) سورۂ بقر میں (2) یہاں سورۂ مائدہ میں (3) سورۂ حجر میں (4) سورۂ بنی اسرائیل میں (5) سورۂ کہف میں (6) سورۂ طٰہٰ میں (7) سورۂ ص میں ' یہاں اس کا دوسرا موقعہ ہے۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ اے لوگو ہمارے انعام احسان یاد رکھو ہم وہ کریم و رحیم تمہارے محسن ہیں کہ ہم نے پہلے تو تم کو تمہارے باپوں کی پشت میں پیدا فرمایا تم کو وہاں الفتہ " محفوظ رکھا پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں رکھ کر تم کو مختلف صورتیں بخشیں یہ انعام تو تم پر تھے ہی تم یہ بھی سن لو کہ ہم نے تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر تمام نورانی مخلوق فرشتوں کو حکم دیا کہ تم میرے اس خلیفہ کو تعظیماً سجدہ کرو اس حکم کے پاتے ہی سارے فرشتے مقربین ہوں یا مدبرات امر

سارے کے سارے بیک وقت ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے مگر اس ہی نوری جماعت میں ایک ناری ابلیس بھی تھا اسے بھی سجدہ کا حکم تھا مگر وہ اکڑ گیا اس نے سجدہ نہ کیا رب تعالیٰ نے بطریق عتاب اس کی حد ظاہر فرمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ مردود جب ہم نے تجھ کو بھی سجدہ کا حکم دیا تو تجھے کس چیز نے سجدہ سے روکا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ وہ بولا کہ مولیٰ سجدہ تعظیمی کے لئے قانون یہ ہے کہ مسجود افضل ہو ساجد ادنیٰ مگر یہاں معاملہ بر عکس ہے کہ میں ذاتاً" صفاتاً" عملاً" ان آدم سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے تو آگ سے پیدا فرمایا اور انہیں خاک سے اور ظاہر یہ ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے کہ آگ نورانی ہے خاک ظلمانی لہٰذا میں ان سے افضل ہوں پھر میں انہیں سجدہ کیسے کر سکتا ہوں۔ خیال رہے کہ شیطان کو اس کی عقل نے اندھا کر دیا اس نے یہ نہ دیکھا کہ اگر یہ قاعدہ درست ہے تو فرشتے اس سے بھی افضل ہیں کہ وہ نور سے پیدا ہوئے جب وہ بغیر چون چرا سجدہ میں گر گئے تو مجھے بھی گر جانا چاہئے۔ نور نار سے بھی افضل ہے نیز اس نے یہ غلط کہا کہ آگ خاک سے افضل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خاک آگ سے افضل ہے، کئی وجہ سے ایک یہ کہ مٹی میں عجز و انکسار ہے آگ میں بڑائی و تکبر ہے اس لئے کھیت باغ مٹی میں لگتے ہیں آگ میں نہیں، دوسرے یہ کہ مٹی میں قرار ہے آگ میں تڑپ اور بے قراری ہے اس لئے اللہ کے بندے مٹی میں دفن ہوتے ہیں آگ میں نہیں تیسرے یہ کہ مٹی آباد کرتی ہے آگ برباد کرتی ہے جس گھر یا باغ یا کھیت میں آگ لگ جائے ختم کر دے۔ چوتھے یہ کہ مٹی میں امانت داری ہے آگ میں خیانت اس لئے دانہ مٹی میں دبا دو تو وہ اسے محفوظ رکھتی بلکہ بڑھاتی ہے آگ میں ڈال دو تو اسے فنا کرتی جلاتی ہے پانچویں یہ کہ مٹی آگ پر غالب ہے آگ مٹی سے مغلوب ہے اس لئے آگ کو خاک بجھاتی ہے فنا کر دیتی ہے مگر آگ مٹی کو فنا نہیں کر سکتی نہ اسے گلا سکتی ہے۔ چھٹے یہ کہ خاک میں بقا ہے آگ میں فنا اس لئے خاک پر شہر بستیاں آباد ہیں مگر آگ میں یہ کوئی چیز نہیں پھر یہ بھی خیال رہے کہ شیطان نے تیسری غلطی یہ کی کہ جو چیز افضل سے بنے وہ افضل ہے اور جو ادنیٰ سے بنے وہ ادنیٰ ہے رب تعالیٰ اعلیٰ سے ادنیٰ اور ادنیٰ سے اعلیٰ کو پیدا فرماتا ہے **یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی** ناپاک نطفہ سے انسان بناتا ہے اور پاک انسان سے ناپاک نطفہ اس مردود نے رب تعالیٰ کی قدرت کا اور پردہ انکار کیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تعظیم انبیاء کرام ایمان بلکہ سارے اعمال کی محافظ ہے اور توہین پیغمبر ایمان و اعمال کو برباد کرنے والی۔ دیکھو فرشتوں کے پاس بھی ایمان اور اعمال کے انبار تھے اور ابلیس کے پاس بھی۔ ایک سجدہ پیغمبر نے فرشتوں کے ایمان و اعمال کو محفوظ رکھا اور شیطان کی ہر چیز کو برباد کر دیا' نبی کی بے ادبی وہ آگ ہے جو ایمان و اعمال کے لہلہاتے چمن کو منٹوں میں فنا کر دیتی ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را خوار کرد! بلکہ ایں آفت ہمہ آفاق زد!

اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنے علم و اعمال پر نازاں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرتے ہیں دیکھو رب نے شیطان کو عالم' عامل' نمازی وغیرہ سب کچھ بنا کر اور اونچے سے نیچے گرا دیا تاکہ تاقیامت عالموں' صوفیوں' عاملوں' پیروں کے لئے ایک مثال قائم کر دی جائے کہ یہاں کا ادب کرو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا (اقبال)

دوسرا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال اپنی سیرت بھی اچھی رکھے اپنی پیاری صورت کی لاج رکھے جب رب نے اسے

صورت اچھی دی ہے تو اخلاق ' کردار بھی اچھے ہونے چاہئیں ' یہ فائدہ **صورنا کم** سے حاصل ہوا کہ رب نے انسان کو اپنی پسندیدہ صورت بخشی۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اپنی قدرتی شکل نہ بگاڑے ناک کان نہ کٹوائے۔ پوڈر سرخی نہ ملے 'داڑھی نہ منڈائے ناخن بلی کے سے نوک دار نہ بنائے کیونکہ ان سب میں شکل صورت کی تبدیلی ہے یہ فائدہ **صورنا کم** سے حاصل ہوا اگر داڑھی منڈانا اچھا ہوتا تو حضرات انبیاء کرام یہ کام کرتے مگر کسی نے نہ کیا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں دیکھو رحم میں بچہ کی شکل و صورت بنانا اس فرشتہ کا کام ہے جو اس کام پر مقرر ہے مگر رب نے فرمایا **ثم صورنا کم** ہم نے تم کو صورت بخشی۔ **پانچواں فائدہ:** حکم الٰہی کے مقابل قیاس کرنا عقلی ڈھکوسلے چلانا کفر و بے دینی ہے یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جس پر بے تامل عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **اذ امرتک** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی غیر نبی نبی سے افضل بلکہ نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کہے کہ فلاں بزرگ فلاح نبی سے افضل ہے یا اس کے برابر ہے وہ شیطان ہی کی طرح کافر ہے یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا دیکھو ابلیس عالم عامل پرانا عاشق سب کچھ تھا مگر اپنے کو آدم علیہ السلام سے افضل کہہ کر کچھ نہ رہا۔ **آٹھواں فائدہ:** نبوت کسبی چیز نہیں صرف عطاء الٰہی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے ابھی ایک سجدہ نہیں کیا تھا مگر نبی اور خلیفتہ اللہ ہوئے فرشتے اور ابلیس اتنی عبادات کے باوجود نہ نبی ہوئے نہ خلیفتہ اللہ۔ **نواں فائدہ:** گزشتہ انبیاء کرام کے زمانہ میں اللہ کے مقبول بندوں کو تعظیمی سجدہ کیا گیا ہے مگر سجدہ عبادت خدا کے سوا کبھی کسی کو نہیں کیا گیا کہ یہ شرک ہے اور شرک کسی دین میں جائز نہیں ہوا یہ فائدہ **اسجدوا لادم** کے لام سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا لادم اگر یہ سجدہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو الیٰ آدم ہوتا۔ **دسواں فائدہ:** جو عالم پیر یا بادشاہ وغیرہ اپنے کو کسی نبی سے افضل یا نبی کے برابر کہے یا سمجھے وہ ابلیس کی طرح راندہ درگاہ ہے یوں ہی جو کہے کہ غوث پاک یا علی مرتضیٰ یا فلاں بزرگ کسی نبی سے افضل یا برابر ہیں وہ مردود راندہ درگاہ ہے یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا غیر نبی کی عمر بھر کی نمازیں نبی کے ایک سجدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں نبی کی تو بڑی شان ہے تمام جہان کے اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچتے رب تعالیٰ ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے **لستن کاحد من النساء** حضرت مریم کے بارے میں فرماتا ہے **واصطفاک علی نساء العالمین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا ایک مد جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ یہ مسئلہ نہایت قوی دلائل سے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں مطالعہ فرماؤ اس گستاخی کی ابتداء ابلیس سے ہوئی۔ **گیارھواں فائدہ:** ابلیس نے اپنی بزرگی آدم علیہ السلام پر اپنے علم کی وجہ سے بیان نہ کی بلکہ اپنے ناری اور ان کے خاکی ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ علم میں تو مات کھا چکا تھا۔ علم اسماء میں اپنی کمتری معلوم کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ میرا علم حضرت آدم سے عشر عشیر بھی نہیں۔ اب جو شیطان کا علم آدم علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مانے وہ ابلیس سے بڑھ کر بے دین ہے 'واقعی قرن الشیطان بدتر از شیطان ہے۔ **بارھواں فائدہ:** ابلیس نہ تو خدا کا منکر دہریہ ہے نہ مشرک ہے کہ چند خالق مانے بلکہ پکا موحد ہے توحید کا قائل یہ فائدہ **خلقتنی من نار** سے حاصل ہوا کہ اس نے کہا کہ شر اور خیر سب کا خالق رب تعالیٰ ہے۔ شر وہ خود ہے اور خیر آدم علیہ السلام دونوں کا خالق اس نے اللہ تعالیٰ ہی کو مانا۔

پہلا اعتراض : رب تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے' سب کو صورت بخشی ہے پھر خصوصیت سے انسان کو کیوں خطاب فرمایا خلقنا کم ثم صورنا کم اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس کی حکمتیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں کہ آدم علیہ السلام بلکہ انسان کی پیدائش انسان کی صورت ساری مخلوق سے ممتاز ہے اس شان کی خلقت ایسی شان دار صورت کسی مخلوق کو حتی کہ فرشتوں کو بھی نہ ملی دیکھو تفسیر اسی لئے کفار دوزخ میں انسانی شکل پر نہ جائیں گے' مومنوں کی پیشانی سجدہ گاہ کو آگ نہ کھائے گی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعظیمی سجدہ اللہ کے مقبول بندوں کو کرنا بالکل جائز ہے' قرآن کریم سے ثابت ہے' دیکھو رب نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا یعقوب علیہ السلام ان کی زوجہ اور برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا سجدہ تعظیمی کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے اس کی حرمت کی کوئی آیت نہیں چند احادیث ہیں اور حدیث کے ذریعہ قرآن کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا' خصوصاً" جبکہ حدیث غیر متواتر ہو (بعض جاہل بے دین پیر)۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک تو الزامی ہے باقی جواب تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر ایسے بے دین پیروں کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں کو سجدہ کیا کریں اپنے کو ان سے سجدہ نہ کرایا کریں۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ نے سجدہ کیا یوسف علیہ السلام نے انہیں سجدہ نہیں کیا۔ پیر صاحب مثل والد کے' مریدین مثل اولاد کے چاہئے کہ والد صاحب اولاد کو سجدہ کریں نیز پیر صاحب اپنے آپ کو نورانی سمجھتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو نورانی مخلوق فرشتوں نے سجدہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی آیت سے یہ ثابت نہیں کہ سجدہ تعظیمی گزشتہ نبیوں کی شریعتوں میں جائز تھا۔ جب آدم علیہ السلام کو سجدہ ہوا ہے تب شریعت آئی ہی نہ تھی نیز فرشتوں پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے کسی آیت سے ثابت نہیں کہ آدم علیہ السلام کو کبھی انسانوں نے سجدہ کیا ہو' غرضیکہ یہ حکم شرعی نہ تھا' نیز یوسف علیہ السلام کو سجدہ صرف ایک بار ہوا ہے اس کے علاوہ کبھی کسی نے کسی کو سجدہ نہیں کیا اور یہ سجدہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لئے تھا حکم شرعی نہ تھا جیسے حضرت خلیل اللہ کا اپنے فرزند جناب اسماعیل کو ذبح کرنا ایک خواب کی تعبیر کے لئے تھا' شریعت ابراہیمی کا مسئلہ نہ تھا ورنہ تم بھی اپنے بیٹوں کو ذبح کیا کرو' دوسرا جواب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے کئی آیات منسوخ ہیں۔ حدیث سے اس کی تفصیل ہم ماننسخ من ایتہ اوننسھا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے دیکھو ابلیس نے قیاس کیا انا خیر منہ مردود ہو گیا پھر تم لوگ قیاس کو دلیل شرعی کیوں مانتے ہو۔ جواب: فرمان الہی کے خلاف اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا بے دینی ہے شرعی قیاس کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث سے ہے اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ تیسرا اعتراض: وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کو تھا' حضرت آدم علیہ السلام اس وقت اس سجدہ کا قبلہ بنا دیئے گئے تھے۔ جواب: یہ غلط ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ پھر الی آدم فرمایا جاتا نہ کہ لادم دوسرے یہ کہ پھر شیطان اس سجدے سے انکاری نہ ہوتا کیونکہ وہ اللہ کو سجدہ ہمیشہ آدم ہی کرتا تھا۔ چوتھا اعتراض: یہاں الا ابلیس کے بعد لم یکن من الساجدین کیوں فرمایا گیا یہ عبارت زائد ہے۔ جواب: ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا ہے کہ الا ابلیس میں اس کی بد عملی کا ذکر ہے اور لم یکن اس کی بد عقیدگی کا تذکرہ ہے یعنی اس نے سجدہ کیا بھی نہیں اور وہ سجدہ والوں سے ہوا بھی نہیں کہ اس سجدہ کو فرض جان لیتا لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ نیکی نہ کرنا اور بات ہے نیکوں میں سے نہ ہونا دوسری بات۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے فضائل بیان کرانا خیر کہنا برا ہے یہ شیطانی کام ہے مگر بعض اولیاء

حضرات انبیاء کرام بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل وکمالات بیان فرمائے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور ان میں فرق کیا ہے۔ جواب: ابلیس خیر نہ تھا بلکہ شر تھا انا خیر کہنا اس میں جھوٹ بھی تھا تکبر و غرور بھی۔ وہ حضرات واقعی خیر ہوتے ہیں لہذا وہ سچے ہیں نیز شیطان نے یہ فخریہ کہا وہ حضرات شکریہ کے طور پر کہتے ہیں نیز رب تعالیٰ کا اپنی صفات بیان فرمانا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے درجات بیان کرنا ہم کو ایمان دینے کے لئے ہے کہ ہم اللہ رسول کی یہ صفات مانیں اور مومن بنیں لہذا وہ تبلیغ ہے تکبر نہیں' ایک ہی بات کسی کے لئے کفر ہوتی ہے کسی کے لئے حرام کسی کے لئے جائز کسی کے لئے عبادت۔

تفسیر صوفیانہ : آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے دو عظمتیں بخشیں ایک جسمانی دوسری روحانی' جسمانی عظمت تو یہ کہ انہیں بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے بنایا جسم آدم خاص صنعت الٰہی ہے۔ خود فرماتا ہے **لما خلقت بیدی** اسی لئے آپ کا لقب بشر ہوا یعنی مباشرت بالید والی چیز (دستی کارگری) روحانی عظمت یہ کہ ان میں خاص اپنی روح پھونکی اس طرح کہ روح آدم پر اپنی خاص تجلی ڈالی پھر جسم آدم میں پھونکی خود فرماتا **و نفخت فیہ من روحی** لہذا آدم علیہ السلام ان خصوصیتوں کی وجہ سے تجلی الٰہی کے ایسے مظہر ہوئے جیسے مظہر نہ فرشتے تھے نہ دوسری مخلوق اس لئے وہ فرشتوں کے مسجود بننے کے مستحق ہوئے ابلیس اسی راز کو نہ پاسکا اس نے یہ دیکھا کہ آپ کس سے بنے یہ نہ دیکھا کہ آپ کیسے بنے اس نے یہ دیکھا کہ آپ یوں بنے یہ نہ دیکھا کہ آپ کیوں بنے اس لئے اس کی عقل چکر کھاگئی۔ حسد نے اسے اندھا کردیا اگر اس کے پاس حقیقت میں آنکھ ہوتی تو اسے رخسار آدم میں جلوۂ یار نظر آتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ز آدمی ابلیس صورت دید و بس غافل از معنی شد آں مردود خس

نیست صورت چشم را نیکو بمال تا بہ بینی شعشعے نور جلال

مٹی میں اخذ یعنی لے لینے کی قابلیت ہے آئینہ' پانی' دھوپ میں جو فوٹو کھنچے وہ اصل کے ہٹتے ہی مٹ جاتا ہے مگر دیوار وغیرہ یا مٹی وغیرہ پر جو نقش کھینچ دیا جائے وہ نہیں مٹتا' حضرت آدم پر رب نے اپنی تجلی ڈالی فطرت آدم نے اسے سنبھال لیا ابلیس یہ نہ سمجھ سکا (زروح البیان) ایسے ہی آج جو لوگ حضرات انبیاء کرام کو بشر بشر کہنے کی رٹ لگا رہے ہیں وہ ابلیس کی معنوی اولاد ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید پس ترا میراث آں سگ چوں رسید

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ضعیف معدہ طاقتور غذا ہضم نہیں کرسکتا یوں ہی اچھا آدمی عظمت و عزت برداشت نہیں کرسکتا ابلیس کو تھوڑی سی عزت دیدی گئی تو پکار اٹھا **انا خیر منہ** یہ تھی اس کی بدہضمی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت کا یہ عالم ہے کہ۔

بر در ش گیتی جبیں فرسودہ است خویشتن را عبدہ فرمودہ است

ان کی چوکھٹ پر دنیا پیشانی رگڑ رہی ہے مگر اپنے کو عبدہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ رتبہ دے تو قوت برداشت بھی دے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

رب نے فرمایا پس اتر جا تو اس سے پس نہیں ہوتا ہے واسطے تیرے یہ کہ تکبر کرے تو اس میں پس نکل جا تو بیشک

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ غرور کرے نکل تو ہے ذلت والوں

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

تو ذلیلوں میں سے ہے بولا مہلت دے تو مجھے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے رب نے فرمایا بے شک تو مہلت

میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

دیئے ہوؤں میں سے ہے۔

مہلت ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں یہ فرمایا گیا کہ ابلیس نے حکم الٰہی نہ مانا جناب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اب ان دو حرکتوں کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے کہ دنیا میں اسے کیا پھل ملا۔ گویا ابلیس کے جرم کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اس کے نتیجہ یا دنیاوی سزا کا ذکر ان آیات میں ہے اس کی اخروی سزا کا ذکر آگے آرہا ہے **لا ملئن منکم اجمعین** غرضیکہ یہ بتایا گیا کہ نبی کا دشمن دنیا میں بھی سزا پاتا ہے آخرت میں بھی اسے مرکر بھی چین نہیں ملتا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے دلائل کا ذکر تھا' جو اس نے اپنے سجدہ نہ کرنے پر قائم کئے اب رب تعالیٰ کے عتاب کا ذکر ہے کہ رب نے اس کو دلائل کا جواب نہ دیا بلکہ اس پر عتاب کیا تاکہ معلوم ہو کہ ہر دلیل کا جواب نہیں دیا جاتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے غرور و تکبر کا ذکر تھا اب تکبر کے انجام کا ذکر ہے یعنی ذلیل کر کے نکالا جانا تاکہ تاقیامت لوگ غرور کا انجام دیکھ لیں سن لیں۔

تفسیر: **قال فاهبط منها** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی کا ذکر ہے' جو شیطان کی مذکورہ بکواس کے جواب میں ارشاد ہوا **قال** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مگر اس میں گفتگو ہے کہ رب تعالیٰ نے براہ راست بلاواسطہ اس سے یہ کلام فرمایا یا کسی فرشتے کے ذریعہ۔ ظاہر یہ ہے کہ براہ راست ہی یہ کلام فرمایا کہ رب نے کہا ابلیس نے سنا مگر چونکہ یہ کلام عزت کا نہیں بلکہ ذلت و خواری کا ہے اس لئے اس کلام سے نہ ابلیس کی عزت نہ بڑھی نہ اسے کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ کا کلام فرمانا عزت و عظمت کا تھا لہٰذا اس کلام سے موسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی ہوئی اور وہ کلیم اللہ کے خطاب سے نوازے گئے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) غرضیکہ کلام بہت قسم کا ہے پیار کا' کاروبار کا' عزت و وقار کا' عذاب و قہر کا' موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا' عزت و وقار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں کلام فرمایا محبت و پیار کا' فرشتوں سے کلام ہوتا ہے ملکی انتظام و کاروبار کا ابلیس سے ان میں سے کوئی کلام نہیں ہوا۔ اس سے قہر و غضب کا ہوا' **فاهبط** میں ف ترتب کی ہے یعنی

چونکہ تیری اصلی بدذاتی آج ظاہر ہوئی لہٰذا تو اتر جا گویا اب تک تیری عزت تیرا عروج تیری ظاہری اطاعت کی وجہ سے تھا **اهبطنا** ہے **هبوط** سے جس کے معنی ہیں اوپر سے نیچے گرنا بلندی سے نیچے پھینکا جانا خواہ جگہ کی بلندی ہو یا درجہ اور رتبہ کی یہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے **منها** میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔ (1) اس سے مراد جنت ہے۔ (2) اس سے مراد آسمان ہیں۔ (3) اس سے مراد جماعت ملائکہ ہے ان تین صورتوں میں **هبوط** کے معنی ہیں اونچی جگہ سے گرنا دھکیلا جانا' اس سے مراد اس کا پچھلا درجہ اور قرب الٰہی ہے جو اسے اب تک میسر تھا' یا اس سے مراد اس کی شکل و صورت ہے کیونکہ اب تک وہ فرشتوں کی صورت میں تھا بڑا خوبصورت۔ ان دونوں صورتوں میں **هبوط** سے مراد ہے درجہ سے گرنا لہٰذا اس کی پانچ تفسیریں ہیں۔ (تفسیر کبیر و خازن معانی وغیرہ) خیال رہے کہ **فاهبط** امر عذاب ہے نہ کہ امر شرعی (روح البیان) **فما يكون لك ان تتكبر فيها** اس عبارت میں ابلیس کے نکالے جانے گرائے جانے کی وجہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہ **ف** تعلیلیہ ہے **لك** سے پہلے جائزا" یا لائقا" وغیرہ پوشیدہ ہے۔ **لك** فرما کر یہ بتایا کہ تجھ پر میرا احسان بہت زیادہ ہے کہ تو ناری تھا تجھے نوریوں میں رکھا' جنت میں رہنے سہنے کی اجازت دی عزت دی وقار دیا تجھ پر میرا شکر زیادہ لازم تھا تجھے تکبر لائق نہ تھا۔ **تتكبر** بنا ہے **تكبر** سے تکبر کے دو معنی ہیں۔ بہت ہی بڑا ہونا کہ اس کی بڑائی' عظمت خیال و گمان سے وراء ہو' دوسرے بڑا بننا کہ تو ہو چھوٹا مگر اپنے کو بڑا سمجھے بڑا ظاہر کرے پہلے معنی سے تکبیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تکبر اس کا نام ہے یعنی بہت ہی بڑا۔ دوسرے معنی مذموم ہیں وہی یہاں مراد ہیں' یہاں بھی **فيها** میں وہ احتمال ہیں جو **فاهبط منها** میں تھے۔ یعنی تجھے یہاں سے صرف سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نہیں نکالا جا رہا ہے کہ وہ تو محض ایک گناہ ہے بلکہ تیرے غرور و تکبر کی وجہ سے دھکے دے کر نکالا جا رہا ہے کیونکہ تکبر ہر جگہ ہی برا ہے مگر جنت میں رہ کر یا آسمانوں میں رہ کر یا فرشتوں کی جماعت میں رہ کر تکبر کرنا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ یہ جگہ متکبرین غرور والوں کی نہیں ان کی جگہ زمین ہے کہ وہاں کفار' فرعون' ہامان جیسے متکبرین بھی رہ سکیں گے یہاں متکبرین نہ رہ سکیں نہ آ سکیں (روح المعانی) وغیرہ **فاخرج انك من الصاغرين** اس عبارت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ **فاهبط منها** کی تاکید ہے یا تفسیر دوسرے یہ کہ یہ نیا جملہ ہے، پہلی صورت میں **اخرج** تفسیر ہے **اهبط** کی۔ یعنی تجھے صرف اتارا نہیں جا رہا ہے بلکہ نکالا بھی جا رہا ہے کہ نہ تو یہاں رہے نہ تجھے یہاں سے نسبت رہے۔ دوسرے یہ کہ یہ نئی عبارت ہے ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اس صورت میں نکلنے سے مراد ہے زمین سے بھی اسے نکالو' نہ کہیں رہے نہ بسے جزیروں پانی وغیرہ پر مارا مارا پھرے۔ دھوکہ دینے کے لئے زمین پر آ جایا کرے مگر اس کا ٹھکانہ کوئی نہ ہو' **صاغرين** بنا ہے **صغر** سے بمعنی چھوٹا ہونا خواہ عمر کا چھوٹا ہونا یا درجہ رتبہ کا' یا ذلیل و خوار ہونا۔ یعنی میرے بعض بندے عزت والے ہوں گے بعض ذلیل و خوار۔ عزت والے بندوں کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی کہ وہ اللہ کے نبیوں میں سے ہیں خلفاء زمین میں سے ہیں اور ذلت والوں کی ابتداء تجھ سے ہوئی کہ تو اور تیرے کنبہ والے کفار مشرکین متکبرین سارے ہی ذلیل ہیں لہٰذا **من الصاغرين** فرمانا بالکل درست ہے **قال انظرني الى يوم يبعثون**۔ ابلیس بدنصیب کی ایسی مت ماری گئی کہ معافی نہ مانگی بلکہ اور زیادہ گناہ کرنے کے لئے لمبی عمر مانگی۔ **قال** کا فاعل ابلیس ہے **انظر** بنا ہے انظار سے بمعنی مہلت دینا یہاں موت سے مہلت دینا مراد ہے۔ یعنی لمبی عمر **يبعثون** بنا ہے **بعث** سے بمعنی اٹھانا اس سے مراد ہے قیامت کا دوسرا نفخہ جب آدم اور ان کی اولاد زندہ کی جائے گی اس نے یہ اس لئے کہا تاکہ موت سے بچ جائے کیونکہ اسے پتہ تھا کہ موت صور کے پہلے نفخہ تک آئے گی دوسرے نفخہ پر موت کا وقت نکل چکا ہو گا پھر کسی کو موت نہ آئے گی۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ میں

سارے انسانوں کو بہکا سکوں آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی ساری اولاد سے لے سکوں۔ **قال انک من المنظرین** اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہمارے بعض بندے قیامت کے نفخہ اولیٰ تک زندہ رہیں گے جیسے فرشتے حضرت خضر الیاس بعض جنات۔ ان میں سے تو بھی ہے ہم نے پہلے سے ہی تیری عمر اتنی رکھی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی دعا کا جواب ہے کہ اچھا تیری بات منظور ہے ہم تجھے بھی ان بندوں کے زمرے میں داخل کئے دیتے ہیں جو نفخہ اول تک جئیں گے۔ **خیال** رہے کہ شیطان کو اتنی دراز مہلت دینے میں بہت حکمتیں ہیں۔ (1) اس میں بندوں خصوصاً انسانوں کا امتحان ہے۔ (2) اسی سے مخلص منافق بندگان خدا بندگان ہوئی میں چھانٹ ہے' (3) اس کے ذریعہ رب نے ابلیس کو اس کی گذشتہ عبادات کا بدلہ دے دیا کہ تو نے لمبی عمر عبادت کی تھی اب لمبی عمر دنیا میں رہ لے' (4) اس مہلت میں بھی شیطان پر اللہ کا غضب ہے کہ زیادہ لمبی عمر میں زیادہ گناہ کرے تمام کفار اشرار سے زیادہ گناہ اس کے ہوں' اس میں اپنے بندوں کو بتاتا ہے کہ دراز عمر اگر گناہوں میں گذرے تو وہ اللہ کی رحمت نہیں بلکہ اللہ کا عذاب ہے اسے یوم قرار تک مہلت دی تاکہ صاحب ابصار کو اعتبار و عبرت ہو۔ ہم شیطان کے پیدا فرمانے کی حکمتیں پارہ الم میں بیان کر چکے ہیں (روح البیان)۔

خلاصہ ء تفسیر : جب ابلیس کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس سے فرمایا کہ تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت سے یا آسمانوں سے نیچے گر کر زمین پر پہنچ۔ تجھے ان مبارک مجلسوں مبارک مقامات پر رہ کر غرور تکبر کرنا کسی طرح جائز نہ تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں یہاں متکبر لوگ نہ تو آ سکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں بلکہ تو ظاہری زمین سے بھی نکل جا ویرانوں' جزیروں' سمندروں میں رہ۔ ظاہر زمین اولاد آدم علیہ السلام کے لئے ہے یہاں تیرا چکر رہے گا یہاں مارا مارا پھرے گا ہر طرف سے لعنت و پھٹکار کھاتا رہے گا تو وہاں ذلیلوں حقیروں میں سے ایک ہو گا اس عتابانہ کلام کو سن کر اس اوندھی سمجھ والے نے معافی نہ مانگی بلکہ زیادہ جرم و قصور کرنے کے لئے لمبی عمر مانگی بولا اے مولیٰ مجھے قیامت کے دوسرے نفخہ تک مہلت دے جب موت کا وقت نکل چکا ہو' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری یہ دعا کچھ ترمیم سے منظور ہے کہ تجھے نفخہ اولیٰ تک مہلت ہے اس وقت قیامت تک رہنے والوں کو بھی موت آئے گی' اور تجھے بھی۔ **خیال** رہے کہ تکبر وہ عیب ہے جس کی وجہ سے انسان کسی سے فیض نہیں لے سکتا متکبر بڑی اعلیٰ سے اعلیٰ مجلس سے بھی محروم ہی رہتا ہے جب وہ دوسرے سے اپنے کو بڑا جانتا ہے تو اس سے فیض کیوں لے گا نیز تکبر سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے' سخت دل والا اللہ کی ہر رحمت سے محروم ہے سخت زمین میں پیداوار نہیں ہوتی ٹھنڈا سخت لوہا برزہ وغیرہ نہیں بنتا ٹھنڈا سخت سونا زیور نہیں بنتا سخت آٹا روٹی نہیں بنتا یونہی سخت دل انسان کچھ بھی نہیں بنتا تکبر ہر جگہ ہی برا ہے مگر مدینہ منورہ کی سرزمین میں زیادہ برا ہے اے مدینہ جانے والے اپنی ساری برائیاں اپنے گھر چھوڑ جا وہاں عجز اور ندامت لے کر جا۔ شیطان کے اس واقعہ سے عبرت پکڑ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں جہاں مردودیت سے پہلے شیطان رہتا یا آتا جاتا تھا یہ فائدہ **فاھبط منھا** سے حاصل ہوا اگر جنت پیدا نہ ہوئی ہوتی تو نکالا کہاں سے جاتا۔ **دوسرا فائدہ:** جنت اوپر ہے نیچے نہیں یہ فائدہ بھی **فاھبط منھا** سے حاصل ہوا اگر زمین پر ہوتی یا زمین کے نیچے تو اتارنا نہ فرمایا جاتا اوپر سے نیچے آنے کو اترنا یا گرنا کہا جاتا ہے۔ **خیال** رہے کہ مردودیت سے پہلے شیطان جنت کے میوے کھاتا پیتا

ہو گا۔ آدم علیہ السلام بھی وہاں یہ سب کچھ کھاتے پیتے تھے مگر وہاں حوروں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا رب فرماتا ہے **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** ان کو ہاتھ لگانا بعد قیامت ہو گا جب لوگ جزاء ثواب کے لئے وہاں داخل ہوں گے اور انہیں ان کے خاوند ہی ہاتھ لگائیں گے دوسرے نہیں' رب فرماتا ہے **وزوجناھم بحور عین** تیسرا فائدہ: جنت متکبرین حاسدین کی جگہ نہیں وہاں تو متواضعین صالحین کا گزارہ ہے اگر وہاں جانا ہے تو عجز و انکسار نیک اعمال اختیار کرو یہ فائدہ **ان تتکبر فیھا** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: ہر شخص کی ہر دلیل کا جواب نہیں دینا چاہئے بعض دلائل پر مقابل کو دھتکار دینا سنت الیہ ہے یہ فائدہ **فاخرج منھا** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے شیطان کی کسی دلیل یا اس کی دلیل کے کسی مقدمہ کا جواب نہ دیا بلکہ اسے نکل دیا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا بڑا غضب بندہ پر یہ ہے کہ اسے اچھی مجلسوں اچھی صحبتوں سے محروم کر دیا جائے اچھوں کے پاس سے نکال دیا جائے اگرچہ اس کے پاس مال کی فراوانی رہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے جب شیطان پر غضب فرمایا تو نہ تو اسے فوراً موت دیدی نہ اس کا کھانا پیتا مال کم کر دیا' اسے تمام زمینی خزانوں پر دسترس ہے اس کی طاقت اس کا علم اس کی قوت رفتار سب ویسی ہی رکھی جیسی پہلے تھی کہ فرماتا ہے **انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم**۔ سارے عالم پر لوگوں کی نیت ان کے ارادے پر مطلع ہر جائز ناجائز چیز سے واقف تھا اور ہے یہ سب چیزیں اس کی برقرار رکھیں بلکہ اسے دراز عمر دے دی گئی اسے اچھی صحبتوں اچھی مجلسوں اچھوں کی صحبتوں سے دور کر دیا' نیز اس کو توفیق خیر سے محروم کر دیا کہ اب اسے سجدہ سجود کی توفیق نہیں بلکہ لوگوں کو سجدوں سے روکتا ہے نیز اسے دل کے سکون' قلب کے چین سے محروم کر دیا اب سارے جہان کی فکر اس ایک کے دل میں ہے غرضیکہ اسے تین نعمتوں سے محروم کیا' اچھی صحبت' توفیق خیر' دل کا سکون' اس کا علم' مال' زندگی وہ سب ویسے ہی رکھی۔ چھٹا فائدہ: تکبر و غرور کا انجام ذلت و خواری ہے۔ یہ فائدہ **انک من الصاغرین** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: جب رب تعالیٰ کسی پر غضب کرتا ہے تو وہ دعائیں بھی الٹی ہی مانگتا ہے دیکھو اگر ابلیس اس موقعہ پر رب سے معافی مانگ لیتا تو وہ ارحم الراحمین شاید اسے معافی دے دیتا اس نے مانگی کیا چیز لمبی عمر تاکہ گناہ اور زیادہ کرے اپنا پیالہ خوب بھرے تاکہ زیادہ گہرا ڈوبے۔ آٹھواں فائدہ: کفار بلکہ شیطان کی دعا سے عمر دراز ہو سکتی ہے جیسا کہ **انک من المنظرین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا دیکھو شیطان کی دعا سے اسے لمبی عمر مل گئی۔ جب شیطان کی دعا سے اس کی عمر لمبی ہو گئی تو اگر آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو سال ہو جائے یا مقبول بندوں کی دعا سے لوگوں کی عمریں لمبی ہو جائیں ان کی تقدیریں بدل جائیں تو کیا مضائقہ ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

جو ہو ذوق یقین حاصل تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں	نگاہ مرد مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو	ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں!

نواں فائدہ: بعض بندے اللہ کے نزدیک ذلیل ہیں بعض عزت والے ذلیل لوگ شیطانی ٹولہ ہیں یہ فائدہ **انک من الصاغرین** سے حاصل ہوا کہ صاغرین جمع فرمایا گیا اور اس پر **من** تبعیضیہ لایا گیا۔ دسواں فائدہ: اللہ کے بعض بندے قیامت تک جائیں گی پہلے نفخہ پر مریں گے۔ یہ فائدہ **من المنظرین** سے حاصل ہوا کہ یہاں بھی منظرین جمع ارشاد ہوا اور اس پر من تبعیضیہ داخل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: ابلیس اللہ تعالیٰ کی ذات صفات قیامت وہاں کے اٹھنے رب کی قدرت وغیرہ سب چیزوں کا قائل ہے وہ مشرک نہیں پکا موحد ہے' صرف نبی اور مقبول بندوں کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ اس مردود کی اس دعا سے

حاصل ہوا۔ اس سے وہ گستاخ لوگ عبرت حاصل کریں جنہیں اپنی توحید، علم، و ظاہری اعمال پر ناز ہے۔ **بارھواں فائدہ:** اللہ کا کرم ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے دیکھو، ابلیس نے گناہ بلکہ بدترین جرم کیا جس پر وہ نکالا گیا، مگر نکلتے ہوئے رب سے دعا مانگی اور رب نے قبول فرمائی بندوں کو بھی چاہئے کہ غضب میں بھی کرم کا لحاظ رکھیں **تخلقوا باخلاق اللہ۔ تیرھواں فائدہ:** اچھی دعا مانگنا بھی رب کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے، ہم کو تو مانگنا بھی نہیں آتا دیکھو شیطان اگر اس وقت معافی مانگ لیتا تو ترجاتا مگر مانگا کیا درازی عمر اور اس میں گناہوں کی کثرت۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ سے ہم کلامی بڑی عزت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وجہ سے دوسرے نبیوں سے ممتاز ہوئے ان کا لقب کلیم اللہ ہوا تو چاہئے کہ ابلیس بھی بڑی عظمت والا ہو کہ اس سے بلاواسطہ رب نے کلام فرمایا۔ **جواب:** اولاً تو اس میں گفتگو ہے کہ ابلیس سے کلام خود رب تعالیٰ نے فرمایا یا بذریعہ فرشتے کے اس کو کہلوایا اگر فرشتے کے ذریعہ کہلوایا گیا ہو پھر تو کوئی سوال ہی نہیں اور اگر بلاواسطہ رب تعالیٰ ہی نے کلام فرمایا ہو تو یہ کلام غضب و قہر کا ہے رب سے ہمکلامی وہ عزت کا باعث ہے جو احترام و اکرام کے ساتھ ہو حاکم جس کو اپنے ہاں مہمان بلا کر اس سے محبت کا کلام کرے وہ معزز ہے اور جس مجرم کو بذریعہ پولیس پکڑا کر اسے سزا کا حکم سنائے وہ مجرم بدترین ذلیل ہے یہاں کلام دوسری قسم کا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فاھبط منھا** میں **ھا** ضمیر یا تو جنت کی طرف لوٹتی ہے یا فرشتوں کی جماعت کی طرف یا آسمانوں کی طرف مگر ان میں سے کسی چیز کا ذکر پہلے نہیں ہوا، جس کا ذکر نہ ہوا اس کی طرف ضمیر کیونکر رجوع کر سکتی ہے۔ **جواب:** اگر یہ ضمیر فرشتوں کی طرف ہے تو ان کا ذکر ہو چکا ہے **ثم قلنا للملئکۃ** اور اگر جنت یا آسمانوں کی طرف ہے تو یہ چیزیں اگرچہ مذکور نہیں مگر معلوم ہیں مرجع کا مذکور ہونا ضروری نہیں، معلوم ہونا ضروری ہے۔ معلوم ہونا قرائن سے بھی ہو جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** ان آیات میں شیطان کو دو حکم دیئے گئے ہیں ایک **فاھبط** اتر جا دوسرا **فاخرج** نکل جا اترنا کہاں سے ہوا تھا اور نکلنا کہاں سے۔ **جواب:** تفسیر خازن نے فرمایا کہ ابلیس پہلے آسمانوں یا جنت میں رہتا تھا زمین پر اس کا راج تھا **اھبط** فرمایا کہ آسمانوں یا جنت سے نکالا گیا اور **فاخرج** فرما کر زمین سے نکالا گیا اب وہ زمین میں چوروں ذلیلوں کی طرح پھرتا ہے یہاں رہتا نہیں، اور ہو سکتا ہے کہ **فاخرج** کے معنی یہ ہوں کہ ہماری بارگاہ عالیہ سے نکل یہاں سے ہٹ دور ہو جا یا **فاخرج** تاکید ہو **فاھبط** کی۔ **چوتھا اعتراض:** جب شیطان جنت اور آسمانوں اور جماعت ملائکہ سے نکالا جا چکا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے دھوکہ کیسے دیا وہ تو جنت میں رہتے تھے وہاں یہ کیسے پہنچا۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہم نے پہلے پارے میں دیدیئے ہیں وہاں دیکھو۔ اس حکم کے بعد شیطان کا وہاں رہنا سہنا عزت سے جانا آنا بند ہو گیا تھا، چوروں کی طرح ذلت و خواری سے پہنچ جانا بند نہیں ہوا تھا یا کہا جائے کہ ابلیس وسوسہ دور سے بھی ڈال دیتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ابلیس کی زیادتی عمر کی دعا قبول ہو گئی مگر قرآن مجید فرماتا ہے **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں دعا سے مراد ہے دوزخیوں کی چیخ و پکار اور ان کا دوزخ سے نکلنے کی دعا کرنا وہ قبول نہ ہو گی یہاں ابلیس کی دنیاوی دعا کا ذکر ہے اور اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ تو تو پہلے ہی سے مہلت دیا ہوا ہے پہلے ہی سے ہم نے تیری عمر لمبی مقرر کی ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** تقدیر بدلنا غیر ممکن ہے رب فرماتا ہے **اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** جب موت آنے پر ایک منٹ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو عمر کیسے بڑھ سکتی ہے علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن ہے۔ **جواب:** تقدیر میں

تبدیلی، عمر میں زیادتی کی ہوتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت آنے پر کوئی شخص اپنی طاقت و قوت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا لیکن اگر رب خود ہی تبدیل فرمائے تو وہ قادر ہے۔ خیال رہے کہ علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن ہے مگر حکم الٰہی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے چھوٹی عمر بھی رب کے حکم سے ہے اور عمر دراز ہونا بھی اس کے حکم سے ہماری بیماری بھی اس کے حکم سے ہے اور دوا سے صحت بھی اس کے حکم سے ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ تجھے جنت یا آسمانوں میں تکبر و غرور کرنا لائق نہ تھا **ان تتکبر فیھا** تو کیا دوسری جگہ تکبر کرنا ٹھیک ہے یہاں **فیھا** کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب:** تکبر کرنا خصوصاً حضرات انبیاء کرام پر تکبر کرنا ہر جگہ بہت ہی برا ہے مگر ان مقامات پر متکبر ٹھہر نہیں سکتا زمین پر متکبرین رہتے بستے ہیں اگرچہ گنہگار بلکہ کافر ہوتے ہیں، فرعون، ہامان، قارون نمرود وغیرہ بڑے متکبر تھے مگر زمین میں ہی رہے یہاں راج کرتے رہے۔ بہرحال یہ فرمان شیطان کے نکالے جانے کی ایک وجہ کا بیان ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین سے آسمان یا جنت افضل ہے کہ زمین پر متکبرین کفار بھی رہ سکتے ہیں وہاں صرف نوری جماعت ہی رہتی ہے وہاں ہر وقت عبادات ہی ہوتی ہیں کفر و گناہ کبھی نہیں ہوتے۔ **جواب:** نہیں بلکہ فی الحال زمین آسمان سے افضل ہے کہ یہاں حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ تشریف فرما ہیں مملکت الٰہیہ کا دار الخلافہ زمین ہے **انی جاعل فی الارض خلیفۃ**، حج، زیارت، جہاد زمین پر ہوتے ہیں، وہاں صرف سجدے سجود ہیں اگرچہ یہاں کفار بھی رہیں مگر ان محبوبوں، مقبولوں کے قدم نے زمین کو افضل کر دیا جیسے کعبہ معظمہ کی وجہ سے مکہ معظمہ عظمت والا شہر ہے اگرچہ وہاں ابوجہل، ابولہب کفار تھے اور بت پرستی وغیرہ سب کچھ تھی ہاں جب یہ حضرات جنت میں پہنچ جائیں گے اور زمین ان سے خالی ہو جائے گی تب جنت اس زمین سے افضل ہوگی جیسے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رہے تو وہ تمام شہروں سے افضل تھا مگر جب ان سرکار نے مدینہ منورہ اپنا ڈیرا لگا لیا تو مدینہ تمام شہروں سے افضل ہو گیا حتیٰ کہ امام مالک اور دوسرے عشاق کے نزدیک مکہ معظمہ سے بھی افضل ہو گیا اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

نواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **انک من المنظرین** یا **انک من الصاغرین** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے علاوہ اور لوگ بھی ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو بھی قیامت تک مہلت ہے وہ کون لوگ ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ سارے کفار سارے متکبرین ذلیل ہیں وہ شیطان کے ساتھی ہیں اور بہت سے بندے وہ ہیں جنہیں صور پھونکے جانے پر ہی موت آئے گی جیسے شیطان کی بعض ذریات غرضیکہ وہ اس میں اکیلا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اوپر چڑھنا مشکل ہے مگر اوپر سے گرنا بہت آسان۔ جسمانیات میں دیکھ لو کہ چھت پر سیڑھی کے ذریعہ بہت دیر میں چڑھتے ہیں مگر پاؤں پھسلتے ہی آنا "فانا" نیچے گر جاتے ہیں یوں غور کر لو کہ شیطان نے اپنا وہ پہلا مقام ہزار ہا سال کی عبادت کے بعد حاصل کیا تھا مگر اس کے سجدہ کے انکار سے وہ تمام بیکار ہو گئے اور بدترین ذلیل ترین بن گیا غافل موت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں عاقل موت کے طالب ہیں کہ وہ یار سے ملنے کا ذریعہ ہے۔

غافلاں از مرگ مہلت خواستند عاشقاں گفتند نے نے زود باد

شیطان مردود تو ہوا ہی تھا غافل بھی ہو گیا کہ زیادہ گناہوں کے لئے دراز عمر مانگی عمر خضری عمر عیسوی بھی دراز ہے مگر یہ درازی عمر

اللہ کی رحمت ہے۔ شیطان کی درازی عمر اللہ کا عذاب ہے کہ ان بزرگوں کی عمریں عجز و انکسار اور رب کی اطاعت میں گزر رہی ہیں اور اس مردود کی عمر تکبر اور نافرمانی میں مولانا فرماتے ہیں۔

علتی بدتر نہ پندار و کمال　　نیست اندر جانت اے مغرور وضال

ابو جعفر بغدادی فرماتے ہیں کہ چھ شخصوں کے لئے چھ باتیں بڑی بڑی علماء کے لئے طمع، حاکموں کے لئے جلدی، امیروں کے لئے بخل، فقیروں کے لئے تکبر، صوفیاء کے لئے کم عقلی، خاندانی بزرگوں کے لئے زیادہ لعن طعن یہ چیزیں وہ چھریاں ہیں جو ایمان کی رگ کاٹ دیتی ہیں، سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے اور شیطان کو حسد اور تکبر نے گمراہ کیا (از روح البیان) اگر شیطان بجائے درازی عمر مانگنے کے اپنے قصور کی معافی مانگ لیتا تو شاید معافی ہو جاتی، صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب کا بڑا عذاب بندے پر یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اس کی دستگیری نہ کرے اگر قیمتی گھوڑا ہو مگر مالک اس کی لگام چھوڑ دے تو وہ خود بھی ہلاک ہو گا سواریوں کو بھی ہلاک کرے گا، اعلیٰ درجہ کی کار ہو مگر ڈرائیور اس کی سٹیرنگ چھوڑ دے اس کو اپنے قبضے میں نہ رکھے تو کار تباہ ہو گی۔ یونہی اگر دل پر اللہ رسول کی نظر نہ رہے تو ہم بھی ہلاک ہو جائیں ہمارا انجام اہبوط ہو گا اب پڑھو فاہبط منہا ئیز فرماتے ہیں کہ حضرت خضر، الیاس، عیسیٰ علیہ السلام فرشتے ان سب کو لمبی عمر دی گئی وہ درازیٔ عمر رحمت ہے مگر شیطان کی لمبی عمر عذاب کہ شیطان کی زندگی حیاۃ الدنیا ہے یعنی حیاۃ للدنیا ہے ان کی زندگی للدنیا نہیں بلکہ للآخرہ یا للہ ہے اور فی الدنیا۔ جو کشتی کے ذریعہ دریا میں داخل ہو اس کے کپڑے تر نہیں ہوتے جو تیرتا ہوا داخل ہو وہ بھیگ تو جاتا ہے مگر نکل جاتا ہے جو اس میں ڈوب جائے وہ فنا ہو جاتا ہے دنیا دریا ہے حضرات اولیاء انبیاء شریعت کی کشتی کے ذریعے اس میں رہتے ہیں غافل لوگ خود تیرنا چاہتے ہیں تو اس سے تر ہو جاتے ہیں، کافر اس میں ڈوب کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابلیس اس آخری قسم کا ہے دنیا میں خار و غار بھی ہیں اور گل و گلزار بھی جو شریعت کے گیس طریقت کی لاٹھی کے ذریعہ احتیاط سے چلے گا وہ بخیرت گل و گلزار حاصل کر لے گا جو ان سے بے نیاز ہو گا وہ یا خار سے زخمی ہو گا، یا غار میں ہلاک یا پھسلن سے گرے گا شیطان اور اس کی ذریت اس کے متبعین اس تیسری قسم میں ہیں۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

بولا پس قسم ہے اس کی گمراہ کر دیا تو نے مجھ کو البتہ ضرور بیٹھوں گا میں ان کے لئے تیرے راستہ سیدھے پر پھر آؤں گا میں

بولا قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے رستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں انکے

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ

ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے سیدھی طرف سے

پاس آؤں گا ان کے آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ان کی الٹی طرف سے اور نہیں پائے گا تو بہت سوں کو ان میں سے شکر گزار

پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندھا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں شیطان کے لمبی عمر مانگنے کا ذکر تھا اب اس دعا کے مقصد کا ذکر ہے جو اس نے خود بیان کیا کہ میں اتنی دراز عمر توبہ، عبادت وغیرہ کے لئے نہیں مانگ رہا ہوں بلکہ لوگوں کو بہکانے گمراہ کرنے کے لئے مانگ رہا ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے گمراہ ہو جانے کا ذکر تھا اب اس کے گمراہ کرنے کا ذکر ہے گویا اس کی گمراہی کے بعد اس کی گمراہ گری کا ذکر ہے چونکہ گمراہ گری سے پہلے اپنی گمراہی ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے گمراہی کا ذکر ہوا پھر اس کی گمراہ گری کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ابلیس حضرت آدم کے ذریعہ گمراہ ہوا اور نکالا گیا اب اس کے بدلہ لینے کا ذکر ہے کہ وہ تاقیامت اولاد آدم سے بدلہ لے گا انسانوں کو چاہئے کہ اس سے ہوشیار رہیں۔

تفسیر : **قال فبما اغویتنی** یہ جملہ نیا ہے **قال** کا فاعل وہی ابلیس ہے اس نے رب تعالیٰ سے یہ عرض کیا۔ **قال** چار معنی میں آتا ہے فرمانا، عرض کرنا، کہنا، بکواس کرنا یہاں بمعنی بکواس کرنا ہے کیونکہ شیطان نے جو کچھ کہا، وہ بیہودہ بکواس ہی کی، خیال رہے کہ نبی کا بے ادب کبھی خدا تعالیٰ کا باادب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ شیطان پہلے حضرت آدم کی بے ادبی کر چکا تھا **قال انا خیر منہ** وہ بے ادبی سیڑھی تھی اس بے ادبی کی۔ نبی کا ادب سارے آداب کا مرکز ہے اسی طرح نبی کی بے ادبی ساری بے ادبیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ بے ادب قرآن نماز بلکہ ماں باپ کا بھی ادب نہیں کرتا۔ **فبما** میں **ف** ترتیب کی ہے کیونکہ یہ عبارت پچھلی عبارت پر مرتب ہے کہ جب رب نے اس سے وہ کچھ فرمایا جس کا ذکر ہوا تو شیطان نے کہا۔ **بما** کے متعلق چند قول ہیں ایک یہ کہ **ما استفہامیہ** ہے اور **اغویتنی** پر جملہ ختم ہے اور **لاقعدن** نیا جملہ ہے یعنی اے مولا تو نے **مجھے** کس وجہ سے **گمراہ کر دیا** میں نے تو کوئی گمراہی کی بات کی نہیں برا کام کیا نہیں میں تیرا ہمیشہ سے عابد اور تیری عبادت کرنے کو تیار ہوں (خازن) خلاصہ یہ ہے کہ میں بے قصور ہوں یہ تیرا مجھ پر ظلم ہے کہ تو نے بلاوجہ **مجھے گمراہ** کر دیا۔ یہ بے ادبی کی انتہا ہے رب پھر بھی اسے **مہلت دیتا** ہے انتہا درجہ کا حلم ہے دوسرے یہ کہ **بما** میں **ب** سببیہ ہے اور **ما** مصدریہ اور اس عبارت **کا تعلق اگلے جملہ لاقعدن** سے ہے یعنی تیرے مجھ کو گمراہ کرنے کی قسم یا تیرے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں اولاد آدم کو بہکاؤں گا' چاہئے تھا توبہ کرتا مگر **شامت نفس** نے الٹا اثر لیا۔ **اغویتنی** بنا ہے **غی** سے بمعنی فساد اہل عرب کہتے ہیں **غوی الفصیل** اونٹ کے بچہ کا معدہ **فاسد** ہو گیا اصطلاح میں بمعنی جہالت اور گمراہی بھی آتا ہے جیسے **ماضل صاحبکم وما غوی** اور بمعنی **نقصان و تکلیف** بھی جیسے **وعصی ادم ربہ فغوی** کبھی بمعنی عذاب بھی آتا ہے جیسے **سوف یلقون غیا** یہاں بمعنی گمراہی ہے **سیدنا عبداللہ ابن عباس** فرماتے ہیں کہ **اغویتنی** کے معنی ہیں تو نے مجھ میں گمراہی پیدا فرما دی یہ بات بالکل درست ہے کہ **خالق خیر و شر رب تعالیٰ ہے** فرماتا ہے **خالق کل شئی** بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تو نے **مجھے** گمراہ کر دیا یعنی گمراہی میں گرا دیا یہ معنی ہیں کہ تو نے **مجھے** نقصان میں ڈال دیا کہ ایک سجدہ نہ کرنے سے میرے سارے سجدہ برباد کر دیئے (تفسیر روح المعانی) **لا تعدن لہم صراطک المستقیم** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا جواب قسم جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا **اقعدن** کے معنی ہیں کہ میں ان کی تاک میں چوروں ڈاکوؤں کی طرح بیٹھوں گا' جب میرے داؤں میں آئیں گے ان پر حملہ کر دوں گا **لھم** کا مرجع اولاد آدم ہے جو آدم علیہ السلام کے ذکر سے معلوم ہو چکی ہے چونکہ یہاں گھات میں بیٹھنے بہکانے کی کوشش کرنے کا ذکر ہے اس لئے **ابلیس** نے کسی کا استثناء نہیں کیا کیونکہ وہ بہکانے کی کوشش سب کے لئے ہی کرتا ہے نبی ہو یا ولی یا کوئی اور مگر بہکا سکنا راہ سے ہٹا دینا اپنی کوشش

میں کامیاب ہو جاتا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **لا غوینهم اجمعین الا عبادک منهم المخلصین** سب کو بہکادوں گا سوا تیرے نیک خالص بندوں کے لہذا دونوں آیتوں میں تعارض نہیں۔ کیونکہ خاص مقبولین اس کے بہکانے میں نہیں آتے۔ صراط مستقیم سے مراد خدا رسی کا راستہ ہے یعنی دین اسلام ہر نبی جس کی تبلیغ فرمانے آئے یا جنت تک پہنچنے کا راستہ یعنی اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری۔ ابلیس پہلے تو عقائد حقہ کی راہ پر بیٹھتا ہے ایمان سے روکنے کے لئے اگر یہاں کامیاب نہ ہو تو عبادات کی راہ پر بیٹھتا ہے عبادات سے روکنے کے لئے (روح المعانی) غرضیکہ ہر گھات میں بیٹھتا تو دائمی ہو گا۔ خیال رہے کہ صراط مستقیم پر جیسے راہزنی کے لئے شیطان بیٹھا ہے ایسے ہی راہبری کے لئے وہاں جناب مصطفیٰ ان کے غلام خود رب کی رحمت بھی موجود ہیں۔ فرماتا ہے **انک لمن المرسلین، علی صراط مستقیم** اور فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** غرضیکہ وہاں حفاظتی چوکیاں بھی قائم ہیں رب نے ہم کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہے۔ **ثم لا تینهم من بین ایدیهم و من خلفهم و عن ایمانهم و عن شمائلهم** یہ اس کے حملہ کرنے کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جب میرے داؤں پر آجائیں گے تو ان پر چار طرف سے حملہ کروں گا آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر نیچے کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ اوپر سے اللہ کی رحمت مسلمانوں پر آتی ہے اس کا سلام آتا ہے سلام علیکم **انعم اللہ علیهم، انعمت علیهم** ادھر حفاظتی پہرہ ہے۔ زمین پر انسان سجدے کرتا ہے ادھر بھی حفاظت کا انتظام ہے (کبیر) یا اس لئے کہ اوپر نیچے سے دشمن آتا ہے ان چار طرفوں سے دوست بھی آتے ہیں ابلیس انسان کے پاس دوست کی شکل میں آتا ہے اس لئے ان طرفوں سے ہی آتا ہے (صاوی) خلاصہ یہ ہے اوپر نیچے کا ذکر یا تو اس لئے نہ کیا کہ نیچے بندے کی عاجزی و زاری آتی ہے اوپر سے رحمت باری آتی ہے یہ آنے جانے کے راستے اس چور سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ سامنے اور پیچھے کے لئے اس نے من بولا جو دوری نہیں چاہتا مگر دائے بائیں کے لئے عن بولا جو دوری پر دلالت کرتا ہے یعنی آگے پیچھے سے تو بہت قریب ہو کر ان کے پاس پہنچوں گا مگر دائیں بائیں کچھ دور رہ کر انہیں بہکاؤں گا کیونکہ ان دونوں طرف نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے رہتے ہیں۔ وہ فرشتوں سے بہت گھبراتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **عن الیمین وعن الشمال قعید** اس لئے ابلیس آگے پیچھے سے تو جھپٹ سکتا ہے مگر دائیں بائیں سے جھپٹ نہیں سکتا (کبیر) اس لئے ہم نماز میں جب سلام پھیرتے ہیں تو دائیں بائیں منہ پھر کر سلام کرتے ہیں دائیں طرف نیکیاں لکھنے والے فرشتے کو سلام کرتے ہیں بائیں طرف گناہ والے فرشتے کو من اور عن کہنے کی یہ وجہ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان چار لفظوں کی بہت ہی تفسیریں کی گئی ہیں جن میں سے ہم چند تفسیریں عرض کرتے ہیں (1) اس سے چار سمتیں ہی مراد ہیں کیونکہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ تو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں مگر ابلیس وقتاً فوقتاً انسان کے پاس آتا ہے ان چار سمتوں سے۔ (2) سامنے سے مراد ہے آخرت کہ وہ آرہی ہے پیچھے سے مراد ہے دنیا کہ وہ جارہی ہے یعنی انہیں آخرت سے غافل کروں گا یا میں راغب کروں گا ایمان سے مراد ہیں عبادات، شمائل سے مراد ہے گناہ یعنی عبادات میں سستی کراؤں گا گناہوں میں پھنساؤں گا (3) سامنے سے مراد ہے دنیا کہ وہ نقد ہے دیکھنے میں آرہی ہے پیچھے سے مراد ہے آخرت کہ وہ دنیا ختم ہونے پر آئے گی انہیں دنیا کا یقین دلاؤں گا آخرت کے متعلق مشکوک کر دوں گا ایمان سے مراد ہیں عقائد، شمائل سے مراد ہیں اعمال یعنی برے عقائد اور برے اعمال میں پھنساؤں گا (4) سامنے سے مراد ہے دنیا اور پیچھے سے مراد ہے آخرت یعنی میں ان کی نگاہوں میں دنیا کو آراستہ کر دوں گا اور آخرت کو بھیانک خوفناک دکھاؤں گا ایمان سے مراد ہے حق شمائل سے مراد ہے باطل۔ یعنی ان کی نگاہوں میں حق کو

باطل اور باطل کو حق کرکے دکھاؤں گا' نیک کاموں میں دیر کراؤں گا برے کاموں میں جلدی (تفسیر خازن)۔ 5 حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ میرے پاس شیطان چاروں طرف سے آتا ہے اور قرآن میری چاروں طرف سے رہبری کرتا ہے مجھے اس سے بچاتا ہے چنانچہ وہ میرے سامنے سے اس طرح آتا ہے کہ مت ڈر اللہ غفور رحیم ہے فوراً" مجھے قرآن سناتا ہے **وانی لغفار لمن تاب و امن وعمل صالحا** " کہ رب تعالیٰ واقعی غفار ہے مگر اس کے لئے جو توبہ کرے ایمان و اعمال صالحہ اختیار کرے اور میرے پیچھے سے شیطان اس طرح آتا ہے کہ مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو خیرات صدقات کرے گا تو تیرے بچے فقیر ہو جائیں گے ان کے لئے بچا مجھے قرآن سناتا ہے **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' شیطان میرے داہنے سے آتا ہے تو میری تعریف کرتا ہے تو بڑا عالم عاقل صوفی شیخ ہے قرآن میری ہدایت کرتا ہے **والعاقبۃ للمتقین** کہ اگر تو متقی نہیں تو کچھ بھی نہیں' پھر شیطان میرے بائیں طرف سے آتا ہے مجھے شہوات میں پھنساتا ہے قرآن فرماتا ہے **وحیل بینھم وبین ما یشتھون** (تفسیر کبیر) **ولا تجد اکثرھم شاکرین** شیطان نے اپنے متعلق خبر دینے کے بعد بارگاہ الٰہی میں انسانوں کا حال بیان کیا کہ میرے مولیٰ تو اکثر انسانوں کو شاکر نہ پائے گا کافر پائے گا۔ اس کی یہ بات بھی درست ہی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** یہ بات اس نے یا تو اپنے اندازے سے کہی یا لوح محفوظ سے دیکھ کر کیونکہ وہ لوح محفوظ دیکھا پڑھا کرتا تھا (تفسیر خازن) غرضیکہ انسان کمزور ہے شیطان دشمن قوی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ قوی و قادر رب تعالیٰ کی پناہ لے اپنے پر اعتماد بالکل نہ کرے رب تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی شر سے بچائے۔

خلاصہ ء تفسیر : جب شیطان نے اپنی درازی عمر اور لمبی مہلت معلوم کرلی تو بولا کہ میرے مولیٰ یہ بھی سن لے کہ میں نے یہ لمبی عمر تجھ سے کیوں مانگی ہے' توبہ کرنے یا نیک اعمال کرنے کے لئے نہیں۔ جو سجدے سجود کرنے تھے وہ تو میں کر چکا اب میرا کلٹا بدل گیا میں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تو نے مجھے گمراہ کردیا یعنی تیرے مجھے بہکا دینے کی قسم گویا میں تو اچھا تھا تو نے مجھے برا کردیا جن کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ مردود کرکے نکالا ہے میں اس کا بدلہ' ان کی اولاد سے تاقیامت لیتا رہوں گا کہ جو خدا رسی کا راستہ ہے اس پر میں گھات لگا کر بیٹھوں گا جسے اس راہ پر آتا دیکھوں گا اسے دائیں بائیں آگے پیچھے سے گھیر لوں گا کہ کسی کو آگے سے کسی کو پیچھے سے کسی کو دائیں طرف سے کسی کو بائیں طرف سے بہکاؤں گا' کسی کے پاس مولویوں کی شکل میں جاؤں گا کسی کے پاس صوفیوں پیروں کی صورت میں نمودار ہوں گا' کسی کے سامنے عیش و طرب پیش کروں گا کسی کے سامنے آفات و غم اگر ہو سکا تو ان کے عقائد بگاڑ دوں گا ورنہ فرائض سے روکوں گا اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو کم از کم سنت واجبات بلکہ مستحبات سے روکوں گا کسی کو قرآن دکھا کر بہکاؤں گا' کسی کو دنیا دکھا کر میرے مولیٰ تو دیکھ لینا کہ تیرے انسان اکثر کافر ہوں گے تھوڑے شاکر۔ یہ کمزور رہیں ان کا قوی دشمن ہوں مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ خیال رہے کہ شیطان نے اپنے جو ارادے ظاہر کئے اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے خبر جانتا ہے وہ تو رب تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے علم و قدرت کا یقین رکھتا ہے بلکہ یہ کہلوا دینا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس کے دل میں بدلہ لینے کا ایسا جوش پیدا فرما دیا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کر بیٹھا رب نے اس کا اعلان فرما دیا تاکہ سننے والے انسان اس کے ارادہ سے خبردار ہو کر اس سے محتاط رہیں اس کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دیں یہ رب کا کام ہے' ورنہ جیسے اس نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں آج بھی کہہ دیتا کہ میں اولاد آدم کا خادم خیر خواہ بن کر رہوں گا تاکہ لوگ دھوکہ کھا جاتے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مومن برائیوں کی اپنی طرف نسبت کرتا ہے اچھائیوں کی رب کی طرف۔ اس کے برعکس کافر خوبیوں کی اپنی طرف نسبت کرتا ہے برائیوں کی رب کی طرف۔ دیکھو شیطان نے کہا **بما اغویتنی** تونے مجھے گمراہ کیا یعنی میں تو ہدایت پر تھا گمراہ مجھے تونے کیا یہ اس کا کفر پر کفر ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** وہ خلیفۃ اللہ ہوئے۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی سچ بھی کفر ہو جاتا ہے دیکھو شیطان نے جو کہا **بما اغویتنی** بات درست تھی مگر بے ادبی تھی ذلیل کافر ہو گیا ہدایت و گمراہی کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما اغویتنی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** معتزلہ فرقہ ابلیس سے زیادہ احمق ہے کہ معتزلی اپنے برے اعمال کا خالق خود اپنے کو مانتا ہے شیطان نے کہا تھا کہ میرے بہکنے کا خالق تو ہے رب تعالیٰ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ تو نے غلط کہا اپنی گمراہی کا خالق خود تو ہی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ابلیس ہر اچھے برے عقیدے ہر اچھے برے عمل سے خبردار ہے حتی کہ مستحب اور مکروہ اعمال کو بھی جانتا ہے تب ہی تو وہ برے عقیدوں برے اعمال کی رغبت دیتا ہے اچھے عقیدوں اچھے اعمال سے روکتا ہے یہ فائدہ **صراطک المستقیم** سے حاصل ہوا کہ وہ سیدھے راستہ پر بیٹھا ہے ہر نیک عمل اچھا عقیدہ سیدھا راستہ ہے جس پر شیطان کی طرف سے رکاوٹ موجود ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ابلیس ہر شخص کی ہر نیت ہر ارادے سے ہر وقت خبردار ہے تب ہی تو وہ ہر شخص کو ہر نیکی بلکہ ہر نیک ارادے سے روکتا ہے اگر اسے ان چیزوں کی خبر ہی نہ ہو تو وہ روک کیسے سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **لاقعدن لھم صراطک المستقیم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ابلیس ہر وقت ہر شخص کے پاس پہنچ سکتا ہے بیک وقت کروڑوں جگہ تصرف کر سکتا ہے یہ فائدہ **ثم لاتینھم** سے حاصل ہوا کہ اتی صیغہ ہے واحد متکلم کا اور ھم ضمیر ہے جمع غائب کی اور اتین مضارع ہے یعنی میں اکیلا ان سب کے پاس پہنچار ہوں گا یہ معنی ہیں ہر جگہ حاضر کے اس لئے وہ بیک وقت کروڑوں کو بہکاتا ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے **انہ یرکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** ابلیس، اور اس کی ذریت تم سب کو دیکھتی ہے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ یہ معنی ہیں ناظر کے لہٰذا ابلیس حاضر ناظر ہے۔ **پھر خیال رہے** کہ جیسے دنیاوی حکومتیں رعایا کو چوروں ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے پولیس فوج رکھتی ہیں پھر پولیس کو ان کے مقابلہ میں نہتا نہیں رکھتیں بلکہ جس درجہ کا ڈاکو اس سے زیادہ طاقتور پولیس کو مقابلہ میں بھیجتی ہیں، حضرات اولیاء اللہ رب کی پولیس ہے ان کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ شیطان تو ہماری پیدائش موت تک ہم کو دیکھتا ہم سے باخبر رہتا ہے مگر وہ حضرات صدیوں بعد پیدا ہونے والوں کو دیکھتے اور موت تک ان کے اعمال سے نیتوں سے خبردار رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عمر وہ ہیں جن کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں بایزید بسطامی نے ابوالحسن خرقانی کے حالات ان کی پیدائش سے سو برس پہلے بتادیئے، رب کی پولیس شیطان سے زیادہ طاقتور ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ ڈاکو بندوقوں کارتوسوں سے لیس ہوں مگر حکومت پولیس کو لاٹھیاں دے کر بھیجے بلکہ ضروری ہے کہ اگر ڈاکوؤں کے پاس رائفلیں ہوں تو پولیس کے پاس گرنیڈ ہو۔ **ساتواں فائدہ:** یہ تمام تصور، ہر جگہ حاضر ناظر ہونا ہر ایک کی ہر وقت خبر رکھنا جب یہ قوتیں اللہ نے ابلیس کو دی ہیں بہکانے کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام جو خلق کے ہادی ہیں ان میں یہ صفات بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئیں ہدایت دینے کے لئے تاکہ دوا کی طاقت مرض کی طاقت سے زیادہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا **لقد جاء کم رسول** اور فرمایا **ابعث فیھم رسولا** اور فرمایا **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** ان آیتوں میں جاء بھی واحد ہے اور کم جمع یعنی تم سب کے پاس رسول اللہ تشریف لائے۔

آٹھواں فائدہ: ابلیس بیک وقت ہر سمت سے ہر شخص کے پاس پہنچ سکتا ہے وہ کسی سمت کا پابند نہیں۔ یہ فائدہ من بین ایدیھم سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: ابلیس دراصل انسانوں کا دشمن ہے اگر بعض جنات ایمان قبول کرلیں تو ان کا دشمن ہو جاتا ہے کہ انہوں نے انسانوں کے سے کام کیوں کئے حور و غلمان کا دشمن نہیں وہ تو آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی اولاد سے لے رہا ہے یہ فائدہ لا تینھم سے حاصل ہوا کیونکہ ھم کی ضمیر انسانوں یعنی اولاد آدم کی طرف ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو علم غیب بخشا ہے دیکھو اس نے قیامت تک کے انسانوں کے متعلق کہا لا تجد اکثرھم شاکرین اور بالکل سچ کہا واقعی تھوڑے انسان شاکر ہیں' بہت سے کافر ہیں۔ رب فرماتا ہے وقلیل من عبادی الشکور جب شیطان کو عطا علم غیب ہوئی تو مقبول بندوں کے لئے علم غیب کی عطا ماننا شرک کیسے ہو سکتا ہے۔ گیارھواں فائدہ: تقیہ کرنا بد ترین جرم ہے دیکھو شیطان نے رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقیہ نہیں کیا بلکہ جو اس نے کرنا تھا وہی صاف صاف کہہ دیا۔ بارھواں فائدہ: اللہ کے نیک بندوں کا قرب شیطان سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے دیکھو ابلیس ہمارے دائیں بائیں سمت سے ہم سے قریب نہیں ہوتا دور رہ کر ہم کو بہکاتا ہے کیونکہ ادھر فرشتے موجود ہیں یہ فائدہ عن ایمانھم اور عن شمائلھم میں عن فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں تفصیل سے عرض کر دیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا سب کو گمراہ کرنے والا ابلیس ہے اور ابلیس کو گمراہ کرنے والا رب ہے تو سب کی گمراہی کی ذمہ داری رب تعالیٰ پر ہونی چاہئے دیکھو فرمایا گیا اغویتنی (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: اس بیہودہ اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں بھی گزر گیا اور پارہ الم میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا کہ برائی کی رغبت دینا برا ہے یہ کام شیطان کا ہے اور برائی پیدا فرمانا اچھا ہے اس میں لاکھوں حکمتیں ہیں ہر کام رب تعالیٰ کا ہے چھری چاقو بنانا اچھا ہے مگر اس سے کسی کو ظلماً قتل کرنا برا ہے۔ اغویتنی کے معنی ہیں کہ تو نے مجھ میں گمراہی پیدا کی اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ تو نے مجھے رغبت دے کر گمراہ کیا تو یہ شیطان کی بکواس ہے۔ رب نے شیطان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جو ہدایت ہی ہدایت تھا سجدہ نہ کرنا اس کی اپنی حرکت تھی اس نہ کرنے سے وہ گمراہ ہوا۔ دوسرا اعتراض: شیطان دوزخ کی طرف بلاتا ہے تو چاہئے کہ ٹیڑھے راستے پر بیٹھے سیدھے راستہ پر کیوں بیٹھتا ہے یہ تو جنتیوں کا راستہ ہے۔ جواب: تین وجہوں سے ایک یہ کہ ادھر آنے والوں کو وہ یہاں سے ہٹانے اور ٹیڑھے پر پہنچانے کی کوشش کرتا ہے' دوزخیوں کو صرف ٹیڑھے راہ پر جماتا ہے جمانا آسان ہے ہٹانا مشکل ہے اس لئے وہ مشکل مقام پر بیٹھتا ہے دوسرے یہ کہ اسی راستہ پر اللہ کی قائم کردہ حفاظتی چوکیاں محافظین بندے رہتے ہیں حضرات انبیاء' اولیاء' کیونکہ یہ رب کا قائم کردہ راستہ ہے ٹیڑھے راستوں پر یہ کچھ نہیں اس لئے یہ بھی وہاں ہی رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ شیطان گویا ڈاکو ہے ڈاکو وہاں ہی رہتا ہے جہاں سے مال والے لوگ گزرتے ہوں ایمان والے اعمال والے عرفان والے تقویٰ والے لوگ یہاں سے ہی گزرتے ہیں اس لئے وہ یہاں ہی رہتا ہے ٹیڑھے راستے والوں کے پاس ہوتا ہی کچھ نہیں ان سے کیا چھینے تیسرا اعتراض: جب شیطان صاف صاف کہہ رہا تھا کہ میں قیامت تک یہ حرکتیں کروں گا تو اسے رب نے اس وقت ہلاک کیوں نہ کر دیا نہ شیطان رہتا نہ دنیا میں کفر و گناہ ہوتے۔ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ شیطان اپنی درازی عمر کا رب سے پہلے ہی وعدہ لے چکا تھا' اور وعدہ خلافی عیب۔ دوسرے یہ کہ ارادہ الٰہی یہی تھا کہ شیطان دنیا میں رہے اسی کی وجہ سے ہزار ہا عبادتیں ریاضتیں ہوں گی جو اس کی وجہ سے حضرات انبیاء و اولیاء' متبعین کریں گے۔ دنیا کی بقا جوڑ توڑ پر ہے بھوک پیدا کی

اس کی توڑ کے لئے رزق بنائے' پیاس پیدا کی توڑ کے لئے پانی بنایا بیماریاں پیدا کیں توڑ کے لئے دوائیں حکیم بنائے شیطان پیدا کیا اس کی توڑ کے لئے قرآنی احکام انبیاء رسل بھیجے۔ نیز شیطان ہی کی وجہ سے عادت و عبادت میں فرق ہے' جو کام انسان بغیر رکاوٹ طبعی تقاضے سے کرے وہ عادت جو رکاوٹ ہوتے ہوئے خلاف طبع کام رضاء الٰہی کے لئے ہو وہ عبادت ہے ثواب عادت کا نہیں عبادت کا ملتا ہے فرشتوں کے رکوع سجود پر ثواب نہیں کہ وہ عادات ہیں دن میں ترک غذا عبادت ہے کہ روزہ ہے رات میں یہ چیز چھوڑنا عبادت نہیں عادت ہے اس پر ثواب کوئی نہیں' نیز شیطان کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام کی طاقت و قوت کا ظہور ہے' بغیر مقابل کوئی چیز نہیں پہچانی جاتی' شیطان کی پیدائش کی حکمتیں ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' محض برائیاں دوزخ ہی میں ہیں۔ اور محض خوبیاں جنت میں دنیا جنت دوزخ کمانے کی جگہ ہے یہاں دونوں کے تخم موجود ہونے چاہئیں۔ چوتھا اعتراض: پھر تو شیطان اللہ تعالیٰ سے زیادہ قوی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سارے بندے نیک ہوں مگر اس کی نہیں چلتی شیطان کی چلتی ہے کہ بہت کافر ہو جاتے ہیں' تھوڑے شاکر (ہندو آریہ)۔ جواب: ان جیسے بیہودہ اعتراضات کے جواب تفصیل کے ساتھ ہم پہلے پارے میں دے چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کا ایمان پسند کرتا ہے اس کا ارادہ نہیں کرتا ارادہ الٰہی یہی ہے کہ جنت بھی بھرے دوزخ بھی۔ رضا' ارادہ' امر' حکم ان سب میں بہت فرق ہے۔ جس کے جنتی ہونے کا ارادہ رب تعالیٰ کرے اسے شیطان کا باپ بھی نہیں بہکا سکتا' جیسے حضرات انبیاء خاص اولیاء یا وہ جن پر ان کی نظر ہو۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم — الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

تفسیر صوفیانہ: شیطان انسان کے پاس چار طرف سے آتا ہے آگے سے اس طرح کہ انسان اپنے متقدین مقبولوں میں طعن کرتا ہے کہ صحابہ میں کیا تھا۔ نبیوں میں کوئی کمال نہیں ہم اور نبی برابر ہیں یہ شیطان کا پہلا حملہ ہے پھر پیچھے سے آتا ہے کہ موجودہ مشائخ و علماء میں انسان طعن کرتا ہے کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں انہوں نے دکانداریاں کر رکھی ہیں ان کے احوال و افعال اقوال کو بری نیت سے دیکھتا ہے اگر ان میں سے کہیں کامیاب ہو گیا تو بس وہ خوش ہو جاتا ہے لیکن اگر یہاں دونوں جگہ ناکام رہے تو پھر دائیں طرف سے آتا ہے کہ انسان اپنے کو بہت اچھا سب سے اونچا سمجھتا ہے کہ مجھ میں یہ خوبی مجھ میں یہ کمال۔ گزشتہ دونوں جرم کفر تھے یہ جرم کبر و غرور ہیں اگر یہاں ناکام ہو گیا تو پھر بائیں طرف سے حملہ کرتا ہے کہ انسان اپنے برے کاموں کو اچھا اور دوسروں کے اچھے کاموں کو برا سمجھنے لگتا ہے شیطان کے یہ چار حملے ہیں اے انسان خبردار رہ' غرضیکہ جن وجہ سے شیطان مردود ہوا' وہی وجوہ وہ لوگوں میں پیدا کرتا ہے یعنی بزرگوں سے ہمسری کا دعویٰ اور اچھی صحبتوں سے دوری جب بکری اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے تو بھیڑیا اسے بہ آسانی شکار کر لیتا ہے جب دائیں بائیں فرشتوں کی موجودگی کی وجہ سے شیطان ان سمتوں میں ہم سے قریب نہیں ہوتا جیسا کہ **عن ایمانہم** میں **عن** فرمانے سے معلوم ہوا تو اگر مومن کے دل میں نور محمدی جلوہ گر ہو جائے اور مومن کے سر پر قدم مصطفوی رکھا جائے تو ان شاء اللہ شیطان سے ہر طرح امان میں ہو جائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اے انسان شرم کر تو نے دشمن سے رشتہ جوڑا ہے' یعنی شیطان سے اور دوست سے رشتہ توڑا یعنی رحمان اور رحمان کے مقبولوں سے۔

چو ملعون پسند آمدش قہر ما — خدایش برانداخت از بہر ما
کجا سر برآریم ازیں عار و ننگ — کہ با او مروت و با حق بہ جنگ (از روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں اگر روشنی کسی سمت سے واقع ہو تو اس کا آدھا حصہ روشن ہوتا ہے آدھا تاریک رہتا ہے اس لئے اس کا سایہ پڑتا ہے لیکن اگر روشنی اوپر سے پڑے تو ہر سمت منور ہو جاتی ہے اور سایہ نہیں پڑتا فرشتے دائیں بائیں رہتے ہیں لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی ہمارے سروں پر پڑتی ہے تو شیطان کی پھر گذر کہاں رب تعالیٰ وہ تجلی نصیب کرے **قد جاء کم من اللہ نور**' چور اندھیرے میں آتا ہے' روشنی میں نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ بیٹھنا بہت قسم کا ہوتا ہے کام کے لئے بیٹھنا' محبت کے لئے بیٹھنا' عداوت کی بناء پر لڑنے کے لئے بیٹھنا' دیکھنے کے لئے گھات میں تاک لگا کر بیٹھنا شیطان کا یہ بیٹھنا آخری قسم کا ہے گھات لگا کر اس کا ہیڈ کوارٹر جہاں وہ مستقل بیٹھتا ہے وہ صراط مستقیم ہے رہا نیز چار راستہ ان پر نظر رکھتا ہے وہاں نظر رکھتا ہے مسافروں کو جمانے کے لئے کہ کوئی اس ٹیڑھی راہ سے ہٹ نہ جائے سیدھی راہ پر رہتا ہے ہٹانے کے لئے کہ کوئی اس پر قائم نہ رہ جائے یہاں ہی ڈیرہ اللہ والوں کا ہے' حفاظتی چوکی کے طور پر۔ وہاں دھکیلتا ہے شیطان۔ بازو پکڑے' سنبھالتے ہیں عباد الرحمن۔ عجیب کشمکش ہے رب بیڑا پار لگائے' تجلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نجات کا راستہ ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ

فرمایا رب نے نکل جا یہاں سے دھتکارا ہوا راندھا ہوا البتہ وہ شخص جو پیروی کرے ان میں سے

فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندھا ہوا۔ ضرور جو ان میں سے تیرے کہنے پر چلا میں تم سب سے جہنم

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا

تیری تو البتہ بھر دوں گا میں دوزخ کو تم سب سے اور اے آدم رہو تم اور بیوی تمہاری جنت میں پس کھاؤ

بھر دوں گا اور اے آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہو تو اس میں جہاں

مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

تم دونوں جہاں سے چاہو تم دونوں اور نہ قریب جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے تم ظلم والوں میں سے

چاہو کھاؤ اور ہو پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہو جاؤ گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کی لمبی عمر کا مقصد بیان ہوا اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اسے اپنے اس مقصد کے پورا کرنے کا موقعہ دے دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ شیطان اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کی گمراہی اور اس گمراہ گری کا ذکر تھا اب ان دونوں عیبوں کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی شیطان اور شیطانی لوگوں سے دوزخ بھر جانا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں چور کی چوری اس کی سینہ زوری کا ذکر تھا۔ اب دولت ایمان والوں کو ہوشیار رہنے کا حکم ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں انسانوں پر ایک خاص کرم کا ذکر تھا یعنی آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنانا اب دوسرے کرم کا ذکر ہے یعنی انہیں جنت میں عزت کے ساتھ رکھنا ماں پر کرم اولاد پر کرم ہوتا ہے۔

تفسیر: **قال اخرج منها مذء وما مد حورا** یہ جملہ نیا ہے **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا تو رب نے بلاواسطہ ابلیس سے یہ فرمایا یا فرشتے کے ذریعہ سے چونکہ مقبول بندے کا کلام و کام رب تعالیٰ کا ہی کلام و کام ہوتا ہے اس لئے فرشتے کے کلام کو رب نے اپنی طرف نسبت کی کہ رب نے فرمایا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ شیطان و کفار سے پیار و محبت کرم کا کلام نہیں فرماتا۔ قہر و غضب کا کلام فرماتا ہے لہٰذا یہ آیت **لا یکلمھم اللہ** کے خلاف نہیں۔ **فیھا** میں **ھا** کا مرجع وہی جماعت ملائکہ یا جنت یا آسمان یا بارگاہ الٰہی ہے۔ بار بار **اخرج** فرمانا اس کو ذلیل کرنے کے لئے ہے یہ نکل جانے کا تیسرا حکم ہے گویا بار بار فرمایا جارہا ہے کہ یہاں سے نکل جا۔ باتیں نہ بنا اور ہو سکتا ہے کہ پہلی بار میں جنت سے نکالا گیا دوسری بار میں جماعت ملائکہ سے تیسری بار میں آسمانوں سے یا اس جگہ سے جہاں سے باتیں کر رہا تھا۔ مذءوم بنا ہے ذءم سے بمعنی بدترین عیب' مذءوم بڑا سخت عیبی ہے۔ مدحور بنا ہے دحر سے بمعنی طرد (نکالنا) دور کرنا۔ لعنت کرنا' پھٹکارنا سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ مدحور بمعنی ممقوت ہے سخت ناراض۔ یعنی اب تو یہاں سے اس حالت میں نکل جا کہ تو نہ عابد ہے نہ ساجد نہ مومن نہ عزت والا نہ عمدہ صفات والا بلکہ سخت عیبی اور ہماری بارگاہ سے یا ہر جگہ سے دھتکارا ہوا کہ عمر بھر مخلوق کی لعنت کھاتا پھرے گا تجھے کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا یہاں تک تو دنیاوی تین سزاؤں کا ذکر ہوا آسمانوں سے نکالا جانا۔ اس وقت دھتکارا جانا۔ تاقیامت پھٹکارا جانا اب اس اخروی ایک سزا کا ذکر ہے۔ جس سزا میں اس کے پیروکار بھی شریک ہیں کہ ارشاد ہوا **لمن تبعک منھم** اس فرمان عالی میں اس کے اخروی انجام کا بھی ذکر ہے اور اس کے متبعین انسانوں کے نتیجہ کا بھی ذکر **من** سے مراد اولاد آدم علیہ السلام ہے کہ یہاں انہیں کا ذکر ہے تبع بنا ہے تبع سے بمعنی کسی کے نقش قدم پر چلنا اتباع اطاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے **منھم** میں **ھم** کا مرجع بھی انسان ہیں یعنی اگرچہ سارے انسان خلیفۃ اللہ مسجود **ملائکہ** کی اولاد ہوں گے لیکن جو بھی ان میں سے تیرے نشان قدم پر چلے گا تیرے جیسے کام کرے گا تو وہ اپنی ساری شرافتیں کھودے گا اور اس کا انجام یہ ہوگا۔ خیال رہے کہ یہاں اتباع سے مراد عقیدوں' تکبر نیز حسد میں شیطان کی اتباع ہے کیونکہ جو مسلمان بد عملیوں میں شیطان کی اتباع کریں ان سے دوزخ بھری نہ جاوے گی بلکہ وہ دوزخ میں کچھ روز رکھ کر صاف کئے جائیں گے پھر وہاں سے نکال کر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے کہ **لاملئن جھنم منکم اجمعین** وہ سب تیری ذریت میں شمار ہوں گے اور جو تیرا انجام ہوگا وہی ان سب کا ہوگا کہ تم سب کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ٹھونس دیا جاوے گا۔ **جھنم** اصل میں تھا چاہ نم یعنی گہرا کنواں اس سے بنا جہنم علماء فرماتے ہیں کہ **منکم** میں خطاب ابلیس سے بھی ہے' اس کی اولاد یعنی شیاطین جن سے بھی اور اس کے پیروکار انسانوں سے بھی' دوزخ ان سب سے ہی بھر جاوے گی۔ اس کے بعد ابلیس کو نکال دیا گیا آدم علیہ السلام جنت میں نہایت عزت و احترام سے رہنے سہنے لگے اور آپ کا دل لگانے کے لئے حضرت حوا آپ کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں پھر رب نے ان دونوں سے فرمایا **ویا دم اسکن انت وزوجک الجنۃ** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واو عاطفہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے اس فرمان میں یا ندائی ہے اور ندا کرم کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ نداء کہ پانچ مقصد ہوتے ہیں غافل کو جگانا اظہار کرم' اظہار غضب' کرم و فضل حاصل کرنا حضرات انبیاء کرام کو نداء اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے اور ہمارا رب کو پکارنا اس کا فضل و کرم حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آدم علیہ السلام سے یہ خطاب شیطان کے نکالے جانے کے عرصہ بعد ہوا جبکہ حوا بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ سجدہ کے وقت حضرت حوا پیدا نہ ہوئی تھیں چونکہ رہنے سہنے میں مرد اصل ہوتا ہے بی بی اس کے تابع یعنی بیوی کو خاوند کی وجہ سے اس جگہ رہنا پڑتا ہے

جہاں خاوند رہے اس لئے اسکن واحد حاضر فرمایا جس میں صرف آدم علیہ السلام سے خطاب ہے اور زوجک معطوف کرکے بیان فرمایا اسکنا تثنیہ نہ فرمایا ۔ نیز اس وقت آدم علیہ السلام کو جنت میں صرف رہنے سہنے اور پھل فروٹ کھانے کی اجازت تھی حوروں وغیرہ کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی اس لئے آپ کے لئے جناب حوا کو پیدا کیا گیا اور صرف انہیں کو بیوی فرمایا گیا حوریں تو قیامت کے بعد جنتیوں کی بیویاں بنیں گی۔ زوج کے معنی ہیں جوڑا یہ خاوند بیوی دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں زوج بمعنی بیوی ہے کہ اسے حضرت آدم کی طرف نسبت کیا گیا ہے جنت سے مراد یہی معروف و مشہور جنت ہے جہاں نیک لوگ جزاء کے لئے داخل ہوں گے نہ تو کوئی زمینی باغ مراد ہے نہ آسمان پر کوئی آرام کی جگہ مراد۔ ہم اس کی تحقیق پہلے پارے میں کر چکے ہیں۔ حضرت آدم کا نکاح جناب حوا سے جنت میں ہوا ان کا مہر تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا ۔ جناب حوا کی پیدائش بھی جنت میں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نعمت کا واسطہ عظمیٰ ہیں (تفسیر صاوی) **فکلا من حیث شئتما** یہ عبارت معطوف ہے اسکن الخ پر چونکہ کھانے میں خاوند بیوی یکساں حق دار ہوتے ہیں کوئی کسی کا تابع نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں **کلا** تثنیہ ارشاد ہوا پہلے کی طرح یہ نہ فرمایا کل کلا انت وزوجک یہاں کھانے سے مراد ہے پھل فروٹ کھانا نہ کہ دانہ روٹی وغیرہ غذائیں کھانا کیونکہ جنت میں نہ بھوک ہے نہ اس کے دفع کرنے کے لئے غذائیں نہ وہاں بیماریاں ہیں نہ ان کے دفع کرنے کے لئے دوائیں چونکہ اس وقت ان دونوں بزرگوں کو کھانے کی بھی اجازت تھی اس لئے رہنے کے ساتھ کھانے کا بھی ذکر ہوا اور ہر جگہ جانے آنے چلنے پھرنے کا بھی کہ فرمایا **من حیث شئتما**۔ خیال رہے کہ اسکن اور اسی طرح **فکلا** دونوں حکم اباحت اور اجازت کے لئے ہیں یہ حکم شرعی یا وجوب کے لئے نہ تھے یعنی تم کو اجازت ہے۔ کھانے میں پینا بھی داخل ہے کہ یہ کھانے کے تابع ہے غرضیکہ انہیں تین چیزوں کی اجازت دی گئی رہنا' کھانا' پینا حوروں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں کھانے میں کچھ پابندی لگا دی گئی یعنی جہاں چاہو جنت میں پھرو اور جہاں سے جو چاہو کھاؤ پیو لیکن **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ** یہ درخت جو تم دونوں کو دکھایا جا رہا ہے اس کا پھل کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ یہ ممانعت شرعی ہے حرام فرمانے کے لئے۔ چونکہ ان دونوں بزرگوں کا اس وقت جنت میں رہنا ثواب کے طور پر نہ تھا اس لئے اس وقت ان پر شرعی احکام جاری فرمائے گئے اور اس وقت وہ نقصان دہ درخت بھی وہاں موجود تھا۔ پھر جب مومنین جنت میں ثواب کے لئے جائیں گے تو نہ وہ درخت وہاں ہو گا نہ کسی قسم کی ممانعت بلکہ حضرت آدم کے جنت سے آنے پر وہ درخت بھی وہاں سے نکال دیا گیا اب جو شہداء کی روحیں وہاں رہتی ہیں انہیں کھانے پینے کی کھلی اجازت ہوتی ہے کوئی روک ٹوک ان پر نہیں ہوتی۔ **یرزقون فرحین بما اتاھم اللہ من فضلہ** معلوم ہوا کہ وہ درخت ممنوعہ اب وہاں ہے ہی نہیں۔ وہ درخت کونسا تھا گندم یا انجیر یا زیتون اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی ہے۔ بہرحال جو درخت وہاں سے نکالا گیا تھا وہ اب دنیا میں بہار دکھا رہا ہے کہ گندم پر دنیا آباد ہے **فتکونا من الظالمین** یہ عبارت یا تو **لا تقربا** پر معطوف ہے۔ اور حالت جزم میں ہے لہٰذا عاطفہ ہے یا یہ اس نہی کا جواب ہے اور حالت نصب میں ہے ف بمعنی ورنہ (روح المعانی) چونکہ اسی درخت کے پاس جانے اس سے کھانے کا دونوں کو یکساں نقصان تھا اس لئے **فتکونا** تثنیہ ارشاد ہوا یہاں ظالم بمعنی کافر نہیں کیونکہ کفر ہوتا ہے فساد عقیدہ سے نہ بمعنی گنہگار ہے کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ محفوظ بلکہ بمعنی خطا کار ہے یعنی اگر تم اس درخت کے پاس گئے اس کا پھل کھایا تو تم سخت خطا کار ہو گے۔

خلاصہ ء تفسیر: جب ابلیس اپنا ارادہ فاسدہ رب سے عرض کر چکا تو رب تعالیٰ نے بطور عتاب اس سے فرمایا کہ تو کبھی اس نہ کر یہاں سے نکلنے والی بات کر یہاں سے عیبی ہو کر نکل کہ اب تو نہ مومن ہے نہ عابد نہ عارف بلکہ اب تو کافر ہے خبیث ہے اور دنیا میں ذلیل پھرتا پھر کہ ہر جگہ سے پھٹکار کھاتا ہوا مارا مارا پھر تو اور تیری اولاد اور تیرے اتباع کرنے والے انسان ان سب سے دوزخ بھروں گا۔ پھر حضرت آدم جنت میں رہنے سہنے لگے اور شیطان نکال دیا گیا۔ پھر رب نے ان دونوں سے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ حوا جنت میں رہو جنت کے پھل فروٹ جہاں سے چاہو کھاؤ ہر جگہ کی سیر کرو ہر چیز کھانا مگر اس درخت کو پہچان لو اس کو کھانا تو کیا اس کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم دونوں خطا کاروں میں سے ہو جاؤ گے اور جنت خطا کاروں کی جگہ نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں چند تحقیق ہیں (1) جناب حوا کیسے پیدا ہوئیں۔ (2) جہاں ان دونوں حضرات کو رکھا گیا وہ یہی مشہور جنت ہے جہاں بعد قیامت مومن رہیں گے یا آسمان یا زمین میں کوئی اور باغ تھا۔ (3) یہ فرمان کہ تم دونوں یہاں کھاؤ یہ حکم اباحت کا تھا یہ وجوب کا۔ (4) اس درخت کے قریب نہ جانا یہ ممانعت تنزیہی تھی یا حرام کرنے کی۔ (5) وہ درخت کس چیز کا تھا۔ (6) ان کا اس درخت سے کھا لینا گناہ تھا یا خطا اور کس درجہ کی خطا تھی۔ (7) **فتكونا من الظالمين** میں ظالم سے کیا مراد ہے۔ (8) یہ واقعہ جناب آدم کی نبوت سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ یہ سب چیزیں سورہ بقرہ میں بیان ہو چکیں۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سارے گناہوں سے بدتر گناہ تمام کفروں سے بدترین کفر نبی کی دشمنی ہے ابلیس باوجود عالم عابد ہونے کے اس قدر ذلیل و خوار کیوں ہوا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی دشمنی کی وجہ سے یہ فائدہ **مذء وما مد حورا** " سے حاصل ہوا۔ دنیا میں بعض لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا مگر وہ شیطان کے برابر مردود نہ ہوئے اس کے بعد نمرود میں رہے۔ اور رب تعالیٰ کی نافرمانی سجدہ نہ کرنا تو عام گنہگاروں میں ہے مگر یہ ذلت و خواری صرف ابلیس کو ملی اس سے بارگاہ نبوت کے گستاخوں کو سبق لینا چاہئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

دوسرا فائدہ: دنیا میں بدنامی "پھٹکار یعنی طعن خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ مذء وما "مد حورا" سے حاصل ہوا یونہی ذکر خیر" اچھا چرچا اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی **واجعل لی لسان صدق فی الاخرین** خدایا آئندہ لوگوں میں میرا ذکر خیر رہے آپ کی اس دعا کی برکت ہے کہ تمام دین والے عیسائی "یہودی" مسلمان وغیرہم آپ کا ادب کرتے ہیں اور درود ابراہیمی میں آپ کا نام آتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی اللہ کا غضب آہستگی سے آتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے شیطان کو پہلے جنت سے نکالا "پھر گروہ ملائکہ سے" پھر آسمانوں سے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال پر نگاہ رکھے اگر شیطان نے آج نوافل چھڑوا دیئے تو کل فرائض بھی چھڑوا دے گا۔ **چوتھا فائدہ:** تمام گناہوں کی جڑ حسد ہے خصوصاً" نبی پر حسد دیکھو سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو اس کے نفس اور حسد نے گمراہ کیا حسد کی آگ نیکیوں کو بھسم کر دیتی ہے "عشق رسول کی آگ گناہوں کو جلا ڈالتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** دوزخ میں ابلیس اور اس کے اتباع کرنے والے جنات و انسان سب ہی جائیں گے یہ فائدہ **لاملئن جهنم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کا دوزخ میں جانا عارضی نہ ہو گا بلکہ دائمی ہو گا کہ پھر وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ یہ فائدہ بھی لاملئن الخ سے حاصل ہوا کہ ان سے دوزخ بھرنا مقصود ہے نہ کہ دوزخ کے ذریعہ انہیں گناہوں سے پاک کرنا۔ **ساتواں فائدہ:** اس وقت حضرت آدم و حوا کا جنت میں رہنا عارضی تھا وہاں یہ کہہ کر انہیں دنیا کو

آبادکاری کا طریقہ سکھانے کے لئے دائمی نہ تھا۔ یہ فائدہ **اسکن انت وز وجک** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اس زمانہ ء قیام میں جناب حواء کے اولاد کوئی پیدا نہ ہوئی ساری اولاد زمین پر آکر پیدا ہوئی یہ فائدہ بھی **اسکن انت ز وجک** سے حاصل ہوا کہ وہاں صرف ان صاحبوں کو جنت میں رکھا گیا نہ کہ ان کی اولاد کو۔ نواں فائدہ: جنت کے میوے پیدا ہو چکے ہیں جو حضرت آدم و حوا نے کھائے بلکہ جناب مریم نے دنیا میں رہ کر کھائے **وجد عندھا رزقا** ۔یونہی وہاں کے مکانات بھی بنائے جا چکے ہیں۔یہ فائدہ **اسکن انت** سے اور **فکلا منھا** سے حاصل ہوا۔دسواں فائدہ: جنت کی حوریں غلمان بعد قیامت ملیں گے اس وقت آدم علیہ السلام کو ان سے خدمت لینے کی اجازت نہ تھی۔یہ فائدہ بھی **فکلا منھا** سے حاصل ہوا کہ صرف کھانے کی اجازت دی گئی۔ گیارھواں فائدہ: چونکہ یہ دونوں حضرات اس وقت جنت میں ثواب کے لئے نہیں گئے تھے اس لئے ان پر شرعی احکام جاری ہوئے کہ یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ جب ثواب کے لئے وہاں داخلہ ہو گا تب یہ کچھ نہ ہو گا۔یہ فائدہ **ولا تقربا ھذہ الشجرۃ** سے حاصل ہوا۔ بارھواں فائدہ: ظالم صرف کافر ہی کو نہیں کہتے بلکہ خطاکار کو بھی کہتے ہیں یہ فائدہ **فتکونا من الظالمین** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ حضرت آدم و حواء سے ایک خطاء ہوئی تھی ان کے عقیدے نہیں بگڑے تھے مگر انہیں ظالمین کہا گیا۔

پہلا اعتراض: ابلیس اور اس کی ذریت آگ کی مخلوق ہے پھر انہیں دوزخ میں تکلیف کیا ہو گی انہیں دوزخ میں رکھنا محض بیکار ہو گا وہ تو آگ آگ سے مل جاوے گی۔(ستیارتھ پرکاش) جواب: جیسے انسان کی پیدائش مٹی سے ہے مگر اسے ڈھیلے یا اینٹ لگ جانے سے تکلیف ہو جاتی ہے ایسے ہی ابلیس وغیرہم کو آگ لگ جانے سے تکلیف ہو گی۔ دوسرا اعتراض: مذءوم اور مدحور دونوں کے معنی ذلیل و خوار ہیں پھر ایک لفظ ہی کافی تھا دو لفظ کیوں ارشاد ہوئے۔ جواب: اس کے بہت جواب ہیں۔ آسان جواب یہ ہے کہ مذءوم سے مراد ہے فی الحال فرشتوں میں ذلیل اور مدحور سے مراد ہے آئندہ تمام انسان و جنات میں ذلیل و خوار۔ تیسرا اعتراض: یہاں حضرت آدم و حوا کو دو حکم دیئے گئے۔جنت میں رہنا وہاں کے میوے کھانا مگر ان دونوں کے طریقہ بیان مختلف ہیں سکونت کے لئے ارشاد ہوا **اسکن انت و ز وجک** یہاں **اسکنا** تثنیہ نہیں فرمایا اور کھانے کے لئے **فکلا** تثنیہ ارشاد ہوا اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔ جواب: اس کی حکمت ابھی تفسیر میں عرض کر دی گئی کہ سکونت میں مرد اصل ہے اس کی بیوی اس کے تابع ہے۔ مگر کھانے میں دونوں برابر کے حقدار اس لئے طرز بیان میں فرق بیان ہوا۔ چوتھا اعتراض: جنت میں احکام شرعیہ جاری نہ ہونگے پھر ان دونوں حضرات پر یہ ممانعت کیوں جاری کی گئی کہ **لا تقربا ھذہ الشجرۃ** جواب: جی ہاں آئندہ جاری نہ ہونگے۔جب وہاں ثواب جزاء کے لئے جانا ہو گا اس وقت ان بزرگوں کا وہاں رہنا ثواب کے لئے نہ تھا لہذا حکم شرعی جاری ہو گئے۔ خیال رہے کہ وہاں پردہ 'حیا' شرم خود طبعی طور پر ہو گی شرعی احکام کی بنا پر نہ ہو گی۔ پانچواں اعتراض: جس درخت سے جناب آدم و حوا کو روکا گیا تھا وہ آئندہ بھی جنت میں ہو گا یا نہیں اگر ہو گا تو اس کے پاس جانے کی ممانعت ہو گی یا نہیں تو کیوں اگر ہو گی تو پھر شرعی احکام بھی جاری ہونگے۔ جواب: حق یہ ہے کہ وہ درخت یعنی گندم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی زمین پر بھیج دیا گیا اور اس کی کاشت کرا کر اسے ان کی اولاد کی غذا مقرر فرمایا گیا۔ آئندہ وہاں یہ نہ ہو گا کہ وہاں پھل ہوں گے دانہ نہ ہوں گے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اس درخت کا کھانے والا ظالم یعنی کافر ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات نے گندم کھایا تو یقیناً وہ بھی ایمان سے

خارج ہوئے تو نہ نبی معصوم ہیں نہ ولی محفوظ (بعض بیدین)۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں ظلم بمعنی کفر نہیں بلکہ بمعنی خطا ہے۔ کفر عقیدے کے بگڑنے سے ہوتا ہے اور گناہ میں عمدو ارادہ شرط ہے ان دونوں کی صفائی قرآن مجید بیان فرمارہا ہے **فنسی و لم نجد لہ عزما**"۔ **ساتواں اعتراض:** (1) وہ جنت جس میں حضرت آدم کو رکھا گیا وہ فلسطین کا ایک باغ تھا۔ جو کسی نے لگایا تھا یہ مشہور جنت نہیں چند وجہ سے ایک یہ کہ اس جنت میں نیند نہیں مگر آدم علیہ السلام کو وہاں نیند آئی کہ سوتے میں حضرت حوا آپ کی پسلی سے بنائی گئیں۔ (2) جنت میں دانہ نہیں صرف پھل ہیں مگر وہاں دانہ بھی تھا یعنی گندم جس سے آپ کو روکا گیا۔ (3) یہ کہ جنت سے نکلنا نہیں مگر آپ کو وہاں سے باہر کیا گیا۔ رب فرماتا ہے **خالدین فیھا** (4) یہ کہ وہاں شرعی احکام نہیں مگر حضرت کو شرعی احکام کا مکلف کیا گیا کہ یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ۔ (5) یہ کہ اس وقت جنت کی ضرورت کیا تھی اس کی ضرورت تو بعد قیامت ہوگی۔ جب سزا جزا کا وقت ہوگا (مرزائی، چکڑالوی)۔ **جواب:** ان تمام اعتراضات کے جوابات ہم تفصیل سے پہلے پارہ میں دے چکے ہیں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ آدم علیہ السلام سے پہلے نہ تو کوئی انسان تھا نہ کسی نے کوئی باغ پھل کھیت لگائے تھے اگر ایسا تھا تو بتاؤ حضرت آدم نے یہ باغ کرایہ پر لیا یا رعایت کے طور پر کتنے دن کے لئے کس کرایہ پر تھا اور جب وہاں سے اترے تو کس شکل میں کرایہ ادا کیا نہ وہ خود رو باغ تھا ورنہ بتاؤ وہ باغ کہاں گیا اگر ہوگا تو صرف جھربیری (کوکنی) کے بیر ہونگے جن کے جھنڈ آج بھی دیکھتے جاتے ہیں پھر قدرتی باغ میں رہنے سہنے کے مکانات کہاں ہوتے ہیں جنت اتنے پہلے کیوں پیدا ہوئی اور تا قیامت اس سے کیا کام لئے جارہے ہیں اس کی تفصیل پہلے پارہ کی تفسیر میں دیکھو۔ ذکر کردہ احکام جب ہوں گے جب وہاں داخلہ جزاو ثواب کے لئے ہوگا اس وقت آپ کا داخلہ صرف ٹریننگ کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو رب تعالیٰ نے تین قسم کی زندگیاں عطا فرمائی ہیں۔ دنیاوی زندگی، برزخی زندگی، اخروی زندگی، دنیاوی زندگی نفی و اثبات سے قائم ہے خواہ جسمانی زندگی ہو یا روحانی زندگی یا جناتی زندگی، غذا، لباس، دوا وغیرہ تمام چیزیں نفی و اثبات کا مجموعہ ہیں زہر نہ کھاؤ شہد کھاؤ گرمیوں میں گرم لباس اور سردی میں ٹھنڈے لباس نہ پہنو، ریشم نہیں ململ پہنو، رمضان میں دن میں نہ کھاؤ رات میں کھاؤ، بیمار ہو جاؤ تو فلاں دوا کھاؤ فلاں بد پرہیزی نہ کرو، مونگ کی دال کھاؤ بڑا گوشت نہ کھاؤ وغیرہ۔ یونہی روحانی زندگی کا حال ہے سور نہ کھاؤ، بکری کھاؤ، حرام نہ پیو حلال پیو، ناجائز نہ بولو جائز بولو غرضیکہ نفی و اثبات کا یہ سلسلہ ہر جگہ قائم ملے گا۔ برزخی اور اخروی زندگی میں صرف اثبات ہے نفی نہیں وجہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں انسان کے پاس نفس بھی ہے برائیوں کی طرف راغب ہے دل خوبیوں کا شیدائی مرتے ہی نفس ختم کر دیا جاتا ہے دل ہی دل رہ جاتا ہے حضرت آدم و حواء کی وہ جنتی زندگی دنیاوی زندگی تھی اس لئے وہاں ان سے **کلا** یعنی کھاؤ بھی فرمایا گیا۔ اور **لا تقربا** یعنی قریب نہ جاؤ بھی ارشاد ہوا بعد قیامت جنت میں مومن کی زندگی اخروی ہوگی لہٰذا وہاں ممانعت اور نفی کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ جب اس میں اپنی انا کو فنا کرتا ہے تو اس کے لئے بھی اثبات ہی رہ جاتا ہے نفی خود منتفی ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان غنی سے فرمادیا گیا۔ جو چاہو کرو تم جنتی ہو گئے مرغوب نفس کی نفی ہوتی ہے مرغوب دل کا اثبات جب نفس ہی نہ رہا تو اس کا مرغوب کہاں رہا اور اب نفی کس چیز کی ہو۔ یہ آیت کریمہ طریقت کا دریا پیدا کنار ہے ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا ظہور نہ ہوا تھا اس لئے فرمایا گیا **من حیث شئتما** خلافت و نبوت کے ظہور پر حضرت آدم کی مشیت رب کی مشیت میں فنا ہو گئی۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پس وسوسہ ڈال دیا ان کے واسطے شیطان نے تاکہ ظاہر کر دے واسطے ان دونوں کے وہ جو چھپائی گئی تھیں ان سے انکی

پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے شرم کی چیزیں جو ان سے چھپی تھیں

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

چھپی چیزیں اور بولا کہ نہیں منع کیا تم دونوں کو رب نے تمہارے اس درخت سے مگر یہ کہ ہو جاؤ تم دونوں

اور بولا نہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لئے منع فرمایا کہ کہیں دو فرشتے

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

فرشتے یا ہو جاؤ تم دونوں ہمیشگی والوں سے اور قسم کھائی ان دونوں سے کہ ہیں واسطے تم دونوں کے خیرخواہوں میں سے البتہ

ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے ایک برے ارادہ اور اس کے قول کا ذکر تھا اب اس مردود کے اس قول پر عمل کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اس نے جو کہا تھا اس پر عمل وہاں ہی شروع کر دیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کہا گیا تھا کہ ابلیس نے کہا کہ میں سارے انسانوں کو بہکاؤں گا ہر طرح بہکاؤں گا۔ جیسے بھی موقعہ پاؤں گا اس کے متعلق شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وہ اولاد آدم کو بہکائے گا۔ خود حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا نہیں دے گا۔ اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ اس مردود نے اپنے کام کی ابتداء خود آدم علیہ السلام سے ہی کی لہذا کوئی کسی وقت اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے اگرچہ اس کے بہکانے میں فرق ہے بعض کو بہکا کر کافر کر دیتا ہے۔ بعض کو دھوکہ دے کر تکلیف میں ڈال دیتا ہے مگر ملتا کہیں نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ابلیس کا قول اجمالی نقل فرمایا گیا تھا کہ میں انسانوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے آؤں گا۔ اب اس کی آمد کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھو وہ مولویوں میں مولوی بن کر صوفیوں میں صوفی بن کر غرضیکہ جس کے پاس جاتا ہے نئے روپ میں جاتا ہے یہ بہروپیا ہر روپ بھر لیتا ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام کے پاس خیر خواہ بن کر پہنچا گویا یہ آیتیں گذشتہ آیتوں کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: **فوسوس لهما الشيطن** یہاں ف بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے کیونکہ ابلیس کے نکالے جانے اور اس واقعہ کے درمیان بہت مدت کا فاصلہ ہے۔ مگر چونکہ وہ مدت آپ کو بہت تھوڑی محسوس ہوئی اس لئے ف ارشاد ہوا یعنی احساس کے لحاظ سے فوراً۔ خیال رہے کہ جنت کے قیام کا زمانہ آپ کی عمر میں شمار نہیں زمین پر تشریف لانے کے بعد سے آپ کی عمر شروع ہوئی ایک ہزار سال عمر ہوئی۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی قیام کا زمانہ یا ادریس علیہ السلام کے جنت میں ٹھہرنے کا زمانہ ان کی عمروں میں شمار نہیں۔ **وسوسہ** کے لغوی معنی ہیں ہلکی اور مسلسل آواز اس لئے عورتوں کے زیور کی ہلکی آواز کو وسوسہ کہا جاتا ہے' اصطلاح میں وہ برے خیالات وسوسہ کہلاتے ہیں جو شیطان کی طرف سے انسان کے دل میں آئیں (خازن' کبیر وغیرہ) جیسے اچھے خیالات جو فرشتے کی طرف سے دل میں آئیں انہیں الہام کہا جاتا ہے **لهما** کلام بمعنی الی ہے **هما** کا

مرجع حضرت آدم و حوا ہیں مردود ہونے سے پہلے شیطان کا نام ابلیس تھا۔ پھر مردود ہو جانے پر اس کا لقب شیطان ہوا۔ چونکہ یہ واقعہ اس کی مردودیت کے بعد کا ہے لہٰذا یہاں شیطان فرمایا گیا اس میں گفتگو ہے کہ شیطان تو جنت سے نکالا جا چکا تھا اور یہ دونوں حضرات جنت میں تھے پھر اس نے ان دونوں حضرات کو وسوسہ کیونکر دے دیا۔ اس کے متعلق تین قول ہیں ایک یہ کہ شیطان زمین پر رہ کر آسمانوں بلکہ وہاں سے بھی وراء وسوسہ ڈال سکتا ہے شیطان اپنی جگہ رہا مگر جنت میں اس نے اپنا کام کر دیا۔ دوسرے یہ کہ جنت کے دروازے کے باہر شیطان رہا وہ دونوں حضرات سیر کرتے ہوئے جنت کے دروازے پر پہنچے اس مردود نے بیرون دروازہ سے ان سے کلام کیا اور دل میں وسوسہ ڈالا۔ تیسرے یہ کہ ابھی تک جنت میں شیطان کا داخلہ بند نہیں ہوا تھا صرف رہنا سہنا بند ہوا تھا وہ چوری چھپے وہاں پہنچ جایا کرتا تھا اس لئے وہ جنت ہی میں پہنچا اور ان دونوں بزرگوں سے کلام کیا وسوسہ بھی ڈالا اس کی پوری تفصیل ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں بہر حال شیطان نے ان دونوں حضرات پر داؤ چلا دیا۔ **لیبدی لهما ما ووری عنهما من سوا تهما** اس عبارت میں لام معنی کے ہے اور اس کے اس کے وسوسہ کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے چوری کی جیل جانے کے لئے کیونکہ شیطان نے یہ حرکت ان حضرات کو جنت سے نکالنے کے لئے کی تھی نہ کہ صرف برہنہ کرنے کے لئے چونکہ وہاں سے نکالنا برہنگی کے بعد ہو الہٰذا اسے بھی نتیجہ کے طور پر بیان فرمایا گیا **یبدی** بنا ہے ابداء سے بمعنی ظاہر کرنا کھولنا اس کا فاعل وہی ابلیس ہے **لهما** کا مرجع حضرت آدم و حوا ہیں یہ دونوں حضرات بہت پردہ اور ستر کے ساتھ جنت میں رہتے تھے کبھی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہ ہوئے تھے اگرچہ خاوند بیوی تھے صحبت اور چیز ہے برہنگی کچھ اور چیز **ما** سے مراد ہے۔ ستر (لنگیر) اور اس سے مراد ہے ستر فاحش جو بلا ضرورت اکیلے میں کھولنا بھی اچھا نہیں **ووری** بنا ہے مواراۃ سے جس کا مادہ ہے وری بمعنی چھپنا یا چھپانا عنہما میں **هما** کا مرجع وہی حضرت آدم و حواء ہیں اور **من سوا تهما** میں من بیانیہ ہے یہ **ما** کا بیان ہے سوآت جمع ہے سوءۃ کی بمعنی بری چیز یعنی وہ جس کا ظاہر ہونا برا محسوس ہو جسے انسان چھپانا چاہے قرآن مجید میں ہابیل کی لاش کو **سوءۃ** فرمایا گیا۔ چھپے عیوب کو **سوءۃ** کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے بدن کا وہ حصہ جس کا کھلنا برا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت آدم و حوا کا لباس کیا تھا اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں یا تو نورانی جنتی لباس تھا۔ یا ناخن سارے جسم کا لباس تھا جو اب صرف انگلیوں کے پوروں پر رہ گیا ہے مگر یہ بہت سخت ہے وہ نہایت نرم اور خوشنما تھا وہ حضرات گندم کھاتے ہی اس لباس سے علیحدہ ہو گئے اور ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نظر آنے لگے جس سے ان کو سخت تکلیف ہوئی یہاں اس طرف اشارہ ہے **قال ما نها کما ربکما عن هذه الشجرة** یہ عبارت وسوس پر معطوف ہے اور اس کا بیان ہے یعنی اس نے یہ کہہ کر ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا (روح المعانی) اگر ابلیس نے ان حضرات سے ملاقات کی تھی تب تو **قال** اپنے ظاہری معنی پر ہے اور اگر ملاقات نہیں کی تھی آپ دونوں جنت میں رہے وہ خبیث ہزاروں کوس جنت سے دور رہا تو **قال** سے مراد ہے **القا فی النفس** یعنی ان دونوں کے دل میں یہ بات ایسے ڈالی کہ وہ کہہ ہی رہا ہے **ما نها کما** میں رب تعالیٰ کی ممانعت کی نفی نہیں بلکہ اس ممانعت کے دوام کی نفی ہے یعنی وہ ممانعت ربانی ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ اس وقت کے لئے تھی جسے اب کافی عرصہ گزر چکا **ربکما** کہہ کر اس مردود نے یہ بتایا کہ تم دونوں اس کے مربوب بندے ہو وہ ہے تمہارا رب پالنے والا اور پالنے والا غذائیں دوائیں وقت کے مطابق اپنے پروردوں کو دیتا ہے آج ایک غذا سے منع کرتا ہے کچھ عرصہ بعد اس کی اجازت دیتا ہے **هذه الشجرة** میں اشارہ اس ممنوعہ درخت کی طرف ہے **الا ان**

تکونا ملکین او تکونا من الخالدین یہ عبارت **ما نھا کما** سے استثناء ہے یا تو ان سے پہلے کراہت "پوشیدہ ہے یا ان کے بعد لا پوشیدہ ہے **ملکین** سے مراد ہے جنس فرشتہ یا فرشتے کے سے اوصاف والا بندہ کہ کھانے پینے سے بے نیاز ہو لمبی اس کی عمر ہو کہ اسے موت قریب قیامت ہی آئے اور **خالدین** سے مراد یہ ہے کہ اسے بالکل موت آئے ہی نہیں جیسے حوریں غلمان اور جنت کی دوسری مخلوق۔ یعنی اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ اس کا کھالینے والا بندہ یا تو فرشتہ بن جاتا ہے کہ نہ اسے کھانے پینے کی حاجت ہو نہ جلدی موت آئے یا پھر کبھی اسے موت آئے ہی نہیں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں اسی آرام سے رہے۔ جس آرام سے تم دونوں اب یہاں ہو اگر تم نے یہ پھل نہ کھایا تو عنقریب تم کو موت آجاوے گی اور تمہیں یہاں کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑے گا اور اے آدم و حواء اس درخت کا پھل بہت قوی ہے جب تم دونوں پیدا ہوئے تھے تو تم تھے کمزور اس وقت تم اسے ہضم نہ کر سکتے تھے اس لئے تم کو رب نے اسی سے اس وقت منع فرمادیا تھا۔ اب تم دونوں ہو گئے قوی اسے بخوبی برداشت اور ہضم کر لوگے لہٰذا وہ ممانعت بھی باقی نہیں رہی۔ (تفسیر عزیزی پہلا پارہ) اس لئے رب تعالیٰ نے تم سے فرمایا تھا **لا تقربا** یہ نہ کہا تھا کہ **لا تقربا ابدا** یعنی کبھی اس کے قریب نہ جانا۔ اصل دھوکہ اس نے یہ دیا کہ رب تعالیٰ کی ممانعت کو وقتی ممانعت بتایا نہ کہ دائمی۔ خیال رہے کہ بعض قراءتوں میں ملکین لام کے کسرہ سے ہے یعنی تم دونوں یہاں کے بادشاہ بن جاؤ ہمیشہ یہاں راج کروگے اس قراءۃ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **ھل ادلک علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلی** ہم نے جو یہ چند باتیں عرض کر دیں وہ خوب یاد رکھی جاویں ورنہ آیت کریمہ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر سخت اعتراضات وارد ہوں گے جیسا کہ ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں ہم عرض کریں گے **وقا سمھما انی لکما لمن الناصحین** یہ اس مردود کا دوسرا فریب ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا بدخواہ نہیں ہوں بڑا ہی خیر خواہ ہوں۔ وہ حضرات سمجھے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا لہٰذا ناممکن ہے کہ یہ شخص ہم سے غلط گوئی اور غلط بیانی کر رہا ہو یہاں ناصحین جمع کہہ کر یہ بتایا کہ جیسے سارے فرشتے وغیرہم تمہارے خیر خواہ ہیں بدخواہ نہیں ایسے ہی میں بھی ان میں سے ایک ہوں تمہارا خیر خواہ۔ بس جناب آدم علیہ السلام یہی بھول گئے کہ رب نے فرمایا **ھو عدو لکما** ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے اس مردود کی قسم سے اس کی دشمنی انہیں یاد نہ رہی اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **فنسی ولم نجد لہ عزما**۔

خلاصہ ء تفسیر: ان سارے واقعات مذکورہ کے بعد ہوا یہ کہ ابلیس جنت میں حضرت آدم و حواء کے پاس پہنچ ہی گیا اور ان دونوں بزرگوں کے دلوں میں اس نے وسوسہ ڈال ہی دیا جس وسوسہ کا نتیجہ و انجام یہ ہونا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو جاویں اس طرح کہ وہ ننگے ہو جاویں جس کی یادداشت میں اولاً ان کا نوری لباس ان سے اتار لیا جاوے پھر وہ اس طرح زمین پر بھیج دیئے جاویں جیسے جب کسی کو اس کے عہدے سے الگ کرتے ہیں تو پہلے اس کی وردی چپڑی داخل دفتر کرا لیتے ہیں پھر علیحدہ کرتے ہیں۔ اس مردود نے وسوسہ اس طرح ڈالا کہ اے آدم و حوا واقعی رب تعالیٰ نے تم دونوں کو اس درخت کے کھانے سے تو کیا اس کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا تھا مگر وہ ممانعت دائمی نہ تھی بلکہ اس وقت خاص کے لئے تھی جب تم میں اس کے ہضم کرنے کی طاقت نہ تھی اب جبکہ تم دونوں قوی و توانا ہو چکے ہو اسے ہضم کر سکتے ہو اس درخت میں تاثیر یہ ہے کہ اس کے کھانے سے انسان یا تو فرشتہ ہی بن جاتا ہے کہ عرصہ تک زندہ رہتا ہے کھانے پینے سے بے نیاز ہو جاتا ہے یا اس جماعت میں سے ہو جاتا ہے جنہیں موت آتی ہی نہیں جیسے حور و غلمان وغیرہم ابھی تم جنت میں مہمان داخل ہو تمہارا قیام یہاں عارضی ہے پھر تم یہاں کے

اصلی دائمی باشندے ہو جاؤ گے تمہاری پیدائش کے وقت تم میں فرشتہ بننے کی برداشت نہ تھی۔ یہ کہہ کر رب تعالیٰ کی قسم کھا کر بولا کہ میں تمہارا بدخواہ نہیں ہوں۔ آدم علیہ السلام کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے اس لئے آ گئے دھوکے میں۔ خیال رہے کہ شیطان کا دھوکہ دو لفظوں میں پوشیدہ ہے ایک **نہا کما** میں کہ وہ ممانعت وقتی تھی۔ دوسرے **ربکما** میں کہ پالنے والا رب بندے کی حالت کے مطابق غذا دیتا ہے اس وقت تم اس غذا کے لائق نہ تھے اب لائق ہو گئے ہو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص کسی جگہ بھی شیطان کے وسوسے سے محفوظ نہیں جو اپنے کو اس سے محفوظ جانے گا وہی تباہ ہو جاوے گا۔ دیکھو آدم علیہ السلام نبی معصوم تھے اور جنت مقام محفوظ تھی جہاں سے شیطان نکالا جا چکا تھا مگر پھر بھی اس مردود نے داؤ مار دیا ہم نہ تو معصوم ہیں نہ دنیا مقام محفوظ ہے ہم کس بنا پر اپنے کو شیطان کی دستبرد سے باہر سمجھیں۔ یہ فائدہ **وقال مانہا کما** الخ سے حاصل ہوا اللہ ابری جگہ نہ جاؤ' بروں کے ساتھ نہ بیٹھو' بروں کی کتابیں نہ پڑھو' ان کے جلسوں میں نہ جاؤ' دولت ایمان کی حفاظت کرو۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کو وسوسہ ہو سکتا ہے ہاں ان سے بدعقیدگی یا گناہ سرزد نہیں ہو سکتے وہ حضرات ان دونوں سے معصوم ہیں یہ فائدہ **فوسوس لہما** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بہتر یہی ہے کہ خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں بلکہ بعض بزرگ تو خود اپنا ستر بھی نہیں دیکھتے۔ یہ فائدہ **لیبدی لہما** الخ سے حاصل ہوا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔ بلکہ انسان اکیلے میں بھی ننگا نہ رہے۔ اللہ سے شرم کرے۔ کاش اس زمانہ کے فیشن ایبل لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ:** سب سے پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ دل میں آدم علیہ السلام کی دشمنی رکھ کر زبان سے ان کی دوستی ظاہر کی اس کا نام تقیہ ہے۔ یہ فائدہ **وقاسمہما** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سب سے پہلے رب کے نام کی جھوٹی قسم کھانے والا ابلیس ہے یہ فائدہ بھی **قاسمہما** سے حاصل ہوا۔ جھوٹی قسمیں کھانے والا طریقہ ابلیس پر عامل ہے۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چکنی چپٹی باتیں کرنے والے پر اعتبار نہ کرو ہر وہ شخص جو بغل میں قرآن دبائے پھرے بات بات پر آیتیں پڑھے' ہر بات میں قرآن کا سہارا لے اس کے فریب میں نہ آجاؤ ایسے لوگ قرآن کو اپنے شکار کے جال کے طور پر استعمال کرتے ہیں ہر چمکتی چیز سونا نہیں۔ یہ فائدہ بھی **وقاسمہما** الخ سے حاصل ہوا اس مردود نے اللہ کے نام سے ہی ان دونوں بزرگوں کو دھوکہ دیا۔ **ساتواں فائدہ:** ابلیس شرعی احکام سے بخوبی واقف ہے عقلی نقلی دلائل کا استاد ہے۔ دیکھو اس نے حضرت آدم و حوا کو ممانعت الہیہ کے کیسے معنی سمجھائے اور **ربکما** سے کیسا دھوکہ دیا نقلا" عقلا" ہر طرح فریب دیا یہ فائدہ **مانہا کما** سے اور **ربکما** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق ابدی ہے جسے کبھی فنا نہیں جیسے حور' غلمان' جنت کی نعمتیں اور خود جنت مگر رب کے سوا ازلی کوئی نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہیں نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ یہ فائدہ **من الخالدین** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ جو کسی چیز کو ازلی مانے رب کے سوا وہ مشرک ہے۔ ازلی وہ جو ہمیشہ سے ہو ابدی وہ جو ہمیشہ رہے۔ ازلیت کی نفی کے لئے رب فرماتا ہے **خالق کل شئی** اور ابدیت کے ثبوت کے لئے فرماتا ہے **اکلہا دائم** اور فرماتا ہے **خالدین فیہا ابدا**" **نواں فائدہ:** ابلیس کے سواء تمام فرشتے وغیرہم حضرت آدم و حوا کے خیر خواہ تھے کوئی ان کا دشمن نہ تھا جو کہے کہ فرشتے ہمارے دشمن ہیں کیونکہ ہم کو رب نے خلافت دیکر انہیں اس سے محروم کر دیا

وہ بے دین ہے۔ یہ فائدہ تا کہین جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اس موقعہ پر حضرت آدم علیہ السلام کامیاب رہے اور شیطان ناکام کیونکہ شیطان نے چاہا تھا کہ حضرت آدم اپنے درجہ سے گر جائیں یہ گندم کھا کر آپ نیچے زمین پر آئے درجہ سے نہ گرے بلکہ ترقی پر آئے کہ خلیفۃ اللہ ہوئے آپ نے چاہا تھا کہ گندم کھائیں چنانچہ گندم ہی آپ کی اور آپ کی اولاد کی غذا ہوئی آپ نے چاہا تھا کہ فرشتہ صفت ہو جائیں کہ ہر دم رب کی عبادت کریں ایسا ہی ہوا کہ آپ کا بلکہ آپ کی بعض اولاد کا کھانا پینا سونا جاگنا ہر حال عبادت قرار دیا گیا۔ فرشتوں سے زیادہ آپ کو دائمی عبادات عطا ہوئیں۔ آپ نے چاہا تھا کہ آپ کو خلود یعنی ہمیشہ کی عبادات نصیب ہوں ایسا ہی ہوا کہ تاقیامت آپ کی اولاد میں عبادات ہوں گی جو آپ کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ اولاد کی نیکیاں ماں باپ کے ثواب کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو حضرت آدم کو ناکام اور ابلیس کو کامیاب مانے وہ بے دین ہے۔

پہلا اعتراض: حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ابلیس وہاں سے نکالا جا چکا تھا پھر اس مردود کی ملاقات ان سے کیسے ہو گئی اور یہ گفتگو کس طرح ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ شیطان کا نکالنا تین وقت ہوا ہے مردود ہونے کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے وقت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے وقت۔ مردود ہونے کے وقت جنت میں اس کا رہنا سہنا بند ہو گیا مگر وہ وہاں آنا جاتا رہتا تھا جیسے گھروں میں کتے بلے آتے جاتے رہتے ہیں پھر حضرت آدم کے زمین پر آنے کے وقت اس میں آنا جانا بھی بند ہوا۔ مگر آسمانوں پر جاتا آتا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس کا آسمانوں پر جانا بھی بند ہوا اس کا ذکر سورہ جن میں ہے کہ جنات نے کہا تھا **انا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا** چنانچہ ابلیس اس وقت جنت میں پہنچا اور آپ سے یہ گفتگو کی۔

دوسرا اعتراض: شیطان نے مردود ہونے کے بہت عرصہ بعد حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا تھا مگر یہاں ارشاد ہوا **فوسوس لهما الشیطان** ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دھوکہ دینا فوراً ہوا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یا تو یہاں ف فوراً کے معنی میں نہیں صرف بعدیت بیان فرمانے کے لئے ہے یا شیطان نے مردود ہوتے ہی دھوکہ دینے کی پوری اسکیم بنائی تھی ابتداء وسوسہ مردود ہوتے ہی ہو گئی تھی اس کی تکمیل اس کا ظہور عرصہ کے بعد ہوا لہٰذا ف فرمانا بالکل درست ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **لیبدی لهما ما ووری عنهما** یعنی شیطان نے انہیں برہنہ کرنے کے لئے دھوکہ دیا حالانکہ اس نے تو ان بزرگوں کو جنت سے علیحدہ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔ **جواب:** ان حضرات سے جنتی لباس اتار لیا جانا جنت سے روانگی کی تمہید تھی جیسے کسی خاص حاضر بارگاہ سے تمغہ وردی پٹی لے لیا جانا اگلے واقعات کی تمہید ہوتی ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنتی لباس لے لیا جانا زمین پر آنے کی ابتداء تھی اور زمین پر تشریف لانا خلافت الٰہیہ عطا ہونے کی تمہید تھی لہٰذا یہ بظاہر عتاب درحقیقت عنایت بے غایت کی تمہید تھی۔ شیطان سمجھا نہیں وہ اس پر خوش ہوا حالانکہ اسے تو اس واقعہ پر رونا چاہئے تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو ممانعت ربانی کا علم تھا بلکہ خود شیطان نے اس کا ذکر کیا تھا **ما نهاکما ربکما** الخ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **فنسی ولم نجد له عزما** حضرت آدم بھول گئے یعنی انہیں ممانعت یاد نہ رہی آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** حضرت آدم علیہ السلام ممانعت الٰہیہ کو نہ بھولے تھے بلکہ رب کا یہ فرمان بھول گئے تھے کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اس مردود نے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس پر قسم کھا گیا آپ اس کی قسم سے دھوکہ کھا کر اسے خیر خواہ سمجھ گئے یہ بھول

ہوئی یا اس موقعہ پر رب سے پوچھ لینا بھول گئے کہ سولی میں یہ پھل کھاؤں یا نہیں یا یہ بھول گئے کہ اس پھل میں یہ تاثیر نہیں کیونکہ انہیں کل کے ناموں کا علم دیا گیا تھا تو اس کے ساتھ ہر چیز کے فوائد و نقصانات بتا دیئے گئے تھے ان میں اس درخت کے نقصانات بھی تھے۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے اور ابلیس نے کہا کہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو **خالدین** میں سے ہو جاؤ گے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے رب کی نہ مانی ابلیس کی مانی ابلیس کو اپنا خیر خواہ سمجھا رب تعالیٰ کو بدخواہ جانا یہ تو صریح کفر ہے پھر انہیں معصوم کیوں کہا جاتا ہے (بعض نئے بے دین)۔ **جواب:** شیطان نے ان سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ کی وہ ممانعت اس وقت تھی جب تم نئے نئے جنت میں آئے تھے واقعی اگر تم اس وقت یہ درخت کھا لیتے تو ظالم بن جاتے کیونکہ اس درخت میں تاثیر ہے کہ یہ اپنے کھانے والے کو فرشتہ بنا دیتا ہے اور تم اس وقت فرشتہ بننے کے لائق نہ تھے اب زمانہ گزر گیا' تمہارے حالات بدل گئے' حکم الہی بھی بدل گیا۔ تم شوق سے کھاؤ۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہی تفسیر فرمائی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس لئے اس نے کہا **ما نهاكما ربكما** سے یہ معلوم ہو رہا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** شیطان نے بھی لمبی عمر مانگی کہ کہا **انظرني الى يوم يبعثون** اور آدم علیہ السلام نے بھی لمبی عمر کے لئے گندم کھایا۔ پھر دونوں میں فرق کیا رہا (بعض بے دین)۔ **جواب:** شیطان نے لمبی عمر مانگی گناہ کرنے کرانے زمین میں فساد پھیلانے کے لئے یہ درازی عمر اللہ کا عذاب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے لمبی عمر چاہی عبادات اور نیک کام کرنے کے لئے جو سراسر رحمت ہے دیکھو رب نے حضرت خضر و عیسیٰ و ادریس' الیاس علیہم السلام کو بہت دراز عمریں عطا فرمائیں یہ دراز عمریں رب کی رحمت ہی ہیں۔ عمر شیطانی' عمر نفسانی اور عمر ایمانی میں بڑا فرق ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے افضل ہیں کیونکہ آپ نے فرشتہ بننے کی آرزو میں گندم کھایا گویا آپ نے ترقی کے لئے یہ کام کیا۔ **جواب:** یہ غلط ہے آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں کہ آپ مسجود **ملائکہ** ہیں اور ان سب کے استاد ہیں یہاں آپ نے چاہا تھا کہ ہماری زندگی شریف فرشتوں کی طرح آزادانہ ہو جاوے کہ نہ کھانے پینے کی خواہش ہو نہ آرام وغیرہ کی۔ افضلیت اور چیز ہے آزادی اور غیر ذمہ دارانہ زندگی کچھ اور ہے۔ خیال رہے کہ انسان کا فرشتہ بننا یا فرشتہ کا انسان بننا بالکل ناممکن ہے کہ اس میں تبدیلی حقیقت ہے لہذا اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دونوں انسانیت سے تبدیل ہو کر فرشتہ بن جاویں گے مطلب وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔ حضرت جبرئیل دوسرے فرشتے کبھی شکل انسانی میں آئے ہیں مگر حقیقت تبدیل نہ ہوئی تھی۔ ہاروت و ماروت فرشتے دنیا میں آکر فرشتے ہی رہے تھے ان کو صرف شہوت دیدی گئی تھی اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے لہذا اوآگون والے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ خیال رہے کہ جیسے فرشتے انسان کی صورت یا انسان کی سیرت میں آ سکتے ہیں۔ مگر حقیقت میں فرشتے ہی ہوتے ہیں ایسے ہی بعض مقبول بندے کبھی سیرت میں فرشتے اور صورت میں فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام صدیوں سے بغیر کھائے پئے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں یہ ہے سیرت ملکی' ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ وصال میں کئی کئی دن نہ کھایا نہ پیا یہ ہے سیرت ملکی' معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عین نور ہو کر عرش سے آگے بڑھے یہ ہے صورت ملکی مگر ان حالات میں ہوتے ہیں بشری۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندے۔ اگر نیک ارادے سے کوئی خطا بھی کرلیں تو اللہ ان کا ارادہ پورا کر دیتا ہے۔ بدکار لوگ برے ارادہ سے اچھی بات بھی کریں اچھا کام بھی کریں آخر ناکام ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل نہایت ہی نیک ارادے سے کھایا ارادہ یہ تھا کہ ہم ابدی زندگی پائیں اور ہمیشہ اپنے رب کی عبادت کریں ہماری عبادات ریاضیات ختم نہ ہوں گندم کھانا خطا تھا مگر ارادہ اچھا تھا انجام یہ ہوا کہ زمین پر بظاہر عتابانہ انداز میں آئے مگر انہیں خلافت الٰہیہ کا تاج پہنایا گیا۔ ابوالبشر بنایا گیا تاقیامت انبیاء و اولیاء ان کی امتیں جماعتیں انہیں کی اولاد میں رکھی گئیں ان کی اولاد تاقیامت ذکر اللہ' جہاد' حج وغیرہ کرتی رہے گی گویا وہی **من الخالدین** ہو گئے ان کا منشا پورا ہو گیا اس سب کی بنیاد وہی ممانعت الٰہیہ ہے ابلیس نے چاہا تھا کہ حضرت آدم کو ان کے مرتبہ سے گرا دے۔ وہ اس ارادہ میں سخت ناکام ہوا ان کا درجہ ان کا رتبہ دنیا اور آخرت میں اور بھی زیادہ ہو گیا ان حضرات کے منہ سے جو نکلتا ہے رب پورا کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جیل میں بادشاہ کے ساقی سے کہا تھا۔ **اذکرنی عند ربک** تو بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا آپ نے اپنی رہائی اور رہائی کے بعد آزادانہ ذکر الٰہی کرنے کے لئے یہ تدبیر سوچی تھی کہ ساقی کی معرفت میرا یہ کام ہو جائے اگرچہ کچھ دیر لگی مگر آخر کار اسی ساقی کے ذریعہ آپ کی رہائی ہوئی اور رہائی کے بعد تاج شاہی سر مبارک پر رکھا گیا۔ بہرحال یہ واقعات ان کی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوئے پھر وہ گندم ان کی اولاد کی غذا بنی اور انہیں اس کے ذریعہ جنت میں پہنچانے کا انتظام فرمایا گیا۔ بہرحال آدم علیہ السلام کامیاب اور بامراد رہے' شیطان ناکام ہی رہا شیطان ان کا خیر خواہ نہ تھا رب تعالیٰ ان پر مہربان تھا۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

بس پہنچا لے آیا وہ ان دونوں کو ساتھ دھوکے کے بس جب چکھ لیا انہوں نے پیڑ کو تو ظاہر ہو گئیں واسطے ان

تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

دونوں کے ستر ان کے اور لگے پیٹنے جنت کے پتوں سے اور ندا دی ان کو رب نے ان کے کیا منع کیا تھا میں نے

اپنے بدن پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے

الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

تم کو اس درخت سے اور نہ کہا تھا میں نے تم سے کہ تحقیق شیطان واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر

منع کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے دھوکہ فریب دینے کا ذکر تھا اب اس آیت میں جناب آدم حواء کے دھوکہ کھا جانے کا تذکرہ ہے گویا ابتداء کا ذکر ہو چکنے کے بعد انتہا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شیطان کے جھوٹی قسم کھانے کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کے نام الٰہی کے

احرام فرمانے کاذکر ہے کہ انہوں نے اس نام پاک کی قسم پر اعتبار فرماتے ہوئے اس پر عمل کرلیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیطان کے وسوسہ کا نتیجہ ان حضرات کی برہنگی تھی اب اس کے ظہور کاذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ابلیس نے جناب آدم و حواء کو درخت کا پھل کھلانے کی کوشش کی اب ذکر ہے کہ وہ اس کوشش میں ناکام رہا انہوں نے صرف چکھا ہی تھا کھایا نہ تھا کہ اگلے واقعات نے انہیں کھانے سے روک دیا۔

تفسیر: فدلهما بغرور چونکہ شیطان کے دھوکہ دینے اور آدم علیہ السلام کے گندم کھانے میں کچھ فاصلہ نہ تھا بلکہ فوراً ہی یہ واقعہ ہوا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی فوراً **دلا** یا تو بنا ہے دلل سے تو دوسرا لام الف سے بدل گیا۔ اصل میں دلل تھا جیسے **من دسا ها اصل دسسها** تھا دوسرا سین الف سے بدل گیا یا بنا ہے دلو سے تو واؤ الف سے بدل گیا۔ دونوں کے معنی ہیں لٹکانا ڈول کو دلو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کنویں میں لٹکایا جاتا ہے (کبیر) رب فرماتا ہے **فادلی دلوه** اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا۔ کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھنے کو تدلیہ کہا جاتا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو نیچے اتار دیا خیال رہے: کہ یہاں درجے سے اتارنا مراد نہیں جناب آدم علیہ السلام کا درجہ زمین پر آکر اور بڑھ گیا کہ خلافت الہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا بلکہ مکانی طور پر نیچے اتارنا مراد ہے یعنی جنت سے زمین پر اتار دیا ازہری کہتے ہیں کہ ناکام کوشش کو تدلیہ کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے دالہ سے بمعنی جرات و ہمت کرنا شاعر کہتا ہے۔

اظن الحلم دل علی قومی وقد یستجهل الرجل الحلیم

(معانی)

اگرچہ ترتیب یہ تھی کہ شیطان نے حضرت حواء کو دھوکہ دیا اور حضرت حواء نے جناب آدم علیہ السلام کو اس کھانے کی رغبت دی مگر چونکہ اس کا اثر دونوں حضرات پر یکساں پڑا اس لئے **هما** تثنیہ ارشاد ہوا **بغرور** میں ب سببیہ ہے اور غرور بمعنی دھوکہ ہے اس سے مراد ابلیس کی جھوٹی قسم ہے۔ یعنی ابلیس نے جھوٹی قسم کے ذریعہ ان دونوں کو اتار دیا شیطان ہی پہلا وہ ہے جس نے اللہ کی جھوٹی قسم کھائی (خازن) یا **بغرور** کی ب بمعنی فی ہے اور غرور سے مراد دنیا ہے یعنی دار الغرور دھوکے کی جگہ گویا شیطان نے ان دونوں کو دار السرور سے دار الغرور میں اتار دیا **فلما ذا قا الشجرة** یہ عبارت **دلا هما** کی تفصیل ہے لہذا ف تفصیلیہ ہے **ذا قا** بنا ہے **ذوق** سے بمعنی چکھنا یہاں مراد ہے تھوڑا سا کھانا صرف چکھ کر تھوک دینا مراد نہیں بلکہ اس قدر کھانا مراد ہے جو گلے سے نیچے اتر جائے پیٹ بھرنا واقع نہ ہو۔ **ذا قا** تثنیہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں نے ایک ساتھ ہی کھایا ترتیب وار نہ کھایا **الشجره** سے مراد ہے اس درخت کا پھل کھانا نہ کہ پورا درخت کھانا **بدت لهما سو اتهما** یہ عبرت خبر ہے **ذا قا** کی بدت بنا ہے **بدو** سے بمعنی ظاہر ہونا **لهما** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان دونوں بزرگوں کے ستر کسی اور پر ظاہر نہ ہوئے صرف ان ہی دونوں پر ظاہر ہوئے کہ خاوند نے بیوی کو ستر دیکھا اور بیوی نے خاوند کا سوات جمع ہے سورۃ کی جس مادہ ہے **سوء سوءة** جسم کا وہ حصہ جس کا ظاہر ہونا غمگین کرے ان دو بزرگوں کے لئے سوات جمع فرمانا ایسا ہی ہے جیسے **فقد صغت قلوبکما** میں دو عورتوں کے لئے **قلوب** جمع فرمانا بعض نے فرمایا کہ ہر شخص کا ستر ایک نہیں بلکہ چند ہیں قبل علیحدہ ستر دبر علیحدہ ران علیحدہ گھوٹنا علیحدہ لہذا سوآت جمع فرمانا بالکل درست ہے اس ستر کھلنے کی صورت یا تو یہ ہوئی کہ حلہ بہشتی ان سے اتر گیا وہ نور جو لباس کا کام دیتا تھا ختم ہو گیا یا ناخن تمام جسم سے سمٹ کر صرف انگلیوں کے پوروں پر رہ گیا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر

چکے ہیں وہ بھی خوشنما اور نرم نہیں بلکہ سخت خیال رہے: کہ یہ برہنگی اگلے عتاب اور زمین پر تشریف لانے کی تمہید تھی گندم پیٹ میں پہنچتے ہی اس کا اثر یہ ظاہر ہوا **وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ** یہ عبارت معطوف ہے بدت پر طفقا فعل مقاربہ ہے **یخصفان** بنا ہے ۔ **خصف** سے معنی سینا یا زانو پر رکھ کر سینا اس لئے چمڑہ سینے والے کو خصاف کہتے ہیں جنت کے پتوں سے مراد ہے انجیر کے پتے اس لئے انجیر بڑا مبارک درخت ہے کہ رب نے اس کی قسم فرمائی **والتین والزیتون** کہ ان پتوں نے حضرت آدم و حواء کی ستر پوشی کی آپ نے انجیر کے پتے انجیر کے تنکوں سے سے حتی کہ وہ کپڑے کی طرح ہو گئے (خازن) **ونا داھما ربھما** چونکہ ستر کھلنا اور رب تعالیٰ کا یہ فرمانا یا تو ایک ہی وقت میں ہوا یا بالکل متصل اس لئے یہاں ثم یا ف ارشاد نہ ہوا ظاہر یہ ہے کہ یہ نداء براہ راست بغیر فرشتے کے ہوئی یا تو ان دونوں بزرگوں سے یہ خطاب ہوا یا صرف آدم علیہ السلام سے خطاب ہوا اور حضرت حواء اس خطاب میں شامل ہوئیں جیسے قرآن مجید کے احکام میں مردوں سے خطاب ہے عورتیں اس میں شامل ہیں **اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ ربھما** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اس خطا سے رب تعالیٰ کی بندہ نوازی بندہ پروری ان سے بند نہ ہوئی اس کا کرم ان دونوں کے شامل حال رہا البتہ ترتیب کی نوعیت بدل گئی اب تک اور طرح کی تربیت و پرورش تھی اب دوسری طرح کی پرورش شروع ہوئی ۔ رب شیر خوارگی میں بچہ کو ماں کے دودھ سے پالتا ہے ۔ پھر دوسری غذاؤں سے تو اس کریم کر ربوبیت کی نوعیت بدلتی ہے **الم انھکما عن تلکما الشجرۃ** یہ عبارت نادٰھما کا بیان ہے یہاں یہ پوچھ گچھ عتاب کی ہے چونکہ اس درخت کا تعلق ان دونوں صاحبوں سے تھا اس لئے **تلکما** تثنیہ ارشاد ہوا ۔ لطیفہ کیا یہ ہی لطف ہے کہ رب نے یہ بات ان دونوں سے کھاتے وقت یا کھانے سے پہلے نہ فرما دی کہ خبردار اے آدم اسے نہ کھانا ہم نے اس سے تم کو منع فرما دیا ہے بلکہ اولاً "تو کھا لینے دیا ۔ پھر یہ عتاب فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب و خطاب میں صدہا راز ہیں حضرات انبیاء کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں دوسرے کے لئے عطاؤں کا ذریعہ **و اقل لکما ان الشیطان لما عدو مبین** یہ عبارت معطوف ہے الم پر اور لم کے تحت ہے اسی لئے **اقل** کو جزم ہے گویا رب تعالیٰ کی طرف سے دو سوال ہوئے ایک یہ کہ اے آدم و حواء کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا ضرور کیا تھا ۔ پھر تم نے کیوں کھایا دوسرے یہ کہ کیا ہم نے تم کو یہ نہ بتا دیا تھا کیا نہ دکھا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہ سب نے تم کو سجدہ کیا ۔ شیطان نے نہیں کیا اور تمہاری وجہ سے وہ مردود ہوا ۔ جنت سے نکالا گیا اس کی عبادات رائگاں ہوئیں اتنی باتوں کے ہوتے کیا وہ تمہار کبھی دوست ہو سکتا ہے اس کی عداوت تو بالکل کھلی ہوئی تھی ۔ پھر تم نے دھوکہ نہیں بلکہ دھوکے کیوں کھائے اس دشمن کو اپنا دوست اور خیر خواہ کیوں سمجھ لیا اس فرمان میں ہم سب کو بتانا دکھانا سمجھانا مقصود ہے کہ شیطان کو دوست نہ جانو ۔

خلاصہ ء تفسیر: ابلیس نے حضرت آدم و حوا کو مذکورہ بالا دھوکہ و فریب دیکر عالم بالا سے زمین کی طرف یعنی دار البقاء سے دار الفنا کی طرف عیش و عشرت کی جگہ سے مشقت و کلفت کی جگہ کی طرف اتار دیا ہوا یہ کہ ان دونوں نے اس درخت کا پھل برائے نام ہی کھایا تھا کہ ان پر مشقتوں و محنتوں کی ابتداء ہو گئی کہ ان جنتی نورانی لباس ان سے اتر گیا اور وہ دونوں خاوند بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو گئے وہ دونوں شرم کی وجہ سے اپنے جسم پر جنت کے ایک درخت (انجیر) کے پتے اسی کے تنکوں میں سی سی کر لپیٹنے لگے تاکہ ستر پوش ہوں ادھر رب تعالیٰ نے ان کو پکارا کہ اے آدم و حوا کیا ہم نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع نہ فرمایا تھا تم بھول کیوں گئے تم نے کھا کیوں لیا نیز کیا ہم نے تم کو پہلے ہی خبردار نہ کیا تھا کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے تو

وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا مردود بارگاہ ہوا اس کی عبادات رائیگاں ہوئیں تم نے یہ بھی خیال نہ کیا اور اس کی باتوں میں آگئے۔
حکایت: حضرت آدم علیہ السلام کا جب لباس اترا تو آپ نہایت ہی پریشانی کی حالت میں جنت میں بھاگنے لگے ایک درخت میں آپ کے سر کے بال الجھ گئے فرمان الٰہی پہنچا کہ اے آدم کیا ہم سے بھاگتے ہو عرض کیا نہیں اے مولیٰ تجھ سے حیا و شرم کرتا ہوں مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ کوئی تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے فرمایا اب تم دونوں کو زمین پر رہنا سہنا ہو گا یہاں بغیر محنت روزی ملتی تھی وہاں محنت و مشقت سے ملے گی چنانچہ آپ کو لوہاری اور زراعت (کھیتی باڑی سکھا دی گئی فرمایا گیا کہ بوؤ کھیت کو پانی دو پھر کاٹو پھر پیسو پکاؤ اور کھاؤ عرض کیا الٰہی میں نے یہ پھل حواء کے کہنے سے کھایا ارشاد ہو کہ اچھا اب ان کا اور ان کی بیٹیوں کا حمل اور جننا مصیبت سے ہوا کرے گا (تفسیر ابن کثیر، خازن وغیرہ) لطیفہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنے ہر نمازی پرہیز گار غلام کو آزاد کر دیتے تھے کسی نے کہا کہ اب تو آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دینے آزادی حاصل کرنے کے لئے نمازی بن جایا کریں گے فرمایا جو ہم کو اللہ کی عبادات سے دھوکہ دے گا ہم ضرور دھوکہ کھالیں گے (تفسیر کبیر) یعنی یہ ہمارے دلوا حضرت آدم علیہ وسلم کی سنت ہے اس واقعہ کے متعلق ہم بہت کچھ سورہ بقر پارہ الم میں عرض کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جناب آدم و حوا نے اس موقعہ پر کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ گناہ میں کیونکہ گناہ میں ارادۂ گناہ ضروری ہے وہ آپ سے نہیں پایا گیا یہ فائدہ **هما بغرور** سے حاصل ہوا اس کا مجرم رب نے ابلیس کو قرار دیا نہ کہ ان دونوں صاحبوں کو جو انہیں گناہگار مانے وہ گمراہ ہے۔ دوسرا فائدہ: ان دونوں حضرات نے گندم برائے نام ہی کھایا تھا پیٹ پھر کر یا زیادہ نہیں کھایا یہ فائدہ **ذاقا الشجرۃ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے چکھا۔
تیسرا فائدہ: ایک چیز کی تاثیریں مختلف وقتوں مختلف جگہوں میں مختلف ہوتی ہیں سردی کی غذائیں لباس گرمی میں اور گرمی کے سردی میں نقصان دیتے ہیں یہ فائدہ **بدت لهما** الخ سے حاصل ہوا آج ہم سیروں بلکہ منوں گندم کھا جاتے ہیں نہ ننگے ہوتے ہیں نہ سزا پاتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: پردہ اور حیا فطرت انسان کا تقاضا ہے بے حیائی اور ننگا پن بہت شرم کی چیزیں ہیں دیکھو حضرت آدم و حواء آپس میں خاوند بیوی ہیں مگر پھر بھی برہنگی سے شرمائے اب جو عریاں و نیم عریاں رہنا پسند کرتے ہیں وہ فطرت انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں یہ فائدہ **وطفقا یخصفان** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے: کہ انسان کا پردہ نہ تو اپنی بیوی سے ہے نہ فرشتوں سے نہ جانوروں سے ہاں جنات سے پردہ ہے مگر وہ پردہ لباس سے حاصل نہیں ہوتا وہ تو ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے استنجاء جاتے وقت ذکر الٰہی حکم ہے آپ کی یہ پریشانی حیاء و غیرت کی بنا پر تھی۔ پانچواں فائدہ: بہتر یہ ہے کہ خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے نہ رہیں۔ ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں یہ فائدہ بھی **وطفقا یخصفان** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اس وقت کوئی ان دونوں کو ننگا نہیں دیکھ رہا تھا مگر انہوں نے ستر چھپانے کی کوشش کی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔ چھٹا فائدہ: انجیر کا درخت بڑا مبارک ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے پتے لباس کے طور پر استعمال فرمائے یہ فائدہ **من ورق الجنۃ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے اس درخت سے فرمایا کہ تم میرے خلیفہ آدم کا لباس بنا میں تجھ میں بہت خوبیاں رکھوں گا (روح البیان) ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو تمام جانور آپ کی زیارت کرنے آئے آپ کو ہرن بڑا پسند آیا ایک ہرنی پر محبت سے ہاتھ پھیرا تا قیامت اس ہرنی کی اولاد میں مشک ہوتا رہے گا۔ اس ہاتھ کی برکت ہے۔ ساتواں

فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی خطائیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں جن میں بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔ ان کی خطائیں ہماری عبادات سے افضل ہیں یہ فائدہ وناداهما ربهما سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان دونوں کو کھانے سے پہلے یا کھاتے وقت منع نہ فرمایا بلکہ کھالینے دیا۔ پھر عتاب محبوبانہ فرمایا۔ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا تو سارا درخت گندم کھالیتا کیونکہ یہ کھانا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر تشریف آوری کا ذریعہ تھا۔ آٹھواں فائدہ: انسان کو ہمیشہ اپنے دوست دشمن کی پہچان چاہئے کہ اس میں کامیابی ہے یہ فائدہ ان الشیطان لکما عدو مبین سے حاصل ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام صرف ایک بار اپنے دشمن کی دشمنی نہ پہچان سکے مشقت میں پڑ گئے۔ نواں فائدہ: شیطان اور شیطانی لوگ کبھی مومن کے دوست نہیں بن سکتے اگر کبھی دوستی کا دم بھریں بھی تو جھوٹے ہیں اور وہ دوستی ان کی خطرناک دشمنی ہوتی ہے یہ فائدہ عدو مبین فرمانے سے حاصل ہوا جب سانپ بھی انسان کا دوست نہیں ہو سکتا اگرچہ کیسا ہی خوبصورت حسین اور خوشنما ہو تو یہ ناری لوگ نوری لوگوں کے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔ دسواں فائدہ: مومنین کی آپس میں عداوتیں اور دشمنیاں عارضی ہیں جب یہ عارضہ اٹھے گا محبت ہو جاوے گی عداوت جاتی رہے گی رب فرماتا ہے ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین اور کفار کی مومنین سے محبت عارضی ہے جب یہ عارضہ دور ہو گا محبت جاتی رہے گی دشمنی ہو جاوے گی آج مومنہ ماں اپنے کافر بیٹے سے خونی رشتہ کی وجہ سے بظاہر محبت کرتی ہے مگر کل قیامت میں یہ ہی ماں اس بچے کی دشمن ہو گی کیونکہ وہ محبت ایمان نہیں۔ جس کی بقا ہو بلکہ محبت جاتی ہے۔ جس کے لئے فنا ہے یہ فائدہ بھی عدو مبین سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں تو ارشاد ہوا ذاقا اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے اکلا یعنی ان دونوں نے کھالیا دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ چکھنا وہ ہے جو صرف منہ میں رہے حلق سے نیچے نہ اترے اور کھانے میں حق سے نیچے اترنا ضروری ہے اس لئے چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور کھانے سے ٹوٹ جاتا ہے کونسی آیت درست ہے انہوں نے کھایا تھا یا چکھا تھا۔ جواب: عربی میں ذوق کئی معنی میں آتا ہے چکھنا۔ معمولی سا کھالینا برداشت کرنا چنانچہ دوزخی کافر سے کہا جاوے ذق انک انت العزیز الکریم دیکھو وہاں ذوق بمعنی برداشت کرنا ہے یہاں ذوق دوسرے معنی میں ہے یعنی معمولی سا کھالینا تو وہ آیت اس آیت کی تفصیل یا شرح ہے لہذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: گندم کھانے میں برہنہ ہو جانے کی تاثیر نہیں پھر اس وقت وہ دونوں حضرات برہنہ کیوں ہو گئے ہم دن رات گندم کھاتے ہیں برہنہ نہیں ہوتے۔ جواب: وہاں گندم کھانا جنت سے باہر جانے کا سبب تھا اور جنت سے باہر جانے کے لئے وہاں کا لباس اتار اجانا ضروری تھا جیسے جس حاکم یا وزیر کو علیحدہ کرتے ہیں تو اس سے تمغہ وردی پیٹی لے جاتے ہیں سرکاری کوٹھی خالی کرا لیتے ہیں یہ تمام چیزیں اس حاکم کی علیحدگی کی علامات ہوتی ہیں اور اگر غور کرو تو ہم کو یہاں بھی گندم کھا کر استنجے کے لئے ننگا ہونا پڑتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ اثر اب بھی موجود ہے۔ تیسرا اعتراض: حضرت آدم و حوا کو برہنہ کر دینا تو بڑی شرم کی بات ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی مقبول بندے کے لئے کیوں جاری فرمائی۔ جواب: اجنبی انسانوں کے سامنے ننگا ہونا برا ہے خاوند و بیوی کا کوئی پردہ نہیں ہوتا لہذا یہ چیز غیرت کے خلاف نہ تھی یہ تو ان دونو بزرگوں کی انتہائی حمیت تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ خیال رہے کہ فرشتوں' شیر خوار بچوں' جانوروں سے انسان کا پردہ نہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں نہ تو یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں کو کس

درخت سے روکا گیا تھا نہ یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں نے کس درخت کے پتے اپنے جسم پر لپیٹے قرآن مجید سے ان دونوں چیزوں کا ثبوت نہیں ملتا کلام الہی ناقص کیوں ہے۔ جواب: معاذ اللہ کلام الہی ناقص نہیں ہو سکتا وہ بالکل کامل اکمل ہے ہاں بعض جگہ اجمال ہے۔ جس کی تفصیل صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے اگر قرآن مجید میں بالکل اجمال نہ ہوتا تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج نہ رہتے مرضی الہی تھی کہ لوگ قرآن پڑھ کر صاحب قرآن سے بے نیاز نہ ہو جاویں دیکھو فرمایا گیا کہ نماز قائم کرو زکوۃ دو مگر نہ تو نماز کی تفصیل ہے نہ زکوۃ کی کیوں تاکہ قرآن پڑھ کر بھی حضور کی حاجت رہے۔ پانچواں اعتراض: جنت میں احکام شرعیہ نہیں پھر ان دونوں کا احکام شرعیہ جاری کیوں ہوئے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ یہ ممانعت حکم شرعی ہے۔ پھر جنت میں انہیں یہ کیوں کہا گیا۔ جواب: جب مومنین ثواب و جزاء کے لئے جنت میں جائیں گے تب ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے اس وقت حضرت آدم و حوا کا جنت میں رہنا ثواب کے لئے نہ تھا لہٰذا یہ حکم ان کو دیا گیا دیکھو۔ دنیا احکام شرعیہ کی جگہ ہے مگر بعض حالات میں انسان پر یہاں بھی شرعی احکام جاری ہوتے جب زمین پر حالات مختلف ہیں تو وہاں مختلف وقتوں میں مختلف حالات ہوں تو کیا بعید ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ ان کی ساری اولاد کے لئے تاقیامت درس عبرت ہے دیکھو آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ محسود ابلیس تھے ان کے سر پر وصلت کا تاج تھا۔ جسم شریف پر کرامتہ کا لباس کمر قربت کا پٹکا گلے میں الفت کا ہار کوئی مخلوق رتبہ میں ان کی برابر نہ تھی بلندی میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا ہر وقت یا آدم یا آدم کی نداء ربانی آتی تھی۔ صرف ایک خطاء سے لحظ میں کلیا پلٹ گئی لباس اتر گیا۔ ظاہری الفت سلب ہو گئی جگہ میں تبدیلی ہو گئی وقت نے پلٹا کھایا جب ایک خطا کا نتیجہ یہ ہے تو غور کرو کہ ہم گنہگاروں کا کیا بنے گا جو ہر وقت گناہوں میں گرفتار ہیں۔

چہ گونہ دعوئے وصلت کنم بجانکہ شداست   لیم وکیل قضا و دلم ضمان فراق

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر پنی ستر پوشی دنیاو آخرت میں چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو تقویٰ و پرہیزگاری دل کا لباس ہے عشق و محبت دل کا زیور دیکھو ہمارے جد امجد سے ایک خطا ہوئی تو لباس جنت اتار لیا گیا اللہ تعالیٰ ہم سب کا پردہ دین و دنیا میں رکھے ابھی یہاں توبہ کرے ورنہ پھر بات بنائے نہ بنے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں ارشاد ہوا **فدلٰهما بغرور** جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا ایسا تھا جیسے ڈول کا کنویں میں ڈالا جانا کہ مالک ڈول کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے یوں ہی رب نے آپ کو زمین پر رکھ کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ آپ کی ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی ڈول کنویں میں جا کر پانی لیکر آتا ہے یوں ہی آدم علیہ السلام زمین پر آکر خالی واپس نہ جائیں گے بلکہ اپنے ساتھ کروڑوں اولاد کو جنت میں لے جائیں گے۔ ڈول کو مالک کنویں کیچڑ میں پھنسنے نہ دیا بلکہ اعمال صالحہ کی توفیق دی جو لیکر آپ بارگاہ الہی میں جائیں گے ندامت لیکر رونا لیکر آئے تھے کرامت لیکر جائیں گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام پہلے صرف فضل کی جنت میں تھے اب فضل اور کسب دونوں جنتوں میں رہیں گے کسب کی جنت کے مکانات پھل پھول دنیاوی مومنہ بی بی کا حسن فضل کی جنت کے پھل پھول وغیرہ سے کہیں زیادہ ہو گا کہ اس میں نیک اعمال کا مزہ بھی ہو گا جنت میں وصال یار کا لطف تھا زمین پر آکر فراق کی لذت و رودل آنسو لذت فراق نصیب ہے جب یہ گنہگار مدینہ پہنچتے ہیں تو انہیں عشق سوز و گداز تڑپ وغیرہ سب کچھ میسر ہوئی تڑپ اور فراق کی لذت عاشقوں سے پوچھو۔ مدینہ والوں کو لذت وصال میسر ہے تو دور افتادگان کو لذت فراق نصیب ہے جب یہ گنہگار

مدینہ پہنچتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے کہ مدینہ آ گیا محبوب کو خوشی ہوتی ہے کہ میرے گنہگار شفاعت کے طلبگار آ گئے علماء فرماتے ہیں کہ بغرور کے معنی ہیں کہ شیطان نے دھوکہ دیکر انہیں اتار اصوفیاء فرماتے ہیں کہ اس مردود نے دھوکہ دے کر انہیں اتار الور چاہا تھا ان کا تنزل ہو مگر ہو گئی ان کی ترقی۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
عرض کیا ان دونوں نے اے ہمارے پالنے والے ہم نے نقصان پہنچایا اپنی ذاتوں کو اور اگر نہ بخشے تو ہم کو اور نہ
دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ
الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ
رحم کرے تو ہم ہو جائیں گے ہم ٹوٹہ والوں میں سے فرمایا اتر جاؤ تم سب کو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہو اور واسطے تمہارے
کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں سے ہوئے فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ
زمین میں جائے قرار ہے اور سامان ہے ایک وقت تک فرمایا اس میں جیو گے تم اور اس میں مرو گے تم اور اس سے
میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے فرمایا اس میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اس
مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع
نکالے جاؤ گے
میں اٹھائے جاؤ گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت آدم و حواء پر مشقتوں کا ابتداء کا ذکر تھا اب مشقتوں کی انتہا کا تذکرہ ہے یعنی جنتی لباس اتار لئے جانے کے بعد خود ان کے جنت سے اتارے جانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے قول عتاب کا تذکرہ تھا کہ اس نے ان دونوں بزرگوں سے یہ عتابانہ کلام فرمایا اب اس کے فعل عتاب کا ذکر ہے کہ انہیں زمین پر بھیج دیا گویا ایک قسم کے خطاب کے بعد دوسری قسم کے عتاب کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان بزرگوں سے جنتی لباس اتارے جانے کا ذکر تھا اب ان کی اولاد کے دلوں سے لباس محبت اتار لئے جانے کا تذکرہ ہے **بعضکم لبعض عدو** گویا جسمانی برہنگی کے بعد اولاد کی جنانی برہنگی کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ان دونوں بزرگوں پر عتاب کا ذکر تھا کہ ان سے جنتی لباس لے لیا گیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ عتاب عارضی تھا کہ تم کچھ دن کے لئے زمین پر جاؤ پھر تمہارا ٹھکانہ یہ ہی جنت ہے۔

تفسیر: **قالا ربنا ظلمنا انفسنا** یہ نیا جملہ جس میں حضرت آدم و حواء کے اس جواب کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے رب تعالیٰ کے عتابانہ خطاب کا دیا **قالا** کا فاعل حضرت آدم و حواء دونوں ہیں اور ان بزرگوں کی یہ عرض معروض اس وقت جنت میں ہی

ہوئی کہ رب تعالیٰ کا وہاں عتاب سن کر فوراً یہ عرض کیا چونکہ رب سے عرض کرتے وقت اسے پکارنا بہتر ہے اس لئے پہلے اسے پکارا پھر کچھ عرض کیا چونکہ ربوبیت اور پرورش رحم و کرم کا ذریعہ ہے ماں بچہ پر رحم کرتی ہے کیونکہ وہ اس کی مربی ہے اس لئے اسے ربنا کہہ کر پکارا تاکہ دریا رحمت جوش میں آئے اور بخشش ہو جائے یا نہ کہنا زیادہ ادب ہے اس لئے یا ربنا نہ کہا ظلمنا بنا ظلم سے ظلم کے بہت معنی ہیں۔ کفرو شرک یعنی بد عقیدگی گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ لغزش و خطا کسی کا حق مارنا کسی کو نقصان پہنچانا اس کا کچھ بگاڑنا یہاں آخری تین معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں انفس جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات جان خون نفس امارہ نفس مطمئنہ یہاں بمعنی ذات یا جان ہے یعنی اے ہمارے پالنے والے واقعی تو نے ہم کو یہ درخت کھانے سے منع فرمایا تھا ہم نے اپنی ذاتوں یا جانوں کو نقصان پہنچایا ہم نے خطا کی۔ ہم نے اپنا حق خود مار دیا کہ دھوکہ کھا گئے خیال رہے کہ ظلم کے چند معنی ہیں کفرو شرک گناہ وغیرہ مگر جب اس کے بعد مفعول مذکور ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں حق مارنا یہاں یہ ہی ہے جیسے ہم پر اولاد ماں باپ قوم ملک قرآن حضور پاک اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں ایسے ہی ہم پر اپنی ذات کے بھی حقوق ہیں اگر خودکشی کرے یا اپنے اعضاء کاٹ ڈالے تو گنہگار ہے کہ اس نے اپنی جان کا حق مارا یوں ہی گناہ کرنا بھی ظلم ہے کہ اس نے جان کا حق مارا جان کا حق تھا کہ نیکیاں کر کے اسے جنت میں پہنچایا جاتا لہذا مطلب بالکل واضح ہے۔ وان لم تغفرلنا وترحمنا یہاں دو چیزوں کا ذکر ہے مغفرت اور رحمت اور دونوں میں کئی طرح فرق ہے غلطی چھپا لینا مغفرت ہے معاف فرما دینا رحمت گذشتہ گناہ و خطا معاف کر دینا مغفرت ہے آئندہ گناہوں سے بچنے نیک اعمال کی توفیق دینا رحمت چھوٹے گناہ بخش دینا مغفرت ہے بڑے گناہ بخشنا رحمت ہے جرم پر سزا نہ دینا مغفرت ہے بندے سے راضی ہو جانا رحمت ہے تغفرلنا اور ترحمنا میں ضمیر کا جمع ارشاد فرمانا یا تو اپنے دونوں کے لئے ہے یا اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بھی یعنی اے مولا اگر ہم دونوں یا ہم دونوں اور ہماری اولاد کو معاف نہ دے ہم سب پر رحم و کرم نہ کرے تو لنکونن من الخاسرین یہ عبارت جزاء ہے حرف ان کی تکونن سے مراد یا وہ دونوں حضرات ہیں یا وہ دونوں مع ان کی اولاد کے خاسر بمعنی ہالکین ہے یا بمعنی مغبونین یا بمعنی نقصان پانے والے جو اپنی ساری آخرت کو ایک ساعت کی شہوت کے عوض فروخت کر دیں۔ خیال رہے: کہ یہ عرض و معروض در حقیقت رحم و مغفرت کی دعا ہے یعنی اے مولیٰ ہم پر رحم کر ہماری مغفرت فرما دعا کی بہت صورتیں ہیں۔ مانگنا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا درود شریف پڑھنا اپنی خطا کا ذکر کرنا یہ سب دعائیں ہیں۔ قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو یہ فرمان عالی حضرت آدم و حواء کی دعا کا جواب ہے اس میں ان کی دعا کی تردید نہیں بلکہ اس واقعہ کے مقصد کی تمہید کا ذکر ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام زمین کی خلافت کے لئے پیدا فرمائے گئے تھے اور یہ واقعہ ان کے زمین پر جانے کی تمہید ہے اھبطو بنا ہے ھبوط سے بمعنی اترنا خواہ عزت و عظمت کے ساتھ اترنا ہو یا ذلت و رسوائی کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا اترنا عزت و عظمت کے ساتھ کہ زمین ان کی جاء خلافت یا پایہ تخت ہے اھبطو میں خطاب حضرت آدم و حواء سے بھی ہے اور ان کی پشت کی اولاد سے بھی اس لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا بعضکم الخ اھبطو کے فاعل انتم سے حال ہے یعنی تم انسانوں میں بعض بعض کے دشمن ہیں کہ کافر و منافق مومنوں کے دشمن فاسق و بدکار نیک کاروں کے دشمن غافلین ذاکرین کے دشمن نفسانی لوگ رحمانی لوگوں کے دشمن فاسق و بدکار نیک کاروں کا دشمن یا سانپ اور ابلیس انسانوں کے دشمن اس کی تحقیق و تفصیل پہلے پارہ میں گزر چکی خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری اولاد کی سرشت میں نفس غصہ عداوت بھی ہے جن میں سے نبی سے عداوت کفر ہے

مسلمان سے دنیاوی عداوت حرام ہے کفار سے مذہبی عداوت عبادت ہے کہ اس سے مسلمان غازی شہید سب کچھ بنتا ہے جہاد اسی عداوت سے ہوتا ہے۔ جنت کسی عداوت کی جگہ نہیں **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** لہٰذا تم دنیا میں جاؤ تاکہ ان عداوتوں کا ظہور وہاں ہو۔ **ولکم فی الارض مستقر** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان بزرگوں کے زمین پر اترنے کا انجام کا ذکر ہے لکم میں خطاب ان دونوں سے ہے ان کی اولاد سے خطاب ہے **فی الارض** متعلق ہے **مستقر** کے اس کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **مستقر** باب استفعال کا اسم ظرف ہے اس کے معنی ہیں عارضی ٹھکانہ یا جاء قرار یعنی تم سب انسانوں کا زمین ہی میں ٹھکانہ اور قرار کا مقام ہے کہ جیتے جی اس کے اوپر رہو گے اور بعد مرے اسی میں دفن ہو گے بعض نے فرمایا کہ **مستقر** مصدر میمی ہے بمعنی قرار و استقرار (روح المعانی) بعض نے کہا کہ یہ اسم مفعول ہی ہے یعنی زمین میں تمہارا ملک اور تمہارا التصرف ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے جنت دوزخ اور زمین تینوں مقامات آباد کرنے بسانے کے لئے بسانے کے لئے پیدا فرما دیئے زمین کی آبادی عارضی فانی جنت دوزخ کی آبادی دائمی باقی یہ تینوں آبادیاں تمہارے زمین پر جانے پر موقوف ہیں ورنہ اتنی بڑی جنت میں تم اکیلے دو صاحب رہو گے دوزخ اور زمین میں کوئی نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ جیسے بازار کی آبادی کاروبار سے مسجد کی آبادی نمازیوں سے میدان جہاد کی آبادی غازیوں سے کعبہ کی آبادی حاجیوں سے ایسے ہی زمین کی آبادی انسانوں سے ہے جنات' جانوروں سے زمین آباد نہیں ہوتی **مستقر** فرما کر یہ بتایا کہ زمین تمہارا اصل وطن نہیں صرف عارضی جاء قرار جاء قیام ہے وہاں دل نہ لگانا ہماری حالات کی تبدیلیاں اور جسم کی کمزوری بتا رہی ہے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے دیکھو عمر زمین پر رہنے سے گزرتی ہے **ومتاع الی حین** یہ عبارت معطوف ہے **مستقر** پر متاع مصدر ہے بمعنی نفع اٹھانا فائدہ حاصل کرنا الی حین متعلق ہے متاع کے اور حین سے مراد ہے وقت موت یعنی تم کو تمہاری موت تک زمین سے نفع حاصل کرنا ہو گا۔ بعض نفع زمین کے ظاہر سے اور بعض نفع زمین کے اندرون سے خیال رہے کہ سورج اور ہوا سے بھی انسان فائدہ اٹھاتے ہیں مگر بواسطہ زمین کو دھوپ اور ہوا زمین پر اپنا اثر کرتی ہیں اس سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے درخت کہ پانی کھاد اور دھوپ و ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر بواسطہ جڑ اور جڑ زمین میں ہوتی ہے لہٰذا یہ فرمان اور یہ حصر بالکل درست ہے **متاع** فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ دنیا کا سامان ایک برتنے کی چیز ہے کہ تم برت چلے آؤ وہ ویسی ہی رہے دوسرے یہ کہ میں نے زمین میں لاکھوں چیزیں امانت رکھی ہیں۔ تمہارے لئے سونے چاندی لال جواہر کانیں وہاں پھل پھول کے ڈھیر تمہارے لئے ہی بنائے گئے جاؤ انہیں جا کر برتو۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ فرمان عالی سن کر مغموم ہوئے کہ ہم کو جنت سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا گیا تو **قال فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون** یہ کلام ان کی نسل کے لئے ہے جس میں فرمایا گیا کہ تم کو زمین میں عارضی طور سے بھیجا جا رہا ہے وہاں تم سب کے تین حال ہوں گے اپنے زندگی کے زمانہ میں زمین میں جیو گے اور موت آنے پر زمین میں ہی مرو گے پھر صور پھونکنے پر زمین ہی سے نکالے جاؤ گے اور وہاں سے ہی میدان محشر میں پہنچو گے خیال رہے کہ یہ رب کا قانون ہے اس کی قدرت یہ بھی ہے کہ وہ قیامت میں حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت سے محشر میں لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت عرصہ آسمان پر رکھے ہمارا ایمان قانون پر بھی ہے اور قدرت پر بھی قانون کے ہم پابند ہیں رب تعالیٰ پر قانون جاری نہیں لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں یہ بھی خیال رہے کہ جو لوگ سمندر میں یا ہوائی جہاز میں اڑتے ہوئے فوت ہو جاویں وہ بھی زمین ہی میں مرے کہ سمندر زمین پر ہے ہوا بھی زمین پر ہے انہیں مرنا زمین میں ہے یوں ہی

سمندری جہاز میں رہنا سہنا زمین ہی میں رہنا سہنا ہے جیسے درخت کی شاخوں میں رہنا سہنا زمین ہی میں رہنا ہے۔

خلاصہء تفسیر: رب العالمین کا یہ عتابانہ خطاب سن کر ان دونوں حضرات نے کوئی بہانہ نہیں بنایا اپنے کام کی تاویل نہیں کی بلکہ نہایت عاجزی سی عرض کیا کہ میرے مولیٰ واقعی تو نے ہم کو سب کچھ بتادیا تھا ہم سے غلطی ہو گئی ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا۔ اپنا حق ہم نے خود مار لیا کہ گندم کھالیا اب اگر تو ہماری پردہ پوشی نہ کرے اور ہم پر رحمت کر کے معاف نہ دے تو ہم بالکل خسارہ و نقصان والوں میں سے ہو جائیں گے رحم کر رب العلمین نے ان کی دعا رد نہ فرمائی بلکہ ان کو اس کی حکمت بتاتے ہوئے فرمایا کہ فی الحال تم مع اپنے بچوں کے زمین پر اتر جاؤ مگر تمہاری اولاد مختلف اقسام کی ہو گی کافر' مومن' منافق' مخلص' دنیادار' دیندار' غافل عاقل ان میں سے ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تم سب کا زمین میں قرار ہو گا۔ وہاں ہی ہر طرح کا برتنا مگر ہمیشہ کے لئے نہیں اپنی موت کے وقت تک جب حضرت آدم علیہ السلام اس فرمان عالی پر مغموم ہوئے اور سمجھے کہ شاید ہم کو جنت سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر دیا تو فرمایا کہ غم نہ کرو تم سب زمین میں جیو گے کہ وہاں ہی مرو گے اور وہاں سے ہی قیامت میں نکالے جاؤ گے اور بقدر اعمال جنت دوزخ میں بھیجے جاؤ گے۔ یہ قیام عارضی ہو گا خیال رہے کہ حضرت آدم نے یہ دعا نہ کی تھی کہ ہم کو زمین پر نہ زمین پر نہ بھیجا جاوے اس کے جواب میں رب کا یہ فرمانا اهبطوا اتر جاؤ اس میں چند حکمتیں ہیں (1) اے آدم جنت جگہ توبہ استغفار اور دعا مانگنے کی نہیں یہ جگہ تو ان کاموں کے ثواب کی ہے گندم بویا جاتا ہے کھیت میں کھایا جاتا ہے گھروں میں اعمال کاشت کئے جاتے ہیں زمین میں ثواب لیا جاتا ہے۔ جنت میں تم زمین پر جا کر دعا عبادات کرو حج مکہ معظمہ میں ہوتا ہے یوں ہی عبادات زمین پر ہوتی ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ بیت المقدس میں جا کر توبہ کرو۔ (2) تمہاری پشت میں کافر و مومن کی روحیں مخلوط ہیں، جنت میں ان کی چھانٹ ناممکن ہے: زمین پر جاؤ تاکہ ان میں چھانٹ ہو (3) ابھی تم صرف فضل کی جنت میں رہے زمین پر جا کر اعمال صالحہ کرو تاکہ آئندہ اعمال کے باغات لگیں تم کو وہ نعمتیں بھی عطا ہوں (4) ابھی تم صرف دو صاحب جنت میں ہو زمین پر جاؤ کروڑوں ہو کر آؤ تاکہ جنت آباد ہو کہ جنت کی آبادی حور و غلمان اور فرشتوں سے نہیں بلکہ مومن انسانوں سے ہے غرضیکہ اس فرمان میں ان کی دعا کا رد نہیں بلکہ دعا کی جگہ اس کے وقت کی رہبری ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جو دعائیں اللہ کے مقبول بندے نے مانگی ہوں اور رب تعالیٰ نے وہ قبول فرمائی ہوں اور اسے قرآن کریم نے نقل فرمایا ہو وہ ان دعاؤں سے افضل ہے جو ہم خود اپنی تجویز سے مانگیں کیونکہ ایسی دعاء ماثورہ میں تین تاثیریں جمع ہیں الفاظ کی تاثیر' زبان کی تاثیر رب تعالیٰ کی نقل فرمانے کی تاثیر' ہماری دعاؤں میں صرف لفظ کی تاثیر ہو سکتی ہے باقی دو تاثیریں نہیں یہ فائدہ قالا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اپنے قصور کا اقرار کر لینا کسی قسم کی حجت نہ کرنا ایمان کامل کی علامت ہے اور بہانے بہانا حجت بازیاں کرنا اپنے غلط قول و فعل کی تاویلیں کر کے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کرنا بے دینی کی علامت ہے یہ فائدہ ربنا ظلمنا الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: خطاء قصور کو اپنی طرف نسبت کرنا نیکی و خوبی کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا سنت پیغمبری ہے برائیوں کو رب کی طرف نسبت کرنا طریقہ ابلیس ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے قصور و ظلم کو اپنی طرف نسبت کیا کہ ظلمنا انفسنا اور ابلیس نے گمراہی کو رب کی طرف نسبت کیا کہ بولا رب بما اغویتنی تو نے مجھے گمراہ کر دیا مولانا عطار فرماتے ہیں۔۔

خلق ترسد از تو من ترسم زخود کز تو نیکی دیدہ ام و از خویش بد!

یارب لوگ تجھ سے ڈرتے ہیں میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ تیری طرف سے بھلائی دیکھی ہے اپنے سے برائی۔ **پانچواں فائدہ:** جس دعا اور جن کلمات پر حضرت آدم و حواء کی توبہ قبول ہوئی وہ یہ الفاظ نہیں **ربنا ظلمنا** الخ بلکہ وہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے معافی مانگنے کے تھے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ** یہ فائدہ **قال اھبطو** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ دعا تو آدم علیہ السلام جنت ہی میں مانگ چکے تھے اور اس دعا کے جواب میں **اھبطوا بعضکم لبعض عدو** الخ فرمادیا گیا تھا جن مفسرین نے فرمایا کہ وہ دعا **ربنا ظلمنا** ہے وہ اس آیت کریمہ میں غور کریں جناب آدم علیہ السلام اس کے بعد زمین پر تشریف لا کر بہت عرصہ تک توبہ گریہ وزاری فرماتے رہے **چھٹا فائدہ:** اپنے قصور کا اقرار رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا یہ سب کچھ دعا ہی ہے یہ فائدہ **ربنا ظلمنا** پوری آیت سے حاصل ہوا کیونکہ اس عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مولیٰ مجھے بخش دے۔ **ساتواں فائدہ:** کافر و مومن' دنیادار' دیندار' غافل و عاقل کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے ان میں مخالفت لازم ہے یہ فائدہ **بعضکم لبعض عدو** سے حاصل ہوا جو ان سب میں اتفاق پیدا کرنا چاہے وہ ناممکن چیز کی کوشش کرتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** انسان کی اصلی جگہ زمین ہے اس کی زندگی اور موت زمین پر ہی ہوگی کسی انسان کا زمین چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا ایک عارضی چیز ہے یہ فائدہ **ولکم فی الارض** الخ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** قیامت میں انسان زمین سے ہی نکلیں گے خواہ دفن ہوئے یا نہیں جو جلا کر راکھ کردیئے جاویں یا جنہیں شیر کھا جاوے یا جو سمندر میں ڈوب کر مریں اور انہیں مچھلیاں کھا جاویں سب کا اٹھنا زمین ہی سے ہوگا یہ فائدہ **ومنھا تخرجون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم و حواء مشرک ہو گئے تھے پھر توبہ کر کے مومن بنے دیکھو فرمایا **ربنا ظلمنا انفسنا** اور قرآن مجید نے شرک کو ظلم کہا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** (بعض بیدین)۔ **جواب:** ہم اس اعتراض کا تفصیلی جواب پارہ اول میں دے چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید ظلم بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں معنی خطاء ہے اس لئے اس کے ساتھ یہاں انفسنا فرمایا گیا جیسے صلوۃ قرآن مجید میں بہت معنی میں استعمال ہوا نماز' دعا' درود شریف' نماز جنازہ وغیرہ۔ جس لفظ کے چند معنی ہوں وہاں موقعہ دیکھ کر معنی کرنے پڑتے ہیں رب فرماتا ہے **یخادعون اللہ وھو خادعھم** اور فرماتا ہے **مکروا ومکر اللہ** یہاں خداع اور مکر جو رب کی طرف منسوب ہوئے ان کے معنی ہی کچھ اور ہیں گندم کھالینا شرک نہیں یہ تو ایک عمل ہے شرک و کفر فساد عقیدے سے ہوتا ہے اگر گندم کھانا شرک ہوتا تو کبھی حلال نہ ہوتا کہ شرک کبھی جائز نہیں اور ہم سارے مشرک ہوتے کہ سب ہی کھاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی دیکھو ان حضرات نے معافی مانگی تو یہ درخواست رد کردی گئی کہ فرمایا گیا **اھبطوا** یہاں سے اتر جاؤ پھر تم بزرگوں کو مقبول الدعاء کیوں مانتے ہو اور ان سے اپنے لئے دعائیں کیوں کراتے ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ اس فرمان عالی میں ان بزرگوں کی دعا کا رد نہیں ورنہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم نہیں بخشیں گے بلکہ اس واقعہ کی تمہید کا ذکر ہے جس کے لئے یہ خطا سرزد ہوئی یعنی انہیں زمین پر بھیج ان کے سر مبارک پر نبوت و خلافت کا تاج رکھنا وغیرہ ان حضرات نے بھی یہ نہیں دعا کی تھی کہ خدایا تم ہم کو زمین پر نہ بھیج۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت آدم علیہ السلام نے دو دعائیں مانگی تھیں کہ ایک عیب پوشی کی دوسری مغفرت کی جیسا کہ ابھی **ان لم تغفرلنا** اور **ترحمنا** کی تفسیر

سے معلوم ہوا کہ رب نے اس واقعہ کا اعلان تمام آسمانی کتابوں میں کر دیا جس کی وجہ سے آج تک اس واقعہ کا چرچا ہو رہا ہے
معلوم ہو کہ رب نے چھپایا نہیں ان کی یہ دعا قبول نہ کی۔ **جواب:** اگر اس دعا کا کوئی جز عورد ہوا ہو تا تو یہ دعا بغیر تردید قرآن مجید
میں نقل نہ ہوتی اور ہم کو یہ دعا مانگنے کا حکم نہ ہوتا کسی کے قصور کا اعلان بطور سزا کے ہو تو پردہ دری ہے اور اگر معافی کے ساتھ
اعلان ہو تو عزت افزائی ہے حضرت آدم کا یہ واقعہ مع معافی کے فرمادیا **انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا**
ولقد عفا اللہ عنھم **چوتھا اعتراض:** عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اور ادریس علیہ السلام کو جنت میں موجود مانا غلط
ہے کوئی انسان نہ آسمان پر رہ سکتا ہے نہ جنت میں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین**
تمام انسانوں کا جاء قیام زمین ہی ہے۔ **جواب:** اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں قانون کا ذکر ہے واقعی انسان
کے لئے قانون یہ ہی ہے کہ وہ زمین میں رہے مگر رب کی قدرت یہ ہے کہ وہ کسی بندے کو آسمان یا جنت میں بھی رکھ لے جیسے
خود حضرت آدم و حواء کو عرصہ دراز تک جنت میں رکھا یا یوں کہو کہ ان اصل ٹھکانہ زمین ہی ہے وہاں رہنا عارضی ہے۔ بہر حال
قانون کے ہم پابند ہم پر جاری ہے رب تعالیٰ پر قانون جاری نہیں دیکھو قانون یہ کہ انسان مخلوط نطفے سے پیدا فرماتا ہے **انا**
خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ اس کے باوجود اس قادر مطلق نے حضرت آدم و حواء کو اور حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کو بغیر نطفہ ہی پیدا فرمایا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے انسانوں کا ٹھکانہ زمین ہے۔ مگر
بعض انسان سمندر ہی میں زندگی گزارتے ہیں بعض لوگ عرصہ تک ہوا میں رہتے ہیں پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔
جواب: اس کے جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ وہ لوگ بھی زمین ہی پر رہتے ہیں کہ ہوا اور پانی زمین پر ہی ہیں یا یوں کہو کہ
ان کا وہاں رہنا عارضی ہے اصلی مقام زمین ہے۔ **چھٹا اعتراض:** ان آیات میں ایک جواب کے لئے دوبارہ **قال** کیوں ارشاد
ہوا **قال اھبطوا** الخ دوسرے **قال فیھا تحیون** **جواب:** یہ ایک جواب نہیں بلکہ دو جواب ہیں ایک جواب میں ارشاد
ہوا کہ تم فی الحال جنت سے زمین کی طرف اتر جاؤ دوسرے میں ارشاد ہوا کہ تمہارا زمین پر جانا وہاں رہنا دائمی نہیں ہو گا تم پھر جنت
ہی میں آؤ گے لہٰذا نہ تو جواب میں تکرار ہے نہ دوسرا قال فرمانا بیکار ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ تم
لوگ زمین میں سے نکالے جاؤ گے حالانکہ جن کو شیر یا مچھلیاں کھا جاویں یا جو جلا دیئے جاویں وہ تو زمین میں دفن ہی نہیں ہوئے وہ
زمین سے کیسے نکالے جائیں گے۔ **جواب:** انسان کے اصل اجزاء جن پر قیامت میں جسم تیار کیا جاوے گا وہ نہ تو فنا ہوتے ہیں
نہ بدلتے ہیں وہ ایسے ہی رہتے ہیں لہٰذا آگ میں جلے ہوئے شیر یا مچھلیوں کے کھائے انسانوں کے اصل اجزاء ویسے ہی رہتے ہیں
وہ اجزاء گندم، آٹا، خون، منی میں ویسے ہی رہے اور آئندہ جسم انسانی جل جانے ہضم ہو جانے پر بھی ویسے ہی رہتے ہیں وہ اجزاء
زمین ہی سے اٹھائے جائیں گے ان پر آگ وغیرہ کچھ اثر نہیں کرتی اس مسئلہ کی تحقیق علم کلام میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے اس کو باتیں اور دعائیں بھی اچھی سوجھتی ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے
اسے باتیں دعائیں بھی اوندھی الٹی ہی سوجھتی ہیں دیکھو شیطان نے عتاب الٰہی دیکھ کر زیادہ گناہ کرنے کے لئے دراز عمر مانگی یہ تھا
اس پر اللہ کا غضب اور حضرت آدم علیہ السلام نے عتاب محسوس کر کے فوراً معافی مانگی ان مختلف دعاؤں کے نتیجے بھی مختلف
ہوئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ در حقیقت آدم علیہ السلام نے درخت محبت کا پھل کھایا تو محبت کے جال میں پھنسے انہیں ہجر یار پر
صبر کرنے کا حکم دیا گیا اور بعد ہجر دائمی وصال کا ان سے وعدہ کیا گیا یہ سب کچھ بظاہر عتاب ہے در اصل عنایت بے غائت ہے اور

ترقی درجات ہے۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج　　　　بلے بہ حکم بلا بستہ انداز حکم است

نیز فرماتے ہیں کہ علم کا درخت وہ ہے جس کے قریب جانا بغیر مکاشفہ 'مشاہدہ 'معاینہ کے ممنوع ہے جو اس درخت کو ان صفات کے بغیر ہاتھ لگائے گا وہ حقیقت کے پھل کی لذتوں سے محروم رہے گا نیز بغیر تقدیر پر راضی ہوئے تدبیر کے درخت کو ہاتھ لگانا درست نہیں رضا بالقضاء ہر ایک کے لئے کافی ہے یہاں ارشاد ہوا کہ تم محبت میں جیو طلب حق میں مرو شریعت کا راستہ طریقت کے قدموں سے طے کرو پھر اس سے حقیقت کی طرف نکلو فرماتے ہیں کہ جیسے جیو گے ویسے مرو گے۔ پھر جیسے مرو گے ویسے اٹھو گے۔

بگوش خواجہ از عشق بے نصیب مباش　　　　کہ بندہ را نخرد کس بہ عیب بے ہنری

مراد ریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد　　　　دعاء نیم شبی بود و گریہ سحری

اللہ کے بندے عشق سے بے بہرہ نہ رہو کیونکہ بے ہنر غلام کو کوئی نہیں خریدتا دنیا کی ظلمتوں میں صرف دو چیزیں رہنمائی کرتی ہیں آدھی رات کی دعائیں صبح کے وقت کا گریہ وزاری (روح البیان) غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنا ان کی معراج تھی اس ہبوط و نزول میں صعود نزی تھی اس عتاب میں ان کی سعادت و نیک بختی تھی فرماتے ہیں کہ یہ دعا پہلی وہ دعا ہے جو انسان نے مانگی رب تعالیٰ نے یہ دعا اس لئے قرآن مجید میں نقل فرمائی کہ ان کی اولاد یعنی سارے انسان یہ مانگا کریں اس دعا کے دو جزء ہیں پہلے جز میں اپنا حال بیان کیا گیا ہے دوسرے جز میں رب تعالیٰ کے صفات عالیہ کا ذکر ہے آتا ہے مانگنے والا پہلے اپنا حال بیان کرتا ہے پھر سخی کے صفات مقصد یہ ہے کہ مولیٰ خطائیں ہمارے پاس ہیں عطائیں تیرے پاس۔ ہم درخت پر پتھر پھینکتے ہیں تو درخت ہم پر پھل ڈالتا ہے جو ہمارے پاس تھا ہم نے کر لیا جو تیرے پاس ہے وہ تو دے نیز فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے زندگی اس کی دوکان ہے زندگی کی گھڑیاں اس دوکان کے سودے ہیں اعمال اچھے یا برے اس تاجر کی کمائی ہے۔ تاجر چار طرح کی تجارت کرتے ہیں نفع کی برابری کی نقاسن کی اور خسارہ کی متقی مومن نفع والا تاجر ہے غافل مجرم مومن نقصان والا تاجر مگر کافر نرے خسارہ والا تاجر ہے اگر اللہ تعالیٰ رحم و کرم نہ کرے تو ہم خسارہ والے ہو جائیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے انسانی روزیاں دھوپ ہوا بارش وغیرہ ہم کو زمین سے ملیں تو وہ روزی بخش ہیں اسی طرح روحانی آسمانی روزیاں قرآن مجید کلمہ طیبہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو ملیں تو وہ ہمارے دل جان کی روزی ہے ورنہ نہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ

اے اولاد آدم بیشک اتارا ہم نے اوپر تمہارے لباس جو ڈھکے تمہارے ستروں کو اور زینت اور تقویٰ

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

کا لباس یہ اچھا ہے یہ نشانیوں میں سے ہے اللہ کی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

اور ایک وہ جو تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت آدم و حواء کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ جب ان سے جنتی لباس اتار لیا گیا تو انہوں نے جنتی درخت کے پتوں سے اپنا ستر چھپایا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اولاد آدم تم بھی ایسی ہی غیرت و حیا اختیار کرو' ایک منٹ کے لئے ننگے نہ رہو ستر پوشی تمہارے والد کی میراث ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے جناب آدم و حواء کو زمین پر بھیجا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے لئے تمام ضرورتیں زمین پر ہی پوری فرما دیں۔ دیکھو لباس بھی انہیں یہاں ہی عطا فرمایا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت آدم سے جنتی لباس اتارے جانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں دو قسم کا لباس عطا فرمایا تھا جسم کا لباس اور دل کا لباس یعنی تقویٰ و طہارت' ان سے عارضی طور پر صرف جسمانی لباس اتار آگیا تھا دل کا لباس بالکل نہیں اتار آگیا وہ ویسے ہی عارف متقی پرہیزگار رہے۔ اے اولاد آدم تم بھی دل کا لباس یعنی تقویٰ ہرگز نہ اتارو' یہ لباس تمہارے لئے دین و دنیا میں کار آمد ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو زمین میں سامان دیا جاوے گا **ومتاع الی حین** اب ارشاد ہو رہا ہے اس دنیاوی سامان میں سب سے اعلیٰ سامان لباس ہے کہ یہ سردی گرمی سے بھی بچاتا ہے اور اس سے ستر پوشی ہوتی ہے جو نماز میں فرض ہے یہ جیتے جی بھی تمہارے لئے ضروری ہے اور مرے بعد بھی کہ اس میں تم کو کفن دیا جاتا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں ایک اجمال تھا اب اس کی کچھ تفصیل ہو رہی ہے۔

شان نزول : اہل عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کیا کرتے تھے مرد و عورتیں سب اسی طرح طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چونکہ ہم لباس میں گناہ کرتے رہتے ہیں لہٰذا اسے پہن کر طواف کرنا کعبہ معظمہ کی بے حرمتی ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی و تفسیر روح البیان کبیر و تفسیر بیضاوی وغیرہ)

تفسیر : **یا بنی ادم** قرآن مجید میں ندا یعنی پکار کے چند مقصد ہوتے ہیں۔ اظہار غضب **یا ایھا الکفرون** اظہار کرم **یا ایھا النبی** غافلوں کو بیدار کرنا۔ **یا ایھا الذین امنوا** اپنی نعمت کی اہمیت کا ظاہر فرمانا کسی خاص حکم کی اہمیت ظاہر فرمانا وغیرہ یہاں یہ نداء یا تو غافلوں کو بیدار فرمانے کے لئے ہے یا اس نعمت لباس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے مطلب کی بات ہو اس کو پکارا جائے چونکہ لباس سارے انسانوں کے لئے ہے لہٰذا اس لئے سب کو پکار آگیا۔ اسی لئے رب نے اپنی عبادت کے حکم کے موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت پر سارے انسانوں کو پکارا **یا ایھا الناس اعبدوا ربکم** یا جیسے **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم** یابنی آدم فرمایا **یا ایھا الناس** نہ کہا تاکہ بتایا جائے کہ پردہ شرم ستر ڈھانپنا تمہارے باپ آدم کی میراث ہے۔ بنی جمع ہے ابن کی بمعنی بیٹا اس کا مقابل ہے بنت یعنی بیٹی مگر ایسے خطابات میں بنی بمعنی اولاد ہوتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی۔ بنی آدم سے مراد قیامت تک کے انسان ہیں کیونکہ یہ سب بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس سے حضرت حواء علیحدہ ہیں اس لئے کہ **الذین امنوا** اور **یا بنی ادم یا انسان** وغیرہ عمومی خطاب میں یہ حضرات داخل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خطاب کے خصوصی الفاظ علیحدہ ہیں **یا ایھا النبی' یا ایھا الرسول' یا ایھا المزمل' یا ایھا المدثر** وغیرہ کوئی شخص جب پکارتا ہے اپنے بھائیوں کو اس خطاب میں اپنے باپ کو داخل نہیں کرتا اگرچہ باپ اسلامی' قومی' وطنی' زبانی اور پیشہ

کے رشتہ سے بھائی ہے مگر باپ کے لئے القاب ہی اور ہیں لہذا کوئی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی، بشریا بنی آدم کہہ کر نہ پکارے نہ اس میں داخل مانے **قد انزلنا علیکم لباسا** انسان کے سوا دوسری مخلوق فرشتے جانور وغیرہ لباس نہیں پہنتے اگر فرشتے شکل بشری میں آویں تو ان پر لباس ہوتا ہے مگر وہ لباس یہ ہمارا لباس نہیں بلکہ قدرتی ہوتا ہے جنات کے لباس کی حقیقت کا پتہ نہیں کہ وہ کس چیز کا ہے کیونکہ جنات انسانوں سے پہلے تھے مگر وہ کپاس کی کاشت نہ کرتے تھے نہ ان کے ہاں کپڑا بننے کے کارخانے قائم تھے لہذا انسانوں سے فرمانا کہ ہم نے تم پر لباس اتارا بالکل درست ہے۔ **انزلنا** میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت آدم و حوا زمین پر جنتی پتے لپٹے ہوئے اترے حضرت آدم کو گرمی لگی تو رونے لگے حضرت جبریل نے انہیں روئی لا کر دی فرمایا اسے اس طرح کاتو اس طرح بنو اور پہنو جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت انس سے "مرفوعا" روایت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے چند تخم لائے جن پر ابلیس نے ہاتھ رکھ دیا جو تخم اس کے ہاتھ کے نیچے آ گئے وہ زہریلے یا بیکار ہو گئے جو اس سے بچ گئے وہ مفید رہے اور آٹھ جوڑے جانور انہیں دیئے گئے گائے، اونٹ، بکری، بھیڑ یہاں اتارنے سے مراد یہی اتارنا ہے۔ دوسرے یہ کہ آسمان سے بارش اتاری جس سے کپاس اور ان جانوروں کی پیداوار ہوئی اتارنے سے یہ اتارنا مراد ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ **و انزلنا الحدید** یا جیسے **و انزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج** ان سب میں انزال بمعنی خلق ہے یا ان چیزوں کا سبب بارش اتارنا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ اتارنے سے مراد ہے ان کے احکام اتارے کہ فلاں لباس حلال ہے فلاں حرام، اتنا لباس فرض ہے، اتنا سنت (روح المعانی، کبیر وغیرہ) بہر حال اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ لباس بروزن فعال مصدر ہے بمعنی پہننا مگر مراد ہے پہناوا یعنی پہننے کی چیز۔ لباس کئی قسم کا ہے، سوتی، اونی، ریشمی وغیرہ اس میں یہ سارے لباس داخل ہیں۔ **یواری سواتکم** یہ عبارت "لباسا" کی صفت ہے **یواری** بنا ہے **مواراۃ** سے بمعنی چھپانا چھپانے سے مراد ہے انسانوں کی نگاہوں سے چھپانا کہ ہمارے کپڑے انسانوں سے آڑ بنتے ہیں، فرشتوں سے یا رب تعالیٰ سے آڑ نہیں بنتے **سوءات** کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ اس سے مراد ہے ستر یعنی ہم نے ایسے کپڑے اتارے جو تمہارے ستر ایک دوسرے سے چھپائیں **وریشا** " یہ عبارت معطوف ہے **لباسا** " پر اس کا موصوف **لبلسا** پوشیدہ ہے ریش پرندے کے پر کو کہتے ہیں مگر اس سے مراد ہے زینت کیونکہ پرندے کے پر اس کی زینت ہیں اصل میں لباسا" ذا ریش تھا بعض قراءتوں میں ریاش ہے یا تو وہ بھی مصدر ہے جیسے **لبس** اور **لباس** ہے یا ریش کی جمع ہے جیسے شعیب کی جمع ہے شعاب ذیب کی جمع ہے ذیاب اور قدح کی جمع قداح۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ریش سے مراد ہے مال کہ مال انسان کی زینت ہے عرب کہتے ہیں **تریش الرجل** یعنی **تمول اخفش** کہتے ہیں کہ ریش سے مراد ہے ارزان اور معاش کی دوسری چیزیں (روح المعانی و کبیر وغیرہ) مگر پہلی تفسیر قوی ہے خلاصہ یہ ہے کہ کپڑے دو قسم کے عطا فرمائے ستر پوشی والے جیسے گاڑھا کھدر اور دوسرے سوتی کپڑے اور دوسرے زینت والے جیسے باریک ململ ریشمی اعلیٰ درجے کے اونی کپڑے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لباس سے ستر بھی زینت بھی۔ اس ستر اور زینت میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ لباس فرضی ستر ہے جو کہ صرف ناف سے گھٹنے تک ہے اور لباس سنت زینت ہے کہ کرتہ تہبند عمامہ جو تا زینت ہے، یہ سنت ہے، دوسرے یہ کہ موٹے لباس صرف ستر ہیں جیسے ٹاٹ کمبل وغیرہ اعلیٰ درجہ کا لباس لٹھا ململ وغیرہ زینت۔ تیسرے یہ کہ روزانہ اور کام کاج کا لباس ستر ہے خاص موقع کا لباس زینت جیسے جمعہ، عیدین، شادی بیاہ دوستوں کی ملاقات کا لباس، چوتھے یہ کہ فقیری کا لباس ستر ہے، بس میں

ہر ہے امیری کا لباس زینت ہے۔ جس میں رب کا شکر ہے۔ یہ دونوں لباس رب کی نعمت ہیں۔ **التقوی ذالک خیر** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں لباس التقویٰ مبتداء ہے اور **ذالک خیر** جملہ اسمیہ ہو کر خبر **لباس تقوی** کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) جنگ میں بچاؤ کا لباس زرہ بکتر وغیرہ یعنی بچاؤ والا لباس اس صورت میں یہاں تین قسم کے لباس کا ذکر ہوا۔ لباس ستر' لباس زینت' لباس جنگ (2) نیک اعمال کہ وہ دل کا لباس ہیں۔ اللہ کا خوف' ایمان۔ (3) موٹے کپڑے جو متقیوں کا لباس ہیں جن میں تکلف نہ ہو (4) اچھے اخلاق (5) پاکدامنی یعنی گناہوں سے بچنا۔ (6) شرم و حیا (7) اللہ کا خوف (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی) تقویٰ کے چار درجے میں تقویٰ مومنین یعنی کفرو شرک سے بچنا' تقویٰ متقین یعنی حرام چیزوں سے بچنا' تقویٰ صالحین یعنی شبہات سے بچنا تقویٰ مقربین یعنی جو شے خدا سے غافل کرے اس سے بچنا۔ ادھم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی موت کی دعا کی' حضرت خلیل نے جناب اسماعیل کو ذبح کیا یہ اس تقویٰ کا ظہور تھا۔ ایک سوت کے کپڑے صدہا قسم کے ایک تقویٰ کی قسمیں چار۔ جیسا حیاء متقی ویسا تقویٰ۔ خیال رہے کہ تقویٰ کو خیر فرمایا۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ جسمانی لباس پھٹ گل جاتا ہے تقویٰ ابدالاباد تک ساتھ رہتا ہے دوسرے یہ کہ جسمانی لباس ہر مومن و کافر کو مل جاتا ہے جیسے دولہا کے سر کی بکھیر ہر ایک لوٹ لیتا ہے مگر لباس تقویٰ خاص پیاروں کو ہی ملتا ہے۔ جیسے برات کا کھانا جوڑے اگرچہ وہ بھی دولہا کا صدقہ ہے مگر ملتا ہے خاص دوستوں خاص کمینیوں کو' تیسرے یہ کہ جسمانی لباس ہر جگہ مل کارخانوں میں بنتا ہے۔ مگر لباس تقویٰ خاص مدینہ منورہ میں بنتا ہے۔ اولیاء اللہ کی دوکانوں ان کے آستانوں سے ملتا ہے جیسا کارخانہ اعلیٰ ویسا کپڑا اعلیٰ' ڈھاکہ کی ململ آدم جی کے مل کا لٹھا وغیرہ۔ چونکہ یہ چیزیں انسان کو اللہ کے عذاب' آخرت کی رسوائی وغیرہ سے بچاتی ہیں۔ جیسے جسمانی لباس جسم کو سردی یا گرمی وغیرہ سے بچاتا ہے اس لئے ان چیزوں کو لباس فرمایا (روح البیان) تقویٰ دو طرح کا ہے تقویٰ جسم اور تقویٰ دل تقویٰ جسم کی حقیقت ہے اللہ رسول کی فرمانبرداری کے احکام پر عمل کرنا ممنوعات سے بچنا تقویٰ دل ہے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرنا۔ رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب شعائر اللہ** یعنی اللہ کی نشانی ہر وہ چیز ہے جسے کسی مقبول چیز سے نسبت ہو جائے۔ قرآن کریم نے ہدی کے جانور کو کعبہ کی نسبت کی وجہ سے شعائر اللہ کہا **والبدن جعلنا ھالکم من شعائر اللہ** اور صفا مروہ پہاڑ کو حضرت ہاجرہ کے قدم پاک لگ جانے کی وجہ سے شعائر اللہ فرمایا **ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ** یہاں تقویٰ میں دونوں تقوے داخل ہیں۔ **ذالک من ایات اللہ لعلھم یذکرون** یہ نیا جملہ ہے۔ **ذلک** سے اشارہ یا تو مذکورہ انزال کی طرف ہے یا گزشتہ لباسوں کی جانب یعنی ان لباسوں کا نازل فرمانا یا خود یہ لباس معرفت الٰہی کی نشانیاں اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں ان کے نزول میں بڑی حکمت یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں' رب تعالیٰ کا شکر کریں' ناشکری سے بچیں۔ چونکہ معرفت الٰہی کی نشانیاں بہت ہیں اس لئے لباس کو **من ایات اللہ** فرمایا گیا من **تبعیضیہ** اور آیات جمع ہے۔

خلاصہ تفسیر : ہماری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور ظاہر بھی اے اولاد آدم یعنی انسانو تم ہماری ایک خاص نعمت کو یاد رکھو جو صرف تم کو دی گئی دوسری مخلوق کی عطا نہ ہوئی۔ ہم نے تم پر لباس اتارا کہ بارش کے ذریعہ کپاس' اون' ریشم وغیرہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ جن سے تمہارے کپڑے بنتے ہیں اور تم کو کپڑا بننا اور کاٹ کر سینا سکھایا۔ ان میں سے بعض لباس تو تمہاری تن پوشی کے کام آتے ہیں اور

بعض لباس تمہاری زینت کا ذریعہ بھی ہیں۔ مگر تم صرف جسمانی لباس پر قناعت نہ کرنا اپنے دل اور روح کو بھی لباس پہناؤ تقویٰ یعنی ایمان، اعمال، حیا، شرم اور خوف خدا وغیرہ، جو تمہارے دلوں کا لباس ہے بیان ظاہری لباسوں سے افضل ہے کہ جسمانی لباس تو جسم کی عارضی حفاظت کرتے ہیں مگر یہ لباس دل، روح کی دائمی حفاظت کرتے ہیں یہ لباس یا لباس اتارنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگ نصیحت حاصل کریں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے غذا کے بعد اس کا درجہ ہے بلکہ مرنے پر غذا ختم ہو جاتی ہے مگر لباس پھر بھی ساتھ رہتا ہے یعنی کفن۔ قیامت کے دن غذا نہ ہوگی مگر لباس وہاں بھی ہوگا۔ جنت میں غذا نہ ہوگی کہ وہاں بھوک نہ ہوگی مگر لباس وہاں بھی ہوگا۔ یہ فائدہ قد انزلنا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے سواء کسی مخلوق کو لباس نہیں دیا گیا نہ فرشتوں کو نہ جانوروں کو۔ اگر جنات لباس پہنتے ہوں اور ان کا لباس بھی یہی انسانوں والا لباس ہو تو وہ انسان ہی کے طفیل ہے۔ یہ فائدہ یابنی آدم فرمانے سے حاصل ہوا یا علیکم فرمانے سے۔ خیال رہے کہ اگرچہ فرشتے بھی لباس پہنے دیکھے گئے۔ جیسے جنگ بدر میں یا جب کچھ مسائل پوچھنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل آئے تو لباس میں تھے جنات بھی لباس پہنے نماز پڑھتے دیکھے گئے مگر وہ لباس وہ نہیں جو اس کپاس یا اون یا ریشم سے بنے وہ تو قدرتی یا کسی اور چیز کا لباس تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے دسترخوان کی روٹیاں یا بنی اسرائیل کا من و سلویٰ جو ہمارے گندم آٹے کا نہ تھا۔ یہ لباس انسانوں سے خاص ہے۔ جو ان کارخانوں میں تیار ہو یا یوں کہو کہ یہ لباس پیدا ہوا انسانوں کے لئے ان کے طفیل جنات بھی پہن لیتے ہیں جیسے مکان بنتا ہے انسان کے لئے مگر اس مکان میں مالک کے جانور بھی رہتے ہیں لہذا لباس کا احسان انسانوں پر جتانا بالکل برحق ہے۔ **تیسرا فائدہ:** لباس یعنی کپڑا جنتی نعمت ہے اس کی اصل وہاں سے آئی یہ فائدہ انزلنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جناب آدم علیہ السلام کو حضرت جبریل نے کپاس کے بیج عطا کئے۔ **چوتھا فائدہ:** بعض لباس صرف ستر ڈھانپنے کے لئے ہیں اور بعض لباس زینت کے لئے تہبند، شلوار مرد کے ستر ڈھانپنے کے لئے ہیں، عمامہ، اچکن زینت کے لئے یونہی معمولی کپڑے ستر کے لئے ہیں اعلیٰ درجہ کے کپڑے زینت کے لئے۔ یہ فائدہ **یواری** سے اور **ریشا** سے حاصل ہے۔

مسئلہ: ستر ڈھانپنے کا لباس پہننا فرض ہے اور لباس زینت قدرت والے کے لئے مستحب ہے بلکہ کبھی کبھی زینت کا لباس پہننا کہ انسان اس کا عادی نہ ہو جائے کہ اس کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکے یہ سنت ہے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **لیری اثر نعمت ربک علیک** اور فرمایا رب تعالیٰ نے **واما بنعمۃ ربک فحدث** جس پر اللہ فضل کرے وہ اچھا کھائے اچھا پہنے کہ اس میں بھی اللہ کی نعمت کا اظہار بلکہ شکریہ ہے اور خوب خیرات کرے کہ یہ رب تعالیٰ کے شکر کی دوسری قسم ہے۔ **پانچواں فائدہ:** لباس بہت قسم کے ہیں سوتی، اونی اور ریشمی اور اتھوسن وغیرہ کے۔ بہت سی قسموں کے لباس ایجاد ہو چکے ہیں یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ یہ فائدہ **لباسا** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ ان کے احکام کی تفصیل صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ ریشم مرد کو پہننا حرام ہے یونہی عورتوں کو مردانہ لباس پہننا اور مردوں کو زنانہ لباس پہننا حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ **چھٹا فائدہ:** اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر نہ ڈھکے یا اتنا چھوٹا کپڑا پہننا جس سے ستر پورا نہ ڈھکے، حرام ہے۔ جیسے عورتوں کا نہایت باریک دوپٹہ اوڑھنا یا انہیں کہنیوں تک کی قمیص پہننا۔ یونہی مردوں کا جانگیاں یعنی نیکر پہننا کہ یہ سب حرام ہے کہ اس میں ستر پوشی نہیں ہوتی حالانکہ لباس کا بڑا مقصد ستر پوشی ہے یہ فائدہ **یواری سواتکم** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:**

ہمارالباس جن و انس سے ستر پوشی کا کام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں سے نہیں ان کی نظر کو لباس نہیں روک سکتا یہ فائدہ یواری سے اشارۃً حاصل ہوا گر شرم و حیا اس میں ہے کہ انسان اکیلے میں بھی بلا ضرورت ننگا نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم کرے نکتہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ کے حجرہ شریف میں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق مدفون رہے آپ بے تکلف وہاں حاضر ہو جاتی تھیں دوپٹہ سے بھی اور بغیر دوپٹہ بھی۔ فرماتی تھیں کہ ان حضرات میں ایک میرے والد ہیں دوسرے میرے خاوند مگر جب حضرت عمر وہاں دفن ہو گئے تو بہت حجاب کے ساتھ دوپٹہ وغیرہ سنبھال کر حجرہ شریف میں حاضر ہوتیں فرماتی تھیں کہ عمر سے حیا کرتی ہوں۔ یہ ہے **یواری سوا اتکم** کی زندہ جاوید عملی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** کوئی شخص ایمان اور نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو تقویٰ و طہارت سب کو ضروری ہے۔ یہ فائدہ لباس التقویٰ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب نے ایمان کو اعمال کو دل کا لباس قرار دیا جیسے ہر ولی بھی ظاہری جسمانی لباس کا حاجت مند ہے یونہی ایمان و اعمال کا بھی محتاج۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے کو نماز و روزے وغیرہ سے بے نیاز جانتے ہیں مگر غذا اور لباس ہوا' دھوپ وغیرہ کے حاجتمند رہتے ہیں ہم کو کوئی ان چیزوں سے بے نیاز ہو کر دکھاوے۔ بے نمازی پیر کہتے ہیں کہ ہم کعبہ جا کر نماز پڑھتے ہیں مگر روٹی نذرانہ اپنے مریدوں کے گھروں سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ کعبہ میں ہی روٹی کیوں نہیں کھایا کرتے اللہ تعالیٰ تقویٰ کا لباس عطا فرمائے۔ **نواں فائدہ:** جہاد کے موقعہ پر جنگی بچاؤ کا لباس پہننا ضروری ہے جیسے پچھلے زمانہ میں زرہ بکتر یا آج کل لوہے کی ٹوپی وغیرہ یہ فائدہ لباس التقویٰ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ لباس التقویٰ کے معنی ہوں بچاؤ کا لباس۔ **دسواں فائدہ:** دل کا لباس یعنی اعمال صالح ظاہری لباس سے افضل ہے کہ یہ لباس جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور وہ لباس دل کی پردہ پوشی کرتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فائدہ ذالک خیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ مرتے دم تک نیک اعمال کرے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ' نے فرمایا۔

جی وہاتی جس کی کرتا ہے ثنا   مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا   اس پیارے سے محبت کیجئے

نیز یہ لباس خاص نگاہ پاک مصطفیٰ سے بنتا ہے اولیاء اللہ کے دروازوں سے ملتا ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے لباس اتارا حالانکہ کپڑا زمین پر ہی بنتا ہے۔ یہاں ہی سیا جاتا ہے پھر انزلنا فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ اصل لباس حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا آج کل کے لباس اس کی نقل ہیں دوسرے یہ کہ کپاس 'اون' ریشم 'سن وغیرہ تمام چیزیں بارش سے ہیں اور بارش آسمان سے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کا اصل خزانہ آسمان میں ہے وہاں سے آتی ہے اس کا ظہور یہاں ہوتا ہے۔ **وفی السماء رزقکم وما توعدون** اس لئے لوہے کے متعلق ارشاد ہوا **وانزلنا الحدید** لہٰذا انزلنا فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ لباس صرف انسانوں کے لئے ہے حالانکہ جنتی حوریں بھی لباس والی ہیں پھر یہ کیونکہ درست ہوا۔ **جواب:** یہاں زمینی لباس کا ذکر ہے جو انزلنا والا ہے جنت تو دنیا ہی دوسری ہے وہاں کا لباس بھی دوسرا نیز وہاں حوران بہشتی کا لباس ان کے خاوندوں کے لئے ہو گا لہٰذا وہ لباس بھی انسانوں کی خاطر ہے۔ بعض موقعوں پر فرشتے لباس میں دیکھے گئے وہ لباس کپاس 'اون وغیرہ کا نہ تھا وہ قدرتی تھا جیسا من و سلویٰ یا حضرت عیسیٰ کے غیبی آسمانی دستر خوان کی روٹیاں

مچھلیاں۔ پھر وہ لباس بھی جب تھا جبکہ وہ شکل انسانی میں ہوں جیسے عصاء موسوی جب سانپ بنتا تھا تو کھاتا تھا اور نہ جب فرشتے اپنی شکل میں ہوں تو کوئی لباس نہیں پہنتے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ لباس تمہاری ستر پوشی کرتا ہے حالانکہ اندھیرے میں ستر پوشی ہو جاتی ہے 'اندھیرا بھی ستر پوش ہے۔ پھر یواری کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ اگرچہ اندھیرے میں ستر نظر نہیں آتا مگر اس کا نام ستر پوشی نہیں اس کلئے اندھرے میں ننگے نماز پڑھے نہ ہو گی کہ ستر پوشی نہ ہوئی ستر نظر نہ آنا اور چیز ہے ستر چھپانا کچھ اور چیز ستر چھپانا لباس ہی کا کام ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں پرہیز گاری یعنی ایمان واعمال کو لباس کیوں کہا گیا اسے لباس سے کیا تعلق۔ **جواب:** جسمانی لباس کے دو فائدے ہیں تن پوشی 'ستر پوشی اور سردی گرمی سے حفاظت یونہی ایمان و نیک اعمال کے دو فائدے ہیں انسان کی عیب پوشی دنیا و آخرت اور اللہ تعالیٰ کے قہرو غضب سے حفاظت اس لئے اسے دل کا لباس فرمانا بالکل درست ہے بلکہ یہ بہترین لباس ہے قرآن کریم میں خاوند بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے عیب پوش ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں لباس کے متعلق دو باتیں کیوں ارشاد ہوئیں ستر پوشی اور زینت کیا زینت والا لباس ستر پوشی نہیں کرتا۔ **جواب:** بعض لباس وہ ہیں جن سے ستر پوشی بھی ہے اور زینت بھی بعض وہ ہیں جن سے زینت تو ہے ستر پوشی نہیں جس کی مثالیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں یہ دونوں لباس اللہ کی نعمتیں ہیں لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے کرتہ پر واسکٹ اور واسکٹ پر اچکن وغیرہ اس طرح سر پر عمامہ صرف زینت کے لئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہی لباس کی یہ دونوں صفتیں ہوں کہ انسان بغیر لباس برا معلوم ہوتا ہے لباس سے اچھا معلوم ہوتا ہے یہ لباس زینت بھی ہے۔ سرحال کلام نہایت موزوں ہے۔ **چھٹا اعتراض:** رب تعالیٰ نے تقویٰ کو لباس کیوں فرمایا وہ تو چند کاموں کا نام ہے۔ **جواب:** لباس میں تین صفتیں ہوتی ہیں چھپانا 'بچانا' زینت دینا کہ وہ جسم کے عیب چھپاتا ہے اور سردی گرمی سے بچاتا ہے۔ جسم کو زینت بخشتا ہے۔ یہ تینوں صفتیں تقویٰ میں موجود ہیں تقویٰ دل کے عیب دنیا میں ہی چھپاتا ہے آخرت میں بھی چھپائے گا۔ شرابی چور مسجد سے نکلے تو لوگ اسے نمازی کہیں گے شرابی نہیں کہیں گے یہی نماز برائیوں سے روک دیتی ہے **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** نیز جیسے دنیاوی چیزوں میں لذت رنگ و بو سب کچھ ہے ایسے ہی تقویٰ میں یہ سب چیزیں ہیں۔ نماز کی لذت اس کا سنگار امام حسین سے پوچھو۔ قیامت میں اچھے اعمال اچھی شکل میں نمودار ہوں گے برے اعمال بری شکل میں لہٰذا انہیں لباس فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہاں تین لباسوں کا ذکر ہوا ہے دو لباس جسمانی ستر پوشی کا اور زینت کا تیسرا لباس جنانی تقویٰ و پرہیز گاری۔ یہ تینوں لباس آسمانی ہیں کیونکہ جسمانی لباس آسمانی بارش سے ہیں اور جنانی لباس آسمانی وحی یعنی قرآن و حدیث سے ہے پھر جنانی یعنی دلی لباس بھی دو طرح کا ہے ایک ستر پوشی کا یعنی ایمان دوسرا زینت کا یعنی نیک اعمال تقویٰ ان دونوں کو شامل ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر عضو کا لباس علیحدہ ہے جس سے اس عضو کے عیب ڈھک جاتے ہیں ظاہری عیب ہوں یا باطنی شریعت کا لباس برے اعمال کے عیوب ڈھک لیتا ہے طریقت کا لباس برے صفات کی ستر پوشی کرتا ہے دل کا لباس طلب مولیٰ ہے روح کا لباس محبت مولیٰ ہے سرکا لباس شہود بارگاہ مولیٰ ہے خفی کا لباس بقائے بعد فنا در راہ مولیٰ ہے۔ جس سے سارے دوئی کے لباس ختم ہو جاتے ہیں کثرت وحدت میں فنا ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر اعلان ہوتا ہے۔ **لمن الملک الیوم** خود ہی جواب ملتا ہے **للہ**

الواحد القھار اور انسان کا حال یہ ہو جاتا ہے۔

اس طرح سما مجھ میں ہو جاؤں میں گم تجھ میں پھر تو ہی تماشا ہو تو ہی تماشائی

دوری میں کثرت ہے کہ انسان کہتا ہے میں عالم میں فاضل میں بڑا میں امیر میں خاندانی میری یہ شان یہی دوری کی بنا پر ہے جب قرب ہوا تو انا فنا ہو گئی صرف ہو رہا کسی صوفی نے کیا خوب کہا ہے۔

مالک ملک اوست او خود ما گلست غیر ذاتش کل شی ھالک است

کل شی ما خلا اللہ باطل ان فضل اللہ غیم ھاطل

ہالک آید بیش و بمش ہست نیست ہستی اندر نیستی خود ظرفہ ایست

کثرت کا لباس وحدت سے نسبت ہے (از روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ جیسے جسمانی لباس میں پاؤں کا لباس موزہ جوتا ہے۔ ٹانگوں کا لباس پائجامہ ہے پیٹ کا لباس کرتا اچکن واسکٹ سر کا لباس ٹوپی عمامہ' پھر سردی کا لباس گرم گرمی کا لباس ٹھنڈا یونہی روحانیات میں دل کا لباس اور ہے دماغ کا لباس اور روح کا لباس اور ہے سر کا لباس کچھ اور یونہی زمانہ امیری کا لباس ہے اور ہے یعنی شکر اور فقیری کے زمانہ کا لباس کچھ اور' لیکن یہ سب لباس دنیاوی زندگی کے ہیں دو لباس روحانی وہ ہیں جو ہمیشہ دل و دماغ روح کے ساتھ رہتے ہیں یعنی عشق رسول اور خوف خدا کا لباس ان سب کو ایک لفظ تقویٰ میں بیان فرمایا گیا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

اے اولاد آدم کی ہرگز نہ فتنہ میں نہ ڈالے تم کو شیطان جس طرح نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے اتارتا تھا ان

اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْ

دونوں سے لباس ان کے تاکہ دکھا دے ان دونوں کو ستر ان کے بے شک دیکھتا تم کو وہ اور قبیلہ اس کا وہاں سے

اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے

نَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہ نہیں دیکھتے تم ان کو بے شک بنایا ہم نے شیطان کو دوست واسطے ان لوگوں کے جو نہیں ایمان رکھتے

دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیطان کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ابلیس کی اس وقتی عداوت کا ذکر ہوا جو اسے آدم علیہ السلام سے تھی اب اس کی اس دائمی عداوت کا ذکر ہے جو اسے اولاد آدم علیہ السلام سے ہے گویا اس کی وقتی عداوت کے بعد دائمی عداوت کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے ایک فریب کا ذکر تھا۔ جس سے اس

نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر کیا اب اس کے دوسرے فریب کا ذکر ہے۔ جس سے وہ اولاد آدم کو جنت میں جانے سے روکتا ہے گویا اس کے فریب کی ایک نوعیت کے بعد دوسری نوعیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ جنت کی ہر نعمت حضرت آدم کھا سکتے تھے مگر ممنوعہ درخت کھانا مضر تھا۔ اس کی وجہ سے وہ جنت سے باہر آئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا کی ہر نعمتیں اے انسانو تم برت سکتے ہو سواء شرعی ممنوعی چیزوں کے۔ تمہارے جد امجد نے ممنوعہ درخت کو چکھا جنت سے باہر بھیجے گئے تم اگر شرعی ممنوعات کے قریب جاؤ گے تو جنت کے داخلہ سے محروم ہو جاؤ گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا تفصیل وار بیان ہوا اب اس کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے یعنی اس واقعہ سے تاقیامت عبرت حاصل کرنا گزشتہ قصے بیان فرمانے کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ (کبیر)۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں جسمانی اور روحانی لباس عطا فرمانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ ذرا اپنا لباس سنبھالے رہنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دل کا لباس تقویٰ تم سے دور کر دے پھر جسمانی لباس بھی دور کر دے تم ننگے ہو جاؤ یا ننگا لباس پہنو۔

تفسیر: **یا بنی ادم** اس کلمہ کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی کہ اس میں خطاب تاقیامت انسانوں سے ہے مرد ہوں یا عورتیں نیز اس خطاب میں حضرات انبیاء کرام داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان پر قابو نہیں دیا کہ وہ ان حضرات کو جنت سے روک سکے **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** خصوصاً ہمارے حضور سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر کرم فرما دیں اس سے شیطان بھاگتا ہے۔ **ان الشیطان یفر من ظل عمر** حضرت عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے کیوں اس لئے کہ ان پر خاص نگاہ کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑ گئی اگرچہ شیطان مومن جنات کا بھی دشمن ہے۔ انہیں بھی بہکاتا ہے مگر اصلی عداوت اسے انسانوں سے ہے کہ وہ انہیں کے جد امجد کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہے۔ نیز جنات کے لئے جنت ہے ہی نہیں پھر انہیں جنت سے روکنے کے کیا معنی ان کے ایمان و اعمال کا ثواب یہ ہے کہ وہ دوزخ سے نجات پا جائیں، مٹی کر دیئے جائیں دیکھو سورۂ احقاف۔ ان وجوہ سے صرف بنی آدم سے خطاب فرمایا گیا۔ **لا یفتنکم الشیطان** اس عبارت میں بظاہر شیطان کو ممانعت فرمائی جا رہی ہے مگر درحقیقت انسانوں کو ممانعت ہے کہ تم اس کے فتنہ میں واقع نہ ہو جانا فتنہ۔ کے لفظی معنی ہیں سونے کو آگ پر تپا نا گرم کرنا مگر اصطلاح میں محنت و مشقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں اس سے مراد بد عقیدگیوں بدکاریوں میں مبتلا ہونا ہے کہ یہ کام مصیبتوں مشقتوں میں پڑ جانے کا سبب ہے یعنی خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو کفر و گناہوں میں مبتلا کر دے۔ جس سے تم مصیبتوں میں پڑ جاؤ اس کی مثال یہ ہے کہ **کما اخرج ابویکم من الجنۃ** یہاں ایک عبارت پوشیدہ **کما فتن ابویکم** یہ عبارت اس کا بیان یعنی اس نے تمہارے ماں باپ آدم و حوا کو مشقت میں ڈال دیا کہ انہیں جنت سے باہر کر دیا اگرچہ جنت سے باہر بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر چونکہ اس کا سبب شیطان تھا اس لئے یہاں اسے شیطان کی طرف نسبت کیا گیا ابوین سے مراد جدین ہیں یعنی آدم و حواء کیونکہ اب باپ دادا چچا وغیرہ سب کو کہا جاتا ہے جیسے ام ماں دادی نانی حتی کہ خالہ اور دودھ کی ماں ساس سب کو کہا جاتا ہے مگر والد اور والدہ صرف حقیقی ماں باپ کو کہتے ہیں خیال رہے کہ حضرت آدم و حواء کا زمین پر تشریف لانا ان حضرات کی عظمت و کرامت کی تمہید تھی کہ وہ یہاں آکر ہی ابو البشر انبیاء و اولیاء کے باپ خلیفۃ اللہ بنے مگر صورۃً "عتاب" تھا اس لئے اس طرح ارشاد ہوا (تفسیر کبیر) **ینزع عنھما لباسھما** یہ عبارت یا تو اخرج کے فاعل سے حال ہے یا ابویکم سے ینزع حال ہے۔ جو ماضی کو اقعہ

یہ شکل حال بیان فرمارہا ہے (معانی) نزع کے معنی ہیں اتارنا کھینچنا چونکہ اس لباس کے اتارنے کا سبب اور ذریعہ قوی شیطان تھا اس لئے اس کی طرف اسے نسبت کیا گیا کہ شیطان ان کالباس اتار رہا ہے۔ ہم یہ تحقیق پہلے کرچکے ہیں کہ ان کالباس یا تو نور تھا یا ناخن اگر نور تھا تو وہ بالکل دور کردیا گیا اگر ناخن تھا تو وہ سکڑ کر انگلیوں کے کنارے پر محدود کردیا گیا۔ **لیریھما سوا تھما** یہ عبارت متعلق ہے ینزع کے۔ یعنی ان کالباس شیطان نے اس لئے اتروایا تاکہ ان دونوں کو ان کے ستر دکھاوے۔ **خیال رہے** کہ پردہ صرف انسانوں سے ہوتا ہے اس لئے **لیریھما** ارشاد ہوا ان دونوں حضرات نے آج تک اپنے ستر خود بھی نہ دیکھے تھے نہ ایک نے دوسرے کے لباس اترنے پر انہیں اپنے ستر خود بھی نظر پڑے اور ایک کو دوسرے کے بھی اس لئے **لیریھما فرمایا** گیا۔ اتنا مضمون سننے کے بعد کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ ابلیس نے حضرت آدم کو اس لئے دھوکہ دے دیا کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا ہم سے تو وہ لاکھوں کوس دور ہے ہم کو کیسے بہکائے گا یا کوئی کہتا کہ اس وقت شیطان جوان تھا اس کی طاقتیں بہت تھیں اب تو وہ لاکھوں برس کا بوڑھا ہو چکا اس کی طاقتیں ختم ہو چکیں اب کیسے بہکا سکتا ہے یہ دونوں شبہ دور فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **انہ یرکم ھو و قبیلہ** انہ میں ہ کا مرجع شیطان ہے یرٰکم میں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے خواہ وہ کسی درجہ کا ہو۔ خیال رہے کہ ہر جماعت کو قبیل کہتے ہیں مگر قبیلہ ایک خاندان کو کہتے ہیں جو ایک ولوا میں جمع ہوں (تفسیر کبیر و معانی) قبیل فرماکر یہ بتایا کہ رب نے اس کی پوری جماعت شیاطین کو یہ قوت دی ہے کہ وہ دنیا بھر کے انسانوں کو دیکھتے ہیں کہ کون کہاں ہے کیا کر رہا ہے اور کیا کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ خیال رہے کہ کسی میں تصرف کرنے کے لئے تین شرطیں ہیں (1) وہ سامنے والے سے خبردار ہو۔ (2) اس کے پاس آسکے۔ (3) اس میں تصرف کرسکے شیطان کو رب نے یہ تینوں طاقتیں دی ہیں اس کی وسعت علم کا ذکر تو اس میں ہوا اس کے پاس ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **لا تینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم الخ** اس کے تصرف کا ذکر اس آیت میں ہوا **لا غوینھم اجمعین** ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس کی طاقتیں کچھ کم نہیں ہو گئیں لاکھوں سال سے وہ ہے مگر اس کی ساری طاقتیں ویسی ہی ہیں۔۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حالت دائمی نہیں بلکہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یعنی ابلیس اور اس کی ذریت ہمیشہ ہر آن ہر انسان کو دیکھے یہ مراد نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی بسم اللہ پڑھ کر پاخانے جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھ سکتا۔ بسم اللہ شیطان سے پردہ و آڑ ہے ہاں عموماً وہ ہم سب کو دیکھتا ہے۔۔ یہ بھی خیال رہے کہ شیطان صرف ہماری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ ہمارے ہر عضو اور ہر عضو کی حرکت کو دیکھتا ہے اور یہ بھی کہ انسان کے کسی عضو پر نور ایمان کی تجلی کم ہے جہاں اندھیرا ہے وہاں ہی یہ چور پہنچتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ خیال رہے کہ ابلیس تمام شیاطین کا سردار ہے اس کا قبیلہ بہت ہے بعض کا نام قرین ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے بعض کا نام خنزب ہے بعض کا نام ولہان ہے جو مسجدوں خانقاہوں میں رہتے ہیں نماز یا وضو میں وسوسہ ڈالنے کے لئے۔ بعض شیاطین بازاروں میں بعض گندی جگہوں پاخانہ وغیرہ میں رہتے ہیں یہ سب ابلیس کا قبیلہ ہے۔ جس کا ذکر یہاں ہے۔ **من حیث لا ترونھم** اس کا تعلق **یرا کم** سے ہے **من** ابتدائیہ ہے **حیث** ظرف مکان یعنی وہ شیاطین تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے اس طرح کہ وہ ایک جگہ رہ کر تم سب کو دیکھتے ہیں یا تمہارے ساتھ رہتے پھرتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے ان کی نظر میں یہ طاقت ہے کہ وہ تم کو دیکھ لیں مگر تمہاری آنکھ میں یہ طاقت نہیں کہ تم انہیں دیکھو بہرحال جو دشمن ہم کو دیکھتے مگر وہ ہمیں نظر نہ آوے بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ یہاں بھی عمومی حالات کا ذکر ہے کہ جب شیاطین اپنی شکل میں ہوتے ہیں تب ہم کو نظر نہیں آتے مگر جب شکل انسانی میں ہوں تو ہم کو نظر آجاتے ہیں نیز بعض مقبول انسان شیاطین کو ان کی شکل میں دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت ان احادیث کے خلاف نہیں کہ آج ہم نے شیطان کو پکڑ لیا تھا اگر اسے باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے نہ ان آیات کے خلاف ہے کہ شیاطین پر حضرت سلیمان راج کرتے تھے۔ **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل** حضرت ابو ہریرہ اور حضرت امیر معاویہ نے شیطان کو پکڑ لیا تو خوشامد ہی کر کے چھوٹا آج بعض عاملین جنات کو قید کر دیتے ہیں بہرحال آیت کریمہ صاف ہے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ فرشتے اور جنات دونوں ہی مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اور انسان کو نظر آسکتے ہیں مگر فرشتے اچھی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ رہے جنات و شیاطین وہ کتے بلے سانپ وغیرہ کی شکلوں میں بھی آسکتے ہیں ان پر انسان قابو پاسکتے ہیں فرشتوں پر کوئی قابو نہیں پاسکتا (تفسیر صاوی) **انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون**۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **لا یفتننکم** کی علت اور وجہ ہے شیاطین سے مراد ابلیس اور اس ذریت ہے۔ جن میں وہ قرین شیطان بھی داخل ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے بہکانے کے لئے اولیاء جمع ہے ولی کی۔ ولی کے تین معنی ہیں دوست 'مددگار' قریب یہاں تینوں معنی درست ہیں۔ شیاطین بے ایمان انسانوں کے دوست بھی ہیں ان کے مددگار بھی ان سے قریب بھی ان کے مقابل مومن متقیوں سے وہ دور بھی ہیں دشمن بھی الذین سے مراد ہیں انسان اور **لا یومنون** سے مراد ہے سارے کفار۔ مشرکین ہوں یا کوئی اور ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ کفار ہوں جن کا ایمان نہ لانا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے یعنی ہم نے ابلیس اور اس ذریت کو ان انسانوں کا دوست یا مددگار بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ رہے مومنین صالحین 'ان سے شیاطین بہت جلتے ہیں یا ہم نے ابلیس اور اس کی ذریت کو ان انسانوں پر قابو اور تسلط دیا ہے جو ایمان سے خالی ہیں۔ رہے مومنین وہ . بفضلہ تعالیٰ ان کے قابو سے باہر ہیں۔ چور وہاں جاتا ہے جہاں ظلمت بھی ہو غفلت بھی یہ مومنین نہ ظلمت میں ہیں نہ غفلت میں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے آدم علیہ السلام کی اولاد تم اپنے دادا دادی آدم و حوا کا واقعہ شیطان کا او فریب سن چکے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ ایک اتفاقی واقعہ تھا جو ہو گیا ذرا ہوشیار رہنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو بھی فتنہ اور مصیبت میں پھنسا دے۔ جناب آدم کو تو اس نے جنت سے باہر بھجوایا ان سے ان کا جنتی لباس اتروایا۔ ان کو برہنا کرایا اور تمہیں جنت میں جانے کے قابل نہ رہنے دے تم کو ایسے عقائد و اعمال کی طرف دھکیل دے۔ جو جنت سے دور رکھیں ایک آن بھی اس سے غافل نہ رہو وہ تمہارا ایسا قوی دشمن ہے کہ وہ اور اس کی ذریت تم سب کو ہر وقت ہر طرح ہر حالت میں دیکھتی ہے تمہارے ہر حال ہر نیت ارادے ہر اداسے خبردار ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھتے کہ تم کثیف ہو وہ لوگ لطیف ایسا چھپا دشمن جو نظر نہ آئے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ خیال رکھو کہ شیطان کا قابو انہیں لوگوں پر ہے جو ایمان سے خالی ہیں مومن متقی بن کر رہو ایمان اس سے بچاؤ کا بہترین قلعہ ہے۔ تقویٰ اس کے مقابلہ بہترین ہتھیار انسان چار قسم کے ہیں مومن متقی 'مومن فاسق 'کافر بدکار 'کافر نیک کردار 'مومن متقی کا شیطان سخت دشمن ہے اور ان سے ڈرتا بھی ہے جلتا بھنتا بھی مومن فاسق سے کچھ امیدیں لگائے رہتا ہے کافر نیک کار سے خوش ہے کہ جب اسے کافر بنا دیا تو اس کی نیکیاں بیکار ہیں مگر کافر بدکار کا گہرا یار ہے یہاں اس چوتھی جماعت کا ذکر ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا ہے کہ ہم میں چار کمال ہے۔ (1) ہم سب کو دیکھتے ہیں۔ (2) ہم کو کوئی نہیں دیکھتا۔ (3) ہم کسی کے قابو میں نہیں آتے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ (4) ہم بوڑھے ہو کر پھر جوان ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر و صاوی و خازن) حضرت ابن عباس سے

مرفوعاً روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان کا گھر انسانوں کے سینوں میں ہے سوا ان لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے۔ (خازن صاوی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے جب تک ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے تب تک اس سے بے فکر نہ ہو۔ یہ فائدہ **لا یفتننکم الخ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** شیطان نے حضرت آدم و حواء کو نہایت گہری چال سے جنت سے باہر کیا ہم لوگ جو ابھی جنت سے باہر ہیں ہمارے متعلق اس کی یہ کوشش ہے کہ ہم جنت میں نہ جانے پائیں اس کے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہ فائدہ **کما اخرج الخ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرت آدم و حواء جنت میں عتاب سے پہلے نہ تو تنہائی میں برہنہ رہتے تھے نہ ایک دوسرے کے سامنے کیونکہ انسان کو صرف دو وقت ننگا ہونا پڑتا ہے استنجاء کے وقت اور صحبت کے وقت وہاں جنت میں استنجاء کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ صحبت بھی بغیر برہنگی کے ہوتی تھی۔ یہ فائدہ **ینزع عنھما الخ** سے حاصل ہوا کہ آج عتاب کے وقت ان کے لباس اترے، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جانوروں کی طرح ننگے ہو کر صحبت نہ کرو۔ اللہ والے کہتے ہیں کہ اس سے اولاد بے حیا پیدا ہوتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** یہ احکام استحبابی ہیں ورنہ خاوند بیوی کا آپس میں پردہ نہیں وہ ایک دوسرے کا ستر دیکھیں تو گنہگار نہیں یہ فائدہ **لیریھما الخ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے انہیں گناہ سے محفوظ رکھا اگر یہ کام گناہ ہوتا تو وہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہ کیے جاتے۔ **پانچواں فائدہ:** شیطان کا داؤ یہ ہے کہ انسان کا لباس اتار دے پہلے دل کا لباس یعنی تقویٰ دور کرے پھر جسمانی لباس اتروا دے آج کل عورتوں کی بے پردگی۔ بہت باریک ننگے لباس۔ جن سے پردہ حاصل نہ ہو یہ سب شیطان کا داؤ ہے۔ یہ فائدہ **ینزع عنھما لباسھما** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان اور اس کی ذریت انسانوں کو جنت سے دور رکھنے کی کوشش میں ہے تو ضرور ہے کہ اللہ کے بعض بندے ہم جیسوں کو جنت میں لے جانے کی کوشش میں ہوں شیطان جنت سے نکال سکتا ہے ستر ظاہر کر سکتا ہے جنتی لباس اتار سکتا ہے تو حبیب رحمان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام جنت میں پہنچا سکتے ہیں ہماری ستر پوشی عیب پوشی کر سکتے ہیں کیونکہ رب نے ہر چیز کا توڑ ضرور پیدا کیا۔ یہ فائدہ **اخرج اور ینزع اور لیریھما** سے حاصل ہوا کہ رب نے ان تینوں فعلوں کا فاعل شیطان کو قرار دیا۔ **ساتواں فائدہ:** شیطان ہر جگہ حاضر بھی ہے اور ناظر بھی لہٰذا ہر جگہ حاضر ناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفت نہیں وہ تو جگہ سے پاک ہے یہ صفات اس نے بعض بندوں کو بخشی ہیں یہ فائدہ **یرا کم ھو الخ** سے حاصل ہوا کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور یری بدوام و استمرار کے لئے ہے یعنی وہ ہر وقت ہر حال میں تم سب کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے سواء کسی کو ہر جگہ حاضر ناظر ماننا شرک ہے وہ اس آیت میں غور کریں بلکہ دوسری آیت میں تو فرمایا گیا ہے کہ شیطان کو انسانوں پر تسلط بھی حاصل ہے وہ انسانوں کو دیوانہ بھی کر دیتا ہے۔ **یتخبطہ الشیطان من المس** جب شیطان جو گمراہ گر ہے اور نری بیماری اس کو ایسی قوت بخشی گئی ہے تو حضرات اولیاء اللہ انبیاء کرام جو اس بیماری کا علاج ہیں وہ بھی۔ بفضلہ تعالیٰ اپنے غلاموں کے پاس حاضر ان کے حالات کے ناظر ہیں وہ شیطان سے بچا کر راہ راست پر لا سکتے ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا   کخردلۃ علی حکم اتصال

حضور سرکار فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شی و عرفت**۔ آصف برخیا آن کی آن میں تخت بلقیس یمن سے فلسطین میں لے

آئے وہ حاضر ناظر ساتھ ہیں قادر بھی نہ ہوتے تو یہ کام نامکمل ہوتا۔ رب فرماتا ہے **انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** میں پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں تخت لے آؤں گا۔ پھر جیسے شیطان کی طاقتیں کم نہیں ہو گئیں وہ اسی طرح علم' تصرف ہر جگہ پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے لہذا حضرات اولیاء اللہ خصوصاً" حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات یہ طاقتیں کم نہیں ہو گئیں' وہ قبور میں سے سب کچھ کر رہے ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیماری موجود رہے اور طبیب ختم کر دیا جاوے۔ جب مرض باقی ہے تو دوائیں اور طبیب سب کچھ باقی اہل قبور سے مایوسی طریقہ کفار ہے۔ رب فرماتا ہے **کما یئس الکفار من اصحاب القبور**۔ آٹھواں فائدہ: جہاں ولی من دون اللہ کی برائیاں قرآن مجید میں آئی ہیں وہاں یہ شیطان ہی مراد ہے **ولی اللہ** اور ہیں **ولی من دون اللہ** اور یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے یہ فائدہ **جعلنا الشیطین اولیاء الخ** سے حاصل ہوا مومنوں کے مددگار دوست اولیاء اللہ ہیں کفار کے مددگار دوست اولیاء من دون اللہ ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔ نواں فائدہ: ایمان و تقویٰ شیطان سے حفاظت کا بہترین مضبوط قلعہ ہے اگر شیطان سے حفاظت چاہتے ہو تو اس قلعہ میں رہو۔ یہ فائدہ **للذین لا یومنون** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: جب جنت سے نکالنے کی نسبت شیطان کی طرف کر سکتے ہیں تو جنت عطا کرنے کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کر سکتے ہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت میں پہنچائیں گے جنت عطا فرمائیں گے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں' جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** (مسلم شریف) یہ فائدہ **اخرج ابویکم الخ** سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں ہی جنت سے نکالنے کپڑے اتارنے ایک دوسرے کو ستر دکھانے ان تینوں کاموں کو شیطان کی طرف نسبت کیا گیا۔ حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہیں رب نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ شیطان بیماری ہے تو حضرات انبیاء و اولیاء کرام اس کا علاج ہیں **لکل داء دواء** ہر بیماری کی دواء ہے تو شیطان کی دوا ضرور ہے۔ گیارہواں فائدہ: شیطان دشمن ہے اس سے دور رہو تو اللہ کے مقبول بندے دوست ہیں ان سے قریب رہو **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** بارہواں فائدہ: موذی دشمن یعنی شیطان ہر دم ہمارے پاس ہمارے ساتھ ہے لہذا اللہ کے مقبول بندے بھی ہمارے ساتھ ہمارے پاس ہیں کیونکہ مرض کی جگہ دوا چاہئے رب نے فرمایا **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** یہ فائدہ **لا یفتننکم الشیطان الخ** سے حاصل ہوا جہاں چالیس متقی مسلمان ہوں وہاں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض: شیطان تو ہر مومن کا دشمن ہے خواہ انسان ہو یا جن پھر یہاں صرف انسان سے یہ خطاب کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا یابنی آدم۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں جن میں سے آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ ثواب کے لئے جنت کی عطا صرف مومن انسانوں کو ہے اس مردود کی کوشش یہ ہے کہ انسانوں کو جنت سے روکا جاوے انہیں نہ جانے دیا جاوے۔ اس کی یہ دشمنی صرف انسانوں کے لئے ہے مومن جنات کے لئے جنت نہیں اور فرشتوں کے لئے جنت کا ثواب نہیں جو فرشتے وہاں ہیں وہ مومن انسانوں کی خدمت کے لئے ہیں جیسے حور و غلمان۔ دوسرا اعتراض: یہاں بنی آدم کیوں فرمایا گیا انسان کیوں نہ کہا گیا۔ جواب: تاکہ شیطان کی دشمنی کی وجہ بھی بیان ہو جاوے کہ اس کی دشمنی تم سے اس لئے ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور وہ مردود آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا لہذا وہ تمہارا دوست کبھی نہیں ہو سکتا تمہاری اولاد

آدم ہونا اس کی دشمنی کی وجہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں تین کاموں کا فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدم و حوا کو جنت سے باہر کرنا۔ ان کے لباس اتارنا۔ ان کے ستر انہیں دکھانا۔ حالانکہ یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اس مردود نے تو صرف گندم کھلایا تھا۔ **جواب:** یہاں ان فعلوں کی نسبت سبب کی طرف ہے شیطان ان سب کاموں کا سبب بنا نیز اس میں بارگاہ الٰہی کا ادب سکھایا گیا ہے کہ تکالیف و مصائب کو رب کی طرف نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہوتا ہوں تو رب مجھے شفا دیتا ہے حالانکہ بیماری بھی رب تعالیٰ کے حکم سے ہی آتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ابلیس اور اس کی ذریت کو رب تعالیٰ نے اتنی قوت کیوں دی کہ وہ لوگ بیک وقت سارے انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے ارادوں خطرات سے خبردار ہیں یہ تو بڑا ظلم ہے نعوذ باللہ (آریہ)۔ **جواب:** وہ رب کریم کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اس نے جہاں اتنا قوی ابلیس پیدا کیا ہے تو اس سے بڑھ کر قوت والے انبیاء اولیاء پیدا فرمائے جو شیطان کا توڑ ہیں اور اس سے زیادہ طاقت والے ہیں اگر اس رحیم نے نہایت تیز دھوپ پیدا فرمائی ہے تو اس کے توڑ کے لئے تیز بارش بھی پیدا کی ہے اگر اس نے سخت بھوک پیاس اور بیماریاں پیدا کی ہیں تو ان کے توڑ کے لئے غذائیں پانی شربت اور دوائیں بھی پیدا فرمائیں اس جوڑ توڑ سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ تم ابلیس اور اس کی ذریت کو نہیں دیکھتے حالانکہ بہت انسانوں نے انہیں دیکھا ہے اسے قید بھی کر دیا ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ بعض انسان شیاطین کو کتے بلے یا انسانوں کی شکل میں دیکھتے ہیں جب وہ مردود اپنی اصلی شکل میں ہوں تو نظر نہیں آتے یا یہ ذکر ہے عام انسانوں اور عام حالات کا کہ ہر آدمی انہیں ہر وقت نہیں دیکھتا وہ ہر آدمی کو ہر وقت دیکھتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ شیطان کفار انسانوں کے دوست ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شیطان ہر انسان کا کھلا دشمن ہے مومن ہو یا کافر۔ **ان الشیطان للانسان عدو مبین** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اگر یہاں اولیاء معنی مددگار ہو تب تو کوئی اعتراض پڑتا ہی نہیں کہ شیطان انسانوں کی مدد کرتا ہے کفر و گناہ کرنے پر اور اگر معنی دوست ہے تو یہاں ظاہر کا بیان ہے اور ان آیات میں حقیقت کا ذکر ہے یعنی شیطان کفار کا بظاہر دوست ہے ان کے پاس دوستی کے لباس میں آتا ہے اور حقیقت میں وہ ان کا دشمن ہے لہٰذا دونوں آیتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے گمراہ کرنے والے شیطان کو عمر دراز عطا فرما دی مگر کسی ہادی نبی ولی کو اتنی عمر نہ دی یہ تو انصاف کے خلاف ہے کہ بیماری کو موت نہیں اور علاج کو موت دیدی۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ رب جانتا ہے کہ مقبولوں کی وفات کے بعد ان کے فیوض ختم نہیں ہوتے بلکہ اور زیادہ ہو جاتے ہیں پھر انہیں دنیا کی تکالیف میں زیادہ کیوں رکھا جاوے ابلیس اگر مر جاتا تو اس کے تصرفات وغیرہ سب ختم ہو جاتے مقصود یہ تھا کہ اس مردود کی گمراہ گری باقی رہے تاکہ مسلمانوں کو ان کے اعمال کے ثواب ملتے رہیں۔ ادھر شیطان باقی ادھر اللہ والوں کے فیضان غیر فانی رب تعالیٰ کے کاموں میں حکمتیں ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو رب تعالیٰ نے دو قسم کے لباس عطا فرمائے ہیں۔ جسمانی لباس، جو سوت یا اون یا ریشم وغیرہ سے تیار ہوتا ہے دوسرے جنانی دلی لباس ایمان تقویٰ خوف خدا عشق پاک مصطفیٰ کا لباس جو کارخانہ قدرت میں اطاعت، میلان قلبی وغیرہ سے تیار ہوتا ہے۔ شیطان ایک بار حضرت آدم سے جسمانی لباس اتار چکا مگر ان کی اولاد سے دلی لباس اتار دینے ان کے دل کو ذوق، خوف، شوق، اطاعت سوز و گداز کے لباس سے ننگا کر دینے کی فکر میں ہمیشہ لگا رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم یہ

مت سمجھنا کہ لباس اتارنے کا واقعہ ایک بار ہو چکا' نہیں اس کا یہ کام ہمیشہ جاری ہے ذرا ہوش کرنا صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان ایسا قوی دشمن ہے کہ وہ ہم کو دیکھتا ہے ہم اس کو نہیں دیکھتے تو ایسی ذات کی پناہ لو جو شیطان کو دیکھے شیطان اسے نہ دیکھے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی پناہ کے بغیر اس موذی سے نہیں مل سکتی اس لئے ارشاد ہوا **فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم** ہم کہتے ہیں **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور اللہ کی پناہ یہ ہے کہ اس کے بنائے ہوئے قلعوں کی حفاظت میں ہم آجائیں حضرات انبیاء و اولیاء کے آستانہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ محفوظ قلعہ ہیں رب فرماتا ہے۔ **وکونوا مع الصادقین** شیطان چند آدمیوں کا بہت گہرا دوست ہے۔ کفار' ظالم حاکم' غنی' متکبر' تاجر خائن' شرابی' فسادی' ریاکار' مال یتیم کھانے والا' سود خوار مانع زکوٰۃ' دنیا میں بڑی لمبی امیدیں باندھنے والا اور اس مردود کو چند شخصوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ عادل' حاکم' غنی تواضع و عجز والا' سچا تاجر' خشوع خضوع والا عالم' خیرات دینے والا مومن ہمیشہ توبہ کرنے والا' حرام سے بچنے والا' سخی مومن' اچھے اخلاق والا' لوگوں کو نفع دینے والا' ہمیشہ پاک صاف رہنے والا' حامل قرآن' تہجد گزار۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہی مقام۔ لہٰذا کوشش کرو کہ شیطان کے دوستوں میں سے نہ بنو اس کے دشمنوں میں سے رہو اس لئے یہاں لایومنون ارشاد ہوا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ہوا جب لطیف ہو تو نظر نہیں آتی مگر جب اس کے ساتھ غبار ہو تو بالواسطہ دیکھ لی جاتی ہے یونہی شیطان جب اپنی شکل میں ہو تو ہم کو نظر نہیں آتا مگر جب حیوانی یا انسانی شکل میں ہو تو نظر آجاتا ہے کبھی وہ انسان میں اس طرح سرایت کر لیتا ہے کہ انسان کو دیوانہ کر دیتا ہے جب اسے پکڑ کر مارا جاوے تو شیطان کو چوٹ لگتی ہے اس آدمی کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ انسان کے جسم میں سرایت کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے شیاطین کفار کے دوست مددگار اور قریب ہیں یونہی ان کے مقابل مومنین صالحین کے دوست ان کے مددگار ان سے قریب' حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خدام حضرات اولیاء و علماء۔ گناہ کرو شیطان خوش ہوگا۔ نیکی کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خدام خوش ہوں گے۔ اگر تم کفار سے قریب ہوگئے تو شیطان سے قریب ہو جاؤ گے اور اگر اولیاء نبیوں سے قریب ہوگئے۔ تو اللہ سے قریب ہو جاؤ گے ان **رحمۃ اللہ قریب من المحسنین** اور فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　　　او نشیند در حضور اولیاء

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ

اور جب کرتے ہیں وہ فحش کام تو کہتے ہیں کہ پایا ہم نے اوپر اس کے باپ دادوں کو اپنے اور خدا نے حکم دیا

اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم

اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾

ہم کو اس کا فرماؤ کہ بے شک اللہ نہیں حکم دیتا فحش کا کیا کہتے ہو تم اوپر اللہ کے وہ چیز نہیں جانتے ہو تم

دیا تم فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کی تمہیں خبر نہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے اس فریب کا ذکر تھا جو اس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ کیا اب ابلیس کے اس فریب کا ذکر ہے جو برابر وہ اولاد آدم کو دے رہا ہے گویا اس کے ایک فریب کے بعد دوسرے فریب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شیطان کے اس فریب کا ذکر تھا جس میں عقل انسانی دھوکہ کھا سکتی ہے یعنی گندم کھانا اب اس کے ایسے فریب کا ذکر ہے جو عقل انسانی کے بھی خلاف ہے یعنی شرک کفر ننگے طواف کرنا وغیرہ گویا معمولی فریب کے بعد اس کے بدترین فریب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں انسانوں کو تنبیہ کی گئی تھی کہ شیطان سے غافل نہ رہنا یہ ہروقت تمہاری فکر میں ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ انسان اس کے فریب میں آگیا اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جو جانور بھی نہ کریں۔

تفسیر : **واذ فعلوا فاحشتہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اذا ظرف دوام کے لئے ہے بمعنی جب کبھی فعلوا کا فاعل کفار مکہ ہیں جو بدترین گناہوں کو بہترین عبارت سمجھتے تھے۔ **فاحشہ** اور **فحش** بمعنی حد سے بڑھ جانا فاحشہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو برائی میں سے بڑھے ہوں اس سے مراد یا تو ان کفار کی بدعقیدگیاں ہیں شرک کفر وغیرہ تو فعلوا سے مراد ہے اختیار کرنا یا اس سے مراد ہے بحیرہ سائبہ جانور مقرر کرنا یا غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا یا ایکدم ننگے طواف کرنا مردوں عورتوں کا ننگے خلط ملط ہونا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے سارے گناہ کبیرہ مراد ہوں اعتقادی گناہ ہوں یا عملی ان کی عبادات ہوں یا عادات۔ یہ تفسیر بہت جامع ہے۔ **قالوا وجدنا علیھا اباءنا** کفار کا یہ قول مومنین صالحین کے جواب میں ہے یعنی جب مسلمان انہیں ان جرموں پر ملامت کرتے عار دلاتے ہیں تو ان تمام کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ کام بہت اچھے ہیں ان کی اچھائی پر وہ دلیلیں پیش کرتے ہیں ایک یہ کہ صدیوں سے ہمارے باپ دادے یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ عاقل سمجھدار بڑے دنیادار تھے ان کا اس پر کاربند رہنا اس کی علامت ہے کہ یہ کام اچھے ہیں اگر برے ہوتے تو وہ لوگ نہ کرتے ان کی یہ دلیل بہت ہی غلط تھی کیونکہ ہر چیز کا معیار علیحدہ ہے آنکھ سے اچھے برے رنگ جانو' ناک سے اچھی بری بو معلوم کرو' کان سے اچھی بری آوازیں محسوس کرو' زبان سے اچھے برے مزے محسوس کرو' جو آنکھ سے مزے چکھنا چاہے وہ پاگل ہے یونہی اچھی بری چیزیں محسوس کرنے کے لئے کفار معیار نہیں اس کا معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک ہے اور مومنین صالحین کا عمل جیسا کہ ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے اس لئے اس کا جواب رب نے نہ دیا دوسرا عذر یہ کرتے ہیں کہ **واللہ امرنا بھا** اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہمارے باپ دادوں کو اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا تھا وہ لوگ خدا تعالیٰ کے حکم سے یہ سب کچھ کرتے تھے تو امرنا سے مراد ہے **امراباءنا**۔ دوسرے یہ کہ خود ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم یہ کام کیا کریں ہم حکم الٰہی سے بت پرستی' ننگے طواف وغیرہ حرکتیں کرتے ہیں یہ ان کی بالکل دھاندلی تھی وہ یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ رب کا حکم ہم تک کیسے پہنچا یا ہمارے باپ دادوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ حکم الٰہی ہے۔ خیال رہے کہ ان کا پہلا بہانہ تو جواب دینے کے قابل تھا ہی نہیں کیونکہ عبادات اور کار ثواب کے لئے صرف عقلی دلائل یا باپ دادوں کا قول کافی نہیں عبادات کا تعلق آخرت سے ہے کسی کی عقل یا کفار کی جماعت کا قول فعل انہیں ثابت نہیں کر سکتا۔ دوسرا بہانہ قابل جواب کے ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء**۔ ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ ان کفار

نے رب تعالیٰ پر بہتان باندھا کہ اس نے ہم کو فحش و بدکاریوں کا حکم دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے گواہ ہیں **انا ارسلنا ک شاھدا** اس لئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب چونکہ انہوں نے میری ذات کریم پر حملہ کیا ہے لہٰذا انہیں تم جواب دو روئے سخن انہیں مذکورین کفار کی طرف ہے۔ یعنی ان لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو وہ حکیم ہے اور حکیم کبھی بری باتوں کا حکم نہیں دیتا اس کے احکام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں یہ فحش باتیں حکمت سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتیں۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فاعل کی شان سے فعل کی نسبت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ حضور خواجہ اجمیری نے سود لینے کا حکم دیا ہے کوئی نہ مانے گا کیونکہ خواجہ صاحب تقدس بزرگی میں مانے ہوئے ہیں یا کوئی کہے کہ حضور داتا صاحب نے رشوت کا حکم دیا ہے ہرگز نہ مانا جاوے گا کیونکہ داتا صاحب یہ کہہ سکتے ہی نہیں یونہی رب تعالیٰ کا علیم خبیر حکیم ہونا جانا پہچانا مانا ہوا ہے حکیم ایسے برے حکم کیسے دے سکتا ہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں رب کی ذات و صفات کا جاننے والا ہوں کہ لاکھوں سال میں نے اکیلے اس کی عبادت کی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے حکم نہیں دے سکتا۔ اس کی دلیل یوں ارشاد فرمائی **اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون** اس فرمان عالی میں یہ سوال تعجب کے اظہار کیلئے ہے۔ جب قول کے بعد **علی** آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس پر جھوٹ باندھنا کہ اس نے نہ کہا ہو اور یہ کہہ دے کہ فلاں نے یہ کہا ہے گویا دوہرا جھوٹ بولے کلام بھی جھوٹا ہو اور نسبت بھی جھوٹی غلط اس لئے اس کی سزا بھی ڈبل ہے۔ **ما** سے مراد وہ عقائد و فحش گناہ ہیں جنہیں وہ رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ تم نے یہ کہاں سے معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ براہ راست تم سے رب تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے یا کسی نبی رسول کی معرفت یہ حکم بھیجا ہے یہ دونوں باتیں تو غلط ہیں کیونکہ تم سے رب نے کلام فرمایا نہیں اور تم تک کسی نبی کی تعلیم پہنچی نہیں بلکہ تم نبوت کے قائل ہی نہیں۔ پھر تم کو یہ باتیں کس طرح معلوم ہوگئیں تم بڑے جھوٹے اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والے ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ حضرت جبرئیل سے کلام فرماتا ہے اور جناب جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اس طرح ہم تک کلام و پیام ربانی پہنچتا ہے مگر ہم تو بہرحال نبی کے بالکل حاجتمند ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر وسیلہ ہم تک رب کا فرمان پیغام فیضان نہیں پہنچتا۔ مگر نبی جناب جبریل کے حاجتمند نہیں ان کی وحی کی چار صورتیں ہیں بذریعہ جبریل جو آئے وہ وحی عرش پر معراج میں جاکر بلاواسطہ رب سے کلام ہو وہ وحی **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** نبی کی خواب وحی **انی اری فی المنام انی اذبحک** بے ساختہ زبان پاک پر جو جاری ہو وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الا الاذخر** یعنی اذخر حرم میں کاٹ لیا کرو اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ نبوت ذریعہ ہے عبدیت کے الوہیت سے فیض لینے کا وحی کا ٹیلی فون انہیں کے کان ہیں لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے نبی کا کان عرشی ہوتا ہے زبان فرشی۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ابلیس اور اس کی انسان دشمنی کے متعلق بہت کچھ ملاحظہ فرما چکے اب نادان انسانوں کا حال بھی ملاحظہ کیجئے جو اس کے بہکانے میں آگئے کہ کفار مکہ نے گندے عقیدے نہایت گھنونے کام اختیار کر رکھے ہیں جیسے شراب خوری زندہ بچیوں کو دفن کرنا حج کے زمانہ میں گھروں میں پیچھے سے آنا اور کعبہ معظمہ کا ننگے بدن طواف کرنا۔ عورتیں مرد سارے کے سارے یکدم ننگے طواف کرلیں جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ تم کیا غضب کرتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی تو نہایت دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ ہمارے یہ کام بہت اچھے ہیں ان کی اچھائی کی ہمارے پاس دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ

صدیوں سے ہمارے باپ دادے یہ کام کرتے چلے آئے ہیں وہ لوگ بہت عقلمند اور نیک لوگ تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان کاموں کا حکم دیا ہے وہ ہمارے ان کاموں سے راضی ہے ہم کو ان پر ثواب ملے گا ان کی پہلی دلیل تو ظاہر ظہور غلط ہے اگر دنیا بھر کے لوگ کسی برے کام پر متفق ہو جاویں تو وہ اچھا نہیں بن جاتا۔ رہی ان کی دوسری دلیل اس کے متعلق فرمادو کہ تم جھوٹے ہو اللہ تعالیٰ علیم ہے خبیر ہے حکیم ہے علم و حکمت والا رب کبھی ایسے گندے فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا اور اے بے وقوفو تم جو کہتے ہو کہ ہم کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کیا براہ راست تم سے رب نے یہ کہا ہے یا کسی نبی اور آسمانی کتب کے ذریعہ تم کو یہ حکم پہنچا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کچھ بھی نہیں تم سے رب کلام نہیں فرماتا تم کسی نبی کو مانتے نہیں نہ کسی رسول کی شریعت کے تم پیروکار ہو پھر تمہیں رب کا یہ حکم کیسے پہنچا ہو تو ان حرکات سے باز آؤ اللہ کے نیک بندے بنو۔ خیال رہے کہ قدرت نے مختلف چیزوں کی برائی بھلائی معلوم کرنے کے لئے مختلف معیار بنائے ہیں آنکھ سے برے بھلے رنگ ناک سے بھی بھلی بو زبان سے میٹھے کڑوے مزے کان سے بری بھلی آوازیں معلوم کی جاتی ہیں جو کوئی کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے کے لئے اسے آنکھ میں ڈالے وہ دیوانہ ہے ایسے ہی دنیاوی برائی بھلائی معلوم کرنے کے لئے لوگوں کا قول ان کا تجربہ معیار ہے بنفشہ کا دافع زکام ہونا سقمونیا کا دست آور ہونا طبیبوں کے تجربہ سے ثابت ہو سکتا ہے مگر کسی چیز کا عبادت یا رب تعالیٰ کی خوشنودی ناراضی کا ذریعہ ہونا اس کا معیار صرف نبی کا فرمان ہے اس کے لئے باپ دادوں کا قول کافی نہیں۔ اسی قاعدے سے اس آیت میں گفتگو کی گئی ہے کہ نبوت ہی معیار حقانیت یا بطلان ہے تم نے بغیر نبی کے فرمان یہ بات کیسے کہہ دی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عقل انسانی اچھے برے کاموں کی پہچان میں کافی نہیں اس کو ہر وقت نبوت کی روشنی کی ضرورت ہے۔ دیکھو عرب کے اہل عقل جب نور نبوت سے محروم ہو گئے تھے تو بے حیائیوں بدکاریوں کو عبادات سمجھنے لگے تھے یہ فائدہ **قالوا وجدنا الخ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کی اصلاح فرمائی۔ جن کی اصلاح انسانی طاقت سے باہر ہے کیونکہ جو گناہ قومی رسم بلکہ عبادت بن چکا ہے اسے انسان بہت مشکل سے چھوڑتا ہے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اللہ تعالیٰ نے کمال بخشا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کا میل دلوں سے دھویا۔

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے　　　اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

یہی سیاہ دل تو اندھے شیشے تھے جن میں حضور چمکے بلکہ انہیں چمکا دیا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یہ فائدہ بھی **وجدنا علیہا الخ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جاہل وبدکار باپ داداؤں کی تقلید خصوصاً شرعی احکام کے مقابلہ میں کفار کا کام ہے تمام جہان ایک کام کو اچھا کہے نبی اسے برا کہیں تو وہ سب جھوٹے ہیں نبی سچے ہیں ان کا فرمان برحق ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جھوٹ بولنا ایک گناہ ہے مگر اسے اللہ رسول کی طرف نسبت کر دینا بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے۔ یہ فائدہ **اتقولون علی اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بغیر نبی کے واسطے کے اللہ تعالیٰ کے فرمان و احکام کسی تک نہیں پہنچ سکتے خالق اور مخلوق کے درمیان صرف نبی ہی وہ واسطہ کبریٰ اور وسیلہ عظمیٰ ہیں جن کی معرفت رب تعالیٰ مخلوق سے کلام فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **اتقولون علی اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ضدی انسان کو ہدایت ملنا مشکل ہے جو اپنی برائیوں کو اچھائی سمجھے اور

اسے اللہ رسول کی طرف نسبت کرے جب بیمار اپنی بیماری کو صحت سمجھے تو اس کا علاج کون کرے۔

پہلا اعتراض : فاحشہ اور معصیت میں کیا فرق ہے یہاں فاحشہ کیوں ارشاد ہوا۔ معصیت یعنی گناہ کیوں نہیں کہا گیا۔ جواب: معصیت یعنی گناہ عام ہے ہر چھوٹے بڑے گناہ کو معصیت کہتے ہیں مگر فاحشہ یا تو وہ گناہ ہے جسے عقل انسانی بھی برا سمجھے جیسے زنا ماں باپ کی نافرمانی عورتوں مردوں کا برہنہ خلط ملط یہاں کفار کے ایسے ہی گناہوں کا ذکر ہے یا فاحشہ ہر بڑا گناہ یعنی گناہ کبیرہ۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید بری چیز ہے صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے بزرگوں یا باپ داداؤں کی تقلید کرنا کفار مکہ کا طریقہ ہے۔ دیکھو فرمایا گیا **وجدنا علیها اباء نا الخ** اس سے موجودہ حنفی شافعی لوگ عبرت پکڑیں (غیر مقلد)۔ جواب۔ اس اعتراض کے تفصیلی جوابات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول و دوم میں ملاحظہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن و حدیث کے مقابل جاہل باپ داداؤں کی اندھی تقلید بے دینی ہے کفار مکہ اس بیماری میں گرفتار تھے اس کا یہاں ذکر ہے مگر قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لئے کسی امام کی روشنی میں قرآن و حدیث سمجھنا بالکل حق ہے یوں سمجھو کہ کافر جاہل باپ داداؤں کی پیروی حرام ہے متقی پرہیز گار صالحین کی پیروی اچھی چیز ہے اس کے لئے یہ آیت پڑھو۔ **صراط الذین انعمت علیهم** یا یہ پڑھو **یا ایها الذین امنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین** اچھوں کے ساتھ رہو اچھوں کے راستے ان کے نقش قدم پر چلو شرعی تقلید اچھوں کا ہی راستہ ہے قریبا" سارے محدثین "فقہاء صالحین اولیاء اللہ مقلد ہی گزرے۔ تقلید شرعی ہی مقبولوں کا راستہ ہے اس پر چلو قرآن مجید کو حدیث کی روشنی میں دیکھو اور سمجھو حدیث شریف کو امام مجتہد کی روشنی میں سمجھو۔ قرآن و حدیث سمندر ہیں اسے کسی امام کے جہاز کے ذریعے طے کرو۔ تیسرا اعتراض: رب اللہ تعالیٰ بغیر واسطہ پیغمبر کسی سے کلام فرماتا ہی نہیں تو ائمہ مجتہدین اپنے قیاس سے مسائل کیوں نکالتے ہیں کیا خدا تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے **اتقولون علی الله ما لا تعلمون**۔ جواب: قیاس مجتہد سے جو مسئلہ حاصل ہو وہ درحقیقت قرآن و حدیث سے ہی حاصل ہوتا ہے قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ منصوص حکم کو کسی علت مشترکہ کی وجہ سے غیر منصوص میں جاری کر دیا جاوے "حکم قرآن و حدیث کا ہی ہوتا ہے" اسے یہاں جاری کرنے والا قیاس مجتہد ہوتا ہے حکم دینا اور چیز ہے اور دیئے ہوئے حکم کو جاری کرنا کچھ اور بات دیکھو گندم اور جو میں سود کا حرام ہونا حدیث شریف میں مذکور ہے مگر چاول باجرے جوار میں سود کا حرام ہونا مجتہد فقیہ قول سے ہم کو معلوم ہوا ان مذکورہ چیزوں میں سود کی حرمت فقیہ کا حکم نہیں "حکم اللہ رسول ہی کا ہے اسے جاری کیا ہے امام مجتہد نے۔ اگر ہم سرکاری حکم سے سرکاری تار سے ایک تار اپنے گھر میں لا کر بجلی کی روشنی اپنے گھر میں حاصل کریں تو مجرم نہیں۔ پاور حکومت کا ہے یہ تار ہمارا ہے جو ہم تک وہ پاور پہنچا دیتا ہے۔ رب فرماتا ہے **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ غرضکہ اس آیت کو تقلید امام سے کوئی تعلق نہیں کفار کی آیات مسلمانوں بزرگوں پر چسپاں نہ کرو۔ چوتھا اعتراض: جیسے کفار مکہ اپنے کفریات پر اپنے باپ داداؤں کا فعل و قول پیش کرتے تھے کہ چونکہ انہوں نے یہ کام کئے لہذا یہ اچھے ہیں ایسے ہی تم بھی اپنی بدعات پر بزرگوں کے قول و فعل پیش کرتے ہو کہ چونکہ نیاز فاتحہ عرس مولود بزرگوں نے کئے ہیں لہذا یہ اچھے ہیں یہ سب کفار کی دلیلیں ہیں۔ جواب: کفار کا قول و فعل حقانیت کا معیار نہیں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقانیت کا معیار بنایا جو آپ حکم دیں وہ اچھا ہے جس سے منع فرما دیں وہ برا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خود رب نے مومنین و صالحین کو حقانیت کا معیار قرار دیا کہ فرمایا **ما اتاکم الرسول فخذوه**

وما نهاكم عنه فانتهوا اور مومنوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما راٰہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن اور فرمایا انتم شهداء اللہ فی الارض رب نے فرمایا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا ‘ - درمختار نے فرمایا مستحب وہ ہے جسے سلف صالحین اچھا سمجھیں یہ فرق یاد رہے۔

تفسیر صوفیانہ ۔ طلب دنیا ‘ محبت دنیا ‘ جمع دنیا کی حرص و ہوس یہ سب اہل طریقت کے نزدیک فاحشہ یعنی بڑے سے بڑا گناہ کیونکہ جب دنیا ہر شرکی جڑ ہے فرمایا جارہا ہے کہ طلب دنیا اور اس غفلت شیاطین کے چھٹے ہیں جب کوئی طالب مولیٰ طالب آخرت سمجھاتا ہے کہ اس فاحشہ سے باز آجاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ سب کچھ کرتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو فلاں راجے مہاراجے لین لارڈ کیسے آرام میں ہیں اللہ رسول نے بھی ہم کو طلب دنیا کا حکم قرآن و حدیث میں دیا ہے آپ ان سے فرما دو کہ تمہارا طلب دنیا غفلت ‘ نفسانی خواہش رب سے دوری کے لئے ہے۔ رب تعالیٰ ان باتوں کا حکم نہیں دیتا جس طلب کا اس نے حکم دیا ہے وہ دنیا ہے جو ذریعہ بنے آخرت حاصل کرنے کا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو یہ سب کچھ شیطانی فریب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

این جہاں جیفہ است و مردار و خسیس ۔ بر چنیں مردار چوں باشم حریص!

جس جانور کو ذبح کرکے اللہ کے نام پر اس کا خون نکال دیا جاوے وہ حلال ہے اور مردار جانور حرام مومن کی دنیا ذبیحہ جانور ہے تمہاری دنیا مردار جانور (از روح البیان) اس لئے کافر کی دنیا فحشاء ہے مومن کی دنیا رب کی رضا ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ

آپ فرما دو کہ حکم دیا رب نے میرے عدل کا اور قائم کرو چہرے اپنے نزدیک ہر سجدے کے اور پکارو اس کو خالص کرتے

تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ﴿۲۹﴾ فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا

ہوئے واسطے اس کے دین کو جیسے شروع کیا تم کو لوٹو گے تم ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق

نرے اس کے بندے ہوکر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے

حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ

لازم ہوگئی اوپر ان کے گمراہی بے شک انہوں نے بنایا شیطانوں کو دوست مقابل اللہ کے اور گمان کرتے

کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ

یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہیں وہ کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وہ راہ پر ہیں۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان بری باتوں کا ذکر تھا جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا بلکہ ان سے ناراض ہے اب ان اعمال کا ذکر ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جن سے وہ راضی ہے تاکہ بندے پہلی قسم کے کاموں سے بچیں اور دوسری قسم کے کام کریں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین کے ان اعمال کا ذکر تھا جن کا ماخذ ان کے جاہل باپ دادا ؤں کی تقلید تھی اب ان اعمال کا ذکر ہے جن کا ماخذ وحی الٰہی اور نبی کی ذات ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں انتہائی برے اعمال کا ذکر تھا اب انتہائی اچھے اعمال کا ذکر ہے گویا انتہائی ظلمت و تاریکی کے بعد اعلیٰ درجہ کے نور کا تذکرہ ہے۔

تفسیر : **قل امر ربی بالقسط** ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس مضمون کو قل سے شروع فرمانے کے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی آیت میں حمد الٰہی تھی اس سے عیوب کی نفی تھی **ان اللہ لا یامر بالفحشاء** اور اس آیت میں حمد الٰہی ہے اس کے لئے صفات ثابت کر کے۔ اور حمد وہی قبول ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ہو اس لئے دونوں جگہ قل ارشاد ہوا۔ دوسرے یہ کہ عدل و انصاف نماز دعا رب کی عبادت ہے مگر یہ قبول جب ہوگی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ماتحت ہو اس لئے قل فرمانا نہایت موزوں ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے ہے جن کا اب تک ذکر ہوا یعنی آپ ان کفار سے فرمادو اور ہو سکتا ہے کہ تاقیامت سارے انسانوں سے اس کا تعلق ہو یعنی تاقیامت سب سے کہہ دو چونکہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سب تک پہنچا دینے کا ذمہ لیا ہوا ہے اس لئے سب سے فرمانا درست ہوا ٹیپ ریکارڈر میں بولنے والے کے الفاظ آواز محفوظ رہتی ہے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محفوظ ہے۔ حضرت خلیل نے ایک بار کہہ دیا تھا کہ اللہ کے بندو بیت اللہ کی طرف آؤ آج تک اس کے جواب میں لبیک لبیک کی آوازیں آرہی ہیں۔ امر سے مراد مطلقاً حکم ہے خواہ وجوب کے لئے ہو یا مستحب قرار دینے کے لئے امر کا مفعول پوشیدہ ہے **امرنی یا امرکم** یا امر عبادہ، تیسرا احتمال قوی ہے کیونکہ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کا حکم سارے ہی بندوں کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ امر کا مفعول سارے انبیاء کرام ہوں یعنی انصاف اور نماز وہ حکم ہے جو تمام دینوں میں رہا اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام نبیوں کے نام ان کے کام ان کی دعائیں دنیا میں مشہور ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ سب کو چمکانے والے۔ ربی فرما کر یہ بتایا کہ چونکہ وہ رب ہے اس لئے اس نے جسمانی غذاؤں دواؤں کے ساتھ روحانی غذائیں دوائیں پیدا فرمائیں یہ قسط، نماز وغیرہ روحانی غذائیں ہی تو ہیں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رب ہے اور سب بندوں کا بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاواسطہ اور ہمارا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔ جیسے رب نے عالم اجسام سورج سے وابستہ کیا یونہی عالم روحانیات کا سارا نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ فرمایا خدا سورج و بادل کا رب ہے اور یہاں زمین کا بھی مگر شان ربوبیت میں فرق ہے۔ قسط کے معنی حصہ بھی ہیں اور عدل و انصاف بھی اور درمیانی چیز بھی جس میں زیادتی کمی یعنی افراط و تفریط نہ ہو اس میں لطف یہ ہے کہ اگر یہ مجرد باب سے آوے تو بمعنی ظلم ہوتا ہے یعنی کسی کا حصہ مار لینا رب فرماتا ہے **واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا** ظالم لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں اور جب باب افعال سے ہو تو بمعنی انصاف ہوتا ہے یعنی حصہ اس کے

حقدار حصہ دار کو دینا۔ فرماتا ہے **ان اللہ یحب المقسطین** یہاں معنی انصاف و عدل ہے یہ لفظ بہت چیزوں کو شامل ہے عقائد میں عدل و انصاف کرو افراط و تفریط سے بچو۔ عبادات میں عدل کرو۔ معاملات میں عدل کرو بادشاہ ہو تو عدل کرو فقیر ہو تو انصاف کرو اولاد میں قرابت داروں میں اپنے نفس کے معاملہ میں عدل کرو۔ بہرحال یہ ایک لفظ ہزارہا احکام کو شامل ہے شریعت و طریقت کے سارے مسائل اس میں داخل ہیں **و اقیموا وجوھکم عند کل مسجد** یہ عبارت معطوف ہے۔ امر پر اس سے پہلے قال یا امر پوشیدہ ہے یعنی خبر کا خبر پر عطف ہے **اقیموا** بنا ہے **اقامۃ** سے معنی سیدھا کرنا وجوہ جمع ہے وجہ کی معنی ذات یا چہرہ یہاں معنی چہرہ ہے عند معنی فی ہے اور مسجد مصدر میمی ہے معنی سجدہ۔ جس سے مراد ہے نماز یعنی ہر نماز میں اپنا چہرہ کعبہ معظمہ کی طرف سیدھا کرو اس صورت میں یہ حکم فرضیت کے لئے ہے کیونکہ نماز میں کعبہ کو منہ کرنا فرض ہے یا عند کے معنی ہیں پاس اور مسجد سے مراد یہی مسجد مراد ہے یعنی یہ ظرف مکان ہے یا اس سے مراد ہے وقت نماز (ظرف زمان) یعنی ہر مسجد میں نماز ادا کر لیا کرو یہ نہ سوچو کہ ہم اپنے محلہ کی مسجد میں ہی نماز پڑھیں گے یا ہر نماز کے وقت سارے کاروبار چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔ بہرحال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں **وادعوہ مخلصین لہ الدین** ۔ یہ تیسرا حکم ہے اور معطوف ہے **اقیموا** پر۔ **ادعو** بنا ہے **دعا** سے **دعا** کے لغوی معنی ہیں پکارنا بلانا' اصطلاحی معنی ہیں عبادت کرنا جیسے **صلوۃ** کے لغوی معنی ہیں دعا اصطلاحی معنی ہیں نماز۔ دین کے بہت معنی ہیں جو ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر **مالک یوم الدین** میں عرض کر چکے ہیں یہاں دین یا معنی فرمانبرداری ہے یا معنی اعتقاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اپنے عقائد کو شرک و کفر سے خالص کر کے مخلص مومن بن کر یا اللہ کی عبادت کرو خالص اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے یا اللہ سے دعا کرو خالص اس کی عبادت کرتے ہوئے اگر اپنی دعائیں قبول کرانی ہیں تو اس کی عبادات اخلاص سے کرو ان شاء اللہ دعائیں قبول ہوں گی یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انصاف کرو نمازیں پڑھو دعائیں کرو مگر اللہ کے نرے بندے بن کر نرے بندے کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اسے رب کے دروازے سے ہٹا نہ سکے جب بندہ خالص ہو جائے تو اس کے ہر کام ان شاء اللہ خالص ہی ہوں گے اخلاص چاہتے ہو تو خود مخلص ہو غرضیکہ اس جملہ کے بھی کئی معنی ہیں۔ **کما بدا کم تعودون** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی قدرت اور انسان کی مجبوریوں معذوریوں کا ذکر ہے اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ نے جیسے تمہاری ابتداء فرمائی تھی کہ بعض کو مومن پیدا کیا تھا' بعض کو کافر ایسے ہی تم قیامت میں بارگاہ الٰہی میں لوٹو گے مومن مومن بن کر اور کافر کافر بن کر اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن** نیز اگلی عبارت اس کی تفسیر کر رہی ہے **فریقا" ھدی و فریقا** الخ (2) جیسے پہلے تم نیست تھے پھر اس نے تمہیں ہست کیا ایسے ہی آئندہ نیست ہو جاؤ گے یعنی نیستی سے ہی تمہاری ابتدا ہے اور نیستی پر ہی تمہاری انتہاء تم پہلے کچھ نہ تھے نہ کسی کے باپ بھائی تھے نہ حاکم افسر یہاں آکر سب کچھ بنے پھر بعد موت کچھ نہ رہو گے۔ لہذا ان عارضی چیزوں پر پھول کر اپنی اصل کو نہ بھولو۔ (3) جیسے تم ننگے بے ختنہ پیدا ہوئے ایسے ہی ننگے بے ختنہ قیامت میں اٹھو گے۔ (4) جیسے تم بے عقل بے علم بے زور پیدا ہوئے تھے ایسے ہی بڑھاپے میں ہو جاؤ گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لکیلا یعلم بعد علم شیئا** (5) جس سعادت و شقاوت پر تمہاری ابتدا ہوئی ہے اس پر تمہاری انتہا ہو گی درمیان میں تم کچھ بھی رہو دیکھو شیطان کی ابتداء بدبختی پر تھی تو انتہاء بھی اسی پر ہوئی اگرچہ بیچ میں وہ بڑا عابد و زاہد ہو گیا اور فرعونی جادوگروں کی ابتداء عند اللہ سعادت پر ہوئی تھی تو ان کی انتہا سعادت پر ہوئی اگرچہ وہ لوگ بیچ میں کافر ساحر وغیرہ رہے اس کی تفسیر وہ

حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں پیدا فرما کر ان پر نور کا چھینٹا مارا جس روح پر پڑ گیا وہ مومن ہوا جو اس چھینٹے سے محروم رہا وہ کافر ہوا۔ لہٰذا ہر شخص کو اللہ سے خوف چاہئے (6) جیسے رب تعالیٰ نے تم کو ابتداءً پیدا کیا ایسے ہی تم کو دوبارہ پیدا فرمائیگا تم قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو ہر چیز کی ابتداء سے دوبارہ بنانا آسان ہوتا ہے (7) تم پہلے مٹی تھے آئندہ مٹی ہی ہو گے تو درمیانی حالت میں جبکہ تم سب کچھ ہو کچھ کر لو یہ موقعہ پھر نہ ملے گا۔ (8) تمہاری جہاں سے ابتداء ہے وہاں ہی انتہا ہوگی جہاں سے گئے تھے وہاں ہی لوٹ کر آؤ گے۔ یعنی ہمارے پاس سے گئے تھے۔ ہمارے پاس ہی آؤ گے تو اجیالا منہ لے کر گئے تھے کالا منہ لے کر نہ آنا تو **کما بدا کم** کی تفسیر ہے یا نیا جملہ ہے اس میں پہلا **فریقا** تو منصوب ہے **ھدی** سے اور دوسرا **فریقا** منصوب ہے اصل پوشیدہ سے فریق سے۔ مراد انسان کا ٹولہ ہے۔ ہدایت سے مراد ہے ایمان و نیک اعمال کی ہدایت اور ضلالت سے مراد ہے ان دونوں سے محرومی۔ **ھدی** اور **حق** دونوں ماضی ہیں ان میں اس ازلی فیصلہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہدایت اور گمراہی کی بہت تفسیریں ہیں جو ہم سورۂ فاتحہ میں **اھدنا الصراط المستقیم** اور **ولا الضالین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یعنی روز ازل ہی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ نہ سارے انسان مومن ہوں گے نہ سارے کافر۔ ایک جماعت مومن ہوگی' دوسری کافر۔ لہٰذا بعض لوگوں کے کافر بننے سے غم نہ کرو یہ تو سرکاری فیصلہ ہے۔ ہدایت یافتہ جماعت میں تین قسم کے حضرات ہیں بعض وہ جو صرف ہدایت کسی بندے کے ذریعے لیتے ہیں کسی کو ہدایت دے نہیں سکتے یعنی مہدی ہیں ہادی نہیں جیسے عام مومنین بعض وہ جو کسی بندے سے ہدایت لیتے ہیں کسی کو ہدایت دیتے ہیں یعنی ہادی بھی ہیں مہدی بھی جیسے حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لی خلقت کو ہدایت دی ایک ذات کریم وہ ہے جو کسی بندے سے ہدایت نہیں لیتی بلکہ سب کو ہدایت دیتی ہے وہ ذات پاک مصطفےٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور سورج ہیں دوسرے نبی چاند تارے عام مومنین گویا زمین **فریقا ھدی** ان سب کو شامل ہے۔ **انھم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون اللہ۔** اس فرمان عالی کا منشاء یا تو گمراہوں کی علامت بیان فرمانا ہے کہ جن کی ابتداء گمراہی پر ہو چکی ہے وہ ہمیشہ مومنوں سے نفرت کریں گے کفار سے محبت:

نوریاں مر نوریاں را طالب اند! ناریاں مرناریاں راجاذب اند!!

یا یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم نے کسی کو جبراً گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ لوگ اپنی خوشی و رغبت سے شیاطین کو دوست بنا کر گمراہ ہو گئے شیاطین سے مراد یا تو جنات شیاطین ہیں چونکہ وہ بہت ہیں اور بہت قسم کے ہیں اس لئے جمع ارشاد ہوا یا انسانی شیاطین مراد ہیں بے نورے بے پیرے لوگ۔ اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی دوست یا مددگار **دون** بمعنی مقابل ہے یعنی گمراہوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ سے رشتہ محبت توڑتے ہیں اور اولیاء **من دون اللہ** سے محبت جوڑتے ہیں یا ان کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ سے کٹتے ہیں اور **اولیاء من دون اللہ** سے جڑتے ہیں۔ **یحسبون انھم مھتدون** یہ ان کے دوسرے عیب کا بیان ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ہدایت پر آنے کی امید نہیں کیوں کہ وہ اپنی اس حرکت کو ہدایت جانتے ہیں اور اپنے کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں پھر انہیں راہ حق ملے تو کیسے۔ جو بیمار اپنے کو صحت مند سمجھے اور طبیب کے پاس حاضر نہ ہو بلکہ دوا اور پرہیز سے جی چرائے وہ شفا کیسے پائے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر شخص پر عدل و انصاف کرنا فرض ہے خواہ مومن ہو یا کافر یہ فائدہ **امر ربی بالقسط** سے حاصل ہوا اچھے عقیدے اچھی عبادات اچھے معاملات ہر شخص کو اس کا حق

دینا دلوانا سب ہی قسط میں داخل ہے اسی لئے قرآن مجید میں کفر شرک بلکہ ہر عمل کو ظلم فرمایا گیا ہے **ان الشرک لظلم عظیم۔ دوسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انصاف کرے یہ انصاف ہزار ہا ہیں پہلے تین طرح کے انصاف کرے ایک یہ کہ وہ ہمارا بڑا محسن ہے اس کے احسان شمار سے باہر ہیں اور محسن کی اطاعت کرنا قرین انصاف۔ نوکر آقا کی تنخواہ لے کر کتا انسانوں کا ٹکڑا کھا کر اس کی فرمانبرداری کرتا ہے دوسرے یہ کہ رب نے ساری کائنات ہمارے لئے بنائی اس نے اپنے نفع کے لئے کچھ نہ بنایا تو ہم کو بھی چاہئے کہ سارے کام حتیٰ کہ کھانا پینا سونا جاگنا اللہ کے لئے کریں سنت رسول سمجھ کر کریں۔ تیسرے یہ کہ اگر وہ کبھی کوئی تکلیف بھیجے تو شکایت نہ کریں کہ یہ بے انصافی ہے اس نے ہمیشہ آرام سے رکھا اب بھی سارے اعضا تندرست ہیں صرف ایک عضو میں بیماری ہے تو انصافی ہے کہ ان آراموں کا شکر ذکر نہ کریں ایک تکلیف کی شکایت حکایت کرتے پھریں۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں وہ ہمیں کبھی نہ بھولے وہ ہماری خاطر راتوں کو غاروں میں روئے انہوں نے ہماری خاطر ہم کو ہدایت دینے کے لئے بہت دکھ اٹھائے بے انصافی ہے کہ ہم انہیں بھول جائیں انہیں ہر وقت یاد رکھنا ان کی فرمانبرداری کرنا ان کی سنتوں پر عمل کرنا ان کے دین کی خدمت کرنا انصاف کا تقاضا ہے۔ یہ فائدہ بھی **بالقسط** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ رسول کے معاملہ میں انصاف کرنے کے بعد انسان پر لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں انصاف کرے کہ جب وہ بوڑھے ہو کر کم عقل ہو جائیں تم جوان ہو تو خیال کرو کہ کبھی تم بھی ایسے ہی تھے جیسے تم کو بھی انہوں نے پالا تم بھی اب ان کی خدمت کرو کسی سے کبھی ایسا معاملہ یا ایسی بات نہ کرو کہ اگر وہ تم سے یہ کرتا یا یہ کہتا تو تم کو ناگوار ہوتی نیز یہ خیال رکھو کہ تمہارے اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ انہیں اس کی معصیت میں صرف نہ کرو کہ یہ خیانت ہے اور انصاف کے خلاف یہ سب باتیں **امر ربی بالقسط** میں شامل ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** نماز میں کعبہ کو منہ کرنا فرض ہے۔ یہ فائدہ **واقیموا وجوھکم** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جماعت کی نماز کے لئے مسجد بہتر ہے نماز کے لئے جماعت کبھی فرض ہے کبھی واجب کبھی مستحب کبھی مکروہ جمعہ عیدین کے لئے جماعت فرض ہے۔ پنجگانہ کے لئے واجب نوافل و تہجد کے لئے اہتمام سے جماعت ممنوع ہے مسجد کی حاضری ان نمازوں کے لئے افضل ہے۔ جن کے لئے جماعت فرض یا واجب ہے (روح البیان)۔

مسئلہ: نماز پنجگانہ با جماعت اکیلی نماز سے ستائیس گناہ زیادہ ثواب والی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** عقائد کی اصلاح عبادات سے پہلے ہے یعنی پہلے سچے مسلمان ہو۔ پھر عبادات کرو بغیر ایمان عبادات بیکار ہیں۔ یہ فائدہ **مخلصین لہ الدین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر عمل میں اخلاص ضروری ہے۔ سارے اخلاصوں کی اصل یہ ہے کہ بندہ خود مخلص بنے یعنی نرا بندہ بنے۔ یہ فائدہ **مخلصین** کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا بعض چیزیں بعض رشتے تعدد برداشت کر لیتے ہیں مگر بعض چیزیں بعض رشتے تعدد سے وراء ہیں۔ انسان متعدد کا باپ بھائی دوست خاوند ہو سکتا ہے مگر چند باپوں کا چند ماؤں کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ ماں باپ ہونا وہ رشتہ ہے جس میں تعدد کی گنجائش نہیں سر میں بال، جسم کے سارے اعضاء چند ہو سکتے ہیں مگر دل و دماغ ایک ہی ہونگے۔ درخت کے پتے شاخیں بہت ہو سکتی ہیں مگر جڑ ایک ہی ہوگی یونہی استاد اور بھائی برادر بہت ہو سکتے ہیں مگر معبود اور نبی صرف ایک ہی نبی کے امتی۔ **نواں فائدہ:** سارے انسان نہ تو دینی لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں نہ دنیاوی لحاظ سے۔ جو سب کو برابر کرنے کی کوشش کرے وہ قدرت سے مقابلہ کرتا ہے۔ یہ فائدہ **فریقا ھدی** الخ سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم دنیا بھر میں بڑے ہادی بڑے سخی ہیں مگر ابو جہل ہدایت پر نہ آیا صدیق و زندیق کا فرق باقی رہا حضرت عثمان غنی رہے حضرت بلال و عمار فقیر یہ حکم نہ دیا کہ فقراء امیروں کو لوٹ لیں زکوٰۃ فطرے کے دینے والا امیر بھی چاہئے' لینے والا فقیر بھی۔ دسواں فائدہ: کبھی سارے انسان مومن نہیں ہونگے ان میں کچھ کافر بھی رہیں گے سب کو مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو جتنے بن سکیں بنالو۔ یہ فائدہ **فریقا حق علیہم الضلالۃ** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: جو اللہ کے ولیوں سے عداوت رکھے اس کے دشمنوں سے محبت کرے اسے ہدایت کبھی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ہدایت کا مرکز تو اللہ کے ولی ہیں یہ فائدہ **انہم اتخذوا الشیاطین** الخ سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: جہاں کہیں قرآن مجید میں **اولیاء من دون اللہ** فرمایا گیا ہے وہاں شیاطین و کفار مراد ہیں اس آیت نے ان سب آیات کی تفسیر فرمادی جیسے **اولیاء من دون اللہ** سے بچنا نفرت کرنا فرض ہے ایسے ہی اولیاء اللہ سے محبت کرنا ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ رب فرماتا ہے **کونوا مع الصدقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیہم**۔ تیرہواں فائدہ: جو بے دین ہو مگر اپنے کو ہدایت پر سمجھے وہ کبھی ہدایت پر نہیں آ سکتا۔ یہ فائدہ **ویحسبون انہم مھتدون** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: مسلمان کبھی اپنے کو کافر نہ کہے ہاں متقی اپنے کو گنہ گار کہے اور توبہ کرتا رہے اپنے کفر کا اقرار کفر ہے۔

پہلا اعتراض: لفظ مسجد نصر۔ ینصر کا اسم ظرف ہے تو اس کے عین کلمہ یعنی میم کو کسرہ کیوں آیا جس کا مضارع مضموم العین ہو اس کے ظرف کا عین مفتوح ہوتا ہے۔ (صرفی) جواب: اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ قاعدے سے مسجد کی جیم کو فتحہ چاہئے اس پر کسرہ آنا خلاف قیاس ہے۔ قرآن مجید قانون صرفی کا پابند نہیں مگر فقیر کے نزدیک جواب قوی یہ ہے کہ مسجد بمعنی سجدہ گاہ جہاں نمازی اپنا سر رکھے اب بھی جیم کے فتحہ سے آتا ہے مگر مسجد بمعنی پوری عمارت جس میں بیرون مسجد اور اندرون مسجد غسل خانہ پیشاب خانے مینار وغیرہ سب داخل ہوں یہ میم کے کسرہ سے آتا ہے چونکہ یہ لفظ دو معنی میں استعمال ہونے لگا اس لئے جیم کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ذریعہ اس میں فرق کر دیا گیا جو سجدہ کا ظرف ہے وہ جیم کے فتحہ سے ہی ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف خدا تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے کسی اور کو پکارنا شرک ہے دیکھو فرمایا گیا **وادعوہ مخلصین لہ الدین** پھر تم نبیوں ولیوں کو کیوں پکارتے ہو۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جوابات تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید کی ان جیسی آیتوں میں دعا سے مراد صرف پکارنا نہیں بلکہ عبادت کرنا پوجنا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کی عبادت کرنا ہرگز جائز نہیں خالص شرک ہے اگر کسی کو پکارنا شرک ہو تو رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رسولوں کو بلکہ پہاڑوں کو آسمان کو زمین کو پکارا ہے **یاایھا الذین امنوا۔ یاایھا الناس - یاایھا النبی** وغیرہ نیز ہم کو پکارنے کی اجازت دی بلکہ حکم دیا فرمایا **ادعوھم لاباءھم** حضرات انبیاء کرام نے اپنے خاص دوستوں کو مدد کے لئے پکارا ہے **من انصاری الی اللہ**۔ بہر حال عبادت غیر خدا کی شرک ہے پکارنا شرک یا ناجائز نہیں۔ تیسرا اعتراض: یہاں ہدایت کے لئے تو **ھدی** ارشاد ہوا مگر گمراہ کے لئے **اضل** نہ فرمایا بلکہ دراز عبارت **حق علیہم الضللۃ** فرمایا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس میں اشارۃً فرمایا کہ انسان کی اصل حالت گمراہی ہے ہدایت رب کا فضل ہے **اضل** اور **فضل** کا فرق ظاہر فرمانے کے لئے کیوں ارشاد ہوا حق کے معنی ہیں ثابت۔ رہی گمراہی خیال رہے کہ یہ قاعدہ عام انسانوں کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نور ہے ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

فطرت ہے انبیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نور لیا دنیا کو دیا عام نے نور لیا دیا نہیں سورج کی اصل فطرت نور ہے چاند تارے نور لینے والے بھی زمین کو دینے والے بھی زمین صرف لینے والی ہے دینے والی نہیں **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہو گئی جب اس گروہ کی گمراہی کا فیصلہ ہو چکا تو اب وہ تو لامحالہ گمراہ ہوں گے پھر وہ گمراہی پر مجرم کیوں ہوئے انہیں اس پر سزا کیسی۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب اس تفسیر کے تیسرے پارہ میں **ولو شاء اللہ مااقتتلوا** کی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ فیصلہ یہ ہو چکا ہے کہ فلاں گروہ اپنی خوشی اپنے اختیار اپنے ارادے سے گمراہ ہو گا جیسے ان کی گمراہی ارادہ الٰہی میں آ چکی ایسے ہی ان کا اختیار و ارادہ بھی رب کے فیصلہ میں آ چکا۔ اسی اختیار پر پکڑ ہے اسی کا بیان اس جگہ یوں فرمایا گیا۔ **انہم اتخذوا الشیاطین اولیاء**۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ گمراہ لوگ شیطانوں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ کوئی کافر بھی اسے دوست نہیں بناتا۔ سب اس پر پھٹکار لعنت ہی کرتے ہیں تو یہ مان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اگر یہاں شیاطین سے مراد ہے انسانی شیطان یعنی کفار اور گمراہ لوگ تب تو مطلب ظاہر ہے۔ واقعی گمراہ اپنے گمراہ سرداروں سے محبت کرتے ہیں مرزائی لوگ مرزا کو اپنا پیارا نبی مانتے ہیں اور اگر شیاطین سے مراد ہیں جن یعنی ابلیس کی ذریت تو چونکہ وہ لوگ اس کے بتائے راستہ پر چلتے ہیں تو اگرچہ وہ منہ سے اس پر لعنت کریں مگر عمل سے اس کو دوست ہی بناتے ہیں۔ محبت کئی قسم کی ہوتی ہے زبانی عملی اور دلی یعنی لسانی' جناتی' ارکانی۔

تفسیر صوفیانہ: انسان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے رب کے معاملہ میں انصاف کرے یہ انصاف ایمان کی اصل ہے۔ اس رب کریم نے ساری چیزیں ہمارے لئے بنائیں تو بے انصافی ہے کہ ہم اعمال کسی اور کے لئے کریں وہ ہمارا ہے تو ہم غیر کے کیوں ہوں **خلق لکم مافی الارض جمیعا**" اس نے ہماری خاطر چاند' سورج' ہوا' بادل کام میں لگا دیئے تو بے انصافی ہے کہ ہم اس کے کام نہ لگیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تاتو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اس کریم نے ہماری خاطر ہمارے گھر یعنی جنت سے ہمارے دشمن ابلیس کو نکالا تو بے انصافی ہے کہ ہم اس کے گھر یعنی اپنے دل میں ابلیس کو بسائیں **امر ربی بالقسط**۔ ہم کو چاہئے کہ ہم سر کا سجدہ اور ظاہری نماز تو ان کے اوقات میں ادا کریں مگر دل اور توجہ کا سجدہ ہر وقت اس کی طرف کریں کہ ہماری توجہ ہر وقت الی اللہ رہے دست بکار اور دل بیار کی بہار ہو **اقیموا وجوھکم** اپنی ہر قسم کی توجہ' سجدہ دل کے وقت اس طرف رکھو' اگر تمہارا یہ حال ہو گیا تو جیسے جیو گے ویسے ہی مرو گے اور جیسے مرو گے ویسے ہی قیامت میں اٹھو گے ان شاء اللہ **کما بدا کم تعودون** مگر یہ درجہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا اس راہ میں راہ مار ہزاروں ہزار ہیں جو راہ ماروں کے پھندوں میں آ یا وہ گیا۔ کفار ریاکار لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ راہ زنوں کو راہبر سمجھ کر ان کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں کاشانہ یار کو پاخانہ اغیار بناتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ہدایت پر وہی ہے۔ جو ہدایت کے مرکزوں سے وابستہ رہے۔

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ! تار ہرواں براہ نمائے نمی رسند!

گمراہوں کی تقلید' شک' ریاکاری' محبت دنیا' محبت خلق یہ سب دل کی بیماریاں ہیں انہیں کسی روحانی ہسپتال میں کسی روحانی

طبیب سے پہنچاؤ تاکہ شفا پاؤ' صوفیاء فرماتے ہیں کہ **اقیموا وجوھکم عند کل مسجد** کے معنی ہمارے مشرب میں یہ ہیں کہ وجوہ جمع ہے وجہ کی معنی توجہ یعنی دل کا رخ پھیرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنی توجہ اللہ رسول کی طرف کرو کہ اس وقت کسی کا تعلق دل سے نہ رہے تاکہ تم زندگی میں ترک دنیا کے عادی رہو اور مرتے وقت اس ترک پر کوئی تکلیف نہ ہو۔ اعتکاف' حج' نماز پنجگانہ سب میں ترک دنیا کا عادی بنایا گیا تاکہ وائمی ترک دنیا آسان ہو نماز میں سر تو کعبہ کی طرف رہے دل کعبہ والے کی طرف تب نماز کا مزہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اخلاص کے معنی ہیں ملاوٹ سے محفوظ ہونا ملاوٹ چار طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس سے چیز کار آمد ہوتی ہے جیسے آٹے میں پانی کی ملاوٹ کہ اس ملاوٹ سے ہی وہ روٹی بسکٹ وغیرہ بننے کے قابل ہوتا ہے دوسرے وہ جس سے شے کامل ہوتی جیسے آٹے میں گھی دودھ کی ملاوٹ کہ اس سے آٹا پر اٹھا بنتا ہے۔ تیسری وہ جس سے شے ناقص ہو جاوے جیسے آٹے میں مٹی کی ملاوٹ۔ چوتھے وہ جس سے شے فنا ہو جاتی ہے جیسے آٹے میں زہر کی ملاوٹ کہ اس سے آٹا آٹا نہیں رہتا یونہی عبادات اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اخلاص کی جان ہیں دیکھو توحید کے ساتھ نبوت کی ملاوٹ ہو تو ایمان بنتا ہے اس لئے کلمہ میں خدا کے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی ملاوٹ ہے سارے فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں شامل بلکہ داخل ہیں لہٰذا **مخلصین لہ الدین** کے معنی یہ نہیں کہ عبادات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے خالص کرو کہ یہ اخلاص نہیں افساد ہے جس سے عبادت فنا ہو جاتی ہے اگر جسم میں روح کی ملاوٹ نہ رہے تو موت ہو جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ریا نام نمود سے دین اور عبادات کو خالص کرو۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

اے اولاد آدم کی لو اپنی آرائش پاس ہر مسجد کے اور کھاؤ اور پیو اور نہ فضول خرچی کرو

اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ

تحقیق نہیں محبت کرتا فضول خرچوں کو فرماؤ کون ہے وہ جس نے حرام کی آرائش اللہ کی جو نکالی

بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّ

اس نے واسطے بندوں کے اپنے اور حلال روزی فرماؤ کہ وہ واسطے ان لوگوں کے ہے جو ایمان لائے زندگی

اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور

نْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

دنیاوی میں خالص ہے قیامت کے دن اسی طرح تفصیل وار بیان کرتے ہیں آیتیں واسطے قوم کے جو جانتی ہے

قیامت میں خالص انہیں کی ہے ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قسط یعنی انصاف کا حکم دیا گیا تھا اور اپنے لباس کھانے پینے میں حکم الٰہی کی اتباع بھی ایک طرح کا انصاف ہے اس لئے اس آیت کریمہ میں لباس کھانے وغیرہ کے احکام ارشاد ہوئے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں نماز اور مسجد کی حاضری کے احکام تھے اب لباس و ستر کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ نماز کے لئے تن پوشی ضروری ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کو پکارنے اس سے دعا مانگنے اس کی عبادت کرنے کا حکم تھا **وادعوہ مخلصین لہ الدین** اب حلال لباس حلال غذا کا حکم ہے کہ ان کے بغیر دعائیں 'اعمال قبول نہیں ہوتے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ایک ٹولہ ہدایت پر ہے ایک ٹولہ گمراہی پر اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر ہدایت یافتہ ٹولے میں سے ہونا ہے تو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرتے رہو لباس اور حلال روزی صلاح و ہدایت کی طرف ایک قدم ہے۔

شان نزول : (1) کفار عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کرتے تھے دن میں مرد کرتے تھے رات میں عورتیں بعض شرمیلی عورتیں اپنی شرمگاہ پر ایسی جھالر سی ڈال لیتی تھیں جیسے گھوڑوں کی پیشانی پر مکھیوں سے حفاظت کے لئے ڈالی جاتی تھی اور عورتیں طواف میں یہ شعر گاتی جاتی تھیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ وما بدا منہ فلا احلہ

اس کا ترجمہ نہایت ہی واہیات ہے اس رسم کو تبدیل فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ **خذوا زینتکم** نازل ہوئی (تفسیر کبیر و روح المعانی' خازن' بیان وغیرہ) حد تھی کہ اگر کوئی مرد یا عورت کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے تو کفار اسے مارتے تھے اور اسے جبراً ننگا کر دیتے تھے قربان جاؤں اس رحمۃ للعالمین کے جس نے ان کو انسانیت سکھائی۔

انسانیت کا درس دیا تیری ذات نے! بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

(2) قبیلہ بنی عامر حج کے زمانہ میں کھانا بہت ہی تھوڑا اور بہت ہی سادہ کھاتے تھے حتیٰ کہ چربی اور روغنی کھانا نہ کھاتے تھے خشک روٹیاں چباتے تھے اسے وہ بہترین عبادت سمجھتے تھے ان کی اس بری رسم کو توڑنے کے لئے آیت کریمہ **کلوا واشربوا** نازل ہوئی۔

(3) کفار عرب جب مسلمانوں کو کپڑے پہن کر طواف کرتے اور زمانہ حج میں ہر قسم کا اعلیٰ یا معمولی کھانا کھاتے دیکھتے تھے تو ان پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ لوگ کعبہ معظمہ کا احترام نہیں کرتے یہ تن پرور شکم پرور ہیں 'اللہ والوں کو اعلیٰ غذا وغیرہ سے کیا کام۔ ان کی تردید میں آیت کریمہ **قل من حرم زینۃ اللہ** نازل ہوئی۔ جس میں بتایا گیا' ترک دنیا کا نام تقویٰ نہیں گناہ چھوڑنے نیکی کرنے کا نام تقویٰ ہے (روح البیان) وغیرہ۔

تفسیر : **یا بنی آدم** : چونکہ سیاسی' اخلاقی احکام سارے انسانوں پر جاری ہیں مومن ہوں یا کافر ہوں عبادات صرف مسلمانوں پر ہیں اس لئے اس قسم کے احکام میں سارے انسانوں کو خطاب ہوتا ہے نماز روزہ صرف مسلمانوں پر فرض ہے مگر چوری ڈکیتی سے بچنا' بدچلنی' بدمعاشی سے پرہیز ہر انسان پر لازم کہ سلطان اسلام کسی ذمی کافر کو چوری یا فحاشی ننگا پھرنے وغیرہ کی اجازت نہیں دے گا ایسی حرکتیں کرنے والوں کو سزا دے گا اس لئے یہاں نداءِ عام انسانوں کو کی گئی فرشتے لباس و غذا سے مستغنی

ہیں 'جنات ہمارے سامنے نہیں نہ ان پر یہ احکام جاری ہیں اس لئے صرف انسانوں سے خطاب ہوا ۔یا بنی آدم میں مرد و عورتیں سب داخل ہیں کہ قرآنی خطابات عموماً" مردوں سے ہوتے ہیں مگر عورتیں ان میں داخل ہوا کرتی ہیں 'خذوا زینتکم زینت کے لفظی معنی ہیں آراستگی مگر کبھی آرائش و آراستگی کے سامان کو بھی زینت کہہ دیتے ہیں وہی یہاں مراد ہے قرآن مجید میں زینت بہت معنی میں استعمال ہوا ہے' زیور جیسے **لا یبدین زینتهن الا لبعولتهن** (2) محل زینت یعنی وہ اعضاء جن پر زیور استعمال ہوتا ہے **لیعلم ما یخفین من زینتهن** (3) اعلیٰ درجہ کا لباس (4) ستر ڈھانپنے والا لباس۔ یہاں آخری دو معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں اگر نفیس لباس مراد ہے تو یہ حکم استحبابی ہے کہ عمدہ لباس میں نماز پڑھنا اعلیٰ لباس پہن کر مسجدوں میں آنا مستحب ہے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نماز تہجد کے لئے نہایت بیش قیمت قمیص پاجامہ 'عمامہ' چادر پہنتے تھے جس کی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی' ہر رات تہجد ایسے لباس میں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب ہم لوگوں سے اچھے لباس میں ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ لباس میں ملاقات کیوں نہ کریں (روح البیان) اور اگر ستر ڈھانپنے والا لباس مراد ہے تو **خذوا** امر وجوبی ہے کیونکہ نماز کے لئے ستر ڈھانپنا فرض ہے (عام تفاسیر) **عند کل مسجد** یہ عبارت **خذوا** کا ظرف ہے' مسجد سے مراد یا تو نماز ہے اس طرح کہ مسجد سے سجدہ مراد ہو اور سجدے سے نماز مقصود تو معنی یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے ستر ڈھانپنا فرض ہے رات کے اندھیرے والی نماز یا دن کی اجیالے والی نماز ہو کیونکہ ستر اندھیرے سے نہیں بلکہ لباس سے حاصل ہوتا ہے یا مسجد سے مراد عام مسجدیں ہیں تو معنی یہ ہیں کہ کعبہ معظمہ اور مسجد حرام تو بڑی اعلیٰ ہیں کسی مسجد میں بھی ننگے نہ جاؤ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کرو یا مسجد میں اچھے لباس سے آؤ خصوصاً" جمعہ اور عیدین کے دن۔ بہرحال یہ آیت بہت جامع ہے **وکلوا واشربوا** یہ دوسرا حکم ہے جس میں عرب کی اس رسم کو توڑا گیا ہے کہ حج کے زمانہ میں اچھے کھانے نہ کھاؤ پیٹ بھر کر نہ کھاؤ لہذا **کلوا** اور **اشربوا** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے یعنی ہر قسم کا حلال کھانا حلال پانی شربت وغیرہ کھاؤ پیؤ اور یہ حکم اباحت کا ہے یعنی تم حج و عمرہ اور عام حالات میں ہر حلال طیب چیز کھا پی سکتے ہو کوئی ممانعت نہیں **ولا تسرفوا** یہ عبارت معطوف ہے **کلوا واشربوا** پر **تسرفوا** بنا ہے **اسراف** سے' معنی حد سے بڑھنا حد سے بڑھنا دو طرح کا ہوتا ہے' جسمانی و روحانی اس لئے کفر و گناہ کو بھی اسراف کہا جاتا ہے **ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا** یہاں دونوں قسم کا اسراف مراد ہو سکتا ہے جسمانی بھی روحانی بھی اور اس کا تعلق لباس 'غذا' پانی سب سے ہی ہے لہذا" اسراف کی بہت تفسیریں ہیں حلال چیزوں کو حرام جاننا (2) حرام چیزوں کا استعمال کرنا' (3) ضرورت سے زیادہ کھانا پینا یا پہننا (4) جو دل چاہے وہ کھا پی لینا پہن لینا' (5) دن رات میں بار بار کھاتے پیتے رہنا جس سے معدہ خراب ہو جائے بیمار پڑ جائے۔ (6) مضر اور نقصان دہ چیزیں کھانا پینا (از روح البیان و کبیر و معانی و خازن وغیرہ) (7) ہر وقت کھانے پینے پہننے کے خیال میں رہنا کہ اب کیا کھاؤں آئندہ کیا پیوں (روح البیان)۔

خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام — دارد اندیشہ شراب و طعام
شکم از خوش دلی و خوش حالی — گاہ پرے کند گہے خالی
فارغ از خلد اعنی از دوزخ — جائے اور قندیل است یا مطبخ!

(8) غفلت کے لئے کھانا' (9) گناہ کرنے کے لئے کھانا' اچھے کھانے پینے اعلیٰ پہننے کا عادی بن جانا کہ کبھی معمولی چیز کھا پی نہ سکے اعلیٰ غذاؤں کو اپنے کمال کا نتیجہ جاننا' غرضیکہ اس ایک لفظ میں بہت سے احکام داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دم شکم سیر رہنے سے بچو کہ یہ بدن کو بیمار معدہ کو خراب نماز سے سست کرتا ہے کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ یہ

صدہا بیماریوں کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ سونے شخص کو ناپسند کرتا ہے۔ جو شخص شہوت کو اپنے دین پر غالب کرے وہ ہلاک ہو جائے گا (روح المعانی) **انہ لا یحب المسرفین** یہ عبارت گزشتہ احکام کی علت ہے انہ میں ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور **المسرفین** میں یہ مذکورہ سارے قسم کے اسراف والے داخل ہیں۔ پسند نہ فرمانے سے مراد ہے ناپسند کرنا یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر قسم کے اسراف کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے ایسے لوگ اللہ کی بارگاہ میں نامقبول ہیں اب تک تو اللہ کی نعمتیں حرام نہ ہونے کا ذکر تھا اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ چونکہ ہم ہر نعمت کے خالق و مالک ہیں ہم تو ان سے منع فرماتے ہیں پھر یہ چیزیں ممنوع کیسے ہو سکتی ہیں جب معالج اجازت دے تو چیز مباح ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق** یہ نئی عبارت ہے جس میں کفار کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ مسلمان لوگ ستر ڈھک کر طواف کرتے ہیں حج کے زمانہ میں اچھا کھاتے پیتے ہیں اور شکم سیر ہو کر کھاتے پیتے ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا قل میں خطاب یا تو ہر مسلمان سے ہے یا تو ہر صحابی سے یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اگر خطاب ہر مومن سے ہے تو روئے سخن قیامت ان لوگوں کی طرف ہے جو بلا دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اس فرمان میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو حرام کہے تو اس سے پوچھو کہ اسے کس نے حرام کیا۔ رب تعالیٰ یا رسول اللہ نے یا تو نے اگر رب نے حرام کیا ہے تو آیت دکھاؤ اگر رسول نے حرام کیا ہے تو حدیث دکھاؤ اگر تو حرام کرتا ہے تو مالک احکام نہیں اور اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے خطاب ہے تو روئے سخن ان کفار عرب کی طرف ہے جو مذکورہ چیزیں حرام سمجھتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ابلیس کی طرح شرف خطاب کے لائق نہیں سمجھتے اب ان سے یوں خطاب کرو۔ خیال رہے کہ منع اور حرام میں فرق ہے طبیب مریض کو بعض غذاؤں سے منع کر سکتا ہے حاکم رعایا کو بعض چیزوں سے قانوناً" منع کرتا ہے راہ میں داہنے ہاتھ نہ چلو ماں باپ بچے کو استاذ شاگرد کو بعض چیزوں سے منع کر سکتے ہیں ان سب ممانعتوں کا تعلق دنیا سے ہے مگر ان میں سے کوئی کسی چیز کو حرام نہیں کر سکتے حرام کرنے کا حق یا اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے رسول کو **یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث لہٰذا من حرم** کا سوال بالکل درست ہے **زینۃ اللہ** کی بہت تفسیریں ہیں (1) ستر پوشی کا لباس حضرت ابن عباس یہی فرماتے ہیں (2) اعلیٰ اور بیش قیمت لباس (3) ہر آزمائش کی چیز حتیٰ کہ عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور اور ریشمی لباس بھی اور مردوں کے لئے سوتی اونی لباس اعلیٰ بیش قیمت گھوڑے بھی طیبات رزق میں دو لفظ ہیں ایک رزق دوسرے طیبات' رزق کے لغوی معنی ہیں حصہ' اصطلاح میں ہر روزی کو رزق کہتے ہیں' جسمانی ہو یا روحانی لہٰذا خوراک لباس مکان وغیرہ جسمانی رزق ہیں اچھے عقیدے نیک اعمال اخلاص وغیرہ روحانی رزق مگر یہاں صرف غذائیں مراد ہیں جیسا کہ نزول سے معلوم ہوا۔ طیب وہ روزی ہے جو نہ بالذات حرام ہو جیسے کتا بلا وغیرہ نہ بالفرض حرام ہو جیسے سود رشوت سے حاصل کی ہوئی روزی اور ہو لذیذ مزیدار جو دل کو مرغوب ہو لہٰذا الطیبات رزق میں بڑی وسعت ہے ہر حلال مزیدار کھانا پینا اگرچہ کتنا ہی قیمتی ہو حتیٰ کہ مرغ اور بٹیریں وغیرہ (کبیر' روح المعانی) حضرت امام زین العابدین نے پچاس دینار کی اونی چادریں خریدیں اور استعمال فرمائیں اور یہی آیت تلاوت کی حضرت عبداللہ ابن عباس جب خوارج کو تبلیغ فرمانے گئے تو اعلیٰ لباس پہن کر اعلیٰ درجہ کا عطر مل کر' اعلیٰ گھوڑے پر سوار ہو کر گئے خوارج نے کہا کہ یہ اسراف ہے تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ **من حرم** میں سوال انکاری ہے یعنی یہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں اللہ تعالیٰ نے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہوں نے تو حرام کی نہیں پھر تم کیوں حرام سمجھتے ہو۔ **قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا** اس فرمان عالی میں یہ وہم دور کیا گیا ہے کہ ترک زینت اور ترک دنیا تقویٰ و پرہیزگاری ہے یہاں کی زینت کو کفار ہی اختیار کریں مسلمانوں کو اس سے پرہیز چاہئے یہاں بھی قل میں خطاب یا مسلمانوں سے ہے یا صحابہ کرام سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ھی کا مرجع زینۃ اللہ اور طیبات رزق سب ہی ہیں **للذین** میں لام خصوصیت کا ہے یعنی ہم نے دنیا میں یہ تمام نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں کفار ان کے طفیل استعمال کرتے ہیں جیسے برات کی تمام نعمتیں صرف دولہا کی خاطر ہوتی ہیں براتی لوگ اس کے طفیل استعمال کرتے ہیں پھر تم مسلمانوں پر کیوں اعتراض کرتے ہو کیونکہ یہ سب نعمتیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ بندے ان کے ذریعے عبادت اور اطاعت الٰہی پر قوت حاصل کریں کفار ان کے ذریعہ گناہوں اور کفر پر قوت حاصل کرتے ہیں' مومن اعلیٰ نعمتیں کھا کر رب اعلیٰ کی عبادت کرتا ہے کافر یہ سب کھا کر بت پرستی کرتا ہے لہذا ان کا مقصد مومن ہی پورا کرتا ہے پھر اسے حرام کیوں ہو۔ **خالصۃ یوم القیامۃ** یہ عبارت حال ہے گزشتہ مضمون سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو کفار ابھی یہ نعمتیں برت لیں مومنوں کی طفیل مگر آخرت کی ساری نعمتیں صرف مومنوں کے لئے ہوں گی کفار کو ان میں سے ایک شائبہ بھی نہ ملے گا یوم قیامت سے مراد قیامت اور بعد قیامت جنت میں قیام کا زمانہ سب ہی ہے مسلمانوں کو قیامت میں بھی اللہ کی بہت نعمتیں ملیں گی حتی کہ عالم دین کے والد کے سر پر ایسا تاج ہو گا' جس کے موتیوں کی چمک سے سورج ماند پڑ جائے **کذالک نفصل الایات لقوم یعلمون** یہ عبارت گزشتہ مضامین کا تتمہ ہے یعنی جیسے ہم نے کھانے پینے لباس کے احکام بہت تفصیل سے بیان فرما دیئے یوں ہم ساری آیتیں سارے احکام بالتفصیل بیان فرماتے ہیں مگر اس تفصیلی بیان سے صرف اہل علم ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علم سے مراد علم دین یا معرفت الٰہی ہے جیسے ساری غذائیں زینتیں صرف مومنوں کے لئے ہیں دوسرے ان کے تابع یونہی ساری شریعت و طریقت کے احکام صرف علماء کے لئے ہیں دوسرے لوگ ان کے تابع ہیں کہ ان کے ذریعہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے آدمیو! ہر نماز کے وقت ستر پوشی کا لباس ضرور پہن لیا کرو یا جس مسجد میں جاؤ تو ستر پوشی کا لباس پہن کر جاؤ یا اے آدمیو ہر نماز یا ہر مسجد میں اعلیٰ لباس پہنو اور تم ہر حلال غذا ہر حلال پانی شربت وغیرہ پیا کرو تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہاں لباس' غذا وغیرہ میں فضول خرچی نہ کیا کرو درمیانی چال اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں فضول خرچوں کو ناپسند کرتا ہے اے محبوب ان کفار عرب سے پوچھ لو کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی زینت و آرائش جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائیں اور حلال روزیاں کس نے حرام کی ہیں اس کی حرمت کی کوئی آسمانی کتاب کی آیت یا کسی نبی کا فرمان پیش کرو محض عقلی قیاس آرائیوں سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی یہ خیال غلط ہے کہ مومنوں کو اچھی غذائیں اچھی پوشاک نہیں استعمال کرنی چاہئے یہ چیزیں کافروں کے لئے ہیں' یہ محض تمہارے وہم ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں دنیا میں مومنوں ہی کے لئے تو پیدا فرمائی ہیں کافر تو ان کے طفیل کھا پی لیتے یا پہن لیتے ہیں یہ روزیاں ان کے لئے حلال ہیں جو استعمال کر کے ہماری اطاعت کریں ان کے لئے نہیں جو کھا کر ہماری نافرمانی کریں دنیا میں تو کفار پھر کچھ کھا پی لیتے ہیں مومنوں کے طفیل قیامت میں اور اس کے بعد تو ساری نعمتیں صرف مسلمانوں ہی کے لئے ہوں گی کسی کافر کو نعمت کا ایک قطرہ نہ ملے گا' جیسے ہم نے غذا لباس کے احکام تفصیل وار بیان فرمائے یونہی ہم سارے احکام ساری آیتیں تفصیل وار بیان فرماتے ہیں مگر کس کے لئے علم والوں کے لئے کہ اولاً ان سے

وہ فائدہ اٹھاتے ہیں پھران کی معرفت دوسرے عام لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

حکایت : ایک عیسائی ڈاکٹر نے علی ابن حسین ابن واقد سے کہا کہ تمہارے دین میں علم طب بالکل نہیں لہٰذا یہ دین ناقص ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سارا علم طب آدھی آیت میں بیان فرمادیا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی **کلوا و اشربوا ولا تسرفوا** عیسائی بولا کہ تمہارے نبی نے بھی علم طب کا ذکر کیا ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ چند لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری طب جمع کردی ہے فرمایا ہے کہ معدہ ساری بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سارے علاجوں کا سر بدن کے ہر حصہ کو اس کا حق دو نصرانی بولا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے رسول نے جالینوس کے لئے طب کا کوئی مسئلہ چھوڑا ہی نہیں سب کچھ بیان کردیا (مدارک' روح البیان' ومعانی وکبیر وغیرہ)

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نماز میں ستر ڈھانپنا فرض ہے اگر بقدر ادائے رکن کسی عضو کا چوتھا حصہ کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی۔ یہ فائدہ **زینتکم ا د ر کل مسجد** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ زینت سے مراد ہو تن پوشی والا لباس اور مسجد سے مراد ہو نماز۔

مسئلہ : مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے عورت کا ستر سر سے پاؤں تک سوا چہرے کے' کلائیوں تک ہاتھوں اور ٹخنوں نیچے پاؤں کے دیکھو کتب فقہ۔ دوسرا فائدہ: اچھے لباس میں نماز پڑھنا بہتر ہے یہ فائدہ **خذوا زینتکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ زینت سے مراد ہو آرائشی لباس' اور مسجد سے مراد ہو نماز۔ مگر خیال رہے کہ جو لباس مرد کے لئے پہننا حرام یا مکروہ ہیں وہ ہرگز نہ پہنے چنانچہ مرد ریشم نہ پہنے یونہی مرد زنانہ لباس اور عورت مردانہ لباس نہ پہنے یونہی مسلمان کفار کے لباس سے بچیں جیسے دھوتی' ہیٹ وغیرہ۔ تیسرا فائدہ: مسجد میں جہاں تک ہو سکے اچھے لباس میں جاؤ وہاں ننگے بدن یونہی ردی لباس پہن کر نہ جاؤ اگر اللہ نے دیا ہے تو اچھے لباس میں جاؤ یہ فائدہ **عند کل مسجد** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ مسجد سے مراد ہوں یہ عام مسجدیں۔

مسئلہ : جمعہ کے دن غسل کرنا کپڑے بدل کر خوشبو مل کر مسجد میں جانا سنت ہے یونہی عیدین میں۔ چوتھا فائدہ: تقویٰ اس کا نام نہیں کہ انسان اچھا کھانا پینا اچھا لباس چھوڑ دے بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دے یہ فائدہ **وکلوا واشربوا** سے حاصل ہوا' حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ پیو دو چیزوں سے بچے رہو فضول خرچی اور تکبر و غرور (مدارک)۔ پانچواں فائدہ: بھوک سے زیادہ کھانا' نقصان دہ غذائیں کھانا' بلا ضرورت مال خرچ کرنا' ناجائز چیزیں کھانا' پینا' پہننا' حلال چیزوں کو حرام سمجھ لینا' فخر و تکبر کے لئے لباس فاخرہ پہننا ہمیشہ اچھے کھانے اچھے لباس کا عادی ہو جانا کہ معمولی غذا اور لباس استعمال ہی نہ کرسکے ہر وقت کھانے پینے پہننے کی فکر میں لگے رہنا ممنوع ہے۔ یہ تمام مسائل **ولا تسرفوا** سے حاصل ہوئے دیکھو تفسیر اللہ دے تو اچھا کھاؤ پہنو مگر کبھی معمولی غذا' موٹا لباس بھی پہن لیا کرو اس میں عادت کرو تاکہ غریبی آنے پر تم کو تکلیف نہ ہو۔ چھٹا فائدہ: ہر چیز میں اصل اباحت ہے حرام ہونا کسی ممانعت کی دلیل سے ہوگا یعنی جس چیز سے شریعت میں منع نہ فرمایا خاموشی فرمائی وہ مباح ہے ہاں جس چیز کو منع فرمایا وہ حرام یا مکروہ ہے۔ یہ فائدہ **قل من حرم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حرام نہ کرنے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا کہیں یہ نہ فرمایا کہ **من ا حل** فلاں چیز کس نے حلال کی' حلال

ہونے کی دلیل حرام نہ ہونا ہے ہم آم' مالٹا' آئس کریم' وغیرہ کھاتے ہیں کہاں لکھا ہے کہ یہ چیزیں حلال ہیں مگر چونکہ شریعت نے انہیں حرام نہ کہا معلوم ہوا حلال ہیں' معلوم ہوا کہ فاتحہ' ختم میلاد شریف وغیرہ کو حرام یا مکروہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ شریعت نے ان کی ممانعت نہ فرمائی' دیکھو تفسیر خازن وہ فرماتے ہیں **وفی الاٰیۃ دلیل علی ان الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ما حظرہ الشرع و ثبت تحریمہ بدلیل بتفصیل۔**

مسئلہ: جن بزرگوں نے فرمایا کہ چیزوں کی اصل حالت حرمت یا خاموشی ہے ان کا اختلاف شریعت کے احکام آنے سے پہلے کے متعلق ہے یعنی جب دنیا میں اسلام نہیں آیا تھا تب تمام چیزیں بعض کے نزدیک مباح تھیں بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک ان میں خاموشی تھی۔ چنانچہ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا و تفسیر **الوقف عندھم ان من فعل شیئا قبل ورود الشرع لم یستحق بفعلہ من اللہ ثوابا ولا عقابا** اس کی تفصیل رسالہ راہ جنت میں مطالعہ کرو۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ غذائیں اعلیٰ لباس مسلمانوں کے لئے پیدا فرمائے کہ وہ یہ چیزیں برتیں اور اعلیٰ درجہ کی عبادات کریں' کفار یہاں مسلمانوں کی طفیل نعمتیں کھا پی رہے ہیں' بعض جاہل کہتے ہیں کہ فقیری یہ ہے کہ انسان اچھی اور مزیدار چیزیں کھانا پینا چھوڑ دے وہ جھوٹے ہیں رب فرماتا ہے **کلوا من الطیبات واعملوا صالحا** مزیدار چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** دنیا میں تو کفار مومنوں کے طفیل اچھی چیزیں کھا پی لیتے پہن لیتے ہیں مگر قیامت میں کسی کافر کو کوئی نعمت نہیں ملے گی ساری نعمتیں صرف مومنوں کے لئے ہوں گی۔ کسی کافر کو کسی نعمت سے ایک حبہ بھی نہیں ملے گا یہ فائدہ **خالصۃ یوم القیمۃ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کوئی شخص صرف قرآن پر بغیر حدیث کی مدد کے عمل نہیں کر سکتا قدم قدم پر حدیث کی ضرورت ہے دیکھو ان آیات میں **زینۃ اللہ** اور **طیبات من الرزق** اس مبہم طریقہ سے ارشاد ہوا کہ پتہ لگتا ہی نہیں کہ **زینۃ اللہ** کیا چیز ہے اور طیبات کونسی نعمتیں ہیں ان کی تفصیل حدیث نے فرمائی کہ مردوں کے لئے سونا چاندی کے زیور زینت اللہ نہیں بلکہ **زینۃ الشیطٰن** ہے اور عورتوں کے لئے یہی چیزیں **زینۃ اللہ** ہیں گائے' بکری' مرغی وغیرہ طیبات روزی ہیں کتا' بلا وغیرہ خبیث روزی غرضیکہ الفاظ قرآن مجید سے ملتے ہیں ان کی شرح ملتی ہے حدیث پاک سے۔ **دسواں فائدہ:** قرآنی آیات اور نبوی احادیث علماء کے لئے ہیں اور علماء دین کے ارشادات عوام کے لئے ہیں اگر عوام مسلمین خود قرآن و حدیث میں غوطہ لگائیں گے ایمان کھو بیٹھیں گے یہ فائدہ **لفو مھلمون** سے حاصل ہوا سلطنت کے قوانین صرف احکام کے لئے ہیں اور احکام کے فیصلے عوام کے لئے یونہی طب جسمانی کی کتابیں صرف طبیبوں کے لئے ہیں طبیبوں کی تشخیص و تجویز بیماروں کے لئے اگر عوام قانون ہاتھ میں لے لیں تو مجرم ہیں بیمار خود اپنا علاج یونانی کتابوں سے کرنے لگیں تو مریں گے یونہی اگر عوام قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے لگیں تو بے دین ہو جائیں گے لہذا تقلید مجتہدین ہم عوام کے لئے بہت ضروری ہے اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

پہلا اعتراض: **خذوا زینتکم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ نماز یا مسجد میں حاضری کے وقت ستر چھپانا ضروری ہے تو کیا ان دونوں وقتوں کے سوا ہم ننگے رہا کریں یہاں **عند کل مسجد** کیوں فرمایا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ آیت کریمہ ننگے طواف کرنے والوں کے متعلق اتری ہے وہ لوگ مسجد حرام میں ننگے آتے تھے ویسے عام حالات میں لباس پہنتے تھے

اس لئے کل مسجد کی قید لگائی گئی یہ قید ان لوگوں کے عمل کے لحاظ سے ہے جیسے رب فرماتا ہے کہ دو گنا تگنا سود نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو یا یوں کہو کہ عام حالات میں تن پوشی فرض ہے مگر نماز و مساجد میں ستر پوشی بہت اہم فرض کہ اس پر نماز کی درستی موقوف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تو یہاں خطاب بنی آدم کو کیوں کیا گیا' صرف مومنوں کو خطاب چاہئے تھا ستر پوشی حکم شرعی ہے۔ جس کے مکلف صرف مسلمان ہی ہیں؟ **جواب:** تمہارا یہ قاعدہ غلط ہے شرعی احکام بہت قسم کے ہیں 'عقائد' عبادات معاملات' معاشرتی احکام سزائیں وغیرہ ان میں سے کفار صرف عبادات کے مکلف نہیں یعنی ان پر روزہ نماز فرض نہیں باقی ساری چیزوں کے مکلف ہیں ستر پوشی اخلاقی حکم ہے اس کے وہ بھی مکلف ہیں ہم اپنی حکومت میں کسی کافر عیار کو ننگے رہنے' چوری کرنے کی اجازت نہیں دیں گے' لہذا یہاں بنی آدم سے خطاب کرنا بہت ہی مناسب ہے۔ **تیسرا اعتراض:** ستر پوشی تو فرشتوں جنات وغیرہ سب پر فرض ہے پھر یہاں صرف انسانوں سے خطاب کیوں ہے۔ **جواب:** فرشتوں کو ستر دیا ہی نہیں نہ وہ مرد ہیں نہ عورتیں پھر ستر پوشی ان پر فرض کیونکر ہو جب وہ حضرات شکل انسانی میں آتے تھے تو کپڑے ان پر آتے تھے' جنات اکثر جانوروں' دھوئیں' غبار کی شکل میں ہوتے ہیں تب ان پر ستر پوشی فرض نہیں ہوتی اگر وہ کتے یا سانپ کی شکل میں آئیں تو کپڑے نہیں پہنتے اور جب وہ اپنی خاص شکل میں ہوں تب ان کے ستر پوشی کے لئے یہ کپڑا ہمارے کارخانوں کا بنا ہوا ضروری نہیں ہوتا ان کی غذائیں بھی اور ہیں ان کے لباس بھی اور یہاں زینت سے مراد ہیں یہ لباس لہذا انسانوں سے خطاب نہایت موزوں ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام نے زمین میں کپاس کی کاشت کی اور کپڑا تیار کیا گویا آپ اس کپڑے کے موجد ہیں جنات آپ سے پہلے زمین میں آباد تھے وہ یہ کپڑا کیسے پہن سکتے تھے کہ یہ کپڑا ابھی ایجاد ہی نہیں ہوا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **عند کل مسجد** کیوں ارشاد ہوا مسجد حرام کیوں نہ فرمایا کفار عرب صرف مسجد حرام میں ہی ننگے آتے تھے اس کا ذکر چاہئے تھا۔ **جواب:** چونکہ احترام اور احکام میں ساری مسجدیں مسجد حرام کے برابر ہیں اس لئے **عند کل مسجد** فرمایا گیا کہ مسجد خواہ مسجد حرام ہو یا دوسری مسجد سب کا ہی ادب و احترام کرو۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں اسراف سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور تبذیر سے بھی مگر ان دونوں کی ممانعت میں بڑا فرق ہے تبذیر کے لئے فرمایا گیا **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین** اور اسراف کے لئے فرمایا گیا **لا یحب المسرفین** یعنی تبذیر پر بہت سختی فرمائی ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے اور ان کے احکام میں مذکورہ فرق کیوں ہے۔ **جواب:** اسراف عام ہے تبذیر خاص۔ اسراف کے معنی ہیں فضول خرچی مگر تبذیر کے معنی ہیں بے جا خرچی۔ حلال چیزیں ضرورت سے زیادہ کھالینا اسراف ہے تبذیر نہیں مگر حرام چیزیں کھانا پینا تبذیر ہے پاؤ بھر غذا کی ضرورت تھی کھالیا آدھ سیر بکری کا گوشت یہ ہوا اسراف سو روپیہ شراب پی ناچ رنگ میں میسر خرچ کیا یہ ہے تبذیر۔ اس وجہ سے اسراف کے لئے ہلکے الفاظ ارشاد ہوئے تبذیر کے لئے سخت الفاظ کہ مبذر یعنی بیجا خرچ کرنے والا بڑے سخت قانون کا توڑنے والا ہے فضول خرچی بھی ہلکا قانون توڑتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی نعمتیں صرف مومنوں کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں کفار ان کے طفیل کھاتے ہیں مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ نعمتیں ملتی ہیں عجیب بات ہے کہ طفیلی کو زیادہ اور اصل مقصود کو تھوڑی عطا۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں کچھ عالمانہ کچھ عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ کفار کو مال دولت غذائیں زیادہ ملتی ہیں طیب رزق زیادہ نہیں ملتا۔ یہاں طیب روزی کا ذکر ہے "کافر کا مال روزی اگرچہ اللہ کی نعمتیں ہے مگر وہ استعمال کرتا ہے خبیث بنا کر۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ

طیب روزی پیدا تو کی گئی ہے مسلمانوں ہی کے لئے مگر کسی کے استعمال کرنے کے لئے اور کسی کے پرہیز کرنے کے لئے۔ اگر رب تعالیٰ کسی مسلمان کو غریب کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے امیری مضر ہے غریبی مفید ہمارے گھر کی ساری نعمتیں ہمارے پیاروں کے لئے ہیں مگر بیمار کو صرف ساگودانہ دیتے ہیں یا مونگ کی دال چپاتی ان سے پرہیز کرنا بھی تو ثواب ہے پدر را عسل بسیار است مگر پسر گرمی دار است۔ باپ کے پاس شہد بہت ہے مگر بچہ کو گرمی کی بیماری ہے تیسرے یہ کہ طیب روزی مسلمانوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں، دنیا میں کفار ان کی طفیل کھا لیتے ہیں جیسے پانی و کھاد کھیت کی پیداوار کے لئے ہیں مگر خود رو گھاس وغیرہ بھی اس سے نفع اٹھا لیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ مومن کے لئے طیب روزیاں اللہ کی رحمت ہیں کافر کے لئے عذاب جیسے بادشاہ کے مہمان کو لذیذ غذائیں ملتی ہیں کرم کے لئے مگر پھانسی کے ملزم کو لذیذ غذائیں دی جاتی ہیں عذاب کے طور پر۔ **ساتواں اعتراض:** اگر مسلمان کفار سے پوچھ سکتے ہیں کہ تم ننگے بدن طواف کیوں کرتے ہو تو کفار بھی مسلمانوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ تم ننگے سر اور ننگے کندھے بغیر سلے کپڑے میں طواف کیوں کرتے ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے یہ کام بے حیائی نہیں ان کا ننگے بدن طواف بے حیائی ہے دوسرے یہ کہ ہم کہہ سکتے ہیں ہم یہ سب کچھ اللہ رسول کے حکم سے کرتے ہیں تم اپنی قوم برادری کے حکم سے حرام کرنے کا حق اللہ رسول کو ہے ابا جی یا دادا جی کو نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : بدن کی زینت شریعت اور اس کے آثار سے ہے نفس کی زینت آداب اور اقدار سے ہے دلوں کی زینت مشاہدہ و انوار سے ہے روح کی زینت معرفت اور اسرار سے ہے سر کی زینت طوالع اور اس کے اثمار (پھلوں) سے ہے ظاہر کی زینت توفیق سے ہے باطن کی زینت تحقیق سے ظاہر کی زینت سجود سے ہے باطن کی زینت شہود سے ظاہر کی زینت آثار جود سے ہے باطن کی زینت انوار وجود سے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تمہودی نماز کے وقت بدن روح دل سب کی یہ مذکورہ زینت استعمال کرو تاکہ تمہاری نمازیں بارگاہ واجب الوجود کی درگاہ کے لائق ہوں جسمانی لباس و زیور دنیا کے کارخانوں میں بنتے ہیں، روحانی لباس و زیور مدینہ منورہ کے کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جسمانی لباس و زیور دنیا کے بازاروں بزازوں کی دوکانوں سے ملتے ہیں روحانی دلی زیور اولیاء اللہ کے آستانوں سے خریدے جاتے ہیں جسمانی لباس ظاہری نقدی یعنی روپیہ سے ملتے ہیں مگر روحانی لباس و زیور عقیدت و محبت و عشق کی نقدی سے۔ جسمانی لباس میں سر کا لباس اور ہے ٹوپی و عمامہ پیٹ کا لباس کچھ اور یعنی قمیص اچکن واسکٹ ٹانگوں کا لباس کچھ اور۔ یعنی پاجامہ اور شلوار اور پیر کا لباس جوتا۔ یونہی دل دماغ روح کے لباس و زیور مختلف ہیں جیسے عام لباس مختلف اعضاء کے مختلف ہوتے ہیں سر کے لئے ٹوپی پیٹ کے لئے قمیص وغیرہ مگر بحالت احرام ایک چادر سر سے پاؤں تک سارے جسم کا لباس ہے یونہی شریعت کے لباس مختلف ہیں مگر عشق رسول کی ایک چادر جسم دل روح سب کے لئے کافی ہے۔ **ولباس التقوی ذالک خیر** اللہ نصیب کرے صوفیاء کے نزدیک طیب رزق وہ ہے جو نفس یا دنیا کے لئے استعمال نہ ہو صرف رب کے لئے استعمال ہو ایسی روزی دنیا میں صرف مسلمانوں کو ہی میسر ہوتی ہے کافر نفس کے لئے کھاتا ہے لہذا اس کی روزی طیب نہیں اللہ کے مقبولوں کو دنیا میں طیب روزی تو ملتی ہے مگر وہ صفات نفسانیہ کی آفتوں سے اور صفات نفسانیہ کی کدورتوں سے خالص ہو کر انہیں قیامت ہی میں ملے گی فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** مومن کو چاہئے کہ دنیا میں اللہ کی نعمتیں یعنی ذکر شغل وغیرہ خود کھالے اہل کو کھلائے نااہلوں کے حوالہ نہ کرے کہ یہ اسراف ہے اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا نعمت کمانا بھی کمال ہے مگر نعمت کا سنبھالنا بڑا کمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک طیب روزی میں تین شرطیں ہیں' حلال ذریعہ سے آئے' حلال جگہ خرچ ہو۔ حلال جگہ خرچ ہو' اچھی نیت سے استعمال ہو یہ تو جسمانی روزیوں کا حال ہے روحانی روزیاں اس کے علاوہ ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ

فرمادو کہ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی

فرمادیجئے اس کے سوا نہیں کہ حرام کیا رب نے فحش باتیں وہ جو ظاہر ہیں ان میں سے اور وہ جو خفی ہیں اور

بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی

گناہ اور زیادتی کرنا ناحق اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ تم اللہ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اس پر اس کے کوئی دلیل

اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ

اور یہ کہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے تم اور واسطے ہر امت کے ایک مدت ہے تو جب آتی ہے مدت

رکھتے اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے

سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

ان کی تو نہیں پیچھے ہٹتے ایک گھڑی اور نہیں آگے بڑھتے

ہو نہ آگے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان چیزوں کا ذکر تھا جو رب تعالیٰ نے حرام نہیں فرمائیں مگر کفار مکہ انہیں حرام سمجھتے تھے' اب ان چیزوں کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے حرام کی ہیں مگر کفار مکہ انہیں اچھا سمجھتے ہیں گویا ان آیتوں میں تصویر کے دوسرے رخ کا ذکر ہے کہ لباس پہن کر طواف اللہ نے حرام نہیں کیا بلکہ وہ حرکتیں حرام فرمائیں جو تم کرتے ہو بے حیائی شرک وغیرہ۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طواف اور نماز میں ستر پوشی کا حکم دیا گیا اب برہنگی کی حرمت کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ کام فحش بھی ہے گناہ بھی بے حیائی بھی گویا جرموں کے بعد وجہ جرموں کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** اب تک شرعی حرام و حلال چیزوں کا ذکر ہوا اب اس حرام و حلال کی مدت کا تذکرہ ہے کہ یہ احکام تم پر موت تک جاری ہیں موت آنے پر ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی۔ تاکہ تم اس مہلت میں پھر کوئی نیکی کر سکو اس موقعہ کو غنیمت جانو گویا اعمال کے ذکر کے بعد وقت اعمال کا ذکر ہے ولکل امۃ اجل **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ دنیا میں مومنوں کے لئے پیدا کی گئیں ان کے طفیل کفار بھی برت لیتے ہیں آخرت میں صرف مومنوں کو ملیں گی کفار کو ان کے طفیل بھی نہیں ملیں گی اب ارشاد ہے کہ نعمتیں وہ ہیں جنہیں رب نے حلال فرمایا حرام کام حرام چیزیں

نعمتیں نہیں بلکہ یہ تو رب کی طرف سے آزمائشیں ہیں گویا نعمتوں کا ذکر پہلے ہوا اور نعمتوں کا تعین اب ہو رہا ہے کہ نعمتیں ہیں کیا اور ان کی پہچان کیا۔

تفسیر : **قل انما حرم ربی** یہ نیا جملہ ہے قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ یہ احکام مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے پہلے لوگوں پر شرعی احکام جاری نہ تھے صرف شرک سے بچنا نجات کے لئے کافی تھا جیسے زمانہ فترت کے لوگ نیز شرعی احکام پر عمل جب ہی باعث ثواب ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ماتحت ہو ان وجوہ سے انہیں قل سے شروع فرمایا گیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرام و حلال مقرر نہ فرماتے تو کسی کو ان کی پہچان کیسے ہوتی **انما** کا لفظ حصر کے لئے آتا ہے یہاں حصر یا تو اضافی ہے مذکورہ ستر پوشی وغیرہ کے مقابلہ میں یا حصر حقیقی ہے کیونکہ سارے گناہ اور سارے محرمات اس آیت میں داخل ہیں کس پر حرام فرمائیں اس میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ مجھ پر حرام فرمائیں یعنی ازل سے رب نے مجھے شرعی احکام سکھا دیئے اسی لئے میں اول پیدائش سے تمام حرام چیزوں سے بچا رہا' دوسرے یہ کہ سب مسلمانوں پر حرام فرمائیں کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر احکام شرعیہ سے الگ نہیں ہو سکتا' جیسے سورج کی روشنی ہوا غذا کی حاجت ہر شخص کو ہے ایسے ہی شرعی احکام کی پابندی سب پر لازم ہے' تیسرے یہ کہ سارے انسانوں پر حرام فرمائیں لہذا آخرت کی سزا و جزا کے لحاظ سے ہر مومن و کافر پر یہ چیزیں حرام ہیں۔ ربی فرما کر یہ بتایا کہ جیسے ماں باپ بچے کے ظاہر مربی ہیں تو وہ بچہ کو مضر چیزوں سے بچاتے مفید چیزیں استعمال کراتے ہیں بچہ سمجھے یا نہ سمجھے یونہی رب تعالیٰ حقیقی رب ہے وہ اپنے بندوں کو بری چیزوں سے بچاتا ہے انہیں حرام فرما دیتا ہے اچھی چیزیں حلال کرتا ہے یہ بھی اس کی ربوبیت کا ظہور ہے چونکہ یہ حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہوئی اس لئے یہاں ربی ارشاد ہوا ربکم نہیں فرمایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ربوبیت الہیہ کا مظہر اتم ہیں اللہ تعالیٰ بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سارے عالم کا رب جیسے رب تعالیٰ ماں باپ کے وسیلہ سے ہمارا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے والے بندے ہیں' جیسے سورج و بادل ہم سب لینے والے بندے ہیں' جیسے زمین **الفواحش ما ظهر منها وما بطن** یہ عبارت حرم کا مفعول بہ ہے **الفواحش** مبین ہے اور **ما ظهر** اس کا بیان ہے جس نے **فواحش** کی دو قسمیں فرما دیں ظاہری اور چھپی ہوئی **فواحش** جمع ہے **فاحشہ** کی جس کا مادہ ہے **فحش** بمعنی حد سے بڑھ جانا اسی سے ہے مباشرۃ فاحشہ اور غبن فاحش یعنی بہت زیادہ نقصان فاحشہ کیا چیز ہے اور **ما ظهر** سے کیا مراد ہے اور **ما بطن** سے کیا مراد اس میں چند قول ہیں۔ (1) فاحشہ وہ گناہ ہے جسے عقل بھی برا سمجھے اور اس کی برائی حد سے زیادہ ہو جیسے زنا اور دوسری بدکاریاں ان کا علانیہ کرنا **ما ظهر** ہے جیسے بدکار عورتوں کا بر سر بازار بیٹھ کر لوگوں کو دعوت زنا دینا' خفیہ کرنا **ما بطن** ہے جیسے اجنبی عورتوں سے خفیہ ناجائز تعلقات (2) فاحشہ ہر کبیرہ گناہ ہے جو علانیہ کیا جائے وہ **ما ظهر** ہے اور جو خفیہ کیا جائے وہ **ما بطن** ہے (3) فاحشہ وہ گناہ ہے جس میں شرعی سزا (حد) لازم ہو یہ دو قسم کا ہے علانیہ اور خفیہ۔ (4) فاحشہ صرف زنا کو کہتے ہیں زنا کی دو صورتیں ہیں' علانیہ اور خفیہ یارانہ کے طور پر۔ رب تعالیٰ نے زنا کے متعلق فرمایا **لا تقربوا الزنا انه كان فاحشة** آیت اس کی تفسیر ہے (خازن' کبیر وغیرہ) چونکہ علانیہ گناہ بدتر ہے خفیہ گناہ سے کیونکہ علانیہ گناہ میں رب کا مجرم بھی اور اللہ کے بندوں کو اس کا گواہ بنانا بھی' خفیہ گناہ میں رب تعالیٰ کا مجرم تو ہے مگر اس میں اللہ کے بندوں کو گواہ بنانا نہیں اس لئے یہاں **ما ظهر**

کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور ما بطن کا ذکر بعد میں یونہی علانیہ نیکی بہتر ہے اور نیکی سے بشرطیکہ علانیہ میں ریا نہ ہو کیونکہ علانیہ نیکی میں رب تعالیٰ کی رضا بھی ہے اور اس کے بندوں کو اس پر گواہ بنانا بھی ہے اس لئے نماز جمعہ عیدین میں جماعت شرط ہے باقی پنجگانہ میں جماعت واجب حج کا اعلان ضروری ہے۔ **والا ثم** یہ لفظ معطوف ہے **فواحش** پر اور حرم کا مفعول بہ جیسے **فواحش** کی تفسیر میں چند قول ہیں ایسے ہی اثم کی تفسیر میں بھی چند قول ہیں‘ (1) اثم وہ گناہ ہے جو شرعاً تو گناہ ہو مگر عقل اسے برا نہ سمجھے جیسے جوا‘ سود وغیرہ (2) اثم ہر صغیرہ گناہ ہے (3) اثم وہ گناہ ہے جس پر شرعی سزا (حد) واجب نہ ہو (4) اثم ہر گناہ ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ اس لئے شراب کو اثم یعنی گناہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

شربت الاثم حتی ضل عقلی! کذالک الاثم یذھب بالعقول!

نھانا رسول اللہ ان نقرب الزنا وان نشرب الاثم الذی یوجب الوزرا

ان دونوں شعروں میں **اثم** شراب کو کہا گیا (روح المعانی‘ خازن) نیز رب تعالیٰ نے شراب کو اثم فرمایا **قل فیھما اثم کبیر** (خازن)‘ بہرحال فاحشہ اور اثم کی بہت تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ ہر صغیرہ گناہ ہمیشگی سے کبیرہ بن جاتا ہے کبھی ایک گناہ صغیرہ بڑے گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان وجوہ سے **اثم** یعنی گناہ صغیرہ کے لئے بھی **حرم** ارشاد ہوا۔ **والبغی بغیر الحق** یہ عبارت معطوف ہے **والا ثم** پر اور **حرم** کا مفعول **بغی** کے لفظی معنی ہیں زیادتی و ظلم یعنی کسی انسان کا حق مارنا **بغیر الحق بغی** کا بیان ہے کیونکہ ظلم ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے (روح المعانی) **فواحش** اور اثم میں حقوق اللہ مارنے کی طرف اشارہ تھا اور بغی میں حق عبد مارنے کی طرف اشارہ ہے‘ خیال رہے کہ **بغی بغیر الحق** کی تین صورتیں ہیں کسی مسلمان کا جانی‘ مالی‘ آبرو کا حق مارنا کہ اس کی جان یا مال ناحق لیا جائے یا اس کی آبرو ریزی کی جائے دوسرے یہ کہ کسی انسان حتی کہ کفار ذمی کافر حربی کا مال ناحق مارا جائے‘ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امانتیں حضرت علی کے ذریعہ ادا کرائیں جو ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھیرے کھڑے تھے۔ غنیمت اور چیز ہے امانت یا قرض کچھ اور چیز۔ تیسرے یہ کہ کسی انسان یا جانور کو ستایا جائے جس جانور کو پالو اسے پہلے کھلاؤ پلاؤ بعد میں خود کھاؤ پیو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی بھوکی مار دی تھی **وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا**: یہ عبارت معطوف ہے یعنی اور حرم کا مفعول بہ پچھلے الفاظ میں عملی گناہوں کا ذکر تھا اس فرمان عالی میں اعتقادی گناہوں کا ذکر ہے **تشرکوا** بنا ہے شرک سے بمعنی حصہ اور شرکت اشراک کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا حصہ دار شریک سمجھنا ما سے مراد ہر غیر اللہ ہے انسان ہو یا فرشتہ چاند تارے ہوں یا زمینی چیزیں‘ سلطان کے معنی ہیں غلبہ۔ اس سے مراد ہے دلیل کیونکہ دلیل بھی مدعی کے غلبہ کا ذریعہ ہوتی ہے اس سے مراد ہے عقلی و نقلی دونوں قسم کی دلیلیں یعنی رب تعالیٰ نے یہ بھی حرام فرمایا کہ تم کسی کو اللہ کا شریک مانو جس کی شرکت پر نہ عقلی دلیل قائم ہے نہ قولی نبی نہ کتاب آسمانی کا فرمان۔ عقل کہتی ہے کہ جو تیرے سوا ہے وہ ترابندہ ہے ہر چیز میں تغیر و تبدیلی ہے جو اس کی بندگی کی دلیل ہے نیز سارے نبیوں ساری آسمانی کتابوں نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ **واحد لا شریک لہ** ہے۔ **وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون**: یہ عبارت معطوف ہے **ان تشرکوا** پر اور حرم کا مفعول ہے یعنی جس جس کے متعلق تم کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اسے تم اللہ کا حکم نہ کہو کہ یہ رب تعالیٰ پر بہتان ہے یا جس کے متعلق تم کو یہ علم نہیں کہ یہ اللہ نے نہ فرمایا اسے رب کی طرف نسبت نہ کرو کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے **ولکل امۃ اجل** مذکورہ احکام بیان

فرمانے کے بعد لوگوں کو ان کی موت یا رب کا عذاب یاد دلایا گیا تاکہ لوگ اس کے خوف سے ان احکام پر عمل کریں یا یہ مقصد ہے کہ مذکورہ احکام تم پر ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ فقط تمہاری زندگی تک ہی تم مرگئے سارے احکام شرعیہ تم سے الگ ہو گئے۔ لہذا زندگی کو غنیمت جانو اور ان احکام پر عمل کرو۔ بعض لوگ لالچ سے اطاعت کرتے ہیں، بعض خوف سے اور بعض عشق محبت سے بعض دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد سے اس لئے قرآن کریم احکام کے بعد ان میں سے کوئی چیز بیان فرماتا ہے کیونکہ قرآن کریم سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے یہاں آخری چیز کا ذکر ہے کہ دنیا بے ثبات ہے۔ امت سے مراد یا تو گزشتہ عذاب والی امتیں ہیں اور اجل سے مراد ان کا وقت عذاب ہے یا امت سے مراد ساری جماعتیں ہیں اور اجل سے مراد ان کی موت ہے یعنی گزشتہ ساری عذاب والی امتوں کے عذاب کے لئے ایک وقت مقرر تھا جب وہ وقت آگیا ان پر عذاب نازل ہو گیا یا ہر جماعت کے لئے موت کا ایک وقت ہے **فاذا جاء اجلہم** اس عبارت کی بھی دو تفسیریں ہیں جب گزشتہ امتوں کا وقت عذاب آگیا یا جب کسی جماعت کا وقت موت آجاتا ہے **تولا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** یہ عبارت **اذا جاء** کی جزا ہے **ساعۃ** کا ترجمہ ہے پل یا گھڑی جو منٹ کا بھی ساٹھواں حصہ ہے جسے آج کل سیکنڈ کہتے ہیں یعنی موت آجانے پر کوئی قوم پل بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتی اسے اس وقت مرنا پڑتا ہے اس وقت عمل کرنے کے لئے مہلت مانگنا بے کار ہو گا ابھی جو گھڑیاں ملی ہیں انہیں غنیمت جانو۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں بیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

خلاصہ تفسیر : یہ آیت کریمہ احکام اور ترغیب کی جامع آیت ہے اس میں سارے اعتقادی عملی گناہ اور عملی گناہوں میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد بلکہ سارے اخلاقی معاملاتی گناہوں کا اجمالی ذکر فرمادیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب ان نادان کفار سے کہہ دو جو برائیوں کو خوبیاں سمجھے ہوئے ہیں کہ میرے رب نے حلال غذائیں، طواف میں لباس پہننا حرام نہیں فرمایا بلکہ اس نے تو ہر علانیہ و خفیہ فحش باتیں بے حیائیاں اور ہر قسم کے گناہ لوگوں پر ناحق زیادتی و ظلم حرام کئے ہیں جو تم دن رات کرتے ہو نیز اس نے یہ حرام کیا ہے کہ تم بلا دلیل عقلی اور بغیر دلیل نقلی چیزوں کو اللہ کا شریک جانو مانو ان کی عبادات کرو اور یہ حرام کیا کہ جھوٹی اور بری باتیں اللہ کی طرف نسبت کرو یہ کہہ دو کہ ہم کو اللہ نے شرک بت پرستی ننگے طواف اور حج کے زمانہ میں معمولی غذائیں کھانے کا حکم دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے جو سخت جرم ہے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ہر جماعت بلکہ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجاتا ہے تو کوئی اس سے ایک پل آگے پیچھے نہیں ہو سکتا لہذا اپنی زندگی کا زمانہ غنیمت جانو اس زمانہ میں نیکیوں کا تخم بو لو پھر یہ وقت ہاتھ نہ آئے گا موت آجانے پر کف افسوس ملو گے اور اس افسوس سے کچھ نہ بنے گا۔ خیال رہے کہ شرک کی حقیقت ہے کسی کو خدا کی طرح ماننا یا خدا کو کسی کی طرح جاننا الوہیت کا مدار غنا اور بے نیازی پر ہے عبدیت کا مدار احتیاج اور نیاز مندی پر جو کسی بندے کو بے نیاز مانے وہ مشرک ہے اور جو خدا تعالیٰ کو کسی کا نیاز مند حاجتمند مانے وہ مشرک ہے اس کے بغیر شرک ہو سکتا ہی نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں ملاحظہ کرو۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: سارے شرعی احکام جزا و سزا کے لئے سارے کفار پر جاری ہیں ان پر فرض ہے کہ شرک و کفر اسی طرح گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بچیں یونہی نیک کام کرنا ان پر فرض ہے، قیامت میں ہر جرم پر ان کو سزا ملے گی یہ فائدہ **انما حرم** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں روئے سخن کفار سے ہو کیونکہ وہ ننگے

طواف کرنے کو نیکی جانتے تھے۔ دوسرا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ علانیہ خفیہ یونہی چھوٹے بڑے سارے گناہوں سے بچے کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلادیتی ہے یہ فائدہ لفظ فواحش اور اثم یونہی ما ظھرا و رماںطن سے حاصل ہوا' دیکھو ان لفظوں کی تفسیر جو ابھی کی گئی۔ تیسرا فائدہ: گناہ کبیرہ سے بچنے کی بہت کوشش کرنی چاہئے اگرچہ ہر گناہ صغیرہ سے بھی بچے رہنا ضروری ہے یہ فائدہ فواحش کو اثم سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: بمقابلہ حقوق اللہ کے حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے ان سے بچنا بہت ضروری ہے' یہ فائدہ فواحش اور اثم کے بعد والبغی فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ بھی گناہوں میں داخل تھا مگر خصوصیت سے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ کی معافی اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ انسان گناہ کبیرہ سے بچے رب فرماتا ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاٰتکم توبہ کر لینے' نیک اعمال کر لینے کی برکت سے بھی ان کی معافی ہو جاتی ہے گناہ کبیرہ کی معافی توبہ سے ہوتی ہے مگر حقوق العباد ان میں سے کسی چیز سے معاف نہیں ہوتے وہ تو یا ادا کرنے سے معاف ہوتے ہیں یا حق والے کے معاف کر دینے سے۔ نیز خیال رہے کہ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت میں کسی بندے کا حق مار لینا جائز نہیں ہوا' بعض دینوں میں شراب حلال رہی۔ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح حلال رہا مگر یہ جرم کسی شریعت میں حلال نہ ہوا نیز صحابیت' ہجرت' جہاد' شہادت یہ تمام مل کر بھی حق عبد معاف نہیں کراتے جیساکہ حدیث شریف میں ہے الا الدین۔ نیز فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کوئی شخص کسی کا حق مارے اور اپنی تیز زبان' چالاکی سے مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے تب بھی وہ حق اس کے لئے حلال نہ ہو گا یعنی اسے نبی کا فیصلہ بھی حلال نہیں کر سکتا افسوس کہ لوگوں نے پرایا حق مارنا آج بہت معمولی بلکہ اپنا کمال سمجھ رکھا ہے۔ پانچواں فائدہ: کسی پر جھوٹ باندھنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ یہ فائدہ وان تقولوا علی اللہ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بغیر علم مسئلہ بتانا' بے علم وعظ کہنا' بے علم کوئی عقیدہ اختیار کرنا سخت ممنوع ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے کہ جھوٹا غلط مسئلہ یا وعظ کہنا' پھر یہ کہنا کہ اللہ رسول کا یہی حکم ہے بڑی دیدہ دلیری ہے۔ ساتواں فائدہ: ہماری کسی تدبیر کسی علاج سے موت نہیں ٹل سکتی موت نہ وقت سے پہلے آئے نہ وقت کے بعد۔ یہ فائدہ فاذا جاء اجلھم سے حاصل ہوا۔ لہٰذا علاج معالجہ دوا دارو بطور سنت کرنا چاہئے نہ کہ موت کو ٹالنے کی نیت سے۔ آٹھواں فائدہ: انسان موت کے ڈر سے جہاد یا حج سے محروم نہ رہے کہ اگر میں حج کو گیا یا مجاہد بنا تو مر جاؤں گا کیونکہ موت وقت سے پہلے نہیں آسکتی اگر وقت آگیا ہے تو گھر میں رہ کر بھی مر جاؤ گے۔ اور اگر وقت نہیں آیا حج یا جہاد میں بھی نہ مرو گے۔

پہلا اعتراض: فواحش یعنی گناہ کبیرہ اور بغی یعنی ظلم یہ سب اثم یعنی گناہ میں داخل ہیں پھر انہیں علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کیا۔ صرف الاثم فرما دینا کافی تھا اثم تو ہر گناہ کو کہتے ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ اگر اثم سے مراد حقوق اللہ کے چھوٹے گناہ ہیں تب تو گناہ کبیرہ اور ظلم اس میں داخل ہی نہیں اور اگر اثم سے مراد سارے گناہ ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے حق اللہ ہوں یا حق العبد تو ان دونوں کو علیحدہ بیان فرمانا بیان اہتمام کے لئے ہے تاکہ لوگ ڈر کر ان دونوں سے بہت احتیاط رکھیں جیسے کہا جائے کہ چوری شراب خوری اور سارے گناہوں سے بچو۔ دوسرا اعتراض: بغی یعنی ظلم تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے پھر بغی کے ساتھ بغیر الحق کی قید کیوں لگائی دیکھو ظلما" کسی کو قتل کرنا بغی ہے مگر قصاص یا زنا کی سزا میں قتل کرنا ظلم نہیں کیونکہ یہ قتل برحق ہے ناحق نہیں۔ جواب: اس اعتراض کا جواب بھی ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ

بغیر الحق بغی کی تفسیر ہے اس کی قید نہیں یعنی رب نے ظلم حرام کیا جو کہ ناحق تھا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جب موت آجائے تو کوئی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا موت آنے پر پیچھے نہ ہونا تو ظاہر ہے مگر آگے نہ ہونے کے کیا معنی۔ جب وقت موت آگیا تو اس سے آگے بڑھنا کیا معنی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا ہے کہ موت آنے سے مراد ہے موت کا قریب آجانا یعنی اگر کسی کو کل موت آنی ہے تو نہ آج مرے نہ پرسوں کل ہی مرے گا لہٰذا آیت واضح ہے اردو میں کہتے ہیں وعدہ کم نہ زیادہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت وقت مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ شیطان نے اپنے لئے زیادتی عمر کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس سال داؤد علیہ السلام کو عطا فرمادیئے دیکھو حضرت داؤد کی موت چالیس سال پیچھے ہٹ گئی اور آدم علیہ السلام کی موت چالیس سال آگے بڑھ گئی نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ نیک اعمال سے عمر بڑھتی ہے اپنے قرابت داروں سے سلوک عمر اور روزی یہ تمام چیزیں اس آیت کریمہ کے خلاف ہیں۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے اور ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کی موت آگے پیچھے کردے تو وہ قادر ہے۔ ان تمام واقعات میں خود اللہ تعالیٰ نے موت کو آگے پیچھے کیا نہ کہ ان لوگوں نے اسی لئے یہاں **لا یستاخرون** اور **لا یستقدمون** جمع مذکر غائب کا صیغہ ارشاد ہوا۔ ان کا فاعل بندے ہیں یعنی وہ لوگ خود موت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کو ہم آگے پیچھے نہیں کر سکتے۔ **پانچواں اعتراض:** جن مردوں کو عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا یونہی جن پرندوں کو ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرکے زندہ کیا یونہی حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا جو مرنے کے سو برس بعد زندہ ہوا۔ یہ سب اپنے وقت پر مرے تھے یا وقت سے پہلے اگر وقت سے پہلے مرے تھے تو اس آیت کے خلاف ہے اگر اپنی زندگی پوری کرکے اپنے وقت پر مرے تھے تو دوبارہ زندہ کیسے ہوئے۔ **جواب:** اس کے تفصیلی جوابات ہم تیسرے پارے میں **و احی الموتی باذن اللہ** کی تفسیر میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ سب اپنے وقت پر اپنی عمر پوری کرکے مرے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیارے بندوں کی برکت سے انہیں دوبارہ عمر بخش دی جو رب انہیں ایک بار عمر دے سکتا ہے وہ دوبارہ بھی دے سکتا ہے جب چراغ کا تیل بتی ختم ہو گیا وہ بجھ گیا اگر مالک چاہے تو اس میں دوبارہ تیل بتی ڈال کر روشن کردے' رب قادر مطلق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** ان مذکورہ چیزوں کو جب دوبارہ عمریں ملیں تو کیا انہیں پھر دوبارہ موت آئی یا نہیں جو ان کی اپنی موت تھی وہ تو آچکی پھر ان کا کیا بنا۔ **جواب:** ان کی جان بدن سے دوبارہ نکالی گئی مگر انہیں جانکنی کی شدت دوبارہ نہیں ہوئی کہ شدت جانکنی صرف ایک بار ہو گی اب ان کی جان ایسے نکلی جیسے نیند آجاتی ہے یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ **لن یجمع اللہ علیک الموت مدتین**۔ رہی وہ آیت کریمہ **ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین** خدایا تو نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندگی بخشی۔ ان شاء اللہ اس کی تحقیق اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ہو گی۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگ اپنی خوشی اپنے ارادے سے موت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے مگر حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ آپ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے فی بال ایک سال ملے گا یہ حدیث اسی آیت کے خلاف ہے دیکھو وہاں موسیٰ علیہ السلام اپنی خوشی اپنے اختیار سے اپنی موت پیچھے کر سکتے ہیں۔ **جواب:** نہیں وہاں بھی موت کا پیچھے ہٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا یعنی موسیٰ علیہ السلام بیل کی کھال پر ہاتھ پھیرتے تو رب تعالیٰ فی بال ایک سال عطا فرماتا وہاں بھی عمر کی زیادتی موت کی تاخیر رب تعالیٰ

کے ارادہ سے ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ : فاحشہ ہو وہ چیز ہے جو بندہ کو رب تک پہنچنے سے روک دے اس کی راہ مار دے عوام کا ظاہری فاحشہ گناہ کرنا ہے اور باطنی فاحشہ دل کا برے خیال سے بھرنا ہے خواص کا ظاہری فاحشہ اپنی خود غرضی ہے یعنی اپنے نفس کے لئے کچھ کرنا ہے باطنی فاحشہ محبوب سے صبر کر لینا ہے اگرچہ پل بھر کے لئے ہو اور خاص الخواص کا ظاہری فاحشہ ترک آداب تعلق بالا سباب ہے باطنی فاحشہ غیر اللہ کی طرف التفات ہے یعنی دارین میں سے کسی چیز کی طرف دل کا میلان اثم یعنی گناہ یہ ہے کہ بندہ پل بھر کے لئے اللہ سے غافل ہو جائے۔ غیر اللہ کی محبت اس کے دل میں آجائے شرک یہ ہے کہ اللہ سے غیر اللہ کو مانگے چاہئے یہ کہ اللہ سے اللہ کو ہی مانگے غیر اللہ کی طلب وہ چیز ہے جس پر کوئی حجت و دلیل نہیں اتاری گئی۔ فرمایا گیا **ففروا الی اللہ** اللہ پر بہتان باندھنا یہ ہے کہ نفس اور اس کی خواہشات سے فتویٰ لیا جائے یا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو نظر عقل سے دیکھا جائے یا عارفین عاشقین کی رمزوں کو عاقلین کے طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کی ان سب کو میرے رب نے حرام فرما دیا عاقلین در حقیقت غافلین ہیں نہ کہ عارفین ہر چیز کے دیکھنے جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے علیحدہ عینکیں بنائی ہیں دل کی آنکھ پر وہی عینک لگاؤ جو وہاں کام دے انسان مسافر ہیں' کوئی راہ الٰہی طے کر رہا ہے کوئی راہ جنت پر گامزن ہے اور کوئی دوزخ کا راستہ طے کرتا ہوا ادھر دوڑ رہا ہے ان سب کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جس وقت وہ اپنا سفر طے کریں گے۔ جب سفر ختم ہونے کا وقت آجائے گا تو یہ سب ایک پل آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے اپنی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ مسافرین راہ خدا کو چاہئے کہ دوران سفر غافل نہ رہیں دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہ پھنسیں کہ اس کے لئے بقا نہیں' شیخ سعدی نے فرمایا۔

آنکہ قرارش نہ گرفتے و خواب! تاگل و نسرین نفشاندے نخست
گردش گیتی گل رویش بریخت خار بناں بر سر خاکش برست

یعنی جن نازک مزاجوں کو بغیر پھولوں کے چین بلکہ نیند نہ آتی تھی بعد موت ان کی قبروں پر کانٹے اگے ہوئے ہیں۔ (از روح البیان)۔

کیسے حسیں کہ قبر پر کانٹوں کی باڑ ہے وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی

اے آدمیو اگر کبھی آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں اوپر تمہارے آیتیں میری پس

اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیز گاری کرے اور سنوارے

وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا

وہ جو پرہیز گاری کرے اور درست کرے پس نہیں ہے کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور وہ جو

تو اس پر نہ کچھ خوف اور نہ کچھ غم۔ اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

جھٹلائیں آیتیں کو ہماری اور غرور کریں ان سے یہ ہی لوگ ہیں آگ والے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا ذکر تھا کہ اس نے فحش باتیں گناہ وغیرہ حرام فرمائیں اب احکام لانے والے رسولوں نبیوں کا ذکر ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں گویا احکام کے بعد حکام الیہ کا تذکرہ ہے جو یہ احکام مخلوق پر جاری فرمادیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فحش، گناہ، ظلم، شرک وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا اب حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری کا تذکرہ ہے جو یہ چیزیں مخلوق کو بتائیں کہ فلاں چیز فحش ہے فلاں چیز گناہ یہ ظلم ہے یہ شرک گویا اجمال کے بعد تفصیل فرمانے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بچنے والے کاموں کا ذکر تھا کہ فحش، گناہ وغیرہ سے بچو اب کرنے والے کاموں کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری کرو گویا تقویٰ کے ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں بندوں کو گناہوں سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اب حضرات انبیاء کرام کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ اگر ان حضرات کے فرمان کے ماتحت گناہوں سے بچا جائے تو دوزخ سے نجات ہے جو نبی کی اطاعت چھوڑ کر محض اپنی عقل سے کام لے کر ان تمام مذکورہ گناہوں سے بچے وہ نہ مومن ہے نہ اس کی نجات۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ موت آتی ہے اور ضرور آتی ہے وہ ٹل نہیں سکتی اب ارشاد ہے کہ کامیاب موت اس کی ہے جسے رسول کی اطاعت نصیب ہو ناکامی کی موت اس کی ہے جو ان سے منہ پھیرے گویا موت کے بعد نوعیت موت کا ذکر ہے (کبیر) تاکہ لوگ کامیابی کی موت مرنے کی کوشش کریں ناکامی کی موت سے بچیں۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیات میں دنیا کی بے وفائی بے ثباتی اس کی فنا کا ذکر تھا اب ان مقدس ذاتوں کا ذکر ہے جن کے تعلق سے دنیا دنیا نہ رہے بلکہ دین بن جائے موت فنا نہ کر سکے بلکہ مومن موت کے بعد بھی باقی رہے یعنی حضرات انبیاء کرام۔ جو ان کے قدموں سے لگا وہ باقی اور لازوال ہو گیا خواہ انسان ہو یا مال یا اعمال، غرضیکہ فنا کرنے والی چیز کے بعد باقی رکھنے والی چیز کا تذکرہ ہے۔

چکیا کے پاٹن دیکھ کر دیا کبیرا روئے ۔۔۔ جو پاٹن میں آگیا ان میں بچا نہ کوئے
چکیا چکیا سب کہیں کلیا کہے نہ کوئے ۔۔۔ جو کلیا سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

تفسیر : **یا بنی آدم** اس خطاب میں بہت قول ہیں (1) صرف مکہ والوں سے خطاب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں موجود تھے (2) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ سارے اہل عرب سے خطاب ہے (3) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر تا قیامت سارے عرب والوں سے خطاب ہے ان تینوں صورتوں میں رسل سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منکم سے مراد ہے من قومکم من قبیلتکم (4) ان دو صورتوں میں رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منکم سے مراد ہے من جنسکم کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنس بشر سے ہی آئے جنس فرشتہ یا جنس جنات سے نہیں (6) اس میں خطاب ہے از آدم تا روز قیامت سارے انسانوں سے اور رسل سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم (7) اس میں اولین و آخرین سارے انسانوں سے خطاب ہے اور رسل سے مراد ہیں سارے نبی از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صورتوں میں یہاں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے جو میثاق کے دن سارے انسانوں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا تھا یا سارے نبیوں کی اطاعت کے متعلق لیا گیا۔ روح المعانی نے اس آخری تفسیر کو اختیار فرمایا اور یہی ظاہر ہے باقی مفسرین نے گزشتہ تفسیروں کو ترجیح دی چونکہ حضرات انبیاء کرام انسانوں میں ہیں انہیں کی جنس سے تشریف لائے اس لئے انسانوں سے ہی یہ خطاب فرمایا گیا جنات و فرشتے اس خطاب میں داخل نہیں کئے گئے **اما یا تینکم رسل منکم اما** اصل میں **ان** اور **ما** کا مجموعہ ہے **ان** شرطیہ ہے اور **ما** یا تو زائدہ ہے شرط کے معنی کی تاکید کے لئے یا ظرفیہ ہے وقت کو عام فرمانے کے لئے ان کے نون کو ما کے میم میں ادغام کر دیا گیا یعنی اگر ضرور یا اگر کبھی **یا تینکم** بنا ہے **اتی** سے بمعنی آنا یہاں مراد ہے ان حضرات کا مبعوث ہونا یہ شان رسالت و نبوت ان لوگوں میں پہنچنا اگرچہ حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری یقینی تھی مگر اسے شرط کے ساتھ بیان کرنا ان کی اطاعت کی ترغیب کے لئے ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر میں تیرا باپ ہوں اور اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اور ہو سکتا ہے کہ یہاں اگر شک ہی کے لئے ہو کیونکہ بعض انسان بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں بعض دیوانہ مجنون رہتے ہیں بعض کو پیغمبر کی تعلیم نہیں پہنچتی جیسے زمانہ جاہلیت میں فترت والے لوگ اس لئے اگر فرمایا یعنی تم میں سے اگر کسی کو نبوت کی روشنی پہنچے۔ اگر اس میں خطاب اہل عرب یا مسلمانوں سے ہے تو رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی اطاعت سارے رسولوں کی اطاعت ہے یا جمع فرمایا تعظیم کے لئے۔ **منکم** سے مراد ہے **من قوم یا من قبلتکم یا من جنسکم** چونکہ سارے نبی صرف انسانوں میں آئے کوئی نبی فرشتہ یا جن میں سے نہ آیا اس لئے **منکم** فرمانا بہت ہی موزوں ہے **یقصون علیکم ایاتی** یہ عبارت رسل کا حال ہے **یقصون** بنا ہے **قص** سے بمعنی بیان کرنا اسی لئے کہانی حکایت کو قصہ کہا جاتا ہے کہ وہ بار بار بیان کی جاتی ہے' سنائی جاتی ہے چونکہ سارے نبیوں کے پاس آسمانی کتاب یا صحیفے نہ تھے اور جن کے پاس تھے انہوں نے بھی صرف کتاب نہ سنائی بلکہ اور احکام بھی دیئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو صرف قرآن نہیں سنایا بلکہ اپنے فرمان بھی سنائے ان وجوہ سے **یتلون** نہ فرمایا **یقصون** فرمایا اور قرآنی یا کتبی نہ فرمایا بلکہ آیاتی فرمایا' تاکہ ان سب کو شامل ہو جائے **فمن اتقی واصلح** یہ عبارت **اما** کی جزا ہے لہٰذا **ف** جزائیہ ہے **من** یا شرطیہ ہے یا موصولہ **من** سے مراد ہر وہ انسان ہے جسے نبی کی تبلیغ پہنچے **اتقی** سے مراد ہے شرک و کفر بلکہ تمام بد عقیدگیوں سے بچنا اصلاح سے مراد ہے تمام برے کاموں سے بچنا (2) تقویٰ سے مراد ہے برے کاموں سے بچنا اصلاح سے مراد ہے نیک کام کرنا (3) تقویٰ سے مراد ہے اچھے کام کرنا اصلاح سے مراد ہے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا (4) تقویٰ سے مراد ہے حضرت انبیاء کرام کی مخالفت سے بچنا اصلاح سے مراد ہے ان کے احکام پر عمل کرنا (5) تقویٰ سے مراد ہے آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد کرنا اصلاح سے مراد ہے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنا (6) تقویٰ سے مراد ہے دل کا تقویٰ یعنی اللہ کے محبوب بندوں کا ادب و احترام کرنا **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** اور اصلاح سے مراد جسم کا تقویٰ یعنی برے کاموں سے بچنا اچھے کام کرنا (7) تقویٰ سے مراد ہے عبادات درست کرنا اصلاح سے مراد ہے معاملات ٹھیک کرنا' تقویٰ کی مکمل بحث پارہ **الم** کے شروع میں کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقویٰ عوام ہے بد عقیدگیوں سے بچنا تقویٰ خواص ہے گناہوں سے بچنا تقویٰ خاص الخواص ہے' اغیار سے بچنا جو یار تک پہنچنے کے لئے آڑ بن

سکے ایک عارف نے کہا۔

ولو خطرت کالی سواک ارادۃ علی خاطری یوما حکمت بردتی

فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہ عبارت من اتقی کی جزا ہے اس کی مکمل تفسیر ان شاء اللہ گیارھویں پارہ میں **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** میں کی جائے گی یہاں اتنا سمجھ لو کہ خوف کے معنی ہیں اندیشہ خطرہ آئندہ کا اور **خوف** کے معنی ہیں رنج و غم گزشتہ پر پھر خوف چند قسم کا ہے خوف ایذاء خوف نفرت' خوف اطاعت وغیرہ ان میں سے بعض خوف مفید ہیں اور بعض خوف مضر یہاں اس خوف کی نفی ہے جو کسی مخلوق کی اطاعت پر مجبور کرے اور رہو مضر اور ہو سکتا ہے کہ یہ قیامت کے متعلق ہو لہذا اس کی دو تفسیریں ہیں یعنی ایسے مومنوں کو دنیا میں کسی بندے کا ایسا خوف نہیں ہوتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اس کی اطاعت کریں اور نہ دنیا میں وہ اپنے کیے پر پچھتائیں کیونکہ وہ برے کام کرتے ہی نہیں یا قیامت میں نہ انہیں آئندہ کا خطرہ ہو نہ گزشتہ دنیاوی زندگی کا غم کیونکہ وہ کرامت اور رضاء الٰہی کی لذتوں میں غرق ہوں گے۔ قرآن مجید اچھے عقائد و اعمال کے ساتھ برے عقائد و اعمال کا ذکر بھی فرماتا ہے تاکہ لوگ اچھے کام کریں برے کاموں سے بچیں جیسے قابل طبیب اپنے مریض کو کھانے کی دوائیں بھی بتاتا ہے بچنے کے پرہیز بھی۔ نیز دنیا کی اعلیٰ چیز سے سب فائدہ نہیں اٹھاتے سورج سے چمگادڑ بارش سے شورہ زمین فائدہ حاصل نہیں کرتی یونہی نبی سے سب لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے آگے ارشاد ہوا کہ **والذین کذبوا بایتنا** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں مومنوں کے مقابل کفار کا حال بیان ہوا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' جب الذین کے ساتھ لوگوں اور ان کی جزا جنت کا ذکر ہو تو اس سے صرف نیک انسان مراد ہوتے ہیں کیونکہ جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے لیکن جب الذین کے بعد بدکاروں اور ان کی سزا دوزخ کا ذکر ہو تو وہاں کافر انسان اور کافر جن دونوں مراد ہوتے ہیں لہذا یہاں الذین سے کافر جن و انس دونوں مراد ہیں **کذبوا** سے مراد ہے عقیدتاً "جھوٹا سمجھنا اور مرتے وقت تک جھوٹا سمجھتے رہنا کیونکہ جو مرتے وقت نبی کی تصدیق کر دے وہ مومن اور جنتی ہو جاتا ہے **ایات** سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کی ساری آیتیں خواہ کتاب اللہ کی آیتیں ہوں یا نبیوں کے فرمان یا ان کے احکام یا ان کے معجزات یہ ایک کلمہ ان سب کو شامل ہے بلکہ قوی یہ ہے کہ آیات سے مراد نبی کی ذات ہو کہ ان کا ہر وصف ہر ادا آیت الٰہیہ یعنی رب تعالیٰ کو پہچاننے کی نشانی ہے کیونکہ ہر نبی کے ساتھ کتاب نہیں اور معجزات نہ تھے نبی کے لئے وحی الٰہی ضروری کتاب آسمانی یا معجزہ ضروری نہیں جو نبی دوسرے نبی کی تائید یا ان کی وزارت کے لئے مبعوث ہوئے جیسے حضرت ہارون جناب موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کے لئے کتاب یا معجزہ لازم نہیں بہرحال اس آیت میں سارے ایمانیات کے جھٹلانے اور کفر کی ساری قسموں کا اجمالی ذکر ہے۔

واستکبروا عنھا یہ عبارت معطوف ہے کذبوا پر اس میں کفر کی وجہ کا ذکر ہے استکبار کے معنی ہیں اپنے کو غلط طریقہ پر بڑا جاننا یعنی ہو چھوٹا مگر اپنے کو سمجھے بڑا اس لئے حق تعالیٰ کی صفت متکبر تو ہے مگر متکبر نہیں۔ **عنھا** کا مرجع وہی آیات ہیں یعنی انہوں نے آیات الٰہیہ قبول کرنے سے تکبر و غرور کیا یہ سمجھا کہ نبی کی اطاعت ہماری عزت کے خلاف ہے ہماری اس میں شان گھٹتی ہے اس لئے وہ کافر ہوئے اور کافر رہے **اولئک اصحاب النار** یہ خبر ہے **والذین کذبوا** کی۔ **اصحب** جمع ہے صاحب کی معنی والا یا ساتھی نار سے مراد دوزخ ہے کیونکہ وہاں کے ہر طبقہ میں آگ کا ہی عذاب ہے گرم طبقوں میں آگ کے قرب کا عذاب ہے اور ٹھنڈے طبقوں میں آگ کی دوری کا عذاب جیسے دنیا کی گرمی و سردی دونوں سورج کے قرب و بعد کے اثر سے ہیں یعنی یہ متکبر

کفار حقیقتہ "دوزخ والے ہیں دوسرے لوگ ان کے طفیل دوزخی ہوں گے۔ خیال رہے کہ دوزخ بنی ہے کفار کے لئے انہوں نے ہی وہاں رہنا ہے "گنہگار مسلمان چونکہ ان کے سے کام کرتے تھے اس لئے وہ بھی کچھ دن کے لئے دوزخ میں جائیں تو جائیں مگر وہ دوزخ والے نہیں جس کے لئے گھر بنے وہ مکان والا ہے دوایک دن کا مہمان مکان والا نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ کافر دنیا میں بھی دوزخ میں ہے اس کا گھر دوزخ کی کوٹھڑی اگرچہ کوٹھی ہو اس کا کھانا پینا لباس اگرچہ اعلیٰ ہو مگر دوزخ کی غذا ہے جیسے پھانسی والے ملزم کا جیل میں اچھا کھانا مومن 'اگرچہ جھونپڑے میں رہے معمولی کھائے پئے اس کا گھر جنت کی کیاری اس کی غذا جنتی طعام ہے کہ اس کے منہ میں اس کے گھر ہر وقت اللہ رسول کا نام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوٹا ہوا حجرہ اور منبرہ حجرے کے درمیان کی جگہ بہشت بریں ہے 'اگرچہ بظاہر معمولی تھے لہذا اصحاب النار وہ آج بھی ہیں۔ **ھم فیھا خالدون** یہ ان کی دوسری سزا کا ذکر ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا وہاں سے کبھی نہ نکلنا یعنی کفار ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے 'اگر النار سے دوزخ کا کوئی خاص طبقہ مراد ہو جہاں سرداران کفر اور متکبرین رہیں گے 'تب اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔ خیال رہے کہ مومنوں کی جزاو ثواب کے لئے دو چیزیں بیان ہوئیں۔ تقویٰ اور اصلاح ان کافروں کے عذاب کے لئے بھی دو چیزیں ارشاد ہوئیں جھٹلانا اور غرور کرنا مگر فرق یہ کیا گیا کہ وہاں ف لائی گئی **فلا خوف** مگر یہاں ف نہیں ارشاد ہوئی بلکہ فرمایا گیا **اولئک اصحاب النار** اس میں بڑا ہی عجیب نکتہ ہے کہ تقویٰ اور اصلاح کے بعد بے خوفی بے غمی لازم ہے بغیر کسی مہلت و تراخی کے 'مگر کفر و تکبر کے بعد دوزخی ہونا فوراً "نہیں ہو جاتا اسے توبہ کی مہلت دی جاتی ہے اب بھی توبہ کرلے اب بھی مان جا اس میں شان غفاری ستاری کا اظہار ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی! مگر ایں پنج روز دریابی!

خلاصہء تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور قوی بھی 'رب فرماتا ہے کہ ہم نے میثاق کے دن سارے انسانوں سے عہد لیا کہ اے لوگو اگر کبھی تمہارے پاس ہمارے پیغمبر پہنچیں جو ہماری آیتیں تمہیں سنائیں ہمارے احکام تم تک پہنچائیں تو خیال رکھنا کہ جو کوئی ان کی مخالفت سے بچے ان کی اطاعت کرے 'اپنے حال کو درست کرے کہ ایمان لا کر بقدر طاقت نیک اعمال کرے ان کا ثواب یہ ہے کہ انہیں آخرت میں نہ آئندہ کا خوف و ڈر ہو نہ گزشتہ پر رنج و ملال وہ غم و خوف دونوں سے آزاد ہوں گے 'رب کی رحمتوں کی لذت میں سرشار ہوں گے اور ان کے مقابل جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلا جائیں کہیں اور ان آیات کے ماننے میں اپنی ذلت سمجھیں نبی کی اطاعت میں اپنی توہین جانیں تو جان لو کہ دوزخ کے بد ترین طبقہ والے وہ ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کبھی نکل نہ سکیں گے وہ عہد و پیمان تم کو یاد دلایا گیا اسی پر قائم رہو اب قیامت میں تمہارا بے علمی کا بہانہ کام نہ دے گا 'خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں چند باتیں بیان ہوئیں۔ (1) اللہ تعالیٰ کی دین کہ وہ صرف تمہارا خالق نہیں کہ تمہیں پیدا فرما کر چھوڑ دے بلکہ تمہارا رب بھی ہے کہ تمہاری پیدائش کے بعد تمہاری جسمانی روحانی پرورش کرتا ہے اس بات کا بیان **اما یاتنکم رسل** الخ میں ہوا (2) ہمارا اس دین کو قبول کرنا **فمن اتقی و اصلح** (3) اس دین کے لانے کا نتیجہ **فلا خوف علیھم** '(4) رب کی دین کو قبول نہ کرنا اس کی ناقدری کرنا **والذین کذبوا بایاتنا** (5) اس ناقدری کا نتیجہ **اولئک اصحب النار** اللہ ہم قدردانوں میں سے ہوں ناقدروں سے نہ ہوں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: میثاق کے دن عام انسانوں سے رسولوں کی پیروی کا بھی عہدو پیمان لیا گیا۔ یہ فائدہ **یا بنی آدم** کی ساتویں تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا اس صورت میں کل چار عہدو پیمان لئے گئے (1) سارے لوگوں سے رب تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد **الست بربکم قالوا بلی** (2) حضرات انبیاء کرام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد **ولقد اخذ اللہ میثاق النبین** (3) علماء بنی اسرائیل سے کتب الہیہ نہ چھپانے کا عہد **واذ اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل** (4) سارے لوگوں سے حضرات انبیاء کرام کی فرمانبرداری کا عہد 'یا بنی آدم' دوسرا فائدہ: از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی وقت کوئی ساعت نبوت سے خالی نہ رہی ہر وقت کسی نہ کسی کی نبوت ضروری رہی ہاں بعض وقت نبی کے ظہور سے خالی رہے۔ دیکھو آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں مگر آپ کی نبوت قائم ہے۔ یہ فائدہ **یا تینکم رسل** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: سارے نبی انسانوں میں ہی تشریف لائے' فرشتوں' جنات میں کوئی نبی نہ ہوئے یہ فائدہ **رسل منکم** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** صرف رجال سے مراد انسانی مرد ہوتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: تمام نبیوں پر تبلیغ من جانب اللہ ضروری تھی سب کے پاس نیا دین اور نئی کتاب نہ تھی مگر تبلیغ سب پر لازم تھی۔ یہ فائدہ **یقصون علیکم** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: پیغمبر صرف کتاب اللہ ہی کی تبلیغ نہیں فرماتے بلکہ سارے فرمان الہیہ کی تبلیغ کرتے ہیں کتاب کے احکام ہوں یا سنت کے۔ یہ فائدہ **ایاتی** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں کتابی نہیں فرمایا گیا۔ چھٹا فائدہ: نجات کا ذریعہ صرف ایک ہے ایمان۔ اس کے بغیر کوئی نجات نہیں پا سکتا۔ یہ فائدہ **فمن اتقی واصلح** سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص صرف نبی کی اولاد ہونے سے نجات نہیں پا سکتا جب تک کہ مومن نہ ہو اس کے لئے نوح علیہ السلام کے فرزند کنعان کا انجام نمونہ ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بود پیمبر زادگی قدرش نہ افزود

ساتواں فائدہ: ہر متقی مومن ولی اللہ ہے یہ فائدہ **فلا خوف علیھم** سے حاصل ہوا کہ یہی بشارت اولیاء اللہ کو بھی دی گئی ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف** وہاں بھی ارشاد ہوا کہ **الذین امنوا وکانوا یتقون** مگر خیال رہے کہ ولایت اسی طرح ایمان و تقویٰ ان سب کے بہت درجے ہیں' عامہ' خاصہ' خاص الخاصہ یونہی ایمان غیبی' ایمان شہودی' ایمان ترک وجودی یونہی تقویٰ' بد عقیدگیوں سے بچنا' گناہوں سے بچنا' ہر غافل کرنے والی چیز سے بچنا ہر ماسوی اللہ سے بچنا۔ ان شاء اللہ یہ بحث مکمل سورہ یونس میں آئے گی۔ نیز ہماری کتاب شان حبیب الرحمان کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ آٹھواں فائدہ: دوزخ میں ہیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن کیسا ہی گنہگار ہو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اگرچہ بعض مومن اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے مگر وہ اصحاب النار نہیں ہوں گے دوزخ میں جانا اور بات ہے دوزخی ہونا دوسری بات۔ مومن بفضلہ تعالیٰ دوزخی نہیں دوزخی وہ جس کے لئے دوزخ بنی جو ہمیشہ وہاں رہے جیسے بھٹی میں کوئلہ۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے رسول ہیں۔ یہ فائدہ **رسل** کی چھٹی تفسیر سے حاصل ہوا کہ بنی آدم میں خطاب سارے انسانوں سے ہوا اور رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاصہ انبیاء ہیں۔ بارھواں فائدہ: نبی پر تکبر کفر بلکہ بدترین کفر ہے۔ یہ فائدہ **واستکبروا**

سے حاصل ہوا جبکہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا ایسی تکبر شیطان نے کیا سب سے پہلا جرم نبی پر تکبر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں اگر بنی آدم سے ہی مراد ہے انسان ہیں اور رسل سے مراد سارے نبی تو **اما** کیوں ارشاد ہوا انبیاء کرام کی تشریف آوری یقینی تھی پھر اگر فرمانے کے کیا معنی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس طرح اگر مگر سے ارشاد فرمانا ترغیب کے لئے ہوتا ہے یا یہ کہو کہ سارے انسانوں تک نبوت کے احکام پہنچنا یقینی نہ تھے بعض لوگ بچپن میں فوت ہو جائیں گے بعض دیوانہ رہیں گے بعض کو نبوت کی خبر نہ ہوگی بعض تک نبوت کے اصلی احکام نہیں پہنچیں گے مسخ شدہ احکام پہنچیں گے اس لئے اما فرمانا بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں آیاتی کیوں فرمایا **یتلون علیکم کتبی** کیوں نہیں فرمایا نبی کتاب ہی سناتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضرات انبیاء صرف کتاب اللہ ہی نہیں سنایا کرتے بلکہ اپنے فرمان بھی لوگوں تک پہنچاتے ہیں وہ فرمان بھی آیات الہیہ ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ اپنے فرمان یعنی سنت کی بھی تعلیم دی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں **واستکبروا** کیوں فرمایا گیا جو کافر متکبر نہ ہوں عاجز ہوں وہ دوزخی نہیں ہیں؟ **جواب:** یا تو ہر کافر متکبر ہے کفر خود تکبر کی ایک قسم ہے لہذا **واستکبروا** تفسیر ہے **کذبوا** کی ہر کافر نبی کا انکار کر کے اپنے کو ان کے سامنے جھکاتا نہیں یہی تکبر ہے یا یوں کہو کہ یہاں دوزخ کے سخت طبقہ کا ذکر ہے جہاں صرف متکبر ہی جائیں گے غیر متکبر کافر ہلکے طبقوں میں رہیں گے۔ **چوتھا اعتراض:** اصحاب النار اور **فیھا خالدون** میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اصحاب النار وہ جن کے لئے دوزخ بنی **خالدون** وہ جو وہاں سے بھی نکل نہ سکیں۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں ہر جگہ مومن متقی کے مقابل کفار کا ذکر ہوتا ہے مومن فاسق کی سزا کا ذکر کیوں نہیں ہوا کرتا۔ **جواب:** اس لئے کہ مومن فاسق کو سزا ملنا یقینی نہیں۔ ممکن ہے وہ شفاعت کے ذریعہ معافی پا جائے اور ممکن ہے کچھ دن دوزخ کی آگ میں تپا کر پاک کر کے جنت میں پہنچایا جائے نیز مومن فاسق کے لئے دوزخ سزا نہیں بلکہ اس کی پاکی کا ذریعہ ہے جیسے گندے سونے کے لئے آگ یا ہتھوڑے کی چوٹ نیز اس میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار کرم ہے کہ ان کی امت کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرت انبیاء کرام اگرچہ اولاد آدم علیہ السلام ہیں مگر وہ **یا بنی ادم** کے خطاب میں داخل نہیں ہوا کرتے دیکھو یہاں **یا بنی ادم** میں حضرات انبیاء کرام ہرگز داخل نہیں کیونکہ ان کے پاس رسول نہیں آتے بلکہ وہ لوگوں کے پاس رسول بن کر آتے ہیں اسی طرح **الذین امنوا** کے خطاب سے انبیاء کرام علیحدہ ہوتے ہیں ان کے خطابات کچھ اور ہی ہیں **یا ایھا النبی یا ایھا الرسل** وغیرہ لوگوں کے دل دماغ میں پہلے نبی کی جلوہ گری ہوتی ہے پھر کتاب اللہ احکام الہیہ ان تک پہنچتے ہیں شریعت' طریقت احکام آیات شعاعیں ہیں وہ حضرات سورج اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ تمہارے پاس میری آیتیں آئیں بلکہ فرمایا تمہارے پاس رسول آئیں اور تم کو میری آیات سنا دیں۔ حضرات انبیاء کرام دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے رب کا حفاظتی قلعہ ہیں اگر امن چاہتے ہو تو ان قلعوں میں آجاؤ جو ان کے دامن میں آ گیا وہ دنیا و آخرت کے خوف و غم سے محفوظ ہو گیا' تقویٰ اور اصلاح نفس یہ دو بازو ہیں جن کے ذریعہ انسان ان کے قدموں تک پہنچتا ہے ہماری بڑی ترقی یہی ہے کہ ان کے قدم تک پہنچ جائیں۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا! میری معراج کو میں تیرے قدم تک پہنچا

ایک ہندو شاعر دلورام کوثری کہتا ہے۔

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفی کے ساتھ ہے غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

لے کے دلو رام کو حضرت گئے جنت میں جب غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

جو لوگ نبی کے قدموں میں آنے سے تکبر کریں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کے مقابل تکبر کرنا عادت ہے مسلمان کے مقابل تکبر حرام ہے نبی کے مقابل تکبر کرنا کفر بلکہ بد ترین کفر ہے۔ شیطان اس تیسری قسم کا متکبر ہے ایسے ہی متکبرین کا یہاں ذکر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو عمل رسول کو راضی کرے وہی تقویٰ اور ہمارا جو جذبہ انہیں پسند آجائے وہ اصلاح اگر نبی نماز پڑھنے سے راضی ہیں تو پڑھنا تقویٰ ہے اگر نماز چھوڑنے سے راضی ہیں تو وہی تقویٰ حضرت علی کا خیبر کے مقام صہبا میں نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کرنا تقویٰ تھا' حضرت صدیق اکبر کا غار ثور سے اپنے پاؤں میں سانپ سے کٹوالینا خود کشی نہ تھا تقویٰ تھا' بلکہ اگر وہ محبوب کفریات بولنے سے راضی ہوں تو تم رب کی اس کے لئے وہی تقویٰ ہے دیکھو جندع ابن ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے کفر بول کر کفار سے رہائی حاصل کی اور مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے متعلق یہ آیت آئی **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** یہ واقعات **فمن اتقی واصلح** کی تفسیر میں کے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا شکریہ الگ ہے نبوت سب سے بڑی نعمت ہے اس کا شکریہ ہے کہ ہم دل کے متقی بھی بنیں اور جسم کے متقی بھی۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

بس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اس کی یہ ہی لوگ ہیں

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتیں جھٹلائیں انہیں انکے

يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ

کہ پہنچے گا ان کو حصہ ان کا کتاب سے حتیٰ کہ جب آئیں گے ان کے پاس قاصد ہمارے جو موت دیں گے

نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے انکی جان نکالنے آئیں تو

قَالُوْۤا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا

ان کو تو کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ کہ تھے تم پوجتے ما سوا اللہ کے کہیں گے وہ کہ گم ہو گئے ہم سے اور

ان سے کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے گم

عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

گواہی دیں گے اوپر جانوں اپنی کے کہ بے شک وہ تھے کافر۔

ہو گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ کافر تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں آیات الہیہ جھٹلانے والوں کو دوزخی فرمایا گیا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑے مجرم ہیں اس لئے دائمی دوزخی ہیں گویا پہلے ان کی سزا کا ذکر تھا اب ان کی فرد جرم کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان متکبرین اور جھٹلانے والوں کی اخروی سزا کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ انہیں یہ سزا آخرت میں ملے گی دنیا میں انہیں مہلت دی جائے گی کہ یہاں کھا کھیل لیں ینالهم نصیبهم گویا اخروی سزا کے بعد دنیاوی ڈھیل کا ذکر ہے کیونکہ یہ ڈھیل بھی ایک طرح کی سزا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفر کی سزا کا ذکر تھا اب ان کی پکڑ کا یعنی موت کا ذکر ہے جو مذکورہ سزا کی ابتداء ہے کافر کی موت اس کی سزا کی ابتدا ہوتی ہے مومن کی موت اس کے انعام کی ابتداء موت ایک ہے مگر نوعیت موت میں فرق ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی گزشتہ آیت میں مومن صالح کی بے خوفی بے غمی کا ذکر تھا اب متکبر کافر کی بے کسی بے بسی کا تذکرہ ہے۔ قالوا ضلوا عنا بے کسی بھی اللہ کا عذاب ہے۔

تفسیر : فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت هم فیها خالدون کی وجہ ہے لہذا ف تعلیلہ۔ ہے من سوال کے لئے ہے اور یہ سوال اقرار کرانے کے لئے۔ من سے مراد کافر انسان ہے یا کافر جن وانس اظلم بنا ہے ظلم سے ظلم کے بہت معنی ہیں کسی کا حق مارنا، کسی کو بلا قصور سزا دے دینا کافر اللہ رسول کا حق ادا نہیں کرتا لہذا ظالم ہے نیز اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ کفر کرکے اسے دائمی دوزخی بناتا ہے لہذا اظلم ہے چونکہ دوسرے جانی مالی ظلموں سے ایمانی ظلم بدترین ہے اس لئے یہاں اظلم تفضیلی ارشاد ہوا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ نے نہ فرمایا ہو اسے اس کی طرف نسبت کر دے کہ یہ اس نے فرمایا ہے جیسے بتوں کو معبود ماننا غیر نبی کا دعوئی نبوت کرنا جھوٹے مسئلے بیان کرنا یہ کہہ کر کہ اللہ کا یہی حکم ہے وغیرہ (کبیر) لہذا اس میں کفار جھوٹے نبی غلط فتوے دینے والے علماء سب ہی داخل ہیں یہاں تک تو اس جرم کا ذکر ہوا کہ جو بات رب نے نہیں فرمائی وہ اس کی طرف منسوب کر دی جائے۔ او کذب بایاتہ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں دوسری قسم کے کفر کا ذکر ہے کہ جو احکام رب نے دیئے ان کا انکار کیا جائے کہ یہ رب کا فرمان نہیں ہے اس میں سچے نبی کی نبوت کا انکار ان کی آسمانی کتابوں کا جزوا" یا کلا" انکار ان کے معجزات کا انکار ان کے فرمان ان کے احکام کا انکار سب ہی داخل ہیں کہ یہ سب کچھ آیات اللہ ہیں یعنی رب کی پہچان اس کی معرفت کا ذریعہ اس لئے کتابہ یا احکامہ نہیں فرمایا بلکہ ایاتہ فرمایا تاکہ ان سب کو شامل ہو خلاصہ یہ ہے کہ اپنی طرف سے بات کہے یا کام کرے اور کہہ دے یہ رب کی طرف سے ہوا یہ بھی کفر ہے اور نبی کوئی کلام فرمائیں یا عمل کریں یہ کہہ دے کہ یہ رب کی طرف سے نہیں، نبی نے غلط کہا، غلط کیا یہ بھی کفر ہے نبی کا ہر قول و فعل رب کی طرف سے ہوتا ہے اولئک ینالهم نصیبهم من الکتاب اولئک سے اشارہ ہے من کی طرف چونکہ من معنی "جمع ہے" اس لئے اولئک جمع ارشاد ہوا اور لفظاً" واحد ہے اس لئے افتری اور کذب واحد ارشاد ہوئے ینال بنا ہے نیل سے معنی پہنچنا پانا نصیب اور کتاب کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کے اخروی عذاب کا حصہ جیسے قیامت کے دن منہ کالا آنکھیں نیلی ہونا، گلے میں طوق اور دوزخ کا داخلہ یعنی لوح محفوظ میں ان کے عذاب کا جو حصہ ان کے لئے لکھا جا چکا ہے وہ انہیں پہنچ کر رہے گا۔ یہ قول ہے حضرت ابن عباس کا (2) کتاب سے مراد لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کی دنیاوی بدبختی یہاں کا کفر اور شرک وغیرہ۔ یہ قول ہے مجاہد اور سعید ابن جبیر وغیرہم کا (3) کتاب

سے مراد ہے لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کی دنیاوی بد عملیاں بد کرواریاں۔ یہ قول ہے ضحاک اور ربیع ابن انس کا(4)
کتاب کے معنی ہیں مکتوب یعنی مقرر شدہ طے شدہ نصیب سے مراد ہے ان کی روزی عمر دنیاوی رزق وغیرہ یہ قول ہے محمد ابن
کعب قرظی اور ابن زید وغیرہ مفسرین کا (کبیر، خازن، معانی) یہی آخری قول قوی ہے کیونکہ آگے اس کی انتہا کا ذکر ہے حتی
اذا جاء تھم موت سے کفار کی روزی عمر رزق ختم ہوتا ہے نہ کہ ان کا کفر و بد بختی وغیرہ (کبیر و معانی وغیرہ) بہرحال اس جملہ کی
بہت تفسیریں ہیں۔ حتی اذا جاءتھم رسلنا یتوفونھم یہ عبارت ینالھم کی انتہاء ہے یعنی کفار کو ان کی روزی رزق عمر
برابر ملے گی حتی کہ ان کی موت آجائے موت پر یہ چیزیں ختم ہوں گی آنے سے مراد ہے جان نکالنے کے لئے آنا، آنا فرمانے سے
تین باتیں بتائیں ایک یہ کہ ان فرشتوں کا ہیڈ کوارٹر کسی اور جگہ ہے جہاں سے وہ ہر مرنے والے کے پاس آتے ہیں اس طرح
کہ ایک ہی وقت لاکھوں جگہ مختلف شکلوں میں لاکھوں مرنے والوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں مومنین کے پاس اچھی شکلوں میں
کافرین کے پاس ڈراؤنی شکلوں میں دوسرے یہ کہ انہیں ہر ایک کے مرنے کی جگہ کا پتہ ہے، تیسرے یہ کہ انہیں ہر ایک کی
موت کے وقت کا علم ہے ورنہ صحیح وقت اور صحیح جگہ نہ پہنچ سکتے رسل جمع ہے رسول کی بمعنی بھیجے ہوئے کارندے اس سے مراد
ہیں حضرت مالک الموت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے معاون و مددگار فرشتے ان کی تعداد چھیانوے ہے وہ جو حدیث شریف میں
ہے کہ مرنے والا تا حد نظر فرشتے دیکھتا ہے ان سے مراد استقبال کرنے والے یا پھٹکار کرنے والے فرشتے ہیں خیال رہے کہ نبی
وہ جو رب کی طرف سے کچھ کہنے آئے رسول وہ جو کچھ دینے کے لئے آئے انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما
زکیا فرشتوں کو قرآن مجید نے رسول تو کہا ہے مگر نبی نہیں کہا پھر فرشتے بے اختیار دینے والے ہیں اور پیغمبر با اختیار دینے والے
اس لئے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی دین و دنیا کی نعمتیں مانگیں حضرت جبرئیل سے کسی نے کچھ نہ مانگا۔
دوسرے رسولوں کی عطا وقتی تھی جو ان کی نبوت منسوخ ہونے کے بعد ختم ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا دائمی یہ فرق
ہے فرشتوں کی رسالت اور دوسرے نبیوں کی رسالت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ان تین رسالتوں کا فرق یاد
رہے۔ یتوفونھم بنا ہے توفی سے بمعنی وفات دینا موت دنیا وفات کے لفظی معنی ہیں پورا ہونا یا پورا کرنا، چونکہ موت سے
زندگی، دنیاوی روزی وغیرہ ختم ہوتی ہے اس لئے اسے وفات کہتے ہیں یعنی ان کفار کا حصہ رزق وغیرہ اس وقت تک انہیں ملے گا
جب کہ ان کی موت آئے موت آنے پر سب کچھ بند ہو جائے گا قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ یہ عبارت
اذا جاءت کی جزا ہے اس میں وہ کلام مذکور ہے جو فرشتے کفار سے جان نکالنے سے پہلے کرتے ہیں اس کا مقصود ان بد نصیبوں کو
شرمندہ کرنا ان کی بے کسی بے بسی کو ظاہر کرنا تاکہ انہیں موت کی شدت کے ساتھ حسرت و یاس کی تکلیف بھی ہو ملے مراد
ہیں کفار کے بت تدعون بنا ہے دعا سے جس کے لغوی معنی ہیں پکارنا اصطلاحی معنی ہیں پوجنا عبادت کرنا یہی اصطلاحی معنی یہاں
مراد ہیں دون بمعنی سوا بھی آتا ہے بمعنی دور بھی اور بمعنی مقابل بھی یہاں بمعنی سواء ہے یعنی اے کافرو جن معبودوں کی تم
پوجا کرتے تھے جن کی مدد کی تم آس لگائے تھے اب تم پر بہت سخت وقت ہے دنیا چھوٹنے کی شدت جانکنی کی شدت بتاؤ تمہارے
بت کہاں ہیں اب وہ تمہاری مدد ایسے آڑے وقت میں کیوں نہیں کرتے انہیں بلاؤ اس فرمان عالی کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں
مگر یہ تفسیر قوی ہے کہ رسل سے مراد ہے موت کے فرشتے اور یہاں کفار کی نزع کا ذکر ہے ان کی جانکنی کا نقشہ کھینچا گیا ہے تاکہ
مومن اور کافر کی موت میں فرق معلوم ہو قالوا ضلوا عنا یہ کفار کا جواب ہے جو وہ فرشتوں کو دیں گے ضلوا بنا ہے ضلال

معنی گم ہونا غائب ہونا ہے اور گم ہونے سے مراد ہے ضرورت کے وقت ان کا نظر نہ آنا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے بت ان کے پاس رہتے تھے اب غائب ہو گئے کیونکہ ان کے بت تو کبھی ان کے پاس نہ تھے نہ مدد کرتے تھے **وشهدوا على انفسهم انهم كانوا كافرين** یہ عبارت معطوف ہے **قالوا ضلوا** پر اور اس میں ان کے دوسرے کلام کا ذکر ہے یہاں شہادت بمعنی اقرار ہے چونکہ یہ اقرار اپنے خلاف ہے اس لئے اس کے بعد علیٰ ارشاد ہوا یعنی کفار اس وقت اپنے خلاف اقرار کریں گے **كانوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ زندگی بھر تو کافر رہے اب سارے کفر چھوڑ دیئے ایمان قبول کر لیا مگر اب ایمان لانا مفید نہیں کہ اس کا وقت نکل چکا کافرین فرما کر یہ بتایا کہ یہ ساری گفتگو مشرکین و کفار کی ہے وہ اپنے بتوں ہی کے غائب ہونے کا ذکر کر رہے ہیں اس کا تعلق مومنوں سے نہیں **ما كنتم تدعون** سے حضرات اولیاء اللہ و انبیاء کرام مراد نہیں لہٰذا اسے مومنوں پر چسپاں کرنا سخت جرم اور بے دینی ہے مومنوں کی مدد جانکنی اور قبر و حشر ہر جگہ ہوگی جیسا کہ بارہا بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی بھی ہے اور آسان بھی غور تو کرو کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اپنی بت پرستی شرک و کفر گناہوں کے متعلق کہے کہ ہم کو اللہ نے ان چیزوں کا حکم دیا رب تعالیٰ ان سے راضی ہے ہم اس کے حکم سے یہ سب کر رہے ہیں یا اللہ کی آیتوں یعنی نبیوں کی نبوت ان کے معجزات ان کی کتابوں ان کے احکام ان کے فرمان کا انکار کرے کہ یہ رب کی طرف سے نہیں ہیں یعنی جھوٹ کو سچ کہے اور سچ کو جھوٹ' بڑے ظالم یہی لوگ ہیں ان کافروں کو ان کا مقرر شدہ رزق' عمر روزی تو انہیں ملے گی ہی ہم دنیا میں کفر و بدکاری کی وجہ سے کسی کا رزق بند نہیں فرماتے۔

ولیکن خداوند بالا و پست!　　بہ عصیاں در رزق بر کس نہ بست

وہ اس روزی ملنے سے دھوکا نہ کھائیں یہ نہ سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ ہمارے کفر سے ناراض ہوتا تو ہم کو عیش آرام وسیع رزق کیوں دیتا یہ روزی وغیرہ انہیں موت تک ملے گی جب انہیں موت دینے کے فرشتے آئیں گے تو ان سے پہلے یہ پوچھیں گے کہ بتاؤ تمہارے بت کہاں گئے جن کی تم پرستش کرتے تھے اور ان کی مدد کی آس لگائے بیٹھے تھے اب ایسے آڑے وقت میں تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے اس سے زیادہ سخت وقت اور کون سا ہو گا تب وہ کہیں گے کہ افسوس وہ سب ہم سے اس وقت غائب ہی ہیں اب وہ اقرار کریں گے کہ وہ دنیا میں کافر رہے ہم کو خبر نہ تھی کہ ہمارا انجام یہ ہو گا مگر ان کا اس وقت کا یہ اقرار فائدہ نہ دے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیاوی جھوٹ سے دینی جھوٹ بہت ہی برا ہے یونہی دنیا والوں پر جھوٹ باندھنے سے دین والوں پر جھوٹ باندھنا بدتر ہے یہ فائدہ **من اظلم** سے حاصل ہوا پھر دینی ہستی کا جتنا درجہ بلند اتنا ہی اس پر جھوٹ باندھنا سخت جرم ہے عالم دین پر جھوٹ باندھنا کسی ولی پر' جھوٹ باندھنا نبی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا یہ سب ہی ظلم ہیں مگر ان کے درجات مختلف۔ **دوسرا فائدہ:** آیات قرآنیہ' معجزات مصطفوی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا انکار سب ہی بدترین کفر ہیں۔ یہ فائدہ **او كذب باياته** سے حاصل ہوا کیونکہ **اياته** میں یہ تمام مذکورہ چیزیں شامل ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اصلی سزا و جزا کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے دنیا میں کافروں منافقوں کو بھی روزی عمر رزق وغیرہ مل جاتے ہیں یہ فائدہ **ينالهم نصيبهم** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دنیا کے عیش و آرام دولت و صحت سے دھوکا نہ کھاؤ یہاں امام

حسین شہید ہوتے ہیں اور یزیدی بدکار رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جان نکالنے کے لئے مرنے والے کے پاس ملک الموت علیہ السلام بھی آتے ہیں اور ان کے معاون دوسرے فرشتے بھی۔ یہ فائدہ **جاء تھم رسلنا** سے حاصل ہوا کہ رسل جمع فرمایا گیا ملک الموت کی تشریف آوری اس آیت میں مذکور ہے **یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم۔ پانچواں فائدہ:** حضرت ملک الموت اور ان کے مددگار جان نکالنے والے فرشتے ایک وقت میں ہزاروں جگہ پہنچ جاتے ہیں اور بیک وقت تصرف کر لیتے ہیں کہ ہزاروں کی جان نکال لیتے ہیں یہ فائدہ **جاء تھم رسلنا** سے اور **یتوفونھم** سے حاصل ہوا **جاءتھم** سے ان کا ہزارہا جگہ پہنچنا اور **یتوفونھم** سے ان کا ہر جگہ تصرف کرنا ثابت ہوا ایسے ہی حساب قبر لینے والے فرشتے اور ماں کے پیٹ میں بچہ بنانے والا فرشتہ تقدیر لکھ جانے والا فرشتہ بیک وقت ہزارہا جگہ موجود ہو جاتے ہیں اپنی ڈیوٹی اور اپنا تصرف کر جاتے ہیں ہر جگہ حاضر ناظر ہو جانا بعض بندوں کی صفت ہے۔ آصف برخیا کا جسم شریف دربار سلیمانی سے غائب نہیں ہوا اور پلک جھپکنے سے پہلے ملک یمن سے تخت بلقیس اٹھا لائے۔ امت کا درود شریف پہنچانے والا فرشتہ لاکھوں درود خوانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہر آن گردش کرتا رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص ہزار بار درود پڑھے تو وہ ہزار بار حاضر بارگاہ ہو کر پیش کرتا ہے' رب نے اپنے بندوں کو بڑی طاقتیں بخشی ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ **چھٹا فائدہ:** جیسی میت ویسی ان فرشتوں کی شکل و شباہت ویسی ہی ان کی گفتگو مومن میت کے پاس یہ فرشتے نہایت اچھی شکل میں آتے ہیں اس سے نہایت ہی عمدہ اور بشارت والا کلام کرتے ہیں کہتے ہیں **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** اور کفار کے پاس نہایت ہیبت ناک شکل میں آتے ہیں اور اس سے بہت ہی سخت کلام فرماتے ہیں یہ فائدہ **قالوا این ما کنتم تدعون** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ وہ مشکل آسان کرے۔ **ساتواں فائدہ:** موت کے وقت اور موت کے بعد بے یار و مددگار ہونا کفار کے لئے خاص ہے مومن ۔بفضلہ تعالیٰ ان وقتوں میں بیکس و بے بس نہیں ہوتا یہ فائدہ **قالوا ضلوا عنا** سے حاصل ہوا مسلمان اپنے مرنے والے کے پاس بیٹھ کر کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اسے پانی پلاتے شہد چٹاتے ہیں بعد موت اس پر نماز جنازہ پڑھتے اس کے لئے ایصال ثواب وغیرہ کرتے ہیں یہ ہے مومنوں کی مدد' بہرحال اس آیت کو مومن سے کوئی تعلق نہیں ان مشکلوں میں کسی کی مدد نہ پہنچنا کفار کا عذاب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرتے وقت کفار سارے اسلامی عقائد پر ایمان لے آتے ہیں اپنے کفر کا اقرار کر لیتے ہیں مگر اس وقت کا یہ اقرار قبول نہیں کہ ایمان بالغیب چاہئے اس وقت یہ غیوب شہادت بن چکے۔ یہ فائدہ **وشھدوا علی انفسھم** سے حاصل ہوا آج وقت ہے جو کرنا ہے کر لو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر سے' دینی گناہوں کی وجہ سے عمر اور دنیاوی روزی کم نہیں ہوتی مگر احادیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے عمر اور رزق گھٹتے ہیں اور نیکیوں سے بڑھتے ہیں آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں وہ اصلی رزق و عمر مراد ہیں جن کی تحریر لوح محفوظ میں ہو چکی اور ان کی قضا مبرم واقع ہو چکی اس لئے یہاں **من الکتاب** ارشاد ہوا اور حدیث شریف میں وہ عمر و رزق عارضی مراد ہیں جو قضاء معلق کے طریقہ سے ملتے ہیں ان میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے قضاء مبرم اور قضاء معلق کا فرق ہم تیسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں ان دونوں تقدیروں کا ذکر اس آیت میں ہے **یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب**۔ جس سے معلوم ہوا کہ محو و اثبات والی تقدیر اور ہے اور ام الکتاب والی تقدیر کچھ اور لہذا یہ آیت بھی برحق ہے اور حدیث پاک بھی برحق۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے

معلوم ہوتا ہے کہ جان نکالنے والے فرشتے بہت سے ہیں کہ یہاں وسلنا جمع ارشاد ہوا۔ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فرشتہ ہے ارشاد ہوا یتوفاکم ملک الموت الذی وہاں ملک واحد ارشاد ہوا دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔
جواب: جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہی ہے مگر اس وقت ان کی خدمت و تعاون کرنے والے فرشتے بہت ہیں ان میں سے بعض جان کو اعضاء سے کھینچتے ہیں اور بعض بعد قبض اس کو قبضہ میں لے لیتے ہیں جیسے مریض کے اپریشن کے وقت ڈاکٹر ایک ہی ہوتا ہے مگر اس کی مدد کو کمپونڈر اور نرسیں بہت سے ہوتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کا کام یہ ہے کہ جب جان سینہ تک کھچ کر آجائے تو اسے قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کر دیتے ہیں یہاں اور خدام فرشتوں اور افسر سب کا ذکر ہے وہاں اس آیت میں صرف افسر اعلیٰ یعنی حضرت عزرائیل کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت شریف سے معلوم ہوا مرتے وقت کوئی پیر فقیر ولی نبی کام نہیں آتے سب غائب ہو جاتے ہیں اور فرشتے اس پیر پرستی ولی پرستی نبی پرستی پر ملامت کرتے ہیں لہٰذا زندگی میں مدد کے لئے پیروں فقیروں کو پکارنا ان سے مدد مانگنا سب شرک ہے اور عذاب کا باعث (وہابی)۔ **جواب:** یہاں نبیوں ولیوں کا ذکر نہیں بلکہ بتوں اور جھوٹے معبودوں کا ذکر ہے اور یہ خطاب مشرکین و کفار سے ہے اسی لئے یہاں **تدعون** ارشاد ہوا یعنی **تعبدون** اور آگے ارشاد ہوا **انھم کانوا کافرین** مشرکوں کی آیات مسلمانوں پر اور بتوں کی آیات حضرات انبیاء کرام پر پڑھنا خارجیوں کا طریقہ ہے (بخاری شریف) اگر غیر اللہ کو پکارنے والوں پر یہ عتاب ہو تو ہر نمازی اس آفت میں گرفتار ہوگا کیونکہ وہ ہر التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** نیز پھر تمہاری بھی خیر نہیں کہ تم دن رات ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ نزع، قبر و حشر میں حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حسن خاتمہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان پر قبر میں کامیابی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر محشر میں چھٹکارا موقوف ہے۔ ہر وقت موت حضرات اولیاء اللہ کی مدد کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا بعض اہل دل سے ثابت ہے بلکہ زندہ مومنین ظاہر ظہور تلقین کر کے حسن خاتمہ میں مدد دیتے ہیں اسی لئے مرنے والے کے پاس کلمہ طیبہ پڑھنا سنت ہے بلکہ بعد دفن تلقین بھی مسنون ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ فرماؤ اگر مومنین بھی کفار کی طرح نزع اور آخرت میں بے کس ہوں تو اس بے کسی کی سزا میں مومن و کفار برابر ہوئے پھر یہ بے کسی ان کفار کے عذاب کے سلسلے میں کیوں بیان کی گئی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مرتے وقت اپنے کفر کا اقرار کر لیتے ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وہ قیامت میں بھی اپنے کفر کا انکار کریں گے کہیں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** کفار کے مختلف وقتوں میں مختلف حالات اور مختلف جوابات ہوں گے مرتے وقت اپنے کفر کا اقرار قیامت میں پہلے وقت انکار بعد میں اقرار دوزخ میں داخل ہوتے وقت اقرار۔ ان مختلف آیات میں ان مختلف حالات کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا **ضلوا عنا** اور بت اور شیاطین ہم سے غائب ہو گئے مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نزع کے وقت شیاطین آکر مردے کو بہکاتے ہیں بلکہ قبر میں بھی بہکانے کے لئے پہنچتے ہیں اس آیت اور ان احادیث میں تعارض ہے بلکہ قرآنی آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان مرتے وقت تک گمراہ کرتا ہے پھر وہ غائب تو نہ ہوئے تو **ضلوا عنا** کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہاں مدد کے لئے حاضر ہونے کا انکار ہے۔ جس کی کفار کو آس تھی شیاطین اس وقت مدد کے لئے نہیں بلکہ گمراہ کرنے کو حاضر ہوتے ہیں مدد کی حاضری اور ہے اور

گمراہ کرنے کے لئے موجودگی کچھ اور ثبوت اور چیز کا ہے نفی دوسری چیز کی۔ لہٰذا آیات میں اور آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ چھٹا اعتراض: تم نے ابھی تفسیر میں کہا کہ فرشتوں کی ایک ہی جماعت ہے جو کفار کی جان نکالنے کے لئے ڈراونی شکل میں جاتے ہیں اور مومنین کی جان نکالنے کے لئے نہایت حسین شکل میں یہ کیسے ہو سکتا ہے شکل تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جواب: فرشتے تو پر نور مخلوق ہیں انسان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں غصہ کی شکل اور ہوتی ہے سکون کی شکل اور بیماری کی صورت اور تندرستی کی صورت اور۔ یوسف علیہ السلام کو جب قافلہ والے نے کنوئیں سے نکالا تو آپ اتنے ہلکے تھے کہ اسے پانی کا ڈول معلوم ہوا مگر چند روز کے بعد جب عزیز مصر نے سونے وغیرہ سے وزن کر کے خریدا تو آپ قریباً "پانچ من تھے کنوئیں پر آپ کا حسن اور تھا بازار مصر میں اور مگر جب مصری عورتوں نے دیکھا تو ایسا حسن تھا کہ انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

تفسیر صوفیانہ : کفار اہل انکار ہیں جنہوں نے اخیار یعنی مقبولوں کے ارشادات سے منہ پھیرا اچھی خصلتوں سے دور ہو گئے برے طریقے اختیار کر لئے انبیاء و اولیاء کے طریقے سے ہٹے بروں کے طریقوں پر چلے اس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی غلطیوں کا اقرار اس وقت کریں گے جب اقرار کام نہ آئے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آجال (موت) سے پہلے اپنے حال کی اصلاح کر لو وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ **جددوا ایمانکم** اپنا ایمان نیا کرتے رہو وہاں یہ مطلب ہے کہ ایمان کے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ترقی کرتے رہو ایمان کے اٹھارہ درجے و مراتب ہیں جو تصوف کی کتب میں مذکور ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

تازہ کن ایمان نہ از قول زبان — اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں
تا ہوا تازہ است و ایمان تازہ نیست — کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

مومن اپنے ایمان کا اقرار کرتا ہوا کلمہ پڑھتا ہوا مرتا ہے کافر اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا مرتا ہے فرشتے ان دونوں کے گواہ ہوتے ہیں۔ مومن اللہ رسول نبیوں ولیوں کو نہیں بھولتے تو وہ بھی مومن کو نہیں چھوڑتے۔ کفار دنیا میں ہی مصیبت کے وقت اپنے بتوں کو بھول جاتے ہیں ان کی رسی کمزور ہے مومن کی رسی مضبوط۔ رب فرماتا ہے **فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی** مومن کو ہوشیار رہنا چاہئے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں کی صفت ہے موت دینا **یتوفونہم** اس کے مقابل نبی خصوصاً "نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو زندگی بخشتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **واحی الموتی باذن اللہ** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب نے فرمایا **لما یحییکم** وہ تم کو زندگی بخشتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی مل جائے وہ موت سے بھی نہیں مٹتا اس کی موت اسے چھپاتی ہے مٹاتی نہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے بھی زندہ کئے اور بے جان لکڑیوں کنکروں پتھروں کو جان بخش کر کلمہ پڑھوایا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی
فرمایا داخل ہو جاؤ تم ان گروہوں میں کہ بے شک گزر گئے تم سے پہلے جن اور انسان سے آگ
اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں

النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا

ہیں جب کبھی داخل ہوگا ایک گروہ تو لعنت کریگا اپنے جنس پر حتیٰ کہ جب جمع ہو جائیں گے وہ سب اس میں تو

انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل ہوتا ہے دوسرے پہ لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

کہیں گے آخری لوگ ان کے اگلوں سے انکے اے رب ہمارے یہ لوگ وہ ہیں کہ گمراہ کیا انہوں نے ہم کو پس

تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے انہوں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب

النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ

دے انکو سزا دگنی آگ سے فرمائے گا کہ واسطے ہر ایک کے دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ اور کہیں گے اگلے انکے واسطے پچھلوں

دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

کے ان کے پس نہیں تھا واسطے تمہارے اوپر ہمارے کوئی بزرگی بس چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تھے تم کماتے

تو تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلا اپنے کیے کا

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اس جواب کا ذکر تھا جو کفار مرتے وقت جان نکالنے والے فرشتوں کو دیتے ہیں اب ان فرشتوں کے جواب الجواب کا تذکرہ ہے کہ فرشتے ان کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی جانکنی اور ان کی اس وقت کی بے کسی بے بسی کا ذکر ہوا اب ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے جو مرنے بلکہ بعد قیامت انہیں دیا جائے گا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ مرتے وقت کفار کا دوست کوئی نہیں ہوتا وہ سب بے کس و بے بس رہ جاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان کی دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں کفار و شیاطین جمع تھے نزع کے وقت علیحدہ ہو گئے اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ سب دوزخ میں دائمی طور پر جمع ہوں گے مگر ان کی آپس میں عداوت ہو گی۔

تفسیر : قال ادخلوا فی امم قال میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ کفار کی جانکنی کے وقت کی گفتگو کا ایک حصہ ہے اور قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا جان نکالنے والا فرشتہ ادخلوا سے مراد ہے عالم برزخ میں ان امتوں سے جا ملو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ گفتگو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد کی ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے چونکہ دوزخ میں کفار کا داخلہ ایک ساتھ نہ ہوگا بلکہ ترتیب وار ہوگا' سرداران کفر پہلے وہاں پہنچیں گے ماتحت بعد میں اس لئے فی امم ارشاد ہوا عام مفسرین نے یہی احتمال اختیار کیا کیونکہ اگلے مضمون سے یہ تفسیر زیادہ موافقت رکھتی ہے امم جمع ہے امۃ کی امت کے معانی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں قد خلت من قبلکم یہ عبارت امم کی صفت ہے خلت بمعنی دخلت ہے

اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی خلت بمعنی مضت ہو یعنی جو جماعت کفار تم سے پہلے یہاں سے گزر کر دوزخ میں داخل ہو گئی یعنی رب تعالیٰ قیامت میں حساب و کتاب کے بعد تابع کافروں سے فرمائے گا کہ جو کفار کی جماعتیں تم سے پہلے دوزخ میں چلی گئیں تم بھی ان میں جا کر شامل ہو جاؤ من الجن والانس فی النار اس عبارت میں من بیانیہ ہے اور جن و انس بیان ہے امم کا فی النار کا تعلق ادخلوا سے ہے چونکہ جنات کا کفر بہت زیادہ ہیں مومن بہت تھوڑے نیز جنات کا کفر انسانوں کے کفر سے پہلے ہے کیونکہ زمین میں پہلے جن آباد تھے انہوں نے کفر سرکشی فساد بہت ہی پھیلائے تب رب تعالیٰ نے ابلیس کی سرکردگی میں فرشتوں کی ایک فوج بھیجی جس نے اکثر جنات کو ہلاک کیا بچے کھچوں کو کھلی زمین سے نکال دیا پھر آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ان وجوہ سے جنات کا ذکر پہلے ہوا اور انسانوں کا ذکر بعد میں (روح البیان) انسانوں میں بھی کافر و مومن رہے اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے کفر کی ابتدا قابیل سے ہوئی اور انتہا قیامت پر ہو گی۔ (روح) کلما دخلت امۃ لعنت اختھا یہ جملہ نیا ہے جس میں کفار کے ایک اور خاص عذاب کا ذکر ہے یعنی آپس کی نااتفاقی اور ایک دوسرے کو لعن طعن' کلما آتا ہے عموم ظرف یا عموم شرط کے لئے یعنی جب کبھی دوزخ میں ایک جماعت جائے گی تو اپنے ہم جنس پر لعنت کرے گی اس طرح کہ یہودی یہودیوں پر لعنت کریں گے عیسائی عیسائیوں پر مجوسی مجوسیوں پر اخت بمعنی ہم جنس ہے لعنت بمعنی پھٹکار رحمت سے دوری کی بددعا۔ اس جملہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانے والی جماعت ان پر لعنت کرے گی جو دوزخ میں پہلے پہنچ چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پہلے پہنچے ہوئے دوزخی ان نو وارد دوزخیوں پر لعنت کریں گے کہ تمہارا بیڑا غرق ہو ہم تو یہاں تھے ہی تم یہاں کیوں آگئے۔ یا تو سرداران کفر دوزخ میں پہلے پہنچیں گے تابعین اور ماتحت بعد میں یا اس کے برعکس بہرحال دوزخ میں جاتے ہی ان کی پہلی تواضع خاطر مدارت لعنت و پھٹکار سے ہو گی۔ حتی اذا ادارکوا فیھا جمیعا۔ یہ لعنت کی انتہاء ہے یعنی یہ لعن طعن کا سلسلہ اس وقت تک رہے گا۔ جب کہ سارے دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں اداركوا اصل میں تدارکوا تھا باب تفاعل کا ماضی ت کو دال کر کے دال میں ادغام کر دیا الف اول میں لگا دیا اس کا مادہ درک ہے بمعنی پا لینا مل جانا جمع ہو جانا (تفسیر کبیر) فیھا کا مرجع نار ہے اور جمیعا ادارکوا کے فاعل سے حال قالت اخرھم لاولھم یہ عبارت اذا کی جزا ہے اخری سے مراد ہے نیچے درجے کے کفار اولی سے مراد ہیں اونچے درجے کے کفار یعنی سردار اور پوپ پادری پنڈت وغیرہ جنہوں نے اپنے ماتحتوں کو کافر بنایا تھا یا اخری سے مراد کفار کی اولاد ہو اور اولی سے مراد ان کے باپ دادے یعنی کفار کی اولاد اپنے باپ دادوں کی شکایت اور زیادتی عذاب کی بددعا کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ اخری سے مراد دوزخ میں پیچھے پہنچنے والے کفار ہوں اور اولی سے مراد وہاں پہلے پہنچ جانے والے کفار ہوں کفار کے سردار دوزخ میں پہلے پہنچیں گے تابعین پیچھے یا اخری سے مراد وہ کفار ہوں جو دنیا میں پیچھے آئے اور اولی سے مراد وہ کفار جو دنیا میں پہلے آئے جنہیں دیکھ کر بن کر پچھلے لوگ کافر بنے جیسے اولاد اپنے باپ داداؤں کے دین پر ہوتی ہے لہذا اخری اور اولی میں تین تفسیریں ہیں لاولی میں لام صلہ کا نہیں یعنی اس کے معنی یہ نہیں کہ پچھلے اگلوں سے کہیں گے بلکہ یہ ہیں کہ پچھلے اگلوں کے متعلق کہیں گے' کس سے کہیں گے رب تعالیٰ سے جیسا کہ آگے آ رہا ہے ربنا ھولاء اضلونا' ھولاء سے اشارہ انہیں سرداروں کی طرف ہے یعنی اولیٰ کی جانب اضلوا کے معنی ہیں انہوں نے ہم کو کافر بنایا یا بہکایا یا کہ وہ ہمارے کافر بننے کا سبب بنے کہ ان کی وجہ سے ہم کافر ہوئے لہذا امام یہ قول اخری اولی کی تینوں تفسیروں پر منطبق ہے فاتھم عذابا" ضعفا من النار یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط سے تعلق رکھتی ہے یعنی چونکہ

ہم کو بہکانے والے گمراہ کرنے والے یہ لوگ ہیں لہذا انہیں سزا ہم سے زیادہ دے۔ ضعفا "ایک گنا کو بھی کہتے ہیں اور بہت گنا کو بھی یہاں دونوں احتمال ہیں۔ خیال رہے کہ ضعف ض کے فتح سے مصدر ہے اور ض کے کسرہ سے اسم۔ دس گنا بلکہ سو گنا کو بھی ضعف کہتے ہیں ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

جزیتک ضعف الود لما اشتکیتہ وما ان جزاک الضعف من احد قبلی

اس شعر میں دونوں جگہ ضعف بمعنی بہت گنا ہے مطلب یہ کہ ہم نے صرف ایک گناہ کیا کہ ہم دنیا میں کافر ہوئے مگر یہ لوگ خود بھی کافر ہے اور ہم سب کو انہوں نے کافر بنایا ہم صرف گمراہ ہیں مگر یہ لوگ خود بھی کافر ہے اور ہم سب کو انہوں نے کافر بنایا۔ ہم صرف گمراہ ہیں مگر یہ گمراہ گر بھی پھر ان میں سے ہر ایک نے ہم جیسے سینکڑوں کو گمراہ کیا ان کا جرم ہم سے صد ہا گنا زیادہ ہے لہذا ان کی سزا ہم سے صد ہا درجہ زیادہ ہونا چاہئے۔ جب کسی پر غصہ آتا ہے تو پہلے تو اسے مارنے کی کوشش کرتا ہے اگر نہ مار سکے تو اسے گالیاں دیتا ہے پھر کوستا اور بددعائیں دیتا ہے وہ لوگ پہلے تو مارنے کی کوشش کریں گے مگر فرشتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے یہ نہ کر سکیں گے تو لعن طعن پھٹکار کریں گے اور انہیں بددعائیں دیں گے کہ خدایا انہیں دوگنا عذاب دے لیکن وہاں ان کی دعا یا بددعا قبول نہ ہوگی **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** اس لئے ارشاد ہوگا کہ **قال لکل ضعف ولکن لا تعلمون** یہ عبارت ان کی دعا کا جواب ہے قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے کہ وہ یا براہ راست یا فرشتوں کی معرفت انہیں یہ جواب دے گا لکل ضعف کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے آسان تفسیریں دو ہیں ایک یہ لکل کا مضاف الیہ کم ضمیر ہے جو حذف کر کے اس کے عوض کل پر تنوین آئی اور ضعف کے معنی ہیں ہر اگلی گھڑی میں پچھلی گھڑی سے عذاب دوگنا ہے مقصد یہ ہے کہ سرداروں نے بھی دو جرم کئے خود گمراہ ہونا اور تم کو گمراہ کرنا اور تم لوگوں نے بھی دو گناہ کئے خود گمراہ ہونا اور ان گمراہوں کی اطاعت کرنا جیسے بہکانا جرم ہے ویسے ہی بہکانے والوں کے پاس جانا ان سے دوستی رکھنا ان کی بات ماننا بھی جرم ہے لہذا تم سب کو عذاب اس طرح دیا جائے گا کہ اگلا عذاب پچھلے عذاب سے دوگنا ہوتا رہے گا۔ عذاب میں بجائے کمی کے زیادتی ہوتی رہے گی یہ معنی عام مفسرین نے کئے۔ یا یہ کہ انہوں نے تم کو کافر بنایا اور تم نے کافر ہو کر اپنے بال بچوں بلکہ اپنی نسل کو کافر بنایا لہذا تم بھی گمراہ گر ہوئے دوسرے یہ کہ لکل کا مضاف الیہ ھم ضمیر ہے اور معنی یہ ہیں کہ ان سرداروں میں سے ہر ایک کو تم سے دوگنا عذاب ہو رہا ہے واقعی وہ سخت سزا کے مستحق ہیں اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ زدناھم عذابا** اور **ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم**۔ یہ دوسری تفسیر مذکورہ تفسیر ابن کثیر نے کی اب **لا تعلمون** کے معنی یہ ہوئے کہ تم ان سرداروں کی شدت عذاب کو جانتے نہیں' انہیں تم سے سخت تر عذاب ہو رہا ہے (ابن کثیر)۔ خیال رہے کہ گناہ کرنے والا کرانے والا اور گناہ ایجاد کرنے والا سب ہی مجرم ہیں مگر کرنے والے سے کرانے والا بڑا مجرم پھر گناہ کا موجد سب سے بڑا مجرم کہ جب تک لوگ یہ جرم کریں گے سب کا گناہ اس موجد کے ذمہ ضرور ہو گا لہذا یہاں ضعف کی تنوین تعظیمی ہے۔ **وقالت اولھم لاخراھم** اس عبارت میں ماتحتوں کی دعا کا وہ جواب ہے جو انہیں سرداروں کی طرف سے ملے گا ولی سے مراد سردار ہیں اور آخری سے مراد ماتحت کفار یہاں لام کا صلہ ہے کیونکہ سرداروں کا یہ کلام خود ان ماتحتوں سے ہو گا نہ کہ رب تعالیٰ سے یعنی سردار اپنے ان ماتحتوں سے جوابا" کہیں گے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بلند آواز سے انہیں کو سنا تھا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا **فما کان لکم علینا من فضل**۔ ان سرداروں کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کا

جواب سننے کے بعد ہو گا لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی تم ہلکے عذاب کے مستحق نہیں کیونکہ دنیا میں تم کو ہم پر کوئی بزرگی حاصل نہ تھی کفر میں ہم تم برابر تھے رہی یہ بات کہ ہم نے تم کو بہکایا تو تم نے بھی ہم کو بہکایا تم نے ہماری باتیں مان کر ہم کو سردار بنا کر ہم میں تکبر و غرور پیدا کر دیا جس سے ہم اور بھی کفر میں سخت ہو گئے رب فرماتا ہے **یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا** لہٰذا ہم تم دونوں جرموں میں برابر ہیں جب یہ ہے تو **فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون** یہ عبارت جواب ہے **فما کان لکم** یعنی جب ہم تم دونوں جرموں میں برابر ہیں تو سزا میں بھی برابر ہونے چاہئیں تم اپنا عذاب برداشت کئے جاؤ ہم اپنا عذاب برداشت کئے جائیں تم بھی خاموش رہو ہم بھی خاموش رہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان آیات کریمہ کی دو تفسیریں ہیں اگر یہ کلام کفار کی موت کے وقت کا ہے تو اس کی تفسیر کچھ اور ہو گی کہ اس میں عالم برزخ کا ذکر ہے اور اگر قیامت کے فیصلہ کے بعد کا ذکر ہے تو اس کی تفسیر دوسری ہے ہم یہاں دوسری تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں 'اللہ تعالیٰ ان کفار سے قیامت کے حساب و کتاب کے بعد براہ راست یا بذریعہ فرشتوں کے فرمائے گا کہ تم سے پہلے جن و انس کی بہت سی جماعتیں اپنا فیصلہ سن کر دوزخ میں چلی گئیں تم بھی اپنا فیصلہ سن چکے دوزخ میں جاؤ اور اپنی اپنی جماعت میں داخل ہو جاؤ' چنانچہ یہ لوگ مختلف ٹولیاں بن کر دوزخ میں جاتی رہیں گی۔ کیفیت یہ ہو گی جب ایک ٹولی اپنے دوزخی ٹھکانہ میں پہنچے گی تو یہ ٹولی ان پر یا اگلی ٹولی جو پہلے سے وہاں موجود ہے ان پر لعنت و پھٹکار کرے گی کہ ہم تو یہاں تھے تم یہاں کیوں آ گئے۔ ان کی آپس میں نااتفاقی لعن طعن پھٹکار بھی ان پر عذاب ہو گا حتی کہ یہ سب لوگ دوزخ میں جب جمع ہو جائیں گے تو پیچھے جانے والے یعنی متبعین اپنے سرداروں کے متعلق رب سے عرض کریں گے جو ان سے پہلے وہاں پہنچے تھے کہ خدایا اگرچہ ہم سب کافر ہیں مگر ہم صرف کافر ہیں اور یہ مردود کافر بھی ہیں اور کافر گر بھی کہ انہوں نے ہی دنیا میں ہم کو بہکایا تھا لہٰذا اے مولیٰ انہیں ہم سے چندر چند عذاب زیادہ دے۔ رب تعالیٰ جواباً" فرمائے گا کہ بے فکر رہو تم دونوں کو چندر چند عذاب دیا جائے گا کہ ہر اگلی آن کا عذاب پچھلی گھڑی کے عذاب سے زیادہ ہو گا یا ہم نے پہلے سے ہی ان سرداروں کا عذاب تم سے زیادہ کر دیا ہے مگر تمہیں خبر نہیں تم سمجھ رہے ہو کہ تم کو عذاب بہت سخت ہے۔ یہ سن کر سردار کہیں گے کہ بیوقوفو! تم ہم سے افضل نہ تھے تم بھی اپنی اولاد بیویوں کے کافر گر تھے کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے متعلقین کافر بنے نیز تم نے ہمیں سردار بنا کر ہم میں تکبر پیدا کر دیا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم خاموش رہو اپنی حرکتوں اپنے جرموں کی سزا بھگتے جاؤ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: دوزخ میں سارے کفار یکدم نہیں جائیں گے بلکہ نمبروار آگے پیچھے داخل ہوں گے سرداران کفر پہلے پہنچیں گے ان کے ماتحت لوگ بعد میں۔ یہ فائدہ **فی امم قد خلت** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا** - **دوسرا فائدہ**: دوزخ میں کفار جن و انس دونوں ہی جائیں گے یہ فائدہ **من الجن والانس** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** **تیسرا فائدہ**: قیامت میں ہر ایک اس کے ساتھ ہو گا جس سے دنیا میں اس کے دل کا تعلق رہا ہو گا ان کے زمانے اور مقامات ایک ہوں یا مختلف۔ یہ فائدہ **ادخلوا فی امم** سے حاصل ہوا ان شاء اللہ جنتیوں کا بھی یہی حال ہو گا۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمان کو اگر عارضی طور پر دوزخ میں بھیجے گا تو اس کی پردہ دری بھی نہ ہو گی اور ایک دوسرے پر لعن طعن پھٹکار بھی نہ ہو گی صدقہ سے اپنے حبیب کے اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ یہ فائدہ **لعنت اختھا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: کفار

کی دنیاوی دوستیاں آخرت میں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی حتی کہ وہاں باپ بیٹے کالو رماں بیٹی کی دشمنی یونہی سردار ماتحتوں کے دوست دوست کے دشمن ہو جائیں گے یہ فائدہ **فا تہم عذا با ضعفا** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **الا خلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین**۔ چھٹا فائدہ: بروں کی صحبت اللہ کا بڑا عذاب ہے باقی عذاب اس سے ہلکے یہ فائدہ **فی امم قد خلت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے کافر قوموں کے زمرہ میں داخل ہونے کا ذکر پہلے کیا نار یعنی آگ کا ذکر بعد میں یونہی اچھوں کی صحبت اللہ کی بڑی رحمت ہے جنت اس کے بعد رب نے فرمایا **ا دخلی فی عبادی و ا دخلی جنتی** وہاں بھی عباد اللہ کی جماعت میں داخلہ کا ذکر پہلے ہے اور جنت میں داخلہ کا ذکر بعد میں دنیا و آخرت میں صحبت عجیب ہے۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں ہر تکلیف پہلے زیادہ محسوس ہوتی ہے بعد میں زیادہ نہیں مگر دوزخ میں کفار کے لئے یہ نہ ہو گا وہاں ہر آن تکلیف یا تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا جائے گا۔ یہ فائدہ **لکل ضعف** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ہر دوزخی کافر سمجھے گا کہ سب سے زیادہ تکلیف میں ہوں اگرچہ اسے ہلکا عذاب ہی ہو یہ فائدہ **ولکن لا تعلمون** سے حاصل ہوا دنیا میں دیکھو کہ ہر مصیبت زدہ اپنے کو بڑی مصیبت میں سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کفار کے نا سمجھ بچوں اور پاگلوں کو عذاب نہ دے گا جو نا سمجھی اور دائمی دیوانگی میں فوت ہو گئے ہوں کیونکہ دوزخ صرف کسبی ہے یہ فائدہ **بما کنتم تکسبون** سے حاصل ہوا کیونکہ انہوں نے کفر و گناہ کا کسب نہیں کیا بلا جرم سزا دے دینا ایک قسم کا ظلم ہے رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلے کافر اگلے کافروں کے لئے زیادتی عذاب کی دعا کریں گے پچھلے اگلوں میں فرق کیا ہے کافر سب ہی ہیں پچھلے ہوں یا اگلے تو اگلے کافر پچھلوں کے لئے یہ بددعا کیوں نہیں کریں گے۔ جواب: یہاں اگلے پچھلوں سے زمانہ کے اگلے پچھلے مراد نہیں بلکہ درجے کے اگلے پچھلے مراد ہیں پچھلوں سے مراد ہیں متبعین کفار اور اگلوں سے مراد ہیں سرداران کفر۔ ماتحت لوگ سرداروں کے لئے زیادتی عذاب کی بددعا کریں گے جیسا کہ **ا ضلونا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کافروں کا عذاب یکساں ہو گا کہ فرمایا **ضعف** مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **زدنا ھم عذا با** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سرداران کفر کو عذاب زیادہ ہو گا۔ ان آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکے ایک یہ کہ **لکل ضعف** کے معنی ہیں **لکلہم ضعف** ان سارے سرداروں کو عذاب زیادہ ہو رہا ہے یعنی جس زیادتی کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ زیادتی پہلے ہی سے موجود ہے لہٰذا تمہارا یہ مطالبہ بیکار ہے دوسرے یہ کہ **لکل** کے معنی ہیں **لکلکم** یعنی تم سب کو عذاب زیادہ ہے تب اس کے کئی مطلب ہیں ایک یہ کہ ہر اگلی ساعت میں تم سب کو پچھلی ساعت سے زیادہ عذاب ہو گا دوسرے یہ اے تابعین کافرو تم بھی خود کافر اور دوسروں کو کافر بنانے والے ہو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے بیوی بچوں دوستوں کو کافر بناتا ہے لہٰذا تم سب کافر گر ہو تم سب کو زیادہ عذاب ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے اپنی ماتحتوں کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی رب فرماتا ہے **قوا انفسکم و اھلیکم نارا** بہرحال ہر کافر گمراہ بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کافر کو صرف اپنے کسب و عمل کا بدلہ ملے گا **بما کنتم تکسبون** دوسرے کے عمل کا بدلہ نہیں ملے گا۔ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداران کفر کو اپنے ماتحت کافروں کے کفر کا بھی عذاب ہو گا کہ کفر کریں گے وہ ماتحت سزا بھگتیں گے یہ سردار ان میں تعارض

ہے۔ **جواب:** دوسروں کو گمراہ کرنا اس گمراہ کن کا اپنا کسب ہے اب وہ گمراہ لوگ جو بھی جرم کریں گے اس جرم میں اس گمراہ گر کا حصہ بھی ہو گا کہ اس کی تعلیم سے اس نے یہ جرم کیا اس لئے تمام ماتحتوں کے جرم اس پیشوا کے اپنے کسب کا نتیجہ ہیں اس لئے ان سب کی سزا سے زیادہ اس کی سزا ہے جو اس کے اپنے کسب کی سزا ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں حجاب ہے آخرت میں کشف ہو گا جو یہاں بیان ہے وہ وہاں عیاں ہو گا۔ دنیا میں ہر کافر اپنے مثل کی طرف مائل ہے اور مومنوں بلکہ نبیوں ولیوں سے بیزار ہے مگر یہ میلان **الی الکفر** اس وقت تک ہے جب تک جسم میں جان ہے اس جان کے نکلتے ہی سب کچھ عیاں ہے۔ اب ایمانی دوستیوں کے لئے قرار ہو گا اور نفسانی شیطانی دوستیوں سے فرار پھر ایک دوسرے پر لعنت و پھٹکار ہو گی اس کے بعد رب تعالیٰ کی پکار ہو گی کہ خدایا ان کو دوگنا عذاب دے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت مخلوق کو اپنی طرف بلایا جس نے یہ بلاوا نہ سنا اس پر دھیان نہ دیا وہ دوزخ میں گرا صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوزخ اور اس کی آگ بھی اللہ کی رحمت ہے جیسے بادشاہ اپنی رعایا کی شاندار دعوت کرے اور اعلان کرے کہ جو اس دعوت میں نہ آئے گا اس کو سخت سزا ملے گی تو یہ سخت سزا بھی اس کی شفقت و محبت کی بنا پر ہے تاکہ رعایا اس ڈر سے میری نعمتیں کھالیں نمرود کی آگ بظاہر شر تھی درحقیقت خیر انسان کو چاہئے کہ زندگی کو غنیمت جانے دوست دشمن کو پہچانے اللہ کے پیاروں کو اپنا دوست سمجھے ان سے رشتہ غلامی جوڑے اس کے دشمنوں سے ہر قسم کا رشتہ توڑے کہ اس میں نجات ہے۔ ان تمام سعادتوں کی اصل صالحین کی صحبت ہے یہ سودے ان کی دکانوں سے ملتے ہیں سورج کی شعاعیں "آنا فانا" رات بھر کا پالا شبنم کو پانی بنا کر بہا دیتی ہے۔ اللہ والوں کی نگاہیں دل کی زمین سے عمر بھر کے گناہوں کی شبنم پانی بنا کر بہا کر رحمت کے پانی سے دل دھو دیتی ہیں "اچھوں کی صحبت دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت ہے بروں کی صحبت اللہ کا عذاب۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں محبتیں تین طرح کی ہیں محبت جسمانی، محبت نفسانی، محبت ایمانی۔ رشتہ یا صحبت یا ملاقاتوں کی وجہ سے جو محبت ہو وہ جسمانی ہے جیسے اولاد ماں باپ یار دوستوں بلکہ اپنے پالے ہوئے جانوروں رہائش کے مکان وطن ملک سے محبت کہ یہ سب محبت جسمانی ہیں جن پر نہ ثواب نہ عذاب محبت نفسانی وہ جو گناہوں کی وجہ سے ہو جیسے کافر کو کافر سے محبت چور کو چور سے شرابی کو شرابی سے محبت ایمان وہ جو ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہو۔ نفسانی محبت یا گناہ ہے یا کفر' ایمانی محبت بہترین عبادت جسمانی نفسانی محبتیں دیکھ کر رت کر ہوتی ہیں مگر ایمانی محبت بغیر دیکھے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے نبی ولی سے مومنوں کی محبت نیز محبت جسمانی کے لئے فنا ہے بعد موت ختم' محبت نفسانی عداوتوں میں تبدیل ہو جائے گی مگر محبت ایمانی دنیا' برزخ' قیامت جنت ہر جگہ رہے بلکہ بڑھے گی یہ آیت نفسانی محبت کا انجام بیان کر رہی ہے۔ جس کا انجام عداوت اور شکایت ہے ایمانی محبت کا نتیجہ شفاعت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ
بے شک وہ لوگ جھوٹا کہا جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے واسطے ان کے دروازے
وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ

آسمان کے نہیں داخل ہوں گے وہ جنت میں حتیٰ کہ گھس جائے اونٹ ناکے میں سوئی کے اور اسی طرح

گے جب تک سوئی کے ناکے میں اونٹ نہ داخل ہوں اور مجرموں

نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

بدلہ دیتے ہیں ہم مجرموں کو واسطے ان کے دوزخ سے ہے بستر اور ان کے اوپر چادریں

کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو

اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی دوزخی سزاؤں کا ذکر ہوا اب ان کے رحمت الٰہی سے بالکل محرومی کا تذکرہ ہے کہ وہ کسی قسم کی رحمت کے مستحق ہوں گے ہی نہیں یعنی ملنے والی سزا کا ذکر پہلے ہوا نہ ملنے والی رحمت کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کے دوزخ میں بیرونی عذاب کا ذکر تھا۔ یعنی آپس کی لعن طعن پھٹکار ایک دوسرے کو کوسنا اب ان کے اندرونی دوزخی عذاب کا ذکر ہے یعنی آگ کا اوڑھنا بچھونا وغیرہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے عذابوں اور رحمت سے محرومیوں کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا نعمتوں سے محروم رہنا واجب ہے اور رحمتوں کا پانا بالکل ناممکن ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا ذکر تھا اب اس ہیشگی کی نوعیت کا ذکر ہے۔ (کبیر)۔

تفسیر: **ان الذین کذبوا بایاتنا** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** سے مراد ساری قسموں کے کافر انسان مراد ہیں **کذبوا** بنا ہے تکذیب سے بمعنی جھوٹا کہنا۔ جھوٹا جاننا لوگوں سے جھوٹا کہلوانا **کذبوا** باب تفعیل مبالغہ کے لئے ہے یعنی انہوں نے خوب ہی جھٹلایا کہ دل سے زبان سے عمل سے جھٹلایا۔ اس صورت میں منافقین اور ساترین اس سے خارج ہیں کہ ان کی سزا کچھ اور ہے یا معنی یہ ہیں کہ جھٹلاتے رہے یعنی مرتے دم تک کفر کرتے رہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ظاہر یہ ہے کہ **الذین** میں کفار جن داخل نہ ہوں کہ جس شدت کا کفر انسان کرتا ہے اس شدت کا کفر جن نہیں۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی آیات جمع فرما کر ہر قسم کی نشانیاں مراد لی گئیں۔ دہریئے رب کی ذات وصفات کے دلائل و آیات کے منکر ہیں۔ مشرکین دلائل توحید کے انکاری ہیں دوسرے کفار دلائل نبوت کے منکر یہود و نصاریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کے انکاری آیات میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں **واستکبروا عنھا** یہ ان کا دوسرا جرم ہے جو سرداران کفر نے کیا یہ کہ انہوں نے آیات الٰہیہ میں غور کرنے کو اپنی توہین سمجھا انہیں قابل التفات نہ جانا حتیٰ کہ مومنوں کو حقیر جانا اور مومنوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں اپنی ذلت جانی۔ یہ سب چیزیں ایک **استکبروا** میں داخل ہیں۔ یہاں تک کفار کے دو جرموں کا ذکر ہوا ایک جرم عام جس میں سارے چھوٹے

بڑے کفار گرفتار ہیں جھٹلانا۔ دوسرا جرم خاص جو خاص ان کے سرداروں کا ہے یعنی آیات الہیہ سے تکبرو غرور کرنا۔ اب ان کی سزا کا ذکر ہے **لا تفتح لهم ابواب السماء** یہ عبادات الذین کی خبر بمعنی جزا ہے۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) ان کی نیکیوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور وہ نیکیاں رب کی بارگاہ تک نہیں پہنچتیں کیونکہ وہ طیب نہیں **الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه** (2) ان کی دعاؤں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے ان کی دعائیں بارگاہ عالی تک نہیں پہنچتیں (3) ان پر آسمان کے دروازے نزول خیر کے لئے نہیں کھلتے ان پر رب کی طرف سے خیر نہیں آتی (4) بعد موت ان کی روحوں کے لئے دروازے آسمان کے نہیں کھلتے وہ روحیں آسمان کے نیچے سے ہی واپس زمین پر پھینک دی جاتی ہیں۔ (5) **سماء** سے مراد جنت میں جانے کے راستے ہیں یعنی بعد قیامت ان کے لئے جنت کے راستے نہیں کھلیں گے (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ **سماء** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرح عرش و فرش عرشی فرشتوں پر سایہ فگن ہیں سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اور جیسے آسمان سے زمین پر بارش سورج کے چاند تاروں کی روشنی وغیرہ آتی ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام جہان کو قرآن ایمان عرفان رحمت رحمان وغیرہ ملتی ہے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑا کہ پاؤں کے نیچے نہ آئے ان کا سایہ ساروں کے سروں پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر آپ کا کرم آپ کے دست سخا وغیرہ یہ اس آسمان کے دروازے ہیں جو مومنوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں کفار کے لئے بند ہیں بلکہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت کا دروازہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخلہ لوگوں کے لئے جنت کے داخلہ کا دروازہ ہوگا۔ **ولا یدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط**۔ اس فرمان عالی میں ان کی اس سزا کا ذکر ہے جو بعد قیامت انہیں ملے گی یلج بنا ہے ولج سے بمعنی داخل ہونا **یولج الیل فی النهار** ہماری قراءت میں **جمل** ج اور میم کے فتحہ سے ہے بمعنی اونٹ حضرت ابن عباس کی قراءت میں جمل جیم کے پیش اور میم کے شد سے بروزن قمل بمعنی کشتی یا جہاز کی موٹی رسی جس سے کشتی کو لنگر یا کنارے کے میخ سے باندھا جاوے سم کے لغوی معنی ہیں لطیف باریک سوراخ اس لئے زہر کو سم کہتے ہیں کہ وہ جسم کے ہر باریک سے باریک سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اس کی جمع ہے **سموم** (کبیر) خیاط اور **مخیط** دونوں خیط کا اسم آلہ ہیں۔ خیط بمعنی سینا اسی سے ہے خیاط (درزی) خیاط کے معنی ہوئے سینے کا آلہ یعنی سوئی چونکہ عرب میں سب سے زیادہ جسیم اونٹ ہے اس لئے اسی کا ذکر فرمایا چونکہ سوئی کا سوراخ بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے اور اونٹ کا جسم بہت موٹا موٹے جسم کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونا محال بالذات ہے کہ اس میں دو ضدوں کا اجتماع ہے اہل عرب ناممکن چیز پر کسی کو معلق کر کے یہ بتاتے ہیں کہ یہ موقوف چیز بھی ناممکن ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا شاب الغراب اتیت اهلی وصار القار کاللبن الحلیب

میں اپنی بیوی کے پاس جب آؤں گا جبکہ کوا بوڑھا ہو جاوے اور تارکول دودھ کی طرح سفید ہو جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر سوئی کے سوراخ میں اونٹ داخل ہو سکتا ہے تو یہ کفار بھی جنت میں جا سکتے ہیں مگر اونٹ تو ناکہ میں داخل ہو نہیں سکتا لہذا یہ کفار جنت میں بھی نہیں جا سکتے **وکذالک نجزی المجرمین** یہ جملہ مستقل ہے۔ جس میں گزشتہ سزا کی وجہ اور اس کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے کذلک میں **ذالک** سے اشارہ گزشتہ سزا کی طرف ہے **نجزی** بنا ہے **جزاء** سے اور جزا سے مراد سزا ہے **المجرمین** سے

مراد کفار ہیں جو اول درجہ کے مجرم ہیں جن کا قلب و قالب دونوں مجرم۔ قلب تو بد عقیدگیوں کا مجرم ہے اور قالب بد عملیوں کا مجرم یعنی ہم کفر کے مجرموں کو ایسی ہی سخت سزا دیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلتے نہیں تاکہ ان کی روحیں ہماری بارگاہ میں باریاب ہو سکیں اور ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے **لهم من جهنم مهاد ومن فوقهم غواش** اس فرمان عالی میں کفار کے تیسرے عذاب کا ذکر ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا اور دوزخ میں ہی ہر طرف سے گھرا ہوا ہونا **لهم** خبر ہے **مهاد** اور **غواش** مبتداء **من جهنم** اور **من فوقهم** کا تعلق **مهاد** اور **غواش** سے ہے **لهم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ یہ محیط عذاب صرف کفار کو ہو گا **مهاد** بنا ہے مهد سے بمعنی گہوارہ یا بستر **في المهد و كهلا** اسی سے ہے تمہید **غواش** جمع ہے **غاشية** کی بمعنی پردہ اسی سے ہے **غشاوة** تحقیق یہ ہے کہ غواش غیر منصرف ہے اس کی تنوین جوار کی تنوین کی طرح ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لهم من فوقهم ظلل من النار ومن تحتهم ظلل** مطلب یہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے دوزخ کی آگ گھیرے ہوگی۔ خیال رہے کہ **من جهنم** ارشاد ہوا **نا ر** ارشاد نہ ہوا کیونکہ دوزخ کے جو طبقے ٹھنڈے ہیں وہاں کفار کا اوڑھنا بچھونا ٹھنڈک کا ہو گا نہ کہ آگ کا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نیچے کے بستر اور اوپر کے غلاف یا لحاف کا ذکر ہوا جس میں داہنا بایاں خود ہی آگیا کیونکہ بستر اور چادر ہر چہار طرف سے گھیرے ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ ہر طرف سے انہیں دوزخ گھیرے ہو گا' آگ یا ٹھنڈک۔ چونکہ کفار ہر طرف جرموں میں گھرے تھے۔ اس لئے انہیں ہر طرف سے عذاب گھیرے گا **وكذلك نجزي الظالمين** سے مراد کافرین و مشرکین ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان الشرك لظلم عظيم۔** خیال رہے کہ اس جگہ کفار کے دو جرموں کا ذکر تھا آیات الیہ کا جھٹلانا اور تکبر و غرور کرنا اس لئے انہیں مجرمین بھی فرمایا اور ظالمین بھی یعنی تکذیب کی وجہ سے وہ مجرمین ہیں اور تکبر کی وجہ سے ظالمین انہیں دو جرموں کی وجہ سے وہ لوگ جنت سے بالکل محروم رہے اور دوزخ کے عذاب میں ہر طرف سے گھرے۔

خلاصہ ء تفسیر : جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ' معجزات نبویہ' اوصاف مصطفویہ کا انکار کیا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر و غرور کیا اس قبول میں اپنی توہین جانی ان کی سزائیں حسب ذیل ہیں۔ (1) ان کی زندگی میں ان کے نیک اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش نہیں ہوتے' ان کے اعمال کے لئے دروازہ آسمانی کھولے نہیں جاتے کہ سب نامقبول ہیں اور یا ان کے مرنے پر ان کی روحوں کے داخلہ کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے ویسے ہی الٹے زمین کی طرف ان کی روحیں واپس کر دی جائیں گی نہ وہ آسمانوں میں داخل ہوں نہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شرف پائیں۔ (2) ان کا بعد قیامت جنت میں داخلہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخلہ بالکل ناممکن ہے کہ اس میں اجتماع ضدین ہے ہم کفر کے مجرموں کو ایسی ہی سخت سزا دیتے ہیں یعنی حاضری بارگاہ سے بھی محرومی اور جنت سے بھی دائمی محرومی۔ (3) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس طرح ہمیشہ رہیں گے کہ ان کا بچھونا اوڑھنا سب دوزخ ہی کا ہو گا کہ ہر چہار طرف بلکہ ہر چھ طرف سے انہیں دوزخ کی آگ یا وہاں کی ٹھنڈک گھیرے ہوگی ہم تکبر و غرور کے مجرموں ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں لہذا انسانوں کو چاہئے کہ کفر اور تکبر دونوں عیبوں سے بچیں اور ان سخت تر سزاؤں کے مستحق نہ بنیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کے لئے ان کی زندگی میں اور بعد موت' قبر میں' حشر میں اللہ کی رحمت کے سارے دروازے بند ہیں نہ ان کے نیک اعمال قبول ہوں نہ ان پر اللہ کی رحمت آوے نہ ان کی

روح بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شرف حاصل کر سکے نہ وہ جنت میں جا سکیں جیسا کہ **لا تفتح لھم** الخ کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: تکبر والا کفر دوسرے کفروں سے سخت تر ہے اور اس کی سزا بہت زیادہ۔ یہ فائدہ **کذبوا اور واستکبروا** سے حاصل ہوا غفلت۔ بے خبری تقلیدی کفر والوں کی سزا ان کفار سے ہلکی ہوگی۔ **تیسرا فائدہ:** انشاء اللہ ان مذکورہ سزاؤں سے گنہگار مومنین محفوظ ہیں۔ یہ فائدہ **لا تفتح لھم** میں **لھم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بعد موت مومن کی روح بارگاہ الٰہی میں پیش ہو کر اس سے ہمکلام ہو کر پھر قبر میں سوال و جواب کے لئے آتی ہے کافر کی روح آسمان تک جاتی تو ہے مگر ذلت و خواری کے ساتھ آسمان سے ہی واپس کر دی جاتی ہے جیسا کہ احمد' نسائی' حاکم' بیہقی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ یہ فائدہ **لا تفتح لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** آسمان کے دروازے بہت ہیں جن سے مختلف چیزیں آسمان میں جاتی اور وہاں سے آتی ہیں روزی کا دروازہ ہر مومن و کافر کے لئے کھلا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مگر مقبولیت' برکت رحمت کے دروازے کفار کے لئے بند ہیں مومنوں کے لئے کھلے ہیں۔ یہ فائدہ **ابواب السماء** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** انسان پر اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم میں رہے اور سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر جائے اسے پھر کوئی نہیں اٹھا سکتا آج سارے جہان ابو جہل کو عزت نہیں دے سکتے حضرت بلال کو ذلت نہیں دے سکتے۔ یہ فائدہ **ابواب السماء** کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **سماء** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں **ابواب** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات ہوں۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے۔ **فاعرض عن المشرکین** اے محبوب مشرکوں سے منہ پھیر لو اور فرماتا ہے **وذرنی والمکذبین** کفار کو مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ ہے کفار پر عذاب' حضور کا منہ پھیر لینا۔ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے **ولا تعد عناک عنھم** اے محبوب مسلمانوں سے آپ کی نظر عنایت دور نہ ہو اور فرماتا ہے **واخفض جناحک للمومنین** اپنے بازوئے رحمت مسلمانوں پر کھول دو۔ یہ ہے مومنوں پر اللہ کی رحمت۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کا جنت میں داخلہ بالکل ناممکن ہے۔ یہ فائدہ **حتی یلج الجمل** الخ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: کفار کے لئے رحمت' مغفرت' جنت کے داخلہ کی دعا کرنا انہیں مرحوم مغفور کہنا حرام ہے کہ یہ باتیں ناممکن ہیں اور ناممکن کی دعا ناجائز ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر طرف سے دوزخ کے عذاب کا گھیرنا' بعض کفار کے لئے خاص ہے اس سے مومنین بلکہ بعض ہلکے کافر محفوظ ہیں۔ یہ فائدہ **لھم من جھنم** الخ میں **لھم** کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا حتی کہ ابو طالب دوزخ کی آگ سے دور رہیں گے ان کے پاؤں میں آگ کی ایک چنگاری ہوگی جس سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا مگر جہنم انہیں گھیرے گی نہیں۔ **نواں فائدہ:** کفار کے ناسمجھ بچے جو ناسمجھی میں فوت ہو جاویں یونہی وہ کفار جو دیوانگی یا پاگل پن میں جئیں۔ اسی میں فوت ہو جاویں وہ نہ تو دوزخی ہیں نہ وہاں کے عذاب کے مستحق۔ یہ فائدہ **المجرمین** اور **الظالمین** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ وہ تو مجرم ہیں نہ ظالم قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **ھل تجزون الا ما کنتم تعملون** بغیر جرم سزا دینا صور تا" ظلم ہے اور بغیر عمل جنت دے دینا کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے وہ کریم ہے وہ رحیم ہے یہ بات خیال رہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار کے دو جرموں کا ذکر کیوں ہوا کفر اور تکبر یہاں جو سزا مذکور ہے وہ ہر کافر کی ہے تکبر کرے یا نہ کرے کوئی کافر جنت میں کبھی نہیں جا سکتا۔ **جواب:** یہ دونوں جرم ان دو تین سزاؤں کے مجموعہ کے لئے ہیں جو

یہاں مذکور ہیں جو لوگ صرف کافر ہوں متکبر نہ ہوں انہیں دوزخ کا اوڑھنا بچھونا نہ ملے گا۔ یونہی جو صرف متکبر ہوں مگر کافر نہ ہوں وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے لہٰذا آیت واضح ہے۔ خیال رہے کہ مومن اگرچہ اپنی حماقت سے متکبر ہو جاوے مگر وہ آیات الٰہیہ سے متکبر نہیں ہوتا اگر ہو گا تو کافر ہو جاوے گا جو بدنصیب نماز یا حج کو اپنے لئے ذلت جانے وہ کافر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو پھر انہیں روزی کہاں سے آتی ہے۔ رب فرماتا ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** آیات میں تعارض ہے ہر بندہ کی روزی کا دروازہ آسمان میں ہے جہاں سے اس کی روزی آتی ہے۔ (بعض بے دین) **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں دروازے سے مراد یا تو رحمت کا قبولیت اعمال یا قبولیت دعا کا دروازہ ہے یا بعد موت ان کی روحوں کے چڑھنے کا دروازہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ' روزی کا دروازہ مراد نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا متکبر کفار کا جنت میں جانا فی الواقع ممکن ہے کیونکہ اسے معلق کیا گیا ہے اونٹ کے سوئی کے ناکہ میں داخل ہونے پر اور اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا ممکن ہے کہ یا تو سوئی کا ناکہ چوڑا کر دیا جاوے یا اونٹ پتلا کر دیا جاوے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ **جواب:** یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اونٹ بڑا رہے اور سوئی کا ناکہ چھوٹا رہے پھر اس میں اونٹ سما جاوے کیونکہ یہ دو ضدوں کا اجتماع ہے وہی یہاں مراد ہے اگر سوئی کا ناکہ پھاٹک بنا دیا جاوے تو وہ ناکہ نہ رہا اور اگر اونٹ کو گھٹا کر چیونٹی بنا دیا جاوے تو وہ اونٹ نہ رہے گا یہ بات قدرت سے خارج ہے کہ اونٹ تو اونٹ رہے اور سوئی کا ناکہ ناکہ رہے پھر اونٹ اس میں سما جاوے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں کفار کے لئے نیچے اوپر کے عذاب کا تو ذکر ہوا مگر آگے پیچھے داہنے بائیں کا ذکر نہ ہوا کیا انہیں ان دو طرف سے ہی عذاب گھیرے گا ان کی باقی سمتیں عذاب سے محفوظ ہوں گی۔ **جواب:** عربی زبان بلکہ اردو میں بھی اوڑھنا بچھونا فرما کر چھ سمتیں مراد لی جاتی ہے کیونکہ اوڑھنا بچھونا آدمی کو ہر طرف سے ہی گھیرتا ہے یہاں وہی محاورہ استعمال ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** ان آیات میں اولاً "تو انہیں مجرمین فرمایا پھر ظالمین جرم اور ظلم میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** ان دو لفظوں میں ان کے دو جرموں کفر اور تکبر کی طرف اشارہ ہے یا تو جرم سے مراد ہے کفر اور ظلم سے مراد ہیں دلی بد عقیدگیاں بہرحال ان لفظوں کی بحث تو بہیں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نبیوں کی سنتیں ولیوں کی کرامتیں اللہ تعالیٰ کی آیات بلکہ دل والوں کی نظر میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو بلکہ ہر حال بلکہ خود نام شریف اللہ کی ایک آیت بلکہ آیتوں کا مجموعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز میں بہت سے معجزے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے اس کی ذات وصفات کا پتہ چلتا ہے رب فرماتا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم۔** جو ان کا انکار کریں ان پر ایمان لانے میں اپنی ذلت سمجھیں ان کے لئے آسمان یعنی دل کے دروازے رب کی طرف نہیں کھلتے اور وہ قرب الٰہی کی جنت میں نہیں جا سکتے وصال نہیں پا سکتے حتیٰ کہ نفس امارہ متکبرہ کا اونٹ سوئی کے ناکہ یعنی طریقت کی راہ میں داخل ہو کر مطمئنہ نہ بن جاوے نفس امارہ گویا موٹا اونٹ ہے۔ جو قرب و وصال کی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اسے شریعت کے احکام طریقت کے آداب کے ذریعہ پاک وصاف کرو حتیٰ کہ وہ بری صفت سے پاک ہو کر بال سے زیادہ باریک ہو جاوے اور فنا کی سوئی میں داخل ہو کر بقاء کی جنت میں جانے کے لائق ہو جاوے جو لوگ اپنی ذاتوں پر جرم کریں کہ اپنے نفوس کو گناہوں کی حرام غذا سے موٹا کرتے رہیں ہم انہیں ایسی ہی سزا دیتے ہیں ان کا علاج یہ ہے کہ یہ لوگ مخالفت نفس کا بستر اور خواہشات سے علیحدگی کا لحاف استعمال کریں جو انہیں ہر طرف سے گھیرے اور ان کی

انانیت کو جلا ڈالے تب وہ جنت میں داخلہ کے مستحق ہوں گے ہم ایسے ظالموں کو دنیا میں ایسی سزا دے کر آخرت کے عذاب سے نجات دیتے ہیں۔ مجاہدہ اور صفائی قلب مقبولوں کا عمل ہے۔

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا! فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع!
فطوبی لعبد اثر اللہ ربہ! و جاء بدنیاہ لما یتوقع!

جو دین برباد کر کے دنیا بنائے اس کا نہ دین رہتا ہے نہ دنیا مبارک ہے وہ بندہ جو اللہ کو اختیار کرے اور اپنی دنیا کو آخرت کے لئے استعمال کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر وہ گناہوں میں گھرا نہیں ہوتا اس کا دل گناہ یعنی بدعقیدگی سے پاک وصاف ہوتا ہے اس لئے اسے دوزخ گھیرے گی نہیں وہاں کی آگ اس کے دل و دماغ بلکہ اعضاء سجود بلکہ اعضاء وضو کو نہیں جلا سکے گی اسی پہچان سے انہیں جنتی لوگ دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائیں گے۔ دل یار کی جگہ ہے اسے پاک رکھو۔

دیکھ اے سوزاں مرا گلشن نہ جلے چاہے رگ رگ جلے پر یار کا مسکن نہ جلے

اس لئے یہاں **کذبوا** کے ساتھ **استکبروا** فرمایا گیا۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت دنیا کے ہر ذرہ سے ظاہر ہے ہر چیز رب کی آیت یعنی نشانی ہے اے انسان خود تو اور تیرے حالات رب تعالیٰ کی آیات ہیں **وفی انفسکم افلا تبصرون** ان کا انکار کفر ہے ان میں غور نہ کرنا غفلت ہے ان میں تدبر کرنا عرفان یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ہزار ہا دلیلیں ہیں جن میں غور کرنا ایمان کے کمال کا باعث ہے سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دیکھے محبت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان ہے۔ آپ کا ذکر کثیر کہ آج کوئی ایسی زبان نہیں۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا بقاء یہ سب آیات نبوت رسول اللہ ہیں ان کا انکاری کافر ہے اور ان وعیدوں کا مستحق جو یہاں مذکور ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے نیک نہیں تکلیف دیتے ہم کسی جان کو مگر گنجائش بھر
اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کئے ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾
اسکی۔ یہ لوگ بہشت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
رکھتے۔ وہ جنت والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذابوں کے ذکر تھا اس کی رحمتوں کرم نوازیوں کا تذکرہ ہے گویا وعیدوں کے ذکر کے بعد اس کریم کے وعدوں کا ذکر ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیوب کا ذکر تھا جو ان کے دوزخی ہونے کا سبب بنے

اب اہل ایمان کی صفات کا تذکرہ ہے۔ جس سے یہ لوگ جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مستحق ہوئے تاکہ لوگ ان عیوب سے بچیں اور یہ صفات اختیار کریں گویا بچنے والے عیوب کے بعد اختیار کرنے والے صفات کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ایسے کفار کا جنت میں جانا غیر ممکن ہے اور انہیں دوزخ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اب ارشاد ہے کہ نیک مسلمانوں کا دوزخ میں جانا غیر ممکن ہے اور وہ اللہ کی نعمتوں میں گھرے ہوں گے گویا عذاب والے گروہ کا ذکر فرمانے کے بعد رحمت و بخشش والے گروہ کا تذکرہ ہے۔

تفسیر : **والذین امنوا** یہ جملہ نیا ہے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **الذین** سے مراد انسان ہیں فرشتے اور مومن جنات اس سے خارج ہیں کیونکہ ان کے ایمان و اعمال کی جزا وہ نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں۔ **امنوا** میں شرعی ایمان مراد ہے جو نبی کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے میثاقی ایمان یعنی **الست بربکم** کے جواب میں بلی کہنے سے جو ایمان ملا تھا وہ تو سب انسان کو ملا تھا۔ مدار نجات وہ فطری ایمان نہیں بلکہ یہ شرعی ایمان ہے۔ خیال رہے کہ نجات توحید سے نہ ملے گی بلکہ ایمان سے ملے گی اسی لئے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کا ذکر ہے اسی کا حکم ہے اسی خطاب سے مومنوں کو پکارا گیا ہے صرف توحید کا قرآن کریم میں نہ ذکر ہے نہ حکم نہ اس خطاب سے ہم کو پکارا گیا۔ **یا یہا الذین امنوا** فرمایا **وحدوا** نہ فرمایا ایمان اور توحید کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایمان ذریعہ نجات جب ہے جبکہ اس پر انسان کا خاتمہ ہو جاوے اگر کوئی عمر بھر مومن رہے مگر کافر ہو کر مرے وہ دوزخی ہے اور اگر کوئی عمر بھر کافر رہے مگر مومن ہو کر مرے وہ جنتی ہے جیسے فرعونی جادوگر لفظ **امنوا** میں یہ سب باتیں ملحوظ ہیں۔ **وعملوا الصالحات** یہ عبارت معطوف ہے **امنوا** پر چونکہ ایمان اعمال سے پہلے ہے بلکہ اعمال کی شرط ہے جیسے وضو نماز کے لئے اس لئے ایمان کا ذکر پہلے ہوا اعمال کا ذکر بعد میں۔ **عملوا** ماضی مطلق ہے اس میں بہت گنجائش ہے عمر بھر میں ایک بار کرے جیسے حج یا سال میں ایک بار کرے جیسے روزے اور زکوٰۃ روزانہ پانچ بار کرے جیسے نماز پنجگانہ ایک کلمہ **عملوا** ان سب کو شامل ہے **صالحات** جمع ہے صالحہ کی بمعنی نیکی اس میں بدنی مالی ہر قسم کی نیکی شامل ہے۔ اعمال چار قسم کے ہیں رحمانی' ایمانی' نفسانی' شیطانی۔ رحمانی کام جو رضاء الہی کے لئے کئے جاویں وہ صالحات ہیں۔ نفسانی کام جو نفس کے لئے کئے جاویں وہ مباحات ہیں جیسے تجارت' نوکری وغیرہ شیطانی کام یعنی گناہ سیئات ہیں جیسے جوا شراب وغیرہ جیسے ہر اچھی بری چیز کے لئے ایک معیار یا کسوٹی ہے ایسے ہی صالحات ہے اور سیئات کے لئے کسوٹی ذات پاک اور زبان پاک رسول ہے جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کریں یا کہیں وہ صالحات ہے۔ جس سے منع کریں وہ سیئات طلوع آفتاب کے وقت نماز۔ عید بقر عید کے دن روزے سیات ہیں کہ زبان مصطفوی نے ان سے منع فرمایا پھر صالحات جمع فرما کر بتایا گیا کہ ہر قسم کی نیکی کرے صرف ایک قسم پر قناعت نہ کرے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ایمانیات بہت ہیں مگر ایمان ایک ہی ہے اور نیکیاں بہت ہیں اور اعمال بھی بہت اس لئے صالحات جمع ارشاد ہوتا ہے بلکہ بعض آیات میں اعمال جمع ارشاد ہوا ہے۔ خیال رہے کہ بعض نیکیاں وقتی ہیں جن کے لئے اوقات شرائط بلکہ جگہ مقرر ہیں جیسے نماز روزہ حج وغیرہ اور بعض اعمال دائمی جن کے لئے کوئی وقت شرط وغیرہ کی پابندی نہیں جیسے کلمہ' درود' ذکر اللہ دونوں قسم کی نیکیاں کرنے کی کوشش کرے تاکہ بوقت مرنے کے کوئی نیک اعمال کرتا ہو اور اسی حال میں موت آئے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات مسجد تعمیر کراتے نماز پڑھتے ہوئے ہوئی یا جیسے حضرت عمر و علی کی شہادت محراب مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ہوئی۔ **لا نکلف نفسا**

الا وسعہا یہ جملہ معترضہ ہے۔ جو **الذین امنوا** مبتدا اور **اولئک** خبر کے درمیان ارشاد ہوا۔ چونکہ صالحات جمع فرمانے سے شبہ ہو تا تھا کہ جنت ملنے کے لئے ہر قسم کی ساری نیکیاں کرنا ضروری ہیں تو وہ غریب مساکین جو زکوۃ و حج نہ ادا کر سکیں وہ جنتی نہیں ہو سکتے اس لئے یہ ارشاد ہوا۔ نکلف بنا ہے تکلیف سے۔ جس کے معنی ہیں کسی کے ذمہ کلفت و مشقت والی چیز لازم کر دینا (مدارک) نفس کے بہت معنی ہیں۔ یہاں بمعنی ذات ہے **الا وسعہا** میں بقدر پوشیدہ ہے۔ اصل میں قدر وسعہا تھا قدر مضاف کو پوشیدہ کر دیا اور **وسعہا** کو فتحہ دے دیا اور ہو سکتا ہے کہ **وسع** سے مراد آسان اعمال ہوں اس صورت میں یہ **لا نکلف** کا دوسرا مفعول ہو تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **وسع** وہ اعمال ہیں جنہیں انسان آسانی سے کر سکے ان کے کرنے میں انسان پر تنگی اور شدت نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ وسع کے معنی ہیں گنجائش یا گھیرنا۔ جن کاموں کو انسان کی طاقت بہ آسانی گھیرے کہ انہیں آدمی آسانی سے کر سکے وہ وسع ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ معترضہ کا تعلق **عملوا الصالحات** سے ہے کیونکہ ایمان ہر شخص پر فرض ہے رب نیک اعمال وہ بقدر گنجائش فرض ہیں حتیٰ کہ فقیر پر زکوۃ' فطرہ قربانی لازم نہیں۔ اندھے پر نماز جمعہ و عیدین ضروری نہیں کہ اسے مسجد میں پہنچنے جماعت پانے میں تکلف ہو گا یہ ہے رب تعالیٰ کی کریمی۔ اس فرمان عالی میں کفار پر عتاب ہے کہ جب جنت جیسی اعلیٰ نعمت نہایت آسان کاموں سے مل جاتی ہے تو تم اس سے محروم کیوں رہتے ہو۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا! ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے!

اولئک اصحاب الجنۃ یہ عبارت خبر ہے **والذین امنوا** کی **اولئک** سے انہیں لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مومنین صالحین ہوں اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی ساتھی والا اور مالک یا مستحق یہاں آخری تین معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ جنت والے جنت کے مالک یا جنت کے مستحق جنت کے معنی بارہا بیان ہو چکے بمعنی چھپا ہوا گھنا باغ عشاق کہتے ہیں کہ متقی مومن کا قلب دنیا قبر حشر ہر جگہ جنتی ہے کہ جنت کی لذتوں میں ہے قالب بعد قیامت جنتی ہو گا۔ چنانچہ مومن کے دل میں محبت رسول ہوتی ہے۔ دنیاوی آلائش وہاں نہیں ہوتی یہ سب جنت کی نعمتیں ہیں غرضکہ ان کے قلب جنتی ہیں قالب جنت والے ہوں گے۔

ہم فیہا خالدون یہ جملہ یا تو علیحدہ ہے یا **اولئک** کی دوسری خبر **ھم** سے مراد وہی مومنین صالحین ہیں اور فیہا سے مراد ہے جنت خالدون بنا ہے **خلود** سے بمعنی دوام و ہمیشگی یعنی جنتی لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جاویں نہ وہاں سے منتقل کئے جاویں کہ کبھی جنت کے کسی حصہ میں رکھے جاویں اور کبھی دوسرے حصہ میں کرایہ دار کی طرح **خالدون** میں دو باتیں بتائی گئیں جنتیوں کا فنا نہ ہونا اور جنت کا فنا نہ ہونا یہ انہیں خلود ہے اور جنت وہاں نعمتوں کو دوام۔ **کلہا دائم** عشاق کہتے ہیں کہ متقی مومن اپنی ہمیشہ جنت میں ہے کہ زندگی میں سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پھر مرتے جیتے قبر میں حشر میں بعد حشر ہر وقت جنت میں ہے کہ اس کا کوئی وقت ذکر و فکر وغیرہ سے خالی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : جو انسان ایمان لائے اس طرح کہ ایمان پر مرے اور ہر قسم کے نیک اعمال کرتا ہے مگر بقدر طاقت کیونکہ ہم کسی کو طاقت سے زیادہ اعمال کا حکم نہیں دیتے اتنے اور اس قسم کے اعمال لازم فرماتے ہیں جنہیں نفس انسانی بہ آسانی کر سکے اس قسم کے لوگ جنت والے ہیں یا جنت کے مالک ہیں یا جنت کے مستحق ہیں وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ تو ان کو موت آئے نہ جنت فنا ہو نہ وہ جنت سے نکالے جاویں نہ جنت کے ایک مقام پر دوسرے مقام پر منتقل کئے جاویں وہ جنت کے اور جنت

ان کی۔ خیال رہے کہ مومن متقی دنیا میں یہ سمجھتا رہا کہ میرا کچھ بھی نہیں حتی کہ میں بھی اپنا نہیں میری زندگی اور موت سب اللہ رسول کی ہے تو اس کا اجر یہ ملا کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں اس کی ہو گئیں لطف یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میرا کچھ نہیں رب کہے کہ۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگرچہ جنت میں فرشتے حور غلمان سب کچھ ہوں گے مگر جنت کے مالک یہ مومنین ہی ہوں گے اس لئے اصحاب الجنۃ انہیں کو کہا جاوے گا جیسے مالک کے خدام گھر والے نہیں ہوتے پھر ان کی خاطر تواضع ہمیشہ مہمانوں کی سی ہو گی اس لئے فرمایا گیا ہے نزلا من غفور رحیم۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نیک اعمال پر ایمان مقدم ہے پہلے ایمان لاؤ پھر نیک اعمال کرو یہ فائدہ ایمان کو اعمال پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان بعض اعمال کے لئے شرط جواز ہے اور بعض کے لئے شرط قبول نماز حج کے لئے ایمان شرط جواز ہے مگر صدقات و خیرات لوگوں سے اچھے سلوک کے لئے شرط قبول ہے لہذا کافر ایمان لانے کے بعد حج کرے اگر زمانہ کفر میں حج کر چکا ہے تو وہ معتبر نہیں مگر اس کے کفر کے زمانہ کے صدقات و خیرات کا اب ثواب مل جاوے گا۔ **دوسرا فائدہ**: کوئی شخص نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا خواہ کسی طبقہ کا ہو اور کسی جماعت سے تعلق رکھے۔ جیسے ہر شخص ہوا و غذا کا محتاج ہے ایسے ہی ہر شخص ایمان و اعمال کا حاجتمند ہے۔ یہ فائدہ **وعملوا الصالحات** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کو ہر قسم کے نیک اعمال کرنا چاہئیں صرف ایک نیکی پر قناعت نہ کرے۔ یہ فائدہ **صالحات** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ جسمانی زندگی کے لئے ہر قسم کی غذا اور پانی ضروری ہے روحانی زندگی کے لئے ہر قسم کی نیکیاں ضروری ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کسی شخص پر طاقت سے باہر یا طاقت سے زیادہ نیکی کرنا واجب نہیں مومن امیر صدقہ دے کر جنتی بنے گا اور مومن فقیر صدقہ لے کر۔ یہ فائدہ **لا نکلف** الخ سے حاصل ہوا اس کی مکمل بحث تیسرے پارہ میں **لا یکلف اللہ نفسا** الخ کی تفسیر میں گزر چکی وسعت و طاقت کے اقسام اور کسی عمل کے لئے کونسی طاقت ضروری ہے یہ سب چیز وہاں مطالعہ فرماؤ۔ **پانچواں فائدہ**: ہر جنتی اپنی جنت اور وہاں کی نعمتوں کا مالک ہو گا۔ صرف مہمان نہ ہو گا یہ فائدہ **اصحاب النار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جو شخص بھی جنت میں جزا کے لئے داخل ہو جاوے گا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جاوے گا۔ یہ فائدہ **خالدون** سے حاصل ہوا حتی کہ وہاں کے پھل موسمی نہیں بلکہ دائمی ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ وہاں کے پھل شخصا بھی دائمی ہیں صرف نوعا" دائمی نہیں یعنی جو پھل کھالیا جاوے گا وہ کھا چکنے کے بعد ویسا ہی رہے گا ختم نہ ہو جاوے گا جیسے ہوا اور دھوپ استعمال کر لینے پر بھی ویسے ہی رہتی ہے ختم نہیں ہو جاتی علم خرچ کرنے پر بھی نہ ختم ہو نہ کم۔ مادی چیزوں کے لئے فنا ہے نورانی چیزوں کے لئے فنا کہاں' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ہم جنتی خوشہ توڑ لیتے تو تم ہمیشہ اسے کھاتے رہتے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے اور مومن صالح جنات بھی جنتی ہیں کیونکہ **والذین** میں کوئی قید نہیں۔ **جواب**: یہاں **الذین** کے معنی ہیں وہ انسان ہاں انسان مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں کسی طبقہ کا انسان ہو جب ایمان و اعمال سے موصوف ہو جاوے تو وہ جنتی ہے قرآن کریم مومن جنات کے لئے فرماتا ہے **یا قومنا اجیبوا داعی اللہ**

وا منوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم۔ اس سے پتہ لگا کر مومن صالح جنات کی جزا صرف عذاب سے بچ جانا ہے۔ رب نے فرشتے وہ تو اہل جنت کی خدمت کے لئے ہیں رب فرماتا ہے وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض دیکھو مومن صالح انسانوں کے لئے خلافت زمین ہے نہ کہ فرشتوں کے لئے انی جاعل فی الارض نبوت خلافت جنت یہ سب نعمتیں مومن صالح انسانوں کے لئے ہیں۔ دوسرا اعتراض: نجات کے لئے فطری ایمان معتبر کیوں نہیں۔ جواب: اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں ان میں سے قوی وجہ یہ ہے کہ فطری ایمان میں براہ راست رب نے بندوں سے اقرار وحدانیت کرایا الست بربکم نبی کا واسطہ درمیان میں نہ تھا یعنی بندوں نے رب کو رب کے کہنے سے مانا نبی کے کہنے سے نہ مانا لہٰذا وہ ایمان معتبر ہی نہیں ایمان وہ ہے۔ جو نبی کے واسطے سے اختیار کیا جاوے اس لئے ابلیس کی توحید ایمان نہیں اور جن اسرائیلیوں نے کہا تھا ارنا اللہ جھرۃ انہیں ہلاک کر دیا گیا نبی گویا دیوار ہے اور بندے اور بندوں کے تمام عقیدے اس دیوار کا سایہ جیسے سایہ دیوار دیوار سے قائم ہے ایسے ہی سارے عقائد ایمان عرفان بلکہ خود قرآن نبی سے قائم ہے نبی کی زبان وہ سانچہ ہے۔ جس میں سارے عقائد ایمان بنتے ہیں۔ سونا پہننے کے قابل جب ہی ہے جب سانچہ میں زیور بن جائے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاسق بدعمل مسلمان جنتی نہیں کیونکہ یہاں جنتی ہونا دو چیزوں پر موقوف کیا گیا ایمان اور نیک اعمال۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں۔ آسان تر جواب یہ ہے کہ فاسق مسلمان کا اصحاب جنت ہونا یقینی نہیں اصحاب جنت وہ ہیں جو دوزخ میں بالکل نہ جائیں اول ہی سے جنتی ہوں یہ بات فاسق کے لئے لازم نہیں۔ ممکن ہے کہ اول ہی سے بخشش ہو جاوے اور ممکن ہے کہ سزا پاکر جنت میں جاوے۔ خیال رہے کہ جنت کے استحقاق کے لئے ایمان ضروری ہے اور اول ہی سے جنت کا مستحق ہونے کے لئے نیک اعمال ضروری ان کے بغیر دخول اول کا حق نہیں ہوتا وہ کریم کرم کر دے تو اس کی مہربانی۔ ہم پچھلی آیات میں بتا چکے ہیں کہ کافر کا دوزخی ہونا یقینی مومن متقی کا جنتی ہونا مگر مومن فاسق کا دوزخ میں جانا ہمارے لئے مشکوک ہے اس لئے ان کا ذکر نہیں ہوا کرتا نیز فاسق کے لئے دوزخ عذاب نہیں بلکہ پاکی کا ذریعہ ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ایمان و اعمال ضروری ہیں تو مسلمانوں کے ناسمجھ فوت شدہ بچے جنتی نہ ہونے چاہئیں کہ انہوں نے عمل نہیں کئے یونہی جو لوگ ایمان لاتے ہی فوت یا شہید ہو جاویں وہ بھی جنتی نہیں ہونے چاہئیں کہ انہوں نے نیک اعمال نہیں کئے۔ جواب: اس کا جواب اسی آیت میں دیدیا گیا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا " الا وسعھا نیز ان جیسی تمام آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہے جنت وہبی اور جنت عطائی کا ذکر دوسری آیت اور احادیث میں ہے فرماتا ہے الحقنا بھم ذریتھم ما التنا من عملھم من شئی۔ پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ کلمہ، درود، ذکر اللہ دائمی نیکی ہے ہر وقت کی جاوے تو کیا ناپاکی کی حالت میں بھی کی جاوے اس سے تو درود شریف کلمہ طیبہ ناپاک ہو جاوے گا۔ جواب: ہاں ناپاکی کی حالت میں بھی یہ چیزیں تلاوت کی جاویں ورنہ مرتے وقت کس کا وضو ہوتا ہے یہ ورد کنواں نہیں بلکہ سمندر ہیں جو گندے کو پاک کر دیتی ہیں خود ناپاک نہیں ہوتیں بلکہ پاس انفاس اور سلطان الاذکار ہر جگہ ہی جائز ہے اگرچہ جگہ نجس ہو۔

تفسیر صوفیانہ : مقبول ایمان کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ دنیا میں آکر شرعی طور پر نبی کے ذریعہ حاصل کیا جاوے عالم ارواح سے لایا ہوا ایمان یعنی میثاق والا معتبر نہیں دوسرے یہ کہ دنیا ہی میں نہ رہ جاوے بلکہ ساتھ جائے کہ ایمان پر خاتمہ میسر ہو اگر ان

میں سے کوئی شرط نہ ہو ایمان قبول نہیں اس سے نجات میسر نہیں ہوتی غرضکہ ایمان کی جڑ زمین پر شاخیں اس عالم میں مثل کلمہ طیبہ کشجرتہ طیبتہ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء اگر دانہ سونے' چاندی' موتی جواہرات میں دبایا جاوے کبھی نہیں اگے گا مٹی میں دباؤ اگے گا پھل دے گا ایسے ہی ایمان کا تخم اس زمین کا ہونا چاہئے مٹی زمین سونے چاندی سے افضل ہے کہ یہ اصل انبیاء ہے تمام اعمال جسم کے کام میں ایمان دل کا کام دل بادشاہ ہے جسم رعایا۔ لہذا ایمان افضل ہے اور مقدم اعمال اس کے بعد ہیں اس لئے ایمان کا ذکر پہلے عمل کا ذکر بعد میں ہے۔ پھر جیسے نیک اعمال بہت قسم کے ہیں اس لئے صالحات جمع ارشاد ہوا۔ ایسے ہی جنتیں بہت قسم کی ہیں جیسے اعمال ویسی جنت چنانچہ قدیم الاسلام کی جنت اس نو مسلم کی جنت سے افضل ہے جو نیکیاں کم کر سکا کبھی زمان سے فرق ہو جاتا ہے رمضان اور جمعہ کے دن نیکیاں کرنے والے کی جنت دوسرے زمانہ میں نیکیاں کرنے والے کی جنت سے اعلیٰ ہے۔ کبھی مکان سے فرق ہو جاتا ہے چنانچہ مسجد حرام میں عبادت کی جنت دوسری جگہ کی عبادت کی جنت سے اعلیٰ افضل ہے کبھی احوال سے فرق ہو تا ہے چنانچہ جماعت کی نماز کی جنت اکیلے نماز کی جنت سے افضل ہے۔ کبھی صرف اعمال سے ہی فرق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نماز کی جنت دوسرے اعمال کی جنتوں سے اعلیٰ ہے۔ متقی فقیر کو صدقہ دینے کی جنت فاسق فقیر کو صدقہ دینے کی جنت سے اعلیٰ ہے۔ یہ بحث ایک دریا ناپید اکنار ہے یہی حال دوزخ کے طبقات اور گناہوں کا ہے یہ تفصیل جنت عملی کی ہے (روح البیان) جنت اختصاصی جو عشق والوں کو عطا ہو گی وہ تو ان کے علاوہ ہے سب سے زیادہ قرب الٰہی اس جنت والوں کو عطا ہو گا کہتے ہیں۔

جنت نقد است اینجا عشرت و عیش و حضور! زانکہ در جنت خدا بر بندہ نہ نوشد گناہ!

اس آیت کریمہ میں ان سب جنتوں کی طرف اجمالی اشارہ ہے وعملوا الصالحات فرما کر چونکہ مومنین صالحین کے ایمان واعمال کو لازم کر لیا کہ کبھی نیک اعمال سے علیحدہ نہ ہوئے اس لئے انہیں جنت اور وہاں کی نعمتیں لازم و ملزوم عطا ہوئیں کہ ھم فیھا خالدون اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا
اور دور کر دیں گے ہم وہ جو سینوں میں ان کے کینہ جاری ہوں گی نیچے ان کے نہریں اور کہیں گے
اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لئے ان کے لئے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے
الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ
وہ شکر ہے اس اللہ کا جسنے ہدایت دی ہم کو اس کی اور نہ تھے ہم کہ ہدایت پاتے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ہدایت
سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں
لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا
کی ہم کو اللہ نے البتہ تحقیق لائے پیغمبر ہمارے رب کے حق کو اور پکارے جائیں گے کہ یہ جنت کے وارث بنائے گئے
دکھاتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

تم ان کے اعمال کی وجہ سے جو کرتے تھے تم

صلہ تمہارے اعمال کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں جنت کا ذکر تھا جو صالح مسلمانوں کو عطا ہو گی اب جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ جو جنت میں ہو نگی گویا گھر کا ذکر پہلے تھا اور اس گھر کے سازو سامان و اسباب کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں عطاء جنت کا ذکر تھا اب جنتیوں کے دلوں کی صفائی سینوں کی پاکی کا ذکر ہے کہ وہاں بینے کینے سے پاک ہوں گے گویا آرام دہ چیز کی عطا کا ذکر پہلے تھا تکلیف دہ چیز دور کر دینے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان کے دنیاوی نیک اعمال اور ایمان کا ذکر تھا جو جنت ملنے کا سبب ہیں اب ان جنتیوں کی اس شکر گزاری کا ذکر ہے جو وہ جنت میں پہنچ کر کریں گے گویا دنیا میں ختم ہو جانے والے نیک اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد اس شکر گزاری کا ذکر ہے۔ جو جنت میں بھی جاری رہے گی کہ وہ اپنے اعمال پر فخر نہ کریں گے بلکہ رب کا شکر کریں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار دوزخ میں پہنچیں گے تو آپس میں لعن طعن کریں گے یعنی ان کے دلوں سے دنیا کی محبتیں رشتے عداوتوں اور بیگانگی میں تبدیلی ہو جائیں گی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جنتی جب جنت میں جائینگے تو ان کی دنیا کی عداوتیں کینے محبتوں میں بدل جائیں گے۔

شان نزول: حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان و علی طلحہ، زبیر، ابن مسعود، عمار ابن یاسر، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی کہ ان حضرات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اختلافات واقع ہوئے۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دور فرما دے گا اور یہ سب حضرات بھائیوں کی طرح جنت میں جائیں گے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھا کریں گے (تفسیر روح البیان) گویا اس آیت میں ان بزرگوں کے آئندہ اختلافات دنیاوی کی بھی خبر دی گئی ہے اور آخرت میں ان کے دور کرنے کی بھی۔ ورنہ یہ آیت مکیہ ہے اور حضرت سلمان فارسی بعد ہجرت ایمان لائے اور یہ واقعات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمودار ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ میں اور عثمان، طلحہ، زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے **ونزعنا مافی صدورھم الخ** (تفسیر کبیر بیضاوی مدارک وغیرہ) بہر حال اس آیت کا تعلق ان حضرات سے بہت قوی ہے۔

تفسیر : **ونزعنا مافی صدورھم من غل۔** نزع بنا ہے نزع سے بمعنی اکھیڑنا اور کسی جمی ہوئی چیز کو مضبوطی سے ہلا کر نکالنا اس لئے جانکنی کو نزع کہتے ہیں کہ جان بدن سے رگ رگ سے کھینچ کر نکالی جاتی ہیں۔ چونکہ نفس انسانی میں آپس کے بغض و عناد گھر کئے ہوتے ہیں۔ بغیر رب کے کرم کے نہیں نکلتے اس لئے نزع ارشاد ہوا اور اسے رب نے اپنی طرف نسبت فرمایا دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **لو انفقت مافی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم** یعنی اگر

آپ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر دیتے تو انہیں جمع نہ کر سکتے اللہ نے انہیں جمع کر دیا ان کے دل ملا دیئے **صدور** جمع ہے صدر کی معنی سینہ مگر اس سے مراد ہے دل کہ دل سینہ ہی کے قریب رہتا ہے۔ غل کے لفظی معنی ہیں خفیہ طریقہ سے کسی چیز کا کہیں داخل ہو جانا اس لئے خیانت کو غلول کہتے ہیں کہ آدمی کسی کا مال چپکے سے اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ کینہ حسد 'عداوت' جو دل میں چھپا ہوا ہے بھی غل کہتے ہیں کہ وہی یہاں مراد ہے کہا جاتا ہے تغلغل فیہ (تفسیر کبیر) اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اہل جنت یعنی مومنین صالحین کی آپس میں جو دنیاوی عداوتیں کینے بغض تھے وہ ہم دور فرما دیں گے کہ وہ سب صاف دل ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم اہل جنت کے دلوں سے حسد و کینہ وغیرہ کی طاقت دور کر دیں گے لہذا جنت میں بعض جنتی بعض سے اعلیٰ ہوں گے مگر نیچے والوں کو کبھی اپنے ادنیٰ ہونے دوسروں کے اعلیٰ ہونے کا خیال تک نہ آوے گا حسد تو بہت دور رہیں۔ بلکہ ادنیٰ جنتیوں کو اعلیٰ جنتی حضرات سے یعنی اولیاء انبیاء سے محبت ہو گی اس کی مثال دنیا میں موجود ہے کہ بڑے لوگوں کے مال اور مثال یعنی درجے عہدے دیکھ کر حسد ہوتا ہے مگر اہمال 'کمال دیکھ کر حسد نفرت نہیں بلکہ اس سے محبت والفت ہوتی ہے اس کے پاس بیٹھنے بلکہ ان سے مرید ہو جانے کو دل چاہتا ہے ان کی وفات کے بعد لوگ ان کی قبروں کی نہیں چھوڑتے بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے رہیں گے چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہونا ہے اس لئے نزعنا ماضی ارشاد ہوا۔ **صواعق محرقہ** میں ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی کہ رب نے ان کے سینہ بے کینہ میں کسی کی طرف سے حسد کینہ نہ چھوڑا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی رب نے گواہی دی کہ ان کے سینے حسد و بغض وغیرہ سے پاک کر دیئے گئے۔ ان صورتوں میں **نزعنا** اپنے معنے میں ہے یعنی ہم نے ان کے سینوں سے دنیا میں ہی حسد و بغض وغیرہ دور کر دیئے **تجری من تحتهم الانهار** یہ عبارت **صدور هم** کی ضمیر ہم سے حال ہے تحتہم سے مراد ہے **تحت بساتينهم يا تحت غرفهم** چونکہ ہر جنتی کو دودھ 'شراب طہور 'شہد 'پانی کی مختلف نہریں عطا ہوں گی اس لئے یہاں **انهار** جمع فرمایا یعنی ہم اہل جنت کو تکلیف دہ چیزوں سے تو اس طرح دور کر دیں گے کہ ان کے سینے کینے 'حسد 'بغض وغیرہ سے صاف کر دیں گے اور انہیں عیش و آرام یہ دینگے کہ ان کے باغوں کے یا ان کے محلوں کے نیچے پانی 'دودھ 'شہد 'شراب طہور کی نہریں ہر وقت بہتی رہیں گی۔ نہر بحر کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں وہاں دریا نہ ہوں گے خوشنما نہریں ہوں گی وہ بھی چھوٹی اور ریلی جیسے بعض شاہی محلوں اور بعض امیروں کے باغوں میں دیکھی گئی ہیں یہ ان کے سائز کا نمونہ ہیں **وقالوا الحمد لله الذي هدانا لهذا** یہ عبارت **تجری** پر معطوف ہے اور اسی میں اہل جنت کی شکر گزاریوں خوشی منانے کا ذکر ہے یا تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہیں گے فخر کے لئے نہیں بلکہ شکر کے لئے یا رب تعالیٰ سے عرض کریں گے ہدایت کے معنی اس کے اقسام ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہذا سے اشارہ جنت کی طرف ہے اس سے مراد ہے کہ اعمال صالح جو جنت میں پہنچنے کا سبب و ذریعہ ہیں برے عقیدوں برے اعمال سے بچایا۔ **ما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله۔** یہ عبارت معطوف ہے **الحمد الله** پر اور **قالوا** کا مفعول ہے اس عبارت میں اپنے عجز و انکسار کا ذکر ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں ایمان و نیک اعمال کی ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہرگز ہدایت نہ پا سکتے تھے یہ تو اس کریم کی مہربانی تھی جو ہم کو ہدایت دی ایمان پر خاتمہ نصیب ہوا اور حساب محشر میں کامیاب ہوئے صراط سے بخیریت تمام گزرے یہاں پہنچ گئے۔ **لقد جاءت رسل ربنا بالحق** یہ عبارت یا تو **هدانا الله** کا بیان ہے کہ رب نے ہم کو براہ راست ہدایت نہیں دی بلکہ انبیاء کرام کے

ذریعہ عطا فرمائی وہاں ہادی حقیقی کا ذکر تھا یہاں واسطہ ہدایت کا تذکرہ ہے اس جملہ میں حمد الٰہی تھی اور اس جملہ میں نعت انبیاء کرام کہ نعت کے بغیر حمد مکمل نہیں ہوتی **بالحق** کی ب یا تو تعدیہ کی ہے یا مصاحبت کی یعنی وہ حضرات ہمارے پاس حق لائے یا حق کے ساتھ آئے حق کے معانی اس کے درجات بارہا بیان کر چکے حضرات انبیاء کرام خود بھی سراپا حق ہوتے ہیں ان کی ہر ادا حق ان کا ہر

عمل حق ہوتا ہے اور حق لاتے بھی ہیں **ونودوا ان تلکم الجنتہ** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی کرم نوازی کا ذکر ہے یعنی وہ اہل جنت تو اللہ کا شکریہ مذکورہ الفاظ سے ادا کریں گے اور ادھر سے رب تعالیٰ ان پر یہ کرم نوازی فرمائے گا ندا دینے والا یا تو خود اللہ تعالیٰ ہے یا اس کے حکم سے فرشتے **تلکم** مذکر ہے **تلک** کی اور **تلک** اشارہ بعید ہے چونکہ جنت بہت ہی اعلیٰ نعمت ہے نیز اس کا وعدہ ان لوگوں سے دنیا میں کیا گیا تھا اور دنیا اب بہت دور ہو چکی ہے اس لئے **تلک** اشارہ بعید لایا گیا **ان** یا تو بیانیہ اور مفسرہ ہے۔ جس میں ندا کا بیان ہے یا **ان** مشبہ بالفعل کا مخفف ہے۔ ایسی صورت میں اس کا اسم پوشیدہ ہے اصل میں **انہ** تھا (روح المعانی) بہرحال **تلکم الجنتہ** مبتدا ہے **اورثتموھا بما کنتم تعملون**۔ یہ عبارت **تلکم الجنتہ** کی خبر ہے اس کی اور تفسیریں بھی ہیں۔ **اورثتموھا** بنا ہے **ایرث** سے جس کا مادہ **ارث** بمعنی وراثت ہے جنت کو وراثت فرمانے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ جیسے میراث کا مال کسب سے نہیں بلکہ نسب یعنی رشتہ سے ملتا ہے ایسے ہی جنت محض اپنے اعمال سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے قرب اس کے کرم اس کے نبی کی نسبت سے ملے گی لہٰذا یہ گویا میراث ہے یعنی غیر کسبی چیز۔ دوسرے یہ کہ ہر جنتی اپنی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصہ کی جنت بھی جیسے ہر دوزخی اپنی دوزخ بھی لے گا اور مسلمان کے حصہ کی بھی کیونکہ ہر مومن و کافر کے لئے جنت اور دوزخ دونوں جگہ حصے رکھے گئے ہیں لہٰذا اسے میراث فرمانا بالکل درست ہے (روح المعانی و خازن وغیرہ) مومن زندہ ہے کافر مردہ لہٰذا وراثت فرمایا۔ **بما کنتم تعملون** یہ عبارت متعلق ہے **اورثتموھا** سے اس میں ب سببیہ ہے **ما** موصولہ اس سے مراد ہیں نیک اعمال یعنی تم کو جنت کی میراث ان نیک اعمال کی وجہ سے ملی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ اعمال رب کی رضا کا ذریعہ تھے اور رب کی رضا جنت ملنے کا ذریعہ۔

خلاصۂ تفسیر: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کے پہلے جملہ کی چار تفسیریں ہیں۔ (1) ہم قیامت میں جنت کے داخلہ کے وقت جنتیوں کے سینوں سے وہ تمام حسد کینے وغیرہ نکال لیں گے جو دنیا میں ایک دوسرے سے تھے امام سدی فرماتے ہیں کہ جب جنتی دروازہ جنت پر پہنچیں گے تو وہاں ایک درخت پائیں گے جس کی جڑ میں دو نہریں ہوں گی یہ حضرات ایک نہر کا پانی پئیں گے اس سے ان کے سینے کینوں عداوتوں سے پاک و صاف ہو جائیں گے اس کا نام شراب طہور ہے یعنی سینے پاک کرنے والا پانی' دوسرے چشمے سے غسل کریں گے تو ان کے چہرے چمک دمک جائیں گے پر نور ہو جائیں گے (خازن' معانی' کبیر وغیرہ)۔ (2) ہم جنتیوں کے سینوں سے حسد وغیرہ کا مادہ دور کر دیں گے چنانچہ ان میں کا ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کو دیکھ کر اس پر حسد نہ کرے گا بلکہ خوش ہو گا۔ (3) ہم نے دنیا میں حضرات صحابہ کے سینوں سے کینے دور کر دیئے اگر وہ لڑیں گے بھی تو رب کے لئے نہ کہ ذاتی عداوتوں کی بنا پر۔ (4) ہم نے اہل بدر کے سینوں سے کینے نکال دیئے ان کے دل ایک دوسرے سے صاف ہیں ان کی آئندہ لڑائیاں نفسانی نہیں۔۔

راہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی! شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ! جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

ان کا حال ہو گا کہ ان کے محلوں یا باغوں کے نیچے دودھ' شہد' پانی' شراب طہور کی نہریں بہتی ہوں گی جن سے ان کے گھروں باغوں کا حسن اور بھی زیادہ ہو جاوے گا وہ حضرات یہ نعمتیں پا کر فخر نہ کریں گے بلکہ بطور شکریہ یہ کہیں گے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو دنیا میں یہاں جنت تک پہنچنے والے اعمال کی ہدایت فرمائی۔ یہ ہدایت اس کریم کا خاص عطیہ تھی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے ہم سے بڑے عاقل ہوشیار دوزخی رہے پھر اس نے یہ ہدایت ہم کو اس طرح بخشی کہ اس کے رسول پیغمبر ہمارے پاس حق پیغام لائے ہمیں سنائے ہمیں پہنچائے ادھر تو یہ لوگ اس طرح رب کا شکر کرتے ہوں گے ادھر رب کی طرف سے انہیں ندا ہو گی کہ اے جنتیو تم کو یہ جنت بطور میراث دی گئی کہ تم نے نیک اعمال کے ذریعہ ہم کو راضی کیا اور ہم نے راضی ہو کر تم کو جنت عطا کی جیسے میراث کسب سے نہیں بلکہ نسب سے ملتی ہے ایسے تم کو یہ جنت محض اعمال سے نہیں بلکہ ہمارے قرب اور وصال سے میسر ہوئی یا ہم نے تم کو دو جنتیں دیں ایک تمہاری اپنے حصہ کی دوسری ان کفار کے حصے کی جو کافر مر کر دوزخ میں گئے اور ان کا بچا ہوا حصہ تم کو عطا ہوا ان کے حصے کی حوریں باغات وغیرہ سب تم نے لئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آپس کی محبتیں سینوں کی صفائی جنتی نعمتیں ہیں اور آپس کے بغض و عناد دوزخ کے عذاب ہیں۔ یہ فائدہ **و نزعنا ما فی صدورھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جن جھونپڑوں میں اتفاق ہے وہ دنیا میں جنت ہیں جن محلوں میں نااتفاقی ہے وہ دنیا میں دوزخ ہیں اللہ تعالیٰ سینے کھنچنے سے پاک کرے یہ رب کی بڑی نعمت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام میں اگرچہ آپس میں جنگیں واقع ہوئیں مگر ان کے سینے عداوتوں سے پاک و صاف تھے جنگ کی وجہ ان کے اختلاف تھے نہ کہ ان کی عداوتیں۔ اس کی نہایت نفیس تحقیق ہماری کتاب "امیر معاویہ پر ایک نظر" میں دیکھو ان کی حالت یہ تھی۔ ع

جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا!

یہ فائدہ **ونزعنا الخ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جنتی لوگ دنیا میں گنہگار بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے آپس میں جھگڑے فساد بھی ہو سکتے ہیں یہ عیوب مومن ہونے یا جنتی ہونے کے خلاف نہیں ہاں جنت میں جانے سے پہلے ان کے یہ عیوب دور کر دیئے جائیں گے۔ یہ فائدہ بھی **ونزعنا الخ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ نکال وہ چیز جاتی ہے جو پہلے موجود ہو دنیا میں ان جنتی لوگوں کے دلوں میں کینے تھے جو اس وقت دور کئے گئے۔ **چوتھا فائدہ:** اہل جنت کو کبھی کسی پر حسد نہ ہو گا ان میں ادنیٰ اعلیٰ پر نہ حسد کریں گے نہ رشک۔ یہ فائدہ ونزعنا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنت میں کوئی عبادت روزہ' نماز' حج' جہاد' زکوٰۃ وغیرہ نہ ہو گا مگر تلاوت قرآن' حمد الٰہی' اللہ کا شکر' پردہ غیرت وغیرہ وہاں بھی ہوں گے یہ فائدہ **وقالوا الحمد للہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہدایت نیک اعمال کی توفیق اللہ کی خاص نعمت ہے جو محض اس کے فضل و کرم سے ملتی ہے یہ سودا کسی دوکان سے نہیں ملتا۔ اس لئے انسان اس پر ناز نہ کرے شکر کرے۔ یہ فائدہ **وما کنا لنھتدی الخ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہاں اسی نعمت یعنی ہدایت اور توفیق کا ڈپو حضرات انبیاء کرام کے

آستانے ہیں اللہ تعالیٰ جسے یہ نعمت دیتا ہے ان بزرگوں کے ذریعہ دیتا ہے۔ یہ فائدہ **لقد جاء ت رسل ربنا بالحق** سے حاصل ہوا۔ ان کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں یافت جز در پئے مصطفےٰ

جیسے دھوپ سورج ہی سے ملتی ہے چاندنی چاند ہی سے ملتی ہے ایسے ہی ہدایت نبی سے خصوصاً حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے نعمت رب کی ہے دروازہ حضور محمد مصطفےٰ کا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ۔۔۔ ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا!

رب کی نعمت ان کا صدقہ ۔۔۔ دیتا وہ ہے دلاتے وہ ہیں

آٹھواں فائدہ: مومن دنیا میں حضرات انبیاء کی تصدیق سن کر کرتے ہیں وہاں آنکھوں سے دیکھ کر کریں گے یعنی نبیوں کی حقانیت پر علم الیقین ہے وہاں عین الیقین ہوگا۔ یہ فائدہ بھی **لقد جاء ت** الخ سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ دنیا میں بھی کہتے تھے کہ ہمارے رسول ہمارے پاس حق لائے وہاں بھی کہیں گے۔ **نواں فائدہ:** جنت محض اپنے اعمال سے نہیں ملے گی بلکہ عطاء ذوالجلال سے ملے گی یہ فائدہ **اورثتموھا** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اس کی پہلی تفسیر۔ **دسواں فائدہ:** ہر جنتی دو جنتیں سنبھالے گا اپنی اور کافر کی یہ فائدہ **اورثتموھا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** کوئی شخص اعمال نیک سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دوزخ کے اعمال کر کے جنت کی امید کرنا خیال خام ہے جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ فائدہ **بما کنتم تعملون** سے حاصل ہوا۔ تعجب ہے کہ بھنگی چرسی فقیر یہ تو کہتے ہیں کہ سانوں لوڑ نہیں روزہ نمازاں دی' سانوں لوڑ نہیں حج' زکوٰۃ دی مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ ساتوں لوڑ نہیں روٹی پانی دی' ساتوں لوڑ نہیں زمین آسمان دی۔ ایسے فقیروں کو چاہئے کہ زمین و آسمان سے نکل کر دکھائیں روٹی پانی ہوا دھوپ سے بے نیاز ہو کر دکھائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرح سارے عالم کو محیط ہیں انسان مرے بعد ان مذکورہ چیزوں روٹی' پانی وغیرہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر حضور کی ۔۔ت وہاں بھی رہتی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم۔)

پہلا اعتراض: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادنیٰ جنتی اعلیٰ جنتی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھے اور پھر اسے رشک یا حسد نہ ہو یہ بات تو فطرت انسانی کے خلاف ہے پھر **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** کی دوسری تفسیر کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عقلی دوسرا حسی' عقلی جواب تو یہ ہے کہ دل میں حسد کینہ یا نفس امارہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا شیطان کے بہکانے سے جنت میں نفس امارہ رہے گا نہیں نفس مطمئنہ بن چکا ہوگا رہا شیطان وہ دوزخ میں اپنی آفت میں گرفتار ہوگا وہ جنتی کو بہکانے کا خیال بھی نہ کر سکے گا۔ کیونکہ اب وہ دوزخ میں سزا پا رہا ہوگا وہ بھی دائمی لہٰذا اب اہل جنت کو حسد ہو تو کیونکر۔ **جواب حسی** یہ ہے کہ آج دنیا میں بعض اللہ والے ایسے دیکھے جاتے ہیں جن کے دل میں کسی سے کسی قسم کا حسد یا کینہ نہیں ہوتا جب دنیا میں آج ایسے لوگ موجود ہیں تو وہ جگہ تو جنت ہے وہاں حسد یا کینہ نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کینہ ور اور حاسد لوگ بھی جنت میں جائیں گے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ حاسد جنتی نہیں یہ آیت اور وہ حدیث متعارض ہیں۔ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حاسد حاسد رہتے ہوئے جنت میں نہیں جا سکتا یہ حاسدین جب جنت میں جائیں گے تو حسد وغیرہ سے پاک ہو جائیں گے اس وقت حاسد نہ رہیں گے یہ ضروری نہیں کہ دنیا

میں جنتی لوگ معصوم یا محفوظ ہوں گنہگار بھی گناہوں سے پاک و صاف ہو کر جنت میں جائیں گے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں نزعنا کیوں ارشاد ہوا اسلبنا یا اخرجنا کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا جو چیز کسی جگہ سرایت کر چکی ہو اسے دشواری سے کھینچ کر نکالا جاوے تو اسے نزع کہتے ہیں جیسے جسم میں سے جان کا نکلنا نزع کہلاتا ہے چونکہ کینہ حسد انسانی طبیعت میں سرایت کئے ہوئے ہیں اس لئے اس کے دور کرنے کو نزع فرمایا گیا اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ کوئی شخص خود اپنے کو حسد کینہ سے پاک و صاف نہیں کر سکتا یہ محض توفیق خداوندی سے ہی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں جنت کو میراث کیوں فرمایا گیا وہ تو اپنی کمائی ہے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی ابھی تفسیر میں گزر چکے کہ یا تو اس حصہ کو میراث کہا گیا جو کفار کا حصہ تھا اس کو دیا گیا ہوا حصہ میراث ہے یا یہ مطلب ہے کہ جنت درحقیقت عبدیت کی وجہ سے ملے گی جیسے باپ کی میراث ابنیت کی وجہ سے ملتی ہے اعمال جنت کا مستقل سبب نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت نیک اعمال سے ملے گی **بما کنتم تعملون** مگر حدیث میں ہے کہ جنت صرف رب کے فضل سے ملے گی اپنے اعمال سے نہ ملے گی حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ جنت اعمال سے ملے گی اور اعمال کی توفیق فضل ذوالجلال سے ملتی ہے تو اصل ذریعہ اس کا فضل ہوا دوسرے یہ کہ جنت اعمال سے ملے گی مگر اعمال کی قبولیت رب کے کرم سے ہے لہٰذا بات وہی ہوئی تیسرے یہ کہ جنت ملنے کا سبب اعمال ہیں مگر اس کی علت فضل رب ذوالجلال ہے جیسے کپڑے کی صفائی کا سبب صابن و پانی ہے مگر علت کسی کا ہاتھ ہے جو کپڑے کو دھوئے غلہ کی پیداوار کا سبب بیج کھاد پانی ہے مگر اس کی علت اللہ کی مہربانی ہے ورنہ یہ سب کچھ بیکار ہے یہاں آیت میں سبب جنت کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں علت جنت کا تذکرہ ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اگر جنت کا سبب نیک اعمال ہیں تو بدعمل لوگ یونہی بے عمل بچے دیوانہ جنت میں نہیں جانے چاہئیں۔ حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات بارہا عرض کئے جا چکے ہیں کہ ان جیسی آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہے جس میں بندے کے عمل کو دخل ہے۔ جنت وہبی اور جنت عطائی کے لئے وہ آیت ہے **الحقنا بھم ذریتھم** الخ اکثر پھل پھول کاشت سے پیدا ہوتے ہیں مگر بعض محض بارش سے خودرو ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل پر حلوہ اور کباب آسمان سے برستے تھے قانون اور قدرت دونوں پر اعتقاد ضروری ہے ہم گنہگاروں کو اس کے دست عطا پر ناز ہے۔

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے!

ساتواں اعتراض: تم نے کہا کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام یعنی اہل بدر کے لئے ہے کہ ان کے سینے کینوں سے پاک ہیں ان میں عداوتیں نہیں مگر حضرت عثمان کی نصف خلافت اور حضرت علی کی پوری خلافت کے واقعات بتاتے ہیں کہ ان میں سخت عداوتیں تھیں ان میں بڑی خونریز جنگیں ہوئیں۔ **جواب:** اس کا جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو خلاصہ یہ ہے کہ ان کی جنگیں اختلاف کی تھیں۔ عداوتوں کی نہ تھیں جیسے برادران یوسف علیہ السلام کے معاملات حضرت یوسف سے اور حضرت سارہ کا معاملہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل سے یہاں غل کی نفی ہے اختلاف کی نفی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے

رحماء بینھم۔

تفسیر صوفیانہ : حسد کینہ بغض وغیرہ بشری کدورتیں ہیں جو مومن کے قلب پر عارضی طور پر ایسی آجاتی ہیں جیسے سونے

پر گردو غبار دلوں کی طہارت نور ایمان سے ہے اور روحوں کی پاکیزگی پانی عرفان سے سر کی طہارت۔ تجلی صفات کے شراب طہور سے۔ اہل حقیقت ' اہل معرفت کے دلوں میں نہ تو دنیا میں حسد کینہ ہوتے ہیں نہ آخرت میں۔ رہے دوسری عام مومنین ان کے سینہ میں کینہ نہیں ہوتا بلکہ کبھی سینہ کینہ میں آجاتا ہے دودھ میں پانی آتا اور رہے سونے پر غبار آتا کچھ اور ' یہاں اہل حقیقت اہل معرفت کا ذکر ہے کہ ارشاد ہے کہ ہم نے روز ازل سے ہی ان کے سینے کینوں سے خالی کردیئے وہاں یار رہتا ہے اغیار پھر کیسے آویں وہاں سخت چوکی پہرہ ہے شیطان چور کی وہاں گزر نہیں۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ بہت ظلم کئے مگر آپ کے دل میں کینہ نہ ہوا نہ آپ نے بدلہ ہی لیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ہندہ ' وحشی نے بہت زیادتیاں کیں مگر آپ کے دل میں کینہ نہ ہوا نہ آپ نے بدلہ لیا۔ یہ ہے **ونزعنا مافی صدورھم من غل** کی تفسیر دنیا ہی میں ان کے سینوں میں نہری جاری ہیں پھر وہاں میل کیسا وہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ سب کچھ محض عطاء رب ذوالجلال سے ہے ہمارے کمال سے نہیں انبیاء کرام خصوصا" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم کی نظر نے ہم تک حق یعنی صفائی قلب پہنچادی ادھر سے غیبی آوازیں آرہی ہیں کہ اے محبوب بندو تم اپنے ان اعمال یعنی شکر گزاری وغیرہ کی بنا پر جنت کے وارث بنے ہو یعنی ہمارے قرب کی وجہ سے اس کے مالک ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن زندہ ہے کافر مردہ کافروں کے حصہ کی جنت جو مومنوں کو عطا ہوگی وہ میراث ہوگی۔ کیونکہ میراث دینے کے لئے موت شرط ہے اور میراث لینے کے لئے زندگی شرط ہے مردہ کی میراث زندہ لیتا ہے کافر کی میراث مومن لے گا۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے **اموات غیرا حیاء** خاص مومنوں کے لئے فرماتا ہے **بل احیا ولکن لا تشعرون** اور فرماتا ہے **وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون** صوفیاء فرماتے ہیں کہ مال کی میراث نسب سے ملتی ہے اور کمال یعنی جنت کی میراث نبی کی نسبت سے اجنبی آدمی خواہ کتنی ہی خدمت کرے مگر وہ اس کا وارث نہیں کہ اس کو نسبی رشتہ حاصل نہیں اپنا بیٹا اگرچہ خدمت نہ کرے مگر وارث ہے کیونکہ اسے خونی نسبی رشتہ میسر ہے یونہی کافر کتنی ہی نیکیاں کرے جنتی نہیں کیونکہ اسے نبی سے نسبت نہیں مومنوں کے چھوٹے بچے پاگل دیوانے اور وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی مرجاویں کسی عمل کا انہیں موقعہ نہ ملے مگر جنتی ہیں کیونکہ انہیں نبی کی نسبت امتی ہونے کی ہے ہاں خدا موقعہ دے تو نیک اعمال اس نسبت کے قوی ہونے کا سبب ہیں **بما کنتم تعملون**۔

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا

اور ندا دیں گے بہشت والے آگ والوں کو یہ کہ بے شک پایا ہم نے وہ جو وعدہ کیا تھا ہم سے

اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے

رَبُّنَا حَقًّا فَہَلۡ وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّکُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ

ہمارے رب نے ٹھیک تو کیا پایا تم نے وہ جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے درست کہیں گے ہاں پھر اعلان کریگا

رب نے کیا تھا تو کیا تم نے پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ دیا تھا بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے

بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

ایک اعلان کرنے والا درمیان ان کے یہ کہ پھٹکار ہو اللہ کی اوپر ظالموں کے۔ وہ جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے

پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر　جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اسے بھی چاہتے

وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور تلاش کرتے ہیں اسے ٹیڑھا اور آخرت کے منکر ہیں۔

ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں۔

وقف لازم

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں جنتی لوگوں کی اس گفتگو کا ذکر تھا جو وہ آپس میں کریں گے اب ان کی اس گفتگو کا ذکر ہے جو وہ دوزخیوں سے کریں گے گویا آپس کی محبت بھری شکرانہ کی گفتگو کے بعد کفار سے لعن طعن کی گفتگو کر ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں اس لعن طعن کا ذکر ہوا تھا جو دوزخی ایک دوسرے پر کریں گے **کلما دخلت امة لعنت اختها** اب اس لعن طعن کا ذکر ہو رہا ہے جو جنتی لوگ ان پر کریں گے اور ان پر آوازے کسیں گے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں اہل جنت کی داخلی نعمتوں کا ذکر تھا اب ان کی بیرونی نعمتوں کا تذکرہ ہے یعنی اہل دوزخ کی تکالیف دیکھ کر انہیں ملامت کرنا مصیبت زدوں کو دیکھ کر آرام والوں کو آرام و راحت کی قدر ہوتی ہے۔

تفسیر : **ونادی اصحب الجنة اصحب النار** یہ واقعہ جب ہوگا جب کہ سارے جنتی جنت میں پہنچ کر مطمئن ہو جائیں گے (معافی کبیرہ وغیرہ) یعنی گنہگار مومنین بھی اپنی سزا بھگت کر جنتیوں کی شفاعت وغیرہ سے جنت میں آ جائیں گے اہل جنت پہلے تو اپنے دوزخی مومنوں کو بخشوانے انہیں دوزخ سے نکالنے کی کوشش کریں گے اس سے فارغ ہو کر دائمی دوزخیوں یعنی کفار سے یہ کلام کریں گے **نادی** بنا ہے **ندا** سے معنی پکارنا اعلان کرنا کسی کو دور سے بلانا یہاں معنی پکارتا ہے اصحاب جنت سے سارے مومنین مراد ہیں خواہ پہلے ہی سے جنت میں پہنچ گئے ہوں یا بعد میں پہنچے ہیں اور **اصحاب النار** سے مراد کفار دوزخی ہیں کیونکہ گنہگار مومن تو دوزخ سے نکل چکے جنت میں پہنچ چکے اگرچہ یہ نداء پکار آئندہ ہو گی مگر چونکہ یہ واقعی یقینی ہونا ہے اس لئے **نادی** ماضی ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ کبھی تو سارے جنتی لوگ سارے دوزخیوں سے یہ کلام کریں گے اور کبھی جنتیوں کی ایک جماعت دوزخیوں کی ایک جماعت سے اور کبھی ایک ایک جنتی ایک ایک دوزخی سے یہ کلام کرے گا جسے وہ دنیا میں جانتا پہچانتا تھا مثلاً" وہ اس کا عزیز قرابت دار تھا یا آس پاس والا یا ویسے ہی واقف کار اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فهو لمقلين** اور وہ کہ **فاطلع فراه في سواء الجحيم قال تالله ان كدت لتردين** یہ آیت کریمہ ان تینوں کاموں کو شامل ہے اور یہ کلام دوزخی کافروں کو زیادہ شرمندہ کرنے انہیں حسرت دلانے کے لئے ہوگا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا** یہ ہے اس کا مضمون۔ اس میں **ان** یا تو تفسیر یہ ہے جو نداء کو بیان کر رہا ہے یا **ان** مشبہ بالفعل کا مخفف ہے اصل میں **انه تها** **وجدنا** یا تو دو مفعول چاہتا ہے پہلا مفعول **ما وعدنا** ہے دوسرا **حقا** یا ایک مفعول چاہتا ہے اور **حقا**

ما وعدنا کا حال ہمارا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ دوسرے احتمال پر یعنی اے دوزخی کافرو دنیا میں ہم سے ہمارے رب نے بواسطہ انبیاء کرام جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے بالکل درست پالیا جنت یہاں کی نعمتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ہم کو مل گئیں یا اے دوزخیو! ہم سے رب نے جو سچا وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پالیا ہمارے عیش و آرام دیکھ لو **فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا** یہ سوال کفار کو شرمندہ کرنے ان کی حسرت اور زیادہ کرنے کے لئے ہے ورنہ مومنین تو انہیں بھی ان کے عذاب کو بھی دیکھ رہے ہیں چونکہ **ما وعد** کے **ما** سے مراد رب کے سارے وعدے ہیں جو کفار سے کئے گئے تھے قیامت وہاں کا حساب و کتاب دوزخ اور وہاں کا عذاب سب کچھ مراد اس لئے اسے وعدہ فرمایا وعید نہ کہا نیز اس لئے یہاں **وعد کم** نہ فرمایا کیونکہ اس کے بعض وعدے تو مسلمانوں سے بھی کئے گئے تھے (از تفسیر بیضاوی) اور ہو سکتا ہے کہ کفار مردود بندے ہیں مردودوں سے خطاب نہیں کیا جاتا کہ اس میں ان کی عزت افزائی ہے اس لئے **وعد کم** نہ فرمایا (خازن وغیرہ) **قالوا نعم** یہ دوزخی کفار کا جواب ہے جو وہ جنتیوں کو دیں گے **قالوا** کا فاعل یہی کفار ہیں **نعم بلی** جب مثبت سوال کے جواب میں آئیں تو بالکل ہم معنی ہوتے ہیں مگر منفی سوال کے جواب میں ہوں تو نعم نفی کا اقرار ہوتا ہے اور بلی منفی کا اقرار یعنی تب ان دونوں میں فرق ہوتا ہے جیسے **الست بربکم** کیا میں تمہارا رب نہیں **قالوا بلی** وہ بولے ہاں تو ہمارا رب ہے اگر نعم کہتے تو معنی یہ ہوتے کہ ہاں تو ہمارا رب نہیں۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے یہاں چونکہ مثبت سوال تھا لہٰذا **نعم** اور **بلی** ایک ہی معنی میں ہیں۔ **فاذن موذن بینهم** یہ واقعہ اس سوال و جواب کے بعد ہو گا اس لئے یہاں **ف** ارشاد ہوئی **اذن** بنا ہے **اذان** سے بمعنی اعلان عام رب فرماتا ہے **واذان من الله**۔ موذن یعنی اعلان کرنے والا کوئی فرشتہ ہو گا حضرت اسرافیل یا مالک یعنی دوزخ کا داروغہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ اعلان کرنے والے حضرت علی ہوں گے مگر یہ درست نہیں وہ تو جنت میں ان سوال کرنے والوں میں ہوں گے نہ کہ جنت دوزخ کے درمیان کسی مقام پر۔ (معانی) **بینهم** یا تو **اذن** کا ظرف ہے یا موذن کی صفت یعنی اس سوال و جواب کے فوراً بعد ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ جو جنتیوں دوزخیوں کے درمیان اعراف وغیرہ پر ہو گا یا یہ اعلان ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہو گا جسے یہ دونوں سن لیں گے **ان لعنة الله على الظلمين** یہ عبارت اذن کا مفعول ہے **ان** یا تو مبالغہ ہے یا انہ کا ہ کو پوشیدہ کر کے ان کا شد دور کر دیا۔ لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کے معانی ہوتے ہیں رحمت سے دور کر دینا یعنی پھٹکار یہاں یہی معنی ہیں۔ **ظالمین** سے مراد ہیں کافرین جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ اس اعلان میں صرف ایک جماعت یعنی کفار کی پھٹکار کا ذکر ہے مومنین پر رحمت الٰہی کا ذکر نہیں کہ وہ تو خود سمجھ میں آجاتی ہے چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس میں دوام ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ظالموں پر دنیا کی زندگی، موت، قبر، حشر اور دوزخ میں ہمیشہ ہر جگہ لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے کہ اس کا دنیا میں کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا سب ہی شیطانی تھا یعنی گناہ کرنے کے لئے نفسانی یا رحمانی نہ تھا اس کی موت رب تعالیٰ کا وارنٹ اس کی قبر دوزخ کی بھٹی تھی ہر جگہ ہی ہر رحمت سے دور تھا اور رہے اور رہے گا۔ اس کے برعکس مومن ہر وقت ہر جگہ اللہ کی رحمت میں ہے اس کا ہر کام رحمانی یعنی اللہ کے لئے ہے **ان صلوتی ونسكي ومحیای ومماتی لله رب العلمين**۔ **الذين يصدون عن سبيل الله** یہ عبارت صفت ہے **الظالمين** کی اس نے بتایا کہ اس سے مراد کفار ہیں۔ **صدون** بنا ہے **صد** سے۔ صد کے معنی رکنا بھی ہیں اور دوسرے کو روکنا بھی یہاں دونوں احتمال ہیں۔ سرداران کفار تو اپنے ماتحتوں کو روکتے ہیں عوام کفار اپنی نسل کو کافر بناتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کی اولاد کافر ہوتی ہے۔

اگرچہ خود رکنا اور دوسروں کو روکنا دنیا میں ہو چکا تھا مگر چونکہ اس کا نتیجہ آج ظاہر ہو رہا ہے اس لئے **یصدون** حال کے صیغہ سے ارشاد ہوا۔ **سبیل اللہ** سے مراد یا تو اسلامی عقائد ہیں جو تمام انبیاء کرام نے بتائے یا نیک اعمال ہیں چونکہ یہ دونوں چیزیں خدا رسی کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں سبیل اللہ کہتے ہیں۔ نیک اعمال میں شریعت و طریقت دونوں کے اعمال داخل ہیں۔ شریعت سیدھا مگر دراز راستہ ہے۔ جس پر ہر شخص آسانی سے چل سکے اور طریقت وہ پیچیدہ چھوٹی گلیاں ہیں۔ جن پر صرف واقف راہ ہی چل سکے۔ عشاق کے نزدیک سبیل اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے راستہ کا ایک کنارہ مبداء پر ہوتا ہے دوسرا کنارہ منتہاء مقصود پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ مخلوق کی طرف ہے دوسرا ہاتھ رب تعالیٰ کی طرف آج بہت سے اسلامی فرقے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی طرف بلاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے ہیں یہ سب اس آیت میں داخل ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سبیل اللہ بھی ہیں اور حبل اللہ بھی یعنی اللہ کی رسی بھی اس راستہ پر چلنے کے معنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے وابستہ رہنا یعنی ان ظالموں پر خدا کی پھٹکار جو دنیا میں اللہ کی راہ دین اسلام سے خود رکے یا دوسروں کو روکتے رہے۔ **و یبغونھا عوجا** یہ عبارت **یصدون** پر معطوف ہے **یبغون** بنا ہے بغی سے بمعنی چاہنا' ڈھونڈنا' تلاش کرنا **ھا** کا مرجع وہی سبیل اللہ ہے **عوجا ھا** کا حال ہے۔ خیال رہے کہ **عوج عین** کے کسرہ سے بھی آتا ہے اور فتح سے بھی مگر ان دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ **عوج عین** کے کسرہ سے دین میں عقل میں کجی اور **عوج عین** کے فتح سے بدن میں کجی کہا جاتا ہے۔ **فی ساقہ عوج** اس کی پنڈلی میں کجی ہے یا آنکھوں سے محسوس کجی عوج ہے عین کے فتحہ سے۔ اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ خدا رسی کے لئے سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے تھے دوسرے یہ کہ یہ لوگ اللہ کی راہ یعنی اسلام میں ٹیڑھ اور کجی تلاش کرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ اسلام میں یہ خرابی ہے یا اسلام کو بدلتے اس میں خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے غرضیکہ یہ جملہ بہت وسیع ہے۔ **وھم بالاخرۃ کافرون** یہ عبارت یا تو **یبغون** کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے تب اس میں ان دونوں عیبوں کی وجہ کا ذکر ہے یعنی ان کفار میں یہ دونوں عیوب اس لئے ہیں کہ وہ آخرت کے انکاری ہیں اس لئے ان کے دل میں خوف خدا نہیں آخرت سے مراد برزخ قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ سب ہی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب آپ دوزخی کفار کے اندرونی عذاب جنتی مومنوں کے اندرونی ثواب تو سن چکے اب ایک اور پر لطف بات سنیں کہ جنتی لوگ کبھی سارے کے سارے کبھی بعض جماعتیں کبھی ایک ایک شخص دوزخ میں جھانک کر کفار کو پہچان کر انہیں پکاریں گے یا پکارا کریں گے کہ بولو جو ہم سے رب نے وعدے کئے تھے جنت کے جنت کی نعمتوں کے وہ تو ہم نے بالکل ہو بہو درست پالئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے استعمال کر لئے تم سے رب نے بواسطہ انبیاء وعدے وعید کئے تھے تم نے بھی پورے پورے پالئے یا نہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لی یا نہیں تب کفار بادل نخواستہ شرمندہ ہوتے ہوئے کہیں گے ہاں۔ ان دونوں کی یہ گفتگو ہو ہی رہی ہو گی کہ دوزخ و جنت کے درمیان اعراف سے ایک فرشتہ پکارے گا جسے یہ دونوں فریق سن لیں گے کہ ان کافروں پر اللہ کی پھٹکار ہو یا پھٹکار ہے۔ جن کا طریقہ دنیا میں یہ رہا کہ اللہ کی راہ یعنی اسلامی عقائد اور سیدھا راہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کئے رہے یا اسلام میں کجی خرابی نکالتے رہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کجی یعنی عیوب ڈھونڈتے رہے جسے خدا بے عیب بنائے اس میں عیب ڈھونڈنا بدترین جرم ہے ان سب حرکتوں کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ

آخرت یعنی عذاب برزخ قیامت دوزخ وغیرہ کے انکاری تھے ان کے دلوں میں رب کا خوف نہ تھا۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قیامت میں اور بعد قیامت جنت دوزخ میں کوئی اندھا بہرا یا گونگا نہ ہو گا اگرچہ بعض لوگ دنیا میں بہرے یا اندھے یا گونگے رہے ہوں۔ یہ فائدہ **ونادی اصحاب الجنة الخ** سے حاصل ہوا دیکھو سارے جنتی پکاریں گے اور سارے دوزخی سنیں گے۔ جنتی لوگوں کا جواب دیں گے یہ کام زبان کان آنکھوں سے ہی ہو سکتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** دور کی چیز دیکھ لینا دور کی بات سن لینا دور والوں سے بات کر لینا عطاء الٰہی بندوں کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی قدرت سے یہ کام بندے بھی کر لیتے ہیں دیکھو جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے مگر جنتی لوگ اتنے فاصلے سے دوزخیوں کو دیکھ بھی لیں گے ان سے باتیں بھی کر لیں گے۔ آصف برخیا نے فلسطین میں بیٹھے ہوئے ملک یمن کے شہر سبا میں رکھے ہوئے تخت بلقیس کو دیکھ بھی لیا اور آن کی آن میں اسے لا کر حاضر بھی کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا کہ میں یہاں سے اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں۔ جو کہے کہ دور کی بات سننا دور کی خبر دینا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے بندوں میں یہ صفات ماننا شرک ہے۔ وہ جھوٹا ہے ان آیات و احادیث کا منکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت انسان کی قوت سامعہ وغیرہ بہت قوی ہو جاتی ہیں دیکھو جنتی لوگ کتنی دور سے بات چیت کریں گے بعد دفن میت دفن کرنے والوں کی قدم کی آہٹ سنتی ہے یہ فائدہ بھی **ونادی اصحاب الجنة الخ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دنیا میں حضرات انبیاء کرام کے وعدے اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں ان کا ماننا رب کو ماننا ہے ان کا انکار رب کا انکار ہے۔ یہ فائدہ **وعدنا ربنا الخ** سے حاصل ہوا دیکھو وعدے کئے تھے نبیوں نے مگر فرمایا گیا ہم سے رب نے وعدے کئے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کو لعن طعن کرنا ہر امتی اہل جنت کی سنت ہے دیکھو جنتی لوگ کفار پر بطور طعن یہ گفتگو کریں گے بلکہ یہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح بدر کے بعد ابوجہل وغیرہ کی لاشوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا بولو اے کافر جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں یہ خطاب بھی طعن اور عتاب کے طور پر تھا۔ میں بھی کل مقام محمود کے پاس وہابیوں سے پوچھوں گا کہ دیکھو میرے آقا کی شان ایسی ہی ہے جیسی میں بیان کرتا تھا۔ **چھٹا فائدہ:** سوال ہمیشہ معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقصد اور بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو یہاں سوال ہے مگر اس سے مقصود دوزخیوں پر طعنہ کرنا ہے ورنہ جنتی لوگ تو جانتے ہیں کہ دوزخیوں کو سزا مل رہی ہے اور انہوں نے رب کے کئے ہوئے وعدے وعید ہو بہو درست پالئے۔
ساتواں فائدہ: تمام گناہوں کی جڑ اللہ سے بے خوفی اور قیامت کا انکار ہے۔ یہ فائدہ **وهم بالآخرة** سے حاصل ہوا۔
پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جنت والے آگ والوں سے کہیں گے آگ میں تو بعض گنہگار مومن بھی ہوں گے کیا ان پر بھی یہ طعن ہو گا۔ **جواب:** ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ گفتگو ان گنہگاروں کے دوزخ سے نکل جانے جنت میں پہنچ جانے کے بعد ہو گی جنتی لوگ ان گنہگاروں پر طعن نہ کریں گے بلکہ ان کی شفاعت کر کے انہیں دوزخ سے نکالیں گے جب تک ان سب کو نکال نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ گنہگار مومن اگرچہ کچھ دن آگ میں رہیں گے مگر آگ والے نہ ہوں گے۔ بھٹی کا کوئلہ آگ والی چیز ہے وہاں تپنے والا سونا آگ والی چیز نہیں گھر میں مستقل رہنے والا گھر والا ہے ملاقات اور مہمان جو کچھ دیر کے لئے گھر میں گیا وہ گھر والا نہیں کہلاتا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں دو جگہ وعدہ کا ذکر ہے مگر پہلی جگہ تو ہے **ما وعدنا** اور دوسری جگہ ہے **ما وعد ربكم** یعنی **وعد كم** نہیں ہے اس فرق کی کیا وجہ ہے یا تو دونوں جگہ **وعد** کا مفعول مذکور نہ ہوتا

یا دونوں جگہ ہو تا یعنی **وعدکم ربکم** ہو تا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر بیضاوی نے تو یہ دیا ہے کہ رب تعالیٰ نے کفار سے قیامت حساب و کتاب دوزخ اور وہاں کے عذاب سب ہی کے وعدے کئے تھے ان میں قیامت اور حساب و کتاب کے وعدہ کفار سے خاص سے نہ تھے بلکہ مومنوں سے بھی تھے اس لئے **وعدکم** نہ فرمایا مگر مومنوں سے جنت وہاں کی نعمتوں کے وعدے تھے جو کفار سے نہ تھے اس لئے **وعدنا** فرمایا دوسری تفسیروں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس میں بھی کفار کو ذلیل کرنا ہے گویا وہ رب تعالیٰ کے خطاب کے لائق نہ تھے اس لئے **وعدکم** نہ فرمایا **واللہ و رسولہ اعلم۔** **تیسرا اعتراض:** حضرت امام علی رضا فرماتے ہیں کہ یہ اعلانچی اور موذن حضرت علی ہوں گے جو یہ اعلان کریں گے کہ لعنت اللہ علی الظالمین نہ کہ کوئی فرشتہ۔ **جواب:** یہ روایت بالکل من گھڑت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اصحاب جنت میں سے ہیں وہ تو کفار سے یہ سوال کریں گے یہ اعلانچی جنت میں نہیں ہو گا بلکہ اعراف پر ہو گا جیسا کہ **بینھم** سے معلوم ہو رہا ہے تمہارے اس قول میں حضرت علی شیر خدا کی توہین ہے کہ تم نے انہیں اصحاب جنت سے علیحدہ مان کر انہیں درمیانی جگہ کا باشندہ مانا۔ **چوتھا اعتراض:** اس اعلانچی نے صرف ایک بات کیوں کہی کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے دوسری بات کیوں نہ کہی کہ مومنوں پر اللہ کی رحمت ہے۔ **جواب:** اس اعلانچی نے خطاب جنتی لوگوں سے کیا اور انہیں کفار کا حال سنایا دوزخیوں کو لائق خطاب سمجھا ہی نہیں انہیں سنا تو دیا مگر ان سے خطاب نہیں کیا نیز ایک گروہ یعنی کفار کا حال بیان کرنے سے دوسرے گروہ یعنی مومنین کا حال خود بخود معلوم ہو گیا اس ظہور کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ **پانچواں اعتراض:** جنتیوں کی زبان تو عربی ہو گی دوزخیوں کی زبان جیسا کہ مشہور ہے فارسی ہو گی پھر وہ ایک دوسرے کی بات کیسے سمجھ لیں گے اور سوال و جواب کیونکر ہوں گے؟ **جواب:** یہ زبانیں ان دونوں جماعتوں کی آپس میں بولنے کی ہوں گی مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی بولی سمجھا کریں گے بولنے کی زبان اور ہو سکتی ہے سمجھنے کی دوسری۔ آج حرمین طیبین کے دکاندار بولتے ہیں عربی مگر سمجھتے ہیں ہر ملک کی زبان اور بہ آسانی ہر ایک سے تجارت کر لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان بولتے تھے اپنی زبان مگر سمجھتے تھے جانوروں کی زبان بھی۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں کفار کے تین عیب بیان ہوئے پہلا عیب **یصدون عن سبیل اللہ** دوسرا عیب **و یبغونھا عوجا** تیسرا عیب **وھم بالاخرۃ ھم کافرون** ان میں پہلے دو عیب حال کے **صیغے** سے ارشاد ہوئے حالانکہ یہ دونوں واقعات تو دنیا میں ہوئے تھے لہٰذا **صدوا** اور **بغوا** ماضی فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب:** چونکہ ان دونوں عیوب کا ظہور اس وقت ہو رہا ہے ان کی سزا اب مل رہی ہے نیز کبھی ماضی کو حال سے تعبیر کرتے ہیں وہ واقعہ ذہن میں حاضر کرنے کے لئے ان وجوہ سے یہاں حال کے **صیغے** ارشاد ہوئے۔ ہم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک جنگل میں جا رہا ہوں مجھ سے ایک آدمی یہ کہہ رہا ہے میں یہ جواب دے رہا ہوں دیکھو یہاں گزشتہ واقعہ حال سے تعبیر ہوا کیوں وہ سب کچھ ذہن میں حاضر کرنے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں جنتی لوگ یعنی اہل محبت دوزخیوں یعنی اللہ تعالیٰ سے کٹے ہوؤں سے بہ زبان حال کہتے ہیں کہ ہم سے رب نے وعدہ کیا تھا۔ **من طلبنی وجدنی** جو مجھے تلاش کرے گا پالے گا ہم نے تو رب کا یہ وعدہ پا لیا۔ بولو تم سے جو رب نے وعدہ کیا تھا کہ **من یطلب غیری لم یجدنی** جو میرے غیر کو تلاش کرے گا وہ مجھے نہیں پا سکتا کیا تم نے بھی یہ وعدہ پا لیا وہ بزبان حال کہتے ہیں کہ ہاں پا لیا اسی دوران میں کشف ربانی سے کہا کہ اللہ کی پھٹکار ہے ان ظالموں پر جو کھائیں اللہ کی نعمتیں اور تلاش کریں اس کے غیر کو اور اس کی دی ہوئی طاقتیں اس کی ناراضی میں صرف کریں یہ لوگ اپنی روح اپنے دل کو اللہ کی طلب

سے روکتے ہیں۔ اور ٹیڑھا راستہ یعنی طلب دنیا اختیار کرتے ہیں یہ لوگ آخرت یعنی انجام کار کے انکاری ہیں اہل محبت پر طعن کرتے ہیں صرف محسوسات کے پیچھے پڑے ہیں۔ خیال رہے کہ لوگ اقرار انکار سلوک اور قعود میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

کودکاں گرچہ بہ یک مکتب دراند! در سبق ہر یک زیک بالا ترند!

خود ملائک نیز ناہمتا بودند! زیں سبب بر آسمان صف صف شدند!

یعنی مدرسہ ایک ہوتا ہے مگر وہاں پڑھنے والے طلباء مختلف درجوں میں ہوتے ہیں ایسے ہی دنیا ایک ہے۔ مگر یہاں کے رہنے والے لوگ جنت و دوزخ کے مختلف درجات والے ہیں۔ (روح البیان) اللہ تعالیٰ اچھے درجوں والا بنائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری رحمتیں خاصہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** کافر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے کہ دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں اور دوزخ میں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے اس لئے حقیقی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اسی کے لئے ہے گنہگار مسلمان اگرچہ رحمت خاصہ یعنی نیک اعمال سے دور ہو مگر رحمت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور نہیں کہ وہ بد عقیدہ نہیں حرم کعبہ تین تین میل تک ہے جو اس میں آ جائے امان پائے **ومن دخلہ کان امنا** مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے عالم میں ہے بزرگوں کے آستانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہیں لہذا لعنت یعنی رحمت عامہ سے دوری کفار ہی کے لئے ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمٰهُمْ وَنَادَوْا

اور درمیان ان دونوں کے ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے ہر ایک کو نشانیوں سے انکی

اور جنت دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق کو انکی نشانیوں سے

أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾

اور وہ ندا دیں گے بہشت والوں کو یہ کہ سلامتی ہو اوپر تمہارے نہ داخل ہوئے ہوں گے وہ اس بہشت میں اور وہ طمع

پہچانیں گے اور وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

کرتے ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی نگاہیں ان کی جانب آگ والوں کے تو کہیں گے اے رب ہمارے نہ

ہیں۔ اور جب انکی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھرے گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں

الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾

ملا تو ہم کو ساتھ قوم ظلم کرنے والی کے

ظالموں کے ساتھ نہ کر

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس گفتگو کا ذکر ہوا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان ہوگی اب اس گفتگو کا ذکر ہے جو ان دونوں جماعتوں سے ایک تیسری جماعت کرے گی یعنی آپس کی گفتگو کے بعد ایک غیر جانب دار جماعت کی گفتگو کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ جنتی لوگ دوزخیوں کو دیکھیں گے بھی ان سے گفتگو بھی کریں گے جس سے معلوم ہوا تھا کہ دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوا کریں گی۔ اب ارشاد ہے کہ اس آمنے سامنے ہونے کے باوجود نہ تو جنتیوں کو آگ سے تکلیف ہوگی نہ دوزخیوں کو جنت کی ہوا لگے گی کیونکہ ان کے درمیان اب بھی حجاب رہے گا گویا پہلے آمنے سامنے ہونے کا ذکر تھا اب حجاب رہنے کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بعض بیرونی حضرات دوزخیوں پر لعنت کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ کفار دوزخیوں پر لعنت کے ساتھ جنتی مومنوں کو بشارات بھی دیں گے گویا ان کے ایک کلام کے بعد دوسرے کلام کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اجمال تھا کہ ایک موذن اعلانچی اعلان کرے گا اب اس اعلانچی کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ اعراف والے ہوں گے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر : **و بینھما حجاب** یہ مضمون نیا ہے۔ جس میں ایک شبہ دور کیا گیا ہے یہ شبہ یہ تھا کہ جب جنت دوزخ اوپر تلے اس طرح ہیں کہ جنتی لوگ جھانک کر دوزخیوں کو دیکھ لیں گے اور دوزخی انہیں دیکھ لیں گے۔ ایک دوسرے سے باتیں کرلیں گے تو جنتیوں کو دوزخ کی لو' بدبو' تپش وغیرہ پہنچے گی اور دوزخیوں کو جنت کی ٹھنڈی ہوا خوشبو وغیرہ پہنچ جاوے گی اس شبہ کو اس ایک جملہ میں دور فرمادیا کہ نہیں بلکہ آوازیں نگاہیں تو ایک دوسرے تک پہنچ سکیں گی ہوائیں وغیرہ نہیں پہنچ سکیں گی کیونکہ جنت اور دوزخ کے درمیان یا جنتیوں دوزخیوں کے درمیان پردہ' آڑ نہایت مضبوط ہے اس حجاب کی حقیقت نہیں معلوم۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب** جس سے معلوم ہوا کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جو آڑ مضبوط ہے۔ دیوار کس چیز کی ہے یہ رب جانے یا ان شاء اللہ دیکھ کر جائیں گے۔ دیکھو کھاری اور میٹھے سمندر کے بیچ آڑ ہے جس سے پانی ایک دوسرے سے نہیں ملتے مگر اس آڑ کی خبر نہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے فرماتا ہے۔ **بینھما برزخ لا یبغیان** بلکہ دنیا میں دوزخیوں اور جنتیوں کے درمیان قدرتی آڑ ہے جس کی وجہ اہل جنت کی آواز دوزخیوں کے دل میں اثر نہیں کرتی وعظ و نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ **حجاب** بنا ہے جب سے بمعنی روک آڑ۔ پردہ کو حجاب اور ڈیوڑھی بان کو حاجب کہتے ہیں کہ یہ چیزیں روک اور آڑ ہوتی ہیں۔ **وعلی الاعراف رجال** یہ دوسرا نیا مضمون ہے جس میں حجاب کی قدرے تفصیل ہے **اعراف** جمع ہے عرف کی بمعنی اونچائی بلندی ظہور اس لئے مرغ اور گھوڑے کی گردن کے بالوں کو **عرف الدیک یا عرف الفرس** کہا جاتا ہے اسی سے ہے معروف بمعنی مشہور۔ **الاعراف** میں لام عوضی ہے اصل میں اعراف الحجاب تھا یعنی اس حجاب کی بلندیوں پر کچھ لوگ ہیں اعراف دراصل اس ہی حجاب کی بلندی کا نام ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ اعراف پر کون لوگ ہیں اس میں مفسرین کے سولہ قول ہیں۔ (1) وہ کچھ فرشتے ہیں جو مرد انسانوں کی شکل میں ہوں گے جنتیوں کو خوش خبری دوزخیوں کی ملامت کرنے کے لئے (بیضاوی) (2) وہ حضرات انبیاء کرام ہیں جو کچھ روز وہاں رہیں گے اس کام کے لئے (3) وہ حضرات شہداء عظام ہیں۔ (4) اعلیٰ درجہ کے مومنین

ہیں (5) وہ اس امت کے فقہاء علماء ہیں۔ (6) وہ قیامت کے خاص گواہ ہیں جو اس کام کے لئے مقرر کیے جائیں گے (7) وہ حضرت علی' عباس' حمزہ' جعفر ہیں جو اپنے محبوبوں کو ان کے چہرے کی سفیدی سے' مردود دشمنوں کو سیاہی سے پہچانیں گے۔ (8) یہ وہ شہید و غازی ہیں جو اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں گئے۔ یہ لوگ جہاد کی برکت سے دوزخ سے بچ گئے۔ ماں باپ کی بددعا سے جنت میں نہ گئے۔ (9) یہ وہ لوگ ہیں جن کے ماں باپ میں سے ایک راضی رہا دوسرا ناراض۔ (10) یہ لوگ اسلام میں حرامی بچے ہیں کہ تھے مومن مگر ہوئے حرامی (11) یہ لوگ مشرکین و کفار کی اولاد ہیں جو بچپن میں فوت ہوئے۔ (12) یہ لوگ فترت والے ہیں یعنی جو حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں ہوئے۔ جب نبوت کی روشنی گل ہو چکی تھی۔ (13) یہ لوگ وہ مومنین ہیں جنہیں دنیا میں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی جس سے ان کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے (14) یہ گناہ کبیرہ والے مسلمان ہیں جو بغیر توبہ مر گئے۔ (15) یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک و بد اعمال برابر تھے کوئی کم و بیش نہ تھا (16) یہ لوگ متکبر مومنین ہیں (تفسیر روح البیان و معانی و کبیر وغیرہ) فقیر کے نزدیک پندرھواں قول قوی ہے باقی قول ضعیف ان سب کے ضعف کی وجہ بیان کرنے میں بہت طوالت ہے۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ اعراف والوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **لم یدخلوھا و ھم یطمعون** کہ وہ لوگ جنت کے امیدوار ہوں گے مگر اب تک داخل نہ ہوئے ہوں گے تو پھر یہ لوگ فرشتے یا انبیاء کرام یا اعلیٰ درجہ کے مومنین کیسے ہو سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ جنت دوزخ کے درمیان یہ حجاب تو دائمی ہو گا مگر اعراف پر ان لوگوں کا قیام عارضی ہو گا کچھ مدت کے بعد یہ سب جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور اعراف خالی ہو جائے گا۔ جب یہ جنت میں جانے لگیں گے تو انہیں جنت کے دروازے پر نہر حیات میں ایک غوطہ دیا جاوے گا جس سے یہ لوگ نہایت ہی حسین و جمیل ہو کر دھل کر صاف ہو کر جنت میں پہنچیں گے۔ (تفسیر خازن) **یعرفون کلا بسیما ھم** یہ عبارت اعراف والے مردوں کی ہے یہ لوگ میدان محشر ہی پر جنتی دوزخی کو ان کے چہروں کے ہاتھ کھلے بندھے ہوئے' نامہ اعمال داہنے یا بائیں ہاتھ میں ہوئے وغیرہ سے ہی پہچان لیں گے یہ جنتی ہے یہ دوزخی۔ یہ مطلب نہیں کہ اب جنتی دوزخی کو علامات سے پہچانیں گے اب تو جنتی جنت میں ہیں۔ دوزخی دوزخ میں اب علامات کی ضرورت ہی نہیں۔ **سیما** بنا ہے سمت سے جس کی اصل وسم ہے بمعنی نشانی رب فرماتا ہے **سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود** اور اگر اعراف والے لوگ حضرات انبیاء یا خاص اولیاء اللہ ہوں تو مطلب یہ ہے کہ دنیا سے ہی یہ حضرات جنتیوں دوزخیوں کو جانتے پہچانتے ہیں وہ حضرات دنیا میں ہر ایک کے انجام سے باخبر ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں **یعرفونھم** فرمایا **یعلمونھم** نہ کہا تاکہ معلوم ہو کہ اعراف والے سارے جنتیوں دوزخیوں کو صرف جانیں گے نہیں بلکہ پہچانیں گے علم اجمالی بھی ہوتا ہے مگر معرفت تفصیلی ہی ہوتی ہے نیز جاننا ایک دو علامات کا بھی ہوتا ہے مگر معرفت یعنی پہچان پورے حالات کی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ اعراف والے ہر جنتی دوزخی کے الگ الگ سارے حالات سے خبردار ہوں گے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شی و عرفت ونا دوا اصحاب الجنۃ ان سلام علیکم** اعراف والوں کا اہل جنت کو یہ سلام پیش کرنا سلام ملاقات یعنی سلام تحیت نہیں بلکہ سلام بشارت ہے۔ سلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ سلام تحیت' سلام وداع' سلام بشارت' سلام بیزاری' سلام اجازت داخلہ وغیرہ یہاں تو دعاء سلامتی کے لئے ہے یا بشارت سلامتی کے لئے۔ سلام کے معنی ہیں سلامتی' امن' عافیت' یعنی تم پر سلامتی ہے یا سلامتی ہو ہم جو التحیات یا درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہیں وہ سلام' اجازت لینے یا ملاقات یا رخصت کا نہیں بلکہ دعا کا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں دیں رب سے بھیک ملے ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا تھا۔ **سلام علیک سا ستغفرلک لی** یہ سلام بیزاری تھا **لم یدخلوھا وھم یطمعون** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **لم یدخلوا** تو **نادوا** کے فاعل سے حال ہے اور **وھم یطمعون لم یدخلوھا** کے فاعل سے حال **طمع** بنا ہے **طمع** سے معنی امید مگر یہاں امید یقینی مراد ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** یعنی جس وقت اعراف والے جنتیوں سے یہ کہیں گے اس وقت وہ جنت میں گئے نہیں ہوں گے ہاں انہیں وہاں جانے کی امید یقینی ہو گی اس عبارت سے معلوم ہوا اعراف والے فرشتے یا انبیاء کرام کامل مومنین صالحین نہ ہوں گے بلکہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنی کسی کمی کی وجہ سے ابھی جنت میں نہ پہنچ سکے اس کے امیدوار ہیں۔ **واذا صرفت ابصارھم تلقاء اصحاب النار** اس عبارت میں اعراف والوں کی دوسری حالت کا ذکر ہے چونکہ یہ لوگ جنت دوزخ کے بیچ میں ہوں گے اس لئے یہ دونوں چیزیں ان کے سامنے ہوں گی ادھر منہ کیا تو جنت کا نظارہ کیا ادھر نگاہ کی تو دوزخ دیکھ لی مگر جنت کو دیکھنا رغبت سے ہو گا دوزخ کو دیکھنا مجبوراً" اور نفرت بے رغبتی سے اس لئے یہاں **صرفت ابصارھم** ارشاد ہوا کہ جب ان کی نظریں دوزخ کی طرف پھیری جائیں گی وہ خود خوشی سے ادھر نگاہ نہ کریں گے **صرفت** اور **ابصار** فرمانے سے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ کبھی کبھی وہ دوزخ کی طرف دیکھیں گے ہمیشہ نہیں دوسرے یہ کہ جب ادھر دیکھیں گے تو صرف نگاہ ہی اس طرف کریں گے چہرہ یا پورا رخ ادھر نہ کریں گے گویا کنکھیوں سے ہی او ھر دیکھیں گے خیال رہے کہ لفظ **تلقاء** مصدر ہے بروزن تفعال اس وزن پر صرف دو ہی مصدر آتے ہیں **تلقاء** اور **تبیان** یہاں معنی ظرف مکان ہے معنی جانب، سمت، طرف (تفسیر روح المعانی) **قالوا ربنا لا تجعلنا مع القوم الظلمین** یہ عبارت جزا ہے **اذا صرفت** کی اس میں دوزخیوں سے خطاب نہیں بلکہ انہیں سنا کر رب تعالیٰ سے دعا اس کی پناہ لینا ہے۔ جس میں دوزخیوں کی انتہائی اہانت و ذلت و خواری کا اظہار ہے انہیں ظالم فرما کر ان کے دوزخی ہونے کی وجہ بیان کر دی۔ **ظالمین** سے مراد کافرین ہیں۔ یا اللہ اس ظالم قوم کے ساتھ ہم کو نہ رکھنا دوزخ بھی عذاب ہے اور ان کی ہمراہی بھی عذاب۔ ان دونوں عذابوں سے تیری پناہ نہ ہم کو دوزخ میں بھیجنا نہ انہیں اعراف میں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل جنت اور اہل دوزخ کی گفتگو سے کوئی یہ دھوکہ نہ کھائے کہ دوزخ کی تپش جنت میں یا جنت کی ٹھنڈی ہوا خوشبو دوزخ میں پہنچے گی یہ نہ ہو سکے گا کیونکہ جنت دوزخ کے درمیان ایک مضبوط پردہ ہے جس کی وجہ سے ادھر کی کوئی چیز ادھر نہیں پہنچ سکے گی بلکہ جب جنتی لوگ دوزخیوں گنہگار مسلمانوں کو نکالنے دوزخ میں جائیں گے تب بھی ان کی نورانیت ایمان دوزخ کی آگ کیلئے حجاب بن جاوے گی۔ جس سے وہ ان میں بالکل اثر نہ کرے گی اس پردہ اور دیوار کے اپری حصہ پر کچھ لوگ ہوں گے جو ابھی نہ جنت کے قابل ہوئے نہ دوزخ کے لائق وہ ان جنتی دوزخی لوگوں کو میدان حشر سے ہی پہچانتے ہوں گے ان کی خاص نشانیوں سے وہ اہل جنت کو دیکھ کر انہیں پکاریں گے کہ تم پر ہر طرح کی سلامتی ہو تم ہر آفت سے محفوظ رہو اللہ کی امن و امان میں رہو یہ اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اس کے امیدوار ہوں گے کہ رب تعالیٰ ہم پر بھی کرم کرے اور ہم کو جنت میں پہنچا دے۔ اس لئے وہ جنتیوں کو دعائیں دیں گے کہ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ ہم کو بھی جنت میں داخل کر دے اللہ کے بندوں کو دعائیں دینا اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے پھر جب انہیں دوزخ کی طرف دیکھنا پڑے گا کہ ان کی نگاہیں ادھر پھیری جائیں گی تو وہ دوزخیوں سے براہ راست خطاب کے بجائے انہیں سنا کر رب کی پناہ مانگیں گے

کہ خدایا ہم کو ظالم و کافر قوم کے ساتھ نہ کر دینا ہم کو ان سے دور رکھ کر کرم فرما اس دعا سے دوزخیوں کو اور بھی تکلیف ہوگی۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جنت دوزخ میں ایک دوسرے کی آوازیں نگاہیں تو پہنچیں گی۔ مگر ہوائیں' خوشبو' بدبو وغیرہ کچھ نہ پہنچ سکے گی یہ فائدہ **وبینھما حجاب** سے حاصل ہوا کہ یہ حجاب ان چیزوں کی روک کے لئے ہے۔ دوسرا فائدہ: جنت دوزخ میں مرد و عورتیں دونوں ہوں گے مگر اعراف میں صرف بالغ مرد ہی ہوں گے نہ کوئی عورت ہوگی نہ کوئی بچہ۔ یہ فائدہ **رجال** سے حاصل ہوا نیز وہاں کوئی جن بھی نہ ہوگا یہ فائدہ بھی **رجال** سے حاصل ہوا کیونکہ مطلق رجل صرف مرد انسانوں کو کہا جاتا ہے ہاں جب **رجال من الجن** کہا جاوے تو جن مرد مراد ہوتے ہیں یہاں **رجال** مطلق ہے۔ خیال رہے کہ اعراف یا تو اس حجاب ہی کا نام ہے یا اس حجاب کے اعلیٰ حصہ کا نام۔ ظاہر یہی ہے اعراف عین حجاب نہیں ورنہ علیہ فرمایا جاتا **علی الاعراف** نہ کہا جاتا۔ تیسرا فائدہ: قیامت میں جنتی دوزخی علامات نشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ یہ فائدہ **بسیما ھم** سے حاصل ہوا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت میں سب کو پہچانیں گے۔ رب فرماتا ہے **یعرف المجرمون بسیما ھم** قیامت میں دوزخی لوگ اپنی نشانیوں سے پہچانے جائیں گے کہ ان کے منہ کالے آنکھیں نیلی ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال جنتی ان کے برعکس اور فرماتا ہے **فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان** جو کہے کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پرائے کافر و مومن کی پہچان نہ ہوگی۔ وہ دراصل ان جیسی آیات کا منکر ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں مطالعہ فرماؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلام دنیا میں جنتی دوزخی لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: نورانی مخلوق کروڑوں میل سے معمولی آواز سن لیتی ہے اور باریک سے باریک چیز دیکھ لیتی ہے دیکھو اعراف جنت اور دوزخ دونوں سے لاکھوں کروڑوں میل دور ہے مگر وہاں کے لوگ ہر جنتی جہنمی کو دیکھیں گے بھی اور ان سے کلام بھی کریں گے اہل جنت کو سلام بھی کریں گے دنیا میں نورانی لوگ دور سے سن لیتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے میلوں دور سے چیونٹی کی آواز سن لی **فتبسم ضاحکا من قولھا** یہ فائدہ **ونادوا اصحاب الجنۃ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ والوں کو دور سے سلام کرنا جائز ہے دیکھو اعراف کے لوگ کروڑوں میل سے اہل جنت کو سلام کریں گے۔ یہ فائدہ **ان سلام علیکم** سے حاصل ہوا۔ ہم لوگ نماز میں کہتے ہیں **السلام علیک ایھا النبی**۔ اگرچہ یہ سلام ملاقات کے سلام نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ پڑھنا **یا نبی سلام علیک** بالکل درست ہے۔ چھٹا فائدہ: اعراف والے درجہ میں جنتی لوگوں سے کم ہوں گے کہ وہ تو جنت میں پہنچ چکے مگر یہ حضرات ابھی وہاں کے امیدوار ہیں۔ یہ فائدہ **وھم یطمعون** سے حاصل ہوا۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ' نے فرمایا کہ اعراف پر صالحین و انبیاء کرام اور یہ کم درجہ لوگ سب ہی ہوں گے مگر مختلف مقصدوں سے۔ ساتواں فائدہ: بروں کی سنگت بھی بری ہے اللہ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ یہ فائدہ **لا تجعلنا مع القوم الظالمین** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح اچھوں کی سنگت بھی اچھی ہے رب فرماتا ہے **فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم** لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تر جاتا ہے۔

پہلا اعتراض : یہ مذکورہ حجاب اور اعراف ایک ہی چیز ہے یا مختلف چیزیں۔ جواب: اس کے متعلق مجھے تین قول ملے ہیں ایک یہ کہ دونوں ایک ہی چیز ہے نام مختلف ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حجاب کے اوپری حصہ کا نام اعراف ہے تیسرے یہ کہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں حجاب اور ہے اعراف کچھ اور ورنہ **علی الاعراف** نہ فرمایا جاتا بلکہ علیہ کہا جاتا **واللہ و رسولہ**

اعلم۔ دوسرا اعتراض: جب جنت اور دوزخ اوپر نیچے واقع ہے تو درمیان میں حجاب یعنی پردہ ہونا کیا معنی پردہ تو دو برابر کی چیزوں میں ہوتا ہے۔ جواب: اس کی وجہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ یہ حجاب اس لئے ہو گا کہ جنت کی خوشبو ٹھنڈی ہوا وغیرہ دوزخ میں نہ پہنچے اور دوزخ کی لو بدبو جنت میں نہ آئے باقی لوگوں کی نگاہیں آوازیں وہاں پہنچ سکیں اوپر نیچے کی چیزوں میں بھی حجاب ہو سکتا ہے ہانڈی چولہے پر ہو تو ہانڈی کا تلہ آگ اور پانی کے درمیان حجاب ہے حالانکہ یہ دونوں وہاں اوپر تلے ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض: اعراف میں صرف مرد ہی کیوں ہوں گے عورتیں کیوں نہ ہوں گی جب جنت دوزخ دونوں جگہ مرد عورتیں سب ہیں تو اعراف پر بھی سب چاہئے تھے۔ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ عورتوں کی وہاں بے پردگی ہوتی کہ وہ جنتی دوزخیوں کو دیکھتیں اور وہ لوگ ان عورتوں کو۔ دوسرے یہ کہ اعراف کی ڈیوٹی وہ ادا نہ کر سکتیں ان کی ڈیوٹی جنتیوں کو بشارات دینی اور دوزخیوں پر پھٹکار کرنی ہے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ دیکھو دنیا میں عورت امام 'موذن' سلطان' حاکم نہیں بن سکتی کہ ان چیزوں میں عورت کے چہرے یا آواز کی بے پردگی ہے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ اعراف پر بچے نہ ہوں گے حالانکہ قیامت اور اس کے بعد سب جوان ہوں گے کوئی بچہ نہ ہو گا پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ جواب: مطلب یہ ہے کہ جو دنیا میں بچے مرے وہ اعراف میں نہ ہوں گے کیونکہ اعراف میں وہ جائیں گے جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی بچے اعمال کے مکلف ہی نہیں پھر وہاں وہ کیسے رہیں۔ پانچواں اعتراض: اعراف کے لوگ جنتیوں کو پکاریں گے مگر دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہوا **واذا صرفت ابصارھم** جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی ان دونوں بیانوں میں فرق کیوں ہے۔ جواب: اس فرق کو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اعراف کے لوگ جنت کو بخوشی دیکھیں گے مگر دوزخ کو بخوشی نہ دیکھیں گے بلکہ انہیں دیکھنا پڑے گی اس لئے **ینظروا** یا **یروا** ارشاد نہیں ہوا بلکہ **صرفت ابصارھم** فرمایا گیا۔ چھٹا اعتراض: دعا کی جگہ تو دنیا ہے پھر اعراف کے لوگ وہاں یہ دعا کیوں مانگیں گے کہ خدایا ہم کو ظالم قوم کے ساتھ نہ رکھ۔ عبادات' ریاضات' توبہ' دعا یہ سب چیزیں دنیا کی ہیں۔ جواب: یہ قاعدہ غلط ہے دعائیں وہاں بھی ہوں گی حتی کہ انبیاء کرام اپنی امت کے لئے عرض کریں گے **اللھم سلم سلم** بعض عبادات جنت میں ہوں گی جیسے اللہ کا ذکر تلاوت قرآن۔ ہاں ثواب اس عبادت پر ملے گا جو دنیا میں کرلی جاوے۔ وہاں عبادات لذت کے لئے ہوں گی اگر مان لیا جاوے تو ان کی یہ دعا دوزخ والوں کو زیادہ ذلیل کرنے کے لئے ہو گی۔

نوٹ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اعراف میں راحت بھی ہو گی اور تکلیف بھی کبھی جنت کی ہوا آگئی تو باغ باغ ہو گئے دوزخ کی لو چل گئی تو تکلیف پا گئے ان کا ماخذ یہ آیت بن سکتی ہے کہ اس میں **واذا صرفت** ارشاد ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں بعض حجاب و پردہ نظر کے لئے ہوتے ہیں بعض سماعت یعنی کانوں کے لئے بعض دل کے لئے بعض روح کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر' دیدار' گفتار سب میں فیض و تجلی تھی اور ہے اور تا قیامت رہے گی مگر ابو جہل اور تا قیامت کفار ایسے حجاب میں ہیں جس سے وہ یہ فیض نہیں لے سکتے ہیں رب فرماتا **وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینھم فھم لا یبصرون** وہ حجاب ہماری سمجھ سے باہر ہے یونہی دنیا میں نفسانی لوگ دوزخی ہیں اور ایمانی لوگ جنتی ان دونوں کے درمیان قدرتی حجاب ایسا ہے۔ جس سے ایک دوسرے کو اس حجاب کی وجہ سے نہیں دیکھتے وہ حجاب

پسری لوصاف اور نفسانی اخلاق ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان اہل اللہ ہیں جو ان دونوں کو جانتے پہچانتے ہیں یہی لوگ اعراف یعنی جان پہچان والے معرفت والے ہیں یہ حضرات جنتیوں کو ان کے نور قلب کے آثار سے جانتے پہچانتے ہیں یونہی دوزخ والوں کو ان کے دل کی ظلمت کی نشانی سے پہچانتے ہیں یہ لوگ در حقیقت مرد ہیں اس لئے انہیں **رجال** فرمایا کہ وہ ماسویٰ اللہ میں مردوں کی طرح تصرف کرتے ہیں مگر کوئی چیز ان میں اثر نہیں کر سکتی فرماتا ہے۔ **رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله** اور فرماتا ہے **رجال صدقوا** اور فرماتا ہے **فیه رجال یحبون ان یتطهروا** خواص اور عوام میں یہ لوگ مردمی بلندی ہمت ہی کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں یہ اعراف والے جب دنیا میں جنتی لوگوں کو جنتی نعمتوں یعنی ذکر و فکر میں مشغول دیکھتے ہیں تو انہیں مبارکباد دیتے ہیں مگر خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جنت میں داخل نہیں ہوتے وہ تو اپنے رب کے وصال کی طمع رکھتے ہیں اور وہ اس جنت میں واخلہ کی امید میں ہیں۔ جو رب کی اپنی جنت **وادخلی جنتی** اور جب یہ لوگ دوزخ والوں یعنی نفسانی انسانوں کو دیکھتے ہیں تو رب سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا ہم کو ان سے بلکہ ان کی صحبت سے بچا صوفیاء فرماتے ہیں۔ ان اعراف والوں کی نظریں اللہ تعالیٰ نفسانی لوگوں کی طرف پھیرتا ہے تاکہ یہ لوگ اللہ کا شکر کریں کہ اس نے انہیں آفت فراق سے بچالیا (روح البیان)۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى
اور ندا دیں گے اعراف والے ان لوگوں کو کہ پہچانتے ہیں وہ ان کو نشانی سے ان کی کہیں گے نہیں دفع
اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنہیں ان کی نشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے تمہیں کیا کام آیا
عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ (۴۸) اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَا
کیا تم سے تمہاری جماعت سے اور وہ جس کو تم بڑا سمجھتے تھے کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ قسم کھائی تم نے نہ دیگا
تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے ۔ کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر تم قسمیں کھاتے تھے
لُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (۴۹)
ان کو اللہ رحمت کچھ داخل ہو جاؤ تم لوگ جنت میں نہیں ہے ڈر اوپر تمہارے اور نہ تم لوگ غمگیں ہو گے
کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو اندیشہ اور نہ کچھ غم

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اعراف والوں کا وہ کلام بیان ہوا جو وہ جنت والوں سے کریں گے اب ان میں اعراف والوں کی وہ گفتگو بیان ہو رہی ہے۔ جو وہ دوزخیوں سے کریں گے یعنی طعن اور پھٹکار کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس دعا کا ذکر تھا جو اعراف والے

دوزخیوں کو دیکھ کر رب تعالیٰ سے دعا کریں گے مگران دوزخیوں کو سنا کر اب انہی اعراف والوں کے اس طعنہ کا ذکر ہے جو وہ براہ راست دوزخیوں کو دیں گے گویا بالواسطہ طعنوں کے بعد بلاواسطہ طعنوں کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اعراف والوں کی مختلف گفتگوؤں کا ذکر تھا اب ان کی ایک جامع کلام کا ذکر ہے جو وہ جنتی دوزخیوں کے درمیان کریں گے کہ دوزخیوں کو جنتی لوگ لور ان کے عیش و آرام دکھا کر ان سے یہ خاص گفتگو کریں گے انہیں ان کی دنیاوی نعمتیں ان کے عیش ان کے تکبریاد دلائیں گے تاکہ ان کا غم اور زیادہ ہو۔

تفسیر : **ونادی اصحاب الاعراف رجالا یعرفونهم بسیماهم** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے لور چونکہ یہ پکارنا یقینی و قطعی ہے اس لئے **نادی** ماضی ارشاد ہوا۔ اگرچہ یہ پکار آئندہ قیامت میں ہوگی اعراف والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جو عارضی طور پر اس وقت اعراف میں قیام پذیر ہوں گے جیسے کرایہ دار کو مکان والا یا دکان والا کہا جاتا ہے۔ یعنی مکان یا دکان میں فی الحال رہنے والا رجال فرما کر بتایا کہ اعراف والے نہ تو دوزخی جنات سے یہ کلام کریں گے کیونکہ وہ اگرچہ کافر تھے مگر مسلمانوں کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرتے تھے جو یہاں مذکور ہے اور نہ خطاب کافر دوزخی عورتوں سے ہے کیونکہ وہ نامحرم عورتوں سے گفتگو نہ کریں گے یہ ہے ان کی شرم و حیا نہ کافر بچوں سے کیونکہ کفار کے بچے دوزخ میں نہیں جائیں گے کیونکہ انہوں نے کفرو شرک و گناہ کئے ہی نہیں۔ رب فرماتا ہے **وما تجزون الا ما کنتم تعملون** اس لئے **رجال** فرمایا نیز عام کفار سے خطاب نہ کریں گے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ بلکہ **رجالا** سے مراد سرداران کفر ہیں جیسے ابو جہل' ابولہب' امیہ ابن خلف اور تاقیامت کفار کے سردار اس لئے انہیں **رجال** کہا گیا **یعرفون** کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دنیا سے ہی پہچانتے تھے یا قیامت میں یا اس نداء کے وقت پہچانیں گے کہ یہ فلاں کافر ہے یہ فلاں ان کی دنیاوی علامات سے جو وہ دنیا میں دیکھتے تھے یعنی اعراف کے باشندے سرداران کفر کو پکاریں گے انہیں اور ان کی سرداری کو ان کی خاص علامات سے پہچانتے ہوں گے کیونکہ عام کافروں کی علامات تو سب میں ہوں گی جیسے منہ کالا ہونا ہاتھ بندھے ہونا وغیرہ مگر سرداران کفر کی ان کے علاوہ خصوصی علامات ہوں گی جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ سردار ہیں جیسے عام مسلمانوں کی علامات سب میں ہوں گی مگر حضرات اولیاء' علماء' صحابہ' انبیاء کرام کی علامات خصوصی علاوہ ہوں گی عالم دین کے باپ کے سر پر تاج ہو گا جس کا ہر موتی آفتاب سے روشن ہو گا۔ **قالوا ما اغنی عنکم جمعکم** یہ عبارت قالوا کا بیان ہے اغنا بنا ہے **اغناء** سے بمعنی۔ بے نیاز کرنا دفع کرنا اس کا مفعول پوشیدہ ہے عذاب اللہ جمعکم سے مراد یا تو ان کا جتھہ ان کی جماعت ہے جس کے وہ دنیا میں سردار تھے یا بمعنی جمع کرنا ہے **ما اغنی** میں **ما** یا تو استفہامیہ ہے یا نافیہ یعنی تمہاری جماعت یا تمہارے مال جمع کرنے نے کیا عذاب الہی دفع کیا یا کچھ بھی دفع نہیں کیا **وما کنتم تستکبرون** بعض قرات میں ہے **تستکثرون** ث سے تب **ما** سے مراد مال یا اولاد خدام وغیرہ ہیں یعنی وہ مال واسباب خدام وغیرہ جنہیں تم دنیا میں بڑھانے کی فکر میں رہے مگر ہماری قرات میں **تستکبرون** ہے ب سے اس صورت میں **ما** سے مراد یا تو ان کے بت اور معبودان باطلہ ہیں اور **ما** موصولہ یعنی وہ بت جنہیں تم بہت بڑا سمجھتے تھے یا وہ چیزیں جن کی وجہ سے تم بڑے بنتے تھے یا **ما** مصدریہ ہے یعنی تمہارے تکبرو غرور نے غرضیکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں تم سے عذاب دور نہ کیا اس مال واسباب نے جسے تم مرتے وقت تک بڑھاتے رہے یا ان بتوں نے جنہیں تم بہت بڑا یعنی رب سمجھتے تھے یا اس مال و اولاد نے جس کی وجہ سے تم اپنے کو بڑا سمجھتے تھے یا تمہارے غرور و تکبر نے **اهؤلاء الذین اقسمتم لا ینالهم الله**

برحمة ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی اعراف والوں کا ہے اور خطاب دوزخی سرداروں سے ہے **هولاء** میں اشارہ ان فقراء مومنین کی طرف ہے۔ جواب جنت میں پہنچ کر عیش کر رہے ہیں جیسے حضرت بلال 'عمار' سلمان فارسی وغیرہم جنہیں کفار دنیا میں حقیر سمجھتے تھے ان کی غریبی کی وجہ سے یعنی اے دوزخی سردارو ان جنتی مساکین کو دیکھو کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم دنیا میں قسم کھا کر کہتے تھے کہ جیسے یہ دنیا میں کمزور رہیں ایسے ہی آخرت میں رہیں گے انہیں اللہ تعالیٰ کوئی رحمت و نعمت دے۔ گا ہی نہیں اگر خدا ان سے راضی ہوتا تو یہ لوگ یہاں فقیر مسکین کیوں ہوتے مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اعراف والوں کا گزشتہ کلام سن کر دوزخی انہیں جواب دیں گے کہ تم بھی تو جنت میں نہیں ہو ہماری طرح تم بھی یہاں سے خارج ہو جیسے ہم کبھی جنت میں نہیں جا سکتے ایسے تم بھی ہمیشہ اعراف میں ہی رہو گے۔ جنت میں کبھی نہ جاؤ گے تم ہم کو طعن کیوں دے رہے ہو تب دوزخیوں کو فرشتے یہ جواب دیں گے اس صورت میں **هولاء** سے اشارہ ان اعراف والوں کی طرف ہے یعنی اے مردودو کیا تم قسمیں کھا کر کہہ رہے ہو کہ ان اعراف والوں کو اللہ اپنی رحمت نہ دے گا انہیں جنت میں داخل نہ کرے گا تم جھوٹے ہو۔ **ادخلوا الجنة لا خوف عليكم ولا انتم تحزنون** اس فرمان میں بھی وہی دو احتمال ہیں اگر یہ اعراف والوں کا قول ہے تو **ادخلوا** میں خطاب جنت والوں سے ہے اور **ادخلوا** کے معنی ہیں داخل رہو کیونکہ وہ حضرات جنت میں داخل تو پہلے ہی ہو چکے ہیں یعنی اے جنتیو اب تم جنت میں ہی رہو سو بے کھٹکے اور بے غم تمہیں نہ یہاں سے نکالا جاوے نہ موت آوے گویا دخول بمعنی خلود ہے اور اگر یہ فرشتوں یا رب تعالیٰ کا کلام ہے تو ادخلوا میں خطاب اہل اعراف سے ہے یعنی اے اعراف والو! تمہارے متعلق دوزخی تو کہتے ہیں کہ تم کو اللہ رحمت کبھی نہ دے گا۔ ہم فرماتے ہیں جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بے کھٹک بے خوف اس وقت اعراف والے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (معانی۔ خازن) خوف اور حزن کے معنی ان میں فرق ان کے اقسام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **لا خوف** فرما کر ہر قسم کے خوف کی دائمی نفی فرما دی اور **لا انتم تحزنون** فرما کر ہر قسم کے غم کی دائمی نفی کر دی چونکہ غم گھڑی گھڑی نئے نرالے ہوتے رہتے ہیں لہذا خوف اور غم کو فرق کے ساتھ بیان فرمایا **لا تخافون** نہ فرمایا **لا حزن عليكم** ارشاد نہ ہوا۔ خوف آئندہ پر ہوتا ہے۔ دنیا میں بعض خوف و غم صالحین کو بھی ہوتے ہیں جیسے اللہ کی ناراضی عذاب کا خطرہ وہاں جنت میں یہ بھی نہ رہے گا۔

خلاصہء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو کہ قوی بھی ہے ظاہر بھی۔ جن اعراف والوں کا ذکر تم سن چکے ان کا مقام چونکہ جنت و دوزخ کے درمیان ہے اس لئے انہیں جنتی اور جنتیں یونہی دوزخی اور دوزخیں سب نظر آتے ہوں گے وہ دوزخی سرداران کفر کو آواز دیں گے جنہیں وہ ان کی خاص نشانیوں سے پہچانیں گے کہ یہ فلاں سردار ہے اور یہ فلاں انہیں پکار کر کہیں گے کہ بولو تمہارے وہ جتھے دوستوں کے مجمع اور وہ ساز و سامان جن پر تم غرور کرتے تھے کیا ان میں سے کسی چیز نے تم سے عذاب الٰہی دفع کیا وہ سب چیزیں بالکل بے کار ثابت ہوئیں بلکہ وہ تمام چیزیں بھی دوزخ میں جھونک دی گئیں **وقودها الناس والحجارة** اس کا جواب دوزخی نہ دے سکیں گے بلکہ شرمندہ ہو جائیں گے پھر وہ کہیں گے کہ اے دوزخیو! دیکھو وہ ہیں جنت میں جنتی فقراء و مساکین جنہیں تم نظر حقارت سے دیکھا کرتے تھے دیکھو وہ ہیں بلال وہ ہیں خبیب وہ ہیں سلمان فارسی وہ ہیں صہیب وہ ہیں عمار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو کہ عیش کر رہے ہیں تم ان کے متعلق بتوں کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کبھی کسی نعمت سے نوازے گا ہی نہیں

کیونکہ اللہ ان سے ناراض ہے اس لئے تو انہیں غریب و مساکین رکھا ہے یہ کہہ کر پھر دوزخیوں کو سناتے ہوئے ان جنتیوں سے کہیں گے کہ خوب مزے سے جنت میں رہو سونہ تم پر کوئی خطرہ ڈر اور نہ تم کبھی غمگین ہو گے نہ مرو گے نہ نکالے جاؤ گے نہ بیمار پڑو گے نہ کبھی رب تم سے ناراض ہو گا۔ غرض کہ ہر طرح کی امن و امان میں ہو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعراف والے لوگ جنت والوں اور دوزخ والوں سب کو الگ الگ پہچانتے ہوں گے کہ یہ فلاں مومن ہے اور یہ فلاں کافر۔ یہ فائدہ **یعرفون** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **یعلمون** نہیں فرمایا۔ علم کلیات کے جاننے کو بھی کہتے ہیں مگر معرفت جزئی کے تفصیلی علم کو ہی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شی و عرفت** بلکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعراف والوں کو دوزخیوں جنتیوں کے اعمال۔ احوال سارے اقوال کی بھی خبر ہوگی دیکھو وہ کہہ رہے ہیں کہ اے دوزخی سردارو! تم ان مساکین کے متعلق یہ یہ باتیں کہا کرتے تھے یہ ہے ان کا علم۔

نوٹ : قیامت کی دہشت میں لوگ ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں گے مگر حالات کے نارمل ہونے پر پرانی جان پہچان پھر قائم ہو جاوے گی حتی کہ جنتی لوگ جب دوزخ سے گنہگاروں کو نکالنے جائیں گے تو ان کے دل ایمان کی مقدار و کیفیت کو بھی جانیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض کافر انسان "کافر انسان جنات بلکہ شیطان سے بدتر ہیں کیونکہ اعراف والے شیطان یا کافر جنات سے یہ کلام نہیں کریں گے بلکہ کافر انسانوں سے۔ یہ فائدہ **رجالا** الخ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مومنوں کو ان کے دوست۔ اولاد ان کے بزرگ اسی طرح ان کا مال وغیرہ سب کچھ کام آوے گا کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کا عذاب یا ہلکا کر دے گا یا ختم فرما دے گا متقیوں کے درجات بڑھا دے گا کیونکہ وہاں ان چیزوں کا کام نہ آنا کفار پر عذاب ہے۔ یہ فائدہ **ما اغنی عنکم** الخ سے حاصل ہوا جو شے کفار کے لئے عذاب ہے مومنین اس سے محفوظ ہیں ان شاء اللہ۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت میں مومن کا تکبر بھی ان شاء اللہ فائدے دے گا مگر وہ تکبر جو مومن جہاد میں کفار کے مقابل کرتا ہے یہ تکبر عبادت ہے مومن کے مقابل تکبر حرام ہے نبی کے مقابل تکبر کفر ہے ولیوں اور علماء کے مقابل تکبر کفر تک پہنچا دیتا ہے یہ فائدہ **وما کنتم تستکبرون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا میں مومن کی فقیری یا کافر کی امیری سے یونہی مومن کی تکلیف کافر کے عیش سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اصل عیش آخرت کا ہے اللہ تعالیٰ حبیب کے صدقہ وہ نصیب کرے۔ یہ فائدہ **اھولاء الذین اقسمتم** الخ سے حاصل ہوا۔

شدت باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔۔۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

چھٹا فائدہ: ان شاء اللہ حقیقی دائمی بے خوفی بے غمی جنت میں داخلہ پر ہوگی اس سے پہلے تو ہر دم دھڑکا لگا ہے یہاں کا خوف و غم وہاں کی بے خوفی بے غمی کا ذریعہ ہے یہاں کی گریہ زاری وہاں کی خوشی کا اور یہاں کی بے خوفی یہاں کی ہنسی خوشی غفلت والی وہاں کے خوف و غم کا باعث ہے۔ یہ فائدہ **لا خوف علیکم** الخ سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ۔۔۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پہلا اعتراض : دوزخیوں کو رجال کیوں فرمایا گیا یہ لفظ تو عظمت و احترام کا ہے۔ **جواب:** یا تو یہ بتانے کے لئے کہ اعراف

والے دوزخی عورتوں سے کلام نہ کریں گے صرف مردوں سے کلام کریں گے اجنبی عورتوں سے وہاں بھی احتراز کریں گے یا یہ بتانے کے لئے کہ جن دوزخیوں سے یہ گفتگو ہو گی وہ دنیا میں اپنی قوم کے سردار تھے ان کی رجالیت دنیا کے لحاظ سے ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **بسیما ھم** کیوں فرمایا کہ وہ دوزخیوں کو نشانیوں سے پہچانیں گے وہ لوگ تو دوزخی ہی ہیں انہیں نشانیوں سے پہچاننے کے کیا معنی۔ **جواب:** یہ حضرات علامات سے یہ جانیں گے کہ یہ فلاں سردار ہے اور یہ فلاں ان کا دوزخی ہونا نہیں پہچانا جاوے گا بلکہ ان کا فلاں فلاں ہونا علامات سے جانا جاوے گا۔ **تیسرا اعتراض:** اعراف کے لوگ اہل جنت سے یہ کیوں کہیں گے کہ **ادخلوا الجنة** وہ تو جنت میں پہلے ہی داخل ہو چکے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ اگر یہ کلام اعراف والوں کا جنتیوں سے ہے تو دخول کے معنی ہیں داخل رہنا یعنی وہاں رہنا اور اگر فرشتوں کا یا رب تعالیٰ کا کلام ہے جو اعراف والوں سے ہو گا تب تو ظاہر ہے کہ اس گفتگو پر رب تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائے گا کہ جنت میں جاؤ۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں خوف اور حزن دونوں کی نفی کی گئی ہے مگر طرز بیان مختلف ہیں **لا خوف** اور **لا ھم یحزنون** دونوں کو یکساں کیوں بیان نہ فرمایا **لا خوف لا حزن** یا کہ **لا یخافون** اور **لا یحزنون**۔ **جواب:** اکثر خوف و ڈر میں دوام ہوتا ہے اور رنج و غم میں **تجدد** یعنی غموم آتے جاتے رہتے ہیں مومن کو ایک خوف قیامت اول سے آخر تک رہتا ہے اسی طرح خوف خدا خوف خرابی خاتمہ مگر غم ہر دن ہر ساعت نئے نرالے۔ اس دوام اور **تجدد** کو ظاہر کرنے کے لئے مختلف عبارتیں ارشاد ہوئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں نیک بختی کی علامات چند ہیں' نیک لوگوں سے محبت' نیک لوگوں کی صحبت' تلاوت قرآن مجید' شب بیداری' علماء دین سے قرب۔ اس کے مقابل بدبختی کی علامات بھی چند ہیں۔ برے لوگوں سے محبت' بدوں سے خلط و ملط' قرآن مجید سے غفلت' دن کھیل کود میں' رات غفلت میں گزارنی' علماء دین سے نفرت' بدبخت لوگوں اللہ والوں کو بے وقوف اور ان کی صحبت کو بیکار بلکہ مضر سمجھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ عاقل ہیں یہ بے عقل ہیں ہم نے عقل کے ذریعہ دنیا کمائی ایسے ہی دین بھی عقل ہی سے کمائیں گے قیامت میں اعراف والے ان بدنصیبوں سے یہی کہیں گے کہ آج اپنی عقل سے جنت میں جا کر دیکھ لو آج تم عاقل دوزخ میں ہو یہ لوگ جنہیں تم بے عقل کہتے تھے جنت میں ہیں بے دین کے پاس مال ایسا ہے جیسے گدھے پر قیمتی جھول جیسے قیمتی جھول سے گدھا گھوڑا نہیں بن جاتا ایسے ہی بے دین مال سے دیندار بن نہیں جاتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نہ منعم بمال از کسے بہتر است　　خر او رجل اطلس بپوشد خراست

بدیں عقل و ہمت نخوانم کست　　وگر میرود صد غلام از پست

جس چیز کی بنیاد محبت ہے اس کی ہر چیز میں محبوبیت ہے دیکھو مکہ معظمہ کی آبادی کی بنیاد آب زمزم ہے کہ قبیلہ جرہم اس پانی کی وجہ سے یہاں آن بسے مگر مدینہ منورہ کی آبادی کی بنیاد عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے تبع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بسیں گے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اس ویران جنگل میں آن بسے دیکھ لو آج مکہ معظمہ میں عظمت تو ہے مگر مدینہ منورہ میں عظمت کے ساتھ محبوبیت بھی ہے کہ ہر شخص اس کے فراق میں رو رہا ہے جتنے قصیدے مدینہ پاک کے لئے لکھے گئے۔ اتنے مکہ معظمہ کے لئے نہ لکھے گئے جیسا تخم ویسے پھل پھول شاخیں وغیرہ۔ جس بستی کا تخم محبت و عشق ہے اس کے ہر ذرہ میں محبوبیت و معشوقیت ہی ہو گی اہل جنت

کی اصل عشق ہے دوزخیوں کی اصل عقل۔ انجام ظاہر ہے اس لئے اعراف والے کہیں گے کہ **ما اغنی عنکم** الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر انسان کافر شیطان سے بدتر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجدیوں کو قرن الشیطان یعنی شیطان کا سینگ فرمایا۔ **ھناک یطلع قرن الشیطان** وہاں شیطانی گروہ نکلے گا تین وجہوں سے ایک یہ کہ سینگ والے جانور ہیں سارے جسم میں زیادہ سخت سینگ ہی ہوتا ہے یہ شیطان سے زیادہ سخت ترین کہ شیطان تو اللہ والوں سے ڈرتا بلکہ ان کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ حضرت عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے مگر یہ ہمیشہ اللہ والوں ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ نبیوں کے پاس کچھ نہیں ولیوں میں کوئی کمال نہیں۔ دوسرے یہ کہ سینگ والا جانور ہمیشہ سینگ ہی سے لڑتا ہے کہ آگے سینگ کرتا ہے پیچھے سے زور خود لگاتا ہے۔ شیطان بھی اللہ والوں کے آگے انہیں کو کرتا ہے پیچھے سے زور اپنا لگاتا ہے تیسرے یہ کہ سینگ والا جانور جب کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ داخل کرتا ہے بعد میں باقی جسم۔ ابلیس دوزخ میں پہلے ان کو داخل کرے گا سب سے پیچھے خود جائے گا۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ

اور پکاریں گے آگ والے بہشت والوں کو یہ کہ ڈالو ہم پر کچھ پانی یا

اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے ہمیں اپنے پانی کا کچھ فیض دو یا

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ

کچھ وہ نعمتیں جو دی تم کو اللہ نے۔ کہیں گے وہ تحقیق اللہ نے حرام کیا ان دونوں کو اوپر کافروں کے وہ

اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام

اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ

جنہوں نے بنایا دین کو اپنے کھیل اور کود اور دھوکہ میں ڈال دیا انکو دنیاوی زندگی نے پس آج

کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا تو آج

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

بھلا دیں گے ہم ان کو جیسے بھول گئے تھے وہ ملنا اپنے اس دن کا اور وہ کہ تھے ہماری آیتوں کا انکار کرتے

ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جنت والوں کی نعمتوں اور دوزخی لوگوں کے عذابوں کا اجمالی طور پر ذکر ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ دوزخی لوگ جنتیوں سے بھیک مانگیں گے مگر نہ پا سکیں گے۔ گویا ان کی نا شادی کا ذکر پہلے ہوا اور ان کی نامرادی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں سرداران کفر کی اس

برائی کا ذکر تھا جو وہ دنیا میں لوگوں پر جتاتے تھے کہ ہم بڑے ہیں مومن لوگ چھوٹے' اب اس تکبر کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہی سرداران جنتی مساکین سے دست سوال دراز کریں گے اور محروم رہیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ دوزخی لوگ جنتی نعمتوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہ ہوئے اب ارشاد ہے کہ انہیں یہ نعمتیں بغیر استحقاق یعنی بھیک سے بھی نہیں مل سکیں گی کہ جنتیوں سے مانگیں گے مگر محرومی کا جواب سنیں گے۔

تفسیر: **ونادی اصحاب النار اصحب الجنة** یہ جملہ نیا ہے اس کی واؤ ابتدائیہ ہے یہ واقعہ اس وقت ہو گا جبکہ اعراف والے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے دوزخی رب تعالیٰ کی یہ کرم نوازی دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں درخواست کریں گے کہ مولا ہم کو اپنے قرابت دار جنتیوں سے کچھ کہنے کی اجازت دے' رب کی طرف سے اجازت ملے گی ادھر اہل جنت سے فرمایا جائے گا کہ تم سے تمہارے عزیز قرابت دار جو دوزخ میں ہیں کچھ کہنا چاہتے ہیں' چنانچہ جنتی لوگ دوزخ کی طرف جائیں گے۔ تب دوزخی یہ عرض کریں گے یہاں بھی اصحاب النار سے مراد دوزخی کفار و مشرکین ہیں اور اصحاب الجنة سے مراد ان دوزخیوں کے عزیز قرابت دار جنتی ہیں۔ دوزخی بیٹا اپنے جنتی باپ کو دوزخی بیٹی بیوی اپنے جنتی ماں اور خاوند کو پکارے گی۔ حضرت ابن عباس نے یہی تفسیر فرمائی۔ (خازن' روح البیان' تفسیر کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ ان آیات میں چند نداؤں کا ذکر ہوا جنتیوں کا دوزخیوں کو پکارنا پھر اعراف والوں کا دوزخیوں کو پکارنا اب مذکور ہے۔ دوزخیوں کا پکارنا پہلا پکارنا در کار نے پھٹکارنے کے لئے تھا' دوسرا پکارنا شرمندہ کرنے کے لئے اب یہ پکارنا لجاجت اور بھیک مانگنے کے لئے ہے جیسا پکارنے والا ویسی پکار ہم کو رب پکارتا ہے' ایسے جیسے حاکم رعایا کو پکارتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارتے ہیں جیسے داتا بھکاریوں کو پکارتا ہے کچھ دینے کے لئے ہم رب کو پکارتے ہیں جیسے مجرم حاکم کو پکارتا ہے معافی مانگنے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں جیسے بھکاری داتا کو پکارتا ہے مانگنے کے لئے۔ چونکہ دنیا میں دوزخی کفار متکبر تھے فقراء مومنین سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے تھے اب اس کے عوض میں یہ متکبرین ان جنتیوں کو پکاریں گے بھیک مانگنے کے لئے ایسی آواز سے جیسے بھکاری سخی کو پکارتے ہیں یہ ہے تکبر کا عوض۔ **ان افیضوا علینا من الماء** یہ ہے ندا کا مقصود افیضوا بنا ہے افاضة سے جس کا مادہ ہے فیض بمعنی اوپر سے کوئی پتلی چیز بہانا چونکہ جنت اوپر ہے دوزخ نیچے اس لئے وہ یہ عرض کریں گے اگرچہ دوزخی بھوکے بھی ہوں گے مگر انہیں پیاس اور تپش کی بہت سخت تکلیف ہو گی اس لئے پانی پہلے مانگیں گے۔ **علینا** کہہ کر یہ بتایا کہ پانی ہم پر بہاؤ تاکہ جنت کے ٹھنڈے پانی سے ہم غسل بھی کر لیں جس سے ہمارے جلتے ہوئے بدن کچھ ٹھنڈے ہو جائیں اور پی بھی لیں۔ جس سے ہماری پیاس بجھے اس لئے **افیضوا** بھی کہا یعنی ہم پر کثرت سے جنت کا پانی بہاؤ۔ خیال رہے کہ **اراقة** کے معنی بھی ہیں بہانہ اور افاضہ کے معنی بھی ہیں بہانا مگر **اراقة** میں بہانے سے برتن خالی ہو جاتا ہے مگر افاضہ میں برتن خالی نہیں ہوتا جیسے چھلکنا کہتے ہیں وہ افاضہ کہہ کر یہی بتا رہے ہیں کہ کچھ پانی اور دوسری نعمتیں ہم کو دے دو ہمارا بھلا ہو جائے گا تمہارے ہاں کوئی کمی نہ ہو گی کہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں خرچ کرنے' دینے سے کم نہیں ہوتیں جیسے دنیا میں سمندر کا پانی ہو یا سورج کا نور یا علم۔ **او مما رزقکم الله** یہ عبارت معطوف ہے **من الماء** پر اس میں گفتگو ہے کہ اس سے کیا مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت کی دوسری پینے کی چیزیں ہیں' جیسے دودھ' شراب طہور وغیرہ کیونکہ پتلی چیزیں بہائی جاتی ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے جنت کے میوے کھانے مراد ہیں جیسے شاعر کہتا ہے **علفتها تبنا " وماء باردا "** ہم نے اونٹنی کو بھوسہ اور ٹھنڈا پانی چرایا حالانکہ پانی چرایا نہیں جاتا پلایا جاتا

ہے۔ (مدارک) یعنی تغلیباً" یہ کہا گیا جب یہ دوزخی نہایت، عاجزی لجاجت سے یہ بھیک مانگیں گے تو اہل جنت کی طرف سے چالیس سال تک کوئی جواب نہ ملے گا" یہ لوگ برابر آہ وزاری سے مانگتے رہیں گے چالیس سال کے بعد اہل جنت کو حکم ہو گا کہ انہیں جواب دو (روح البیان) تب وہ کہیں گے **ان اللہ حرمھما علی الکافرین** نہایت بے نیازی سے جنتی لوگ کہیں گے کہ ہم تم کو یہ بھیک نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی یہ چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ تحریم شرعی نہیں بلکہ تکوینی ہے جیسے **حرمنا علیہ المراضع** ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دائیاں حرام کر دیں کیونکہ وہاں شرعی احکام حرام حلال جاری نہ ہوں گے (مدارک) یعنی ایسے موقعوں پر حرام بمعنی محروم کر دینا یا محفوظ کر دینا ہوتا ہے یہاں بمعنی محروم کرنا وہاں بمعنی موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ کرنا کافرین فرمانے سے صراحۃً" معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کافر دوزخیوں سے ہو گا **الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا** یہ الکافرین کی صفت ہے اس میں کفار کا دنیاوی حال بیان ہوا یعنی وہ کفار جنہوں نے دنیا میں کھیل تماشوں کو اپنا دین بنا لیا تھا کہ گانا باجے ڈھول ڈھماکے تالیاں سیٹیاں وغیرہ کو عبادت سمجھ بیٹھے تھے نیز ان کا کعبہ معظمہ کی حفاظت کرنا مسجد حرام کو آباد کرنا حجاج کی خدمت کرنا اگرچہ نیکیاں ہیں مگر ان کے لئے کھیل کود ہیں کیونکہ وہ یہ کام نبی کی اطاعت کے ماتحت نہیں کرتے لہٰذا ان کا کوئی نتیجہ نہیں اور جس کا نتیجہ کوئی نہ ہو وہ کھیل کود ہوتا ہے لہٰذا یہ فرمان بالعموم درست ہے **لھو** اور **لعب** قریباً" ہم معنی ہیں بعض نے کہا کہ ناجائز باتوں میں مشغول ہو کر اپنا غم غلط کرنا لہو ہے اور بری باتوں کے ذریعہ خوشی و سرور حاصل کرنا لعب ہے (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دین سے مراد عید ہے یعنی وہ کفار جو اپنے عید اور تیوہاروں میں بجائے عبادت کرنے کے کھیل تماشے کرتے تھے یا انہوں نے دین کا مدار اپنے نفس پر رکھا کہ جسے چاہا حلال کر لیا اور جسے چاہا حرام سمجھ لیا **وغرتھم الحیوۃ الدنیا** یہ ان کفار کا دوسرا عیب ہے جو ان کی جنت سے محرومی کا سبب ہوا **غرت** بنا ہے **غرور** سے بمعنی دھوکہ **ھم** کا مرجع وہی دوزخی لوگ ہیں۔ حیوۃ دنیا کے معنی اور دنیا کی زندگی' دنیا میں زندگی۔ دنیا کے لئے زندگی ان کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں انبیاء و اولیاء بلکہ ان کے صدقہ سے عام متقی مومنوں کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں ہوتی کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے یعنی درازی عمر' عیش و آرام' کثرت مال و عزت' خواہشات نفسانی میں مشغولیت نے انہیں دین سے حجاب میں رکھا اللہ رسول پر ایمان لانے سے روکا حتی کہ انہیں اسی حالت میں موت آ گئی (خازن) ان دونوں عیبوں کا انجام یہ ہوا کہ **فالیوم ننسا ھم** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے' اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **الیوم** سے مراد ان کی دنیاوی زندگی کا زمانہ ہے **ننسا** بنا ہے نسیان سے بمعنی بھول جانا رب تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے لہٰذا اس کے معنی ہیں چھوڑ دینا ان کی دستگیری نہ کرنا انہیں نیک اعمال کی توفیق نہ دینا دوسرے یہ کہ **الیوم** سے مراد قیامت ہے یا دوزخیوں کے بھیک مانگنے کا وہ وقت جس کا ذکر ابھی ہوا تو **ننسا** کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کو دوزخ میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیں گے دنیاوی جیلوں میں میعادی قیدیوں کے لئے تین رعائتیں ہوتی ہیں ان کے قید کے دن شمار کرنا کسی خوشی کے موقعہ پر انہیں چھوڑ دینا جب ان کی جیل کی میعاد قریب ہو تو ان پر آسانی کر دینا ان سے کام نہ لینا مگر غدار جنہیں عمر قید کی سزا ملے ان کے لئے یہ کوئی رعایت نہیں' پڑے رہیں' یہی حال دوزخ کا ہے کہ مومن گنہگاروں کی میعاد کی حساب اگر جنتی لوگ سفارش کر دیں' تو چھٹکارا مگر کافر غداروں کے لئے یہ کچھ نہیں وہ پڑے رہیں ان کے لئے ہے **ننسا ھم** بہر حال مطلقاً چھوڑنا مراد نہیں خواہ دنیا کا ذکر ہو یا دوزخ کا دنیا میں کفار کو رزق ملتا ہے دوزخ میں وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں رہیں گے' **کما نسوا لقاء یومھم ھذا** اس کا تعلق **ننسا ھم** سے ہے یعنی جیسے کفار دنیا میں قیامت کو وہاں کی سزا جزا کو رب کی بارگاہ

میں پیش ہونے کا خیال چھوڑ بیٹھے تھے ایسے ہی ہم آج دنیا میں انہیں ان کے نفس و شیطان کے حوالے کردیں گے ان کی دستگیری نہ کریں گے یا آج قیامت میں انہیں دوزخ سے نہیں نکالیں گے' ان کی بات نہ پوچھیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں نسیان سے مراد بھول چوک نہیں یاد کا مقابل بلکہ دیدہ و دانستہ قیامت کا انکار کرنا اس کا خیال تک چھوڑ دینا مراد ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ **وما کانو باٰیتنا یجحدون** یہ عبارت معطوف ہے ما نسوا پر۔ آیات سے مراد یا تو کتب الٰہیہ کی آیتیں ہیں یا دلائل قدرت ہیں یا حضرت انبیاء کرام خصوصا" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات **یجحدون** بنا ہے جحود سے' بمعنی دانستہ طور پر یہ انکار یعنی ہم انہیں اس لئے بھی چھوڑ دیں گے کہ وہ ہماری آیات و نشانیوں کا دیدہ و دانستہ انکار کرتے رہے اسی انکار پر مرے اب وقت نکل جانے پر کیوں روتے چلاتے بھیک مانگتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ وہ گفتگو تو سن چکے جو جنتی لوگ دوزخیوں سے کریں گے اور وہ کلام بھی سن چکے جو اعراف والے دوزخیوں جنتیوں دونوں سے کریں گے اب تیسری قسم کا وہ کلام بھی سن لیں جو دوزخی لوگ اپنے جنتی عزیزوں قرابت داروں سے دوزخ میں سے پکار کر کریں گے جب یہ لوگ اعراف والوں پر رب تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھیں گے تو اپنے عزیز قریبی جنتیوں کو نہایت لجاجت خوشامد سے پکاریں گے ابا جی' بھیا جی' اور چچا میاں' ہائے میاں ہم جل گئے بھن گئے بھوکے پیاسے ہیں کچھ تم مہربانی کرو کہ جنت کا ٹھنڈا پانی یا وہاں کی اور چیزیں دودھ شراب طہور یا وہاں کے پھل وغیرہ جو تمہیں رب نے دے رکھے ہیں ان میں سے ہم پر بھی کچھ بہا دو کہ ہم بھی کھا پی لیں نہالیں بہت عرصہ کے بعد جنتی لوگ نہایت بے رخی سے جواب دیں گے کہ دور رہو جاؤ اللہ نے یہ چیزیں کفار پر حرام کردیں انہیں ان سے یکسر محروم فرما دیا پھر تم ہم سے یہ سوال کیوں کرتے ہو ان کفار کا یہی حال تھا کہ انہوں نے دنیا میں کھیل تماشوں کو اپنا دین سمجھ لیا ناچنے گانے' کودنے کو عبادت جان لیا انہیں ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دے دیا وہ سمجھے کہ بس جو کچھ مزے اڑاتے ہیں دنیا میں اڑالو نہ قیامت ہوگی نہ حساب و کتاب نہ سزا جزا تو جیسے وہ دنیا میں آخرت کا خیال چھوڑ بیٹھے تھے آج ہم بھی انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں گے اور جیسے وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے ہم بھی انہیں اسی طرح بھوکا پیاسا رکھیں گے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: دنیا کا غرور یہاں کا تکبر آخرت کی ذلت خواری اور رسوائی کا سبب ہے دیکھو وہ مغرور و متکبر والے کفار جو دنیا میں غریب مسلمانوں سے بات کرنا اپنی ذلت سمجھتے تھے وہ دوزخ میں پہنچ کر ان سے کھانے پینے کی بھیک مانگیں گے یہ نتیجہ ہے غرور کا قبطی فرعونی سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو بہت ذلیل سمجھتے تھے مگر جب ان پر خون کا عذاب آیا تو قبطی سبطی نے ایک برتن میں کھایا مگر قبطی کی طرف خون اور سبطی کی طرف سالن آخر کار حکم دیا کہ سبطی اپنے منہ میں روٹی پانی لے کر فرعونی قبطی کے منہ میں ڈالے مگر پھر بھی سبطی کے منہ میں پانی قبطی کے منہ میں خون یعنی رب نے اسرائیلیوں سے قبطیوں کے منہ میں تھوکوا دیا کلیاں کرادیں یہ ہے غرور کا انجام۔ دوسرا فائدہ: اس کے برعکس مومنوں کا رب کے سامنے عجز و انکسار مخلوق سے تواضع نرمی کا نتیجہ وہاں کی عزت و سرخروئی کا ذریعہ ہے۔ یہ دونوں فائدے **ان افیضوا علینا** سے حاصل ہوئے۔ تیسرا فائدہ: جنت اوپر ہے دوزخ نیچے۔ یہ فائدہ بھی **افیضوا** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ **افاضہ** کے معنی ہیں اوپر سے نیچے کی طرف بہانا۔ چوتھا فائدہ: جنتی مومن کو دوزخی کافر سے قطعا" محبت نہ ہوگی نہ اس کے

حال زار پر رحم آئے گا اگرچہ وہ اس کا بیٹا بیٹی بہن بھائی یا ماں باپ بیوی یا کوئی اور قریبی عزیز ہو۔ یہ فائدہ ان اللہ حرمھما سے حاصل ہوا کہ جنتی لوگ رب سے دعا نہ کریں گے کہ خدایا ہم کو اجازت دے کہ ہم اپنے ان دوزخی عزیزوں کو کچھ کھلا دیں۔ وہاں محبت ایمانی ہو گی جان خونی رشتے سب ٹوٹ چکیں گے۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوالا المتقین۔ پانچواں فائدہ:** مومن کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں ہوتی بلکہ اس کی آخرت کی کھیتی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں بوتا ہے آخرت میں کاٹتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے اللہ وہ زندگی نصیب کرے مومن کی زندگی کا نام ہے حیوۃ طیبہ۔

لطیفہ: ایک بار ابوجہل نے مذاق و دل لگی کے طور سے ایک شخص کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اپنی جنت سے ایک خوشہ انگور کچھ میوے مجھے بھیج دیں جب قاصد نے یہ بکواس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تو حضرت صدیق اکبر نے فوراً فرمایا **ان اللہ حرمھما علی الکافرین** اللہ نے یہ چیزیں کفار پر حرام کی ہیں تو کیسے کھا پی سکتا ہے (روح البیان) یہ ہے کفار کی غفلت۔ **دوسرا لطیفہ:** ایک بار قاری احمد حسین مرحوم پاک پٹن شریف سے آ رہے تھے راستہ میں انہیں ایک وہابی ملا بولا آپ کہاں سے آ رہے ہیں بولے پاک پٹن شریف سے۔ تو وہ مذاق میں قاری صاحب کو سونگھنے لگا قاری صاحب بولے کیا سونگھتے ہو وہ بولا کہ پاک پٹن میں بہشتی دروازہ ہے آپ وہاں سے آ رہے ہیں آپ کے جسم سے بہشت کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ بہشت کی خوشبو کافروں پر حرام ہے وہابی بالکل خاموش ہو گیا۔ **چھٹا فائدہ:** جنت سے دوزخیوں تک یہاں کی آوازیں نگاہیں تو پہنچیں گی مگر یہاں کی خوشبو ٹھنڈی ہوا وغیرہ مطلقاً نہیں پہنچے گی۔ یہ فائدہ **حرمھما** سے حاصل ہوا دیکھو ریڈیو کے ذریعہ آواز اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ بولنے والے کی شکل جگہ محسوس ہوتی ہے مگر ان کے اسٹیشنوں کی دوسری چیزیں وہاں کی ہوا خوشبو ٹھنڈک گرمی وغیرہ نہیں پہنچتی۔ مومن کی قبر میں جنت کی ہوا خوشبو فرشتے وغیرہ پہنچتے ہیں مگر وہاں کے حور و غلمان نہ پہنچتے ہیں نہ ان کا نظارہ ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کھیل تماشوں کو دینی کام اور عبادت سمجھنا اور اصل عبادات سے غافل ہو جانا طریقہ کفار ہے اور جنت کی نعمتوں سے محرومی کا باعث۔ یہ فائدہ **اتخذوا دینھم لھوا ولعبا** سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے بے دین پیر اور ایسے بے دین پیروں کے مرید یہ تعلیم بھول گئے 'بھنگ' چرس ڈھوم ڈھما کے گانا ناچنا ان چیزوں کو اصل عبادات سمجھ بیٹھے۔ نماز' روزے اور دوسرے دینی کاموں سے یکسر غافل ہو گئے پھر اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھتے ہیں 'گھٹے بھنگ تو چڑھے رنگ یا علی مدد' یہ ہے ان مردودوں کی عبادت رب تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ **آٹھواں فائدہ:** کامیاب زندگی وہ ہے جو اللہ کے ذکر اور اپنی عاقبت کی فکر محشر کی یاد وغیرہ میں گزرے ناکام زندگی وہ ہے جو غفلت میں کٹے رب فرماتا ہے **فاذکرونی اذکرکم** "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" یہ فائدہ **ننسا ھم** الخ سے حاصل ہوا۔

زندگی ہست از برائے بندگی! زندگی بے بندگی شرمندگی

نواں فائدہ: اللہ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ بندے سے اللہ رسول کی نگاہ کرم ہٹ جائے یہ فائدہ **ننسا ھم** سے حاصل ہوا اگر گھر میں ماں باپ مدرسہ میں استاذ بچے سے تنگ آ کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو اس کا انجام تباہی ہے رب کفار کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے **ذرھم یاکلوا ویتمتعوا** اے محبوب انہیں چھوڑ دو کھائیں پئیں مومنوں کے متعلق فرماتا ہے **ولا تعد عیناک عنھم** مسلمانوں سے آپ کی نگاہیں نہ ہٹائیں۔

پہلا اعتراض: دوزخی کفار اہل جنت سے پانی وغیرہ ملنے کی امید پر مانگیں گے یا مایوسی سے۔ جواب: سیدنا عبداللہ ابن عباس کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امید سے مانگیں گے اعراف والوں کا بہشت میں پہنچ جانا اور جنت میں ان کے عزیزوں قرابت داروں کا ہونا انہیں امید دلائے گا وہ لوگ دوزخ سے نکلنے سے تو ناامید ہوں گے مگر دوزخ میں جنت کی نعمتیں پہنچ جانے کے امیدوار دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ ناامیدی کے باوجود یہ سب کچھ مانگیں گے جیسے ڈوبتا ہوا آدمی پانی کے جھاگ میں ہاتھ مارتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ جھاگ مجھے پانی سے نکال نہیں سکتے یہ اضطراری حالت ہوتی ہے ویسے ہی ان کی حالت ہوگی کہ سخت گھبراہٹ میں ان ہونی چیز مانگنے لگیں گے (تفسیر کبیر' روح المعانی)۔ دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ نے جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر حرام کردی ہیں' حالانکہ حرام حلال اور دوسرے شرعی احکام کی جگہ تو دنیا ہے وہاں احکام شرعیہ کیسے جاری ہو گئے۔ جواب: ہم ابھی تفسیر میں عرض کرچکے کہ یہاں حرام بمعنی محرومی ہے حلال کا مقابل حرام مراد نہیں جیسے **وحرمنا علیہ المراضع** یا جیسے **وحرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون**۔ تیسرا اعتراض: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن ماں اپنے کافر بیٹے کو دوزخ میں جلتا دیکھے اور اسے ترس نہ آئے یہ تو فطرت مادری کے خلاف ہے۔ جواب: دنیا میں محبتیں خونی رشتے سے بھی ہیں مگر وہاں محبتیں صرف ایمان روحانی رشتہ سے ہی ہوں گی بلکہ دنیا میں بھی رب نے اس کا نظارہ کرا دیا ہے دیکھو کفار عرب کا حال کہ ماں اپنی بچی کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کردیتی تھی' ناگن اپنے بچوں کو خود کھالیتی ہے مرغی اولاً اپنے بچوں پر جان چھڑکتی ہے مگر کچھ دن بعد ان کی دشمن ہو جاتی ہے اگر وہاں بھی محبت نفرت میں تبدیل ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ چوتھا اعتراض: رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنھر** بھکاری کو جھڑکو نہیں کچھ دے دو' وہاں جنتی اس پر عمل کیوں نہ کریں گے وہ ان بھکاریوں کو کیوں نہ دیں گے۔ جواب: یہ حکم دنیا میں ہے وہاں نہ ہوگا' دنیا میں بھی اگر بھکاری ایسی چیز مانگے جس کا وہ اہل نہ ہو تو اسے نہ دیا جائے بے ادب کافر قرآن مجید کی بھیک مانگے تو نہ دو دوزخی کفار ان نعمتوں کے اہل نہ ہوں گے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخیوں پر جنت کا پانی وغیرہ حرام ہے مگر بخاری شریف کتاب الرضاع کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کو اس کی کلمہ کی انگلی سے دوزخ میں پانی ملتا ہے اور دوشنبہ کو عذاب ہلکا ہوتا ہے وہ پانی کا ہوتا ہے۔ جواب: اگر وہ پانی جنت کا ہی ہو تو اس آیت میں قانون کا ذکر ہے اور اس حدیث میں خصوصی عطیہ کا تذکرہ ہے چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا اس لئے خصوصی طور پر یہ کرم خسروانہ ہوا۔ چھٹا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم دوزخیوں کو بھول جائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے؟ جواب: یہاں بھولنے سے مراد ہے اس کا نتیجہ یعنی ان کو چھوڑ دیں گے جیسے بھولی بسری چیز چھوڑ دی جاتی ہے اس کی مفصل تفسیر الرحمٰن الرحیم کے تحت عرض کی جاچکی ہے۔ ساتواں اعتراض: یہاں چھوڑنے کے معنی بھی درست نہیں ہوتے کیونکہ دوزخی کفار ہمیشہ اللہ کی پکڑ میں ہوں گے پھر انہیں چھوڑا کیسے گیا۔ جواب: چھوڑنے سے گرفت اور پکڑ سے چھوڑنا مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں عذاب میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیں گے ان کی دستگیری نہیں کریں گے۔ آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت کو بھول گئے تھے وہ اسے بھولے کب تھے' وہ تو اس کے منکر تھے۔ جواب: یہاں بھولنے سے مراد ہیں اس کے لازمی معنی یعنی قیامت کی تیاری نہ کرنا خواہ اس کا انکار کرکے خواہ اس سے غافل رہ کر بعض کافر قیامت کو مانتے ہیں مگر کرتے ہیں شرک و کفر وہ بھی در حقیقت اسے بھولے ہوئے ہیں اس کی کچھ تفصیل ہم آیت کریمہ **لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا**

کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں "اللہ تعالیٰ اپنا خوف قیامت کا ڈر وہاں کی تیاری کی توفیق دے" آمین۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا میں مومن بھی رہتا ہے اور کافر بھی مگر یہی دنیا مومن کے لئے سلامتی کی جگہ ہے اور کافر کے لئے ہلاکت کا مقام کہ مومن دنیا کو عارضی نزول سمجھ کر یہاں اعمال کی کاشت کرتا رہتا ہے مرتے دم تک نیکیاں بڑھاتا رہتا ہے کافر اسے اپنا اصلی مقام سمجھ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے دریا کا پانی مچھلی کے لئے زندگی کا باعث ہے خشکی کے جانوروں کے لئے ہلاکت کا سبب کیونکہ مچھلی کو قدرت نے ایسا عضو بخشا ہے جس سے پانی اس کے پیٹ میں داخل نہیں ہو تا وہ بے تکلف پانی والی ہوا تو اندر لے لیتی ہے سانس لیتی رہتی ہے مگر پانی اندر نہیں آنے دیتی دوسرے جانوروں کے پیٹ میں ہوا کے ساتھ پانی بھی داخل ہو جاتا ہے ان میں ہوا پانی میں چھانٹ کرنے کا مادہ نہیں یونہی مومن دنیا کی نعمتیں استعمال کرتا ہے مگر غفلت دل میں نہیں آنے دیتا مگر کافر کے پیٹ میں نعمت دل میں غفلت دونوں چیزیں جاتی ہیں اس فرق کی وجہ سے مومن جنت کا مستحق ہوا کافر دوزخ کا مستحق غافل دل والے کے پیٹ میں جنت کی نعمتیں سما نہیں سکتیں کسی نے دنیا کا نقشہ کس عمدگی سے کھینچا ہے۔

در دیدہ اعتبار خوا بیست ہر رہگذر سرابے است!
مشغول مشو بہ سرخ وز ردش اندیشہ مکن ز گرم و سردش
سرہاہ آفت است ز نہار خود راز فریب او نگہدار

اس آیت کریمہ میں انہیں غافلوں کے انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور البتہ تحقیق لائے ہم ان کے پاس ایک کتاب تفصیل وار بیان کیا ہم نے اسے مطابق علم کے ہدایت اور رحمت واسطے قوم کے جو ایمان رکھتے ہیں

اور بیشک ہم ان کے پاس کتاب لائے جس میں ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت رحمت ایمان والوں کے لئے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جنتی دوزخیوں اور اعراف والوں کے حالات ان کی گفتگو سوال و جواب وغیرہ کا ذکر ہوا اب قرآن مجید کی عظمت بیان ہو رہی ہے۔ جس نے ان سب کو قبل از وقت ان چیزوں سے خبردار فرمادیا تاکہ وہ اس وقت سے پہلے اس کا انتظام کرلیں مومن بن کر وہاں پہنچیں کافر بن کر نہ پہنچیں گویا حالات بیان فرمانے کے بعد ان حالات کا بیان کرنے والی کتاب کے کمالات بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ دوزخی کفار جنتی مومنوں سے پانی وغیرہ کی بھیک مانگیں گے مگر نہ پائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ وہ دنیا میں کتاب الٰہی میں یہ ساری باتیں سن کر بھی ایمان نہ لائے تھے۔ ایسے ڈھیٹ لوگوں کی سزا یہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار دنیا میں آخرت کو بھول گئے تھے اب بھولنے کے معنی بتائے جا رہے ہیں کہ وہ بے خبر نہ تھے ہم نے حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتب کے ذریعہ انہیں سب کچھ بتادیا تھا مگر وہ دیدہ دانستہ ان چیزوں پر ایمان نہیں لائے اس وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے۔

تفسیر : **ولقد جئنٰہم بکتاب** چونکہ دنیا میں آسمانی کتابوں کا آنا اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے جیسے زمین پر آسمانی بارش کا نزول نیز قیامت میں کفار انبیاء کرام کی تبلیغ آسمانی کتب کے نزول کا انکار کریں گے ان وجوہ سے اس مضمون کو لام اور قد کی ڈبل تاکیدوں سے شروع فرمایا۔ خیال رہے کہ آسمانی کتاب کا نبی پر لانا حضرت جبریل کا کام ہے اور مخلوق کے پاس کتاب لانا نبی کا کام ہے اللہ تعالیٰ بذات خود نہ تو نبی کے پاس کتاب لاتا ہے نہ لوگوں کے پاس مگر چونکہ مقبول بندوں کا کام در حقیقت رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے اس لئے **جئنٰہم** فرمایا یعنی ان کے پاس کتاب ہم لائے **ھم** کا مرجع یا تو سارے جہان کے کافر ہیں یا سارے مومن و کافر اور کتاب سے مراد ہے آسمانی کتاب خواہ کوئی بھی ہو توریت و انجیل و قرآن ہو یا اور صحیفے یعنی ہم لوگوں کے پاس آسمانی کتاب مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعہ لائے یا **ھم** کا مرجع اہل عرب ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید یعنی ہم بواسطہ **محمد مصطفی** صلی اللہ علیہ وسلم اہل عرب کے پاس قرآن مجید لائے کتاب کے معنی اور اس کی قسمیں اور کتاب و صحیفے میں فرق اور کونسی کتاب کس نبی پر کس کس تاریخ میں آئی ہم پہلے پارے میں **ذالک الکتاب** کی تفسیر میں اور دوسرے پارے میں **شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **فصلنٰہ** یہ عبارت یا تو کتاب کی صفت یا حال ہے یا جئنا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ بنا ہے تفصیل سے جس کا مادہ فصل ہے بمعنی جدا کرنا چونکہ تفصیل میں ہر مضمون دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے اس لئے اسے تفصیل کہا جاتا ہے یعنی ہم نے اس کتاب کے ہر مضمون کو تفصیل وار جدا جدا کر کے بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں تو ہر قسم کے مضامین ہیں۔

حلال حرام محکم متشابہ بشیر' نذیر' قصہ' عقہ' مثل (صلوی بیان)

یہ سب مضامین تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں بعض تو بلا واسطہ اور بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کہ قرآن میں مجمل تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل فرمادی جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رب نے مفصل کیا جیسے ہم کو قرآن رب نے دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اور فرمایا **جئنٰہم** ہم ان کے پاس لائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یونہی رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن مجید کی تفصیل فرمائی مگر فرمایا **فصلنٰہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سب قرآن کریم کی تفصیل ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتاب تفصیل وار سمجھا دی **الرحمن القران۔**
علی علم یہ عبارت یا تو **فصلنا** کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم نے عالم کل ہو کر اس کتاب کو مفصل فرمایا جس کتاب کی تفصیل فرمانے والے ہم عالم کل ہوں تو سمجھ لو کہ کتاب کیسی شاندار ہو گی اور تفصیل کیسی اعلیٰ اور یا یہ عبارت **فصلنٰہ** کی ضمیر مفعول سے حال ہے یعنی مشتملاً "علی علم" دونوں صورتوں میں علم کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی یہ کتاب بہت بڑے علم پر شامل ہے اس صورت میں کتاب کی چار صفتوں کا یہاں بیان ہوا مفصل ہونا اس میں بڑے علوم کا ہونا اور تیسری چوتھی صفت **ھدی ورحمت**۔ ہماری قراۃ میں **ورحمۃ** کے فتحہ سے ہے اور یہ عبارت کتاب کا حال ہے یا مفعول لہ بعض قراتوں میں ت کے پیش سے **ھو** پوشیدہ کی خبر اور جملہ کتاب کا حال یا صفت ہے بعض قراءتوں میں **ورحمۃ** کے کسرہ سے ہے علم کا بدل غرضیکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں ہدایت کے معانی اور اس کی اقسام اور کون سی ہدایت کسے ملتی ہے نیز رحمت کے معنی اور اس کے اقسام ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن کریم ایمان کی ہدایت کفار کے لئے ہے اعمال و تقویٰ کی ہدایت

مومنین کے لئے ہے عرفان کی ہدایت اولیاء اللہ اور کاملین کے لئے ہے اور ان شاء اللہ لقاء رحمٰن کی ہدایت قیامت میں سب کے لئے ہوگی یہی حال ہونے کا ہے کہ قرآن مجید سارے انسانوں کے لئے رحمت عامہ ہے اور مومنین کے لئے رحمت خاصہ اور عارفین کے لئے رحمت خاص الخاصہ۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا لقوم یومنون یہ عبارت ھدی و رحمۃ دونوں کے متعلق ہے قوم سے مراد انسان و جنات دونوں ہیں یومنون یا تو معنی حال ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ کتاب ہدایت اور رحمت دونوں ہے اور معنی استقبال ہے یعنی جو لوگ ایمان لانے والے ہیں جن کے نصیب میں یہ لکھا ہے کہ وہ آگے چل کر ایمان قبول کرلیں گے ان کے لئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی مگر جو بد نصیب ایمان لانے والے ہی نہیں ان کے لئے قرآن عذاب ہے بارش تمام کھیتوں درختوں کے لئے رحمت ہے مگر بعض پودوں کے لئے عذاب کہ اس سے وہ جل جاتے ہیں بہرحال اس کتاب کے چار صفات یہاں بیان ہوئے۔ خیال رہے کہ لقوم یومنون فرما کر بتایا کہ قرآن مجید مومنوں کے لئے رحمت و ہدایت ہے نہ کہ اے محبوب آپ کے لئے آپ تو خود رحمت عالمین ہیں اور ہماری طرف سے ہدایت یافتہ ہیں پھر مومنوں میں جس درجہ کا مومن اس درجہ کی رحمت و ہدایت ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان دوزخی کفار کو غافل رکھ کر یہ مذکورہ عذاب نہیں دیں گے ہم نے ان لوگوں کے پاس آسمانی کتاب یا یہ قرآن مجید پہنچادی ہے جس میں یہ چار صفات ہیں اس میں رحمت عذاب غیبی چیزیں احکام وغیرہ تفصیل وار بیان فرمادیئے آپ نے وہ سب کھول دیئے دوسرے یہ کہ یہ کتاب عظیم علم پر شامل ہے اس میں ہمارے علوم موجود ہیں، تیسرے یہ کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ کتاب ان کے لئے رحمت ہے جب ہم نے ان کو دنیا میں سب کچھ بتادیا فرمادیا پھر یہ کافر ہی رہے تو اب ان کو عذاب دیا جانا بلاوجہ اور بلا قصور بے خبری کی حالت میں نہ ہوگا اور نہ وہ کوئی عذر کرسکیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ کے مقبول بندوں کا کام اور حقیقت اللہ تعالیٰ کا کام ہے دیکھو بندوں تک کتاب الٰہی اللہ تعالیٰ نے نہیں پہنچائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبریل نے پہنچائی اور مخلوق تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر رب تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو اپنا کام قرار دیا کہ فرمایا جئنا ھم۔ **دوسرا فائدہ**: تمام انسانوں کو انبیاء کرام کی معرفت کتاب الٰہی ضرور پہنچی، خواہ صحیفہ کی شکل میں ہوئی یا مکمل کتاب کی صورت میں۔ یہ فائدہ جئناھم بکتاب کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ہم سے مراد سارے کفار یا سارے انسان ہوں اور کتاب سے مراد ہر آسمانی کتاب۔ **تیسرا فائدہ**: اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ قرآن مجید ان کی زبان میں ان کے ملک میں نازل ہوا جس سے انہیں بہت عزت ملی۔ یہ فائدہ جئنا ھم بکتاب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ ھم سے مراد اہل عرب ہوں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہو۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے جو جس کو دیا یوں اتفاقاً نہ دیا بلکہ جان کر دیا اپنے علم کے مطابق دیا، بندے کی جھولی کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ علی علم کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب علم سے مراد علم الٰہی ہو۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے علوم کو شامل ہے اس میں علوم غیبیہ علوم احکام وغیرہ سب موجود ہیں۔ یہ فائدہ علی علم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ علی علم سے مراد ہو شاملا" مشتملا" علی علم اور علم سے مراد ہو علم قرآنی جو قرآن مجید میں ہے۔ رب فرماتا ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی۔ **چھٹا فائدہ**: قرآن مجید ہدایت بھی ہے رحمت بھی مگر اس سے

صرف مومن قوم ہی فائدہ اٹھاتی ہے اور اٹھائے گی جیسے بارش رحمت ہے مگر اس سے فائدہ صرف اچھی زمین ہی اٹھاتی ہے۔

ساتواں فائدہ: جب قرآن مجید میں یہ خوبیاں اور کمالات ہیں تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا کیا پوچھنا اسی لئے رب نے قرآن کریم کو بھی رحمت فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین**۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کفار کے لئے بھیجا کہ فرمایا **ولقد جئنا ھم بکتاب ھم**۔ کا مرجع کفار ہیں۔ بتاؤ کہ قرآن کفار کے لئے آیا ہے یا مومنوں کے لئے یا سارے جہان کے لئے۔ آیات اس بارے میں مختلف ہیں؟ **جواب:** قرآن مجید سارے جہان کے لئے آیا مگر کفار کے لئے اتمام حجت کے طور پر آیا مومنوں کو ہدایت دینے کے لئے متقیوں کو خاص رحمت دینے کے لئے جیسے بارش تری اور سیرابی دینے کے لئے ساری زمین پر برستی ہے پھول دینے کے لئے باغوں پر، دانہ دینے کے لئے کھیتوں پر، موتی دینے کے لئے سمندر پر لہٰذا ساری آیات درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** جب قرآن مجید میں ہر چیز ہے **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** اور قرآن مجید تفصیل بھی ہے تو اب حدیث ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ **جواب:** قرآن مجید میں ہر چیز اور ہر چیز کی تفصیل ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تفصیل ہم کو بتاتے ہیں، سمندر میں موتی ہیں مگر غواص اور غوطہ خوروں کے لئے۔ طب کی کتابوں میں سارا علاج ہے مگر حکیموں کے لئے۔ پھر غواص موتی نکال کر طبیب نسخے طبی نکال کر ہم کو دیں ہم استعمال کریں۔ رب فرماتا ہے **نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ رب فرماتا ہے **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید مومن قوم کے لئے ہدایت اور رحمت ہے چاہئے تو یہ تھا کہ یہ کافروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو انہیں ہدایت کی بہت ضرورت ہے کہ وہ بہت گمراہ ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت سے جوابات پہلے پارہ کے شروع میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں گزر گئے کہ قرآن کریم اعمال صالحہ کی ہدایت ہے مومنوں کے لئے یا ہدایت تو سب کے لئے ہے مگر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں صرف مومن لوگ۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست! در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید سے ہدایت و رحمت لینے کی توفیق بخشے۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن مجید کسی کے صرف کان تک پہنچتا ہے کسی کے دماغ تک کسی کے دل تک کسی کی روح تک کسی کے سر تک اگر فقط کان تک پہنچے اور دل و دماغ و روح میں جگہ نہ کرے تو قرآن اس کے لئے عذاب اور گمراہی کا ذریعہ ہے اور اگر دل و دماغ روح تک پہنچے تو یہی قرآن ہدایت بھی ہے رحمت بھی **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** دیکھو یہاں **جئنا ھم** میں **ھم** ضمیر کفار کی طرف بھی ہے کہ قرآن ان کے پاس بھی پہنچا مگر ہدایت اور رحمت کے متعلق ارشاد ہوا **لقوم یومنون** پھر ایمان بہت قسم کا ہے۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت اور رحمت بھی بہت قسم کی جیسا مومن کا ایمان ویسی اس کے لئے قرآن مجید کی ہدایت اور رحمت۔ اسی ایک جملہ میں شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں قرآن مجید کسی کو شریعت کی ہدایت دیتا ہے کسی کو طریقت کی کسی کو حقیقت کی کسی کو معرفت کی۔ روح المعانی نے فرمایا کہ صوفیاء کے نزدیک کتاب اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو کہ ہر چیز کے جامع ہیں اور علم الٰہی کے مظہر اتم ہیں رب نے مطابق اپنے علم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صفات لوگوں کو ظاہر فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق پر اللہ کی رحمت بھی ہیں اور ہدایت بھی۔ ڈاکٹر اقبال نے فرمایا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب!

یا کتاب خود جسم انسانی ہے۔ جس کے تمام اعضاء و حواس تفصیل وار اپنے اپنے موقعہ پر لگائے یہ اعضاء مومنوں کے لئے رحمت ہیں کہ وہ ان سے اعمال نیک کی کمائی کر لیتے ہیں کفار کے لئے عذاب کہ وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لقوم یومنون فرما کر یہ بتایا کہ قرآن مجید سے ایمان کی ہدایت نہیں ملتی یہ ہدایت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے ہدایت ایمان کے بعد قرآن مجید سے ہدایت اعمال ملتی ہے زمین میں تخم کسان ڈالتا ہے بارش اسے اگاتی ہے دل میں تخم ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہوتی ہے قرآن اس تخم کو اگاتا ہے اس لئے ارشاد ہو القوم یومنون۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ
نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس کے نتیجہ کا جس دن آئے گا نتیجہ اس کا تو کہیں گے وہ لوگ جو بھول گئے تھے اسے
کاہے کا راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام
مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ
اس سے پہلے تحقیق لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر کو حق تو کیا ہے واسطے ہمارے کوئی شفاعت کرنے والے کہ
واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے بھلائے بیٹھے تھے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا
سفارش کرے وہ ہماری یا لوٹا دیئے جائیں ہم تاکہ ہم عمل کریں سوا اس کے جو عمل کرتے تھے ہم تحقیق
تھے تو ہیں کوئی سفارشی جو ہماری شفاعت کریں یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں
اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾
گھاٹے میں ڈالا انہوں نے جانوں کو اپنی اور غیب ہو گئے ان سے وہ جنہیں وہ گھڑتے تھے۔
بے شک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے وہ بہتان اٹھاتے تھے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید سے ہدایت اور رحمت صرف مومن ہی حاصل کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ مشرکین و کفار بجائے رحمت حاصل کرنے کے عذاب و عتاب کا انتظار ہی کریں گے گویا نفع حاصل کرنے والوں کے بعد نفع حاصل نہ کرنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا

تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس کی وجہ بیان ہوئی تھی کہ قیامت یا دوزخ میں کفار کی چیخ و پکار رونا زاری کرنا اہل جنت سے بھیک مانگنا وغیرہ کام نہ آوے گا ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے تفصیلی کتاب دنیا میں بھیج دی تھی اب اس وجہ کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم نہ مانا نہ قبول کیا گویا وجہ عذاب کے بعد وجہ کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار قیامت کو بھول گئے تھے حالانکہ انہیں یاد دلانے والی کتاب ان کے پاس پہنچ چکی تھی اب ارشاد ہے کہ ان کی بھول کی انتہاء جب ہوگی جب یاد کرنا کچھ کام نہ آوے گا گویا بھول کا ذکر پہلے تھا اور اس بھول کی انتہاء کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **هل ینظرون الا تاویله** اس فرمان عالی میں **هل** انکاری سوال کے لئے ہے بمعنی نہیں اور **ینظرون** بمعنی **ینتظرون** ہے یعنی نظر بمعنی انتظار اس کا فاعل وہی کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے اس کے بعد ایک کلمہ پوشیدہ ہے یعنی بعد ایمانہم۔ **تاویل** بنا ہے اول سے' بمعنی رجوع کرنا اس سے مراد ہے نتیجہ یا انجام و عاقبت **ہ** کا مرجع کتاب ہے یعنی کفار اب بھی قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے بجز اس کے کہ قرآن کریم کی خبروں وعدے وعیدوں اور کفار کے انجام کا ظہور ہو اور یہ لوگ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یعنی قیامت آجاوے اور اس دن ہر بیان عیاں ہو جاوے اگرچہ کفار قیامت کے منکر تھے مگر چونکہ قیامت کا آنا یقینی ہے اس لئے اسے ان کے کفر کا انجام قرار دیا گیا۔ گویا یہ لوگ عذاب کے منتظر ہیں۔ **یوم یاتی تاویله** یہ عبارت نئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ جب کفار دوزخ میں پہنچ چکے ہونگے اور روزانہ دوزخی مسلمانوں کو شفاعتوں کے ذریعہ دوزخ سے نکلتے دیکھیں گے تب یہ کہیں گے کیونکہ قبر میں تو وہ سب کچھ بھول چکے ہونگے۔ قیامت میں رسولوں کی تبلیغ کا انکار کریں گے یعنی جس دن قرآن مجید کی خبروں وعدے وعیدوں کا انجام سامنے آوے گا اور کفار اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے جو قرآن مجید نے بیان فرمایا تھا تو **یقول الذین نسوه** اور قول سے مراد زبانی اقرار ہے یا دل سے اعتراف **الذین نسوه** سے مراد وہی کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے **نسیان** سے مراد یا تو بھول جانا غافل ہو جانا ہے یا انکار کرنا یعنی تب یہ بھولنے والے زبان سے یا دل سے اقرار کرتے ہوئے کہیں گے۔ **من قبل** اس کا تعلق **نسوا** سے ہے قبل کا مضاف الیہ یعنی ضمیرہ پوشیدہ ہے یعنی قیامت کے آنے سے پہلے یا مرنے سے پہلے یا دنیا میں بھولے ہوئے تھے **قد جاءت رسل ربنا بالحق** یہ عبارت یقول کا مفعول ہے یعنی ان کفار کا مقولہ۔ اس کلام میں چند باتوں کا اقرار ہے **قد** کہہ کر بتایا کہ ہم نے نبیوں کے متعلق دنیا میں شک بلکہ انکار کیا تھا آج ہمارا شک دور ہو گیا۔ **جاءت** کہہ کر بتایا کہ نبی ہماری طرح صرف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ رب کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ رسول ہونے کی شان سے آئے تھے یعنی فیضان رساں ہو کر **بالحق** میں چند احتمال ہیں سچائی کے سات متلبس ہو کر آئے تھے جیسے سورج سے نور آگ سے گرمی وابستہ ہے ایسے ہی ان سے حق و سچائی وابستہ تھی یا حق یعنی سچائی لائے تھے یا وہ دین لائے تھے جو قابل قبول تھا حق بمعنی حقیقی یا مقبول یا پائدار۔ مضبوط دین لائے تھے حق بمعنی ثابت مضبوط کہ دنیا' برزخ' آخرت ہر جگہ ساتھ رہتا ہے ہمارا دین ہمارے ساتھ نہ رہا کیوں نہ ہو کہ اس دین کی زمین پختہ تھی یعنی توحید کی بنیاد مضبوط تھی یعنی نبوت۔ ہمارے دینوں میں یہ کچھ نہ تھا **بالحق** کی **با** تو متعدی کرنے کی ہے یا تلبیس کی یعنی اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ دنیا میں ہمارے رب تعالیٰ کے پیغمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے کہ وہ سچے تھے یا حق اور سچائی لائے تھے انہوں نے قیامت' حساب' کتاب' جنت دوزخ غرضکہ جن غیبی چیزوں کی خبریں دی تھیں وہ بالکل حق تھیں ہم سے غلطی ہوگئی کہ ان کا انکار کرتے رہے ہم نے آج ان کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور ہو سکتا

ہے کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نبیوں کی تشریف آوری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سب پر ایمان ہے اور یہ کہنے والے کفار عرب ہوں جیسے سو کا عدد تمام اکائیوں دہائیوں کا جامع ہے جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں دہائیاں ہیں۔ یونہی سارے انبیاء کرام گویا اکائیاں دہائیاں ہیں۔ حضور انور سو کا عدد ہیں ان پر ایمان سب پر ایمان۔ خیال رہے کہ کفار مرتے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر اور قبر میں پہنچ کر یہ سب کچھ مان لیتے ہیں مگر قیامت میں یہ اقرار اگلے مضمون کی تمہید کے لئے ہے یعنی شفاعت یا دنیا میں واپسی کی تمنا یہ قیامت ہی کے دن ہو گی **فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا** کفار کا یہ قول مسلمانوں کی شفاعت دیکھ کر ہو گا انہیں انبیاء کرام قرآن مجید کعبہ معظمہ، ماہ رمضان بلکہ خود ان کے اپنے بچے اولیاء اللہ علماء دین بارگاہ الٰہی میں شفاعت کر کے بخشواتے ہوں گے ان کا کوئی حامی نہ ہو گا اس لئے **شفعاء** جمع لایا گیا **شفعاء** سے مراد یا تو یہ مذکورہ حضرات ہیں یا ان کے بت وغیرہ یعنی یہ حضرات کیا ہماری بھی شفاعت کریں گے یا جیسے مسلمانوں کی شفاعت ان کے شافعین کر رہے ہیں کیا ہمارے بت، پوپ پادری پنڈت بھی ہماری شفاعت و سفارش کریں گے۔ یہ سوال تمنا اور آرزو کے لئے ہے **او نرد فنعمل غیر الذی کنا نعمل** یہ ان کفار کی دوسری تمنا ہے یہ بھی مذکورہ **ھل** کے ماتحت۔ **نرد** بنا ہے **رد** سے بمعنی لوٹانا واپس کرنا یہاں دنیا میں لوٹانا مراد ہے کیونکہ عمل کی جگہ وہی ہے اس لئے یہ نہ کہیں گے کہ خدایا ہم آج یہاں ہی ایمان و اعمال اختیار کئے لیتے ہیں ہم کو اجازت دے ہم تجھے لاکھوں سجدے کرلیں **نعمل** کی **فنرد** کا جواب ہے اور **نرد** استفہام کے تحت ہے اس لئے یہاں **ان** پوشیدہ ہے اور **نعمل** کو فتحہ ہے **الذی** الخ سے مراد ان کے تمام وہ عقائد و اعمال ہیں جو دنیا میں کرتے تھے یعنی کیا اب ہم کو دنیا میں واپس کیا جاوے گا تاکہ وہاں جا کر اب ہم پچھلے اعمال و عقائد کے سوا دوسرے عقائد و اعمال اختیار کریں یعنی ایمان اور تقویٰ **قد خسروا انفسھم** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے **خسروا** بنا ہے **خسارہ** سے جس کے معنی ہیں وہ نقصان جس میں اصل پونجی بھی ختم ہو جاوے عمر انسان کی اصل پونجی ہے۔ جسے کفار کفر اور بد عملیوں میں صرف کر کے اسے برباد کر لیتے ہیں اور یہ وہ پونجی ہے جو دوبارہ ہاتھ نہیں آتی جو سوت کات لیا وہ اپنا ہے پھر چرخہ چرخہ والے کا ہے کاتنے کے جو چند دن ملے ہیں انہیں غنیمت سمجھو یعنی انہوں نے اپنی ذاتوں یا اپنی جانوں کو پورے پورے ٹوٹے خسارہ میں ڈال دیا۔ **وضل عنھم ما کانوا یفترون** یہ بھی رب تعالیٰ کا اپنا کلام شریف ہے اس میں کفار کے دوسرے عذاب کا ذکر ہے۔ **ضل** بنا ہے **ضلال** سے بمعنی گم ہو جانا غائب ہو جانا **ما** سے مراد ان کے وہ بت وغیرہ ہیں جنہیں وہ اپنا حامی سمجھے بیٹھے تھے **افتراء** بنا ہے **فری** سے بمعنی بہتان نرا جھوٹ یعنی وہ بت وغیرہ جنہیں کفار نے اپنا شفاعتی سفارشی سمجھا ہوا تھا وہ آج سب کے سب ان سے غائب ہو گئے یا تو اس طرح کہ ان کے پاس پہنچے ہی نہیں کہ وہ اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہیں یا اس طرح کے ان کے پاس پہنچے انہوں نے ان بتوں سے سفارش کا مطالبہ کیا تو انہیں صاف جواب دے دیا کہ ہم خود گرفتار ہیں تمہاری سفارش کیا کریں۔ خیال رہے کہ اس سے کفار کے بت اور ان کے پنڈت جوگی پوپ پادری مراد ہیں اسے حضرات انبیاء کرام یا اولیاء اللہ اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں جو اس آیت کو ان پر چسپاں کرے وہ بے دین ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے پاس تفصیلی کتاب پہنچ چکی آپ نے تبلیغ فرمادی اب یہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے وہ کس چیز کے انتظار میں ہیں اب انہیں انتظار صرف اس بات کا ہے قرآنی چیزیں ظہور میں آجائیں جو نہاں ہے وہ عیاں ہو جائے جس دن ان چیزوں کا ظہور ہو گا تو یہ بولنے والے جو اس سے پہلے اس دن کو بھولے بیٹھے تھے کہیں گے کہ آج ہم اقرار

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سارے رسول ہمارے پاس پہنچے تھے وہ بھی سچے تھے ان کے سارے فرمان بھی سچے تھے ہم سے غلطی ہوئی کہ انہیں نہ مانا پھر جب گنہگار مسلمانوں کا حال دیکھیں گے کہ ان کے رسول ان کے اولیاء علماء صالحین چھوٹے بچے انہیں بخشوا رہے ہیں ان کے دستگیر مشکل کشا بنے ہیں تب یہ کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ کیا آج ہمارے بھی سفارشی نہیں جو پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اب ہم دنیا میں بھیجے گئے تو اب ان عقائد و اعمال کو ہرگز اختیار نہ کریں گے جو پہلے کرتے تھے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے کام کریں گے خدا یا ہم سچے پکے مسلمان متقی پرہیزگار بنیں گے ایک بار ہم کو واپس فرما کر دیکھ لے رب فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے کو بالکل ہی خسارہ میں ڈال دیا کہ اپنی عمریں برباد کر ڈالیں۔ بجائے نیکیوں کے گناہ کمائے عرشی نعمتیں اعضاء' عمر صحت سے کئے تھے مگر فرشی اعمال کما کر نہ لائے وہ ساعتیں برباد کر آئے اور جن بتوں پادریوں پوپوں پنڈتوں کی شفاعت کی آس لگائے تھے آج کوئی کام نہ آیا وہ سب ان سے غائب بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اب کف افسوس ملنے سے کیا بنتا ہے۔

جو کل کرنا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کر لے — جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہو سے کیا ہووت ہے

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت نہ ملے ایمان نہ ملے اسے کہیں سے ہدایت و ایمان نہیں مل سکتے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا آخری ذریعہ ہیں۔ یہ فائدہ **ھل ینظرون الا تاویلہ** سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ جو لوگ آپ سے ہدایت نہیں پاتے وہ اب قیامت ہی کے منتظر ہیں۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آپ آخری نبی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی **ھل ینظرون** سے حاصل ہوا یہ نہ فرمایا گیا کہ وہ ایمان لانے کے لئے اور نبی کے منتظر ہیں بلکہ فرمایا کہ وہ اب قیامت ہی کے منتظر ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا گویا تمام رسولوں کا تشریف لانا ہے یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سارے رسولوں پر ایمان ہے۔ یہ فائدہ **قد جاءت رسل ربنا** سے حاصل ہوا کہ عرب میں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی نہ آئے۔ حضرت اسماعیل اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں مگر فرمایا گیا **قد جاءت رسل ربنا**' رسل جمع ہے رسول کی۔ **چوتھا فائدہ:** آخر کار نادان بھی سمجھ جاتا ہے مگر وقت نکال کر جب کہ سمجھنا کچھ کام نہیں آتا' دیکھو قیامت میں کفار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا اقرار کریں گے مگر بے سود' عاقلوں نے دنیا میں اقرار کر لیا۔

آنچہ دانا کند' کند ناداں! — لیک بعد از خرابیء بسیار

پانچواں فائدہ : قیامت میں مومنوں کی شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا' بے یار و بے مددگار ہونا کفار پر عذاب ہوگا۔ یہ فائدہ **فھل لنا من شفعاء** سے حاصل ہوا کہ کفار مسلمانوں کے مددگاروں سفارشیوں کو دیکھ کر کف افسوس ملیں گے اور یہ کہیں گے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کے بت اور ان کے پیشوا قیامت میں ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے مگر مومنوں کے نبی ولی ہر پیغمبر ان کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے ہر جگہ ان کی مدد کریں گے۔ یہ فائدہ **وضل عنھم** سے حاصل ہوا اگر مومنوں کے نبی ولی بھی انہیں چھوڑ دیتے تو کفار کے عذاب کے سلسلہ میں یہ نہ فرمایا جاتا۔ یہ بات خوب خیال رہے۔

ساتواں فائدہ: ایمان و کفر بھی ایک عمل ہے یعنی دل کا عمل۔ یہ فائدہ **فنعمل غیر الذی کنا نعمل** سے حاصل ہوا کہ پہلے نعمل میں ایمان اور نیک عمل مراد ہیں اور دوسرے نعمل سے کفر و گناہ مراد ہاں جب ایمان کا ذکر عمل کے ساتھ ہو تب وہاں

عمل سے جسمانی عمل مراد ہوتے ہیں جیسے **ان الذین امنوا وعملو الصالحات**۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار قیامت کے انتظار میں ہیں حالانکہ وہ کفار قیامت کے انکاری تھے اس کے منتظر نہ تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: یہ فرمان عالی انتہائی غضب کے اظہار کے لئے ہے جیسے چور سے کہا جائے کہ اب تو جیل ہی کا انتظار کرتا ہے حالانکہ چور جیل کا انتظار نہیں کرتا وہ تو اپنے کو اس سے محفوظ سمجھتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اگر یہ تمنا کفار عرب کی ہے تو جاءت رسل ربنا فرمانا کیونکہ درست ہوا عرب میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لائے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی وہاں تشریف نہ لائے۔ **جواب**: اس صورت میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو بہت سے رسولوں کی تشریف آوری قرار دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کی اصل ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سب رسولوں کی آمد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سب کی اطاعت ہے یہ ایسا ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے **ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین** حالانکہ حجر والوں نے اپنے ایک رسول ہی کا انکار کیا تھا مگر ایک نبی کے انکار کو سب نبیوں کا انکار قرار دیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: تم نے کہا کہ قیامت میں مومنوں کی شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے اس لئے اس آیت میں ارشاد ہوا **فهل لنا من شفعاء** یعنی **شفعاء** جمع ارشاد ہوا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں شفیع تو بہت ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ شفاعت کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کریں گے بعد میں چھوٹی شفاعتیں اور حضرات بھی کریں گے شفاعت کبریٰ کا سہرا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے دروازہ شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کھلے گا۔

تفسیر صوفیانہ : ہر کام وقت پر مفید ہے وقت سے پہلے مصروفیت کے بعد بیکار' روزہ وقت پر کھولو اس کا نام ہے افطار وہ سحر کو کھاؤ پیو تو اس کا نام ہے روزہ توڑنا' جمعہ' عید وقت پر پڑھو تو عبادت ہے پہلے یا بعد پڑھو تو بیکار یونہی ایمان کا بھی ایک وقت ہے اس سے پہلے یا بعد ماننا ایمان نہیں' میثاق کے دن سب نے سارے ایمانیات کو مان لیا تھا وہ ماننا ایمان نہ بنا بعد موت سب مان جائیں گے وہ بھی ایمان نہیں دنیا میں ماننا ایمان ہے کیونکہ میثاق کے دن بلاواسطہ ہی رب کے براہ راست کہنے سے مانا تھا۔ قیامت میں آنکھوں دیکھ کر مانیں گے نبی کا واسطہ نہ جب تھا نہ آئندہ ہوگا اس لئے یہ دونوں ایمان نہ بنے۔ دنیا میں رسول کی معرفت ان سب کو مانا جاتا ہے لہٰذا یہ ایمان ہے بجلی کا پاور مفید ہے بشرطیکہ محفوظ تار کے ذریعہ آئے بغیر تار کے ہلاک کر دیتا ہے' توحید پاور ہے نبوت محفوظ تار چنانچہ کفار قیامت میں رسولوں کی حقانیت کا اقرار کریں گے لیکن اگر یہ اقرار دنیا میں کر لیتے تو اس اقرار کا نام ہوتا ایمان یا عرفان اس وقت یعنی قیامت میں اس اقرار کا نام ہوگا طغیان یا کفران کیونکہ انہوں نے انبیاء کرام پر اعتبار و اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنی آنکھوں پر اعتماد کیا کوئی مومن جسے رب تعالیٰ بخش دے دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرے گا اگرچہ یہاں کیسے ہی آرام میں رہا ہو سوائے شہداء کے کہ وہ دوبارہ دنیا میں اپنے رب کے نام پر سر کٹانے کی تمنا کرتے ہیں شہداء کی یہ تمنا اچھی ہوتی مگر کافر کی یہ تمنا فضول ہوگی شہداء کی اس تمنا کا نام ہے رحلہ کفار کی تمنا کا نام ہے اسمہ جو کچھ کر کے امید لگائے

اس کی امید کا نام رجاء ہوتا ہے بغیر کرے آس لگانا تمنیٰ کہلاتا ہے بیج بو کر پیداوار کی امید کرنا رجاء ہے بغیر بوئے آس لگانا تمنیٰ ہے رجاء اچھی چیز ہے امنیہ بری چیز مومن تدارک حال کرتا ہے کافر طول آمال یعنی لمبی امیدیں ہیں۔

حکایت : کسی پانی میں تین مچھلیاں رہتی تھیں ایک شکاری نے انہیں دیکھا اور ارادہ کیا میں نے ان تینوں کا شکار کرتا ہے۔ عقلمند مچھلی یہ سنتے ہی جال آنے سے پہلے دریا میں نکل گئی۔ نمبر دو کی مچھلی نے غفلت کی جب شکاری آگیا تو اس نے اپنے کو مردہ بنا کر پانی پر تیرا دیا' ماہی گیر نے اسے پکڑا مگر مردار سمجھ کر پانی میں پھینک دیا وہ بھی جان سلامت لے گئی تیسری بہت بے وقوف تھی جال میں پھنس کر خوب تڑپی بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے فائدہ وہ شکار ہو گئی مولانا نے یہ قصہ بہت طویل بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

سوئے دریا عزم کن زیں آب گیر بحر جو و ترک ایں گرداب گیر!

اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو سمندر میں چھلانگ لگا۔ یہ حال ہے مومن عاقل کا غافل کا اور کافر کا اللہ تعالیٰ اس زندگی میں ہماری آنکھیں کھول دے غفلت سے بیدار ہونے کی توفیق بخشے۔ آج کچھ کر لو ورنہ کل رو رو پچھتاؤ گے مگر بے سود۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ غم تین قسم کے ہیں گناہوں کا غم کہ معافی نہ ہو نیکیوں کا غم کہ قبول نہ ہوں اپنے ایمان کا غم کہ کہیں چھن نہ جائے ایک دن ابو سفیان بہت رو رہے تھے کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو کیا گناہوں کا ڈر ہے' آپ نے ایک تنکا لے کر فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سارے گناہ اس تنکے کی طرح ہیں مغفرت کے ایک جھونکے میں اڑ جائیں گے مجھے ڈر ہے ایمان کا پیمانہ نہ چھن جائے (روح البیان)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

بے شک تہارا پالنے والا وہ ہے اللہ جس نے پیدا کیئے آسمان اور زمین چھ (۶) دن میں پھر

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ (۶) دن میں بنائے

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَ

غلبہ فرمایا اوپر عرش کے ڈھانپتا ہے رات سے دن کو طلب کرتا ہے دن اسے لگا تار اور پیدا کیا سورج کو اور چاند کو اور

پھر عرش پر استواء ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے

الْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ

تاروں کو سب تابع ہیں اسی کا ہے عالم خلق اور عالم امر برکت والا ہے اللہ پالنے والا

ڈھانپتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا اس کے حکم کے

رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

جہانوں کا

دبلے ہوئے ہیں سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں انتہا کا ذکر ہوا یعنی قیامت اور بعد قیامت کا اب اس آیت میں ابتدا کا ذکر ہے تاکہ انسان ان باتوں میں غور کر کے ایمان اختیار کرے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے بتوں کی مجبوری مقہوری معذوری کا ذکر ہوا کہ وہ قیامت میں مصیبت کے وقت اپنے پجاریوں کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے اب معبود حقیقی اللہ جل شانہ کی قدرت کا ذکر ہے تاکہ کفار جھوٹے معبودوں کی عبادت سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا فقد جاءت رسل ربنا اب توحید الٰہی کا ذکر ہے گویا ایمان کے ایک رکن کا ذکر پہلے ہوا دوسرے رکن کا ذکر اب ہے چونکہ نبوت توحید اختیار کرنے کا وسیلہ ہے اس لئے وسیلہ کا ذکر پہلے ہوا اور مقصود کا ذکر بعد میں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں خوف دلا کر لوگوں کو رب کی اطاعت کی طرف دعوت دی گئی تھی اب رب کے احسانات یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے کیونکہ بعض لوگ خوف سے مانتے ہیں بعض لالچ سے بعض دلائل سے بعض انعام و اکرام یاد کر کے اور قرآن مجید سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔

تفسیر : ان ربکم اللہ چونکہ اس مضمون کے کافر منکر تھے وہ دوسروں کو اپنا رب سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا لفظ رب کی تحقیق سورۂ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر کے تحت کی جا چکی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی کچھ تفصیل اس کی نوعیتیں اور کس قسم کی ربوبیت سے کس بندے کو حصہ ملتا ہے رب اور اب یعنی پالنے والے اور ربا اب میں فرق ہم اسی جگہ بیان کر چکے یہاں اتنا سمجھ لو کہ باپ ہم کو دنیا میں آنے کے بعد کچھ دن پرورش کرتا ہے وہ بھی لالچ سے کہ میرے بڑھاپے میں یہ مجھے پرورش کرے گا مگر اللہ کریم وہ ہے جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک پالتا ہے ہر طرح پالتا ہے اور بلا غرض پالتا ہے جہاں سب چھوڑ دیتے ہیں وہاں وہ ہماری خبر رکھتا ہے اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اے کریم کار ساز و بے نیاز دائم الاحسان شرمندہ نواز

کم میں خطاب کفار سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے انسانوں سے ہو فرشتے اس خطاب میں داخل نہیں کیونکہ آسمان زمین سورج چاند تارے ان کی پرورش کے لئے نہیں بنائے گئے وہ تو ان چیزوں سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اور یہاں انہیں چیزوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کا رب ہے اور سب اس کے بندے ہیں مگر کوئی بندہ دینے والا ہے کوئی لینے والا سورج و بارش بھی اللہ کے بندے ہیں زمین کھیت باغ بھی بندے مگر سورج و بارش فیض رساں بندے ہیں اور زمین و باغ فیض یاب۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں مگر دینے والے ہم اللہ کے بندے ہیں مگر لینے والے۔ لفظ اللہ کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے کہ عربی زبان میں یہ اسم ذات ہے باقی سارے نام اسماء صفات الذی خلق السموت والارض یہ عبارت لفظ اللہ کی صفت ہے خلق کے معنی ہیں اندازہ لگانا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بغیر مثال کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا، وجود بخشنا اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ آسمان علیحدہ علیحدہ ہیں زمینیں متصل اور ملی ہوئی نیز ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ ہے مگر ہر زمین کی حقیقت مٹی ہے اس لئے قرآن مجید آسمانوں کے لئے جمع اور زمین کے لئے لفظ واحد ارشاد ہوتا ہے وستۃ ایام اس کا تعلق خلق سے ہے ستہ کے معنی ہیں چھ یہ اصل میں سدسۃ ہے اسی سے ہے سادس۔ پہلے سین کو تہ سے بدلا چونکہ دال اور تہ کا مخرج ایک ہی ہے اس لئے دال کو بھی تہ سے بدل دیا اور تہ کا تہ میں ادغام کر دیا ستہ ہو گیا (تفسیر کبیر) ایام جمع ہے یوم کی معنی دن مگر یہاں معنی وقت ہے کیونکہ اس وقت نہ سورج تھا نہ دن

رات پیدائش کی ابتداء اتوار سے ہوئی اور انتہاء جمعہ کو چنانچہ زمین کی پیدائش اتوار اور پیر کو اور آسمان جمعرات و جمعہ کو پہاڑ درخت وحشی جانور کھیت وغیرہ منگل اور بدھ کو۔ بعض روایت میں ہے کہ جمعہ کی اول گھڑیوں میں اوقات مقرر فرمائے' دوسری ساعت میں لوگوں کے درمیان الفت ڈالی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام سے جناب حوا کو پیدا کیا اسی ساعت میں ابلیس کو مردود کیا گیا اس کے متعلق اور بہت روایات ہیں (تفسیر صاوی وغیرہ) اسی جمعہ کے دن چاند تارے سورج فرشتے پیدا ہوئے غرضیکہ خلق کی ابتداء اتوار کے دن ہوئی اس لئے اسے **یوم الا خذ** کہتے ہیں یعنی پہلا دن اور جمعہ کو جمعہ کہتے ہیں یعنی مخلوق کی اجتماع کا دن ہفتہ کو یوم السبت کہا جاتا ہے یعنی کام بند ہو جانے کا دن (تفسیر خازن) **واللہ ورسولہ اعلم**۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ قادر تھا کہ یہ سب چیزیں ایک آن میں پیدا فرمادے مگر آہستگی سے چھ دن میں پیدا فرمائیں تاکہ قیامت تک مثال قائم کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آہستگی سے ہوتے ہیں۔ بندے جلدی نہ کیا کریں نیز اپنے کام آہستگی سے کیا کریں' مولانا فرماتے ہیں

مکر شیطان ست تعجیل و شتاب	خوئے رحمانست صبر و احتساب
با تانی گشت موجود از خدا!	تابہ شش روز ایں زمین و چرخہا!
ورنہ قادر بود کز کن فیکون	صد زمین و چرخ آوردے بروں
ایں تانی از پے تعلیم تست	صبر کن درکار دیر بہر درست

ثم استوی علی العرش۔ یہاں ثم بیان کی تاخیر کے لئے ہے نہ کہ واقعہ کی تاخیر کے لئے کیونکہ عرش اعظم ان سب سے پہلے پیدا ہوا یعنی پھر یہ بھی سن لو استواء کے لفظی معنی ہیں برابر ہونا وہ معنی یہاں مراد نہیں کیونکہ برابری اور چھوٹا بڑا ہونا جسم کے لئے ہوتا ہے رب تعالیٰ جسم سے پاک ہے نیز اس صورت میں اس کے بعد علی نہ آتا رہی یہ بات کہ یہاں استواء سے کیا مراد ہے اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ متشابہات سے ہے اس کے معنی رب تعالیٰ کے سپرد کرو اس پر ایمان لاؤ تحقیق نہ کرو یہی **طریقہ بہت** سلامتی کا ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہے غلبہ فرمانا قبضہ کرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق	من غیر سیف ودم مہراق

میں استواء بمعنی غلبہ و قبضہ ہے۔ تیسرے یہ کہ استواء سے مراد ہے احکام جاری فرمانا اور اس میں جیسے چاہے تصرف فرمانا یعنی عرش اعظم کو رب نے اپنی حکومت کا دارالخلافہ بنایا جہاں سے سارے تکوینی و تشریعی احکام جاری ہیں فیصلے بھی ہیں تو وہاں سے احکام ہیں تو وہاں سے عرش کے معنی ہیں شاہی تخت اور ہر سایہ فگن چیز فرماتا ہے **ورفع ابویہ علی العرش** اور فرماتا ہے **ولہا عرش عظیم** اور فرماتا ہے **ایکم یاتینی بعرشہا قبل ان یاتونی مسلمین** اصطلاح فلاسفہ میں عرش نواں آسمان ہے جسے فلک الافلاک بھی کہتے ہیں۔ فلاسفہ نو آسمان مانتے ہیں سات یہ آسمان آٹھواں کرسی نواں عرش' اصطلاح شریعت میں سارے عالم اجسام کو محیط ہے۔ والا جسم جس کی حقیقت رب ہی جانتا ہے کبھی سلطنت کو بلکہ عزت و عظمت کو بھی عرش کہہ دیتے ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا ما بنی مروان ثلت عروشہم	واودت کما اودت ایاد وحمیر
ان یقتلوک فقد ثلت عروشہم	بعتیبۃ ابن الحارث ابن شہاب!

دیکھو ان شعروں میں عروش جمع عرش کی بمعنی ملک و عزت استعمال ہوا ہے۔ یعنی پھر یہ بھی سنو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ عرش پر اپنا تصرف و قبضہ قائم فرمایا' جس سے لازم آیا کہ سارا عالم اجسام اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے **یغشی الیل النھار** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب نے اپنے دائمی قبضہ و تصرف کا مشاہدہ و ثبوت دیا ہے **یغشی** بنا ہے **غشاوۃ** سے بمعنی پردہ یعنی ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو۔ عام مفسرین نے اس عبارت کے یہی معنی فرمائے۔ تفسیر جلالین و صاوی وغیرہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ رات سے دن کو اور دن سے رات کو ڈھانپتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بھی یہ بتا رہا ہے یا تو اس لئے کہ یہاں **یغشی** مقابلہ کے لئے استعمال ہوا ہے یا اس لئے کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے **یغشی النھار الیل** خیال رہے کہ رات دن کو یا دن رات کو نہیں ڈھانپتا کیونکہ رات آنے پر دن مٹ جاتا ہے اور دن آنے پر رات ختم ہو جاتی ہے پھر ڈھانپنا کیسا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس فضا کو دن نے روشن کیا تھا اس فضا کو رات تاریک کر دیتی ہے اور جس فضا کو رات نے تاریک کیا تھا اس کو دن روشن کر دیتا ہے لہذا یہاں اسناد مجازی ہے (روح المعانی)۔ قرآن کریم فرماتا ہے **یکور الیل علی النھار ویکور النھار علی الیل**۔ وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے **یطلبہ حثیثا** ۔یہ عبارت پچھلی عبارت کی گویا شرح ہے اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ رات دن کو تیزی سے ڈھونڈتی رہتی ہے' دوسرے یہ کہ رات دن اور دن رات کو تیزی سے ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ ایک گیا دوسرا فورا" آیا بیچ میں فاصلہ کوئی نہیں حثیث بنا ہے حث سے بمعنی تیزی و سرعت یا تو طلب کے فاعل سے حال ہے یا اصل میں **طلبا حثیثا** تھا' طلبا پوشیدہ ہے (معانی) یہ حالت رب تعالیٰ کے قبضہ و قدرت کی کھلی دلیل ہے **والشمس والقمر والنجوم** یہ عبارت معطوف ہے' سماوات پر یعنی رب تعالیٰ نے ہی سورج چاند اور سارے تارے پیدا فرمائے کہ انہیں نیست سے ہست کیا **مسخرات بامرہ** یہ عبارت شمس و قمر و نجوم سے حال ہے **مسخرات** بنا ہے تسخیر سے۔ جس کا مادہ ہے **سخر** بمعنی تابع فرمان ہونا یعنی یہ سورج چاند وغیرہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں کہ اس کے فرمان سے ہر وقت دوڑ رہے ہیں ایک آن کے لئے آرام نہیں کرتے ٹوٹتے پھوٹتے نہیں کبھی ان کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی یہاں امر بمعنی ارادہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی حکم ہو کہ چاند سورج وغیرہ کو ہر دم احکام الٰہی پہنچتے ہوں اور وہ ان پر عمل کرتے ہوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں سمجھ فہم ہے اور وہ اللہ کا حکم سنتے ہی اس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ (معانی) خیال رہے کہ چاند تارے صرف سورج سے ہی نور لیتے ہیں سورج فیض رساں ہے اور باقی فیض یاب چاند زیادہ نور لیتا ہے تارے کم اس لئے سورج کا ذکر پہلے ہوا چاند کا اس کے بعد تاروں کا اس کے بعد **الا لہ الخلق والامر**۔ یہ عبارت گزشتہ مضمون کا گویا نتیجہ بیان کر رہی ہے کہ بندو ان حالات سے یہ نتیجہ نکالو کہ خلق بھی رب کی ہے امر و حکم بھی اس کا اس کے احکام اس کی مخلوق میں جاری ہیں یہاں بھی امر یا تو بمعنی ارادہ ہے یا بمعنی حکم یا خلق بمعنی عالم اجسام ہے اور امر بمعنی عالم ارواح عالم انوار اور عالم امکان ہے جو صرف امر کن سے پیدا ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ **خلق** سے مراد ہمارے جسمانی واردات ہوں جیسے ظاہری عبادات جس میں ہمارے کسب کو دخل ہو اور امر سے ہمارے دلی واردات مراد ہوں جس میں ہمارے کسب کو دخل نہ ہو جیسے دل کا گداز عشق رسول خوف خدا آنکھوں کے آنسو جو محض عطاء ربانی ہیں **تبارک اللہ رب العلمین**۔ **تبارک** کے بہت معنی کئے گئے ہیں (1) برکت والا ہے کہ اس کے نام میں برکت ہے جس چیز پر اس کا نام لے دیا جائے وہ مبارک ہو جائے (2) الوہیت ربوبیت و عزت و عظمت میں اکیلا ہے (3) ہر نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہے (بیان معانی' خازن وغیرہ) عالمین کے معنی ہم

سورہ فاتحہ میں عرض کر چکے کہ عالم وہ جس سے کسی چیز کو جانا پہچانا جائے' علم کا صفت مشبہ یعنی نشانی علامت۔ اللہ کے ماسوی عالم ہے کہ اس سے خدا کو پہچانا جاتا ہے عالم جنس ہے اس کی نوعیتیں بہت' عالم انسان' عالم حیوان عالم اشجار وغیرہ اس لحاظ سے عالمین جمع ارشاد ہوتا ہے۔ بہرحال یہ آیت کریمہ بہت طرح سے حمد الٰہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کافرو تم انتہاء تو سن چکے اب ابتداء سنو تمہارا رب تم کو پالنے والا وہ تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہاری پرورش کے لئے بہت سے انتظام فرمائے کہ چھ دن یا چھ وقتوں میں آسمان زمین بنائے اس طرح کہ اتوار کے دن سے خلقت کی ابتداء فرمائی جمعہ کو انتہاء کسی وقت آسمان بنائے کسی وقت زمین پھر یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں پیدا فرما کر یوں چھوڑ نہ دیں بلکہ اس سب کو جو عرش اعظم تک ہیں ہوئے ہے اس پر اپنا قبضہ و تصرف رکھا جب عرش پر اس کا قبضہ و تصرف ہے تو دنیا کی ہر چیز پر اس کا تصرف ہے رب کے قبضہ کی بہت دلیلیں ہیں ایک یہ کہ دیکھ لو وقت یکساں نہیں رہتا کبھی عالم کو دن روشن کرتا ہے کبھی رات اس کی روشنی دور کر کے اس پر اندھیرا ڈال دیتی ہے کبھی اس کے برعکس یہ کام نہایت تیزی سے ہو رہا ہے کہ دن و رات ایک دوسرے کے اسی طرح پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ایک کے جاتے ہی دوسرا آجاتا ہے اس کے قبضہ و تصرف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سورج چاند تارے پیدا فرمائے وہ اپنی پیدائش سے آج تک اس کے حکم کے ماتحت اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں اس کے تابع امر ہیں۔ ان چیزوں میں غور کرو اور نتیجہ نکالو کہ ساری چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں اور اس کے زیر فرمان ہیں خلق بھی اس کی فرمان بھی اس کا ان تمام چیزوں سے تم یہ نتیجہ نکالو کہ اللہ تعالیٰ برکت والا عزت و عظمت والا اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ خیال رہے کہ دنیا کی زندگی کے لئے رب نے زمین کی تقسیم ملکوں' صوبوں' شہروں' بستیوں میں فرمائی اور زمان کی تقسیم برسوں مہینوں ہفتوں دن رات گھنٹوں منٹوں میں کی کہ دنیا جگہ ہے کام کی اس تقسیم کے بغیر انسان کام نہیں کر سکتا مگر جنتی زندگی کے لئے نہ جنت کی زمین تقسیم کی گئی نہ زمان کی وہاں اتنی بڑی جنت میں ملک' شہر محلے نہیں نہ وہاں دن رات مہینے سال ہیں کیونکہ وہ جگہ انعام اور آرام کی ہے وہاں کی دائمی زندگی اس کے بغیر بھی ہو سکے نیز وہاں فنا نہیں زندگی کے زمانہ کی شمار کی ضرورت نہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان کو چاہیئے کہ جلد بازی سے پرہیز کرے اطمینان اور تحمل سے کام کرے یہی سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ **فی ستۃ ایام** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ قادر تھا کہ ایک آن میں سارے زمین و آسمان بلکہ سارا جہان بنا دیتا مگر بنائے چھ دن میں اس مہلت میں ہم کو یہی تعلیم دی گئی ہے۔

مسئلہ : چند کاموں میں جلدی کرنا ثواب ہے گناہوں سے توبہ' ادائے قرض' مہمان کی خاطر' بالغہ لڑکی کا نکاح' میت کا دفن' جنابت سے غسل وغیرہ باقی تمام کاموں میں اطمینان و تحمل چاہیئے (روح البیان)' **دوسرا فائدہ:** ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کسی اور کو ایک ذرہ کا خالق مانے وہ مشرک ہے یہ فائدہ **خلق السموات** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** عرش اعظم آسمانوں کے علاوہ اور گول محیط جسم ہے کسی آسمان کا نام عرش نہیں۔ یہ فائدہ **ثم استوی علی العرش** سے حاصل ہوا کہ عرش کو سموت کے علاوہ بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ آسمان سات ہیں نہ کہ نو دوسری جگہ ارشاد ہے **خلق سبع سموت طباقا** لہٰذا فلاسفہ کا نو آسمان ماننا محض غلط ہے۔ **چوتھا فائدہ:** عالم کے حالات کی تبدیلی دن رات کا آنا جانا سورج چاند

تاروں کی گردش خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں کہ یہ چیزیں کسی گھمانے والے گردش دینے والے کے قبضہ میں ہیں۔ یہ فائدہ **یغشی الیل النھار** سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق دوسرے پارے میں **السموات والارض** کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** وقت دو ہی ہیں رات اور دن ان کے علاوہ اور کوئی وقت نہیں شام رات کا حصہ سویرا دن کا حصہ ہے۔ یہ فائدہ **یغشی الیل النھار** سے حاصل ہوا اس لئے صبح سے روزہ شروع ہوتا ہے شام کو افطار کر دیا جاتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** رات دن سے افضل ہے اور دن سے پہلے ہے سورج ڈوبتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے' یہ فائدہ لیل کو نہار پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون** اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں محض کن فرمانے سے پیدا ہوئیں' آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے بہت جواب دوسرے پارے میں دیئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت کریمہ میں وقت پیدائش کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں طریقہ خلق کا ذکر ہے یعنی چھ دن میں یہ چیزیں پیدا کیں مگر کن فرما کر پیدا کیں' کسی چیز کو ٹھونک پیٹ کر نہ بنائیں یا یوں کہو کہ اس آیت میں فعل خلق کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں قدرت خلق کا ذکر ہے یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ آن کی آن میں کن فرما کر ہر چیز پیدا کر دے مگر اس نے چھ دن میں پیدا فرمائے' قدرت اور ہے عمل کچھ اور۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عرش آسمانوں زمین کے بعد پیدا کیا گیا مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم پہلے پیدا فرمایا گیا۔ **جواب:** یہاں **استوی** کے معنی پیدا فرمانا نہیں بلکہ عرش پر قبضہ اور تصرف رکھنا مراد ہے مقصد یہ ہے کہ ہم نے آسمان و زمین بنا کر یونہی چھوڑ نہ دیا بلکہ ان پر اپنا قبضہ تسلط قائم دائم رکھا اور **ثم** تراخی بیان کے لئے ہے نہ کہ تراخی زمان کے لئے یعنی پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے عرش پر قبضہ و تسلط قائم رکھا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب رات سے دن کو ڈھانپتا ہے تو کیا رات کے وقت دن ہوتا ہے اگر نہیں ہوتا تو ڈھانپنے کے کیا معنی ڈھانپنا یہ ہوتا ہے کہ چیز کسی غلاف کے اندر موجود ہو ظاہر ہے کہ دن رات کی ضد ہے ڈھانپنے کے معنی کیونکر درست ہوئے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں اسناد مجازی ہے' مقصود یہ ہے کہ جس چیز کو دن روشن کئے ہوئے تھا اسے رات اپنی تاریکی میں ڈھانپ لیتی ہے دن سے مراد ہیں' وہ چیزیں جنہیں دن منور کرتا ہے۔ (روح المعانی) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سورج چاند تارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں یہ کیونکر صحیح ہو اللہ تعالیٰ حکم تو عاقل مخلوق کو دیتا ہے اس نے انسانوں کے سواء کسی بے عقل مخلوق کو روزے نماز وغیرہ کا حکم نہیں دیا ان چیزوں میں جب سمجھ ہی نہیں ہے تو انہیں حکم کیسا؟ **جواب:** یہاں حکم سے مراد ہے تکوینی حکم یعنی ارادہ الٰہی رب جو چاہتا ہے' چاند سورج تارے وہی کرتے ہیں شرعی حکم یعنی ممانعت کا مقابل حکم مراد نہیں اور اگر یہی حکم مراد ہو تب بھی درست ہے کیونکہ ہر عاقل و غیر عاقل مخلوق میں ادراک سمجھ بوجھ وغیرہ ہے رب فرماتا ہے **وان من شئی الا یسبح بحمدہ** لہذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور حکم بھی صرف اسی کا ہے تو پھر انبیاء اولیاء' بلکہ بادشاہوں اور حکام کو حاکم مانتے ہو حاکم صرف رب تعالیٰ ہے جیسے خالق رب کے سواء کوئی نہیں ویسے حاکم اس کے سواء کوئی نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتینا ھم الکتاب والحکم والنبوۃ** ہم نے

انبیاء کرام کو کتاب اور حکم اور نبوت بخشی اور فرماتا ہے۔ **سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** ہم نے ہوا حضرت سلیمان کے تابع کردی جو ان کے حکم سے چلتی تھی اور فرماتا ہے **لتحکم بین الناس** ہم نے آپ کو اس لئے نبی بنایا کہ آپ لوگوں میں حکم جاری کریں اور فرماتا ہے **فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلھا** خاوند بیوی میں نااتفاقی ہو جانے کی صورت میں ایک حکم خاوند والوں کی طرف سے اور دوسرا حکم بیوی والوں کی طرف سے بھیجو۔ ان جیسی تمام آیات میں اللہ کے بندوں کے لئے حکم ثابت ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' عارضی مجازی اور عطاء الٰہی سے حکم اس کے بندوں کا بھی ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں' حقیقی مجازی کا فرق ہر جگہ ہی کیا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور اس حکمت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے یہ سب چھ دن میں بنائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے چھ قسم کی مخلوق بنائی (1) ارواح (2) ملکوتی چیزیں جیسے فرشتے' جنات' عقول مفرد اور عقول مرکبہ (3) نفوس جیسے تاروں انسان حیوانات کی نفوس (4) اجسام مفرد جیسے عرش و کرسی' جنت دوزخ' (5) مفرد اجسام جیسے آگ پانی ہوائیں جنہیں چار عناصر کہا جاتا ہے' مرکب اجسام چونکہ عرش اعظم تمام لطیف اجسام کا مبدا ہے' فیض رحمانی کا قابل ہے اس لئے اس پر تسلط فرمایا یہ تسلط تمام عالم پر تسلط ہے۔ اے انسان اگر تو اپنے میں غور کرے تو سارا عالم تجھ میں ہے تیرا بدن زمین ہے تیرا سر آسمان ہے تیرا دل عرش ہے تیرا سر کرسی ہے ان سب میں روح کا حکم جاری و ساری ہے رب نے تیرے دل کو اپنی تجلی گاہ بنایا **ثم استوی علی العرش** تجھ پر کبھی نفس کی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے کبھی قلب کے انوار کا دن تجلی کرتا ہے اس نے عالم ارواح میں انبیاء کرام اولیاء اللہ علماء دین گویا روشنی والے چاند تارے بھیجے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں یہ تمام حکم الٰہی سے اپنا کام کر رہے ہیں حاجتمندوں کو فیوض دے رہے ہیں' دنیا کے دن و رات اس سورج سے بنتے ہیں دن کی دنیا کے دن و رات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہ کرم سے ہوتے ہیں ان کی نگاہ کرم سے ہوتے ہیں ان کی نگاہ دل پر پڑی دل کا دن نکل آیا بیداری آگئی ہم ان کی نگاہ سے ہٹ گئے تو دل میں رات آگئی غفلت پیدا ہو گئی۔ خدا کرے ہم دن یعنی بیداری میں مریں رات یعنی غفلت میں نہ مریں اسی لئے مرتے وقت کلمہ پڑھاتے ہیں کہ میت کا دن نکل آئے بیداری میں جائے ورنہ وہ کلمہ تو پڑھتا ہی تھا۔ مخلوق دو قسم کی ہے ایک وہ جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی بلاواسطہ وہ عالم امر کہلاتی ہے جیسے روح وغیرہ دوسری وہ جو امر الٰہی سے بواسطہ مادہ پیدا ہوئی وہ عالم خلق ہے گویا جسمانیات خلق ہیں اور روحانیات عالم امر **لہ الخلق والامر** اللہ تعالیٰ ان سارے عالمین کا رب ہے تبارک اللہ رب العالمین (روح البیان) دوسری تفسیر صوفیانہ آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہیں اور ہمیشہ اسے فیض دیتے ہیں مگر عرش معلیٰ آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے احکام الیہ کا ہیڈ کوارٹر ہے سلطنت الیہ کا دار الخلافہ جہاں سے عالم میں احکام جاری ہوتے ہیں آسمانوں اور زمین میں' یونہی حضرات انبیاء کرام گویا مختلف آسمان ہیں جو اپنی امتوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کو ہزارہا فیض دیتے ہیں ان کی امتیں گھری ہوئی فیض لینے والی زمین ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گویا عرش الٰہی ہیں جن کے گھیرے میں حضرات انبیاء بھی ہیں۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفْسِدُوا فِي

پکارو رب کو اپنے عاجزی سے اور خفیہ طور پر بے شک وہ اللہ نہیں پسند فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو اور نہ بگاڑو

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں اور زمین میں فساد

الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ

زمین میں بعد اسکی درستی اور دعا مانگو اس سے خوف کرتے اور امید کرتے بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے

نہ پھیلاؤ اس کے سنوارنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بے شک اللہ کی رحمت قریب

مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

نیک کاروں سے

نیکوں سے قریب ہے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے بندوں کو ایمان اور اعتقادی چیزوں کی تعلیم دی اب عبادات کی تعلیم دی جارہی ہے چونکہ ایمانیات عبادات پر مقدم ہیں کہ ایمان درستی اعمال کے لئے شرط ہے نیز ایمان سے دل و روح کی اصلاح ہوتی ہے عبادات سے جسم کی اصلاح۔ نیز ایمان کے لئے دوام ہے اعمال کے لئے فنا ان وجوہ سے ایمانیات کو پہلے بیان فرمایا گیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت' قدرت' حکمت کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا بیان ہے کہ جب وہ ایسی رحمت' قدرت' حکمت والا ہے اور تم مجبور بے بس ہو لہذا اس کے سامنے جھکو اس سے دعائیں مانگو تاکہ اس کی قدرت و رحمت و حکمت سے تم کو بھی حصہ ملے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ سورج' چاند تارے سب اس کے تابع فرمان ہیں اب حکم ہے کہ اے انسانو تم بھی اس کے تابع فرمان اس کے دروازے کے بھکاری بنو یہ سارا کارخانہ تمہارے لئے بنایا گیا تم بھی اپنے کو اللہ کے لئے بنادو ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!

ہمہ از بہر تو سربستہ و فرماں بردار — شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت میں دو تمنائیں کریں گے دنیا میں لوٹ جانا یا کسی شفیع کی شفاعت میسر ہونا مگر ان کی کوئی تمنا پوری نہ ہوگی اب ارشاد ہے کہ اے مومنو! جن نیک اعمال کی تمنا تم قیامت میں کروگے وہ نیک اعمال آج ہی کرو تاکہ تمہارے یہ اعمال کل قیامت میں تمہارے کام آویں۔

تفسیر : ادعوا ربکم ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب مومن انسانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں مومن جن بھی شامل ہوں فرشتے اپنے لئے دعا نہیں کرتے بلکہ مومن انسانوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دو جگہ ان کی دعا مذکور ہے **ویستغفرون للذین امنوا ربنا وسعت کل شیء رحمۃ و علما فاغفر للذین تابوا و اتبعوا سبیلک وقہم عذاب الجحیم' ربنا و ادخلہم جنات عدن'** **ادعوا** بنا ہے دعاء سے خیال رہے کہ

ادعوا کے خطاب میں کفار داخل نہیں کیونکہ دوسری عبادات کی طرح دعا بھی ایک عبادت ہے کفار عبادات کے مکلف نہیں نیز اس خطاب میں سارے ایمان والے داخل ہیں نیک کار بد کار سب ہی رب سے دعا مانگیں اولیاء سے لے کر ہم گنہگاروں تک سب کو دعوت عامہ ہے اور دعا قرآن مجید میں تین معنی میں ارشاد ہوا ہے پکارنا' مانگنا' عبادت کرنا' یہاں تینوں معنی درست ہیں مگر قوی یہ ہے کہ بمعنی مانگنا ہے اور **ادعوا** امر استجاب کے لئے ہے رب بمعنی مربی ہے۔ جو تربیت سے بنا ہے بمعنی پالتے رہنا کسی چیز کو آہستگی سے کمال تک پہنچانا اللہ تعالیٰ ظاہر کو نعمت سے پالتا ہے نفس کو رحمت سے 'عابدین کو شریعت سے پالتا ہے مشتاقوں کو طریقت سے **محبین** کو انوار حقیقت سے بعض عارفین فرماتے ہیں کہ رب اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے باقی سارے نام الٹے کئے جائیں تو بے معنی ہو جاتے ہیں رب وہ نام ہے کہ اسے الٹا کرو تو بر بن جاتا ہے وہ ابھی اسم الٰہی ہے دیکھو تفسیر روح البیان **ادعوا** کے معنی یہ نہیں کہ ایک بار دعا مانگ لو بلکہ دعا مانگتے رہو۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ **تضرعا " و خفیۃ "** یہ عبارت یا تو **ادعوا** کے فاعل سے حال ہے اور **تضرع** اور **خفیہ** دونوں بمعنی اسم فاعل ہیں یعنی متضرعین اور خافین یا یہ پوشیدہ **فعل کا معفول مطلق** ہے یعنی تضرعوا اور اخفوا پہلا احتمال قوی ہے **تضرع** بنا ہے **ضراعۃ** سے جس کے معنی ہیں زاری کرنا عاجزی کرنا خوشامد کرنا ضراعۃ فتح سفتح سے ہے عرب کہتے ہیں ضرع الرجل مگر امام ابو مسلم فرماتے ہیں کہ تضرع کے معنی ہیں اعلان کرنا ضراعۃ فتح سفتح سے ہے عرب کہتے ہیں ضرع الرجل مگر امام ابو مسلم فرماتے ہیں کہ تضرع کے معنی ہیں اعلان کرنا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے دعا کرو اعلانیہ اور خفیہ ہر طرح (معانی' تنویر المقباس) خفیہ کے معنی چھپ کر آہستہ رب فرماتا ہے **اذ نادی ربہ ندا " خفیا** یا اس کے معنی ہی خوف کرتے ڈرتے ہوئے (تفسیر تنویر المقباس) اس صورت میں **اگلی عبارت** اس کی تفسیر ہے **وادعوہ خوفا " و طمعا "** بہر حال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں اپنے رب کو پکارو یا اس کی عبادت کرو یا اس سے دعا مانگو عاجزی سے اور چپکے سے 'علانیہ اور چپکے سے 'عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے کہ کہیں رد نہ ہو جائے **انہ لا یحب المعتدین** یہ فرمان عالیہ یا تو پہلے فرمان کا مفعول لہ ہے یا یہ نیا جملہ ہے معتدین بنا ہے **اعتدا**ء سے جس کا مادہ عدو ہے بمعنی حد سے بڑھ جانا اسی لئے دشمن کو عدو کہا جاتا ہے کہ وہ دوستی کی حد سے نکل جاتا ہے یہاں حد سے بڑھ جانے سے مراد یا تو بے چیخ کر دعائیں مانگنا یا رب سے ناممکن یا اپنی حیثیت سے زیادہ مانگنا جیسے خدایا مجھے نبی رسول بنادے مجھے آسمانی کتاب بذریعہ وحی بھیج کہ یہ چیزیں اب بالکل ناممکن ہیں یا دعا میں بہت قیدیں لگانا کہ خدایا مجھے جنت کا سفید محل جو جنت کی داہنی طرف ہو جس میں پچاس درخت سیب کے ہوں وغیرہ وغیرہ عطا فرما یہ ہے دعا میں حد سے بڑھنا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ناممکن چیزوں کی دعا مانگنا کفر ہے جیسے خدایا ابلیس کو یا ابو جہل کو بخش دے یا مجھے نبی بنادے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا ہے (معانی) **اب تک عبادات** دعاؤں کا حکم دیا گیا جو اللہ کی رحمت ملنے کا ذریعہ ہے اب اس چیز سے روکا جا رہا ہے جو اللہ کے عذاب آنے کا ذریعہ ہے یعنی زمین میں فساد پھیلانا نیز اب **تک عبادتوں** دعاؤں کا ذکر ہوا اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جس کی نحوست سے دعائیں رد ہو جاتی ہیں یعنی زمین میں فساد کہ باغی 'خارجی 'فسادی لوگوں کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں۔ **ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا** یہ نیا حکم ہے افساد بنا ہے فساد سے بمعنی بگاڑنا فساد پھیلانا اصلاح بنا ہے **صلاح** سے بمعنی درستی یعنی زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اے عرب والو! زمین عرب میں کفر و شرک و گناہ نہ کرو اس کے بعد کہ یہ زمین ہزاروں برس سے فساد میں گھری ہوئی تھی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی اصلاح فرمادی کہ اسے ایمان و تقویٰ کا گہوارہ بنا دیا دوسرے یہ کہ اے دنیا

کے لوگو اللہ کی زمین میں کفر و فسق و گناہ نہ کرو کہ اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے ان سے دنیاوی مصیبتیں آتی ہیں زکوۃ نہ دینے سے قحط زنا سے خونریزی اور وبائیں پھیلتی ہیں جبکہ اللہ زمین کی حضرات انبیاء اولیاء علماء کے ذریعہ اصلاح فرما چکا یا اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین میں چوری، قتل، ڈکیتی، غصب، لوگوں کے حق مارنا، زنا وغیرہ نہ کرو کہ اس سے فساد پھیلتے ہیں (خازن) تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو برادریوں پیشوں میں تقسیم کر کے انہیں نہ لڑاؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے ذریعہ ایک کر دیا سارے فرق مٹا دیئے۔ **ھوسما کم المسلمین** چوتھے یہ کہ دل کی زمین میں برے عقائد برے خیالات حسد و کینہ کی وجہ سے فساد نہ پھیلاؤ اس کے بعد کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کر دی زمین میں دو صفات ہیں ایک یہ کہ لوہے پیتل وغیرہ دھاتوں کو گلا دیتی ہے کھا کر مٹی بنا دیتی ہے مگر دانہ کو کھاتی گلاتی نہیں بلکہ اگاتی ہے نیز ہمیشہ آسمانی مدد یعنی بارش، دھوپ وغیرہ کی محتاج رہتی ہے یوں ہی مومن کا دل حسد بغض اور بری صفات کو فنا کر دیتا ہے اچھی صفات کو اگاتا بڑھاتا ہے نیز یہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نگاہ کرم کا محتاج ہے اس لئے قلب مومن کو زمین کہا گیا **وادعوہ خوفا" و طمعا** یہاں بھی دعا میں وہ تین احتمال ہیں جو پہلے عرض کئے گئے یعنی رب کو پکارو یا اس کی عبادت کرو یا اس سے دعا مانگو اور **خوفا و طمعا** کی وہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں یعنی اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے رد ہو جانے سے ڈرتے ہوئے اور اس کی کرم نوازی سے طمع کرتے ہوئے کہ وہ اپنے کرم سے قبول فرمائے پچھلی آیت میں دعا کے ظاہری ارکان کا ذکر تھا یہاں اس کے باطنی ارکان کا تذکرہ ہے یعنی وہاں شرائط جواز کا ذکر تھا یہاں شرائط قبول کا تذکرہ وہاں جسمانی شرائط کا ذکر تھا، یہاں قلبی اور دلی شرائط کا تذکرہ ہے لہذا آیت میں تکرار انہیں۔ خیال رہے کہ یہاں خوف کا ذکر پہلے ہے طمع کا بعد میں یعنی ڈر مقدم ہے طمع بعد میں خوف زیادہ چاہیے نیز یہاں **رجاءً نہ فرمایا** یعنی امید بلکہ طمع فرمایا یعنی اس کی عطا سے دل نہ پھرنا ہمیشہ مانگتے رہنا تاکہ معلوم ہو کہ بندہ کبھی رب کی عطا سے سیر نہ ہو اس کا پیاسا ہی رہے خواہ کتنی ہی عطا ہو مخلوق سے طمع کرنا بری اللہ رسول سے طمع اچھی مخلوق سے سود لینا حرام رب تعالیٰ سے لینا بہت ہی اچھا ایک پیسہ خیرات پر سات سو بلکہ زیادہ کی امید ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہم حریص ہیں لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حریص ہیں دینے پر، فرماتا ہے **حریص علیکم** - خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے یا رب کے عدل سے ڈرتے ہوئے اس کے فضل کی امید کرتے ہوئے یا اپنی ریا وغیرہ سے ڈرتے ہوئے اس کی کرم نوازی کی امید کرتے ہوئے رب سے دعا کرو **وان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** : یہ عبارت یا تو علیحدہ جملہ ہے یا پہلے جملوں کا مفعول لہ ہے یہاں رحمت اللہ سے مراد یا تو دعا کی یا عبادات کی یا ندا کی قبولیت ہے اور احسان سے مراد ہے مذکورہ شرائط سے دعا وغیرہ کرنا تب تو اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی تم لوگ ان شرائط سے دعا کیا کرو تو اللہ تعالیٰ کی قبولیت تمہاری دعا سے بہت ہی قریب ہے، ایسی دعائیں رد نہیں ہوا کرتیں یا رحمت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور محسنین سے مراد ہیں متقی لوگ یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت بخشش کرم نوازی معافی۔ متقی مسلمانوں سے قریب ہے۔ یا اللہ کی رحمت سے مراد ہیں، حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ رب نے انہیں رحمتہ للعالمین فرمایا **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** اور محسنین سے مراد ہیں اچھے عقیدے والے لوگ یعنی مومنین سے محمد مصطفیٰ بہت قریب ہیں ان کے جلوے مومنوں کے دلوں میں دماغوں میں ہیں بلکہ مومنوں کی روح میں جلوہ گر رہتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، قربان جاؤں رب تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور اس کے محبوب جان

سے زیادہ نزدیک۔ چونکہ رحمت بمعنی رحم ہے اس لئے قریب مذکر لایا گیا قوی بہتر ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ محسنین سے مراد وہ لوگ ہوں جو خشوع و خضوع سے اس کی عبادت کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رب کی عبادت اس طرح کرکہ تو اسے دیکھتا ہے یا اس طرح کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے یہ احسان ہے تب رحمت سے مراد رب کی توجہ کرم ہے غرضیکہ فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ آیت کریمہ شریعت و طریقت کی جامع ہے اس میں کچھ احکام ہیں کچھ ممانعتیں اور ان پر کچھ وعدے ہیں کچھ وعیدیں ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس کی بہت تفسیریں ہیں اے مسلمانوں اپنے پالنے والے کی عبادت کرو یا اسے پکارا کرو یا اس سے دعائیں مانگتے رہو مگر اس میں دو باتوں کا خیال رکھو ایک یہ کہ تمہاری عبادات پکارنا دعائیں مانگنا عاجزی زاری سے گڑ گڑا کر ہوا کرے کہ جیسے پانی ہمیشہ پستی کی طرف جاتا ہے یونہی رحمت باری ہمیشہ عجز و انکسار کی طرف آتی ہے دوسرے یہ کہ بلا وجہ ان چیزوں کا اعلان نہ کیا کرو خفیہ کیا کرو کہ علانیہ میں ریا کا اندیشہ ہے نیز اپنی عبادات اپنی دعاؤں میں حد سے آگے نہ بڑھو اعتدال سے کیا کرو اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ نے حضرات انبیاء اولیاء علماء کے ذریعہ زمین کی اصلاح و درستی فرمادی تم اس کی درستی کے بعد کفر و فسق و گناہوں کے ذریعہ فساد نہ پھیلاؤ کہ تمہاری بری حرکتوں سے بحر و بر میں فساد پھیلتے ہیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ جب بھی دعا یا عبادات کرو تو اس کے عدل اپنی کوتاہیوں پر نظر سے ڈرتے رہو اس کے فضل و کرم سے امید رکھو رب کے ہاں عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے خوف و امید گویا دو بازو ہیں دنیا میں نیک کار بن کر رہو اللہ کی رحمت نیک کاروں کے قریب رہتی ہے اس کی رحمت چاہتے ہو تو نیک کار بنو اور نیک کاروں سے قریب رہو کہ نیکی اور نیک لوگ اللہ کی رحمت کے دروازے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی رحمت کروڑوں ہیں مگر چار قسم کی ہیں دنیاوی رحمت عامہ جیسے سورج کی روشنی ہوا زمین آسمان وغیرہ دنیاوی رحمت خاصہ جیسے سلطنت دولت صحت وغیرہ اخروی روحانی رحمت عامہ جیسے ایمان قرآن ظاہر عبادات وغیرہ جو ہر مومن کو عطا ہوئی روحانی رحمت خاصہ جیسے نبوت ولایت خصوصی قرب الٰہی یہاں رحمت اللہ سے مراد یا روحانی رحمت عامہ ہے اور محسنین سے مراد مومنین ہیں یا روحانی رحمت خاصہ مراد ہے اور محسنین سے متقین مراد۔

نوٹ ضروری : بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ذکر دعا عبادت خفیہ کرنا افضل ہے ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا اعلان افضل ان کی دلیل وہ آیات میں **ان تبدوا الصدقات فنعما هی** اور **فاذکروا الله کذکرکم اباء کم او اشد ذکرا** اور **و اذا قرء القران فاستمعوا** لہ یہ دونوں حضرات اللہ کے مقبول بندے ہیں مگر ان میں فیصلہ یہ ہے کہ کبھی ان چیزوں کہ خفیہ کرنا افضل ہے کبھی علانیہ کرنا بہتر فرضی عبادات خصوصاً نماز جمعہ عیدین۔ حج علانیہ کرو نفلی عبادات خصوصاً تہجد کی نماز خفیہ ادا کرو نیز ریا کا اندیشہ ہو تو ذکر و دعائیں خفیہ کرو اگر ریا کا احتمال نہ ہو تو علانیہ کرو کہ شاید دوسرے بھی تمہیں دیکھ کر عبادات کریں ذکر کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے دل غافل بیدار ہوتا ہے جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس ذاکر کے ایمان کی گواہ بنتی ہیں دوسروں کو ذکر کی ترغیب ہوتی ہے غرضیکہ دونوں قسم کی مذکورہ آیتیں حق ہیں قابل عمل ہیں جیسا موقعہ اور جیسی عبادات ویسا عمل ایک حکم مطلقاً نہیں لگا سکتے اذان خفیہ طور پر آہستہ نہیں کہہ سکتے تکبیر تشریق حج کا تلبیہ آہستہ نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال حالت کے مطابق عمل چاہئے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء

الحق حصہ اول میں دیکھو اور یہاں کچھ بحث تفسیر خازن وغیرہ نے بھی کی ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ایسا کریم ورحیم ہے کہ اسے بندوں کا مانگنا پسند ہے نہ مانگنا ناپسند دنیا کے امیر لوگ مانگنے والوں سے تنگ پڑ جاتے ہیں مگروہ رحیم مانگنے والے سے خوش ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **ادعوا ربکم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دعا اصولی طور پر خفیہ مانگنا افضل ہے علانیہ سے۔ رب تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **اذ نادی ربہ نداء خفیا**۔ یہ فائدہ خفیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دعا میں بہترین الفاظ استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ دلی عجز وانکسار اور حضور قلبی کی کوشش چاہئے۔ یہ فائدہ **تضرعا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

زور را بگذار زاری را بگیر! رحم سوئے زاری آید اے فقیر!

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ!

چوتھا فائدہ: دعا میں اللہ تعالیٰ کو رہنا کہہ کر پکارنا اچھا ہے۔ یہ فائدہ ربکم فرمانے سے حاصل ہوا اس لفظ سے رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ذکر بالجہر میں حد سے زیادہ چیخنا ممنوع ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ امام ضرورت سے زیادہ قرأت میں نہ چیخے نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا ٹھیک نہیں کہ اس میں ضرورت سے زیادہ جہر ہے۔ یہ سب مسائل **لا یحب المعتدین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوئے۔ خیال رہے کہ حد سے بڑھنے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں ممنوع ایک یہ ناجائز یا ناممکن دعائیں مانگے خدایا مجھے موت کبھی نہ آئے یا خدایا مجھے نبی بنادے۔ دوسرے جہاں اعلان مضر ہو وہاں اعلان کرنا جیسے مجاہدین جب کفار پر چپکے سے حملہ کرنا چاہیں تو وہاں نعرۂ تکبیر وغیرہ نہ لگاؤ کہ یہ موقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ تم بہرے کو نہیں پکارتے تم علیم وخبیر کو پکارتے ہو لہٰذا مت چیخو یہ فرمان عالی ایک جہاد کے سفر میں ہوا تھا۔ تیسرے یہ کہ جائز دعا میں غیر ضروری قیدیں لگانا جیسے خدایا مجھے جنت کا سفید محل دے۔ جس میں پچاس درخت سیب کے ہوں وغیرہ۔ **چھٹا فائدہ:** بدکاریوں گناہوں سے زمین میں فساد پھیلتے ہیں یہ فائدہ **لا تفسدوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اگرچہ فساد پھیلانا بہرحال برا ہے مگر امن وامان کی جگہ فساد پھیلانا بہت ہی برا ہے۔ یہ فائدہ **لا تفسدوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دعا کے وقت نہ تو قبولیت کا یقین کرے نہ بالکل مایوس ہو بلکہ اپنے حال سے رو کا خوف ہو رب کی رحمت پر نظر کرکے قبولیت کی امید ہو ان شاء اللہ دعا قبول ہوگی۔ یہ فائدہ **خوفا وطمعا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** دنیا کی طمع دنیا والوں سے طمع بری ہے رب تعالیٰ سے طمع اس کی رحمت کی طمع بہت اچھی ہے یہ فائدہ **خوفا وطمعا** سے حاصل ہوا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازیں

دسواں فائدہ: اللہ کی رحمت چاہئے تو نیک بنو بدکاری کرکے رحمت کی امید کرنا گویا شریعت کا مذاق اڑاتا ہے۔ یہ فائدہ **رحمت اللہ قریب من المحسنین** سے حاصل ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرنا امید نہیں بلکہ امنیہ ہے یعنی ناجائز خواہش۔

پہلا اعتراض: دعا مانگنا محض بیکار ہے۔ جو رب نے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا کیا دعا مقدر بدل سکتی ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو دوا علاج کرنا بلکہ روٹی پانی کھانا پینا بالکل بے کار ہے اگر مقدر میں شفا لکھی ہے تو ویسے ہی ہو جائے گی نہیں لکھی ہے تو دوا سے بھی نہ ہو گی' یونہی اگر موت آگئی تو کھا پی کر بھی آجائے گی' اگر ابھی وقت نہیں آیا تو بھوکے پیاسے رہنے سے بھی ہم نہیں مر سکتے اس طرح تو عالم کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا جواب تحقیقی یہ ہے کہ مقدر میں یہی لکھا ہے کہ بندے پر یہ مصیبت آئے گی اور اس دعا سے جائے گی یعنی مصیبت اور اس کا دفعیہ' دعا کا اثر سب کچھ مقدر میں لکھا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** دعا مانگنے میں رب کے فیصلہ سے ناراضی ہے کہ اس نے بیماری بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کے دفعیہ کی دعا کر رہے ہو۔ **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر دوا غذا پانی استعمال کرنے میں بھی رب کے فیصلے سے ناراضی ہے کہ رب نے تمہارے بیمار رہنے بھوکا پیاسا رہنے کا فیصلہ کر دیا اور تم اس کے فیصلہ سے ناراض ہو کر ان چیزوں کے دفعیہ کی کوشش کرتے ہو دوا سے مرض' غذا سے بھوک' پانی سے پیاس دفع کرنا چاہتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ دعا میں اپنی بندگی کا اظہار ہے۔ بندے کی شان یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اپنے رب کے سامنے پھیلے رہیں یہ تو بندہ نوازی کی بندہ نوازی پر بندہ کا ناز ہے۔

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پر ناز کرے

تیسرا اعتراض: اگر یہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں جاتے وقت دعا کیوں نہ مانگی بلکہ حضرت جبریل کے کہنے پر فرمایا کہ اسے میری حاجت کی خود خبر ہے دعا کی کیا ضرورت۔ **جواب:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب سے بہت دعائیں مانگی ہیں جو قرآن مجید میں بہت جگہ منقول بلکہ ان دعاؤں کو نماز میں رکھا گیا' جیسے **رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ** آگ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تھی اور امتحان کے موقعہ پر دعا نہ مانگنا بہتر ہے کہ کہیں دعا بے صبری میں شمار نہ ہو جائے غرضیکہ اظہار عبدیت کے لئے دعا مانگنا بہتر ہے اور امتحان پر دعا نہ مانگنا افضل۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت اللہ کا ذکر اللہ سے دعا سب نہایت خفیہ چاہئیں ان کا اعلان اظہار قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے کہ ارشاد ہوا **تضرعا و خفیۃ** (بعض سر پھرے وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اذان' تکبیرات' تشریق' حج کا تلبیہ بھی آہستہ کہنے چاہئے اور نماز جمعہ' عیدین' اور حج بھی چھپ کر اکیلے ادا کرنا چاہئے اس کا کوئی قائل نہیں۔ جواب تحقیقی ایک تو یہ ہے کہ بعض مفسرین نے تضرع کے معنی علانیہ کئے ہیں اور آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اب اپنے رب سے دعا کرو علانیہ بھی اور خفیہ بھی جیسا کہ ابھی ہم تفسیر میں حوالہ سے بیان کر چکے لہذا بات صاف ہو گئی کہ ہر طرح رب کا ذکر کرو اور دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور عبادات و ذکر بھی مختلف بعض ذکر اور بعض حالات میں اعلان افضل ہے بعض میں خفیہ بہتر یہاں دوسری حالت کا ذکر ہے اور اعلان کہ جو آیات ہم نے پیش کیں وہاں پہلی حالت کا تذکرہ ہے لہذا دونوں قسم کے ذکر موقعہ کے مطابق بہتر ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ تو کیا اصلاح سے پہلے فساد پھیلانا درست ہے فساد تو بہرحال برا ہے پھر یہ قید کیوں لگائی کہ **بعد اصلاحہا**۔ **جواب:** اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے کفار عرب اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زمین میں ایمان' تقوی' عدل و انصاف قائم ہو چکا تو تم کفر و شرک ظلم و ستم نہ کرو اس حالت کے مطابق یہ فرمایا گیا' جیسے **لا تاکلوا**

الربوا اضعافا مضاعفۃ دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ یا جیسے **لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** تمہاری لونڈیاں اگر پاک دامنی چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو۔ ان آیات کا مقصد یہ نہیں کہ سوایا یا ڈیوڑھا سود کھالیا کرو یا اگر لونڈیاں پاک دامنی نہ چاہیں تو انہیں زنا کرانے دو۔ قرآن کریم کی فہم کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں پہلی آیت میں دعا کے ساتھ **تضرعا و خفیہ** کو حکم فرمایا اور دوسری آیت میں خوف و طمع کا حکم دیا ان دونوں میں کیا فرق ہے آیت میں تکرار معلوم ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پہلی آیت میں دعا درست ہوتی ہے اور خوف و طمع سے دعا قبول ہوتی ہے جیسے نماز کے لئے وضو وقت وغیرہ شرائط جواز ہیں اور حضور قلبی عجز و نیاز شرائط قبول ہیں لہذا آیات میں تکرار نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** نحوی قاعدہ سے **قریبۃ** فرمانا چاہیے تھا کیونکہ **رحمت** مونث ہے نہ کہ مذکر پھر قریب مذکر کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں دو جواب عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ یہاں **رحمت** بمعنی ثواب ہے اور ثواب الذکر جیسے **طلحہ** لفظ مونث ہے مگر معنی مذکر تو اس کے لئے قریب مذکر لایا گیا دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمت مونث حقیقی نہیں ہے بلکہ مونث لفظی ہے لہذا اس کے لئے قریب مذکر لانا بھی جائز (تفسیر خازن) تفسیر کبیر نے یہ جواب بھی دیا کہ رحمت مصدر ہے اس کے لئے مذکر مونث دونوں **صیغے** لائے جاسکتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی نے اور بہت جوابات دیئے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں خوف کے ساتھ طمع کا ذکر کیوں ہوا رجاء یعنی امید کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ **جواب:** اس کی حکمت ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ طمع میں ہوتا دل نہ بھرنا ہمیشہ امید زیادتی کی رکھنا رب تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ بندہ کسی درجہ پر پہنچ کر رب سے مانگنا نہ چھوڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدیت کے اعلیٰ درجہ میں ہیں مگر پھر رب سے بہت ہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اگر زمین میں تخم درست طریقہ سے بویا جائے تو پیداوار اچھی ہوتی ہے غلط طریقے سے کاشت کرنے سے یا پیداوار ہوتی نہیں یا ناقص ہوتی ہے، دعا ایک قسم کا تخم ہے جس کا پھل رحمت و مغفرت ہے اس تخم کو عاجزی زاری کے ساتھ کاشت کرو تاکہ پیداوار اچھی ہو، مولانا فرماتے ہیں۔

گفت ادعوا اللہ بے زاری مباش   تابیابد فیضہائے دوست فاش
تاسقاہم ربہم آید خطاب!   تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب

جو کوئی دعا کا تخم اس کے علاوہ اور طریقہ سے کاشت کرے گا وہ معتدی یعنی حد سے بڑھنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے کو پسند نہیں فرماتا اس باغ میں پھل اچھے اور زیادہ نہیں ہوتے، صوفیاء فرماتے ہیں کہ تضرع وہ ہے جس پر خلق مطلع ہو خفیہ وہ ہے جس پر حق تعالیٰ مطلع ہو یعنی اعضاء کے ذریعہ تضرع کرو اور دل کے ذریعے خفیہ دعا کرو، ہر چیز میں ظاہر و باطن یعنی اعلانیہ و خفیہ ہے اسی سے اس کی ہستی قائم ہے۔ درخت کی جڑ باطن یعنی خفیہ ہے اس کی شاخیں ظاہر یعنی اعلانیہ ہیں ہمارا جسم ظاہر یعنی اعلانیہ ہے ہمارا دل خفیہ یعنی باطن ہے یہ دونوں ملیں تو عبادت، دعا، رب کو پکارنے کا لطف آجائے۔ جڑ کے لئے کھاد و پانی ہے شاخوں کے لئے دھوپ و ہوا ہے یہاں بھی شریعت ظاہر کے لئے ہے طریقت دل کے لئے ہے اللہ سے اللہ کے ماسواء کو مانگنا یہ دعا میں تعدی یعنی حد سے زیادہ بڑھنا ہے اے مومنو دل کی زمین میں گناہ کے ذریعہ فساد نہ پھیلاؤ جب کہ رب نے وہاں ایمان عرفان عشق رسول رکھ کر اس کی اصلاح کر دی ہے اور رب سے خوف کرو انقطاع کی امید رکھو وصل کی دیکھو پھر دعا میں کیا لطف آتا

ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی رحمت چاہئے تو محسنین یعنی نیکوں سے قریب رہو کیونکہ رب کی رحمت ان سے قریب ہے اور وہ تم سے قریب تو اس ذریعہ سے رحمت تم سے قریب ہو جائے گی اچھوں کے قرب میں جیوان کے قریب دفن ہو ان کے ساتھ محشر میں اٹھو اللہ کی رحمت میں رہو گے کیونکہ **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** خیال رہے کہ اللہ کی رحمت بہت قسم کی ہے اور محسن لوگ بھی بہت طرح کے جس درجہ کا محسن اس درجہ کی رحمت اس سے قریب ہے یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمت اللہ کی نعمت اللہ کا فضل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہر محسن ہر مومن سے قریب ہیں اس سے مسئلہ حاضر ناظر بھی حل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

وشرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں — کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

غرضکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی ہمت افزا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ
اور وہ اللہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبریاں دینے والی آگے آگے اس کی رحمت کے حتیٰ کہ جب اٹھاتی ہیں
اور وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ
سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ
بادل بھاری تو چلاتے ہیں ہم اسے طرف شہر مردہ کے پھر اتارتے ہیں ہم اس سے پانی پھر نکالتے ہیں
جب اٹھا لیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے پانی
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾
ہم اس سے ہر قسم کھیتوں میں سے اسی طرح نکالیں گے ہم مردوں کو تاکہ تم نصیحت پکڑو
اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے کہیں تم نصیحت مانو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : گزشتہ پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و ملکیت و تصرف کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ سورج چاند تارے وغیرہ اس کے تابع فرمان ہیں اب اس آیت میں زمینی چیزوں میں رب کی ملکیت و تصرف و قدرت کا ذکر ہے۔ گویا علویات کے بعد سفلیات کا ذکر ہو رہا ہے چونکہ آسمانی چیزیں اثر کرنے والی ہیں اور زمینی چیزیں اثر لینے والی اس لئے پہلے آسمانی چیزوں کا ذکر ہوا پھر زمینی چیزوں کا۔ **دوسرا تعلق** : گزشتہ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل قائم کئے گئے کہ اس نے آسمان و زمین وغیرہ اس طرح پیدا فرمائے اب حشر و نشر کو دلائل سے ثابت فرمایا جا رہا ہے گویا مبتداء کے ذکر کے بعد اب منتہاء کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ایمانیات کا مبدا ہے قیامت اور اس کے حالات ایمانیات کا منتہیٰ۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیت میں بندوں کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور دعا کا طریقہ سکھایا گیا۔ اب بارش کا ذکر

ہے تاکہ بتایا جاوے کہ جیسے زمین کبھی بھی بارش سے بالکل بے نیاز نہیں ہو سکتی ایسے ہی تم لوگ کبھی رب کے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تم ہروقت ہر حال میں اس کے کرم کے محتاج ہو جیسے زمین ہروقت بارش کی حاجتمند ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کو دعا کا حکم دیا گیا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ دعا مانگنا اپنی بندگی کا اظہار ہے ورنہ ہماری عطا تمہاری دعا پر موقوف نہیں دیکھو خشک زمین کو مانگنا نہیں آتا مگر اس کے بغیر مانگے اس پر بارشیں برستی ہیں۔ جب ہم کو مانگنا نہ آتا تھا وہ کریم ہماری حاجات پوری فرماتا تھا۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود فضل تو دل داد اے رب وددود
اے کریم کارساز و بے نیاز دائم الاحسان شہ بندہ نواز

تفسیر: **وهو الذی یرسل الریاح** یہ عبارت معطوف ہے **الذی خلق السموت** الخ سے مراد ہے اس کی صفت کلمہ **هو الذی** وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں رب تعالیٰ کی خاص قدرت کا ذکر ہو یا خاص رحمت و کرم کا یا مطلقاً شان کا یعنی وہ قدرت والا ہے یا وہ رحمت والا ہے یا وہ شان والا یہاں یا قدرت کے اظہار کے لئے ہے یا رحمت کے اظہار کے لئے اور **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق** میں اظہار شان کے لئے یعنی اللہ وہ شان والا ہے جس نے اپنے ان رسول کو بھیجا الخ یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اس کی ذات کا مظہر ہیں، نمونہ ہیں۔ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** **یرسل** بنا ہے ارسال سے بمعنی بھیجنا یا بمعنی چھوڑنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں عربی میں عموماً ٹھہری ہوئی ہوا کو ہوا کہتے اور چلتی ہوئی متحرک ہوا کو ریح کہا جاتا ہے قرآن پاک میں عموماً رحمت کی ہوا کو ریاح کہتے ہیں اور غضب کی ہوا کو ریح یہاں چونکہ رحمت کی ہوا مراد ہے اس لئے ریاح ارشاد ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں چار رحمت کی اور چار غضب کی غضب کی ہوائیں ناصف، عاصف، صرصر اور عقیم ہیں رحمت کی ہوائیں ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات ہیں (تفسیر خازن، معانی، صاوی، کبیر وغیرہ) بہرحال یہاں بارش لانے والی ہوائیں مراد ہیں یعنی رحمت کی ہوائیں۔ **یرسل** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کرم نوازیاں ہمیشہ ہی ہوتی رہتی ہیں وہ ہوائیں اور بارشیں بھیجتا ہی رہتا ہے زمین کو بارش کی ضرورت پڑتی رہتی ہے وہ کریم ضرورت پوری کرتا رہتا ہے **یرسل** کے معنی ہیں بھیجتا رہتا ہے یا چھوڑتا رہتا ہے اگرچہ ہوا ہروقت ہر جگہ موجود ہے سمندر کی طرح مگر اس کی قدرت نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے کہ تیزی نہیں دکھاتی۔ جب وہ چاہتا ہے تو اس میں سمندر کی طرح موجیں پیدا ہوتی ہیں بھیجنے کے یہی معنی ہیں **بشرا بین یدی رحمته** یہ عبارت مفعول لہ ہے **بشرا** کا اور **بشرا** مصدر ہے بمعنی بشارت و خوشخبری اور یہ **یرسل** کا مفعول لہ ہے یہ عبارت ریاح کا حال ہے اور **بشرا** جمع ہے **بشرة** اسم فاعل کی۔ خیال رہے کہ **بشرا** کی قرائتیں پانچ ہیں۔ (1) **نشرا** نون کے پیش اور ش کے سکون سے۔ (2) **نشرا** نون اور ش کے پیش سے جمع ناشرہ کی (3) **نشرا** نون کے فتح اور سین کے سکون سے یہ سب بنے ہیں نشر بمعنی پھیلانے بکھیرنے سے اسی سے ہے ناشر اور انتشار (4) **بشرا** ب اور ش کے پیش سے (5) **بشرا** ب کے پیش اور شین کے سکون سے یہ مشتق ہے بشارت سے بمعنی خوشخبری جمع ہے بشیر کی۔ جیسے رغف جمع ہے رغیف کی (روح البیان) ہماری قرات میں یہ ہی آخری ہے **بین یدیه** کے لفظی معنی ہیں ہاتھوں کے بیچ۔ مراد ہے سامنے رحمت سے مراد ہے بارش کہ اس سے عالم کا بقاء ہے ہوا خود بھی رحمت ہے اور دوسری رحمت یعنی بارش کا پیش خیمہ ہے یہ ہوائیں رب تعالیٰ کے رحم و کرم کا مظہر ہیں۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تین

دن ہوا روک دے تو دنیا کا بیشتر حصہ سڑ جاوے۔ (خازن) اگرچہ کنویں تالاب نہریں' دریا تمام کے پانی اللہ کی رحمت ہیں مگر بارش کو خصوصیت سے رحمت فرمایا چند وجوں سے (1) دوسرے پانیوں پر انسان کا دعویٰ اس کا قبضہ ہوتا ہے حتیٰ کہ انسان وہ پانی فروخت کر سکتے ہیں مگر بارش پر نہ کسی کا دعویٰ نہ قبضہ (2) دوسرے پانی انسان روک بھی سکتا ہے مگر بارش کو نہ کوئی روکے نہ چھوڑے یہ سورج کی طرف صرف رب کے قبضہ میں ہے (3) تیسرے یہ کہ دوسرے پانی خاص مفید زمین کو دیئے جاتے ہیں مگر بارش وہ رحمت عامہ ہے جو ناقص کامل مفید غیر مفید ہر جگہ پر برستی ہے خواہ زمین فائدہ لے یا نہ لے **حتی اذا اقلت سحابا ثقالا** یہ ہر معل کی انتہاء ہے **اقلت** بنا ہے اقلال سے جس کا مادہ ہے قلت بمعنی کمی اقلال کے معنی ہیں کم یا معمولی سمجھنا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں اٹھانا ہر شخص کسی چیز کو ہلکا سمجھتا ہے پھر اٹھاتا ہے اس لئے اقلال اٹھانے کو کہا جاتا ہے (خازن' روح المعانی' بیان وغیرہ) **سحابا** بنا ہے **سحب** سے بمعنی کھینچنا چلنا چونکہ بادل کھینچ کر چلا کر اٹھا کر لائے جاتے ہیں اس لئے انہیں سحاب کہا جاتا ہے **ثقال** جمع ہے **ثقیل** کی بمعنی بوجھل یا بھاری یا بمعنی ثقل ہے کہا جاتا ہے **ثقل' ثقلا' اثقالا** -(معانی) **ثقناہ لبلد ممت** یہ عبارت **اذا قلت** کی جزا ہے **سقنا** بنا ہے **سوق** سے بمعنی چلانا لے جانا یالانا اسی سے ہے سائق (ہانکنے والا) اور سواق (ڈرائیور) **ہ کا مرجع ہے سحاب لام بمعنی الی** ہے یعنی طرف یا بمعنی لئے ہے **بلد** زمین کے حصہ کو کہتے ہیں آباد ہو یا غیر آباد شہر ہو یا گاؤں یا جنگل اس کی جمع ہے بلاد عربی شعراء نے جنگل کو بلد کہا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

وبلدتہ مثل ظہر الترس موحشتہ للجن بالیل فی حافتہا زجل

یعنی ہم وہ بادل مردہ زمین کی طرف یا مردہ زمین کے لئے لے جاتے ہیں۔ میت سے مراد خشک ہے۔ (روح المعانی کبیر وغیرہ) **فانزلنا بہ الماء** یہ عبارت معطوف ہے **سقناہ** پر **بہ** کا مرجع یا تو بلد ہے اور **ب** بمعنی **فی** یا سحاب ہے اور **ب** سببیہ **ماء** سے مراد ہے بارش یعنی ہم اس شہر میں بارش اتارتے ہیں یا اس بادل سے بارش برساتے ہیں یعنی یہ سب کچھ ہمارے حکم ہمارے ارادے سے ہوتا ہے **فاخرجنا بہ من کل الثمرت** یہ عبارت **انزلنا** پر معطوف ہے **اخراج** سے مراد ہے عدم سے ہستی کی طرف نکالنا یعنی پیدا فرمانا **بہ** کا مرجع یا تو ماء یعنی بارش ہے اور **ب** سببیہ یا بلد ہے اور **ب** بمعنی **فی کل** کا استغراق عرفی ہے **من** بعضیت کے لئے ہے یا جنس کے بیان کے لئے (معانی) **ثمرات** سے مراد ہے مطلقاً پھل خواہ دانہ ہوں جیسے گندم جو وغیرہ یا فروٹ جیسے آم انگور انار وغیرہ چونکہ انسان عموماً پودوں اور درختوں کے دانہ اور پھل ہی کھاتے یا استعمال کرتے ہیں اس لئے یہاں خصوصیت سے پھلوں کا ذکر ہوا نہ گھاس اور ہر سبزی بارش سے ہی ہوتی ہے اور سمندر میں بارش کے قطروں سے موتی بنتے ہیں اور یہی قطرے دریائی جانوروں کی آنکھوں کی روشنی کا ذریعہ بنتے ہیں اگر چند سال بارش نہ ہو تو دریائی جانور اندھے ہو جاویں جیسا کہ ہم پچھلے پاروں میں عرض کر چکے ہیں۔ خیال رہے کہ **بعض الثمرات** اور **من کل الثمرات** میں بڑا فرق ہے **من کل الثمرات** میں دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک ہر قسم کا پھل دوسرے ہر قسم کے پھل کے بعض افراد کیونکہ بارش سے ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں اگلے سال دوسرے بعض اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا **بعض الثمرات** فرمانے سے یہ بات حاصل نہ ہوگی **کذلک نخرج الموتی** یہ ہے اس تمام بیان کا نتیجہ **ذالک** سے اشارہ یا تو مردہ زمین کے زندہ فرمانے کی طرف ہے یا پھلوں کے نکالنے کی جانب **موتی** جمع ہے میت کی ان کے نکالنے سے مراد ہے انہیں زندہ کر کے قبروں وغیرہ سے اٹھانا یعنی جیسے ہم خشک زمین پر بارش برسا کر اسے تری سبزی بخشتے ہیں اسی طرح قیامت میں ہم قبروں

سے مردوں کو نکالیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صور کے پہلے نفخہ پر تمام زندہ مخلوق مردہ ہو جاوے گی پھر بہت عرصہ کے بعد عرش اعظم سے قدرتی بارش برسے گی سارے مردے اپنی قبروں وغیرہ میں ایسے اگیں گے جیسے بارش سے گھاس وغیرہ اگتی ہے پھر دوسرے نفخہ پر یہ سب اٹھیں گے اس صورت میں یہ تشبیہ بالکل ظاہر ہے (خازن، معانی وغیرہ) اور اگر دوسرے نفخہ سے یہ کام ہو تو تشبیہ صرف دوبارہ زندہ کرنے میں ہے اس کی نوعیت میں تشبیہ نہیں **لعلکم تذکرون** اس میں روئے سخن قیامت کے منکر کافروں سے ہے **تذکرون** اصل میں **تتذکرون** تھا دوت سے باب تفعل کا مضارع۔ ایک ت دور کر دی گئی اس عبارت سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہم نے یہ باتیں تم کو اس لئے سنائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ان مذکورہ باتوں پر قیاس کر کے قیامت کے قائل ہو جاؤ اور حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تاکہ قیامت میں بخشے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر قیامت کو مان لینا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو! تم آسمان اور آسمانی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان سن چکے اب جہاں تم رہتے ہو یعنی زمین اور زمینی چیزوں کے حالات ان میں غور کرو اور رب کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ رب وہ قدرت والا ہے جو رحمت کی بارش سے پہلے بارش کی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جن سے تم کو بارش کی امید بندھ جاتی ہے حتیٰ کہ جب یہ ہوائیں بارش سے لدے ہوئے بھاری بادل اٹھا کر اڑا کر لاتی ہیں تو ہم یہ بادل خشک زمینوں کی طرف لے جاتے ہیں وہاں ان سے بارش برساتے ہیں کبھی ہلکی کبھی تیز پھر ہماری ہی قدرت ہے کہ اس بارش کے ذریعہ ہر قسم کے دانہ اور پھل پیدا فرماتے ہیں، جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی بقاء کا ذریعہ ہے جیسے ہم بارش کے ذریعے مردہ اور خشک زمین کو زندگی و تری بخشتے ہیں ایسے ہی ہم قیامت کے دن مردوں کو زندگی بخش کر قبروں سے اٹھائیں گے جب تم دن رات یہ واقعات دیکھتے رہتے ہو تو قیامت کے دن مردے زندہ ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو ان میں غور کرو اور قیامت کو مانو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قیاس برحق ہے یعنی دیکھی چیز کے حالات دیکھ کر ان دیکھی چیز کے حالات معلوم کرنا بالکل درست ہے دیکھو بارش اور اس کے نتیجے ہماری دیکھی چیزیں ہیں قیامت نو ...ں کے حالات ان دیکھے ہیں بارش کے ذریعہ قیامت کے پتہ لگانے کا حکم دیا گیا لہٰذا مجتہدین علماء کا شرعی قیاس بھی برحق ہے یعنی منصوص چیز کے احکام غیر منصوص میں جاری کرنا گندم میں سود حرام ہے تو چاول میں بھی حرام گندم میں سود کی حرمت حدیث شریف میں آگئی۔ چاول باجرہ مکئی میں سود کی حرمت قیاس سے ثابت کی گئی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ جب رب نے ملک الموت کو حاضر ناظر بنایا اسے علم غیب بھی بخشا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ صفات عطا فرمائیں وہ قادر مطلق ہے جسے جو صفت چاہے بخش دے۔ **دوسرا فائدہ:** ہوا خود بادل نہیں بن جاتی بلکہ سمندر کا پانی بھاپ بن کر طبقہ زمہریر میں پہنچتا ہے پھر ہواؤں کے ذریعے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے یہ فائدہ **اقلت سحابا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بھاپ میں وزن ہے کیونکہ بادل جمی ہوئی بھاپ ہی تو ہے اسے قرآن مجید نے بھاری فرمایا یہ فائدہ **سحابا ثقالا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر چیز کی موت علیحدہ ہے ایسے ہی اس کی زندگی علیحدہ ہمارے جسم کی موت بے جان ہونا ہے اس کی زندگی جاندار ہونا روح کی موت بے ایمان ہونا ہے اس کی زندگی ایمان والا ہونا۔ دل کی موت غفلت ہے اس کی زندگی بیداری زمین کی موت خشکی ہے اس کی زندگی اس کی سبزی ہے۔ یہ فائدہ **بلد میت** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** صرف بارش، بیج، اچھی بوائی پیداوار کے لئے

کافی نہیں یہ سب چیزیں پیداوار کے اسباب ہیں پیدا فرمانے والا مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ ہے انسان کو چاہئے کہ یہ سب کچھ کرے مگر نظر مسبب الاسباب پر رکھے۔ یہ فائدہ **فانزلنا** کے بعد **فاخرجنا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ زمینی پانی یعنی کنوئیں دریا نہروں سے بھی کھیتی باڑی میں مدد ملتی ہے مگر پھر بھی بارش کی ضرورت ہے اگر بارش نہ ہو تو لاکھ کوشش کرکے زمینی پانی کھیتوں باغوں کو دو مگر پیداوار درست نہیں ہوگی۔ یہ فائدہ **فاخرجنا بہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کنوؤں وغیرہ کے پانی بارش کا کام نہیں دیتے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بارش سے آگے ہوا ضرور ہوتی ہے مگر یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ بہت دفعہ ہوا بالکل بند ہوتی ہے سخت حبس ہوتا ہے مگر بادل آ جاتا ہے بارش ہو جاتی ہے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم نے کہا بادل آ جاتا ہے بادل کیسے آ جاتا ہے کیا ریل یا ہوائی جہاز کے ذریعہ آتا ہے اسے کون سی چیز لاتی ہے جسے یقیناً ہوا ہی لاتی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بارش اور بادل کے آگے آگے ہوا ضرور ہوتی ہے۔ جو بادل کو لاتی ہے ہاں کبھی وہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی ہوا ہونا اور ہے ہوا کا محسوس ہونا کچھ اور لہٰذا آیت کریمہ بالکل درست ہے (کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بادل بوجھل بھاری ہوتے ہیں مگر آج ہوائی جہاز بادل میں سے گزر جاتے ہیں انہیں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ بوجھ ہونا اور ہے بوجھ کا محسوس ہونا کچھ اور کبھی بارش کا پانی تول کر دیکھو اس میں بوجھ ہے یا نہیں لاکھوں کروڑوں من پانی کون ہوا میں اڑائے پھرتا ہے۔ صرف پروردگار عالم۔ آپ پانی کے حوض میں بیٹھ جاویں قطعاً پانی کا وزن محسوس نہ ہوگا لیکن اگر وہی پانی گھڑا بھر کر سر پر رکھ لیں تو بوجھ ضرور محسوس ہوگا۔ آج سائنس بتاتی ہے کہ ہوا میں بوجھ ہے ہمارے سر پر ہزاروں من ہوا لدی ہوئی ہے۔ جسے ہم اٹھائے پھرتے ہیں مگر ہم کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا کیوں اس لئے کہ ہم ہوا کے اندر رہتے ہیں اگر ٹیوب یا ٹائر میں ہوا بھر کر وزن کریں تو یقیناً بوجھ معلوم ہوگا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھلوں دانوں کی پیداوار بارش سے ہوتی ہے حالانکہ کنوؤں دریا نہروں کے پانی سے بھی پیداوار ہو جاتی ہے تو **فاخرجنا بہ** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** دیکھا گیا ہے کہ کنوؤں دریاؤں کے پانی سے کھیت ہرا بھرا تو رہتا ہے سوکھتا تو نہیں مگر بڑھتا بھی نہیں اور پھل بھی نہیں دیتا کھیتوں کی بڑھوار پھلوں پھولوں کی پیداوار بارش سے ہی ہے اگر مان بھی لیا جاوے تو دریا اور کنوؤں میں پانی بارش سے ہی آتا ہے اگر ایک سال بارش نہ ہو تو کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ دریا بھی خشک لہٰذا وہ پانی بھی بارش سے ہی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **من کل الثمرات** کیوں ارشاد ہوا **بعض الثمرات** نہ فرمایا گیا بعض میں اور من کل میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پھلوں کی نوعیت کے لحاظ سے کل فرمایا گیا اور افراد کے لحاظ سے **من** بعضیت والا ارشاد ہوا یعنی بارش سے ہر قسم کے پھل پیدا فرما دیئے مگر ہر سال بعض پھل یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا کہ ہر سال بارش سے پھل پھول دانے پیدا ہوتے رہیں گے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ہم یونہی مردے نکالیں گے تو وہاں بارش کہاں ہوگی وہاں تو صور کی آواز سے سب جی اٹھیں گے پھر تشبیہ کیونکر درست ہوئی فرماتا ہے **نفخ فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون**۔ **جواب:** بعض روایت میں ہے کہ پہلے عرش اعظم سے چالیس دن تک قدرتی پانی برسے گا۔ جس سے تمام مردوں کے اجزاء بدنی درست ہو کر ان میں روح پڑ جاوے گی مگر وہ سوئے ہوئے ہوں گے صور پھونکنے

پروہ بیدار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھو تفسیر خازن کبیر وغیرہ یہ مقام تو زندگی بارش سے ہوگی بیداری صور کی آواز سے۔ لہذا تشبیہ درست ہے اور اگر صرف صور کی آواز سے ہی زندگی ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ جو رب پانی سے خشک زمین تر اور سبز کر سکتا ہے وہ صور کی آواز سے زندگی بھی دے سکتا ہے لہذا اس کی قدرت پر اعتراض نہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ : ہمارے غافل دل گویا خشک زمین ہیں ولایت کا فیضان گویا رحمت کی ہوائیں ہیں نبوت کا فیضان گویا رحمت کی بارش ہے جب دل کی معرفت نبی کی نگاہ کرم غافل دل پر پڑتی ہے تو اس غافل دل میں ایمان' احسان' عرفان وغیرہ کے پھل پھول لگتے ہیں اور اس سے غافل دل بیدار ہو کر دوسروں کو نفع دیتے ہیں۔ غایت کی ہوا۔ ہدایت کا بادل محبت کا پانی جب ہو تو اس سے مشاہدات مکاشفات کمالات کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں اسی طرح رب تعالیٰ مردہ قلوب کو سینے کی قبور سے نکالتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

دوسری تفسیر : از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء گویا رحمت کی ہوائیں تھے جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ عالمگیر رحمت ہیں جن سے کوئی محروم نہ رہا وہ بعد میں تشریف لائے بشیر وہ حضرات تھے مبشر بہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر جیسے بادل کو ہوائیں لاتی ہیں۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں نبیوں ولیوں' غریبوں' مسکینوں کی دعائیں لائیں پھر جیسے بادل خالی نہیں آتے پانی سے بوجھل آتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خالی نہ آئے۔ اللہ کی رحمتوں سے بھرپور آئے اور پسماندہ ملک یعنی عرب پر برسے جس کی برکت سے اس ملک میں ہر قسم کے پھل پھول صحابیت ولایت' ایمان و تقویٰ کے پھل پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی دنیا کے لئے ابر رحمت ہیں قرآن ایمان اس کی بارش اعمال صالحہ پھل پھول۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا

اور علاقہ پاکیزہ نکلتا ہے سبزہ اس کا حکم سے اس کے رب کے اور جو علاقہ گندہ ہے نہیں نکلتا مگر مشکل سے

اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں نہیں

نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع ۵ ۱۴

تھوڑا اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان فرماتے ہیں آیتیں واسطے ایسی قوم کے جو شکر گزار ہیں

نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یوں ہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو احسان مانیں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فیض دینے والے بادلوں کا ذکر تھا اس کے ذریعہ رب تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی تھی۔ اب فیض لینے والی زمین کے حصوں کا ذکر ہے اور اس کے ذریعہ رب تعالیٰ کی قدرتوں کا نظارہ کرایا گیا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بارش کی یکسانیت سے رب کے فضل و

کرم کا ذکر کیا گیا کہ وہ رب کریم ہر قسم کی زمین پر یکساں بارش بھیجتا ہے اب زمین کے اختلاف سے اس کی قدرت دکھائی جارہی ہے کہ بارش ایک مگر زمین کی پیداوار میں مختلف معلوم ہوا کہ یہ سب کسی کے محکوم ہیں یکسانیت سے بھی اس کی قدرت معلوم کرو اور اختلاف حالات سے بھی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بارش کے عام فیض کا ذکر تھا یعنی خشک زمین کو تر کر دینا زمین خواہ آباد ہو یا بنجر اب اس بارش کے خاص اور مختلف فیوض کا تذکرہ ہے یعنی پیدوار کا جو کہیں ہوتی ہے کہیں نہیں پھر کہیں زیادہ ہوتی ہے کہیں کم کہیں کوئی چیز پیدا ہوتی ہے کہیں اور چیز۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ بارش کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ پھل ہر جگہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ طیب زمین میں گویا خلق کا ذکر پہلے ہوا اور محل خلق یعنی جگہ کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ایک ہی ہوا اگر شمال سے چلے تو ریاح ہے جو بارش کی خوشخبری لاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہوا مختلف حرکتوں سے مختلف تاثیر رکھتی ہے۔ اب ارشاد ہے کہ ایک ہی زمین کے مختلف طبقے مختلف تاثیریں رکھتے ہیں گویا ہوا کی تاثیروں کے بعد زمین کی تاثیروں کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: **والبلد الطیب** عربی میں بلد تین معنی میں استعمال ہوتا ہے شہر جیسے **لا اقسم بھذا البلد** مطلقاً بستی گاؤں ہو یا شہر جیسے **لم یخلق مثلھا فی البلاد** حصہ زمین آبادی ہو یا جنگل یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ عربی میں طیب بہت معنی میں آتا ہے مزے دار جیسے **حلالا طیبا** خوشبودار یعنی طیب بمعنی خوشبو کا صفت مشبہ زمین قابل پیداوار یہاں تیسرے معنی میں ہے کیونکہ بلد کی صفت ہے یعنی زمین طیب بمعنی اچھی یہاں اس سے وہ زمین مراد ہے۔ جو پتھریلی کنکریلی اور بنجر شور نہ ہو بلکہ قابل کاشت اور قابل پیداوار اعلیٰ درجہ کی ہو جس میں ہر قسم کے پھل پھول دانہ بوٹے کاٹے جاسکیں۔ **یخرج نباتہ باذن ربہ** یہ عبارت خبر ہے **البلد الطیب** کی **یخرج** بنا ہے **خروج** سے بمعنی ظاہر ہونا نکلنا پیدا ہونا **نبات** مصدر ہے نبت ینبت کا بمعنی اگنا یہاں اس سے مراد ہے اگنے والی چیز یعنی ہر قسم کی سبزی اس میں گھاس بیل بوٹے درخت وغیرہ سب شامل ہیں اگر اس زمین میں کچھ بویا جاوے تو اس کی پیداوار ہو جاوے ورنہ گھاس و چارہ ہی پیدا ہو **باذن** سے مراد ارادہ الٰہی ہے **ربہ** میں ہ کا مرجع **البلد الطیب** ہے **باذنہ** فرما کر یہ بتایا کہ زمین خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو اور بارش کیسی ہی بروقت ہو تخم کیسا ہی عمدہ ہو مگر پیداوار رب تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہوتی ہے سب چیزیں تابع فرمان الٰہی ہیں یعنی اچھی زمین میں رب کے حکم سے خوب سبزہ پیدا ہوتا ہے **والذی خبث** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے **الذی** سے مراد ہے حصہ زمین **خبث** بنا ہے **خبث** سے ب کے جزم سے بمعنی برائی و خرابی دل گندگی اندرونی برائی کو بھی خبث کہا جاتا ہے یہاں اس سے مراد ہے بنجر زمینیں جس میں کچھ پیداوار نہ ہو یا کنکریلی و پتھریلی زمین جو قابل کاشت نہ ہو طیب کا مقابل **لا یخرج الا نکدا** یہ عبارت خبر ہے **والذی خبث** کی **نکدا** نون کے کسرہ سے صفت مشبہ ہے نکد۔ سکون نون کا نکد کے بہت معنی ہیں کم۔ غیر نافع، بمشکل، بخل و کنجوس، نحوست، ملامت کہا جاتا ہے۔ **رجل نکدا** ایک شاعر کہتا ہے۔

واعط ما اعطیتہ طیبا   لا خیر فی المنکود والناکد

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لا تنجز الوعدان وعدت وان   اعطیت اعطیت تافھا نکدا

یہاں نکدایا تو حال ہے یا پوشیدہ مصدر خروجا کی صفت اور مفعول مطلق ہے اور **لا یخرج** کا فاعل ھو ہے جو نبات کی طرف راجع ہے یعنی خبیث بنجر زمین میں سبزہ نہیں آتا اگر تھوڑا بمشکل اور غیر نافع جس میں نہ پھل ہوں نہ پھول بارش ایک ہے مگر زمین کی تاثیریں مختلف **کذالک نصرف الا یات** اس عبارت میں اس مذکورہ مثال کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی جس طرح ہم نے یہاں مختلف زمینوں کا حال بیان فرمایا اس طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں **نصرف** بنا ہے تصریف سے جس کا مادہ ہے صرف معنی پھیرنا گردش دینا آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں **لقوم یشکرون** اس کا تعلق نصرف سے ہے چونکہ ان آیتوں سے فائدہ صرف شاکر مومن ہی اٹھاتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا قوم کے معانی اور شکر و صبر کے معنی ان کے اقسام اور احکام ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں **واشکروالی ولا تکفرون** کے ماتحت عرض کر چکے ہیں یعنی ہم آیات قرآنیہ ہر طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں مگر کس کے نفع کے لئے اس قوم کے لئے جو شاکر ہیں۔ ناشکرے کافران سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو تم آسمانی حالات تو سن چکے کہ ہماری قدرت سے ہوائیں بارشیں کس طریقہ سے آتی ہیں اب زمینی حالات سنو اور غور کرو کہ زمین دو طرح کی ہے اچھی قابل کاشت ہری اور قابل کاشت یا ناقابل پیداوار اچھی زمین میں سبزے پھل پھول اللہ کے حکم سے خوب نکلتے ہیں جن سے جانور انسان فائدے اٹھاتے ہیں مگر جو زمین خبیث خراب ناقابل کاشت یا ناقابل پیداوار ہے۔ اس میں بمشکل تھوڑی سی غیر نافع گھاس نکلتی ہے بارش ایک ہے مگر زمین کے حصوں میں اس کی تاثیریں مختلف ہیں آسمان سے بارشوں کا آنا یہ بھی ہماری قدرت سے ہے اور زمین میں مختلف اثر کرنا یہ بھی ہماری قدرت سے ہم شکر گزار لوگوں کے نفع کے لئے آیات قرآنیہ اس طرح پھیر پھیر کر مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں رہے ناشکرے کفار وہ ان آیات اور ان کے مختلف طرز بیان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ان میں غور کرو اور ہماری قدرت کے قائل ہو جاؤ۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

زمین شورہ سنبل برنیارد　　در و تخم عمل ضائع مگرداں

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: زمین کو طیب او خبیث کہنا جائز ہے اچھی پیداوار والی زمین طیب ہے ناقابل کاشت یا کم پیداوار والی زمین خبیث اسی طرح انسان کو بھی طیب و خبیث کہہ سکتے ہیں ادب والا انسان طیب ہے بے ادب خبیث ہے جو مقصد حیات پورا کرے وہ طیب ہے جو پورا نہ کرے وہ خبیث ہے۔ یہ فائدہ **والبلد الطیب** اور **والذی خبث** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ**: ساری زمین بظاہر یکساں ہے اور سب کی حقیقت مٹی ہے مگر فطرت اور طبیعت میں مختلف۔ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ یونہی سارے انسان شکل و صورت میں یکساں ہیں سب کی حقیقت حیوان ناطق ہے مگر طبیعت و فطرت میں ان میں بڑا فرق ہے ان میں زندیقین بھی ہیں اور صدیقین بھی۔

گر بہ صورت آدمی انساں بدے　　احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

یہ فائدہ بھی اسی الطیب اور والذی خبث سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: زمین اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ ہو مگر پیداوار رب تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے اسی طرح انسان کیسا ہی ہو اور تعلیم کیسی ہی بہتر ہو مگر فیضان رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔ یہ فائدہ باذن

رب سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: سعید یعنی نیک بخت شقی نہیں بن سکتا اور شقی یعنی بد بخت سعید نہیں بن سکتا قسام ازلی نے جسے جیسا بنا دیا ویسا ہی رہے گا لہٰذا لوگوں کی حقیقت بدلنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی فکر کرو۔

تربیت نااہل راچوں گردگاں برگنبداست پر تو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست

یہ فائدہ تفسیر کبیر نے بیان فرمایا۔ پانچواں فائدہ: بارش یا زمین بوئے ہوئے تخم کو اگا تو سکتے ہیں مگر اسے بدل نہیں سکتے یعنی اعلیٰ درجہ کی زمین اور ہر وقت بارش سے کیکر کے تخم سے آم کا درخت پیدا نہیں ہو سکتا یونہی قرآن و حدیث کسی کی فطرت نہیں بدل سکتا اسی سے کوئی محبوب بن جاتا ہے کوئی مردود۔ یہ فائدہ **لقوم یشکرون** حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: قرآن کریم کی تعلیم نہایت ہی مکمل ہے اس میں ہر قسم کے لوگوں کا لحاظ رکھا گیا' طرح طرح سے سمجھایا گیا ہے' مثالوں سے' خوف سے' امید سے محبت سے یہ فائدہ حاصل ہوا **نصرف الایات** سے۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بری زمین تھوڑی پیداوار کرتی ہے حالانکہ بنجر زمین میں کچھ بھی نہیں ہوتا پھر یہ فرمان کیونکر صحیح ہوا۔ جواب: یہاں خراب زمین سے تین قسم کی زمین مراد ہیں۔ کنکریلی' پتھریلی اور زمین شورہ بنجر۔ ان میں سے زمین شورہ میں واقعی کچھ نہیں پیدا ہوتا مگر اور زمینوں میں تھوڑا سا پیدا ہو جاتا ہے ہم نے بنجر زمینوں میں خشک گھاس لگی ہوئی دیکھی ہے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف شاکر قوم کے لئے ہدایت ہے حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **ھدی للعالمین** اور ارشاد ہے **ذکری للعالمین** ان آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: قرآن کریم کی رہبری یعنی راہ دکھانا سب کے لئے ہے مگر راہ دیکھنا اور ہدایت پر آجانا سب کے لئے نہیں تمہاری پیش کردہ آیات میں راہ نمائی کا ذکر ہے اور اس آیت میں راہ یابی کا تذکرہ ہے بادل پانی زمین کو دیتا ہے مگر ساری زمین اس سے فیض نہیں لیتی سورج روشنی سب پر پھینکتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ روشنی نہیں لیتی لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ تیسرا اعتراض: اچھی زمین کے لئے **البلد الطیب** ارشاد ہوا اور بری زمین کے لئے فرمایا گیا **والذی خبث** فعل ماضی۔ اس فرق بیان میں کیسی حکمت ہے یہاں بھی **والبلد الخبیث** ارشاد ہونا چاہئے تھا۔ جواب: اس فرق بیان میں نہایت ہی لطیف صوفیانہ نکتہ کی طرف اشارہ ہے جسے اس حدیث نے واضح فرمایا کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی' نصرانی' مجوسی بنا دیتے ہیں طیب ہونا اصل ہے خباثت عارضی چیز جو دنیا میں آکر حاصل ہوتی ہے نیز ادب یہ کہ اچھائی کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرے برائی کو اپنی طرف مولانا عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود! کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

چوتھا اعتراض: قوم واحد ہے تو اس کے لئے **یشکرون** جمع کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: قوم لفظاً" واحد ہے مگر معنی جمع کیونکہ قوم بہت سے افراد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ جنہیں ملک' دین یا پیشہ یا نسب جمع کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا رحمت الٰہی کا بادل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات فیوض و برکات گویا رحمت کی بارش ہے لوگوں کے دل گویا اچھی بری طیب و خبیث زمین ہے۔ یہ بارش جب مومن کے دل پر پڑتی ہے تو اس میں طاعتوں کے انوار عبادات کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں جن سے وہ خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور منافق کے دل پر جب پہنچتے ہیں تو اس کی زبان پر اقرار ہوتا ہے دل میں فرار (بھاگنا) نمودار ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں اسی کا بیان ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض　ورنہ ہر سنگ و گلے لولوء مرجان نشود

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہماری تعلیم اس بارش کی طرح ہے جو طیب زمین پر پہنچتی ہے تو وہاں رنگارنگ پھول و پھل پیدا کردیتی ہے نشیبی زمین میں پہنچ کر تالاب بنادیتی ہے۔ جس سے لوگ اپنے کھیتوں باغوں کو سیراب کرتے ہیں اور کھاری زمین میں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی مومن کے دل میں اس تعلیم سے ایمان و تقویٰ کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ علماء کے سینے اس سے تالاب بن جاتے ہیں جن سے لوگ اپنی ضروریات پوری فرماتے ہیں۔ منافقین کے سینے نہ پانی روکیں نہ گھاس وغیرہ اگائیں دیکھو مسلم، بخاری وغیرہ۔ (از تفسیر خازن و روح البیان) خیال رہے کہ چند وجوں سے انسانی دل کو زمین کہا جاتا ہے (1) زمین ہمیشہ ہی پیداوار کرتی ہے کبھی تھکتی نہیں یہ دل کا حال ہے کہ اس میں اچھے برے ارادے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ (2) مٹی کو جیسی صحبت ملے اس کا اثر لیتی ہے گندگی کے پاس رہے تو بدبودار ہو جاتی ہے پھولوں سے مہک جاتی ہے یہی ہمارے دل کا حال ہے صحبت کا اثر لیتا ہے۔ (3) زمین ہروقت بارش کی محتاج کبھی اس سے بے نیاز نہیں دل ہروقت نگاہ نبی کا حاجتمند کبھی ان سے بے نیاز نہیں (4) زمین سے عالم انسانی کی بقاء ہے دل سے عالم روحانی کا بقاء۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم ان کی سے پس فرمایا اے قوم میری عبادت کرو نہیں ہے واسطے تمہارے

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا

غَیْرُهٗ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا

کوئی معبود سوا اس کے تحقیق میں خوف کرتا ہوں اوپر تمہارے عذاب بڑے دن کا۔ کہا سرداروں نے قوم میں سے ان

کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تم پر بڑے دن کا عذاب کا ڈر ہے۔ قوم کے سردار بولے ہم تمہیں

لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ

کی بیشک ہم دیکھتے ہیں آپکو کھلی گمراہی میں آپ نے فرمایا اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں کوئی گمراہی اور لیکن میں

کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾

پیغمبر ہوں طرف جہانوں کے پالنے والے کے

کا رسول ہوں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: بہت دور سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر چلا آرہا تھا اب حضرات انبیاء کرام کی نبوت کا تذکرہ ہے کیونکہ توحید جب نبوت سے ملے تو ایمان بنتی ہے گویا ایمان کے ایک رکن یعنی توحید کا ذکر پہلے تھا اس کے دوسرے رکن یعنی نبوت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ

ظاہری بارش سے ساری زمین فیض نہیں لیتی بعض حصہ فیض سے محروم بھی رہتا ہے اب ارشاد ہے کہ باطنی بارش یعنی نبوت سے سارے انسان فیض نہیں لیتے بعض لوگ بے نورے بے پیرے بے فیضے بھی رہتے ہیں گویا ظاہری بارش کے بعد روحانی باطنی بارش کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی رحمت محسنین یعنی نیک کاروں سے قریب ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ نیک کار وہ ہوتا ہے جو نبی کے قریب ہو گویا رحمت کے قریب ہونے کا ذکر پہلے ہوا۔ اب رحمت کے ملنے کی جگہ اس کے اسٹیشن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی آستانہ نبی۔ چوتھا تعلق: گزشتہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ محسنین یعنی نیک کاروں سے اللہ کی رحمت قریب ہے اب ارشاد ہے کہ محسن وہ ہے جو نبی کا حکم مانے۔ یہ وصف نبی سے ملتا ہے خود اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل بیان ہوئے آسمانی دلائل بھی اور زمینی دلائل بھی اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی قوی دلیلیں ارشاد ہو رہی ہیں کہ آپ باوجود کسی سے نہ پڑھنے کے اور باوجود علماء کی صحبت میں نہ بیٹھنے کے گزشتہ نبیوں کے ایسے سچے واقعات بیان کر رہے ہیں جو توریت و انجیل کے بیان کردہ واقعات کے بالکل مطابق ہیں۔ جس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی نبی رسول ہیں گویا کلمہ طیبہ ایک جز لا الہ الا اللہ کا ثبوت پچھلی آیات میں تھا اور کلمہ طیبہ دوسرے جز محمد رسول اللہ کا ثبوت ان آیات میں ہے۔

تفسیر: **لقد ارسلنا نوحا** چونکہ اس واقعہ کے مشرکین انکاری تھے اور آئندہ بھی پیدا ہونے والے تھے کیونکہ توریت و انجیل عرب میں خصوصاً" مکہ معظمہ میں عام طور پر پہنچی نہ تھیں۔ حضرت ابراہیم کی تعلیم قریباً" گم ہو گئی تھی اس لئے دنیا کے لوگ خصوصاً" اہل عرب ان واقعات کو بھول چکے تھے ان واقعات کے عرب منکر تھے اس لئے اسے لام تاکید اور **قد** تحقیق سے شروع فرمایا۔ چونکہ یہاں اس آیت سے پہلے آپ کا ذکر نہ صراحۃ" گزرا ہے نہ اشارۃ" نہ کوئی ایسا جملہ گزرا ہے۔ جس پر اسے معطوف کہا جائے ان وجوہ سے یہاں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا۔ سورہ **ھود** میں قصہ نوح سے پہلے آپ کا ذکر صراحۃ" گزر چکا ہے اور سورۂ مومنون میں ضمناً" و اشارۃ" اس لئے وہاں واؤ عاطفہ لایا گیا۔ بعثت کے معنی بھی ہیں بھیجنا اور ارسال کے معنی بھی ہیں بھیجنا۔ ان میں کبھی فرق یوں کیا جاتا ہے کہ مطلقاً بھیجنا بعثت ہے کچھ دے کر کسی کے پاس بھیجنا ارسال۔ بعثت اور ارسال سے عموماً" مراد ہوتا ہے نبی بنانا اور قوم کی طرف بھیجنا نوح علیہ السلام کا نام شریف۔ یشکر یا عبد الغفار ہے نوح لقب ہے حق یہ ہے کہ یہ عجمی نام ہے بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ عربی ہے نوحہ بمعنی گریہ و زاری سے بنا ہے آپ کا نسب شریف یہ ہے نواح ابن الملک ابن متوشلخ ابن اخنوخ (ادریس علیہ السلام) ہرد ابن مہلائیل ابن قینان ابن انوش ابن آدم علیہ السلام۔ آپ دنیا میں چوتھے نبی ہیں پہلے نبی حضرت آدم دوسرے شیث تیسرے ادریس چوتھے نوح علیہ السلام (روح البیان و معانی و صاوی وغیرہ) آپ چالیس سال کی عمر شریف میں نبی بنائے گئے اور ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے طوفان کے بعد ڈھائی سو سال زندہ رہے اس حساب سے آپ کی عمر ساڑھے بارہ سو سال ہوئی تقریباً" یہ قول تفسیر صاوی کا ہے ان سالوں میں اور بھی بہت سے قول ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک جگہ فرمایا کہ آپ کی عمر پندرہ سو سال ہوئی۔ آپ لکڑی کا پیشہ کرتے تھے یعنی نجاری (بڑھئی) اس پر سب متفق ہیں کہ بعد طوفان آپ سارے باقی ماندہ لوگوں کے نبی تھے اس میں گفتگو ہے کہ طوفان سے پہلے بھی تمام انسانوں کے نبی تھے یا نہیں۔ روح المعانی کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے بھی آپ ان سب کے نبی تھے واللہ و رسولہ اعلم۔ **الی قومہ** یہ متعلق ہے **ارسلنا** کے لغت میں قوم وہ لوگ ہیں جو ایک مورث اعلیٰ اوپر والے دادا کی اولاد ہوں مگر کبھی انہیں بھی قوم کہہ دیتے ہیں جو

ایک جگہ رہتے ہوں یا ایک کام کرتے ہوں اگرچہ ایک دوسرے کے قرابت دار نہ ہوں (تفسیر صاوی) یہاں قوم کے دوسرے معنی مراد ہیں آپ کی یہ قوم قابیل کی اولاد تھی جو یمن کے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی قابیل پہلا وہ انسان ہے جس نے بت پرستی کی شیطان کے بتانے سے (روح البیان) **فقال یا قوم اعبدوا اللہ** یہ عبارت **ارسلنا** الخ پر معطوف ہے آپ کا ان لوگوں کو یا قوم کہہ کر پکارنا اے کافرو اے مشرکو اے بے دینو نہ فرمانا انہیں بذریعہ اخلاق حمیدہ اپنی طرف مائل فرمانے کے لئے ہے اولاً "تبلیغ نرمی سے چاہئے۔ جب اس سے کام نہ چلے تب سختی کی جاوے چونکہ آپ جلال والے نبی ہیں۔ مظہر قہر الٰہی ہیں اس جلال کی وجہ سے تمام کفار غرق کر دیئے گئے تھے۔ عرض کیا **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا**" اس لئے آپ کو حکم ربانی ملا کہ نرمی سے تبلیغ فرماؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا۔ **قولا لہ قولا" لینا**" ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فطرۃ" جمال و رحمت والے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا **قل یا ایہا الکفرون** اور ارشاد ہوا **یا ایہا النبی جاہد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم** اے پیارے نبی کافروں منافقوں سے جہاد کرو ان پر سختی کرو ان فرمانوں سے ان حضرات کی سلیم فطرتوں کا پتہ لگتا ہے۔ عبادت سے مراد اگر بدنی اور مالی عبادت ہے تب یہاں **امنوا** پوشیدہ ہے یعنی پہلے ایمان لاؤ پھر اس رب کو سجدے سجود کرو اور ہو سکتا ہے کہ عبادت سے مراد دلی عبادت ہو یعنی عقائد کی درستی یعنی اللہ کی توحید میری رسالت پر ایمان لاؤ۔ **مالکم من الہ غیرہ** یہ فرمان عالی دلیل اور وجہ ہے۔ **اعبدوا اللہ** کی۔ قرآن مجید میں الٰہ تین معنی میں آیا ہے۔ (1) جس کی عبادت کی جاوے۔ (2) رب کے مقابل جس کی اطاعت کی جاوے **من اتخذ الہہ ہواہ** لائق عبادت پہلے دو معنی سے الٰہ بہت ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے ہیں۔ تیسرے معنی سے صرف ایک الٰہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کہ وہی لائق عبادت ہے یعنی سچا معبود یہاں الٰہ سے مراد سچا معبود مستحق عبادت ہے ورنہ جھوٹے فرضی معبود تو انہوں نے بہت سے بنا رکھے تھے۔ سچا الٰہ لائق عبادت وہ ہے جو سب سے بے نیاز ہو سب اس کے نیاز مند ہوں وہ صرف رب تعالیٰ ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ اسے نبی الٰہ کہتے ہیں جسے نبی کی زبان الٰہ کہے وہ الٰہ ہے فرعونی جادوگروں نے ایمان لاتے وقت کہا **امنا برب العالمین** رب موسیٰ وہارون اور اولاد یعقوب علیہ السلام نے کہا **نعبد الہک والہ اباءک ابراہیم و اسمعیل و اسحق** معلوم ہوا کہ نبی کی زبان الٰہ حقیقی کی پہچان ہے۔ بعض قراتوں میں **غیرہ** کسرہ سے ہے الٰہ کی صفت ہماری قراۃ میں **غیرہ** پیش سے ہے الٰہ کا بدل اور اس کو الٰہ کی محل حرکت یعنی پیش دیا گیا **من الہ** کا اسم ہے اور **لکم** اس کی خبر مقدم یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا سچا معبود تمہاری عبادات کا مستحق کوئی نہیں۔ **انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم** آپ نے پہلے تو ان کے سامنے توحید کی دلیل بیان فرمائی پھر انہیں کفر پر ڈرایا یہاں خوف سے مراد ہے یقینی ڈر یقینی غیر مشکوک خوف **یوم عظیم** سے مراد ہے قیامت کا دن یا طوفان کا دن آپ کو ان کفار کے انجام ان کی غرقابی پر مطلع فرما دیا گیا تھا۔ اس سے آپ نے پہلی تبلیغ میں یہ فرمایا (روح المعانی) خوف پانچ طرح کا ایک خوف کفار کو ہوتا ہے دوسرا گنہگار کو تیسرا ابرار کو چوتھا اور پانچواں حضرات انبیاء کرام اخیار کو رب کی وعدہ خلافی کا خوف کفر ہے۔ جو کفار کو ہے کہ وہ دنیا میں رب کے رازق آخرت میں رحیم و کریم ہونے کا یقین نہیں کرتے گناہوں پر پکڑ کا خوف گنہگار کو نیکیاں قبول نہ ہونے کا خوف ابرار کو ہیبت الٰہی کا خوف اور اپنی امت گنہگار کی پکڑ کا خوف حضرات انبیاء کرام کو یہاں پانچواں خوف مراد ہے۔ بہر حال **عظیم** سے مراد ہے بڑا ہولناک دن۔ جس کے تصور سے دل دہل جاویں کفار پر عذاب کا دن کفار کے لئے منحوس ہے رب نے فرمایا **فی ایام نحسات** اور نبی یا مومنوں کے

لئے عظیم کہ ان کی ہلاکت سے نبی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس دن کو منحوس فرمانا بھی درست ہے اور عظیم فرمانا بھی درست **قال الملا من قومہ** یہ آپ کی قوم کا جواب ہے **ملا** کے معنی بھرنا اصطلاح میں بڑی جماعت کو بھی **ملا** کہتے ہیں جو علاقہ کو بھر دے اور سرداروں کو بھی **ملا** کہا جاتا ہے کہ دل ان کے جلال سے بھر جاویں اور آنکھیں ان کے جمال سے اور مجلسیں ان کے تابعین سے پر ہو جاویں۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں یعنی قوم کے سردار (روح المعانی و بیان) مال داروں سرداروں کے دل کی آنکھوں پر حسد اور تکبر کی بیماری ہوتی ہے۔ جس سے وہ نبی کی شان نہیں دیکھ سکتے نبی کی شکل سر کی آنکھ سے نبی کی شان دل کی آنکھ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے اکثر نبیوں کی اتباع مساکین ہی کرتے ہیں۔ دل کی آنکھ کا علاج خاک در اولیاء ہے **انا لنراک فی ضلال مبین** یہ **قال** کا مفعول بہ ہے اور قوم کا وہ کلام جو انہوں نے آپ سے جو لبا" کہا ان بد نصیبوں نے اپنے اس قول کو **ان** اور لام تاکید سے موکد کیا یہ بتانے کے لئے کہ ہم کو اس پر یقین ہے کہ آپ گمراہ ہیں۔ **نرا** سے مراد ہے دل سے دیکھنا یعنی یقین کرنا بڑی گمراہی کو ضلال کہا جاتا ہے جس میں انسان ایمان سے ہی نکل جاوے جیسے کفر و شرک وغیرہ معمولی گمراہی کو ضلالت کہتے ہیں کفار نے آپ کو پورا گمراہ کہا یعنی ایمان سے خارج کیونکہ وہ تو بت پرستی کو ایمان سمجھے بیٹھے تھے انہوں نے مبین کہہ کر یہ بتایا کہ آپ کا ایمان سے خارج ہونا اتنا واضح اور ظاہر ہے کہ اسے بے عقل بچے دیوانے بھی جان سکتے ہیں۔ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ سچ ہے کہ جب انسان کے حواس خراب ہوں تو اسے الٹی سوجھتی ہے۔ وہ بد نصیب سمجھے یہ کہ اتنا بڑا جہان ایک خدا نہیں چلا سکتا اور کوئی انسان نبی پیغمبر نہیں ہو سکتا نبی فرشتہ ہونا چاہئے آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے یہ بھی غلط اور کہتے ہیں کہ میں انسان ہو کر اللہ کا رسول ہوں یہ بھی غلط اس لئے انہوں نے یہ کہا **قال یقوم لیس بی ضلالۃ** یہ آپ کا اس نا سمجھ قوم کو جواب ہے اس جواب میں بھی مہربانی اور لطف کا اظہار ہے کہ پھر بھی یا قوم فرمایا **لیس بی** فرما کر یہ بتایا کہ اول ہی سے میں ہدایت پر ہوں ایک آن کے لئے کبھی گمراہ نہیں ہوا اور **ضلالۃ** فرما کر یہ بتایا کہ مجھ میں معمولی گمراہی بھی نہیں یعنی عملی ہلکی گمراہی۔ اس لئے **ما انا بضال** نہ فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ مجھ میں گمراہی کا مادہ ہی نہیں جس سے میں گمراہ ہو سکوں دیکھ لو میں تمہارے گندے ماحول میں رہا مگر صاف و ستھرا رہا لکڑی میں آگ کا مادہ ہوتا ہے تو آگ کی صحبت میں آگ بن جاتی ہے مٹی ریت میں یہ مادہ نہیں وہ آگ نہیں بنتا بلکہ سنگ مرمر آگ میں گرم بھی نہیں ہوتا۔ غرضیکہ آپ نے اپنی پوزیشن اپنی حیثیت پورے طور پر واضح فرما دی اپنے اس دعوے کی دلیل یہ دی کہ **ولکنی رسول من رب العلمین** اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ مجھے رب العالمین نے اپنی نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور جسے رب اتنے بڑے منصب کے لئے چنے اس میں گمراہی کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ میری نبوت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل ہے کہ جو رب مخلوق کی جسمانی پرورش کے لئے ہزاروں قسم کی غذائیں پیدا فرما دے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو روحانیت میں یونہی بھٹکتا چھوڑ دے۔ ضروری ہے کہ ان کی روحانی پرورش کے لئے بھی نورانی غذائیں پیدا فرما دے اور نورانی غذائیں تقسیم فرمانے کے لئے اپنے خاص بندے بھیجے۔ جنہیں رسول کہا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! رسالت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر عجیب لطف دے رہا ہے کیونکہ نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بھی اقراری نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بارش اور زمینوں کا حال تو سن لیا کہ بارش سے ہر زمین فیض نہیں لیتی اب نبوت کی بارش اور ان کی امتوں کا حال سنئے کہ ہم نے پہلے مبلغ نبی نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔

جنہوں نے کفار کو تبلیغ فرمائی انہوں نے اس کافر قوم سے نہایت ہی مہربانی سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو دلی عبادت بھی کہ اس کے سواء کسی کو اپنا معبود نہ مانو مجھے نبی مانو اور جسمانی عبادت بھی کہ میری تعلیم کے مطابق نیک اعمال عبادات وغیرہ کرو انہوں نے اس تبلیغ پر ایک تو دلیل قائم فرمائی کہ فرمایا اس کے سواء تمہارا کوئی سچا معبود نہیں جو تمہاری عبادات کا مستحق ہو جیسے ایک شخص کے دو باپ نہیں ہو سکتے، دو ماں نہیں ہو سکتیں دنیا میں دو سورج نہیں جسم میں دو جانیں نہیں بدن میں دو دل نہیں ایسے ہی مخلوق کے دو خالق یا دو معبود نہیں ہو سکتے مگر قوم نے اس دلیل پر دھیان نہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم پر بڑے دن یعنی قیامت یا تمہارے تباہی کے دن کا عذاب نہ آجاوے۔ وقت سے پہلے انتظام کر لو بارش سے پہلے اس سے حفاظت کی تدبیر کر لو۔ غرضیکہ آپ نے دلیل اور ڈر ہر طرح قوم کو سمجھایا قوم نے الٹا اثر لیا بولی کہ تم بالکل ہی گمراہ ہو بھلا ایک دنیا کا خالق اور مستحق عبادت ایک کیسے ہو سکتا ہے اور تم انسان ہو کر ہماری طرح کھا پی کر رب کے نبی کیسے ہو سکتے ہو۔ عالم کے بہت سے خالق چاہئیں اور فرشتے اس کے نبی چاہئیں یہ بات اس قوم کے سرداروں نے کی۔ لطف یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کلام میں الوہیت کے متعلق تبلیغ فرمائی ابھی صراحۃً اپنے متعلق زور نہیں دیا مگر قوم نے الوہیت کے متعلق کچھ نہ کہا۔ صرف آپ پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ کفر کی پہلی اینٹ نبی کا انکار ہے۔ جس سے تمام ایمانیات کا انکار ہو جاتا ہے یونہی ایمان کی پہلی اینٹ نبی کا صحیح اقرار ہے۔ جس سے ساری ایمانیات کا اقرار ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نبی کی تعظیم و توقیر کی توفیق دے آمین! آپ نے پھر بھی بہت نرمی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری ناسمجھ قوم مجھ میں ہلکی سی گمراہی بھی نہیں۔ کیونکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں اس کا رسول بہک نہیں سکتا اگر وہ بہک جاوے تو عالم کا نظام خراب ہو جاوے۔ دنیاوی بادشاہ ناسمجھ نااہل کو حاکم نہیں بناتے تو رب تعالیٰ گمراہ کو نبی کیسے بنائے چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے جو ان کی روحانی پرورش کرے میری نبوت اس کی ربوبیت کی دلیل ہے۔ خیال رہے ان نبیوں کے واقعات بیان فرمانے کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا ہے کہ اگر آپ کی ساری قوم آپ کی نہ مانے تو آپ ملول نہ ہوں، شروع سے ہی یہ ہوتا چلا آرہا ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا پتہ لگتا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور صاحب وحی ہیں۔ یہ فائدہ **لقد ارسلنا الخ** سے حاصل ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم تاریخ سیکھے بغیر مورخین کی صحبت حاصل کئے اس زمانہ کے حالات ایسے بے کم و کاست بیان فرمائے جبکہ تاریخ لکھنے کا رواج ہی نہ تھا اور اس طرح درست بیان کئے کہ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری حیران رہ گئے ان کی کتب کے بالکل مطابق تھے۔ **دوسرا فائدہ:** کافر کو مومن کا ہم قوم کہا جا سکتا ہے نسبی یا ملکی قومیت کے لحاظ سے، مذہبی حیثیت سے کوئی کافر کسی مسلمان کا ہم قوم نہیں۔ یہ فائدہ **الی قومہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جن لوگوں پر واجب ہے کہ نبی پر ایمان لائیں یعنی امت دعوت وہ سب اس نبی کی قوم کہلاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **الی قومہ** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ حق یہ ہے کہ آپ اس زمانے کے سارے انسانوں کے نبی تھے ورنہ سارے انسان آپ کی مخالفت سے غرق نہ کئے جاتے لہٰذا تاقیامت سارے انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں کہ ان سب پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ **چوتھا فائدہ:** جہاں تک ہو سکے تبلیغ نرمی سے کی جاوے کہ اس کی تاثیر بہت ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **یا قوم** سے حاصل ہوا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں اے کافرو اے مشرکو اے بے دینو کہہ کر نہیں پکارا۔

بلکہ اے میری قوم فرمایا۔ **پانچواں فائدہ:** کفار پر بھی عبادات فرض ہیں کہ وہ ایمان لائیں اور عبادت کریں قیامت میں انہیں کفر کی سزا بھی ملے گی اور عبادات نہ کرنے کی بھی اور گناہ کرنے کی بھی۔ یہ فائدہ **اعبدوا اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ عبادت سے مراد جسمانی عبادت ہو دوزخی کہیں گے **قالوا لم نک من المصلین** الخ۔ **چھٹا فائدہ:** چند خالق یا چند حقیقی معبود نہیں ہو سکتے جبکہ ملک کا بادشاہ ایک جسم کی جان ایک تو مخلوق کا خالق و رحمان بھی ایک۔ **ساتواں فائدہ:** تبلیغ دلائل سے بھی ہونی چاہئے اور ڈرا کر بھی اور امید دلا کر بھی۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دلیل توحید بھی بیان فرمائی ساتھ ہی عذاب سے ڈرایا بھی بعض لوگ دلیل سے مانتے ہیں۔ بعض ڈر کر بعض امید سے مگر امید سے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں اسی لئے انبیاء کرام ڈراتے زیادہ ہیں۔ رب نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **لیکون للعالمین نذیرا** یہاں **بشیرا** نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لئے **بشیر** ہیں اور عالمین کے لئے **نذیر**۔ **آٹھواں فائدہ:** اکثر انبیاء کرام کی اطاعت فقراء و مساکین کرتے ہیں اور اکثر ان کی مخالفت امیر اور سردار کرتے ہیں۔ یہ فائدہ **قال الملا من قومہ** سے حاصل ہوا۔ اب بھی دین غریبوں سے قائم ہے مگر مرزا قادیانی کی پیروی اکثر امیروں نے کی غرباء عموماً اس سے الگ رہے۔ یہ بھی اس کے جھوٹے ہونے کی علامت ہے۔ **نواں فائدہ:** نبی کو گمراہ بلکہ گنہگار کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **نراک فی ضلال** الخ سے حاصل ہوا کہ نوح علیہ السلام کو کفار نے گمراہ کہا۔ **دسواں فائدہ:** نبوت اور گمراہی بلکہ نبوت اور گناہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے اگر نبی گمراہ ہوں تو پھر انہیں ہدایت کون کرے اگر سورج سیاہ ہو جاوے تو اسے روشن کون کرے انہیں گنہگار یا گمراہ ماننے میں رب تعالیٰ کی توہین ہے کہ اس کا انتخاب غلط ہوتا ہے **نعوذ باللہ** یہ فائدہ **لیس بی ضلالۃ** سے بھی حاصل ہوا اور **لکنی رسول** الخ سے بھی۔ **گیارہواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حضرات انبیاء کرام کی نبوت سے ثابت ہوتی ہے۔ نبوت ربوبیت کی دلیل ہے یہ فائدہ **من رب العالمین** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر جو ابھی عرض کی گئی۔ **بارہواں فائدہ:** جمال نبی ایک ہے مگر اسے دیکھنے والی آنکھیں مختلف، مومنوں کو ان میں ہدایت ہی نظر آتی ہے کفار کو ان میں گمراہی نظر آتی ہے۔ یہ فائدہ **انا لنراک** الخ سے حاصل ہوا رب تعالیٰ وہ آنکھ دے جو نبی کی شان دیکھ سکے۔

پہلا اعتراض: اگر نوح علیہ السلام سارے انسانوں کے نبی تھے تو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو گئے سارے انسانوں کے نبی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب فرماتا ہے **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا**۔ **جواب:** ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت سارے انسانوں کے نبی ہیں نوح علیہ السلام صرف اس زمانہ کے انسانوں کے۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعالمین نذیرا** دیکھو آدم شیث علیہما السلام بھی تو اسی وقت کے سارے انسانوں کے نبی تھے، بات یہ تھی کہ اس وقت انسان تھے ہی تھوڑے انہیں کے وہ حضرات نبی تھے۔ **دوسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے تو کفار کو یا قوم کہہ کر پکارا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیوں دیا گیا۔ **قل یا ایہا الکافرون** آپ انہیں کافر کہہ کر پکارو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں آپ کو سختی کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ نوح علیہ السلام کی یہ تبلیغ پہلی تبلیغ تھی۔ جب نرمی کی ضرورت تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ نرمی سے کام نہ نکل سکا ان کفار کی سختی بڑھتی گئی اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کفار پر

جہاد کا بھی حکم دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً نہایت ہی نرم واقع ہوئے تھے۔ ارشاد ہوا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو سختی کرو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا **قولا له قولا لينا** فرعون سے نرم بات کرنا کیونکہ وہ جلالی رسول تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **يا ايها النبى جاهد الكفار و المنافقين و اغلظ عليهم** اے نبی کفار و منافقین پر جہاد کرو اور ان پر خوب سختی کرو۔ **تیسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام کی قوم دہریہ نہ تھی اللہ تعالیٰ کو مانتی تھی اور اللہ کو ماننے والے کفار اس کی عبادت ضرور کرتے ہیں پھر آپ نے انہیں عبادت کا حکم کیوں دیا۔ عبادت تو وہ پہلے ہی کرتے تھے۔ **جواب:** اس فرمان کا مقصد یا یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ وہ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتے تھے یا یہ کہ اب تک تم اپنی عقل رائے سے عبادت کرتے تھے جو عبادت نہ ہوئی بلکہ کفرو معصیت ہوئی۔ اب میرے بتانے سے میری تعلیم سے عبادت کرو تاکہ وہ عبادت اور قابل ثواب ہو۔ عبادت عقل سے نہیں نبی کی تعلیم سے کی جاتی چاہئے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت نوح نے قوم کے جواب میں **ليس بى ضلالة** کیوں فرمایا آپ کہتے کہ میں گمراہ نہیں ہوں یا مجھ میں گمراہی نہیں مگر فرمایا **ليس بى ضلالة** اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** اس فرمان کے معنی ہیں کہ میرے قریب معمولی سی گمراہی بھی نہیں فی نہ کہا بی کہا جس سے قرب کی نفی ہو گئی۔ **پانچواں اعتراض:** کفار پر عبادات فرض نہیں ہوتیں پھر نوح علیہ السلام نے کیوں فرمایا **اعبدوا الله. جواب:** اگر یہاں عبادت سے مراد ہے **قلبی عبادت یعنی ایمان لانا** تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر جسمانی عبادات مراد ہیں تو جواب یہ ہے کہ کفار پر عبادات فرض ہیں آخرت کے عذاب کے لحاظ سے اور فرض نہیں دنیاوی احکام کے لحاظ سے کہ کافر اپنے کفر کے زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کرے گا۔ **چھٹا اعتراض:** قوم نے آپ سے کہا **فى ضلال مبين** مگر آپ نے فرمایا **بى ضلالة** فرماؤ کہ **ضلال اور ضلالت** میں کیا فرق ہے اور اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ضلال بڑی گمراہی کو کہتے ہیں یعنی عقیدہ کی خرابی اور ضلالتہ معمولی بدراہی کو کہتے ہیں یعنی عملی خرابی لہٰذا نوح علیہ السلام کا یہ فرمان نہایت درست ہے کہ تم تو میرے عقیدے کو گمراہی کہتے ہو یعنی عملی خرابی لہٰذا نوح علیہ السلام کا یہ فرمان نہایت درست ہے کہ تم تو میرے عقیدے کو گمراہی کہتے ہو مجھے تو اللہ نے برے اعمال سے بھی معصوم و محفوظ رکھا ہے نیز انہوں نے کہا تھا کہ آپ گمراہی میں ہیں یعنی ہر چار طرف سے آپ کو گمراہی گھیرے ہے جیسے ڈوبتے کو پانی مگر آپ نے فرمایا کہ میں تو گمراہی میں کیا ہوتا گمراہی مجھ میں بھی نہیں یعنی گمراہی مجھ سے قریب بھی نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی بدعمل بھی نہیں ہوتے مگر قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وہ ظالم ' گمراہ ' بدعمل ہوتے ہیں فرماتا ہے **ووجدك ضالا "فهدى** اور فرماتا ہے کہ یونس علیہ السلام نے کہا **انى كنت من الظالمين. جواب:** اس کا نہایت مفصل مدلل جواب ہماری کتاب قہر کبریا یا منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔ یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ ان آیات میں ضلال ظلم سے مراد گمراہی اور گناہ نہیں جیسے رب تعالیٰ کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وهو خادعهم** یا **مكر الله** وہاں خداع کے معنی دھوکہ بازی نہیں اور **مكروا** سے مراد حیلہ سازی اور فریب نہیں۔ فعل کے معنی فاعل کی شان کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں دیوار بیٹھ گئی ' دوکان بیٹھ گئی ' دل بیٹھ گیا ' تیر نشانہ پر بیٹھ گیا ' کھڑے سے بیٹھ گیا ' تیری بات میرے دل میں بیٹھ گئی ان سب میں بیٹھنے کے معنی الگ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیاء کرام کی دنیا میں تشریف آوری اور ہے جسے ولادت کہتے ہیں اور کسی قوم کے پاس تشریف آوری کچھ اور ہے جسے رسالت یا بعثت کہا جاتا ہے یہ بعثت مخلوق کے لئے بڑی نعمت ہے۔ بعض لوگ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں وہ اس سے بہت فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ ایمان' عرفان' غفران بلکہ رحمان اس قدر دانی سے ملتے ہیں مگر ناقدری کرنے والے اپنا ہی نقصان کر لیتے ہیں انہیں طغیان' کفران بلکہ شیطان ملتے ہیں نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان دینا چاہا۔ مگر قوم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہر چیز کے دیکھنے کے لئے آلہ الگ الگ ہے ایک ہی آنکھ دوربین سے دور کی چیز دیکھتی ہے خوردبین سے باریک چیز کا مشاہدہ کرتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو عشق کی عینک سے دیکھو تب ان کی صفات معلوم ہو سکیں گی۔ دیکھو نبی اللہ تعالیٰ کے بے عیب بندے ہوتے ہیں وہ ہدایت کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں شر بھی ہے خیر بھی۔ حضرات انبیاء کرام وہ بندے ہیں جن میں صرف خیر ہی ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

مگر چونکہ قوم نوح علیہ السلام نے انہیں محض عقل کی آنکھ سے اس پر حسد' عناد' سرکشی کی عینک چڑھا کر دیکھا تو بولے کہ ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ بھلائی اور گمراہی نعوذ باللہ یہ ان کی آنکھ کا قصور تھا انہوں نے نوح علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں ان کی آنکھ اور نوح علیہ السلام کے جمال کے درمیان ان کی ضد و کفر و ضلالت کا پردہ تھا۔ جس سے وہ جمال ان سے حجاب میں رہا جیسے اندھا کہے کہ میں سورج کو کالا دیکھتا ہوں۔ یہ سیاہی اس کے اندھے پن کی ہے رب تعالیٰ خدا بینی' رسول بینی' بلکہ خدا بینی کی آنکھ نصیب فرمادے۔ تب پتہ لگے کہ ہم کون ہیں انبیاء اولیاء کون ہیں۔

گرت چشم خدا بینی بہ بخشند! نخواہد دیدر عالم کمتر از خویش!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جن انبیاء کرام کے واقعات یہاں سے نویں پارہ تک مذکور ہیں سب میں ان کی پہلی تبلیغ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت کرو مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تبلیغ یہ ہے کہ **کیف انا فیکم** مجھے پہچانو میں تم میں کیسا ہوں بلکہ گیارہ سال تک اسلام میں کوئی عبادت نہ آئی نبوت کے گیارہویں سال معراج میں نماز ملی بعد ہجرت زکوٰۃ روزہ وغیرہ عطا ہوئے۔ گیارہ سال تک مسلمانوں پر ایک ہی عبادت رہی۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی!

صوفیاء کے مشرب میں تمام عبادات سے افضل ہے مقام مصطفیٰ کو پہچاننا۔ جس نے ان کا مقام پہچان لیا۔ اس نے رب کو پہچان لیا۔ رب بھی ان کے پاس ہی ملتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام نہ پہچانا مارا گیا۔ کہ اس کی عبادات رائیگاں گئیں۔ رب تعالیٰ ان کی شان کی پہچان نصیب کرے۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَوَ

پہنچاتا ہوں میں تم کو پیغامات رب کے اپنے اور خیر خواہی کرتا ہوں میں تمہاری اور جانتا ہوں میں اللہ کی طرف

تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں

عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ

سے وہ جو نہیں جانتے تم ۔ اور کیا تعجب کیا تم نے یہ کہ تمہارے پاس ذکر طرف سے رب تمہارے کے اوپر ایک

جو تم نہیں رکھتے ۔ اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی ایک

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾

مرد کے تم میں سے تاکہ ڈرائے وہ تم کو اور تاکہ پرہیزگار ہو تم تاکہ رحم کئے جاؤ تم

مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور کہیں تم پر رحم ہو۔

تعلق : ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے اپنے ذاتی فضائل و کمالات کا ذکر تھا۔ اب آپ کے فیوض و برکات کا تذکرہ ہے یعنی پہلے فرمایا گیا تھا کہ میں خود کامل ہوں کہ اللہ کا رسول ہوں اب ارشاد ہے کہ میں کامل گر بھی ہوں کہ لوگوں کو ایمان' تقویٰ' عرفان بخش دیتا ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام سے گمراہی وغیرہ کی نفی کی گئی تھی۔ اب اس نفی کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ میں رب کی طرف سے مبلغ دین و ایمان ہوں جو خود گمراہ ہو وہ دوسرے کو ایمان کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نوح علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا۔ اب اس رسالت کے فیض فرائض کا تذکرہ ہے کہ میرا منصب ہے تبلیغ' خیر خواہی اور پورا علم۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قوم کے اس تعجب کا ذکر تھا کہ انسان اللہ کا نبی کیسے ہو گیا یہ عہدہ تو کسی فرشتے کو ملنا چاہئے۔ اب ان آیات میں اس تعجب کو دور فرمایا جا رہا ہے کہ نبوت انسان ہی کو ملنی چاہئے کہ نبوت کے فرائض' تبلیغ' خیر خواہی' ڈرانا وہی کر سکتا ہے۔ فرشتے ان فرائض کو انجام نہیں دے سکتے۔ **پانچواں تعلق:** نبی کو رب تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے لینے کا اس لئے انہیں رسول اللہ کہتے ہیں اور مخلوق سے تعلق ہے دینے کا اس لئے انہیں **رسولنا** یا **رسول الخلق** کہتے ہیں۔ پچھلی آیت میں ان کے پہلے تعلق کا ذکر ہوا۔ **رسول من رب العالمین** اب اس آیت میں ان کے دوسرے تعلق کا ذکر ہے **ابلغکم**۔

تفسیر : **ابلغکم رسالات ربی** یہ کلام بھی نوح علیہ السلام کا ہے اور کم میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے جو آپ کو گمراہ کہتے تھے ہماری قرات میں **ابلغ** لام کے شد سے ہے دوسری قرات میں **ابلغ** ب کے سکون اور لام کے کسرہ سے ہے باب افعال سے **ابلاغ** بنا ہے تبلیغ سے معنی ہمیشہ پہنچانا ہر طرح پہنچانا آہستہ آہستہ پہنچاتے رہنا۔ **رسالات** جمع ہے **رسالتہ** کی معنی پیغام' رسالات کے معنی ہوئے پیغامات چونکہ نبی صرف ایک قسم کا پیغام نہیں پہنچاتے بلکہ عقائد' عبادات' معاملات' گناہوں سے بچنے' کفر و شرک سے دور رہنے وغیرہ بہت سے پیغامات پہنچاتے ہیں نیز حضرات پیغمبر اپنے افعال' احوال سے پہلے تبلیغ کرتے ہیں۔ پھر اقوال سے ہر طرح ہمیشہ تبلیغ کرتے ہیں ان کا ہر عضو مبلغ ہوتا ہے ان وجوہ سے **ابلغکم** ارشاد ہوا نیز شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت کے پیغامات پہنچاتے ہیں اس لئے **رسالات** ارشاد ہوا۔ شریعت کے پیغامات کان تک طریقت کے اذہان تک حقیقت کے دل تک معرفت کے پیغام روح تک ان وجوہ سے رسالات فرمایا گیا۔ چونکہ یہ پیغامات ربوبیت الٰہیہ اس کی پرورش کے مظہر ہیں اس کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے غذائے روحانی حاصل کریں۔ اس لئے **ربی** ارشاد ہوا اللہ اور دوسرا نام اسم

الٰہی نہ فرمایا چونکہ اس ربوبیت کے مظہر نبی ہوتے ہیں کہ ان کی معرفت لوگوں کو یہ نعمتیں ملتی ہیں اس لئے وہی فرمایا و حکم نہیں فرمایا چونکہ پیغمبر صرف عبادات ہی نہیں بتاتے یہ کام تو مولوی بھی کر لیتے ہیں بلکہ ہر قسم کے احکام غیبی خبریں سب کچھ دیتے ہیں۔ اس لئے رسالات جمع ارشاد ہوا۔ **وانصح لکم** یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری صفت ہے۔ یہ معطوف ہے **ابلغکم** پر **انصح** بنا ہے **نصح** سے اسی سے ہے نصیحت۔ نصح کے معنی ہیں خالص ہونا "آلائش سے پاک ہونا کہا جاتا ہے **نصحت العسل من الشمع** میں نے شہد کو موم سے خالص کر لیا۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں خالص خیر خواہی اس کا استعمال لام سے بھی ہوتا ہے اور بغیر لام **نصحتہ** اور **نصحت لہ** جیسے شکرتہ اور شکرت لہ چونکہ آپ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ اس تبلیغ میں مجھے اپنا کوئی لالچ نہیں صرف تمہاری خیر خواہی مقصود ہے اس لئے لکم فرمایا۔ خیال رہے کہ تبلیغ رسالت یہ ہے کہ لوگوں تک احکام الٰہی پہنچادیئے جائیں مگر خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں ان احکام کے قبول کرنے ان پر عمل کرنے کی رغبت دی جاوے انہیں مسلمان بنانے کی کوشش کی جاوے اس لئے ابلاغ کے بعد **انصح** ارشاد فرمایا یعنی میں صرف احکام پہنچاتا ہی نہیں بلکہ تم کو اس کے قبول کرنے کی رغبت بھی دیتا ہوں صرف تمہارے نفع کی خاطر **واعلم من اللہ مالا تعلمون** یہ آپ کی تیسری صفت ہے جس میں اپنے نبی اور رسول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ نبی وہی ہے جو رب کی طرف سے علوم غیبیہ دیا گیا ہو **من اللہ** فرمایا یہ بتایا کہ میرے یہ علوم محض عقلی استدلال نہیں جن میں غلطی کا شائبہ ہو بلکہ اللہ کی طرف سے وحی ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ **مالا تعلمون** سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں یا اس کے شرعی احکام یا قیامت کے حالات ہیں یا جنت دوزخ کے ثواب و عذاب یا ان کافروں پر غرق کا عذاب اور اس کی ہولناکیاں ہیں بہتر یہ ہے کہ یہ سب ہی مراد ہوں۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے کسی قوم پر عذاب نہیں آیا تھا۔ اس قوم کے وہم و گمان میں بھی عذاب الٰہی نہ تھا آپ کو ان سب کی اطلاع دے دی گئی تھی اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ بے وقوفو میرا مقابلہ نہ کرو۔ میری اطاعت کرو جو عذاب میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں جانتے نہ جاننے والے کو چاہئے کہ جاننے والے کی بات مانے۔ **اوعجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم** اس فرمان عالی میں اس قوم کے شبہات کی تردید ہے۔ جو وہ آپ کی نبوت پر کرتے تھے ان کے شبہات حسب ذیل تھے۔ (1) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے ہماری عبادتوں کی کیا ضرورت ہے لہٰذا وہ اس کا حکم نہیں دے سکتا ہم لوگ صرف کھانے پینے مرجانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ جب خدا کو ہماری عبادات کی ضرورت ہی نہیں تو نبی بھیجنا بیکار ہے۔ (2) اچھا مان لو کہ عبادات ضروری ہیں تو ان کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں ہم عقل سے ہی معلوم کر سکتے ہیں اللہ نے ہم کو عقل اس لئے تو دی ہے جسے ہماری عقل اچھا کہے وہ اچھا جسے برا کہے وہ برا۔ (3) اچھا مان لو کہ نبی بھیجنے کی ضرورت ہے تو نبی انسان نہیں ہونا چاہئے وہ فرشتے چاہئیں کیونکہ ان کی ہیبت دلوں میں بہت ہوتی ہے وہ کھانے پینے اور دوسری ضروریات سے پاک ہیں۔ (4) اچھا مان لو کہ انسان ہی نبی ہونا چاہئے تو وہ کوئی امیر کبیر بادشاہ ہونا چاہئے جس کی سرداری و مالداری سے تبلیغ خوب ہو نہ کہ نوح علیہ السلام جیسا مسکین انسان لہٰذا نوح علیہ السلام کو یا تو دیوانگی ہے یا ان پر شیطان نے اثر کر لیا ہے۔ جس سے وہ اپنے ہی سیات کو وحی الٰہی سمجھ بیٹھے ہیں (کبیر) حق یہ ہے کہ **او عجبتم** میں الف سوال کا ہے اور واو ابتدائیہ اور یہ سوال ناراضگی اور جھڑک کا ہے۔ پوچھنے یا اقرار کرانے یا اظہار تعجب کے لئے نہیں یعنی تم لوگ انکار نہ کرو۔ **عجبتم** میں خطاب انہیں کفار سے ہے۔ **ان جاء کم** اس کا مفعول بہ ہے۔ تعجب کبھی رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے لئے ہوتا ہے کبھی انکار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب معجزات کو مومن دیکھتے تو تعجب

کر کے رب کی قدرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اور مضبوطی سے مان لیتے کہ جس کے ہاتھ پر ایسے عجائب ظاہر ہوں وہ نبی کیسی شان والا ہو گا اور ان کا رب کیسی قدرت والا ہو گا اور وہی معجزات ابو جہل وغیرہ دیکھتے تو جادو کہہ کر انکار میں اور سخت ہو جاتے پہلا تعجب ایمان ہے۔ دوسرا کفر طغیان یہاں دوسرا تعجب انکاری مراد ہے۔ نفیس غذا تندرست کے لئے مفید ہے اور کمزور معدہ والے کے لئے دست یا قے کا باعث ہے ذکر سے مراد یا تو وحی الٰہی ہے یا احکام شرعیہ یا آسمانی صحیفہ جو نوح علیہ السلام پر نازل ہوا۔ **من ربکم** فرما کر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ کی شان ربوبیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ تمہاری روحانی پرورش کے لئے شرعی احکام نبی کی معرفت بھیجے کیونکہ وہ روح اور جسم دونوں کا پالنے والا ہے جب اس نے جسمانی پرورش کے لئے غذائیں پیدا فرمائیں ہیں تو ضرور روحانی پرورش کے لئے یہ غذائیں عطا فرمائے گا **علی رجل منکم** اس فرمان عالی میں ان کے اس شبہ کو دور فرمایا کہ نبی فرشتہ کیوں نہ ہوا یا کوئی بادشاہ سردار مالدار کیوں نہ ہوا یا باہر سے کوئی آدمی نبی بن کر کیوں نہ آیا ہم میں سے ایک مسکین کو نبی کیوں بنا دیا گیا ان تمام شبہات کا جواب صرف ایک کلمہ میں ارشاد فرما دیا گیا کہ **لینذرکم** یہ عبارت **جاءکم** کے متعلق ہے اس میں فرمایا گیا۔ (1) اللہ کی عبادت اس لئے نہیں کہ اسے عبادت کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے ہے کہ تم کو اس کی ضرورت ہے جیسے تمہاری غذائیں دوائیں تمہاری غرض کے لئے ہیں نہ کہ رب کے فائدہ کے لئے۔ (2) سارے کام عقل سے نہیں ہوتے بعض جگہ کسی کی مدد کی ضرورت بھی ہوتی ہے ایک شخص اپنی عقل سے کاشت کاری اور ساری صنعتیں نہیں کر سکتا دوسرے کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ (3) تمہاری جسمانی غذائیں جنات تیار نہیں کرتے بلکہ انسانوں کے ذریعہ تم معاش جسمانی حاصل کرتے ہو۔ فرشتہ ڈرانے یا تبلیغ کرنے کی خدمات انجام نہیں دے سکتا تم اسے اس کی اپنی شکل میں نہیں دیکھ سکتے نیز وہ تمہارے دکھ درد سے خبردار نہیں نیز صرف بادشاہ سلطان اگر نبی ہوں تو نبوت کی طاقت معلوم نہ ہو لوگ سمجھیں کہ اس نے اپنے زور سے زر سے حکومت سے یہ دین پھیلایا لہٰذا تبلیغ کے لئے مجھ جیسا مرد ہی چاہئے۔ جس کے دل میں تمہارا درد ہو وہ تم کو درد دل کی بنا پر عذاب الٰہی سے ڈرائے یہ تو اس کا کام ہو تمہارا کام یہ ہو کہ **ولتتقوا** تم اس کے ذریعہ تقویٰ طہارت حاصل کرو تقویٰ کے معانی اس کے اقسام اور دلی تقویٰ جسمانی تقویٰ کا فرق ہم پہلے پارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے لہٰذا یہاں اتنا سمجھ لو کہ برے عقیدوں سے بچنا اچھے عقیدے اختیار کرنا مقبول بندوں کی تعظیم کرنا دل کا تقویٰ ہے فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** اور برے اعمال سے بچنا اچھے اعمال کرنا جسم کا تقویٰ ہے یہ دونوں تقوے نبی کے آستانے سے حاصل ہوتے ہیں۔ **ولعلکم ترحمون** یہ عبارت معطوف ہے **لتتقوا** پر اس میں حضرت نوح علیہ السلام کی تشریف آوری کی تیسری حکمت بیان فرمائی گئی کہ میں تمہاری طرف اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے تمہارے گناہ بخشے۔ برزخ اور محشر اور بعد محشر کے عذاب سے تم کو بچائے یا میرے ذریعہ دنیا میں بھی تم پر رحمتیں نازل فرمادے۔ رحمت کے معنی اس کے اقسام اور یہ کہ کونسی رحمت کون شخص پاتا ہے یہ سب باتیں ہم بسم اللہ شریف کی تفسیر میں پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا میں رحمت عامہ رزق وغیرہ کفار مومنین سب کو ملتا ہے اسی دنیا میں رحمت خاصہ ایمان 'توبہ' نیک اعمال' عام مومنین کو نصیب ہوتے ہیں ولایت 'غوثیت' قطبیت وغیرہ خاص خاص مومنین کو نبوت اور خاص قرب الٰہی حضرات انبیاء کرام کو یہ تو دنیا کی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ قیامت کے دن کی رحمتیں بعد قیامت جنت کی رحمتیں اور نعمتیں ان میں بہت تفصیل ہے یہاں رحمت سے دنیا' برزخ' محشر' جنت کی دو مذکورہ رحمتیں مراد ہیں جو مومنین کو عطا ہوں گی۔

کوئی مومن تقویٰ و طہارت اختیار کر کے اپنی بخشش کا یقین نہ کرے بلکہ اس کی رحمت سے امید رکھے غضب سے خوف کرتا رہے کہ اسی امید و خوف پر نجات کا مدار ہے اس لئے یہاں لعل امید کا لفظ ارشاد ہوا چونکہ یہ رحمتیں بذریعہ نبی ملتی ہیں اس لئے آپ نے اس کو اپنی تشریف آوری کی حکمتوں میں سے شمار فرمایا۔ خیال رہے کہ لتتقوا اور ترحمون مخاطب جمع کے صیغے فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ تقویٰ اور رحمت تم کو میرے ذریعہ ملے گی مگر میں براہ راست بغیر کسی وسیلے کے تقویٰ اور رحمت یافتہ ہوں' رب کی طرف سے۔ جیسے سورج کے ذریعہ سب نور لیتے ہیں مگر سورج براہ راست رب سے نور لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے پاس تقویٰ اور رحمت میں کمی نہیں تم سب یہ نعمتیں مجھ سے لو تو کچھ کمی نہیں سارا جہان سورج سے نور لے تو سورج میں کمی نہیں آتی۔ حق یہ ہے کہ دین و دنیا کی ساری رحمتیں نبی کے صدقہ سے ملتی ہیں حتی کہ ان کے دم قدم سے ہم کو اپنی آفات سے نجات ملتی ہے حتی کہ مقبولوں کی قبروں کی برکت سے رحمتیں آتی ہیں بلائیں ٹلتی ہیں۔ جن پر قرآنی آیات گواہ ہیں اس لئے **ترحمون** سے مراد ساری رحمتیں ہیں دینی ہوں یا دنیاوی عام رحمتیں ہوں یا خاص۔

خلاصہء تفسیر : حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے تو اپنی پوزیشن ظاہر فرمائی اور اپنے سے کفار کے شبہات دور فرمائے اپنی منزلت بیان کی کہ میں رب کا رسول ہوں پھر اپنی تشریف آوری کے فوائد بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچاؤں جیسا آدمی ویسا اس کے لئے پیغام صرف پیغام پہنچا دینے پر ہی کفایت نہ کروں بلکہ تمہاری خیر خواہی بھی کروں کہ تم کو ڈرا کر' امید دلا کر ان پیغامات کے قبول کرنے کی رغبت بھی دوں۔ یاد رکھو کہ میں وہ خبریں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے رب کی ذات و صفات' قبر و حشر کے حساب و کتاب' دوزخ جنت کے عذاب و ثواب آنے والے طوفان کے ہولناک واقعات سب پر میری نظر ہے جس کی تمہیں نہ اطلاع ہے نہ خبر ہے لہذا تم میرے مقابلہ کی کوشش نہ کرو میری اطاعت کرو کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ اللہ نے نبی کیوں بھیجا اور پھر انسان کو نبی کیوں بنایا پھر تم میں سے نبی کیوں بھیجا پھر ایک مسکین مرد کو نبی کیوں بنایا یہ تو اس کریم کی بندہ نوازی ہے کہ جس سے تم مانوس ہو جو تمہارے ہر اچھے برے حالات سے خبردار ہے اسے نبی بنا کر تم میں بھیجا تاکہ وہ تمہیں رب کے عذاب سے ڈرائے اور تم کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعلیم دے اور تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ دنیا برزخ' آخرت میں رحمتیں کرے میری تشریف آوری تمہارے لئے رحمت ہی رحمت ہے چونکہ رب کے خوف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ سے رحمت ملنے کی امید اس لئے پہلے ڈرانے کا ذکر فرمایا پھر تقویٰ کا پھر رحمت کی امید کا۔ چونکہ نبی تقوی' خوف خدا' رحمت لینے کے لئے دنیا میں نہیں آتے یہ نعمتیں وہ رب کے پاس سے لیکر آتے ہیں وہ تو یہ نعمتیں تقسیم کرنے آتے ہیں اس لئے ان چیزوں کے دینے کا ذکر فرمایا۔ چونکہ خوف خدا اور تقویٰ جب ہی مفید ہے جب کہ نبی کے ہاتھوں ملے اس لئے اپنی عطا کا ذکر کیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی صرف پوسٹ مین کی طرح پیغام رسان نہیں ہوتے بلکہ وہ حضرات پیغام پہنچاتے بھی ہیں اور احکام لوگوں میں جاری بھی کرتے ہیں انہیں قبول بھی کراتے ہیں۔ وہ مخلوق کے حاکم اعلیٰ ہوتے ہیں رب کی طرف سے مقرر کردہ۔ یہ فائدہ **وانصح لکم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام رب کی طرف سے خصوصی علم بھی لے کر آتے ہیں جس سے دوسرے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **واعلم من اللہ** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام عقائد' شریعت کے اعمال' طریقت کے اشغال سب ہی کچھ لوگوں کو بتاتے ہیں یہ

فائدہ رسالات جمع فرمانے سے حاصل ہوا مگر پہنچانے میں بقدر ظرف جیسا سیکھنے والا ویسی اس کی تعلیم۔ چوتھا فائدہ: خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو کفار پتھروں لکڑیوں کو خدا تو مان لیتے تھے مگر انسان کو نبی ماننے سے گھبراتے تھے کہتے تھے کہ نبوت اتنا اونچا درجہ ہے جسے انسان برداشت نہیں کر سکتا وہ یہ نہ سمجھے کہ الوہیت تو نبوت سے کہیں اعلیٰ ہے اور لکڑی پتھر انسانوں سے کہیں ادنیٰ تو الوہیت انہیں کیسے مل گئی۔ یہ فائدہ **او عجبتم الخ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: نبوت صرف انسان کو اور انسانوں میں بھی صرف مردوں کو عطا ہوئی کوئی جن' فرشتہ عورت کبھی نبی نہ ہوئے۔ یہ فائدہ **علی رجل منکم** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیہم** چھٹا فائدہ: نبی بشیر بھی ہوتے ہیں نذیر بھی مگر ان کی نذارت عام ہوتی ہے۔ بشارت خاص۔ یہ فائدہ **لینذر کم** سے حاصل ہوا یعنی وہ خوشخبری صرف مومنوں کو دیتے ہیں مگر ڈراتے سب کو ہیں کفار کو بھی مومنوں کو بھی۔ ساتواں فائدہ: ایمان' تقویٰ' پرہیزگاری جس کو ملتی ہے۔ نبی کے واسطے ان کے وسیلے سے ملتی ہے۔ یہ فائدہ **ولتتقوا الخ** سے حاصل ہوا۔ ان کے بغیر کوئی کچھ بھی رب سے نہیں لے سکتا۔

بے ان کے واسطے خدا کچھ عطا کرے　　　　حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نبی کے ذریعہ رحمت فرماتا ہے بلکہ وہ خود سراپا رحمت ہوتے ہیں ان سے نسل انسانی کو فخر حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ **ولعلکم ترحمون** سے حاصل ہوا ترحمون میں رحمت مطلق ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں رسالات جمع کیوں فرمایا گیا انبیاء کرام تو ایک ہی پیغام لاتے ہیں یعنی توحید کا کہ اللہ کو ایک مانو۔ **جواب**: یہ غلط ہے کہ وہ توحید کا پیغام لاتے ہیں توحید تو شیطان بھی مانتا ہے وہ حضرات کفار کے لئے ایمان کا پیغام لاتے ہیں عام مومنوں کے لئے شریعت کے سارے احکام کا ہر حکم الٰہی ان کا الگ پیغام ہے خاص مومنوں کے لئے عرفان کا' خاص الخاص کے لئے قرب رحمان کا ان میں سے ہر چیز کے لاکھوں پیغامات ہیں لہٰذا رسالات فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **رسالات ربی** کیوں ارشاد ہوا **رسالات ربکم** کیوں نہیں فرمایا گیا۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ سب بندوں کا رب ہے اس کی ربوبیت دو طرح کی ہے جسمانی اور روحانی جسمانی ربوبیت میں ماں باپ اولاد کے لئے وسیلہ ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں ماں باپ کے ذریعے سے پالتا ہے فرماتا ہے **کما ربینی صغیرا** اسی طرح روحانی ربوبیت میں امت کو بذریعہ نبی کے پالتا ہے۔ اس لئے ربی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ نبی کا رب ہے اور نبی کے توسط سے امت کا رب اسی لئے یہاں **رسالات ربی** فرمایا اور آگے **ذکر من ربکم** ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض**: ابلاغ کے بعد **انصح** کیوں فرمایا تبلیغ ہی نصیحت ہے۔ اس میں سب کچھ آ گیا۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ تبلیغ سے مراد احکام پہنچانا نصیحت سے مراد ہے احکام منوانے کی کوشش کرنا۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں **لعلکم** کیوں ارشاد ہوا۔ لعل تو شک کے لئے آتا ہے نبی کو شک کیسا۔ **جواب**: لعل فقط شک کے لئے ہی نہیں آتا یقین کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی تاکہ یہاں اسی معنی میں ہے اور اگر شک کے لئے ہو تو یہ شک ان لوگوں کے اعتبار سے ہے یعنی تم لوگ تقویٰ اختیار کرو رحمت کی آس لگا کر اس پر یقین نہ کرو کہ قبولیت خداوندی اور تمہارے حسن خاتمہ کا یقین اطاعت کرو اور ڈرو یہی ایمان کی اصل ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہ نہ سمجھو کہ نوح اور قوم نوح گزر چکے اور بس۔ اللہ کے بندے نوح بھی تم میں ہیں اور قوم نوح بھی تم میں ماننے والے اقراری بھی تم میں ہیں اور انکاری تم میں تاقیامت یہ سلسلہ قائم ہے چنانچہ روح گویا نوح ہے اور قالب و قلب اور قلب کے صفات اس کی قوم جس کی اصلاح پر نوح روح مامور ہے یونہی نفس امارہ اور صفات نفس اس قوم کے گویا سرکش سردار روح کی ڈیوٹی عبادات عبودیت طاعت ہے اور قلب و قالب و نفس کو دعوت دیتا ہے۔ نفس کی سرشت میں یہ داخل ہے کہ وہ روح کی مخالفت کرے اور اس کی نصیحت قبول نہ کرے روح نفس کو دنیا کی رغبت اس کی زینت سے برابر ڈراتی رہتی ہے نفس بزبان حال کہتی ہے کہ اے روح تجھ میں مجھ میں فرق کوئی نہیں پھر تو اللہ کی مقبول کیسے ہو گئی تو روح بزبان حال جواب دیتی ہے کہ میں تیرے لئے اللہ کی رحمت ہوں تیرے ساتھ تیری اصلاح کے لئے رہتی ہوں تاکہ تو میری اطاعت کرکے اللہ تعالٰی کی رحمت کے لائق ہو جائے قلب اور اس کے صفات نے روح کی دعوت قبول کرلی۔ غرضیکہ تبلیغ و دعوت **الی اللہ** اس کی قبولیت اس سے انکار یہ سب کچھ تیرے اندر ہو رہا ہے تو ذرا غور تو کر (روح البیان) حقیقت یہ ہے کہ سارا عالم انسان میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ذکر الٰہی یعنی وحی خدا آتی ہے رسول پر مگر آتی ہے ان کی امت کے لئے اس لئے نوح علیہ السلام نے فرمایا **جاء کم ذکر** ساتھ ہی فرمایا **علی رجل منکم** اگر امت پر براہ راست وحی آئے تو وہ ہلاک ہو جاویں وحی کا تحمل سینہ رسول کرتا ہے **لو انزلنا ھذا القران علی جبل الخ** جیسے ٹھنڈے شیشہ کے ذریعہ سورج کو دیکھا جاتا ہے۔ براہ راست آنکھ سورج کو نہیں دیکھ سکتی۔ یونہی کلام الٰہی بذریعہ نبی سنا جاتا ہے ان کا سینہ جلال ہٹا کر ہم تک پہنچاتا ہے یہ سب کچھ مومنوں کے لئے ہے۔ رہے کفار ان کے لئے نبی کی ذات گویا آتشی شیشہ ہے جو سورج کی شعاعوں کو اور تیز کرکے کپڑے کو جلا دیتا ہے یونہی کفار کے لئے یہ کلام ہلاکت و عذاب کا باعث ہو جاتا ہے چونکہ یہ دونوں جلالی و جمالی انسانوں کے لئے انسان پہنچا سکتا ہے اس لئے نبی انسان ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **علی رجل منکم** دیکھو غار ثور میں ہجرت کے موقعہ پر سکینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا مگر صدیق کے لئے آیا اگر براہ راست صدیق پر آتا تو آپ نہ رہتے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بس آخرش سب جھٹلایا انہوں نے ان نوح کو لیس نجات دیدی ہم نے انکو اور ان لوگوں کو جو ساتھ تھے انکے
تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں
بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ (۶۴)
اور غرق کردیا ہم نے ان کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک تھے وہ لوگ قوم جیتے کی چھوٹ
جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بے شک وہ اندھا گروہ تھا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی نرمی نصیحت اور اعلٰی تبلیغ اور اس کے جواب میں قوم کی سرکشی اور سختی کا ذکر تھا۔ اب اس سرکشی کے انجام کا تذکرہ ہے یعنی غرقابی کا۔ گویا بیماری کا ذکر پہلے ہوا اور بیماری کے انجام یعنی موت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ

السلام کے علم غیب کا ذکر تھا **واعلم من اللہ الخ** اور قوم کے اس کا انکار کرنے کا تذکرہ تھا اب اس غیب کی شہادت بن جانے کا تذکرہ ہے کہ جو حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کیا تھا وہ قوم کے سامنے عیاں ہو گیا جس کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں تقویٰ اور اس کے انجام یعنی رحمت خداوندی کا ذکر تھا کہ **ولتتقوا ولعلکم ترحمون** اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ انہوں نے تقویٰ اختیار نہ کیا جس کا انجام ہلاکت ہوا اور ہلاکت بھی ایسی جو آئندہ قوموں کے لئے مثالی عبرت بن گئی۔

تفسیر: **فکذبوہ** اس عبارت کے چند معنی ہو سکتے ہیں (1) قوم نے نوح علیہ السلام کو ہر طرح بہت ہی جھٹلایا اعتقاد سے بھی قول سے بھی عمل سے بھی کہ ان کے فرمان کے خلاف عقیدے اختیار کئے مخالف عمل کئے زبان سے انہیں جھوٹا کہتے رہے۔ (2) قوم انہیں جھٹلاتی رہی آخر دم تک کافر رہی۔ (3) قوم نے انہیں ہر وقت جھٹلایا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ایک بار انہیں جھٹلایا اگر ایسا ہوتا کہ ایک بار جھٹلا کر بعد میں مان لیتی تو عذاب سے بچ جاتی۔ **کذبوا** کا فاعل یا سرداران قوم ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا یا ساری کافر قوم **فکذبوہ** میں ہ فرما کر یہ بتایا کہ عذاب الٰہی نبی نوح علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے آیا' رب تعالیٰ کسی قوم کو کسی گناہ کفر کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا صرف نبی کی مخالفت پر عذاب دیتا ہے۔ **ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** جب قوم کا جھٹلانا حد سے بڑھ گیا اور آپ ساڑھے نو سو سال انہیں تبلیغ کر کے ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے اس کی ہلاکت کی بددعا کی **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** تب رب نے انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا۔ **واصنع الفلک باعیننا ووحینا** آپ نے تعلیم الٰہی کے مطابق کشتی تیار کی اور قوم کو آنے والے طوفان کی خبر دی قوم مذاق اڑانے لگی اور اس کی سرکشی اور بھی زیادہ ہو گئی عجیب عجیب طرح آپ پر آوازے کسنے لگی تو انجام یہ ہوا کہ **فانجینہ والذین معہ فی الفلک۔ انجینا** بنا ہے نجات سے نجات کے دو معنی ہیں ایک تو پھنسے ہوئے کو آفت و مصیبت سے نکال لینا جیسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا' فرماتا ہے **ونجیناہ من الغم وکذلک ننجی المومنین** دوسرے آفت میں پھنسنے نہ دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں رب نے انہیں طوفان سے صحیح و سلامت نکال لیا رب نے انہیں غرق ہونے سے بچا لیا۔ **الذین** سے مراد وہ مومنین ہیں جو طوفان سے پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے وہ کل اسی تھے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں جن میں آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سام' حام' یافث اور تین ان کی بیویاں' چوہتر دوسرے لوگ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کل نو شخص تھے تین آپ کے صاحبزادے چھ دوسرے لوگ (صاوی) **معہ** فرما کر یہ بتایا کہ صرف کشتی نے انہیں نہیں بچایا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی ہمراہی نے بچایا بلکہ کشتی کو بھی حضرت نوح علیہ السلام کی موجودگی نے بچایا ورنہ پہاڑ جیسی موج میں بڑی کشتیاں بڑے جہاز ڈوب جاتے ہیں یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ معمولی موجوں میں بہت سواریاں دست' قے' چکر میں مبتلا ہو کر بیمار ہو جاتی ہیں' بہت مر جاتی ہیں وہاں نہ کشتی ڈوبی نہ کوئی مرا نہ بیمار ہوا کشتی آسانی سے تیرتی رہی انسان و جانور بخیریت رہے یہ آپ کی ہمراہی کی برکت تھی۔ اس کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی چوڑائی پچاس ہاتھ اونچائی تیس ہاتھ اس کے تین درجے تھے نچلے درجے میں وحشی جانور تھے درمیانے درجہ میں انسان اوپر کے درجہ میں پرندے۔ آپ کشتی میں دسویں رجب کو سوار ہوئے اور دسویں محرم کو جودی پہاڑ پر اترے چھ ماہ پانی میں کشتی تیرتی رہی۔ (صاوی) **واغرقنا الذین کذبوا بایاتنا** یہ کفار کا حال ہے **الذین** سے مراد کافر انسان ہیں ان سب کی طرف نوح علیہ السلام بھیجے گئے تھے **کذبوا** کے معنی ابھی عرض کئے جا

چکے۔ آیات سے مراد یا تو حضرت نوح علیہ السلام کے صحیفوں کی آیتیں ہیں یا حضرت نوح علیہ السلام کے معجزات یا خود نوح علیہ السلام کیونکہ نبی از سر تا قدم اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہوتے ہیں **الذین کذبوا** فرما کر یہ بتایا کہ صرف جواب دینے والے سردار ہی ہلاک نہ ہوئے بلکہ وہ بھی اور ان کے ماتحت سارے کافر حتی کہ نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور ایک بیٹا کنعان بھی۔ اس ڈوبنے والی بیوی کا نام واعلہ یا والعہ تھا۔ خیال رہے کہ اسی کشتی والوں میں آپ کی اولاد کے سواء کسی کی نسل نہیں چلی لہٰذا اب دنیا میں سارے انسان آپ کی اولاد ہیں اسی لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے **انهم کانوا قوما عمین** اس عبارت میں ان کے کفر و تکذیب کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ گویا ڈوبنے کی علت اس کی وجہ اس کا جھٹلانا اور جھٹلانے کی وجہ اس قوم کا اندھا ہونا ہے۔ **عمین** کی اصل عمیس تھی یہ جمع ہے **عم** کی اس کی اصل عمی ہے بروزن **خضرا** اعمی آنکھ کا اندھا اور عم دل کا اندھا یعنی جس کی مے کی آنکھ پھوٹی ہو جیسے بصارت آنکھ کی روشنی اور بصیرت دل کی روشنی یعنی وہ دل کے اندھے تھے جس کی وجہ سے وہ توحید 'نبوت' معاش' معاد کو پہچان نہ سکے یہ اندھاپن آیات الہیہ کے دیکھنے سے مانع ہوتا ہے۔ بہت سے آنکھ کے اندھے دل کے بھلے ہوتے ہیں۔ مومن' ولی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ دل کے اندھے پن سے بچائے۔

خلاصہ ء تفسیر : نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھاتے رہے مگر وہ ہمیشہ جھٹلاتے ہی رہے اس کا انجام یہ ہوا کہ پانی کا طوفان آیا ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ جانے والوں کو غرق ہونے سے بچالیا۔ صحیح سلامت طوفان سے نکال لیا اور جو لوگ ہماری آئتیں جھٹلاتے رہے ہم نے انہیں سب کو ڈبو دیا روئے زمین پر کوئی کافر زندہ نہ بچا ان کے ڈوبنے کی وجہ ان کا کفر و انکار تھا اور کفر کی وجہ ان کے دلوں کا اندھاپن تھا۔ وہ لوگ دل کے اندھے تھے جس کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی شان نہ پہچان سکے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کے دشمنوں پر جب بھی عذاب آتا ہے تو نبیوں ولیوں کو جھٹلانے ان کی بددعا لینے سے آتا ہے۔ یہ فائدہ **فکذبوہ** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو فرعون برسوں تک دعویٰ خدائی کرتا رہا نبی اسرائیل کے بچے ذبح کراتا رہا مگر نہ ہلاک ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی بددعا لی تب ہلاک ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دل صاحب دلے نہ آمد بدرد

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی ہمراہی مصیبتوں سے بچالیتی ہے بیڑا پار لگا دیتی ہے۔ جو دین و دنیا کی آفتوں سے بچنا چاہے وہ مقبولوں کا ساتھ اختیار کرے۔ یہ فائدہ **والذین معه** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کا دامن جانوروں کے لئے بھی پناہ ہے دیکھو کشتی نوح علیہ السلام گویا حضرت نوح کا حرم تھی۔ جانور اس میں آگئے عذاب سے بچ گئے آج کعبہ کے حرم میں انسان جانور حتی کہ خود درختوں کو امن ہے **من دخله کان امنا** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے جہان میں ہے کہ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذاب الٰہی سے بچی ہوئی ہے اگرچہ گناہ کر رہی ہے۔ جو انسان نبی کو دار الامان نہ مانے وہ جانور سے بدتر ہے۔ دیکھو قوم نوح کے کفار کشتی سے دور رہے غرق ہو گئے کافر جانوروں سے بدتر ہے **اولئک هم شر البریه**۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان کے بغیر نبی کا بیٹا ہونا نبی کی بیوی ہونا نبی کا رشتہ دار ہونا بالکل بیکار ہے یہ رشتے اسے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ آپ کی بیوی بیٹا آپ کو جھٹلاتے رہے ڈوب گئے۔

پانچواں فائدہ: ایمان کے بغیر نبی کے ساتھ گھر میں رہنا عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہ فائدہ **والذین معہ فی الفلک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں رہے وہ ڈوب گئے کیونکہ کافر تھے۔ جو لوگ آپ کے ساتھ کشتی میں رہے بچ گئے کیونکہ وہ مومن تھے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کی سب سے بڑی نعمت اچھوں کا ساتھ ہے کہ اس سے آفتیں ٹلتی ہیں۔ اللہ کی رحمت ملتی ہے بلکہ ان کے پاس خود اللہ مل جاتا ہے یہاں ارشاد ہوا۔ **والذین معہ فی الفلک** دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **لوجدوا اللہ توابا رحیما**۔ **ساتواں فائدہ:** دل کا اندھاپن جس سے حق و باطل کی پہچان نہ رہے اللہ کا بڑا غضب ہے اس سے بڑے بڑے عذاب آچکے ہیں۔ یہ فائدہ **کانوا قوما عمین** سے حاصل ہوا۔ نابینا عبداللہ بن ام مکتوم صحابی بن گئے کیونکہ وہ دل کے انکھیارے تھے مگر آنکھ والا ابوجہل زندیق ہی رہا کیونکہ وہ دل کا اندھا تھا۔

پہلا اعتراض: طوفان نوحی اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا تو اس عذاب میں خود نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنوں کو کیوں مبتلا رکھا گیا وہاں سے انہیں پہلے ہی نکال کیوں نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ دوسرے نبیوں کو ان کی کافر امتوں پر عذاب آنے سے پہلے نکال دیا گیا تھا۔ یہ لوگ چھ ماہ تک کشتی میں کیوں سرگرداں رہے۔ **جواب:** دیگر انبیاء کرام کی امتوں پر عذاب زمین کے کسی خاص حصے میں آئے وہاں سے ان حضرات کو نکال کر کشتی میں پہنچا دیا گیا یہ بھی نکالنے کی ایک صورت تھی اسی لئے یہاں **انجینا** ارشاد ہوا۔ جس کے ایک معنی ہیں ہم نے انہیں محفوظ رکھا۔ طوفان میں ڈوبنا عذاب تھا اس میں ترنا اللہ کی رحمت تھی یہ طوفان کفار کے لئے عذاب، مومنین کے لئے رحمت تھا دیکھو قحط یوسفی تمام جہان میں پھیلا اور آپ اس زمانہ میں بھوکوں کے مشکل کشا ہوئے۔ سب کے پیٹ آپ کے ہاں بھرتے رہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **والذین معہ** کیوں ارشاد ہوا **والذین امنوا** کیوں ارشاد نہ ہوا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ مومنین بھی اللہ کے عذاب سے نبی کی ہمراہی کی وجہ سے بچے صرف اپنے کمال سے نہ بچے نہ صرف کشتی سے بچے بلکہ یوں کہو کہ کشتی بھی حضرت نوح علیہ السلام کی برکت سے بچی وہ ہلاک نہ ہو گئی دوسرے یہ کہ صرف انسان ہی نہیں۔ بلکہ سارے خشکی کے جانور بھی اس دن آپ کی ہمراہی کی وجہ سے بچ سکے یہ بات **والذین امنوا** فرمانے سے حاصل نہ ہوئی۔ **تیسرا اعتراض:** قوم نوح کے کفار اندھے تو نہ تھے۔ آنکھوں والے تھے پھر انہیں قوم عمین کیوں فرمایا۔ قرآن کریم تو جھوٹ سے پاک ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں آنکھ کے اندھے مراد نہیں بلکہ دل کے اندھے مراد ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** اس وجہ سے عمیاء نہ فرمایا بلکہ عمی فرمایا۔ **اعمی** اور **عمی** کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔

تفسیر صوفیانہ: اس سے پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ صوفیاء کے نزدیک روح انسان گویا نوح ہے اور قلب اور اس کی صفات گویا نوح کی مومن قوم ہے نفس اور اس کے عیوب گویا کافر قوم ان کے نزدیک دنیا اور یہاں کی لذتیں طوفان نوح ہیں شریعت گویا کشتی نوح ہے۔ نفس اور نفسانی لوگ جو اس کشتی شریعت سے الگ رہتے ہیں۔ وہ دنیا اور یہاں کی لذات میں غرق ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ روحانی لوگ اس کشتی میں سوار ہو کر دنیا کی ہلاکت سے بچ جاتے ہیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہیں۔ دنیا ان میں نہیں رہتی دیکھو مومنین نوح بھی پانی ہی میں تھے اور کفار بھی مگر فرق یہ تھا کہ مومنین پانی میں تھے۔ پانی ان میں نہ تھا کفار میں پانی تھا۔ جس سے وہ ڈوب گئے۔ صوفیاء کے ہاں جو آنکھ نبی کی شان نہ دیکھے وہ اندھی ہے اگرچہ اور سب چیزیں دیکھے اور جو آنکھ ان کی

شان دیکھ سکے وہ روشن ہے۔ اگرچہ اور چیز نہ دیکھے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ وے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد!

صائب کہتے ہیں کہ۔

دل چو بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست!

اگر دل روشن ہو تو آنکھ کے اندھیرے کی پرواہ نہیں۔ آئینہ خانہ میں روشنی کسی روزن سے نہیں آتی ہر طرف سے آتی ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا

اور بھیجا ہم نے طرف عاد کے انکے بھائی ہود کو۔ فرمایا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے کوئی معبود

اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ

سوا اسکے کیا پس نہیں ڈرتے تم لوگ کہا اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا ان کی قوم میں سے بیشک ہم البتہ دیکھتے ہیں تم کو بے عقلی میں

معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک

اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

اور بے شک ہم البتہ گمان کرتے ہیں تم کو جھوٹوں میں سے فرمایا اے قوم میری نہیں ہے مجھ میں بے عقلی اور لیکن میں پیغمبر

ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں کہا اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

ہوں طرف سے جہانوں کے پالنے والے کے

تو پروردگار عالم کا رسول ہوں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اس پہلی کافر قوم کا ذکر ہوا جس پر دنیا میں پہلا عذاب آیا تھا یعنی قوم نوح علیہ السلام اب دوسری اس کافر قوم کا ذکر ہے۔ جس پر ثانوی طور پر عذاب آیا یعنی ہود علیہ السلام گویا بے مثال عذاب کے بعد مثالی عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس قوم کا ذکر تھا۔ جس نے کبھی خدا کا عذاب نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا اب اس قوم کا ذکر ہے۔ جس نے قوم نوح کا عذاب اچھی طرح سن لیا تھا بلکہ اس کے اثرات بھی دیکھ لیے تھے تاکہ پتہ لگے کہ بد قسمت قوم مثالی عذاب سن کر بھی نہیں سنبھلتی۔ یہ تو اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عالمگیر عذاب کا ذکر تھا یعنی طوفان نوحی کا جو ساری روئے زمین پر آیا اب ہوا کے طوفان عذاب کا ذکر ہے جو صرف یمن کے علاقہ میں قوم عاد پر آیا۔ گویا عام عذاب کے بعد خاص عذاب کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: **والی عاد** یہ عبارت یا معطوف ہے **لقد ارسلنا نوحا الی قومہ** پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے اس صورت میں **الی** سے پہلے **ارسلنا** پوشیدہ ہے۔ عاد یا تو ایک بادشاہ کا نام تھا اس کی رعایا کو بھی عاد کہا جانے لگا (روح البیان) یا عاد ایک شخص کا نام تھا جس کی اولاد کو عاد کہا جاتا تھا۔ بہر حال یہ شخص عاد ابن عوص ابن سام ابن نوح علیہ السلام ہے۔ یہ قوم یمن اور عمان کے درمیان علاقہ احقاف میں آباد تھی بلکہ احقاف یمن ہی کا حصہ تھا قوم نوح کی ہلاکت میں اور اس میں ایک سو سال کا فاصلہ تھا اس قوم کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور قوم صالح علیہ السلام یعنی ثمود کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے (صاوی) **اخاھم ھود** قرآنی اصطلاح میں لفظ اخ چھ معنی میں استعمال ہوتا ہے نسبی بھائی' قومی خاندانی بھائی' ہم وطن' ہم مذہب' ہم خیال' ہم جنس' آخری چھٹے معنی سے ہر انسان اخ یعنی ہم جنس ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اس آیت میں اخت بمعنی ہم مذہب ہیں ہر کافر کافر کا اخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارے اخ نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ یہاں اخ سے مراد دینی مذہبی بھائی نہیں کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام مومن بلکہ مومن گر ایمان بخش تھے اور قوم عاد کافر تھی۔ اب یا تو مراد ہے ہم جنسی یعنی ہم نے قوم عاد کے پاس کوئی فرشتہ یا جن نبی بنا کر نہ بھیجا بلکہ ہم جنس انسان کو بھیجا جو انہیں تبلیغ کر سکے یا ہم قوم ہم نسب مراد ہے کیونکہ آپ قوم عاد کے قبیلہ سے تھے آپ کا نسب یا تو یہ ہے۔ ہود ابن عبداللہ' ابن رباح' ابن خلود' ابن عاد' ابن عوص' ابن ارم' ابن سام' ابن نوح ہیں تو آپ عاد میں اس قوم سے ملتے ہیں یا آپ کا نسب یہ ہے ہود ابن شالخ ابن ارفخشد' ابن سام' ابن نوح علیہ السلام۔ اس صورت میں آپ سام میں اس قوم سے جا ملتے ہیں (صاوی)' خازن' کبیر وغیرہ) ہود علیہ السلام نوح علیہ السلام سے آٹھ سو برس بعد پیدا ہوئے اور آپ کی عمر شریف چار سو چونسٹھ سال ہوئی (صاوی) خیال رہے: کہ یہاں **اخاھم** اس لئے فرمایا تاکہ بتایا جاوے کہ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد سے ہی تھے۔ چونکہ ہم قوم اپنی قوم کو تبلیغ اچھی طرح کر سکتا ہے اس لئے ہم نے ان کا انتخاب فرمایا ورنہ کسی امتی کو انہیں بھائی کہہ کر پکارنے کی شرعی اجازت نہ تھی۔ **قال یا قوم اعبدوا اللہ** اس کی تفسیر ابھی گزر چکی۔ فرق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں تھا۔ **فقال** اور یہاں ہے **قال** بغیر **ف** کے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام بہت مبالغہ سے تبلیغ فرماتے تھے۔ ان کے شبہات کا جواب دینے میں ایک لحظہ کی دیر بھی نہیں لگاتے تھے۔ یہ نوعیت حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ میں نہ تھی اس لئے وہاں **فقال ف** سے ارشاد ہوا کہ آپ ان کی ہر بات کا فوراً جواب دیتے تھے (معانی۔ کبیر وغیرہ) عبادت سے مراد یا تو دلی عبادت ہے یعنی ایمان قبول کرنا یا بدنی عبادت ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں رب تعالیٰ کا نام اللہ ہی تھا یا نام کچھ اور تھا اللہ اس کا عربی ترجمہ ہے **مالکم من الہ غیرہ** یہ فرمان عالی دلیل ہے **اعبدوا اللہ** کی یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا سچا الہ کوئی نہیں لہذا تم سب صرف اس کی معبودیت پر ایمان لاؤ اس کی عبادت کرو۔ ہم یہ بات بارہا کہہ چکے ہیں کہ اطاعت عام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی' نبی کی' علماء دین کی' بادشاہ اسلام کی سب کی ہو سکتی ہے مگر عبادت' سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی نہیں ہو سکتی اس طرح اتباع نہ تو اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے نہ بادشاہ عالم وغیرہ کی وہ صرف نبی کی ہو گی **فاتبعونی** اس لئے یہاں **مالکم** فرمانا درست ہے **افلا تتقون** چونکہ نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے عذاب الٰہی دنیا میں نہیں آیا تھا اس لئے وہاں **انی اخاف علیکم** ارشاد ہوا تھا اور اس قوم عاد سے پہلے قوم نوح غرق ہو چکی تھی اس قوم کا عذاب دنیا میں مشہور تھا اس لئے یہاں **افلا تتقون** ارشاد ہوا۔ تقویٰ سے مراد ہے ڈرنا یعنی تو کیا تم کو قوم نوح کا عذاب معلوم نہیں کیا تم اس عذاب سے ڈرتے نہیں

اگر تم بھی اس قوم کے سے اعمال کروگے تو تم پر بھی عذاب الٰہی آجاوے گا **قال الملا الذین کفروا من قومہ** یہ اس قوم کے سرداروں کا جواب ہے چونکہ نوح علیہ السلام پر کوئی کافر سردار ایمان نہیں لایا سارے کافر رہے اس لئے وہاں **قال الملا من قومہ** ارشاد ہوا تھا۔ مگر ہود علیہ السلام کی قوم کے بعض سردار آپ پر ایمان لے آئے تھے جیسے مرثد ابن سعد جو خفیہ طور پر آپ پر ایمان لاچکا تھا اور دوسرے سردار اس لئے یہاں **قال الملا الذین کفروا** ارشاد ہوا یعنی کافر سرداروں نے آپ کو یہ جواب دیا مومن سرداروں کا یہ جواب نہیں (کبیرو معانی وغیرہ) یہ مرثد ابن سعد اس جماعت میں تھا جو مکہ معظمہ میں بارش کی دعا کرنے آئی تھی جس کا قصہ آگے آرہا ہے۔ **انا لنراک فی سفاہتہ** نرا بنا ہے روایت سے روایت سے مراد ہے یا تو آنکھ کا دیکھنا ہے یا دل کا دیکھنا یعنی سمجھنا سفاہتہ بنا ہے سفہ یا سفاہتہ سے اس کی تحقیق پارہ **الم** میں **کما من السفہاء** کی تفسیر میں ہو چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ قوم نوح علیہ السلام نے ان کو **فی ضلالتہ** کہا تھا کیونکہ آپ بغیر بارش طوفان کے کشتی بنا رہے تھے۔ بت ہی مشقت سے تو وہ ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کیسے بے عقل لوگوں کے سے کام کر رہے ہیں کہ خشک علاقہ میں کشتی بنا رہے ہیں قوم عاد نے حضرت ہود سے کوئی ایسا کام نہ دیکھا تھا جو ان کی عقل سے وراء ہوتا اس لئے انہوں نے **فی سفاہتہ** کہا گویا **ضلالتہ** کے معنی ہیں خلاف عقل کام کرنا اور سفاہت کے معنی ہیں بے عقل ہونا کوئی کام نہ کرنا۔ نیز چونکہ ہود علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو بے وقوف فرمایا اس لئے انہوں نے بھی بدلہ لیتے ہوئے **فی سفاہتہ** کہا (تفسیر کبیرو خازن) انہوں نے آپ کو سفیہ اس لئے کہا کہ آپ نے فرمایا صرف ایک خدا کی عبادت کرو معبود صرف ایک ہے وہ سمجھے کہ جب خدمت 'اطاعت بت کی ہو سکتی ہے تو عبادت بھی بت کی ہو سکتی ہے۔ جب مخدوم و مطاع بت ہو سکتے ہیں تو معبود بھی بت ہو سکتے ہیں **اجعل الالہتہ الٰھا واحدا** ہم ماں باپ حاکم سلطان چودھری نمبردار کے خادم ہو سکتے ہیں تو بت سے بتوں کے عابد بھی ان کا یہ کہنا کہ معبود صرف ایک ہے دیوانگی ہے اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں آوے گا **وانا لنظنک من الکذبین** یہ ان کی کافر قوم کا دوسرا جواب ہے یہاں ظن یا تو بمعنی یقین ہے یا بمعنی شبہ و گمان قرآن مجید میں ظن بمعنی یقین بھی آیا ہے' فرماتا ہے **الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم** یعنی آپ ہیں تو سفیہ اور بے عقل مگر کہتے ہیں اپنے کو اللہ کا رسول و نبی ہوں۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں یا ہمارا خیال تو یہ پڑتا ہے کہ آپ سچے نہیں جھوٹے ہیں جیسے اور لوگ ہوتے ہیں کچھ نہیں مگر بنتے ہیں سب کچھ وہ جھوٹے ہوتے ہیں ان میں سے آپ بھی ایک ہیں نعوذ باللہ (تفسیر کبیر وغیرہ) **یقوم لیس بی سفاہتہ** یہ حضرت ہود علیہ السلام کا وہ حکیمانہ جواب ہے جو آپ نے نہایت تحمل اور بردباری سے اپنی قوم کو دیا آپ نے انہیں گالی کے جواب میں گالی نہیں دی بلکہ پھر بھی یا قوم کہہ کر پکارا اور فرمایا کہ سفیہ بیوقوف تو وہ ہوتا ہے جو نرا بے عقل ہو مجھ میں بے عقلی کا شائبہ بھی نہیں اللہ نے مجھے کامل العقل بنایا ہے اس لئے **سفاہتہ** نکرہ ارشاد ہوا نبی کی عقل تمام دنیا کی مجموعی عقل سے زیادہ ہوتی ہے **ولکنی رسول من رب العلمین** یہ گویا پہلے جملہ کی وجہ ہے یعنی مجھ میں بے عقلی بالکل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اللہ کے رسول میں بے عقلی ہو سکتی ہی نہیں ان سے روحانی دنیا کا نظام قائم ہے اگر وہی بے عقل ہوں تو اس دنیا کو کون سنبھالے رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ میری نبوت تمہارے لئے اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہے رب وہ جو جسم کو ظاہری غذاؤں کے ذریعہ پالے اور روح کو روحانی غذاؤں کے ذریعہ پالے روحانی غذائیں بذریعہ رسول کے ہی تو بھیجی جاتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب آپ قوم نوح کے کرتوت اور ان کا انجام تو سن چکے اب ان کے بعد والی قوم کا حال سنئے کہ ہم نے ان کی طرف انہیں کی قوم انہیں کی نسل انہیں کی برادری میں سے ایک رسول بھیجے ہود علیہ السلام انہوں نے بھی اپنی قوم کو یہ ہی دعوت دی کہ نہایت نرمی سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ پر میری معرفت ایمان لاؤ صرف اس کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سواء معبود حقیقی سچا الہ کوئی نہیں تم قوم نوح کا انجام تو سن چکے ہو طوفان نوحی کی علامات دیکھتے ہو تو تم ڈرتے کیوں نہیں ان کی جماعت کے بعض سردار تو ایمان لائے بعض کافر رہے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو آپ کو بڑی بھاری بے وقوفی بے عقلی میں دیکھتے ہیں آپ بڑے بے عقل ہیں ہم کو یقین ہے کہ آپ جو اپنے کو اللہ کا رسول کہتے ہیں جھوٹ کہتے ہیں بھلا ایک خدا اسارا جہان کیسے سنبھال سکتا ہے اور وہ ایک غریب آدمی کو نبی کیسے بنا سکتا ہے آپ نے پھر نہایت نرمی سے جواب دیا کہ اے میری قوم مجھے بے وقوفی بے عقلی سے دور کا تعلق بھی نہیں میں تو اللہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ رسول اللہ اول درجے کے عقل والے ہوتے ہیں کہ ان سے ایک دنیا کا نظام قائم ہوتا ہے اگر ستون کمزور ہو تو چھت قائم نہیں رہ سکتی اگر ریل کا ڈرائیور بے عقل ہو تو وہ کبھی منزل مقصود پر گاڑی کو نہیں پہنچا سکتا تو دیوانہ بے عقل رسول مخلوق کو خدا تک کیسے پہنچا سکتا ہے۔ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ کلام ہے۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی رشتوں میں دو رشتے ایسے ہیں جن میں تعدد کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ تمام رشتوں کی جڑ ہیں وہ رشتے باپ اور ماں کے ہیں کوئی شخص دو باپ یا دو ماں کا بیٹا نہیں ہو سکتا ماں باپ ہی تمام رشتوں کی جڑ ہیں کہ ان کے بھائی چچا ماموں میں ان کے باپ دادا یا نانا ہیں ان کی ماں دادی یا نانی ہیں باقی رشتے تعدد برداشت کر لیتے ہیں کیونکہ وہ شاخیں ہیں ہمارے بھائی بہن چچا' تائے' خالہ' پھوپھی بہت سے ہو سکتے ہیں یونہی ہمارے مخدوم و مطاع بہت ہو سکتے ہیں مگر خدا اور نبی ایک ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے رشتہ ہزار ہا رشتوں کی جڑ ہے کہ اللہ کے سارے نبی ہمارے محترم اس کے سارے فرشتے ہمارے محترم ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اولیاء سارے علماء ہمارے مخدوم ہیں جڑ ایک ہی ہوتی ہے شاخیں بہت ہو سکتی ہیں لہٰذا لیاگل وہ لوگ تھے نہ کہ نبی۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حتی الامکان تبلیغ نرمی سے کی جاوے کہ اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **یقوم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے ایسی جابر قوم کو اپنی قوم کہہ کر پکارا تاکہ جب وہ میری نرمی سے میری طرف آجاویں گے تو ان کی اصلاح آسان ہو گی مبلغین کو ایسے اخلاق اختیار کرنے چاہئیں۔ دوسرا فائدہ: لوگوں کو رب تعالیٰ کے عذاب یاد دلانا چاہئیں گزشتہ سرکش قوموں کے انجام کی طرف توجہ دلانا چاہئے تاکہ ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو اور ایمان اختیار کریں۔ یہ فائدہ **افلا تتقون** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: نبی کو کم عقل یونہی انہیں کم علم سمجھنا یا کہنا ان کی عقل کو کسی سے کم جاننا ان کا علم کسی سے کم ماننا بے دینی ہے وہ حضرات علم و فضل کے اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **لنراک فی سفاھۃ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے قوم عاد کے کفریات میں اسے شمار فرمایا کہ اس قوم نے ہود علیہ السلام سے زیادہ عقلمند سمجھا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو شیطان یا ملک الموت کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کہتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: نبی کی حقانیت میں شک کرنا ان کے کسی قول و فعل کو مشکوک نگاہ سے دیکھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ **لنظنک من الکاذبین** کی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ظن معنی تردد و شک ہو ان حضرات کی ہر بات یقیناً سچی ہے وہ حق و صدق کا مرکز ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی پھٹکار ہوتی ہے وہ اپنی بد کرداریوں کو حق اور

اللہ والوں کی نیکیوں کو باطل سمجھنے لگتا ہے۔ یہ فائدہ لنظنک کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ظن بمعنی یقین ہو کہ وہ کفار تھے خود جھوٹے مگر سچے نبی کے جھوٹ پر یقین رکھتے تھے۔ یہ ہے اللہ کی مار ایسے شخص کی ہدایت ناممکن ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ایسا ہی ناممکن محال بالذات ہے جیسے خدا کا شریک کیونکہ جیسے الوہیت خالقیت ازلیت ایسی صفات ہیں جن میں تعدد ناممکن ہے ایسے ہی اولیت آخریت اصلیت عالم شفاعت کبری ایسی صفات وحدت ہیں ان میں تعدد کی گنجائش نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق ہیں آخری نبی ہیں رحمت عالمین ہیں شفیع المذنبین ہیں اگر کوئی اور بھی ان صفات سے موصوف ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اول سب سے آخر سب کے لئے رحمت سب کے شفیع نہ رہیں۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

منزه عن شريك في محاسنه فجوهر الحسن فيه غير منقسم

ساتواں فائدہ: انبیاء اولیاء مشکل کشا، حاجت روا، حاضر، ناظر ہو سکتے ہیں کہ یہ صفات تعدد کے خلاف نہیں ان میں تعدد ہو سکتا ہے وحدت لازم نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی ہمیشہ جنون، دیوانگی عقل کی کمی پاگل پن سے محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **ليس بى سفاهة** میں سفاہتہ کے نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** نبوت اور کم عقلی کبھی جمع نہیں ہو سکتیں جیسے نور اور تاریکی، علم و جہالت، ٹھنڈک اور گرمی جمع نہیں ہو سکتیں یہ فائدہ **ولكنى رسول** میں لکنی فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو علم بلاغت و معانی۔ **مسئلہ:** تمام دنیا کی عقلیں نبی کی عقل کی نسبت سے ایسی ہیں جیسے پانی کا قطرہ سمندر کی نسبت سے اور تمام رسولوں کی عقلیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کی نسبت سے ایسی ہیں جیسے پانی کا قطرہ سمندر کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عاقل عالم اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں فرمایا (عقائد)۔

انہیں اللہ نے اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں سے حسین ہو کر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے مومن کی عقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں **اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله** مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ عالم روحانیت ان سے قائم ہے اگر وہ بھٹک جاویں تو دنیا گمراہ ہو جاوے۔ رب فرماتا ہے **الله يعلم حيث يجعل رسالته** **دسواں فائدہ:** اپنی ذات سے کفار کے طعن دور کرنا اللہ کی نعمتیں جو اس نے اپنے کو دی ہیں انہیں ظاہر کرنا سنت انبیاء ہے۔ یہ فائدہ **ليس بى الخ** اور **لكنى الخ** سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی صفائی نہایت شاندار طریقہ سے بیان فرمائی اور وہ کیوں بیان نہ کریں کہ انہیں کے ذات و صفات ماننے کا نام تو ایمان ہے اگر وہ اپنے اوصاف خود بیان نہ فرماویں تو ہم جیسوں کو ایمان کیسے ملے۔ **گیارہواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کی شان سے اللہ کی شان ظاہر ہوتی ہے ان کی نبوت رب کی الوہیت کی مظہر ہوتی ہے انہیں پہچانو پھر کہہ کہ اے مولیٰ تو کیسا ہوگا۔ جب تو نے اپنے بندے ایسے بنادیئے۔ یہ فائدہ **من رب العالمين** فرمانے سے معلوم ہوا فرماتے ہیں **من رانى فقد را الحق** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار آئینہ حسن یار ہے۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جاں تاکہ جان جہاں آکھاں
سچ آکھاں تو رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

پہلا اعتراض: حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے نبیوں نے اپنے فضائل خود اپنی زبان سے کیوں بیان کئے یہ تو شیخی اور خود ستائی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تزکوا انفسکم** اپنی صفائی خود بیان نہ کرو؟ **جواب:** اپنی تعریف کرنے کی چار صورتیں ہیں اپنی شیخی فخر بڑائی تکبر کے لئے بیان کرنا یہ حرام ہے تمہاری پیش کردہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ دوسرے رب کی نعمت کا اظہار شکر کے لئے یہ ثواب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واما بنعمة ربک فحدث** تیسرے لوگوں کو ایمان دینے کے لئے چنانچہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے صفات خود بیان کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوصاف خود بیان کئے ورنہ ہم کو پتہ کیسے لگتا کہ رب تعالیٰ کی شان کیا اس کے نبی کی کیا شان ہے اور ہم مسلمان کیسے بنتے یہ ہے تبلیغ۔ چوتھے لوگوں کی جان بچانے دنیا کا نظام قائم کرنے کے لئے یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا کہ خزانوں کا حاکم مجھے بنا۔ **انی حفیظ علیم** میں حفاظت والا بھی ہوں علم والا بھی تاکہ یہ بڑا کام کسی نااہل کے پاس نہ پہنچے اور قحط سالی میں لوگ بھوکے نہ مرجائیں۔ حضرات انبیاء کے یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے شکر اور اپنی قوم کو ایمان دینے کے لئے ہیں کہ مجھے جھوٹا یا دیوانہ نہ کہو اس سے تم کو ایمان نہیں بلکہ کفر ملے گا۔ مجھے رسول ناصح امین کہو اس سے تمہیں ایمان ملے گا۔ **دوسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **انی اخاف علیکم** الخ اور ہود علیہ السلام نے فرمایا **افلا تتقون**۔ دونوں بزرگ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں مگر ڈرانے کی نوعیت میں فرق ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا قوم نوح سے پہلے عذاب الٰہی کی دنیا میں کوئی مثال قائم نہیں ہوئی تھی وہ رب کا دنیا میں پہلا عذاب تھا اس لئے آپ نے **انی اخاف** فرمایا کہ مجھے تم پر عذاب آجانے کا خوف ہے مگر قوم عاد سے پہلے طوفان نوحی آچکا تھا۔ عذاب کی مثال قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ نے **افلا تتقون** فرمایا کہ تم وہ عذاب یاد کر کے ڈرتے کیوں نہیں نبی کی نظر غیب پر ہوتی ہے لوگوں کی نظر شہود پر اس لئے نوح علیہ السلام نے اپنے خوف کا ذکر کیا اور ہود علیہ السلام نے قوم کو خوف کرنے کا حکم دیا۔ **تیسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **قال الملا من قومه** وہاں **کفروا** نہیں ہے مگر ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد ہوا **قال الملا الذین کفروا من قومه** یہاں کفروا بھی ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں گزرا کہ نوح علیہ السلام پر کوئی کافر سردار ایمان نہیں لایا ان سے سارے سرداروں نے یہ بیہودہ گفتگو کی مگر ہود علیہ السلام پر بعض سرداران کفر ایمان لاچکے تھے انہوں نے تو آپ کا احترام کیا مگر کفار سرداروں نے یہ جہالت کا جواب دیا۔ **چوتھا اعتراض:** قوم نوح علیہ السلام نے آپ کو فی ضلال مبین کہا۔ اور قوم ہود علیہ السلام نے آپ کو کہا **فی سفاهة** اس فرق کلام کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** عقل ہو مگر اوندھا کام کرے یہ ہے ضلالتہ یعنی گمراہی اور عقل ہو ہی نہیں جس سے نہ وہ درست کام کرے نہ غلط یہ ہے **سفاهت** نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے بہت سے اعلیٰ کام کرتے دیکھا تو بولے آپ میں عقل تو ہے مگر آپ کی عقل کام غلط کرتی ہے اس لئے انہوں نے کہا **فی ضلال مبین** مگر ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے کشتی وغیرہ بناتے نہ دیکھا مگر ان کے وعظ تعلیم کو اپنی عقل کے خلاف سمجھا اس لئے آپ کو سفیہ کہہ دیا نعوذ باللہ۔ **پانچواں اعتراض:** ہود علیہ السلام نے اپنی پہلی تبلیغ میں صرف رب کا ذکر کیا کہ فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر قوم نے آپ کو دو عیب لگائے کم عقلی جھوٹ انہوں نے رب کا ذکر بھی نہیں کیا اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ تمام عقائد و اعمال نبی کی زبان سے لوگوں کو ملتے ہیں اگر وہی غلط گو ہوں تو سارے ایمانیات ختم ہو گئے سارے ایمانیات توحید کتاب اللہ احکام شرعیہ کلام میں نہیں۔ متکلم کلام کا سچا جھوٹا ہونا متکلم کے سچے جھوٹے ہونے پر

موقوف۔ سچے تو ان کی ہر بات سچی ورنہ کچھ بھی سچا نہیں۔ قرآن کے لئے صحابہ کرام کو سچا ماننا بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے احکام کا نزول ان کے ذریعہ سے ہوا آیات قرآنیہ ان کے سینوں سے دنیا کو ملیں۔ چھٹا اعتراض: قوم عاد نے کہا تھا **انا لنراک فی سفاهتہ** اس کے جواب میں آپ نے فرمایا **لیس بی سفاهتہ** دونوں جگہ **سفاهتہ** یکساں ہے یعنی نکرہ مگر وہاں فی ہے اور آپ کے جواب میں بی ہے اس میں کیا فرق ہے نہ تو قوم نے کہا **انت سفیہ** اور نہ آپ نے فرمایا **لست سفیھا** میں کم عقل نہیں۔ جواب: کفار کے کلام میں **سفاهتہ** معنی بڑی ہی کم عقلی ہے یعنی تنوین عظمت کی ہے اور فی بول کر انہوں نے کہا کہ آپ بڑی بھاری کم عقلی میں ایسے پھنسے ہیں جیسے آدمی دلدل میں جہاں سے وہ نکل سکتا ہی نہیں آپ کے تمام قول، عمل، فعل سب کم عقلی کے ہیں آپ اس صورت سے اس سے نکل سکتے ہی نہیں اور حضرت ہود علیہ السلام کے فرمان عالی میں **سفاهتہ** کے معنی ہیں ہلکی سی معمولی کم عقلی یعنی تنوین تحقیری ہے اور بی فرما کر یہ بتایا کہ مجھے ہلکی سی کم عقلی نے چھوا تک نہیں آپ نے ان بدنصیبوں کے کلام کی نہایت شاندار تردید فرمائی لہٰذا فرق بالکل ظاہر ہے۔ یہ خوبی **لست سفیہ** فرمانے سے حاصل نہ ہوتی۔ ساتواں اعتراض: یہاں آپ نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ مختصر یہ تھا کہ اللہ کا رسول ہوں اس طویل کلام میں کیا حکمت ہے۔ جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حضرات انبیاء کرام کی نبوت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کے لئے ایمان، عرفان، ایقان کی روزیاں لے کر آتے ہیں۔ جن سے ان کی روحانی پرورش ہوتی ہے اس لئے فرمایا وہ ہے رب العالمین اور میں ہوں رسول رب العالمین اس کی ربوبیت کا تقاضہ یہ تھا کہ مجھے رسول بنا کر تم میں بھیجے۔ آٹھواں اعتراض: تم نے کہا کہ نہ تو بندوں کے رب دو ہو سکتے ہیں نہ امت کے نبی دو ہوں رب بھی ایک نبی بھی ایک مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت دفعہ بیک وقت بہت سے نبی ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ لوط علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون جناب سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ہزار نبی تھے۔ پھر تمہاری یہ بات کیسے درست ہوئی۔ جواب: اگرچہ نبی ایک وقت میں بہت ہوں مگر امت ایک ہی نبی کی ہوگی باقی دوسرے نبی وزیر ہوں گے چنانچہ اس وقت لوگ ملت ابراہیمی میں تھے نہ کہ ملت لوط علیہ السلام میں یا لوگ دین موسوی میں تھے نہ کہ دین ہارونی میں اللہ کا نبی ہونا اور بات ہے ہمارا نبی ہونا دوسری بات سارے نبی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمارے نبی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہم ان ہی کی امت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے جس میں انسان گویا بکریاں ہیں شیطان اور شیطانی لوگ بھیڑیئے جو ہر وقت ان کے شکار کی فکر میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے نبی بھیجے۔ جنہوں نے دین کے مضبوط قلعے بنائے ان قلعوں کی بنیاد درست عقائد ہے اور ان کی ستون وچھت نیک اعمال ہیں ان حضرات انبیاء کرام کی وہاں نگرانی ہے علماء اولیاء صالحین کا حفاظتی پہرہ جو ان حضرات کی دعوت پر اس قلعہ میں آ گیا شکار سے محفوظ ہو گیا اور جو ان سے سرتابی کر کے الگ رہا شکار ہو گیا امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا۔

احل امتہ فی حرز ملتہ کاللیث یحل بالاشبال فی الاجم

ہود علیہ السلام نے کفار کو اسی قلعہ کی طرف دعوت دی کہ فرمایا ایک اللہ کو اپنا معبود مانو اس کی عبادت کرو یہ عقیدہ اور اعمال ربانی مضبوط قلعہ ہے جن کی شامت آئی تھی وہ بجائے حفاظت میں آنے کے انہیں جھٹلانے لگے اور خوش نصیب خوشی خوشی آپ کی

حفاظت میں آگئے آپ نے جھٹلانے والوں کو نرمی سے پھر بلایا فرمایا مجھے دیوانہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو اپنے بچاؤ کی فکر کرو میں تمہارے رب کا فرستادہ پیغمبر ہوں اس نے تم پر مہربانی فرماتے ہوئے مجھے تمہارا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ خیال رہے کہ گزشتہ نبیوں نے اپنی تبلیغ کی ابتداء ذکر الٰہی سے کی مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ابتداء اپنی نعت سے کی کہ فرمایا' **کیف انا فیکم** کہ جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا پہلے ہی اقرار کر چکے تو پھر کس منہ سے آپ کی گستاخی کریں گے نعت رسول حمد الٰہی سے پہلے ہے سواری پہلے ہے۔ منزل پہ پہنچنا بعد میں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

پہنچاتا ہوں میں تم تک پیغامات رب کے اپنے اور میں واسطے تمہارے خیر خواہ ہوں امانت والا اور کیا تعجب کیا تم نے کہ آیا

تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں اور کیا تمہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

تمہارے پاس ذکر طرف سے رب تمہارے کے اوپر ایک مرد کے تم میں سے تاکہ ڈرائے وہ تم کو اور یاد کرو اس کو کہ بنایا اس نے

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد

مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ

تم کو نائب پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ دیا تم کو بیچ پیدائش میں کشادگی پس یاد کرو تم نعمتوں کو اللہ کی تاکہ تم کامیاب

کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد

تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

ہو

کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ہود علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا اب آپ کے فرائض منصبی کا تذکرہ ہے جو آپ نے خود بیان فرمائے گویا آپ کے مقام کا ذکر فرمانے کے بعد آپ کے کام کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے اپنے سے کم عقلی یا بے عقلی و دیوانگی کی نفی فرمائی اب اس نفی کے دلائل کا تذکرہ ہے کہ مجھے رب نے ان کاموں کے لئے بھیجا ہے جو دیوانہ آدمی انجام نہیں دے سکتا گویا اپنے نام کا ثبوت آپ نے کام سے دیا نام کے بعد کام کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ہی قوم ہود کے آپ کو جھٹلانے کا ذکر ہوا اب اس جھٹلانے کی وجہ مع تردید بیان ہو رہی ہے گویا بیماری کے بعد اس کے علاج کا تذکرہ ہوا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت ہود علیہ السلام کے اپنی قوم کو ڈرانے دھمکانے کا ذکر تھا کہ تم پر عذاب آنے کا خطرہ ہے اب انہیں گزشتہ

اور موجودہ نعمتیں یاد دلا کر ایمان کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ چونکہ ڈرانا مقدم ہے اس سے انسان جلد مائل بحق ہو جاتا ہے اس لئے اسے پہلے بیان فرمایا قوم کی سختی کے بعد آپ کی نرمی میں آپ کے کمالات کا اظہار ہے۔

تفسیر: **ابلغکم رسالات ربی** ہود علیہ السلام نے اس فرمان میں اپنا اصل منصب بیان فرمایا یعنی تبلیغ اور احکام الٰہیہ پہنچانا چونکہ حضرات انبیاء کرام عمر بھر تک تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ نیز ہر طرح تبلیغ کرتے ہیں قول سے عمل سے ان کے حال وقال دونوں مبلغ ہوتے ہیں ان حضرات کی تبلیغ کا یہ حال ہے کہ دنیا چاہتی ہے کہ ہماری جان کلمہ طیبہ پر نکلے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری ہچکیاں تین آئیں پہلی ہچکی میں فرمایا **الصلوۃ** نماز کی پابندی کرنا۔ دوسری میں فرمایا **ما ملکت ایمانکم** اپنے غلاموں ماتحتوں پر مہربانی کرنا۔ یعنی عبادات و معاملات کی تبلیغ فرمائی تیسری ہچکی میں فرمایا **اللھم بالرفیق الاعلٰی** خدایا مجھے اوپر کے دوستوں کے پاس پہنچا دے اس پر جان شریف کا خروج ہوا یہ ہے **ابلغکم** کی تفسیر اس لئے **ابلغکم** فعل مضارع فرمایا اور چونکہ نبی صرف ایک چیز کی تبلیغ نہیں فرماتے بلکہ عقائد' اعمال قالب' اعمال قلب' صبر شکر' استقامت فی الدین سب ہی کی تبلیغ فرماتے ہیں اس لئے رسالات جمع کا لفظ ارشاد فرمایا وہ کافروں کو عقائد کی مومنوں کو اعمال کی برابر تبلیغ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ روحانیت میں بلاواسطہ ان کا رب ہے اور ان کے واسطے سے لوگوں کا رب کہ روحانی نعمتیں ان کے ذریعہ سے لوگوں کو دیتا ہے اس لئے یہاں ربکم کی بجائے ربی ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ان کا سب کا رب ہے اور وہ حضرات ہمارے مربی **کما ربیانی صغیرا**۔ **وانا لکم ناصح امین** اس فرمان عالی میں ہود علیہ السلام نے اپنے دو کرم اور مہربانیوں کا ذکر کیا۔ جو قوم پر تھیں یعنی خیر خواہی اور امانت داری یہ درپردہ کفار کے اس قول کی تردید ہے کہ **انا لنراک فی سفاھۃ** یہ فرمایا کہ مجھ میں بے عقلی یا کم عقلی کیسے ہو سکتی ہے میں تو تمہارا خیر خواہ بھی ہوں امانت دار بھی ناصح کی تنوین عظمت کی ہے یعنی بڑا خیر خواہ ہوں کہ تمہارے ماں باپ تمہارے صرف دنیاوی خیر خواہ ہیں کہ تمہارے جسم کو ایک خاص وقت میں پالتے پرورش کرتے ہیں مگر میں ہمیشہ تمہاری دینی و دنیاوی خیر خواہی کرتا ہوں کہ تم کو دین و دنیا کے عذاب سے بچانے رحمتیں پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ غرضیکہ دوسرے خیر خواہوں میں اور مجھ میں چار طرح فرق ہے سارے خیر خواہ خود غرضی سے خیر خواہی کرتے ہیں میں بلا غرض (2) سب کی خیر خواہی وقتی ہے میری دائمی (3) تمام خیر خواہ بدل جاتے ہیں میں نہیں بدلتا (4) سب کی خیر خواہی صرف دنیاوی ہوتی ہے میری خیر خواہی دنیاوی بھی ہے دینی بھی۔ کیوں نہ ہو کہ نبی رب کی عطا کا مظہر ہوں وہاں تو یہ چیزیں ہیں یہاں بھی ہیں **لکم** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ میں صرف خیر خواہ ہی ہوں بدخواہی میرے قریب بھی نہیں یا صرف تمہارا خیر خواہ ہوں۔ کیونکہ صرف تم ہی میری امت ہو۔ اور ساتھ ہی امانت دار ہوں کہ رب تعالیٰ کے احکام جیسے مجھ تک آتے ہیں ویسے ہی تم تک پہنچاتا ہوں بغیر کمی بیشی کے حضرات انبیاء رب کے بھی امین ہیں کہ اس کے احکام فرمان بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیتے ہیں ہمارے بھی امین کہ آپ ہمارے خیر خواہ بھی ہیں اور محافظ و ناصر بھی امین میں یہ صفات ضرور ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **وانصح لکم** مگر آپ نے فرمایا **لکم ناصح** کیونکہ نوح علیہ السلام قریباً" ہر حال میں تبلیغ فرماتے رہتے تھے مگر آپ کی تبلیغ دائمی مسلسل نہ تھی کبھی کرتے تھے کبھی نہیں چنانچہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں **دعوت قومی لیلا و نھارا** اس فرق کی وجہ سے الفاظ میں فرق ہے (کبیر' خازن' معانی وغیرہ) **زید یضرب** اور **زید ضارب** میں فرق ہے یعنی میں اگرچہ تبلیغ وقتاً" فوقتاً" کرتا ہوں مگر تمہارا خیر خواہ ہمیشہ ہر وقت ہوں میری تبلیغ بھی تمہاری خیر خواہی خاموشی بھی تم

میں حاضر رہنا بھی تم سے غائب رہنا بھی **اوعجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم** اس فرمان عالی میں قوم تعجب بلکہ ان کے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں وہ کہتے تھے کہ نبوت ہم جیسے ایک انسان کو کیسے مل سکتی ہے یا تو ہم سب کو ملتی یا پھر کوئی فرشتہ یا جن نبی بن کر آتا۔ **ذکر** سے مراد وحی الٰہی یا نصیحت یا خبر ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ ذکر کے بہت معنی ہیں۔ چونکہ وحی نبی پر آتی ہے مگر لوگوں کے لئے آتی ہے اس لئے اس کی نسبت کبھی قوم کی طرف کرتے ہیں کبھی نبی کی طرف یہاں نسبت قوم کی طرف ہے ورنہ وحی نبی پر آتی ہے اور نبی ہمارے پاس آتے ہیں ان کی معرفت ان کے ذریعہ ہم تک آتی ہے **علی رجل منکم لینذر کم** اس میں مقصود وحی کا ذکر ہے کہ وحی آئی تمہارے لئے مگر آئی مجھ پر میرا یہ حال ہے کہ میں انسان ہوں جن یا فرشتہ نہیں مرد ہوں عورت یا بچہ نہیں پھر تم میں سے تمہاری قوم سے ہوں باہر سے نہیں آیا یہ سب اس لئے ہے کہ وحی کا مقصود ہے تبلیغ ہے اور تبلیغ انسانوں کو انسان خصوصاً" مرد خصوصاً" ان کا ہم قوم اچھی طرح کر سکتا ہے کہ وہ ان کی سن سکتا ہے اپنی کہہ سکتا ہے۔ ان کے دکھ درد سے خبردار ہوتا ہے وہ لوگ اس کے اخلاق طور و اطوار سے خبردار ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرا تم میں نبی بن کر آنا اللہ تعالیٰ کی تم پر خاص رحمت ہے کسی قوم میں نبی کی تشریف آوری اس قوم کی عزت کا باعث ہے۔ چونکہ آپ کافر قوم سے خطاب فرما رہے ہیں اس لئے صرف ڈرانے کا ذکر فرمایا بشارت کا ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آپ نذیر بھی تھے بشیر بھی کفار کے لئے نذیر مومنوں کے لئے بشیر اس لئے **لینذر کم** فرمایا ضمیر خطاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قوم ہود نے آپ پر پانچ سوال کئے نبی فرشتہ کیوں نہ ہوا۔ (2) جن کیوں نہ ہوا۔ (3) کوئی عورت کیوں نہ ہوئی (4) کوئی باہر کا آدمی کیوں نہ ہوا جس کا ہم پر وقار ہوتا (5) کوئی امیر آدمی یا بادشاہ کیوں نہ ہوا جس کی ہیبت ہم پر ہوتی۔ ایک **لینذر کم** میں ان پانچوں اعتراضوں کے جواب دے دیئے کہ جن فرشتہ عورت میں چھپنا ہے نبوت کے فرائض چھپنے والی مخلوق ادا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ولی اللہ کی صفت باطن کا مظہر ہیں اور حضرات انبیاء صفت ظاہر کے لہٰذا ولی چھپ سکتا ہے نبی نہیں چھپ سکتا۔ بادشاہ امیر کے ذریعہ نبوت کی شان ظاہر نہ ہوتی لوگ کہتے کہ پیسہ یا دولت کے زور سے اپنا دین پھیلایا۔ باہر کے آدمی کا پتہ نہیں ہوتا کہ جھوٹا ہے یا سچا اپنی قوم کے آدمی کے حالات معلوم ہوتے پھر جیسے سب لوگ بادشاہ نہیں بن سکتے ایک بادشاہ باقی رعایا ایسے ہی سب لوگ نبی نہیں ہو سکتے۔ ایک نبی باقی امت۔ **واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح** گزشتہ عبارت میں ہود علیہ السلام کے تین وصف خصوصی بیان ہوئے تھے رسول ناصح و خیر خواہ اور امین۔ اس ترتیب سے رسالت نصیحت امانت کے احکام ذکر ہوئے اس حکم میں شان رسالت کی جھلک ہے۔ یعنی چونکہ میں تمہارا رسول ہوں۔ لہٰذا تم کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی یہ نعمت یاد کرو۔ **اذکروا** کے چند معنی ہو سکتے ہیں یاد کرو۔ یاد رکھو آپس میں اس نعمت کا تذکرہ کرو یہ تذکرہ اور یاد کرنا تم کو ایمان کی طرف لائے گا۔ حق یہ ہے کہ **اذ جعلکم** مفعول بہ ہے **اذکروا** کا نحویوں کا یہ قول غلط ہے کہ **اذ** اور **اذا** ہمیشہ ظرف ہی ہو کر آتے ہیں (معانی) قرآن مجید صرفی نحوی قاعدوں کا پابند نہیں بلکہ قواعد قرآن مجید کے پابند ہیں **جعل** کے معنی پیدا کرنا بھی ہیں اور بنانا بھی یہاں معنی بنانا ہے اس لئے اس کے دو مفعول آئے ایک تو کم دوسرا خلفاء لفظ خلفاء جمع ہے خلیفہ کے بہت معانی پارہ الم میں **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھو کہ خلیفہ بنا ہے خلف یا خلافت سے خلف معنی پیچھے خلافت معنی نیابت یہاں خلف سے بنا ہے یعنی پیچھے آنے والی قوم چونکہ قوم عاد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد آئی بعد میں آنا بھی اللہ کی نعمت ہے کہ گزشتہ قوم کے عیوب ان پر بیان کئے گئے ان کے عیوب۔ قوم نوح پر ظاہر نہ ہوئے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔ بہت اچھی کہ سب

سے پیچھے ہے ان کے اجڑے ہوئے مکانات ان کی زمینوں کی مالک ہوئی۔ لہٰذا انہیں خلفا کہا گیا۔ یعنی تم یہ بات یاد رکھو کہ پہلے اس زمین پر قوم نوح آباد تھی وہ تباہ کی گئی تم آباد ہوئے اگر تم نے بھی سرکشی کی تو تم تباہ کر دیئے جاؤ گے کوئی اور قوم یہاں آباد ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ خلفاء خلافت بمعنی نیابت سے بنا ہو کیونکہ قوم عاد میں شداد ابن عاد آباد زمین کا سلطان بنا تو گویا ساری قوم سلطان ہوئی۔ خیال رہے کہ خلیفہ اصل کی صفات کا مظہر ہوتا ہے اگر مظہر نہ ہو تو صحیح معنی میں خلیفہ نہیں سلطان کا نائب جو اس کے پیچھے سلطنت کو سنبھالے سلطان ہی ہو گا اور سلطان کے سے کام کرے گا۔ تیمم وضو کا خلیفہ ہے تو وضو کے سے کام کرے گا ورنہ خلیفہ نہیں حضرات انبیاء کرام اللہ کے خلیفہ ہیں انی جاعل فی الارض خلیفہ تو چاہیے کہ اللہ کی صفات کے مظہر ہوں ورنہ خلیفۃ اللہ نہیں وزادکم فی الخلق بصطۃ یہ اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے اس میں ہود علیہ السلام کی شان نصیحت کی جلوہ گری ہے کہ چونکہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں لہٰذا تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ بھی غور کرو کہ رب نے تم کو بڑا قد آور شہ زور بنایا۔ ترتیب تبلیغ کی یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو پہلے تو خارجی نعمتوں سے رب کی پہچان کرائی پھر اس فرمان میں خود اپنی ذات سے رب کی معرفت کا طریقہ سکھایا معرفت کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے سے رب کو پہچانے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ خلق بمعنی مخلوق ہے یا بمعنی پیدائشی جسامت۔ بصطۃ ہماری قرات میں ص سے ہے جسم کا پھیلاؤ یا موٹاپا درازی یا بمعنی قوت و طاقت یعنی سارے انسانوں میں تم کو بہت قد آور بنایا یا تمہاری جسامت میں پھیلاؤ دیا۔ چنانچہ ان کا پستہ قد ساٹھ گز کا تھا اور دراز قد ایک سو گز کا ان کا سر بڑے خیمہ کے برابر تھا ان کی ایک آنکھ اتنی بڑی تھی کہ ان کے مرنے بعد اس کے حلقہ میں جانور گھونسلے بناتے تھے (کبیر' خازن' روح البیان' معانی مدارک وغیرہ) اتنی جسامت کے لوگ نہ پہلے ہوئے تھے نہ اس وقت نہ بعد میں خود فرماتا ہے۔ لم یخلق مثلھا فی البلاد اے میری قوم اس نعمت میں بھی غور کرو۔ رب کا شکر کرو میری اطاعت رب کی عبادت کرو۔ فاذکروا الاء اللہ قوی یہ ہے کہ یہ تیسرا حکم ہے۔ جس میں حضرت ہود علیہ السلام کی امانت داری کی جھلک ہے یعنی چونکہ میں اللہ کا امین ہوں لہٰذا تم کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی نعمتیں یاد کر کے اس کا شکر کرو نعمتوں کے امین بنو خائن نہ بنو۔ ذکر کے تین معنی ہیں ذکر جنانی یعنی دل سے نعمتوں کا اقرار ذکر لسانی زبان سے چرچہ و اعلان ذکر ارکانی یعنی اعضاء سے ذکر کہ مالدار اچھا کھائے پیئے اس میں سے رب کا حق زکوٰۃ وغیرہ نکالتا رہے کہ یہ نعمتوں کی مبخ ہے۔ الاء جمع ہے الو کی الف کے کسرہ سے جیسے محل کی جمع امحال ثقل کی جمع اثقال یا جمع ہے الی کی الف کی فتحہ سے جیسے معی کی جمع امعا یا جمع الی کی الف کے کسرہ لام کے فتحہ سے جیسے عنب کی جمع ہے اعناب (معانی' کبیر وغیرہ) الاء مطلق نعمتوں کو کہا جاتا ہے جسمانی ہوں یا روحانی یہاں جسمانی نعمتیں مراد ہیں۔ صحت' دولت' اولاد' کھیت' باغات' جانور وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ الاء سے مراد وہ اندرونی نعمتیں ہوں جو ہم کو نظر نہیں آتیں جیسے دل' دماغ' جگر وغیرہ کی واردات۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الاء سے مراد خود حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے معجزات ہوں کہ یہ سب باوفا اور دائمی نعمتیں ہیں دنیا کی نعمتیں بے وفا عارضی ہیں نیز نبی نعمت گر ہیں کہ تمام نعمتیں اگر ان کے حکم کے ماتحت استعمال ہوں تو نعمت ہیں ورنہ زحمتیں یعنی ان نعمتوں کا چرچہ کرو ان میں غور کرو ایمان لاؤ۔ لعلکم تفلحون یہ ان تینوں عملوں کا نتیجہ ہے یعنی تمہارے ان اعمال کا فائدہ نہ تو رب تعالیٰ کو ہے نہ مجھے صرف تم کو ہے کہ تم اس غور و خوض سے دین و دنیا میں کامیاب ہو گے لہٰذا میرا یہ فرمانا اپنی خود غرضی سے نہیں تمہارے نفع کے لئے ہے۔

خلاصہء تفسیر: جب قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو بے عقلی جھوٹ وغیرہ کے الزام لگائے تو آپ نے اپنی حیثیت اپنا درجہ'

مقام بتانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ میں ہوں اللہ کا رسول میرا منصب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات امت تک پہنچاتا ہوں اس کے علاوہ میں تمہارا نہایت ہی اعلیٰ خیر خواہ ہوں کہ دین و دنیا میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ تمہارے ماں باپ بلکہ ساری مخلوق کی خیر خواہی سے میری خیر خواہی بڑھ کر ہے ساتھ ہی میں رب کا امین بھی ہوں کہ جیسے اس کے پیغامات آتے ہیں ویسے ہی تم تک پہنچا دیتا ہوں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ کوئی فرشتہ یا جن نبی کیوں نہ بنا۔ تم ہی کا ایک مرد نبی کیسے بن گیا یہ تو رب کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے انسانوں میں انسان نبی بھیجے اور اکثر قوم میں اسی قوم سے نبی بھیجے کیونکہ اس سے مقصد نبوت اچھی طرح حاصل ہوتا ہے یعنی تبلیغ اور ڈرانا تاکہ انسان انسان کو اور ہم قوم اپنی قوم کو اچھی طرح تبلیغ کر سکتا ہے تمہیں اللہ نے تین خصوصی نعمتیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو اور اس پر ایمان لاؤ ایک یہ کہ قوم نوح کی تباہی کے بعد تم کو اس زمین میں بسایا تمہیں ان کی املاک کا مالک بنایا۔ دوسرے یہ کہ تم کو وہ شہ زوری اور جسامت بخشی جو دوسروں کو نہ بخشی تم بڑے طاقتور اور لمبے چوڑے سو سو گز کے ہو تیسرے یہ کہ اس نے تم کو بہت سی نعمتیں بخشیں صحت' دولت' اولاد' جائیداد وغیرہ ان سب کو یاد کرو اس میں تمہارا ہی بھلا ہے کہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب رہو گے اس میں رب تعالیٰ کا یا میرا ذاتی فائدہ کوئی نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مبلغ کو ہر حال میں ہر وقت تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ **ابلغکم** سے حاصل ہوا امام محمد نے آخر وقت شرعی مسئلہ بتایا پھر جان نکلی اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے بیس صفر جمعہ کے دن ایک بجکر پانچ منٹ پر مسئلہ تین منٹ تک بتایا دس منٹ پر وفات ہوئی یہ ہے ابلغکم کی تجلی جو نبی کی طرف سے امتی پر پڑتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے بڑے سچے خیر خواہ حضرات انبیاء کرام ہیں کہ دوسروں کی خیر خواہی عارضی اور اکثر خود غرضی سے ہوتی ہے ان حضرات کی خیر خواہی دائمی اور بے لوث بے غرض۔ یہ فائدہ **انا لکم ناصح** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** امانت داری صرف مال میں نہیں ہوتی بلکہ پیغام' راز اور دوسری چیزوں میں بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **امین** سے حاصل ہوا۔ حضرت ہود علیہ السلام اللہ کے پیغامات پہنچانے کے امین تھے آپ نے بغیر کمی بیشی کے پہنچا دیئے بعض باتیں ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان راز و اسرار کی تھیں وہ رازداری میں رکھیں یہ ہے نبی کی امانت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قرآن مجید کے احکام لوگوں کو پہنچائے متشابہات چھپائے کیونکہ یہ حبیب و محبوب کے درمیان راز تھے یہ ہے امانت داری۔ **چوتھا فائدہ:** جاہلوں کی بدتمیزی پر صبر و تحمل کرنا سنت انبیاء کرام ہے دیکھو ہود علیہ السلام نے کفار کی سختی کا جواب نہایت نرمی سے دیا بلکہ ان پر اپنے احسان ظاہر کئے اور پھر بھی انہیں اپنی طرف بلایا۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے فضائل بیان فرمائے مبلغ ہونا ان لوگوں کا خیر خواہ ہونا اللہ کا امین ہونا کیوں' صرف تبلیغ کے لئے کہ اس ذریعہ سے وہ لوگ ایمان قبول کریں۔ **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام میں عیب نکالنا۔ یا ان کو اپنے برابر ثابت کرنا اس سے ایمان نہیں ملتا ایمان ملتا ہے ان کی رسالت بے مثالی ماننے۔ دیکھو کفار نے حضرت ہود سے کہا کہ آپ دیوانے اور جھوٹے ہیں آپ نے فرمایا مجھے یہ نہ کہو مجھے ناصح کہو۔ امین کہو رسول کہو' مومن بن جاؤ گے آج اگر کوئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اپنی مثل ثابت کرے تو اس نے وہی بات کہی جو شیطان بھی کہتا تھا ابوجہل بھی اگر اس سے ایمان ملتا تو وہ دونوں مومن ہو جاتے انہیں رسول کہو نبی کہو تب ایمان ملے گا۔ **ساتواں فائدہ:** وحی الٰہی یا صحیفہ یا کتاب آسمانی خود حاکم یا بشیر یا نذیر نہیں بلکہ وہ تو حکم بشارت' نذارت ہے۔ حاکم' بشیر' نذیر نبی ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **لینذر کم** سے حاصل ہوا یونہی کتاب اللہ بذات خود کسی کو پاک نہیں کرتی یہ تو پاکی کا ذریعہ ہے پاک

وصاف کرنا نبی کا کرم ہے۔ رب فرماتا ہے **و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمتہ** آٹھواں فائدہ: اللہ کی نعمتیں یاد کرنا یاد رکھنا۔ آپس میں اس کے چرچے تذکرے کرنا حکم انبیاء اور حکم خداوندی ہے۔ یہ فائدہ **اذکروا اذ جعلکم** الخ سے حاصل ہوا لہذا میلاد شریف عرس بزرگان کرنا بڑی تاریخوں میں یادگاری مجلس قائم کرنا بہت اچھا ہے کہ یہ اللہ کی نعمتیں یاد کرنے یاد رکھنے کا ذریعہ ہے اور اس میں نعمت الٰہی کا تذکرہ و چرچا ہے۔ نواں فائدہ: علم تاریخ اچھا علم ہے بشرطیکہ صحیح ہو۔ اس سے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں۔ یہ فائدہ **من بعد قوم نوح** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: صحت و تندرستی جسمانی قوت اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے کہ اس سے عبادات ریاضات کی جاتی ہیں۔ بیمار کمزور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ **و زادکم فی الخلق بصطتہ** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ طالوت کے متعلق فرماتا ہے۔ **وزادہ بسطتہ فی العلم و الجسم** مگر رب تعالیٰ صحت سے اپنی اطاعت کی توفیق دے اگر صحت و تندرستی گناہوں میں صرف کی جاوے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو یاد رکھنا یاد کرنا خواہ اندرونی نعمت ہو یا بیرونی نعمت بہت ہی بہتر ہے۔ یہ فائدہ **فاذکروا الاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: انسان کو چاہیے کہ جو نیکی بھی کرے آخرت کے لئے کرے۔ عاقبت سنبھل گئی تو سب کچھ مل گیا۔ یہ فائدہ **لعلکم تفلحون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا یعنی اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنا اس کا شکریہ ادا کرنا دنیاوی نام و نمود اور کسی نفسانی لالچ کے لئے نہ کرو فلاح و کامیابی حاصل کرنے کے لئے کرو۔ دین کے طالب ہو۔ دنیا تمہاری طالب بن جائے گی۔

پہلا اعتراض: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے فضائل و کمالات اپنے منہ سے خود کیوں بیان کئے اپنی تعریف خود کرنا بری بات ہے نبی برائیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ جواب: اپنی تعریف خود کرنا شیخی کے لئے اپنی بڑائی کے لئے تو ممنوع ہے مگر اللہ کی نعمت کے شکریہ کے لئے لوگوں کو اپنا مقام بتانے کے لئے تاکہ لوگ اسے پہچانیں ایمان لائیں یہ تو بہت ہی اچھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائیں تاکہ لوگوں کو معرفت الٰہی نصیب ہو اسی طرح حضرات انبیاء کرام کا اپنی تعریف فرمانا ہم کو ایمان دینے کے لئے ہے کہ انہیں کی معرفت کا نام تو ایمان ہے یہ ذریعہ تبلیغ ہے۔ رب فرماتا ہے۔

نوٹ: اس کتاب کے مصنف حضرت حکیم الامت کی آخری تبلیغ یہ ہے کہ آپ نے آخر تک کبھی وضو نہ چھوڑا انتقال سے ایک منٹ پہلے بھی عالم نزع میں آپ نے مکمل وضو فرمایا بعد وفات ایک سخت ترین وہابی کو جھنجوڑا اور اپنے ایک دوست کا نام لے کر فرمایا کہ جا اس کو پیغام دے کر میرے جسم کو تختے پر پہلے وہ اتارے اہل سنت کو یہ تبلیغ کی کہ باوضو رہا کرو وہابیت کو یہ تبلیغ کی کہ اولیاء اللہ بعد وفات بھی سب کچھ کرا سکتے ہیں۔

واما ینتھم ربک فحدثہ دوسرا اعتراض: یہاں **لیعذوکم** کیوں فرمایا گیا اس کے ساتھ بشارت کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ جواب: اس لئے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے انہیں ڈرایا ہی جاتا ہے۔ بشارت تو مسلمانوں کو دی جاتی ہے نیز بشارت خاص لوگوں کو ہوتی ہے نذارت عام کو۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا۔ **لکم ناصح امین** جس سے حصر معلوم ہوا یعنی میں صرف تمہارا خیر خواہ ہوں اور صرف تمہارا امین یہ حصر کیوں ہے نبی تو سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ صرف قوم عاد کے نبی تھے اس لئے آپ مبلغ خیر خواہ پیغام الٰہیہ کے امین صرف انہیں کے لئے تھے جیسے چراغ صرف گھر کی روشنی کے لئے ہے۔ یہ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شان ہے کہ سورج کی طرح سارے انسان بلکہ سارے عالم کے

لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے خیر خواہ سارے جہان کے امین ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اے قوم عاد تم قوم نوح کے خلیفہ جانشین ان کے گھروں کے جائیدادوں کے مالک ہوئے قوم نوح کے گھر جائیداد تو فنا ہو چکی تھیں طوفان نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا۔ پھر ان کی جانشینی کیسی۔ **جواب:** ان کی عمارات اور باغات کے درخت فنا ہوئے تھے زمین تو ویسی ہی باقی تھی۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ تم ان کی زمین کے مالک و جانشین ہو۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ جس زمین میں عذاب الٰہی آجاوے وہاں بلا ضرورت جانا بھی نہ چاہئے چہ جائیکہ وہاں بسنا آباد ہونا۔ طوفان نوحی عذاب الٰہی تھا جو ساری زمین پر آیا تو اس میں قوم عاد کیوں آباد ہوئی اور ان کی خلیفہ کیسے بنی؟ **جواب:** طوفان نوحی کفار کے لئے عذاب اور مومنوں کے لئے رحمت تھا یعنی طوفان عذاب نہ تھا بلکہ طوفان میں ڈوبنا تباہ ہونا عذاب تھا اور اس میں تیرتے پھرنا رحمت لہذا اسی لئے مومنوں کو وہاں سے نکالا نہ گیا۔ بلکہ انہیں کشتی میں تیرایا گیا۔ لہذا وہاں رہنا بسنا ممنوع نہ ہوا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں موٹاپے کو اللہ کو نعمتوں میں شمار کیا گیا کہ ارشاد فرمایا **وزاد کم فی الخلق بصطۃ** بہت موٹاپا تو اللہ کا عذاب ہے وہ سخت بیماری ہے پھر اسے نعمتوں میں شمار کیوں کیا؟ **جواب:** جس موٹاپے کے ساتھ طاقت نہ ہو وہ واقعی تکلیف دہ اور بیماری ہے یعنی جسم کا پھسنڑ ہونا مگر جس موٹاپے کے ساتھ طاقت و قوت ہو جسے کہتے ہیں جسم کا گٹھا ہوا ہونا وہ اللہ کی نعمت ہے وہی یہاں مراد ہے صحت اور طاقت و قوت سے انسان دنیاوی اور دینی کام بہت سے انجام دے سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو خود مقبول دوسرے مقبول گر کہ جو ان سے وابستہ ہو جاوے وہ بھی مقبول الٰہی بن جاوے۔ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء میں سالکین واصلین مقبول گر بندے ہوتے ہیں یہ مقبول گر بندے خالق کے بھی امین ہوتے ہیں کہ ان کے پاس جس کے نصیب کا فیض ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ دوسرے کو نہیں اور مخلوق کے بھی امین کہ ان کی حاجات بلا کم وکاست ببارگاہ قاضی الحاجات پیش کرتے ہیں ان تمام باتوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے ایک لفظ میں بیان فرمادیا **لکم ناصح امین** تعجب دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ تعجب جو رب تک پہنچادے کہ انسان حیرت کرکے خالق کی قدرت کا معترف ہو جاوے دوسرا تعجب گمراہی کی حیرت کی وجہ سے اس کا انکار کروے رب تعالیٰ کی قدرت کا انکاری ہو جاوے دوسرا تعجب تھا جو ہود علیہ السلام کی نبوت کے انکار کا ذریعہ بنا اسے فرمایا **اوعجبتم الخ** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانیات میں خلافت و نیابت ہے کہ ایک قوم جاتی ہے دوسری اس کی جگہ آتی ہے ایسے ہی روحانیات میں بھی خلافت و نیابت ہے دنیا کبھی ان خلفاء سے خالی نہیں رہتی غفلت والوں کے خلیفہ غفلت والے ہوتے ہیں اور وصلت والوں کے خلیفہ وصلت والے یہ سلسلہ یونہی قائم ہے جیسے بعض لوگوں کو خلقت یعنی جسم میں کشادگی ملتی ہے۔ ایسے ہی بعض بندوں کو خلق یعنی اخلاق میں وسعت و کشادگی عطا ہوتی ہے یہ بیان کی وسعت ہے وہ معانی کی وسعت فرزدق شاعر نے کیا خوب کہا۔

وقد تلتقی الاسماء فی الناس ولکن	کثیرا ولکن فرقوا فی الخلائق
خاقانی نے ہمہ یکرنگ دارو در نیستانہا ولیک	از یکے نے قند خیزد و از دگرنے بوریا

یعنی لوگوں کے نام اور کنیت یکساں ہوتی ہے مگر اخلاق میں فرق۔ بانس میں گنا اور بانس صورت میں یکساں ہوتے ہیں مگر گنے سے شکر نکلتی ہے بانس سے کچھ نہیں۔ غرضکہ صورت سے دھوکہ نہ کھاؤ سیرت پر نظر رکھو (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیائے فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے مگر اس کی معرفت کے ذریعہ اس تک پہنچنے کے راستے بہت ہیں اس کی ہر مخلوق اس

کی معرفت کا ذریعہ ہے مگر قوی ذریعہ یہ ہے کہ انسان اسے خود اپنے ذریعہ سے جانے اس لئے ہود علیہ السلام کی خلافت کے بعد خود ان کے جسم کے پھیلاوے کا ذکر کیا مگر خود اپنے سے رب کو پہچاننا نبی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے اپنا منہ دیکھنا ہو تو آئینہ کے ذریعہ سے دیکھو اپنی بیماریاں معلوم کرنی ہوں تو طبیب کے ذریعہ معلوم کرو۔ اپنے اندرونی اعضاء دیکھنا ہوں تو ایکسرے کے ذریعہ پہچانو۔ یونہی اپنے دل' دماغ' روح کو جاننا ہے تو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہچانو۔ پھر اس کے بعد اپنے رب کو جانو کہ اس کا بنانے والا کیسا۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۚ فَاْتِنَا

کفار نے کہا کہ آئے ہیں آپ ہمارے پاس تاکہ پوجیں ہم اللہ ایک کو اور چھوڑ دیں ہم انہیں کہ پوجتے تھے باپ دادے

بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے

بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

ہمارے پاس لاؤ ہمارے پاس وہ کہ وعدہ کرتے ہو ہم سے اگر ہو تم سچوں میں سے فرمایا بے شک واقع ہو گیا اوپر تمہارے

انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب

رِجْسٌ وَّ غَضَبٌؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ

طرف سے رب تمہارے کے عذاب اور غضب کیا جھگڑا کرتے ہو تم مجھ سے ان ناموں میں کہ رکھ لئے تم نے وہ نام اور باپ

اور غضب پڑ گیا کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝

دادوں نے تمہارے یعنی نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل بس انتظار کرو تم بے شک میں ساتھ تمہارے منتظر رہنے والوں میں سے ہوں

دادوں نے رکھ لئے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت ہود علیہ السلام کی نہایت نفیس و لذیذ مصلحانہ تبلیغ کا ذکر تھا اب قوم کفار کے وحشیانہ اور جارحانہ گفتگو کا تذکرہ ہے گویا نبی کی نرمی کا ذکر پہلے ہوا قوم کی گرمی کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں نبی اور امت کافر کی گفتگو کا تذکرہ تھا اب کافر کے لئے اپنے منہ سے عذاب مانگنے کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے منہ سے اپنی موت مانگی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو قوم نوح سے عبرت لینے کا حکم دیا' اب بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور خود دوسروں کے لئے عبرت بن گئے شعر۔

پند گیر از مصائب دگراں تا نہ گیرند دیگراں ز تو پند

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کی سرکش قوم نے اس کی بجائے اپنے داووں کو یاد کیا' رب تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کیا اور ساتھ ہی ہود علیہ السلام سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا جس کے وہ مستحق تھے۔

تفسیر: **قالوا اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ** قول کے چند معنی ہوتے ہیں اگر بڑا چھوٹے سے کہے تو فرماتا ہے برابر والا برابر والے سے کہے تو کہنا چھوٹا بڑے سے کچھ کہے ادب کے ساتھ تو عرض کرنا اگر بد تمیزی سے کہے تو بکنا حتی کہ جانوروں کی آوازوں کو بھی بولنا کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم و حوا نے رب کی بارگاہ میں عرض کیا **قالا ربنا ظلمنا انفسنا** یہ ہے عرض ابلیس نے گستاخانہ بکواس کی **رب بما اغویتنی** یہ ہوا بولنا یہاں **قالوا** کے معنی ہیں بولے وہ اس کا فاعل قوم عاد کے کفار ہیں' جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ **اجئتنا** کے متعلق تین قول ہیں (1) حضرت ہود علیہ السلام ظہور نبوت سے پہلے اپنی بستی سے دور کسی جنگل میں اکیلے عبادت الٰہی کیا کرتے تھے جب نبوت کا ظہور ہوا تو آپ اس جنگل سے اپنی بستی میں تشریف لائے اور قوم کو تبلیغ کی تب انہوں نے یہ کہا کہ کیا آپ اپنی خلوت اور اعتکاف گاہ سے ہمارے پاس بستی میں اس تعلیم کے لئے آئے ہیں' جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے چھ ماہ پہلے غار حرا میں چلہ اور اعتکاف کرتے تھے۔ پھر نبوت کی عطا کے بعد قوم میں تبلیغ کے لئے تشریف لائے' شعر۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　　　اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

رب تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو پہلے تنہائی میں چلے کرائے ولایت کی تکمیل کے لئے پھر نبوت عطا فرما کر قوم کے پاس انہیں بھیجا کیونکہ نبوت میں جلوت ہے خلوت نہیں حتی کہ علماء جو وارثین رسول ہیں انہیں اظہار چاہیے خلوت نشینی نہیں چاہیے۔ (2) کیا آپ ہمارے پاس آسمان سے اس تعلیم کے لئے آئے ہیں۔ یہ انہوں نے طنز و طعن کے طور پر کہا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے جو آسمان سے اترے۔ (3) عربی میں **جاء' ذهب' قام' جعل** کسی کام کی ابتداء کے لئے بھی آتا ہے **جعل يذهب قام لسبنی** یعنی کیا آپ یہ کام اس لئے کرنے لگے ہیں کہ ہم کو ایسی غلط تعلیم دیں **لنعبد** میں لام معنی کے ہے جس کے معنی ہیں تاکہ **نعبد** میں عبادت سے مراد یا دلی عبادت ہے۔ یعنی اعتقاد یا جسمانی عبادت یعنی سجدے سجود قربانیاں وغیرہ **وحدہ** لفظ اللہ کا حال تاکیدی ہے یعنی کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کو لائق عبادت مانیں یا ایک اللہ کی عبادت کریں ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو خدا کے صفات اس کے انعام سنائے اس کا قوم نے انکار نہیں کیا بلکہ آپ کے متعلق کہا کہ تمہاری بات ہماری عقل نہیں مانتی' اطاعت کی طرح عبادت بھی چند کی ہو سکتی ہے' مخدوم کی طرح معبود بھی بہت ہو سکتے ہیں۔ **ونذر ما کان یعبد اباؤنا** یہ عبارت معطوف ہے **لنعبد اللہ** پر۔ **نذر** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے کہ یہ فعل غیر متصرف ہے اس کا مضارع اور امر ہی آتا ہے اور کوئی گردان نہیں آتی **ما** سے مراد ہیں وہ بت جن کی وہ پوجا کرتے تھے یعنی ہمارے سارے باپ دادا جو دنیا بھر میں عقل و دانائی میں مشہور تھے ہم ان کی اولاد ہیں کیا ہم ان کے نقش قدم پر نہ چلیں ان کے بتوں کی پوجا پرستش چھوڑ دیں یعنی جمہوریت کہتی ہے کہ معبود چند ہیں تم اکیلے کہتے ہو کہ معبود ایک ہے ہم جمہوریت کی مانیں گے تمہارا کلام عقل اور جمہوریت کے خلاف ہے لہٰذا نہ مانیں گے یہ کہہ کر انہوں نے ہود علیہ السلام کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا۔ **فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین**۔ آپ ہم سے زیادہ بات نہ کریں بلکہ کفر و شرک پر جس عذاب سے آپ ہم کو

ڈراتے ہیں وہ لے آیئے ہم تو بت پرستی نہیں چھوڑیں گے 'سچائی سے مراد یا تو دعوی نبوت میں سچائی ہے یا عذاب کی خبروں میں سچائی یعنی اگر آپ دعوئ نبوت میں سچے ہیں یا اس عذاب کی خبر میں جس سے آپ نے ہم کو ڈرایا **افلا تتقون** سے۔ خیال رہے کہ عذاب بھیجنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر انہوں نے ہود علیہ السلام کی طرف اسے نسبت کیا کہ آپ عذاب لایئے آپ نے اپنی بے بسی مجبوری بیان نہ کی کہ میں تو تمہاری طرح بندہ مجبور ہوں اللہ تعالیٰ عذاب بھیج سکتا ہے بلکہ آپ نے ان کا چیلنج قبول فرماتے ہوئے کہا **قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب** یہ آپ کا جواب ہے چونکہ وہ لوگ اس کے مضمون کے انکاری تھے اس لئے اسے **قد** سے شروع فرمایا **وقع** بمعنی لازم یا واجب ہے جو چیز یقینی طور پر آنے والی ہو اسے ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں وہ عذاب ابھی آیا نہ تھا مگر چونکہ یقیناً آنے والا تھا اس لئے وقع ماضی ارشاد ہوا یعنی سمجھو کہ تم پر عذاب آ ہی گیا۔ میں عذاب لانے سے مجبور نہیں الٰہی رب نے مجھے قدرت دی ہے کہ مومنوں کو رحمت دے سکتا ہوں منکروں کو عذاب یا یہ مطلب ہے کہ علم الٰہی میں تمہارے لئے عذاب لازم اور طے ہو چکا ہے کیونکہ میری نظر لوح محفوظ پر ہے وہاں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں **علیکم** میں خطاب صرف کفار سے ہے کیونکہ مومنین تو عذاب سے بچا لئے گئے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ **ربکم** فرما کر یہ بتایا کہ یہ عذاب خود منگا رہے ہو۔ وہ رب کریم کسی کو بلا قصور سزا و عذاب نہیں دیتا **رجس** کے لغوی معنی ہیں اضطراب و پریشانی اس سے ہے **ارتجاس** بمعنی اضطراب ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا سنة کانت بنجد محیطة　　وکان علیهم رجسها وعذابها!

اس شعر میں **رجس** بمعنی پریشانی ہے اصطلاح میں سزا 'عذاب' عام مصیبت کو رجس کہتے ہیں کہ وہ بھی پریشانی کا باعث ہوتا ہے غضب کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں **غیر المغضوب علیهم** کے ماتحت ہو چکی ہے یعنی بدلہ کا ارادہ فرمانا بعض لوگوں نے کہا کہ یہاں غضب تفسیر ہے رجس کی یعنی تم پر اللہ کا عذاب یا رجس سے مراد ہے عذاب اور غضب سے مراد ہے ایمان و اعمال نیکی کی توفیق نہ ملنا یا رجس سے مراد ہے عذاب اور غضب سے مراد نبی سے دور رہنا ان کے پاس آنہ سکنا ان سے نفرت کرنا **اتجادلوننی فی اسماء** حضرت ہود علیہ السلام کا یہ فرمان ان لوگوں پر بطور عتاب ہے یعنی تم کو شرم نہیں آتی کہ تم مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ میں سچا نبی ہوں اور سچے نبی سے لڑائی جھگڑا عذاب کا باعث ہوتا ہے اور جھگڑتے بھی کس چیز میں صرف چند ناموں میں چند الفاظ میں جن الفاظ کی حالت یہ ہے اور ان کی نسبت یہ ہے کہ **سمیتموها انتم واباء کم** کہ ان ناموں کا مسمی کوئی نہیں یعنی ان ناموں کی کوئی مخلوق گذری ہی نہیں نہ انسان نہ جن نہ فرشتہ نہ کوئی اور چیز یہ الفاظ بے معنی ہیں چنانچہ وہ لوگ کسی بت کا نام سائقہ رکھتے تھے یہ سمجھ کہ بارش یہ برساتا ہے کسی کا نام حافظ کہ نگہبانی وہ کرتا ہے کسی کا رازقہ کہ ہم کو روزی یہ دیتا ہے کسی کا نام سالمہ بعضے بالکل بے معنی نام تھے جیسے **صدا صمود' ہباء** ان ناموں کے پتھر بنا کر پوجتے تھے (روح البیان) جیسے آج ہندو کسی پتھر کا نام ہنومان رکھتے ہیں کہ ہے وہ انسان مگر بندر کی شکل کسی کا نام گنیش کہ ہے انسان مگر ہاتھی کی شکل اس کے منہ پر سونڈ 'کسی کا نام کنھیا جو ہے انسان مگر کبھی ایک بالشت کا کبھی بیس گز کا اس قسم کی مخلوق کوئی نہیں گزری صرف الفاظ بے معنی اور نام بے مسمی ہیں ان وہمیات کی پرستش میں گرفتار ہیں' درود ہو اس آقائے دو جہاں پر جس نے ہم کو ان وہمیات کی پرستش سے نکال کر اللہ واحد قہار کے دروازے پر جھکا دیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) **ما نزل الله بها من سلطان** یہ ان کے معبودوں کی حقیقت ہے **بها** کا مرجع وہی اسماء یعنی گھڑے ہوئے وہمی نام ہیں سلطان کے لغوی معنی ہیں غلبہ یہاں مراد ہے دلیل قوی کیونکہ وہ غلبہ کا ذریعہ

ہوتی ہے یعنی نہ تم لوگوں نے ان کے نام والوں کو دیکھا ہے اور نہ کسی نبی کی کسی کتاب آسمانی نے ان کی خبر دی ہے لہٰذا وہ صرف تمہارے گھڑے ہوئے وہمی نام ہیں۔ سبحان اللہ کیسی نفیس دلیل ہے کہ ان چیزوں کی معبودیت تو درکنار موجودیت بھی ثابت نہیں پھر ان کی عبادت کیسی مگر آپ ان کی ہدایت سے مایوس تھے اس لئے فرمایا **فانتظروا انی معکم من المنتظرین** تم میری بات مانو گے تو نہیں اب تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو میں بھی اس گھڑی کا منتظر ہوں جب تم پر عذاب آئے گا نبی کی مایوسی خدا کا بڑا عذاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم میرے جھوٹ کے ظہور کا انتظار کرو کہ تم پر عذاب نہ آئے اور میرا سچا ہونا ظاہر نہ ہو اور میں تم پر عذاب آنے کا انتظار کر رہا ہوں تم میں رہ کر تمہارے ساتھ بس کر یا تم مجھ پر مصیبت آنے کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت کا انتظار کر رہا ہوں کیونکہ انتظار اچھی چیز کا ہوتا ہے اور اندیشہ و خطرہ خطرناک چیز کا **منتظرین** جمع فرما کر بتایا کہ تمہاری ہلاکت کی بہت مخلوق منتظر ہے' میرے سارے مومنین' فرشتے' زمین کے ذرات' درخت' پتھر' مومن جنات' وغیرہ میں ابھی ان کے ساتھ تمہاری ہلاک کا منتظر ہوں۔

خلاصہ ء تفسیر : ہود علیہ السلام کے اس کلام بلاغت نظام کو سن کر قوم عاد کے کفار بجائے نصیحت لینے کے ان کے مقابل آ گئے اور بولے کہ آپ ہم پر آسمان سے یا اپنی جاء عبادت سے اس لئے نازل ہوئے ہیں کہ ہم آپ کی باتوں میں آکر اپنی عقل کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرنے لگیں اور اپنے باپ دادوں کی مخالفت کریں کہ ان کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں اچھا ہم سے زیادہ کلام نہ کرو اگر سچے ہو تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ' جس سے ہم کو ڈراتے دھمکاتے ہو آپ نے فرمایا کہ مت گھبراؤ سمجھو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے اس کا غضب اس کا عذاب آ ہی گیا بس اس کے ظہور کی دیر ہے سب کچھ مکمل ہو چکا ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ میں ہوں اللہ کا سچا رسول تم مجھ سے ایسے وہمی معبودوں کی حمایت میں لڑتے جھگڑتے ہو جن کے نام تم لوگوں نے خود گھڑ کر یہ مان لیا ہے کہ یہ ہمارے معبود ہیں وہ تو موجود بھی نہیں معبود تو کیا ہوتے تمہارے بتوں کے بعض نام بالکل ہی بے معنی مہمل ہیں' بعض کے معنی تو ہیں مگر ان کی حقیقت کچھ نہیں نہ تو تم نے ان معبودوں کو کبھی دیکھا نہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کسی کتاب کے ذریعہ تم کو ان کی خبر دی ہے لہٰذا یہ محض وہمی چیزیں ہیں' اچھا اب فہمائش کا موقعہ نکل چکا اب تم بھی عذاب الٰہی کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ تمہارا انتظار کرنا بھی عذاب ہے میرا یہ انتظار اللہ کی رحمت ہے میرے لئے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: نبی کے فرمان کے مقابل جاہل باپ دادوں کی ناجائز رسموں کی پابندی کفار کا طریقہ ہے سارے عالم کے لوگ فرمان پیغمبر کے مقابل جھوٹے ہیں وہاں کثرت رائے کا اعتبار نہیں یہ فائدہ **ونذر ما کان یعبد اباءنا** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: نبی کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے مگر کفار اپنی بدبختی سے اسے اپنے لئے مصیبت بنا لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **اجئتنا** سے حاصل ہوا کہ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تشریف آوری کو اپنے لئے مصیبت جانا۔ تیسرا فائدہ: خوش نصیب لوگ نبی کو ان کی صورت ان کی سیرت ان کے معجزات دیکھ کر مان لیتے ہیں مگر کفار عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جب تم ہم پر عذاب لاؤ گے تب ہم تم کو مانیں گے۔ یہ فائدہ **فاتنا بما تعدنا** سے حاصل ہوا مگر اس وقت کا ماننا بالکل بے کار رہتا ہے خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ چوتھا فائدہ: نبی کو بالکل بے بس اور مجبور ماننا کفار کا طریقہ ہے انہیں اللہ تعالیٰ بڑے اختیارات قدرتیں بخشتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **فاتنا بما تعدنا** سے حاصل ہوا قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو مجبور محض سمجھ کر ہی تو کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو عذاب لائیے یعنی آپ

عذاب لانے پر بالکل قادر نہیں اس قول کو قرآن مجید نے اس کے کفر میں شمار کیا۔ **پانچواں فائدہ:** بعض انبیاء کرام نے قوم کے مطالبہ عذاب سے تنگ آکر ان کے عذاب کی بددعا کی ہے دیکھو نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا رب **لا تذرعلی الارض من الکافرین دیارا** اور بعض حضرات نے دعا نہ کی بلکہ خود ہی فرمادیا جاؤ عذاب آگیا جیسے یہاں ہود علیہ السلام نے کہ دعا نہ کی بلکہ خبر عذاب اپنی ذمہ داری پر دے دی یہی حال رحم و کرم کا ہے کہ وہ حضرات کبھی رحمت کی دعا کرتے ہیں کبھی خود ہی دے دیتے ہیں رب ان کی زبان خالی نہیں جانے دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ کو خود ہی جنت دیدی حضرت عکاشہ کو خود ہی فرمادیا کہ تم بے حساب جنتی ہو گئے موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے خود ہی فرمادیا **فاذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس**۔ معلوم ہوا رب کی طرف سے مختار مطلق اور ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** آئندہ کی یقینی خبر کو ماضی سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ جھوٹ نہیں بلکہ اس میں اپنے یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **قد وقع علیکم من ربکم رجس** سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے آنے والے عذاب کو **قد وقع** فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** رب تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر عذاب بھیجے اسے پسند یہی ہے کہ رحم و کرم فرمائے بندے خود اپنی حرکتوں سے عذاب مانگ لیتے ہیں یہ فائدہ **من ربکم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **من اللہ** نہیں فرمایا گیا۔ ربوبیت کا تقاضا رحمت و کرم ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما خطا از تو عطا! اے کریم از ما جفا از تو وفا
کار تو ستاری و بخشندگی! کار ما بدکاری و شرمندگی

اس لئے وہ کریم نبیوں ولیوں کو دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ بندے ان کے ذریعہ سے عذاب سے بچیں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی سے لڑنا جھگڑنا کفار کا طریقہ ہے وہاں زور نہ دکھاؤ زاری کرو۔ یہ فائدہ **تجادلوننی** فرمانے سے حاصل ہوا وہ بارگاہ بہت نازک ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

نواں فائدہ: کفار کے اکثر معبودین محض فرضی مخلوق ہے جس کا وجود کوئی نہیں محض نام ہیں بغیر مسمیٰ کے محض گھڑے ہوئے قصے ہیں بغیر کسی اصل واقعہ کے جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ ہنومان، گنیش، کنہیا کالی دیوی وغیرہ یہ کوئی مخلوق ہی نہیں انسان کو اللہ نے اچھی صورت میں پیدا فرمایا **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**۔ اس کے چوتڑوں پر دم ہو سکتی ہے نہ منہ پر سونڈ نہ اس کے دس بیس ہاتھ ہو سکتے ہیں نہ چھ سات منہ یہ فائدہ **سمیتموھا انتم و اباء کم** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جس مخلوق کا کسی نبی کسی آسمانی کتاب میں ذکر نہ ہو وہ محض فرضی ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ فائدہ **ما نزل اللہ بھا من سلطان** سے حاصل ہوا جو خوشامدی مسلمان ہندوؤں کے مذکورہ دیوتاؤں کو ولی یا مصلح مانتے ہیں۔ وہ اس آیت میں غور کریں' ایسی مخلوق کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں پھر انہیں کھینچ تان کر ولی ثابت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے جب ایسی مخلوق موجود ہی نہیں تو وہ ولی یا مصلح کیسی فائدہ۔ کفار کا مسلمانوں پر مصیبت کا انتظار کرنا بھی کفر ہے اور مسلمانوں کا کفار کے عذاب کا انتظار کرنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ **فانتظروا** اور **من المنتظرین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لاؤ نبی کے سچے ہونے اور قوم پر عذاب آنے میں کیا تعلق۔ انہوں نے یہ بے جوڑ بات کیوں کہی اور قرآن کریم نے اس نقل کیوں فرمایا۔ **جواب:** ان کی اس بکواس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے تو چاہئے کہ ہم پر عذاب

آجائے کیونکہ نبی کا انکار عذاب کا باعث ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے خبر دی ہے کہ تم نے اگر میری اطاعت نہ کی تو تم پر عذاب آجائے گا آپ کی یہ خبر سچی ہے تو ہم پر عذاب لاؤ کیونکہ ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔ **دوسرا اعتراض:** ہود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ تم پر عذاب و غضب آگیا یہ کیوں نہ فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کروں گا تم پر عذاب بھیجے۔ **جواب:** اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ علم الٰہی میں تمہارے عذاب کا فیصلہ ہو چکا لوح محفوظ میں تمہارا عذاب لکھا جا چکا ہے میں تحریر دیکھ کر کہہ رہا ہوں کہ عذاب لازم ہو گیا دوسرے یہ کہ اگرچہ ابھی تم پر عذاب آیا نہیں مگر یقیناً آنے والا ہے گویا آ ہی گیا یقینی چیز اگرچہ ابھی آئی نہ ہو مگر وہ گویا آئی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ جو نبی کے منہ سے نکل جائے وہ ہو کر رہتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کرنے والے دو قیدیوں سے فرمایا **قضی الا مر الذی فیہ تستفتیان** تم نے خواب جھوٹی کہی یا سچی اب جو میں کہہ چکا وہ ہو کے رہے گا۔ **تیسرا اعتراض:** ہود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں وہ لوگ تو عذاب الٰہی آنے کے قائل ہی تھے پھر انتظار کیسا؟ **جواب:** یہ فرمان انتہائی غضب کے اظہار کے لئے ہے جیسے عادی چور سے کہا جائے کہ تو جیل کا انتظار کر یا یوں کہو کہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کی نبوت سچائی کو دل سے مانتی تھی یہ بھی جانتی تھی کہ وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے زبان سے انکاری تھے آپ کا یہ فرمان ان کے دل کی ترجمانی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **انی معکم من المنتظرین** صرف اتنا فرما دینا کافی تھا کہ **انی منتظر**۔ **جواب:** اس عبارت میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ تم پر عذاب آنے تک میں تمہارے ساتھ تمہاری بستی میں ہی رہوں گا جب عذاب آئے گا تب میں تم سے جدا ہوں گا۔ چنانچہ عذاب آتے وقت نبی اور مومنین وہاں سے نکال دیئے جاتے ہیں دوسرے یہ کہ تم پر عذاب کا انتظار صرف میں ہی نہیں کرتا ہوں میرے سارے ماننے والے مومنین انتظار کر رہے ہیں میں ان میں شامل ہوں۔ سارے مومنوں کو تمہارے انجام اور تمہارے عذاب کی میں نے خبر دے دی ہوئی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** گذشتہ امتوں نے اپنے نبیوں سے عذاب مانگے اور آگئے مگر کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ما عندی ما تستعجلون بہ** میرے پاس تمہارا منہ مانگا عذاب نہیں یا فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا تو فیصلہ ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل مختار نہیں مجبور و معذور ہیں۔ **جواب:** تحقیق یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات کے یہ معنی نہیں کہ میں عذاب لانے سے مجبور ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں رحمت والا نبی ہوں میرے پاس رحم و کرم ہے عذاب نہیں اگر عذاب ہوتا تو تم ہلاک ہو جاتے میرا منشاء یہ ہے کہ نہ مکہ اجڑے نہ کعبہ' چاہ زمزم وغیرہ برباد ہوں نہ کفار مکہ ہلاک ہوں بلکہ مکہ وغیرہ آباد رہے اور یہی کفار مسلمان ہو کر اسلام کی خدمات انجام دیں۔

تفسیر صوفیانہ : بدنصیب اور خوش نصیب میں چند فرق ہیں ایک یہ کہ بدنصیب اپنے نفس اپنے رسم و رواج کو اچھائی برائی کی کسوٹی بناتا ہے کہ جو عقیدہ جو عمل میری اور میرے جاہل باپ دادوں کی رائے و عمل کے مطابق ہو وہ اچھا ہے جو ان کے خلاف ہو وہ برا ہے مگر خوش نصیب نبی کے قول و عمل کو اپنے اور اپنے باپ دادوں کے لئے کسوٹی بناتا ہے کہ میرا اور میرے باپ دادوں کا جو عقیدہ و عمل نبی کی تعلیم کے موافق ہے وہ اچھا ہے جو اس کے خلاف ہے وہ برا وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل سچ و جھوٹ اچھے برے میں فرق فرمانے آتے ہیں۔ عاد بدنصیب قوم تھی انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے فرمان کو اپنے باپ دادوں کی کسوٹی پر کسا دوسرے یہ کہ بدنصیب نبی کو عذاب اور بلا سے آزماتا ہے کہ اگر یہ مجھ پر عذاب لا دیں تو سچے نبی ہیں ورنہ

نہیں اسی سے وہ مارا جاتا ہے خوش نصیب ان کی نبوت دلائل اور معجزات سے پہچان کر ان کی فرماں برداری کر کے عذاب دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے غرضیکہ بدنصیب عذاب منگاتا ہے خوش نصیب عذاب بھگاتا ہے قوم عاد بدنصیب تھی انہوں نے اپنے منہ سے اپنی موت مانگی کہ کہا فاتنا بما تعدنا تیسرے یہ کہ بدنصیب نبی کا زور آزماتا ہے خوش نصیب ان کی بارگاہ میں زاری کرتا ہے لہٰذا بدنصیب مارا جاتا ہے خوش نصیب امان پاتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس عبادت میں نبی کی اطاعت شامل نہ ہو وہ صرف نام ہے بغیر مسمی کے نام ڈھانچہ ہوتا ہے نام والا روح رواں ایسے ہی عبادات ڈھانچہ ہے اطاعت نبی اس کی روح رواں اسماء سمیتموھا کی ان کے نزدیک یہ تفسیر ہے منافقین نبی سے پھر کر کلمہ پڑھتے تھے ابلیس نے نبی سے منہ موڑ کر عبادات کیں تو ان سب کے پاس صرف الفاظ رہ گئے صرف نام رہ گئے نام والا ان سے ناراض ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عبادات نبی کی اطاعات کی توفیق نصیب کرے کہ وہی ایمان و ایمانیات کا مغز ہے۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

پس بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے ساتھ اپنی رحمت سے اور کاٹ دی ہم نے جڑ انکی

تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے

بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝۷۲

جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہیں تھے وہ مومن۔

تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اب تک حضرت ہود علیہ السلام کی مہربانیوں اور قوم عاد کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا اب اس کے انجام کا ذکر ہے کہ آخر کار نہ یہ نافرمان رہے نہ ان کی نافرمانیاں ہی رہیں ان کے قصے ہی رہ گئے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ لو تم پر عذاب آہی گیا اب ارشاد ہے کہ جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا جو ان کی زبان شریف سے نکلا تھا وہ اسی طرح ہوا گویا نبی کے قول کا ذکر پہلے تھا اس کے ظہور کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا کہ میں مع اپنی مومن جماعت کے تمہارے عذاب کا انتظار دیکھ رہا ہوں اب ارشاد کے بعد ختم انتظار ہے کہ آخر کار ان کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کا عذاب دیکھ لیا گویا انتظار کا ذکر ہے۔ جیسا ان کی مبارک زبان سے نکلا تھا ویسا ہوا۔

تفسیر: **فانجیناہ والذین معہ** عبارت نیا جملہ ہے۔ جس میں ف فصیحہ ہے یعنی اس سے پہلے ایک مضمون پوشیدہ ہے جسے یہ ف ظاہر کر رہی ہے اصل عبارت یوں ہے **فوقع العذاب فانجینا**۔ **انجینا** بنا ہے **نجاۃ** سے جس کا مادہ نجو ہے بمعنی علیحدگی اسی سے ہے مناجات کہ وہ علیحدگی میں کی جاتی ہے اس سے ہے استنجا کہ وہ بھی تنہائی اور علیحدگی میں ہوتا ہے۔

ضمیر حضرت ہود علیہ السلام کی طرف ہے اور **الذین** سے مراد مومنین ہیں معیت و ہمراہی مراد ہے دینی ہمراہی نہ کہ صرف مکانی و جسمانی ہمراہی ایمانی ہمراہی قوی اور دائمی ہوتی ہے' چونکہ نبی کی ہمراہی ان لوگوں کی نجات کا ذریعہ تھی اس لئے **والذین معه** فرمایا گیا اور پہلے حضرت ہود کی نجات کا ذکر ہوا بعد میں ان مومنین کا **برحمتمنا** یہ متعلق ہے **نجینا** کے 'ب' سببیہ ہے رحمت میں تنوین عظمت کی ہے جس کے معنی ہوئے بڑی عظیم الشان رحمت یعنی ہم نے جناب ہود اور ان کے مومن ساتھیوں کو اپنی رحمت عظیمہ کے ذریعے عذاب سے نجات دی' ہود علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا مومنوں کو ایمان کی توفیق پھر ان سب کو ایمان پر قائم رکھنا پھر اس ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات دینا یہ سب کچھ ہمارے رحم و کرم خاص سے ہوا یہ ہمارا فضل تھا اور ہمارا عدل یہ تھا کہ **وقطعنا دابر الذین کذبوا باٰیٰتنا** دابر بنا ہے دبر سے معنی پیچھے اس کا مقابل ہے قبل معنی آگے۔ اصطلاح میں دابر کہتے ہیں درخت کی جڑ کو کہ کاٹتے وقت جڑ آخر میں کٹتی ہے پہلے درخت کی شاخیں تنے کاٹے جاتے ہیں پھر نسل اور اولاد کو بھی دابر کہنے لگے کہ یہ چیزیں بھی انسان کے پیچھے ہوتی ہیں اور پیچھے رہتی ہیں **الذین** سے مراد قوم کے کفار ہیں **کذبوا** کے معنی ہیں آخر تک جھٹلاتے رہے یا ہر طرح جھٹلاتے رہے قولاً" اور عملاً۔ آیات سے مراد ہے حضرت ہود علیہ السلام کی ذات آپ کی صفات آپ کی تعلیمات آپ کے معجزات کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن سے اسے پہچانا جاتا ہے یعنی ہم نے قوم عاد کے کفار جنہوں نے ہمارے نبی ان کی صفات وغیرہ کا انکار کیا ان کی جڑ کاٹ ڈالی کہ ان کا ایک فرد بشر باقی نہ بچا ان کی اولاد تک کو برباد کر دیا ان کی نسل ہی ختم کر دی کیونکہ وہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے اور **وما کانوا مومنین** نہ وہ آئندہ ایمان لانے والے تھے کہ ہمارے ہاں ان کا نام کفار کی فہرست میں تھا' یہ کافر ہی مرنے والے تھے اگر وہ جیتے تو زمین میں اور بھی فساد ہی پھیلاتے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ ان کی قوم کی سرکشی کی گفتگو تو سن چکے اب یہ بھی سنئے کہ آخر کار ہم نے حضرت ہود کو اور ان کے ساتھی مومنوں کو تو اپنے خاص فضل و کرم سے عذاب سے نجات دے دی اور ان کی قوم کے وہ کافر جو اب تک حضرت ہود اور ان کی نبوت و معجزات و تعلیم کو جھٹلاتے رہے اور آئندہ بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے ان کی جڑ کاٹ ڈالی کہ ان سب کو نیست و نابود کر دیا ان کا ایک فرد بھی باقی نہ بچا ان کی نسل ختم فرما دی ان کی بستی ہی اجاڑ کر رکھ دی۔

قوم عاد کی ہلاکت

تفسیر خازن' روح البیان و معانی' مدارک وغیرہم نے قوم عاد کی ہلاکت کا بہت تفصیلی واقعہ نقل فرمایا ہے جس کا اجمالی ذکر ہم کرتے ہیں قوم عاد مقام احقاف میں آباد تھی یہ علاقہ یمن کا ایک حصہ تھا بڑا وسیع تھا' عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا تھا اسے رمل عالج یعنی ریگ رواں اور دہقان بھی کہتے تھے یہ لوگ بڑے شہ زور مالدار بڑے سرکش و ظالم تھے جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام ان سے تنگ آ گئے تو آپ نے ان کے عذاب کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بند کر دی جب بارش بند ہوئے تین سال گزر گئے اور یہ لوگ قحط گرمی سے بہت تنگ آ گئے تو انہوں نے اپنی قوم میں سے ستر (70) آدمی مکہ معظمہ جانے بیت اللہ کعبہ شریف میں دعا مانگنے کے لئے منتخب کئے ان کا سردار دو شخصوں کو بنایا' قیل ابن عنز'

مرثد ابن سعد اس زمانہ میں ہر قوم کے لوگ مصیبت میں کعبۃ اللہ شریف جاتے وہاں دعائیں مانگا کرتے تھے مکہ معظمہ میں قوم عمالقہ آباد تھی جو عملیق ابن لاوذ ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کا سردار معاویہ ابن بکر تھا جو حرم شریف سے باہر رہتا تھا' معاویہ کی ماں قوم عاد کی تھی اس رشتہ سے وہ قوم عاد کو اپنا نانا ماموں سمجھتا ان کا احترام کرتا تھا جب قوم عاد کے یہ ستر آدمی معاویہ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا بڑا احترام کیا بڑی خاطر تواضع اور مہمانداری کی یہ لوگ اس کے پاس ایک ماہ رہے خوب شراب پیتے تھے' معاویہ کی دو رنڈیاں تھیں وردہ اور جرادہ وہ خوب ناچتی اور گاتی تھیں اور انہیں خوش خرم رکھتی تھیں یہ لوگ شراب و گانے بجانے میں ایسے مست ہوئے کہ اپنے ملک کی ساری تکالیف بھول گئے' معاویہ نے جب دیکھا کہ یہ ستر آدمی ایک ماہ سے میرے ہاں ٹھہرے ہیں جانے کا نام نہیں لیتے میرے بچے. ماموں نانے احقاف میں مصیبتوں میں گرفتار ہیں کسی صورت سے انہیں یہاں سے بھیجنا چاہئے اس نے یہ کہنا تو مناسب نہیں سمجھا کہ اب آپ لوگ جائیں اس نے سات شعروں کا ایک قصیدہ لکھا اور ان رنڈیوں کو حکم دیا کہ وہ ان ستر آدمیوں کے سامنے گائیں' جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فھینم لعلی اللہ یسقینا انعام

فیسقی ارض عاد ان عادا قد امسوا یبینون الکلام

من العطش الشدید فلیس ترجو بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما

یہ قصیدہ بہت دردناک تھا جس میں ان لوگوں کو جھنجھوڑا گیا تھا کہ تم یہاں عیش کر رہے ہو تمہارے بال بچے اپنے گھروں میں بھوک و پیاس سے جاں بلب ہیں جس کام کے لئے آئے ہو وہ کرو یہ قصیدہ ان گانے والی رنڈیوں سے سن کر یہ لوگ گویا ہوش میں آگئے آپس میں کہنے لگے کہ چلو حرم شریف میں غلاف کعبہ پکڑ کر دعا مانگیں ان کا ایک سردار مرثد ابن سعد خفیہ طور پر ہود علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا آج اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا بولا کہ تم کعبہ بھی جا کر دعا مانگو قبول نہ ہوگی' جب تک کہ اپنے شرک سے توبہ نہ کرو اور ہود علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤ یہ لوگ اس پر بہت ناراض ہوئے اسے وہاں ہی چھوڑا اور دوسرے سردار قیل ابن عنزہ کی قیادت میں مکہ معظمہ گئے' مرثد ابن سعد نے اس وقت ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

عصت عاد رسو لھم فاسو عطاشا فا بتلھم السماء

لھم صنم یقال لہ صمود یقابلہ صداء والھباء

فبصرنا الرسول سبیل رشد فابصرنا الھدی دعلا العلماء

وان الہ ھود ھوالھی علی اللہ التوکل والرجاء

یعنی ان لوگوں نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو پیاسے مر رہے ہیں اس وقت ان کے بت صمود وغیرہ کام نہیں آسکتے سچا معبود وہی ہے جو ہود علیہ السلام کا معبود ہے اس کی عبادت کرنی چاہئے۔ بہرحال یہ لوگ مکہ معظمہ پہنچے کعبۃ اللہ کے پاس دعائیں مانگنے لگے ان کا سردار قیل دعا کرتا تھا باقی لوگ آمین کہتے تھے اچانک آسمان پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے سفید' سرخ' سیاہ اور غیبی آواز آئی کہ اے قیل اپنی قوم کے لئے ان میں سے ایک بادل اختیار کرلے وہ بولا سیاہ بادل اختیار کرتا ہوں کہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے جب یہ لوگ احقاف پہنچے تو ان کا مانگا ہوا سیاہ بادل احقاف پر چھا گیا یہ لوگ بڑے خوش ہو کر بولے **ھذا عارض ممطرنا** یہ بادل خوب برسے گا مگر وہ تو عذاب کی سرد اور سخت آندھی تھی چنانچہ شوال کی بائیس تاریخ بدھ کے دن صبح کے وقت

آندھی شروع ہوئی اور سات رات آٹھ دن ان پر مسلط رہی (صاوی) ساری قوم عاد کے کفار کو مردوں عورتوں' بچوں' بوڑھوں' جوانوں ان کے مال مویشیوں کو اس طرح ہلاک کر ڈالا کہ ان کو فضاء آسمانی میں اڑاتی وہاں سے نیچے گراتی تھی یہ لوگ اپنے گھروں میں گھس گئے دروازے بند کر لئے مگر خدا کے عذاب سے کون پناہ دے ہوا نے ان کے دروازے توڑ دیئے دیواریں اکھیڑ دیں اور انہیں وہاں ہی ہلاک کر ڈالا پھر غیبی پرندے نمودار ہوئے جنہوں نے ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دیں تمام زمین احقاف ان کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی' ہود علیہ السلام مع اپنے مومن ساتھیوں کے ایک غار میں پناہ گزیں رہے وہی ہوا ان کے لئے نہایت ہی خوشگوار تھی عاد کی ہلاکت کے بعد ہود علیہ السلام مع مومنین کے مکہ معظمہ آئے ان لوگوں نے اپنی بقیہ زندگانی وہاں ہی عبادت الٰہی میں گزار دی اور ہود علیہ السلام مقام ابراہیم اور رکن اسود کے درمیان دفن ہوئے زمزم اور رکن کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں ہود صالح' شعیب' اسماعیل علیہم السلام کی قبور یہاں ہی ہیں (خازن وغیرہ) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کی قبر حضر موت میں ہے' سرخ ٹیلہ کے پاس ہے آپ کی قبر کے سرہانے بیری کا درخت ہے واللہ اعلم۔ (روح المعانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی قوم پر بغیر نبی یا ولی کی بددعا کے عذاب نہیں آیا' جب نبی کا دل دکھتا ہے ان کے منہ سے بددعا نکلتی ہے تب عذاب آتا ہے۔ یہ فائدہ **فانجینہ** کی ف سے حاصل ہوا دیکھو فرعون نے صدہا سال دعویٰ خدائی کیا' بنی اسرائیل کے اسی ہزار بچے ذبح کرائے مگر عذاب نہ آیا مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی بددعا لگی **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** تب ڈوبا' مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد　　تادل صاحب دلے آمد نہ درد

دوسرا فائدہ: نبی کی ہمراہی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے ان کی ذات عذاب سے بچنے کا وسیلہ ہے یہ فائدہ **والذین معہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں ہود علیہ السلام کی ہمراہی کی وجہ نجات قرار دیا گیا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو　　کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانے والے

دیکھو غرق فرعون کے دن موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا **کلا ان معی ربی سیھدین** اے میری قوم تم کو فرعون ہرگز نہ پکڑ سکے گا کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے' مطلب یہ ہے کہ رب میرے ساتھ ہے اور میں تمہارے ساتھ لہٰذا رب تمہارے ساتھ ہے۔ **تیسرا فائدہ**: کوئی شخص خواہ کسی درجہ کا ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **برحمتنا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات رب کی رحمت سے ملی' ہاں رب کی رحمت نبی پر آتی ہے ان کے صدقہ دوسروں پر جیسا کہ ابھی **والذین معہ** کے ضمن میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا فائدہ**: جو کوئی نبی کے دامن سے وابستہ نہ ہو وہ کعبہ شریف سے بھی عذاب ہی لے کر آتا ہے وہاں رحمت اسے ملتی ہے۔ جس کے دل میں نبی کا فیض ہو دیکھو قوم عاد کے ستر آدمی چھ مہینے کعبہ معظمہ میں دعائیں کرتے رہے مگر عذاب ہی لائے اسی لئے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضرت عثمان مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے گئے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے لئے کعبہ حاضر ہے عمرہ کر لیں آپ نے جواب دیا کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے تین میل دور رکے ہوئے ہیں میں تو کعبہ کو دیکھوں گا بھی نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: جب مومنین، قوم عاد پہاڑ کے غار میں حضرت ہود کے ساتھ رہے تو عذاب سے نجات پا گئے مومنین قوم نوح کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ رہے غرق سے بچ گئے تو جو یار غار حضرت صدیق غار ثور میں حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں' پھر ہمیشہ کے لئے قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں ان پر رحمت خداوندی بے شمار ہو گئی اصحاب کہف کا کتا ولیوں کے غار کے دروازے پر بیٹھا ہے تو اسے دوامی زندگی کھانے پینے سے بے نیازی سردی گرمی سے امن سب کچھ مل گئے۔ **چھٹا فائدہ:** جس قوم پر عذاب الٰہی آتا ہے اس کی نسل نہیں چلتی۔ یہ فائدہ **وقطعنا دابر الذین** سے حاصل ہوا کیونکہ دابر سے مراد نسل ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** جس کافر کے ایمان کی آئندہ امید ہو یا جس کے پشت یا شکم سے مومن پیدا ہونے والے ہوں یا شکم سے کوئی مومن پیدا ہونے والا بھی نہ ہو تب اسے ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **وما کانوا مومنین** کی تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا** " خدایا اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور کافر و فاجر ہی جنیں گے معلوم ہوا کہ حضرت نوح اپنے نور نبوت سے اپنی قوم کی اصل و نسل سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا فانجیناہ ہم نے حضرت ہود کو اور مومنین کو نجات دی نجات کے معنی ہیں چھوڑانا مصیبت سے نکال لینا ان بزرگوں پر عذاب آیا ہی نہیں پھر اس سے چھوڑانے کے کیا معنی۔ **جواب:** محاورہ میں نجات کے دو معنی ہیں چھوڑانا' نکال لینا اور بچالینا' یہاں دوسرے معنی سے نجات فرمایا گیا' یعنی ہم نے انہیں عذاب سے بچالیا اور اگر نکال لینے کے معنی کئے جائیں تب بھی درست ہے کہ رب نے آپ کو اس کافر قوم سے نکال لیا۔ نیز وہ آندھی آپ اور مومنین تک پہنچی مگر رحمت بن کر وہی ہوا کفار کے لئے عذاب تھی مومنین کے لئے دل خوش کن فرحت افزا ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ہوا قوم عاد کے لئے احقاف میں عذاب ہو اور اس کے قریب ہی غار ہود میں رحمت اگر ہوا رحمت ہے تو سب کے لئے اگر عذاب ہے تو سب کے لئے۔ **جواب:** رب تعالیٰ نے اس کی مثال ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھادی تھی غزوۂ احزاب میں ہوا ایک تھی مگر خندق کے اس طرف جانب مدینہ رحمت کی تھی خندق کے دوسری طرف عذاب۔ ہیٹر اور فرج دونوں ایک میز پر رکھو اور دونوں میں بجلی کا پاور چھوڑو ایک ہی پاور ہیٹر میں گرم ہوگا' فرج میں ٹھنڈا' دو شخص ایک چارپائی ایک بستر میں سو رہے ہوں ایک دل خوش کن خواب دیکھ رہا ہے خوش ہو رہا ہے دوسرا خطرناک خواب دیکھ کر ڈر رہا ہے ایک قبر میں مومن و کافر دفن ہو گئے مومن کے لئے وہ قبر جنت کا باغ ہے اور کافر کے لئے وہی قبر دوزخ کی بھٹی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں ایک یہ کہ مومنین کو حضرت ہود علیہ السلام کی ہمراہی کی وجہ سے بچالیا دوسرے یہ کہ اپنی رحمت سے بچالیا ان دونوں میں سے کونسی بات درست ہے مومنین کس وجہ سے بچے؟ **جواب:** دونوں باتیں درست ہیں حضرت ہود علیہ السلام کی معیت مومنین کے لئے خود بھی رحمت تھی اور رحمت کا باعث بھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر رحمت و نعمت لوگوں کو انہیں کے ذریعہ سے انہیں کے پاس سے ملتی تھی۔ **چوتھا اعتراض:** جرم تو کیا تھا عاقل بالغ کفار نے مگر ہلاک کردیئے گئے ان کے بچے اور جانور بھی بے قصوروں کو سزا دینا عدل کے خلاف ہے۔ **جواب:** دنیاوی عذاب محض خالص عذاب نہیں ہوتے بلکہ کفار کے لئے عذاب ہوتے ہیں بچوں وغیرہ کے لئے باعث نجات اور آخرت میں باعث رفع درجات۔ رہے جانور وغیرہ ان کے لئے ہلاکت۔ جانور ویسے ہی روزانہ ہزاروں مرتے کٹتے رہتے ہیں آخرت کا عذاب خالص عذاب ہے اس لئے وہ کفار کے ناسمجھ بچوں پاگلوں کو نہ ہوگا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں لولا" ارشاد ہوا **کذبوا بایاتنا** اور پھر ارشاد ہوا **وما**

کانوا مومنین ان دونوں میں فرق کیا ہے' عبارت مکرر ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **کذبوا بآیاتنا** میں تو ان کے گزشتہ کفر کا ذکر ہے اور **ما کانوا مومنین** میں ان کے آئندہ کفر کا تذکرہ ہے یعنی وہ آئندہ بھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اچھوں کا سنگ ان کی ہمراہی ہے کہ تمام رحمتوں کا نزول ان پر ہوتا ہے ان کے طفیل ان کے ساتھیوں پر اور اللہ کا سب سے بڑا عذاب اچھوں سے دوری ان سے کٹ جانا کہ ان سے جو کٹ گیا اللہ کی ہر رحمت سے دور ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں شدی دور از حضور اولیاء | آں چناں واں دور گشتی از خدا
ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا | او نشیند در حضور اولیاء

سی ایک آیت میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے کہ **والذین معہ** جو تھے انہیں نجات ملی اور جو ان سے کٹے ہوئے تھے ان کی جڑ بنیاد کاٹ دی گئی' مقبولوں کی ہمراہی ان کی سنگت جانوروں پر بھی اثر کردیتی ہے اصحاب کہف کا کتا ان کے دروازے پر پڑا ہوا ہے تو اسے لمبی عمر' کھانے پینے سے بے نیازی' دھوپ اور سردی گرمی سے حفاظت سب کچھ عطا ہو گئیں۔ فرماتا ہے **وکلبهم باسط ذراعیه بالوصید**۔ نوح علیہ السلام کی کشتی میں جو جانور بھی بیٹھ گئے وہ ڈوبنے سے بچ گئے۔ سگا بیٹا کنعان ان سے الگ رہا ڈوب گیا مگر خیال رہے کہ صرف جسمانی ہمراہی بغیر ایمان کافی نہیں ہمراہی ایمانی درکار ہے یہ ہمراہی وقت اور جگہ کے اتحاد سے بے نیاز ہے دیکھو اویس قرنی یمن میں تھے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور عبداللہ ابن ابی منافق مدینہ میں تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اللہ سے اچھوں کی سنگت مانگو مگر کون سی سنگت روحانی اور جنانی۔

گر بے منی و پیش منی در یمن | گر با منی و در یمن پیش منی!

وقف لازم

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور طرف ثمود کے بھائی ان کے صالح کو فرمایا اے قوم میری عبادت کرو تم لوگ اللہ کی نہیں ہے

اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

واسطے تمہارے کوئی معبود سوا اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے رب تمہارے کے

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی تو اسے چھوڑ

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

یہ اونٹنی ہے اللہ کی واسطے تمہارے نشانی پس چھوڑے اسکو کھاتی رہے اللہ کی زمین میں اور نہ چھوؤ تم لوگ اسکو

دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں درد ناک

عَذَابٌ اَلِیْمٌ

سائقہ برائی کے ورنہ پکڑے گا تم کو عذاب دردناک

عذاب آئے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں عاد اولیٰ کی ہلاکت کا ذکر تھا یعنی قوم ہود علیہ السلام کا اب اس آیت میں عاد ثانیہ کی ہلاکت و تباہی کا تذکرہ ہے یعنی قوم صالح علیہ السلام کا جسے قوم ثمود بھی کہتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ قوم عاد نے ہماری آیات جھٹلائیں تو ہم نے تباہ کر دیا ان کی جڑ کاٹ دی اس آیت میں اس کی تائید میں صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کا معجزہ آیت الٰہیہ ہے اس کی توہین عذاب الٰہی کا سبب ہے گویا یہ واقعہ پچھلے واقعہ کی تائید بھی ہے اور اس کے اجمال کی تفصیل بھی۔ تیسرا تعلق: اس سے پہلے دو نبیوں کی تبلیغ کا ذکر ہوا نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کا اب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ تمام نبیوں کا اصل دین ایک ہے جس کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت دی یعنی توحید ذات و صفات کیونکہ اس تبلیغ کو گذشتہ سے پوری پوری مناسبت ہے۔

تفسیر : **والی ثمود اخاھم صالحا** یہ نئی عبارت ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اس سے پہلے پوشیدہ ہے **ارسلنا** ثمود کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کے معنی ہیں تھوڑا پانی چونکہ مقام حجر جہاں یہ قوم آباد تھی وہاں پانی بہت تھوڑا تھا اس لئے اس قوم کو ثمود کہتے ہیں یعنی تھوڑے پانی والی قوم دوسرے یہ کہ یہ لوگ ثمود ابن عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اس لئے انہیں ثمود کہا جاتا تھا یعنی ثمود کی اولاد ثمود کی نسل یہ لوگ مقام حجر سے وادی قریٰ تک کی بستیوں میں رہتے تھے حجر حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام اس مقام سے گذرے ہیں اور اس کنوئیں کے پانی سے صحابہ کو روکا ہے کہ یہ پانی کوئی استعمال نہ کرے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں لفظ ثمود متصرف بھی آیا ہے اور غیر متصرف بھی فرماتا ہے۔ **الا ان ثمود کفروا ربھم الا بعدا لثمود** اس آیت میں پہلا ثمود متصرف ہے تنوین کے ساتھ دوسرا ثمود غیر متصرف ثمود۔ دال کے فتحہ سے اگر اس کے معنی ہیں حی تو متصرف ہے اگر قبیلہ کا نام ہے تو غیر متصرف کیونکہ قبیلہ مونث ہے۔ (روح البیان) **اخوت** سے مراد دینی اخوت یا برابری کی اخوت نہیں کیونکہ صالح علیہ السلام مومن ہیں نبی ہیں قوم ثمود کافر ہے بلکہ برادری اور نسبی اخوت مراد ہے **اخاھم** فرما کہ یہ بتایا کہ حضرت صالح علیہ السلام دوسری قوم دوسری جگہ کے نہ تھے بلکہ اسی قوم اسی جگہ کے تھے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے "صالح ابن عبید ابن آصف ابن ماسح ابن عبید ابن حاذر ابن ثمود عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام ہے آپ ثمود ہیں اس قوم سے مل جاتے ہیں۔ (روح البیان معانی، خازن، کبیر وغیرہ) **قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ** اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ہو چکی کہ کافر قوم کو اپنی قوم کہہ کر پکارنا انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ہے میٹھے اور نرم الفاظ سے بات سننے والے کے دل میں اتر جاتی ہے عبادت سے مراد ہے ایمان لانا یعنی دلی عبادت یا ایمان لا کر جسمانی عادت کرنا **ما لکم** میں اس حکم کی دلیل دی گئی ہے یعنی

صرف اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا معبود حقیقی کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہے اطاعت اللہ تعالیٰ کی' نبی کی' اور اپنے دوسرے بزرگوں کی بھی ہے 'اتباع صرف نبی کی ہے اللہ تعالیٰ کی نہیں ان تینوں میں فرق اور دلیل پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ کفار بھی بہت سی نیکیاں کرتے ہیں جیسے صدقات و خیرات وغیرہ مگر وہ نیکیاں عبادات نہیں ان پر کوئی ثواب۔ عبادت وہ نیکی ہے جو نبی کے فرمان کے ماتحت کی جائے وہی قبول ہے پلاؤ کے سارے اجزا بغیر آگ پر پکے ہوئے نہ پلاؤ بنتے ہیں نہ انہیں کوئی کھاتا ہے آگ ان اجزا کو کھانے کے قابل پلاؤ بناتی ہے یونہی عشق نبی اطاعت رسول کی آگ حسنات کو عبادات بناتی ہے جیسے جسمانی آگ کے دو کام ہیں جلانا اور پکانا یونہی اس آتش عشق آتش ایمان کے دو کام ہیں گذشتہ گناہوں کو جلا کر فنا کر دینا اور اچھے کاموں کو عبادات بنا دینا عشق نبی کی آگ خوف خدا کے پانی انہیں روحانی غذا بناتے ہیں لہذا **اعبدوا اللہ** میں آپ کی نبوت کا ذکر بھی ہو گیا یعنی رب کی عبادت کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی' حضرت صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کو مانا یہ ایمان صدیقی ہے حضرت عمر نے قرآن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا کہ قرآن سن کر ایمان لائے یہ ایمان فاروقی ہے۔ **قدجاءتکم بینة من ربکم** یعنی تم اب کفر و شرک میں بے قصور نہیں ہو بے خبر نہیں ہو تم تک میری نبوت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی دلیلیں آچکیں۔ **بینة** سے مراد یا تو خود صالح علیہ السلام ہیں کہ نبی رب تعالیٰ کی جیتی جاگتی دلیل ہوتے ہیں یا آپ کے وعظ و نصیحت مراد ہیں یا کوئی اور معجزہ جو آپ قوم کو پہلے دکھا چکے تھے یا آپ کا خاص معجزہ یعنی قدرتی اونٹنی مراد ہے آخری احتمال زیادہ قوی ہے کہ اس سے قدرتی اونٹنی مراد ہے۔ **ھذہ ناقة اللہ** اگر وہاں **بینة** سے مراد ہے اونٹنی تو یہ آیت اسی کا بیان ہے اور اگر **بینة** سے مراد اور چیزیں تھیں تو یہ نیا جملہ ہے ایک بار آپ کی قوم نے کہا کہ ہم لوگ اپنے ایک میلہ میں جا رہے ہیں وہاں اپنے بتوں سے دعا کریں گے آپ اپنے رب سے دعا کریں اگر آپ کی دعا آپ کے رب نے قبول کر لی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے آپ نے فرمایا بتاؤ میں کیا دعا کروں تو قوم کے سردار جندع ابن عمرو نے ایک پہاڑ کے صخرہ کی طرف اشارہ کیا' جس کا نام کاتبہ تھا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی خوب موٹی تازی نکالے جو نکلتے ہی بچہ دے آپ نے اس قوم سے عہد و پیمان لیا کہ اگر میں نے یہ معجزہ تم کو دکھا دیا تو تم ایمان لانا سب نے عہد کیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ دعا کرتے ہی چٹان میں سے ایسی آواز آئی جیسے جانور بچہ جنتے وقت آواز نکالتا ہے پھر پتھر پھٹا اور ایک عظیم الجثہ موٹی تازی حاملہ اونٹنی اس میں سے نکلی اس نے نکلتے ہی بچہ جنا جو خود اس کے برابر تھا۔ (روح البیان و تفسیر صاوی وغیرہ) آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ اللہ کی طرف سے پیدا شدہ اونٹنی جو تم نے مانگی تھی۔ خیال رہے کہ اسے ناقۃ اللہ کہنے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر سوار ہوتا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ کسی کی ملک نہیں سواء اللہ کے جیسے مسجد کو بیت اللہ کہتے ہیں' شکاری جانور' جنگل کی گھاس' خود رو درخت اگرچہ کسی کی ملک نہیں مگر ملک ہو سکتے ہیں کہ جو ان کا شکار کرے یا کاٹ کر قبضہ کرے وہی مالک ہو جائے اس اونٹنی میں یہ بھی نہ تھا نہ کوئی مالک تھا نہ ہو سکتا تھا یا اس لئے اسے ناقۃ اللہ کہا کہ اس کی پیدائش بغیر ماں باپ کے ہے محض قدرت الٰہی سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں **لکم ایة** یہ عبارت **ناقة اللہ** کا حال ہے چونکہ صالح علیہ السلام صرف قوم ثمود کے ہی نبی تھے اور یہ اونٹنی انہیں کے لئے انہیں کے مطالبہ پر پیدا کی گئی تھی اس لئے **لکم** مقدم فرما کر حصر کا ذکر کیا یعنی صرف تمہارے لئے ہی یہ نشانی ہے تمہاری ہی مانگی ہوئی اس حصر سے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ یہ اونٹنی صرف تمہارے لئے معرفت الٰہی کی نشانی ہے میرے لئے نہیں کہ میں تو پہلے سے ہی عارف

باللہ۔ معجزات امت کے منوانے کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ نبی کے لئے قرآن لوگوں کے لئے ہدایت ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **ھدی للمتقین**- دوسرے یہ کہ یہ اونٹنی صرف تمہارے لئے آیت ہے نہ کہ دوسری قوموں کے لئے اگر تم اس کے اوپر ایمان نہ لائے تو عذاب تم پر آجائے گا۔ خیال رہے کہ اس اونٹنی کو چند وجہ سے آیت فرمایا گیا۔(1) یہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئی۔(2) پتھر میں سے نکلی۔(3) خوب فربہ اور جوان پیدا ہوئی۔(4) حاملہ ہی پیدا ہوئی' پیدا ہوتے ہی بچہ دیا۔(5) بچہ چھوٹا سا نہیں دیا بلکہ اپنی برابر کا دیا۔(6) ایک دن چھوڑ کر ایک دن کنوئیں پر پانی پیتی تھی اور سارا کنواں پی جاتی تھی۔(7) جب پانی کی باری ہوتی تھی تو اس دن کوئی جانور کنوئیں پر پانی پینے نہیں آتا تھا۔(8) وہ اتنا دودھ دیتی تھی کہ ساری قوم ثمود کو کافی ہوتا تھا اور اس کی باری کے دن وہ لوگ اس دودھ سے گزارہ کرتے تھے جن کھیتوں باغوں کو وہ چر لیتی تھی اس کے سبزہ اور پھل میں بہت برکت ہوتی تھی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ بہت سے معجزات کا مجموعہ تھا۔

ان وجوہ سے وہ ایک نشانی نہ تھی بلکہ آیات یعنی نشانیوں کا مجموعہ تھی(از خازن تفسیر کبیر) یہ معجزہ دیکھ کر جندع ابن عمرو اور اس کے خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے باقی قوم کافر رہی تب آپ نے کافر قوم سے فرمایا کہ **فذروھا تاکل فی ارض اللہ** یہاں ف جزائیہ ہے اس جملہ سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے یعنی چونکہ اونٹنی اللہ کی ہے اور زمین بھی اللہ کی لہذا تم اسے چرنے دو جہاں چاہے کھاتی پھرے تم اسے نہ روکو۔ خیال رہے کہ **ارض اللہ** سے مراد ہر قسم کی زمین ہے خواہ چھوٹے ہوئے جنگل ہوں یا ان کے بوئے ہوئے کھیت و باغ ان لوگوں پر لازم تھا کہ جس کے کھیت یا باغ میں وہ اونٹنی گھس جائے اسے وہاں سے نہ نکالیں وہ خود ہی کھا کر نکلے جب اسے چرنے سے روکنا ممنوع تھا تو پانی سے روکنا یقیناً ممنوع تھا یعنی اسے کھانے پینے سے نہ روکو **ولا تمسوھا بسوء** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ **بسوء** میں ب تعدیہ کی ہے اور معنی یہ ہیں کہ اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ نہ اسے مارو نہ کہیں سے نکالو نہ اسے ذبح کرو اس کا ادب و احترام کرو کیونکہ یہ اللہ کی نشانی ہے۔ تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے ہے **فیاخذ کم عذاب الیم** چونکہ یہ عبارت نہی کا جواب ہے اس لئے **ف** کے بعد ان پوشیدہ ہے اور **یاخذ** منصوب ہے ف کے معنی ہیں ورنہ یعنی اس اونٹنی کو ایذا نہ دو یا اس کی بے حرمتی نہ کرو ورنہ تم پر دردناک عذاب آجائے گا آپ نے قوم کو پہلے سے برا بھلا سمجھا دیا۔ یاد رکھو کہ اونٹنی کا انکار کرتے ہی ان پر عذاب نہ آیا بلکہ اونٹنی ذبح کرنے پر آیا تاکہ نبی کے ایمان کا پتہ چلے کہ جو جانور ان کی امان میں ہو اس کو ستانا عذاب کا باعث ہے تو امان والے انسانوں کا کیا حال ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم تیسرا قصہ اور سن لو یا اپنی قوم کو سناؤ صالح علیہ السلام کا کہ قوم ہود جسے عاد اول کہا جاتا ہے ان کی ہلاکت کے بعد ہم نے قوم ثمود میں انہیں کی برادری میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا قوم ثمود تو حجاز والوں سے بہت ہی قریب ہے اس کی بستیاں اپنے سفروں میں یہ دیکھتے ہیں آپ نے اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ تم اللہ کے بندے ہو اس ایک اللہ کی عبادت کرو اس پر ایمان لاؤ اس کی ہی فرماں برداری کرو عبادت کرو عبادت کے لائق اس کے سوا اور کوئی نہیں جب انہوں نے اپنے منہ سے اونٹنی کا معجزہ مانگا تو جس طرح سے جس قسم کی اونٹنی مانگی گئی آپ نے اس طرح اس قسم کی اونٹنی پتھر سے نکال کر دکھا دی اور فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی تمہارے لئے میری نبوت اللہ کی قدرت کی ایک دو نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں اب تم پر پابندی یہ ہے کہ یہ جہاں کہیں کھانا چاہے کھانے دو کسی کے کھیت یا باغ میں چرنے کے لئے گھس جائے تو

اسے نکالو مت وہ خود ہی کھا کر نکلے تو نکلے تم اسے نہ ہانکو نہ نکالو۔ ساتھ ہی خیال رکھو کہ اس کی بے ادبی نہ کرو اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچاؤ نہ اسے مارو' نہ ڈانٹو' نہ زخمی کرو' نہ ذبح کرو ورنہ خیال رکھو کہ تم پر ایسا دردناک عذاب آئے گا کہ تمہارے قصے دنیا سنے گی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر اور حبیب اعظم ہیں کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ نبیوں ان کی امتوں کے واقعات سنا کر تسکین دیتا ہے۔ دیکھو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیتے تھے تو رب تعالیٰ آپ کو حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات بتا رہا ہے فرما رہا ہے کہ محبوب غم نہ کرو یہ لول ہی سے ہوتا چلا آیا ہے آخر جیت تمہاری ہے ڈنکے تمہارے نام کے بجیں گے۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ کی عبادت بڑی نعمت ہے جسے یہ نعمت ملی وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے' عبادت انسان کی زندگی کا اصل مقصود ہے یہ فائدہ **یقوم اعبدوا اللہ** سے حاصل ہوا تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو پہلی دعوت عبادت کی دی۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کی جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہو جائے وہ عظمت والی ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **ناقتہ اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ کی مخلوق تھی اور دوسری اونٹنیاں بھی اللہ کی مخلوق ہیں مگر چونکہ اس اونٹنی کو اللہ تعالیٰ سے نسبت تھی کہ وہ کسی بندے کی مملوک نہ تھی اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی محض قدرت سے ہوئی تھی بغیر ماں باپ کے تو اسے آیت الٰہی نشان قدرت قرار دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ**: جس جانور کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہو جائے اس کا ادب و احترام کرنا ایمانی رکن ہے دیکھو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ سے نسبت تھی تو فرمایا گیا **لا تمسوھا بسوء** ایسے جانوروں کی بے ادبی ایذا رسانی عذاب الٰہی کا باعث ہے اب بھی ہدیٰ کا جانور جو مکہ معظمہ قربانی کے لئے بھیجا جائے اسے قرآن کریم نے شعائر اللہ فرمایا۔ اور اس کی تعظیم کا حکم دیا کہ فرمایا **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ** دوسری جگہ ارشاد ہوا **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**۔

لطیفہ : ایک بار ہمارے پاس ضلع منٹگمری سے استفتا آیا کہ ایک گاؤں میں بھینس کے ایک بچہ ہوا جس کی پیشانی پر قدرتی طور پر لفظ محمد لکھا ہوا ہے لوگ اس کو دیکھنے قدرت خدا کا نظارہ کرنے دور دور سے آرہے ہیں کلمہ پڑھتے درود پڑھتے اور اس بچہ کو دیکھتے ہیں ہم نے علماء دیوبند سے فتویٰ منگایا انہوں نے حکم دیا کہ اسے بہت جلد ذبح کر کے فنا کر دو یہ شرک کی جڑ ہے یہ سامری کے بچھڑے کی طرح ہے ہم نے گجرات سے جواب دیا کہ اس بچہ کو محفوظ رکھو ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے یہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی طرح لائق احترام ہے یہ بچہ کسی سامری نے نہیں بنایا ہے قدرتی ہے لوگ اسے دیکھ کر اللہ کی قدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اسلام کی حقانیت کے قائل ہوں گے ہم نے یہی آیت انہیں لکھ بھیجی۔ مگر ہمارا فتویٰ پہنچنے سے پہلے دیوبندی علماء کی مہربانی سے وہ بچہ ذبح کر کے فنا کر دیا گیا۔ میں نے مرغی کے انڈے پر' پتھروں پر' بکرے کے بچے کے جسم پر قدرتی طور پر نام محمد لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ایک پتھر میرے پاس ہے۔ جس پر صاف لکھا ہے محمد۔ اللہ تعالیٰ وہابیوں کو سمجھ دے۔ **پانچواں فائدہ**: معظم جانور کی خاطر مدارات کرنا اسے اچھے کھانے دینا' اچھی طرح اس کی پرورش کرنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے۔ یہ فائدہ **فذروھا تاکل فی ارض اللہ** سے حاصل ہوا۔ بعض لوگ قربانی عقیقہ' گیارہویں شریف کے بکرے کو اچھی طرح پالتے فربہ کرتے ہیں ان کے اس عمل کا ماخذ

یہی آیت ہے۔ چھٹا فائدہ: اگر حلال چیز کا کھانا نقصان دے تو اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے بلکہ اس لئے کہ وہ نقصان دہ اور مضر صحت ہے دیکھو اونٹ حلال ہے اس کا ذبح کرنا جائز۔ مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذبح کرنا اسے کھانا ممنوع تھا کیونکہ اس پر عذاب آنے کا خطرہ تھا۔ یہ فائدہ **فیا خذکم عذاب الیم** سے حاصل ہوا آج بعض بزرگوں کے جنگل کا شکار بعض بزرگوں کے تالابوں کی مچھلیوں کا شکار تجربہ سے سخت نقصان دہ ثابت ہوا لوگ ان سے بچتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ حرام شرعی ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ مضر ہیں اس کا ماخذ یہی آیت ہے جیسے بلغمی مزاج والے کو بادی چیزوں سے پرہیز کرایا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ شرعاً حرام ہیں بلکہ اس کے لئے مضر ہیں یہ بات خوب خیال میں رکھو۔ بعض نا سمجھ اس عمل کو شرک و کفر کہتے ہیں غلط ہے۔ خیال رہے کہ حدود حرم شریف کا شکاری جانور حرام نہیں اگر وہ اس حد سے نکل جائے تو اس کا شکار کیا جا سکتا ہے حدود حرم میں اسے شکار کرنا حرام ہے چیز کا حرام ہونا اور ہے اور فعل حرام ہونا کچھ اور۔ یہ بھی خیال رہے کہ حدود مدینہ کے شکاری جانور کا شکار کرنا شوافع کے ہاں حرام ہے امام اعظم کے ہاں حرام نہیں بایں معنی کہ اس کے شکار سے فدیہ یا جزا واجب نہ ہوگی باقی وہاں کے شکاری جانور بلکہ وہاں کے پھول و خار کا بھی احترام ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

ان کے حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں جا کریں

نسبتوں سے عظمتیں ضرور حاصل ہوتی ہیں۔

پہلا اعتراض: معلوم ہوا کہ نبی اپنی امت کے بھائی ہوتے ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا **اخاھم صالحا** لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم بھائی کہہ سکتے ہیں؟ جواب: اخ کے دو معنی ہوتے ہیں برادر یا برابر نبی کبھی امت کے برابر نہیں ہوتے ہاں بعض نبی اپنی امت کی برادری والے تھے کہ اس قوم کے تھے بعض نہ برابر تھے نہ برادر کہ دوسری قوم دوسرے ملک کے رہنے والے برادری چند قسم کی ہوتی ہے نسب' وطن' پیشہ' زبان وغیرہ بتاؤ تم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس معنی سے اخ یعنی بھائی کہتے ہو اگر کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں ہم بھی مومن اور تمام مومن آپس میں بھائی ہیں تو رب تعالیٰ بھی مومن ہے اسے بھائی کہو ہم مومن ہیں یعنی ایمان لینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں' ایمان دینے والے نیز جو برادری پیدا کرے وہ مورث اعلیٰ باپ ہوتا ہے برادر نہیں ہوتا نہ برابر باپ۔ اولاد کا بھائی نہیں بلکہ بھائی گر ہے نیز بھائی کی بیوی بھاوج ہوتی ہے اس سے نکاح درست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھابھی لہٰذا کسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی کے بھائی نہیں۔ دوسرا اعتراض: مسلمانوں کا خدا بھی خوب ہے جو اونٹنی کی سواری کرتا ہے اس سے تو ہم انسان ہی اچھے کہ موٹروں ہوائی جہازوں کی سواری کرتے ہیں دیکھو مسلمانوں کا قرآن کہتا ہے **ھذہ ناقۃ اللہ** (آریہ) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ ہندوؤں کا خدا نارائن خوب ہے گڑھ مکیشر گنگا کی سیڑھیوں سے چڑھتا اترتا ہے جسے ہندو ہر کی پڑی کہتے ہیں یعنی خدا کی سیڑھی اس سے تو ہم بھی اچھے ہیں کہ لفٹ اور بجلی کے زینہ سے چڑھتے اترتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **ناقۃ اللہ** کے معنی یہ کہاں کہ اللہ تعالیٰ کی سواری کی اونٹنی اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مملوکہ اونٹنی اس کی قدرت کی مظہر اونٹنی جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے مسجد کو اللہ کا گھر کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں یہ سب نسبتیں اس معنی سے ہیں۔ تیسرا اعتراض: صالح علیہ السلام کی اونٹنی میں کیا خصوصیت تھی جس سے اسے اللہ کی آیت بینہ فرمایا گیا۔ اونٹ گائے ہزاروں دنیا میں ہیں۔ (سندو) جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ

اونٹنی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئی پتھر سے پیدا ہوئی' پیدا ہوتے ہی اس نے بچہ دیا بہت زیادہ دودھ دیتی تھی بہت زیادہ پانی پی جاتی تھی ان وجوہ سے اسے آیت اللہ کہا گیا۔ تعجب ہے کہ وہ ہندو جو ہر گائے ہر بندر کو مانا اور رانو کہہ کر پوجیں وہ اسلام پر ایسے رکیک اعتراض کریں بتاؤ بندروں 'گاؤں' سانپ میں کیا خصوصیت ہے کہ تم ان کی پوجا کرتے ہو۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے قوم صالح علیہ السلام کو یہ حکم کیوں دیا تھا کہ اسے کوئی کھیت والا 'باغ والا اپنے کھیت و باغ سے نہ ہانکے اسے کھانے دے یہ ظلم ہے پرائی کھیتی' پرایا باغ جانور سے چروا دینا کسی طرح جائز نہیں ایسی اونٹنی کانجی ہاؤس کے لائق ہے۔ (ہندو اور بعض نادان مسلمان) **جواب:** اس اونٹنی کا دودھ ساری قوم پیتی تھی جس جانور کا دودھ پیا جائے اسے چارہ بھی دیا جاتا ہے جب سب اس کا دودھ پیتے تھے تو سب کے ذمہ اس کا چارہ لازم تھا اس لئے یہ فرمایا گیا۔ نیز روایات میں ہے کہ اس اونٹنی کے کھانے سے کھیت اور باغ میں اور زیادہ برکت بڑھوار ہوتی تھی اگر کسی کی چیز کے استعمال سے چیز کم نہ ہو تو بلا اجازت اس کا استعمال جائز ہے جیسے کسی کے چراغ سے روشنی لے لینا۔ نیز یہ اونٹنی ساری قوم نے مانگی تھی وہ سب کی مہمان تھی جسے بلایا جائے اسے کھلایا بھی جاتا ہے نیز قوم پر یہی پابندی ان کے عذاب کا ذریعہ تھی کہ ان پابندیوں سے تنگ آکر اسے ذبح کر دیں ان پر عذاب الٰہی آئے۔ **پانچواں اعتراض:** اس اونٹنی کو ایذا دینے پر عذاب کیوں آیا اور کیوں فرمایا گیا **فیاخذکم عذاب الیم** دن رات جانور ذبح ہوتے رہتے ہیں کبھی عذاب نہیں آتا۔ **جواب:** یہ اونٹنی محض ایک جانور نہ تھی بلکہ نبی کا معجزہ بھی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نشانی قدرت بھی اسے ستانا نبی کی امان کو توڑنا تھا اور اللہ تعالیٰ کا گویا مقابلہ کرنا اس کے اتارے ہوئے ان کے منہ سے مانگے ہوئے معجزہ کا انکار تھا لہذا اس جرم پر عذاب آنا ہی تھا' شکاری جانور دن رات ذبح ہوتے ہیں مگر حرم کعبہ حدود مکہ معظمہ کا شکاری جانور ذبح نہیں ہو سکتا اس کو اس جگہ سے اٹھانا بھی حرام ہے کیونکہ وہ کعبہ معظمہ کی امان میں ہے۔ **ومن دخلہ کان امنا** تو جو نبی کی امان میں ہو' اس کی ایذاء پر بھی عذاب آنا چاہئے کہ اس نے نبی کی توہین کی اور اپنے مانگے ہوئے معجزہ کا انکار کیا۔

تفسیر صوفیانہ: صالح علیہ السلام کا معجزہ جو شکل اونٹنی میں ایک پہاڑ سے نمودار ہوا یہ عوام کے لئے ایک معجزہ تھا جو ایک بار ہو چکا مگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ روحانی اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے خواص کے لئے تاقیامت ظاہر ہوتا رہے گا' بندہ خاص کا دل گویا پہاڑ ہے اس پہاڑ سے سر الٰہی کا ناقہ نکلتا ہے یہ ناقۃ اللہ امانت معرفت لے کر آیا ہے اور قلب میں رہنے بسنے والی قوتوں کے لئے واردات الٰہیہ کا دودھ دیتا ہے اس سر الٰہی کے ناقہ کو اجازت دو کہ وہ قدس کے باغوں میں چرتا پھرے انس کے حوض میں پیتا رہے اسے شریعت کی مخالفت' طریقت کے مقابلہ کی چھری سے ذبح نہ کرو ورنہ تم کو سخت عذاب یعنی مواصلت سے دوری کی سزا دی جائے گی (روح البیان) صوفیاء کے نزدیک صالح علیہ اسلام کی اونٹنی چونکہ ان کی حفظ و امان میں تھی اس لئے اسے ستانا عذاب کا باعث ہوا آج بھی جو بندے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفظ و امان میں ہوں انہیں ستانا عذاب کا باعث کعبہ کا حرم شریف تین تین میل کی حدود میں ہے جہاں شکار کو چھیڑنا حرام ہے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے وہاں کے بسنے والے اولیاء اللہ کو ستانا عذاب کا باعث ہے۔ حدیث قدسی ہے **من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب** جو میرے ولی سے دشمنی کرے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں اب بھی فقیروں کی بددعا سے ہم نے خود لوگ اجڑتے ہوئے دیکھے ہیں اس ناقۃ اللہ سے دودھ حاصل کرو ان کی دعائیں لو ان کا خون نہ چوسو بد دعائیں نہ لو' دامان اولیاء کعبہ ایمان محمد رسول اللہ کا حرم ہے ہم جیسے گنہگاروں کے لئے دار الامان ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ بنایا تم کو پیچھے آنے والے بعد عاد کے اور جگہ دی تم کو زمین میں کہ بناتے ہو تم

اور یاد کرو جب تم کو عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں

مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا

اس کی نرم زمین میں محلات اور کھودتے ہو تم پہاڑوں کو گھروں کے لیے پس یاد کرو تم

محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

نعمتیں اللہ کی اور مت پھیلو تم زمین میں فساد کرنے والے

کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** صالح علیہ السلام نے پچھلی آیت میں قوم ثمود کو دلائل اور خوف کے ذریعہ دعوت ایمان دی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جو ان پر تھیں ان کی طرف توجہ دے کر دعوت ایمان دی گویا تبلیغ کی تین نوعیتوں میں سے دو کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل اور خوف تیسری قسم کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے اس اونٹنی پر زیادتی و ظلم کیا تو عذاب الٰہی آجانے کا خطرہ ہے اب اس خطرہ کا ثبوت قوم عاد کی ہلاکت کا واقعہ بیان فرما کر دیا جا رہا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی جیتی جاگتی دلیل دی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا ذکر تھا کہ **مالکم من الٰہ غیرہ** اب اس آیت میں اس رب کریم کی الوہیت کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ تم لوگ خود اور تمہارے انقلابات اس کی دلیل ہیں تم جس کے ہاتھ میں جس کے قبضہ میں گویا کٹھ پتلیاں ہو وہی اللہ لائق عبادت ہے دیکھو قوم عاد کو ہلاک کیا تم کو آباد کیا تم اس کو یاد کرو۔

تفسیر : **واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد**۔ یہ عبارت یا تو نئی ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے یا **اعبدوا اللہ** پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے **ذکر** سے مراد پرانی بات کا یاد کرنا نہیں بلکہ موجودہ نعمتوں کا خیال رکھنا آپس میں چرچے کرنا اس کا شکریہ ادا کرنا مراد ہے کیونکہ جن نعمتوں کا یہاں ذکر ہے وہ تو موجود تھیں نعمتوں کا ذکر قولی بھی ہوتا ہے زبان سے اور عملی بھی اچھے اعمال اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ہے دل سے اقرار و اعتراف کرنا دلی ذکر ہے یہاں عملی ذکر مراد ہے یا دلی و عملی دونوں یعنی ایمان لاؤ اور رب کی عبادت کرو خلفاء جمع ہے خلیفہ کی جس کا مادہ ہے خلف معنی پیچھے خلیفہ معنی پیچھے آنے والا چونکہ قوم ثمود قوم عاد کے فوراً بعد نہیں ہوئی نہ قوم عاد کی زمین میں ہوئی۔ عاد احقاف میں آباد تھے، ثمود مقام حجر میں ان وجوہ سے **من بعد عاد** فرمایا خلفاء عاد نہ فرمایا (روح البیان وغیرہ) چونکہ قوم عاد کی ہلاکت ان کا عذاب دنیا بھر میں خصوصاً قوم ثمود میں بہت مشہور تھا اس لئے آپ کا فرمان بالکل درست ہوا۔ **وبواکم فی الارض** یہ عبارت معطوف ہے **جعلکم** پر اس میں دوسری نعمت کا ذکر ہے **بوا کم** بنا

ہے بوء سے بمعنی رجوع کرنا لوٹنا رب فرماتا ہے **باء وا بغضب علی غضب** گھر کو مبوا کہتے ہیں کہ وہ لوٹ کر آنے کی جگہ ہے۔ رب فرماتا ہے **مبوا صدق و رزقناهم من الطيبات** تبویہ کے معنی ہیں جگہ دینا اسی سے بنا ہوا۔ **الارض** سے مراد ہے زمین حجر جہاں یہ قوم آباد تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس زمین میں جگہ دی تمہیں یہاں بسایا آباد کیا۔ **تتخذون من سهولها قصورا** یہ اللہ تعالیٰ کی تیسری نعمت کا ذکر ہے **سهول** کا مادہ ہے **سهل** بمعنی نرم زمین **قصور** جمع ہے **قصر** کی بمعنی شاندار محل یعنی تم کو اللہ تعالیٰ نے مال دولت بخشا ساتھ ہی عمارت سازی کا ہنر دیا جس سے تم یہاں حجر کی زمین کے نرم حصہ میں تو اعلیٰ درجہ کے شاندار محل اور کوٹھیاں بناتے ہو اور **وتنحتون من الجبال بيوتا** یہ عبارت معطوف ہے **تنحتون** پر واؤ عاطفہ ہے **تنحتون** بنا ہے **نحت** سے بمعنی سخت پتھر یا سخت زمین کو کھودنا **من** بمعنی فی ہے جیسے **اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة**۔ **بيوتا** حال مقدرہ ہے یا **تنحتون** کا مفعول بہ پہلا احتمال قوی ہے تم پہاڑ کھود کر وہاں اعلیٰ شاندار کوٹھیاں بناتے ہو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے گرمیوں کے لئے نیچی زمین میں مکانات بنگلے کوٹھیاں بنائی تھیں سردیوں کے لئے اوپر پہاڑوں میں شاندار بلڈنگیں بنائی تھی کیونکہ وہ بہت مالدار لوگ تھے بعض نے فرمایا کہ ان کی عمریں اتنی دراز تھیں کو ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے تھے اس لئے انہوں نے پتھروں کی کوٹھیاں بنائی تھیں پہاڑوں میں غرضیکہ یہ لوگ بڑی عمر والے بڑی دولت والے بڑے ہنرمند تھے اس فرمان عالی میں ان کی ان تینوں چیزوں کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **بیت** بمعنی حجرہ یا کوٹھڑی نہیں جس کا مقابل دار اور منزل ہے بلکہ بمعنی مطلقاً عمارت ہے کیونکہ ثمود پہاڑوں میں چھوٹے حجرے نہیں بلکہ شاندار محل بناتے تھے **فاذكروا الاء الله** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت ایک شرط کی جزا ہے اور اس میں ف جزائیہ ہے یعنی جب رب نے تم کو ایسی نعمتوں سے نوازا جو ابھی ذکر ہوئیں تو تم بھی اس کی نعمتیں یاد کرو یا درکھو یا ان کا چرچا کرو یا ان کا شکریہ ادا کرو۔ **الاء** جمع ہے **الی** کی۔ **الی** کبھی تو کہتے ہیں باطنی نعمت کو جو ظاہری حواس سے محسوس نہ ہو کبھی مطلقاً ہر نعمت کو کہتے ہیں ظاہری ہو یا باطنی یہاں غالباً" یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں اس سے مراد یا تو مذکورہ نعمتیں ہیں ان کو جسمانی قوت 'صحت' دراز عمر دولت کثرت کی عطایا اس کے علاوہ دوسری نعمتیں مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ساری نعمتیں مراد ہوں ان میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا پیارا سچا نبی صالح علیہ السلام کو بھیجا اور وہ قوم نبی کہلائے کہ نبی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں **ولا تعثوا في الارض مفسدين** یہ دوسرا حکم ہے جو صالح علیہ السلام سے قوم ثمود کو دیا **تعثو** بنا ہے **عثی** سے بمعنی پھیلنا مگر ہر پھیلنے کو عثی نہیں کہا جاتا بلکہ بری غرض اور ناجائز مقصد سے پھیلنے کو۔ اسی لئے پھسلنے اور گر جانے اور پاؤں کے موچ کو عثی کہا جاتا ہے **الارض** سے مراد ہے زمین حجر جو ان کی اپنی بستی تھی۔ **مفسدين** حال ہے **لا تعثو** کے فاعل سے۔ یعنی تم زمین حجر میں فساد پھیلاتے نہ پھرو فساد سے مراد کفر 'قتل' چوری' ڈکیتی وغیرہ تمام جرم ہیں کہ یہ سب فساد ہیں یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے۔

خلاصہ تفسیر : صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو مذکورہ بالا احکام دینے کے بعد فرمایا کہ اے میری قوم والو ان نعمتوں کو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک فرمانے کے بعد تم کو زمین میں بسایا اور خوب پھلتا پھولتا کیا تم کو اچھی زمین میں بود و باش بخشی کہ تمہارے ہاں میدانی علاقہ بھی ہے جس میں تم لوگ سردیوں کے لئے محل بناتے ہو اور پہاڑی علاقہ بھی عطا فرمایا جہاں تم لوگ گرمیوں کے لئے شاندار کوٹھیاں بنا کر سارا سال عیش کرتے ہو تم کو دولت بھی بخشی ہنرمندی بھی عطا کی غرضیکہ زر' زور' ہنر' عمر دراز' سب کچھ بخشی اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو یاد رکھو' چرچہ کرو ان کا شکریہ ادا کرو اور اپنی زمین

میں فساد پھیلاتے نہ پھرو بلکہ لوگوں کو فساد سے روکو اچھے راستہ پر رکھو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خواہ موجودہ ہوں یا گذشتہ ان کا زبان سے ذکر کرنا' دل سے اقرار کرنا' لوگوں میں ان کا چرچہ کرنا' عمل سے ان کا شکریہ ادا کرنا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے گزشتہ انبیاء کرام کا حکم ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اذ جعلکم** سے اور **اذکروا الاء اللہ** سے حاصل ہوا چونکہ ذکر کے بہت معنی ہیں اس لئے یہ سب چیزیں اسی ایک لفظ سے حاصل ہوئیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واما بنعمتہ ربک فحدث** لہٰذا میلاد شریف' عرس' بزرگان اور بڑے دنوں کی یادگاریں منانا ان میں جلسے جلوس کرنا سب ہی اچھا ہے کہ یہ بھی ان ذکروں کی قسم ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کسی امیر کا چند مکان بنانا کہ بعض مکان رہنے کے لئے ہوں بعض کرایہ کے لئے یا بعض مکان گرمیوں کے لئے ہوں اور بعض سردیوں کے لئے یونہی گرمی کے موسم میں ٹھنڈے مقام پر جانا وہاں گرمیاں گزارنا سب کچھ جائز ہے اسے فضول خرچی یا اسراف نہیں کہہ سکتے دیکھو صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کے اس عمل کو اللہ کی نعمتوں میں شمار فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** امیر آدمی کا شاندار کوٹھیاں بنگلے بنانا انہیں جائز چیزوں سے آراستہ کرنا بالکل جائز ہے اسے بھی اسراف نہیں کہہ سکتے۔ یہ فائدہ **من سھولھا قصورا** سے حاصل ہوا قصر وہ شاندار عمارت جہاں تک غریب آدمی کی ہمت نہ پہنچ سکے قصر بمعنی رک جانا لہٰذا مغلیہ بادشاہوں خصوصاً" شاہ جہاں کا دہلی' آگرہ اور فتح پور سیری۔ اجمیر شریف میں قلعے اعلیٰ درجے کی عمارتیں بنانا بالکل جائز ہیں اسے رب کی نعمت کہا گیا ہے ان پر اعتراض کم عقلی ہے ہمارے پاکستان میں مینار پاکستان وغیرہ کے مینارے برجیاں وغیرہ سب کا ماخذ یہی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** زمین کی ملکیت اللہ کی بڑی نعمت ہے انسان حتی الامکان اسے ضائع نہ کرے اور نہ اسے اپنا کمال سمجھے بلکہ اسے عطائے ذوالجلال سمجھے۔ یہ فائدہ **وبوا کم فی الارض** سے حاصل ہوا فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جائیداد غیر منقولہ نہ بیچو اگر بیچو تو اسے جائیداد میں ہی لگادو کہ اس سے اور جائیداد خریدو' ورنہ برکت نہ ہوگی زمین وغیرہ کی قیمت کا پیسہ ٹھہرتا نہیں' آزمائش ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قوم میں فساد پھیلانا بدترین جرم ہے خواہ قتل وغارت گری سے ہو خواہ کفر و شرک کی اشاعت سے خواہ فتنہ پھیلانے والی تقریروں تحریروں سے آجکل اکثر جاہل لوگ علماء کے لباس میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یہ لوگ علماء کو بدنام کرتے ہیں انہیں کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے دین ملا فی سبیل اللہ فساد۔ یہ فائدہ **ولا تعثوا** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود تباہ شدہ قوم عاد کی بستیوں میں آباد کی گئی دیکھو ارشاد ہوا **جعلکم خلفاء** مگر حدیث شریف میں ہے کہ جہاں اللہ کا عذاب آیا وہاں کبھی آبادی نہ ہوئی وہ جگہ ہمیشہ ویران ہی رہی اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے **جواب:** یہاں خلفاء کے معنی صرف پیچھے آنے والے ہیں کہ عاد کی زمین میں بسنے والی قوم عاد احقاف میں آباد تھی اور قوم ثمود حجر میں اسی لئے یہاں **من بعد عاد** ارشاد ہوا' دیکھو تفسیر۔ **دوسرا اعتراض:** پھر انہیں خلفاء کیوں کہاں گیا' جب ثمود کا زمانہ اور زمین سب الگ الگ ہیں تو خلفاء کے کیا معنی۔ **جواب:** خلفاء فرما کر یہ بتایا کہ جیسے قوم عاد تباہ ہوئی تم زمین میں آباد ہوئے ایسے ہی اگر تم نے کفر و شرک کیا تو تم بھی تباہ کردیئے جاؤ گے اور کوئی دوسری قوم زمین آباد کرے گی۔

پند گیر از مصائب دگراں تانہ گیرند دیگراں ز تو پند

چونکہ اس زمانہ میں قوم عاد کی ہلاکت کے واقعات مشہور تھے ان کے کھنڈر سفروں میں دیکھے جاتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمان نہایت ہی درست تھا۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ شاندار کوٹھیاں اعلیٰ محل بنانا بالکل جائز ہے مگر حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے اونچا مکان بنالیا تھا تو جب تک اسے خود اپنے ہاتھ سے ڈھانہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ ایک صاحب اپنے مکان کی مرمت کر رہے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت تو اس سے بھی قریب ہے۔ یہ آیت ان احادیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہ احادیث ہنگامی حالات کی ہیں جبکہ مسلمانوں کو دفاعی تیاریوں کی سخت ضرورت تھی ایسے حالات میں ایسے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہنگامی حالات میں رات کو شہروں، بستیوں میں روشنی تک نہیں کی جاتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی آلات ملاحظہ فرمائے تو فرمایا کہ جس گھر میں یہ چیزیں ہوں گی وہاں ذلت و خواری ہوگی حالانکہ زراعت پر زندگی کا دارومدار ہے وہ فرمان عالی بھی انہی ہنگامی حالات میں تھا کہ اگر تم لوگوں نے آج کل کے حالات میں جہاد چھوڑ دیا زراعت وغیرہ میں مصروف ہو گئے تو دشمن تم کو تباہ کر دیں گے جب حالات نارمل ہو گئے تو یہ احکام بھی ختم ہو گئے۔ حضرات صحابہ نے بڑی بڑی عمارتیں شاندار محل بنائے لہٰذا یہ آیت اور ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جگہ **اذکروا** فرمایا گیا ہے **اذکروا اذجعلکم** اور دوسرا **فاذکروا الاء اللہ** اس میں کیا حکمت ہے ایک بات مکرر کیوں فرمائی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر **فاذکروا الاء اللہ** میں نعمتوں سے مراد وہی مذکورہ نعمتیں ہیں تو یا تو یا تاکید ی ہے یا پہلے **اذکروا** سے مراد ہے یاد کرو دوسرے سے مراد ہے یاد رکھو اور اگر یہاں الاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں سے دوسری نعمتیں مراد ہیں صحت دولت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری، زیادہ اولاد دراز عمر تب کوئی سوال ہی نہیں نہ فرمان عالی میں کوئی تکرار ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر ان جیسی آیتوں سے میلاد شریف بزرگوں کے عرس وغیرہ ثابت ہوتے ہیں اور ان میں بھی اللہ کی نعمتوں کی یاد ہے تو یہ کام حضرات صحابہ نے کیوں نہ کئے کیا تم قرآن مجید کو صحابہ سے زیادہ سمجھتے ہو۔ (عام وہابی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ موجودہ دینی مدرسے ان میں نصاب تعلیم جلسے جلوس اگر تبلیغی چیزیں ہیں تو صحابہ کرام نے یہ کام کیوں نہ کئے کیا تم ان سے بڑھ کر مبلغ ہو کیا تم کو دین کا درد زیادہ ہے، جواب تحقیقی یہ ہے کہ عہد صحابہ میں نہ تو وہابی تھے نہ دیوبندی نہ بزرگوں کی شان ان کی یادگاروں کے منکر سب کے سب اہلسنت تھے تب ان چیزوں کی ضرورت نہ تھی بعد میں منکرین پیدا ہوئے تو ان چیزوں کی ضرورت پڑی جیسے فلسفہ منطق علم کلام وغیرہ زمانہ صحابہ میں نہ تھے۔ کیونکہ ان کی ضرورت نہ تھی بلکہ علم حدیث و تفسیر حدیث کے اقسام واحکام بھی زمانہ صحابہ میں نہ تھے۔ پھر ان حضرات سے یادگاریں بنانا ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے یہ عرس کی اصل ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا ذکر کیا ہے۔ یہ ہے میلاد شریف کی اصل اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق پہلی جلد میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ہم کو ہمارے اپنے حالات جسمانی صحت و مرض نہیں معلوم ہوتے حالانکہ وہ حالات خود ہمارے اور ہم میں ہوتے ہیں لائق طبیب ہماری نبض چہرہ کا رنگ قارورہ دیکھ کر ہم کو بتاتا ہے تب ہم کو اپنے حالات کا پتہ چلتا ہے یونہی ہم اپنا چہرہ مہرہ دیکھ سکتے ہیں، جب شفاف آئینہ سامنے ہو تو ہم کو خود ہماری اپنی شکل داغ دھبے حسن و برائی دکھاتا ہے اسی طرح ہم کو خبر

نہیں ہوتی کہ ہمارے لئے کون سی چیز مفید ہے کون مضر طبیب روحانی کے ہم محتاج ہوتے ہیں ان کی تعلیم ان کے فرمان ہمارے لئے روحانی آئینہ ہیں جو ہم کو ہماری اصل حالت بتاتے دکھاتے ہیں جو ان طبیبان الٰہی سے ان کی تعلیم سے الگ رہا اس کا علاج کبھی نہ ہو سکا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی روحانی بیماریاں بتانے کے بعد انہیں روحانی علاج بتایا کہ اللہ کی فلاں فلاں نعمتیں یاد کرو کہ یہ ذکر تمہارا علاج ہے اور قوم عاد کی سی حرکتیں نہ کرو کہ یہ چیزیں تمہارے لئے مضر ہیں موجودہ نعمتیں یاد کرکے بندہ شکر گزار بنو تم کو روحانی صحت قوت' طاقت نصیب ہو گی آج بھی قرآن مجید ہمارے لئے روحانی آئینہ حق نما ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی حاکم مطلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہمارے لئے اعلیٰ درجہ کا علاج ہیں اگر ہم ان پر کاربند ہو جائیں تو صحت توانائی 'قوت' طاقت پائیں گے ورنہ مرض بڑھ کر ہلاکت کا خطرہ ہے حضرات اولیاء اللہ و علماء دین ہم کو یہ آئینہ دکھانے والے اور وہ دوائیں استعمال کرانے والے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ رسول کو خوف یا لالچ یا دلائل سے ماننا غائبین کا کام ہے مگر اسے دل سے ماننا حاضرین کا کام ہے اس ماننے کی انتہا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو خود خدا سے مانو جناب مصطفیٰ کو خود انہیں سے جانو مانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے نور فرمایا نور کی شان یہ ہے کہ ہر چیز نور سے دیکھی جاتی ہے مگر خود نور اپنے ہی سے دیکھا جاتا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب انہیں خود انہیں سے مانو ان سے انہیں کو مانگو حضرت ربیعہ نے کہا تھا **اسئلک مرا فقتک فی الجنۃ** ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب کی طرف خوف و امید اور دلائل سے بلایا کیونکہ قوم بھی دور رنگی تھی۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ

پس کہا اس گروہ نے جنہوں نے غرور کیا ان کی قوم میں سے واسطے ان لوگوں کے جو کمزور سمجھے گئے

اس کی قوم کے تکبر والے کمزور مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں

اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ

واسطے اس کے جو ایمان لایا ان میں سے کیا جانتے ہو تم کہ تحقیق صالح بھیجے ہوئے ہیں ان کے رب

بولے وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ

کی طرف سے بولے وہ بیشک ہم اس پر کہ بھیجے گئے ساتھ اس کے ایمان لانے والے ہیں کہا ان لوگوں نے جنہوں

متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہو ہمیں اس سے

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

نے غرور کیا بیشک ہم ساتھ اس کے ایمان لائے تم جس پر انکار کرنے والے ہو۔

انکار ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی اس تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا جو انہوں نے اپنی کافر قوم کو فرمائی اب ان کفار کے جواب کا ذکر ہے۔ جو اس نالائق قوم نے بالواسطہ دیا۔ گویا علاج کے بعد مریض کے شفا نہ پانے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس نے حکیم کے حکم پر عمل نہ کیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کے دلائل اور ڈرانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ اس سے بعض لوگ ایمان قبول کر گئے بعض کافر ہی رہے ان کا مناظرہ ہوا گویا بارش کا ذکر پہلے ہوا اور عمدہ اور شورہ زمینوں کی حالت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ایک معلم کی تعلیم کا ذکر تھا یعنی صالح علیہ السلام کا اب بعض شاگردوں کی محرومی کا ذکر ہے وجہ محرومی یہ ان کے دل میں اس کامل استاد کا احترام نہ تھا تاکہ معلوم ہو کہ تعلیم کا اثر معلم کے احترام سے ہوتا ہے۔

تفسیر : **قال الملا الذین استکبروا من قومہ** یہ کلام نیا ہے۔ جس میں قوم کا جواب بیان ہوا ہے پہلے بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ **ملا** کے معنی ہیں بھر جانا اس کا مقابل ہے **خلا** یعنی خالی ہونا یا خالی جگہ قرآنی محاورہ میں **ملا** سرداروں مالداروں دنیاوی وجاہت والوں کی وہ جماعت جن سے لوگوں کے دل رعب و ہیبت سے بھر جاویں **الذین الخ ملا** کی صفت ہے یا اس کا بیان استکبار کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا اس طرح کہ واقعہ میں تو بڑا نہ ہو مگر سمجھے اپنے کو بڑا اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفت متکبر ہے مگر مستکبر نہیں۔ یا **استکبار** کے معنی ہیں کہ اپنے سے بڑے کے سامنے اپنے کو بڑا سمجھنا یعنی نبی کی بارگاہ میں اپنے کو بڑا جاننا وہ جگہ چھوٹا ہونے نیچا ہونے کی ہے۔ **قومہ** سے مراد صالح علیہ السلام کی نسبی خاندانی قوم ہے یعنی صالح علیہ السلام کی تقریر دلپذیر سننے کے بعد آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا جو اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور غرباء مساکین کو چھوٹا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ان سرداروں کی یہاں تین برائیاں بیان کیں ایک **الملا** یعنی سردار قوم ہونا بھی ان کا عیب تھا کہ وہ اس سرداری کی وجہ سے لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے۔ دوسرے **استکبروا** ان کا ناجائز تکبر کیونکہ کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے مسلمانوں کے مقابل تکبر حرام ہے اور نبی کے مقابل تکبر کفر ہے ان کا تکبر یہی تیسری قسم کا تھا تیسرا عیب **من قومہ** کیونکہ قوم نبی ہونا مومن کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ ہے مگر کافر کے لئے خدا کا عذاب ہے دیکھو بدترین کافر ابوجہل 'ابولہب ہیں اس لئے کہ قوم رسول ہو کر کافر رہے یوں ہی کنعان حضرت نوح کا بیٹا۔ **للذین استضعفوا لمن امن منھم** اس عبارت کا تعلق **قال** سے ہے۔ **قال لہ' قال منہ' قال فیہ** کا باریک فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **قال لہ** اس سے کہا **قال منہ** اس کی طرف سے کہا **قال فیہ** اس کے متعلق کچھ کہا۔ **استکبار** کی طرح **استضعاف** کے معنی بھی ہیں کسی کو ضعیف و کمزور جاننا اگرچہ وہ واقعی کمزور نہ ہو۔ خیال رہے کہ ان مومنوں کو کفار تو کمزور سمجھتے تھے مگر اللہ کے نزدیک وہ بہت قوی تھے انہوں نے ان مومنوں کے پھٹے کپڑے دیکھے دل کا نور نہ دیکھا بجلی کے تار کو نہ دیکھو اندر کے پاور کو دیکھو **لمن امن** یا تو **للذین** کا بدل الکل ہے جیسے **مررت بزید اخیک** یا بدل البعض اور مطلب یہ ہے کہ قوم ثمود میں فقراء 'غرباء دو قسم کے تھے۔ بعض وہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے 'بعض وہ جو کافر رہے تھے۔ سرداران کفر نے یہ کلام ان فقراء سے کیا۔ جو مومن ہو گئے تھے کفار سے تو وہ سردار راضی خوشی تھے (معانی 'خازن' کبیر وغیرہ) **اتعلمون ان صالحا مرسل من ربہ** صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب تعالیٰ کی ذات و صفات بتائیں قوم نے رب یا اس کی صفات پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ صالح علیہ السلام کی ذات

پر طعن کیا وہ بھی غرباء مومنوں کے سامنے پتہ لگا کہ اصل ایمان نبی کا ماننا ہے اصل کفران کا انکار تھا" یہ سوال بطور تعجب ہے ان بد نصیبوں نے صالح علیہ السلام کو نبی جان لینے پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اے کم عقلو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آگئی کیا تم نے مان لیا جان لیا کہ صالح علیہ السلام جیسے مسکین آدمی کو رب نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا جن کے پاس نہ مال ہے نہ بڑی جماعت نہ جسمانی شہ زوری نہ کوئی اور کمال **من ربه** کے بعد **الینا ما الیکم** پوشیدہ ہے ان کو رسول ماننا عقل کے خلاف ہے۔ **قالوا انا بما ارسل به مومنون** سبحان اللہ کیسا ایمان افروز جواب ہے اس جواب میں صرف تعم یا بلایا تعلم نہیں فرمایا نیز اس میں صرف صالح علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ بجائے علم کے اپنے ایمان کا ذکر کیا ایمان علم کا اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ جاننا پہچاننا بلکہ ماننا تو ماں باپ استاد حاکم کا بھی ہو سکتا ہے مگر ایمان صرف نبی پر۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ امتی اپنے کو نبی کی ملک سمجھے کہ ہمارے جسم کے ہر بال ہر عضو ہمارے کھانے پینے بلکہ ہمارے اوقات سارے حالات کے نبی مالک ہوں ان کے کسی حکم پر جرح نہ ہو غلاموں کی طرح بے چون و چرا ان کی ہر بات مانوں اور بجائے صالح علیہ السلام کے **ارسل به** کا ذکر فرمایا یعنی تم تو اس پر مرے جا رہے ہو کہ ہم نے صالح علیہ السلام کو نبی جان لیا۔ ارے بیوقوفو ہم تو ان کی ذات ان کی صفات ان کے معجزات ان کی تعلیم ان کے حالات ان کے کمالات پر ایمان لا چکے۔ **ما ارسل** سے مراد یا تو ان کے سارے احکام عبادات وغیرہ ہیں یا ان کی ساری عبادات عادات بھی کہ یہ سب رب کی طرف سے ہیں اسی لئے ان کی عادات امت کے لئے سنتیں ہوتی ہیں۔ جن پر عمل باعث ثواب ہے یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان ہر نبی پر چاہئے ان کے سواء کسی ولی قطب حاکم ماں باپ پر ایمان نہیں مگر ایمان **بما ارسل** یہ صرف اپنے نبی پر ہو گا ہم جن کی امت میں ہیں گزشتہ نبیوں پر ہمارا ایمان ہے مگر ان کے احکام پر ایمان نہیں کہ وہ منسوخ ہو چکے۔ حضور پر بھی ہمارا ایمان ہے اور حضور کے تمام احکام و عبادات و عادات پر بھی ایمان چونکہ وہ صالح علیہ السلام کی امت میں تھے اس لئے یہ حکم تھا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق **استکبروا** فرما کر ان کی انتہائی ذلت کا ذکر فرمایا اور مومنین کے متعلق **استضعفوا** فرما کر ان کی انتہائی عظمت کا ذکر کیا یونہی کفار کا قول **اتعلمون** نقل فرما کر ان کی انتہائی جہالت و کفر بیان فرمایا اور مومنوں کے متعلق **مومنون** فرما کر ان کی انتہائی تعظیم فرمائی کہ انہوں نے کفار کو منہ توڑ، دھن دوڑ جواب دیا۔ جس سے کفار ذلیل ہو گئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ انہوں نے **امنا** نہیں کہا نہ تعلم کہا بلکہ **مومنون** فرمایا جس سے دوام اور ہمیشگی کا پتہ چلے یعنی ہم تو پہلے ہی سے یا عالم ارواح سے ان پر ایمان والے ہیں رب کے انتخاب میں آچکے ہیں۔ **قال الذین استکبروا** یہ کفار کا جواب الجواب ہے۔ جو انہوں نے مومنین کو دیا۔ چونکہ اس جواب کی وجہ ان لوگوں کا اپنے کو بڑا سمجھنا تھا یہی ان کے کفر شرک کی وجہ تھی اس وجہ سے وہ نبی کی تعلیم مومنوں کے جواب پر دھیان نہ دیتے تھے اس لئے صرف **قالوا** نہ کہا بلکہ اتنی بڑی عبارت ارشاد فرمائی **الذین استکبروا** علم بلاغت میں یہ بات صراحۃً بیان ہوئی کہ کسی کی محبوبیت یا مقبولیت یا مردودیت بتانے کے لئے اس کا نام بار بار لیتے ہیں ضمیر سے کام نہیں لیتے۔ **انا بالذی امنتم به کافرون** جس درجہ کا ایمان افروز کلام ان مومنوں نے کیا تھا اسی درجہ کا کفر و طغیان سے بھرا ہوا جواب ان کفار نے دیا ان بد نصیبوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام کے انکاری ہیں نہ یہ کہا کہ جو چیزیں وہ لے کر آئے ہیں ہم ان کے انکاری ہیں بلکہ یہ کہا کہ جن چیزوں پر تم ایمان لائے ہم ان کے انکاری ہیں ان کے منہ سے وہ بات نکلی جس نے فیصلہ کر دیا یعنی جو چیز تمہارے لئے ایمان کا ذریعہ ہے وہی چیز ہمارے لئے کفر و طغیان کا ذریعہ ہے تم انہیں مان کر مومن بنے ہم انہیں نہ مان کر کافر ہوئے یا کافر رہے۔

خیال رہے کہ تبلیغ نبوت سے پہلے کا کفر اس کا اور حال ہے اور تبلیغ نبوت کے بعد کا کفر اس کا دوسرا حال پہلے کفر سے دنیا میں عذاب الٰہی نہیں آتا دوسرے کفر سے عذاب آتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** پھر نبی کی نبوت اور مومنوں کا ایمان دیکھنے کے باوجود کفر یہ تو خدا کی پناہ بڑے ہی عذاب کا باعث ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت صالح علیہ السلام کا یہ فرمان فیض ترجمان سنکر ان کے چودھری نمبردار سرداروں نے جو تھے تو بڑے ذلیل مگر اپنے کو سمجھتے تھے بڑا عزت والا ان مساکین مومنین سے کہا جو تھے تو عزت والے مگر یہ سردار انہیں کمزور و ضعیف جانتے تھے بولے کہ اے بھولے بھالے لوگو کیا تم یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام جیسے مسکین و نادار جن کا دنیا میں کوئی امیر ساتھی نہیں انہیں رب نے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا۔ کیا رب تعالیٰ کو نبوت کے لئے اور کوئی بڑا آدمی نہیں ملا کیونکہ دنیاوی حکومتیں جنہیں حاکم بناتی ہیں انہیں روپیہ عمدہ فوج و پولیس کی طاقت دیتی ہی نبی رب کی طرف سے قوم کے حاکم ہوتے ہیں تو ان کے پاس یہ قوتیں چاہئے تھیں یا اے غریبو تم نے ہم سے پوچھے بغیر حضرت صالح کو نبی کیوں جان مان لیا اب تم ہماری بستی میں نہیں رہ سکتے مومنین نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے جاننے کے متعلق پوچھتے ہو ہم تو حضرت صالح علیہ السلام ان کی صفات ان کے فرمان ان کی تعلیم ان کے معجزات پر پہلے سے ہی ایمان لاکر زمرہ مومنین میں داخل ہو چکے ہیں بیوقوفو جسمانی حکام کے پاس جسمانی طاقت چاہئے روحانی حکام کے پاس روحانی طاقت نبی روحانی حاکم ہیں ان کی طاقت ان کے معجزات سے ظاہر ہے وہ پہاڑ سے حاملہ اونٹنی نکال سکتے ہیں یوں ہی اے بے وقوفو جسمانی کام جسمانی افسروں سے پوچھ کر ان کی اجازت سے کئے جاتے ہیں مگر روحانی افسروں کی اجازت سے ایمان روحانی کام تھا جو ہم نے صالح علیہ السلام کے حکم سے کر لیا تم سے کیوں پوچھتے جیسے جسمانی گندگی جسمانی پانی سے دور ہوتی ہے مگر روحانی گندگی روحانی پانی سے کلمہ طیبہ سے گندا کپڑا پاک نہیں ہوتا اور غسل دینے سے کافر مومن نہیں بن جاتا تو یہ شیخی خورے متکبر لوگ بولے کہ جن چیزوں پر تمہارا ایمان ہے ہم انہیں تمام چیزوں کے منکر و کافر ہیں۔ گویا اپنے کفر و طغیان کا خود ہی اقرار کر لیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہمیشہ انبیاء کرام پر ایمان پہلے غرباء و مساکین لائے ہیں۔ رہے امیر و سردار وہ یا تو ایمان لائے نہیں یا لائے تو بعد میں الاماشاء اللہ۔ یہ فائدہ **قال الملاء الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ کی نعمتوں سے محرومی کی سب سے بڑی وجہ تکبر و غرور ہے اور نعمتیں ملنے کا ذریعہ عجز و انکسار ہے۔ یہ فائدہ **استکبروا** الخ سے حاصل ہوا۔ موسم بہار میں ہر جگہ سبزہ ہو جاتا ہے مگر پتھر پر سبزہ نہیں ہوتا کہ وہ سخت ہے لوہا نرم ہو کر پرزہ بنتا ہے زمین نرم ہو کر کھیت و باغ بنتی ہے آٹا نرم ہو کر شیرمال و پراٹھا بنتا ہے۔ انسان کا دل نرم ہو کر عارف باللہ بنتا ہے۔ جس پر رب کرم کرتا ہے اس کا دل نرم کر دیتا ہے۔ تیسرا فائدہ: دنیادار امیر و سردار اپنے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک بہت چھوٹا حقیر و ذلیل ہے مومن غریب بھی ہو وہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے عزت و عظمت والا ہے۔ یہ فائدہ **استکبروا** الخ سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ **استکبار** کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا حالانکہ بڑا ہو نہیں۔ رب فرماتا ہے **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** چوتھا فائدہ: غریب و مسکین مومن کو دنیا والے اگرچہ ضعیف و کمزور یا ذلیل سمجھیں مگر وہ اللہ کے نزدیک بڑا قوی اور عزت والا ہے۔ یہ فائدہ **للذین استضعفوا** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کے کسی وصف یا ان کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے یہ فائدہ **اتعلمون ان صالحا** الخ سے حاصل ہوا کہ کفار نے

مومنین سے یہ سوال حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کیا تھا جسے رب تعالیٰ نے ان کے کفریات میں شمار فرمایا۔ چھٹا فائدہ: اجمالی ایمان شرعاً" قبول ہے جیسے ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں خبر نہیں وہ کتنے ہیں یونہی یہ ماننا درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فرمانوں پر ہمارا ایمان ہے۔ خبر نہیں وہ فرمان کتنے اور کیا کیا ہیں۔ یہ فائدہ بما ارسل بہ الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: ایمان کا دارومدار نبوت پر ہے نبوت اصل ایمان ہے اسے مانو تو سب کو مان لیا اس کا انکار کر دیا تو سب کا انکار کر دیا۔ یہ فائدہ بھی بما ارسل بہ مومنون سے حاصل ہوا کہ ان لوگوں نے امنا باللہ یا امنا بالملئکۃ یا بالقیامت نہ کہا۔ آٹھواں فائدہ: نبی کو جاننا پہچاننا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ انہیں ماننا ان پر ایمان لانا ضروری ہے دیکھو کفار نے کہا تھا اتعلمون ان صالحا" الخ ان مومنین نے نعلم نہ کہا بلکہ مومنون فرمایا رب تعالیٰ کفار عرب کے متعلق فرماتا ہے یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم مگر اس کے باوجود وہ لوگ مومن نہ بنے۔ جاننے پہچاننے اور ماننے میں فرق ہم پہلے پارہ میں یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ نواں فائدہ: ایمان چاہیے عام مسلمانوں کا سا علیحدہ راستہ اختیار کرنا جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف ہو کفر ہے۔ یہ فائدہ انا بالذی امنتم بہ کافرون سے حاصل ہوا کہ کفار نے اپنا کفر مومنین کے ایمان پر مبنی کیا کہ کہا کہ تم جن چیزوں پر ایمان لائے ہم ان کے انکاری ہیں رب فرماتا ہے فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا حضور فرماتے ہیں اتبعوا السواد الاعظم مسلمان کے بڑے گروہ کی پیروی کرو وہ بڑا گروہ اہل سنت والجماعت ہی کا ہے اور فرماتے ہیں کہ بھیڑیا اسی بکری کا شکار کرتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جاوے اسی طرح شیطان اس کا شکار کرتا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جاوے۔ دسواں فائدہ: صحیح تاریخ اور تاریخی حالات گزشتہ قوموں کے واقعات معلوم کرنا بہت اچھا ہے دیکھو قرآن مجید نے گزشتہ مومن اور کافر قوموں کے تاریخی واقعات بیان فرمائے تاکہ لوگوں کو ایمان اور نیک اعمال کی رغبت ہو اور کفر و طغیان سے نفرت۔ گیارھواں فائدہ: اپنا دین ہرگز نہ چھپائے خواہ کیسا ہی خطرہ ہو۔ یہ فائدہ مومنون سے حاصل ہوا کہ ان حضرات نے ایسے نازک موقعہ پر اپنا دین نہیں چھپایا۔ بارھواں فائدہ: گمراہ گروں کو ایسا منہ توڑ سخت جواب دینا چاہئے کہ وہ ہم کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو جاویں اور آئندہ ہم پر داؤنہ چلائیں۔ یہ فائدہ بھی مومنون سے حاصل ہوا کہ ان کے سامنے نرم گفتگو کرنا انہیں اپنے پر دلیر کرنا ہے۔ تیرھواں فائدہ: نبی کا دامن دار الامان ہے۔ عقلی دلائل پر جرح ہو سکتی ہے۔ عشق رسول پر جرح نہیں ہوتی دیکھو ان مومنین نے فیصلہ کن بات یہ کہی کہ ہم تو حضرت صالح کی ہر ادا پر ایمان لا چکے جو وہ کہیں گے سو مانیں گے۔ چودھواں فائدہ: ایمان میں قوت قلب ہوتی ہے کفر میں ضعف قلب۔ دیکھ لو ان مساکین نے چودھریوں کے دھڑے کو کیسا دوٹوک جواب دیا ان کی جماعت و دولت سے خوف نہ کیا۔

پہلا اعتراض: یہاں کفار کے لئے اور مومنین کے لئے اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی الذین استکبروا اور الذین استضعفوا صرف متکبرین اور ضعفاء فرمانا کافی تھا وہ اس سے مختصر بھی ہوتا جواب: یہ بتانے کے لئے کہ کفار واقعی بڑے نہ تھے اور مومن ضعیف نہ تھے واقعہ اس کے برعکس تھا کہ کفار ضعیف مومنین بڑے تھے ان بدنصیبوں نے اپنی اندھی سمجھ سے یہ سمجھ رکھا تھا اس ایک کلمہ میں ان کی حقیقت ان کا واقعہ سب کچھ بتا دیا گیا ابھی ہم تفسیر میں متکبر اور مستکبر کا فرق بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا اعتراض: للذین استضعفوا کے بعد للذین امنوا کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: یہ بتانے کے

لئے کہ کمزور لوگ دو قسم کے تھے بعض مومن کافر سرداران کفریہ بکواس مومن ضعفاء سے کرتے۔ تھے نہ کہ کافر ضعفاء سے
لمن امن بدل البعض یا بیان ہے للذین استضعفوا کا اس میں لام دوبارہ لایا گیا۔ نحوی قاعدے سے یہ ترکیب بالکل درست
ہے۔ تیسرا اعتراض: کفار نے مومنین سے کہا تھا اتعلمون ان صالحا" الخ اس کا جواب نعم یا بلی یا نعم تھا مگر مومنین
نے انا بما ارسل اور مومنون کیوں فرمایا۔ جواب: مومنوں کے اس حکیمانہ جواب میں بہت حکمتیں ہیں جن میں سے
بعض تو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور ان شاء اللہ حکمتیں تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے کہ کفار نے تو اس پر تعجب اور
انکار کیا تھا کہ تم صالح علیہ السلام کو رسول جانتے ہو انہوں نے کہا ہم انہیں رسول جانتے ہی نہیں بلکہ ان پر ان کی رسالت وغیرہ پر
ایمان لائے ہیں تاکہ کفار اور زیادہ جلیں۔ چوتھا اعتراض: یہ حکمتیں تو امنا بہ کہہ دینے سے بھی حاصل ہو سکتی تھیں کہ
ہم ان پر ایمان لائے بما ارسل بہ مومنون اتنی دراز عبارت کی پھر بھی ضرورت نہیں تھی۔ جواب: اس کا جواب ابھی
تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مومنون فرما کر یہ بتایا کہ ہم تو اول سے ہی ان کے مومن ہیں اور ان شاء اللہ آخر تک مومن رہیں گے
مومنون کہنے میں دوام بتایا۔ پانچواں اعتراض: کفار نے ان مومنوں کے جواب میں اتنی دراز عبارت کیوں بولی انا
بالذی امنتم بہ کافرون اور رب تعالیٰ نے بغیر ترمیم وہ نقل کیوں فرمائی۔ جواب: یہ بتانے کے لئے کہ جیسے ایمان اجمالی
قبول ہے ایسے ہی کفر اجمالی بھی عذاب کے۔ لئے کافی ہے اور اس سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے اگر کوئی کہے کہ میرا عقیدہ
مسلمانوں کا سا نہیں وہ بھی کافر ہے اگرچہ صراحۃ "توحید' رسالت' قیامت وغیرہ کا انکار نہ کرے اس کلیہ کہنا ہی ان تمام ایمانیات کا
انکار ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے یوں ہی یہ کہنا کہ میں ہر اس کا انکاری ہوں جس کے مسلمان اقراری ہیں بھی کفر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسان میں ہی قوم ثمود موجود ہے اس میں مومن ہیں اسی میں صالح علیہ السلام کی طرح مصلح نفس امارہ گویا
کافر ثمودی ہے قلب گویا مومن ثمودی ہے روح گویا صالح و مصلح ہے یعنی خود نیک اور دوسرے کو نیک کرنے والی۔ نفس امارہ
گویا قلب سے پوچھتی ہے کہ کیا تو روح کو اپنا مصلح جانتا ہے تو قلب مومن میں سے آواز آتی ہے کہ میں تو ازل سے روح اور
روحانی لوگوں اور تمام روحانی باتوں پر ایمان لا کر مومن ازلی بن چکا ہوں تب نفس امارہ سرکشی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تو روح
کو ہرگز ہرگز نہیں مانتا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ انا بما ارسل بہ میں ب علت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم تمام ایمانیات کو
اسے لئے مانتے ہیں کہ وہ بواسطہ صالح علیہ السلام ہم تک پہنچے اسی کا نام ایمان ہے۔ یعنی توحید' فرشتے قیامت وغیرہ کو اس لئے ماننے
کہ یہ باتیں ہم کو نبی نے بتائیں محض عقل سے یہ باتیں مان لینا توحید تو ہے ایمان نہیں ایمان کے لئے نبوت کا واسطہ ضروری ہے
درخت کی شاخیں پتے پھل پھول جب ہی ہرے بھرے رہتے ہیں جب انہیں پانی' کھاد' دھوپ' ہوا وغیرہ جڑ کے ذریعہ سے
ملے۔ جڑ سے کٹ جانے پر اگر شاخوں پتوں کو کھاد وغیرہ سب کچھ دو بیکار ہے کیونکہ جڑ کا واسطہ بیچ میں نہ رہا یہی حال اعمال کا ہے
اگر کوئی نبی کا دامن چھوڑ کر ہر قسم کے نیک اعمال کرے وہ متقی یا صالح نہیں سب نیکیوں کی اصل دامن رسول ہے اس کے لئے
ابلیس کی مثال موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ فرشتوں وغیرہ تمام ایمانیات کو مانتا ہے مگر نبی کا انکاری ہے کافر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں
کہ ایمان اور شرعی اعمال ہرگز نہ چھپائے مگر ولایت غوثیت قطبیت بعض اولیاء اسے چھپاتے ہیں بعض ظاہر کرتے ہیں حضور
غوث پاک نے اپنے درجات کس شان سے اپنے قصیدے میں بیان کئے یہ ہے اظہار ولایت کتاب خیر الخیر شریف میں مولانا
محبوب عالم صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء اپنی ولایت کو چھپاتے ہیں بعض اپنے کو ملامت کراتے ہیں ان دونوں

کاموں کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ مولوی بن جائے مولوی کتنا ہی بڑا ہو اسے ولی کوئی نہیں کہتا لوگ اس پر ملامت ہی کرتے ہیں اس شکل میں دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ یہ صورت جناب مصطفےٰ کی ہے جس پر رحمت الٰہیہ عاشق ہے دوسرے یہ کہ اس سے ولایت چھپی رہے گی۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا
پس کاٹ دیئے انہوں نے پاؤں اونٹنی کے اور سرتابی کی اپنے رب کے حکم اور بولے اے صالح لاؤ ہمارے
پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر لے آؤ
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾
پاس وہ کہ جو وعدہ کرتے تم ہم سے اگر ہو تم رسولوں میں سے
جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کی گفتگو کا ذکر ہوا تھا اب اس کافری بدکرداری کا ذکر ہے یعنی قولی مقابلہ کے بعد عملی مقابلہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کے اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر تھا اب اس کے ظہور کا تذکرہ ہے کہ جو کچھ صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قوم ثمود کے قومی کفر کا ذکر تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہم ان کے انکاری ہیں اب ان کے عملی کفر کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے جو کہا تھا وہ کرکے دکھا دیا گویا سرکشی کی ابتدائیہ کا ذکر پہلے تھا انتہا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **فعقروا الناقة** اس عبارت میں **ف** صرف **بعدیت** بیان کرنے کے لئے ہے۔ مہلت یا فاصلہ کے لئے نہیں کیونکہ قوم نے فوراً ہی اونٹنی کو ذبح یا زخمی نہیں کردیا تھا۔ بلکہ بہت عرصہ کے بعد کیا تھا یا یوں کہو کہ ان لوگوں نے ذبح کی اسکیم بہت پہلے بنالی تھی ذبح بہت عرصہ کے بعد کیا یہاں تیاری ذبح کے لحاظ سے **ف** ارشاد ہوا۔ **عقر** کے لغوی معنی ہیں پاؤں کی کوچیں کاٹنا مگر یہاں اس سے مراد ہے ذبح یا نحر کر دینا کیونکہ اونٹ ذبح کے وقت اولاً اس کی کوچیں کاٹتے ہیں۔ پھر اسے ذبح یا نحر کرتے ہیں۔ اگرچہ اونٹنی کو ذبح کرنیوالا ایک شخص تھا قیدار ابن سالف اور ایک شخص اس کا مددگار تھا۔ مصدع ابن دہر مگر چونکہ یہ کام ساری قوم کے مشوروں کی رضا سے ہوا تھا اس لئے ان سب کو اس کا فاعل قرار دیا گیا۔ رب فرماتا ہے **فنادوا صاحبهم فتعاطى فعقر** وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے **الناقة** سے مراد ہے وہی اونٹنی جو بطور معجزہ پہاڑ سے نکالی گئی تھی اس میں الف لام عہدی ہے یعنی کچھ عرصہ کے بعد قوم ثمود کے کفار نے اسی اپنی مانگی ہوئی اونٹنی کو ذبح کرکے ہلاک کر دیا اس اونٹنی کا ذبح کر دینا قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے مگر اس کے بچہ کے متعلق کوئی روایت نہیں ملی کہ وہ بھی ذبح کیا گیا یا نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ بھی ذبح کر دیا گیا بعض نے فرمایا کہ وہ بھاگ کر اس پہاڑ میں غائب ہو گیا جہاں سے اس کی ماں نکلی تھی اس طرح کہ پتھر چرا اور وہ اس میں سما گیا قریب قیامت جو **دابة الارض** نکلے گا وہ وہی بچہ ہو گا۔ جس کے متعلق قرآن مجید

فرماتا ہے۔ **اخرجنا لہم دابۃ من الارض** (تفسیر صاوی) **واللہ ورسولہ اعلم۔ وعتوا عن امر ربہم** یہ عبارت معطوف ہے **عقروا** پر ظاہر یہ ہے کہ اس میں ان کے اس جرم ذبح کا ذکر ہے یعنی انہوں نے یہ حرکت نادانی یا مجبوری سے نہیں کی بلکہ سرکشی سے کی **عتو** بنا ہے **عتو** سے بمعنی سرکشی اور اپنی حد سے نکل جانا۔ چونکہ اس میں تولی کے معنی شامل ہیں اس کے بعد **عن** ارشاد ہوا (روح المعانی) ورنہ **عتو** کے بعد **عن** نہیں آتا رب فرماتا ہے **بریح صرصر عاتیۃ** - امر رب سے مراد وہی حکم ہے جو ان کو حضرت صالح علیہ السلام کی معرفت دیا گیا تھا یعنی اونٹنی کا احترام کرنا اس کی حفاظت کرنا **فذروھا تاکل فی ارض اللہ** الخ یہی معنی بالکل ظاہر ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **عتو** سے مراد ہے اور دوسری قسم کی نافرمانیاں علاوہ ذبح اونٹنی کے اور **عن** بمعنی ب سببیہ ہے امر بمعنی ارادہ یعنی بہ ارادہ الٰہی ان لوگوں نے اس کے علاوہ اور سرکشیاں بھی کی تھیں آخری سرکشی اونٹنی کا ذبح تھا اس صورت میں یہ جملہ **فعقروا** کے فاعل سے حال ہے (از روح المعانی) مگر عام مفسرین پہلے معنی کرتے ہیں **وقالوا یا صالح ائتنا بما تعدنا** یہ ان کی ڈھٹائی کا بیان ہے کہ وہ ایسے ڈھیٹ تھے کہ اس جرم پر شرمندہ ہونے کی بجائے الٹے شیخی اور نبی کے مقابلہ میں آگئے یہ بکواس کرنے والے یا تو سارے کفار تھے یا وہی دو آدمی قیدار اور مصدع جنہوں نے ذبح کیا تھا مگر چونکہ ان کا قول بھی ساری قوم کے اشارہ پر تھا اس لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا۔ اپنے نبی کو صرف نام لے کر پکارنا بھی بے ادبی ہے' یہ بھی ان کے کفر کی نشانی تھی۔ اس سے مراد وہ عذاب ہے۔ جس سے آپ اپنی قوم کو ڈراتے تھے یعنی وہ لوگ اونٹنی ذبح کرکے بولے کہ اے صالح جس عذاب سے آپ ہم کو ڈراتے تھے وہ لے آؤ' ہم نے آپ کی مخالفت پوری کر لی۔ **ان کنت من المرسلین** یہ عبارت ائتنا کی شرح موخر ہے۔ یعنی آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ہم کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ اگر آپ سچے ہیں واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر عذاب لائیے۔ اگر آپ عذاب لے آئے تو آپ سچے ورنہ ہم سچے۔ گویا اپنی موت خود اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: صالح علیہ السلام نے ان کفار کو ہر طرح سمجھایا راہ راست پر لانے کی کوشش کی ان کو منہ مانگا معجزہ یعنی اونٹنی پتھر سے نکال کر دکھائی اونٹنی کے احترام کا انہیں حکم دیا ان تمام باتوں کے باوجود قوم ثمود نے اونٹنی کو ذبح کر ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی کہ جس کے احترام اور حفاظت کا حکم تھا اسے ذبح کیا اس سے پہلے بھی وہ سرکشی کرتے رہتے تھے ان کی ڈھٹائی کا یہ حال تھا کہ ذبح کر دینے کے بعد صالح علیہ السلام سے نہایت بدتمیزی سے بولے کہ اے صالح ہم نے تو اپنا کام کر دیا اب تم بھی وعدہ کیا ہوا عذاب لاؤ اگر تم رسول ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ اگر عذاب نہ لائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنے اس خیال میں سچے تھے کہ آپ رسول نہیں۔

اونٹنی کا ذبح: قوم ثمود کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے غیبی اونٹنی پیدا فرمائی جس کے پیدا ہوتے ہی قد آور بچہ دیا یہ ماں اور بچہ ثمود کی بستی میں رہنے سہنے لگے قوم ثمود کو تین دشواریوں کا سامنا ہوا ایک یہ کہ وہ اونٹنی بہت موٹی اور ڈیل ڈول والی تھی ان کے دوسرے جانور اسے دیکھ کر بدکتے بھاگتے تھے حضرت موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں ثمود کی زمین میں گیا میں نے وہ جگہ ناپی جس میں وہ اونٹنی بیٹھتی تھی ساٹھ ہاتھ تھا۔ دوسری مصیبت انہیں یہ پڑی کہ یہ ماں اور بچہ ہر طرف پھرتے تھے ہر ایک کا کھیت کھاتے انہیں مارنے یا نکالنے یا ہانکنے کی اجازت نہ تھی جیسے آج حرم شریف کے شکاری جانور جنہیں بھڑکانہ بھگانا حرام ہے۔ انہیں یہ بات بہت گراں معلوم ہوتی تھی۔ تیسری یہ کہ ہر تیسرے دن اونٹنی اس کنویں کا پانی سارا پی کر اسے خشک کر دیتی

تھی انہیں اس میں سے ایک قطرہ لینے کی اجازت نہ تھی پھر چوبیس گھنٹہ میں پانی کنویں میں جمع ہو تا پھر یہ پیتے۔ اگرچہ وہ دودھ بھی نادیتی تھی کہ یہ سب لوگ پی کر سیر ہو جاتے مگر قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں بڑی خوبصورت اور بڑی ہی مال دار جن کی لڑکیاں ان سے بھی بڑھ کر حسینہ جمیلہ تھیں۔ ایک کا نام عنیزہ ام غنم' دوسری کا نام تھا صدقہ بنت مختار ان کی کھیتی باڑی بھی بہت تھی اور ان کے جانور بھی بہت زیادہ تھے ان دونوں کو حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت تھی۔ یہ چاہتی تھیں کہ کسی صورت سے یہ اونٹنی ماردی جائے صدقہ نے اپنے چچازاد بھائی مصدع ابن دہر کو بلایا بولی میں بیوہ ہوں تجھ سے نکاح کرلوں گی بشرطیکہ تو اونٹنی کو ہلاک کردے پھر دوسرے شخص قدار ابن سالف کو بلایا۔ جو در حقیقت حرامی تھا اس سے بولی کہ تو بھی اونٹنی کے ذبح میں مدد کر اور میری جس بیٹی سے چاہے نکاح کرلے ان دونوں نے بہت خوشی سے یہ بات منظور کرلی ان دونوں نے اپنے ساتھ نو آدمی اور ملائے ساری قوم نے ان سے ہر طرح کے تعاون کا وعدہ کیا اسکیم یہ بنائی کہ پہلے صالح علیہ السلام کو شہید کرو پھر اونٹنی کو ذبح کرو صالح علیہ السلام دن بھر شہر میں رہتے تبلیغ کرتے تھے رات میں شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں مسجد تھی وہاں عبادت کرتے تھے یہ لوگ پہاڑ کے غار میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام جب یہاں آئیں گے ہم نکل کر انہیں شہید کردیں گے نو آدمی وہاں چھپ گئے ان پر غار گر گیا وہ تو وہاں ہی ختم ہو گئے بقیہ ان دونوں نے شور مچا دیا کہ صالح علیہ اسلام نے ہمارے نو آدمی ماردیئے اس پر بستی کے لوگ طیش میں آکر بولے کہ اب ہم اونٹنی ضرور ذبح کریں گے چنانچہ قوم کے مشورہ سے قدار اور مصدع دونوں اس پہاڑ کے دامن میں جاچھپے جہاں سے اونٹنی نکلی تھی جب اونٹنی مع اپنے بچہ کے ادھر سے نکلی کنویں کا پانی پی کر تو مصدع نے اس کے تیر مارا جس سے اونٹنی کی پنڈلی سخت زخمی ہو گئی اور وہ گر گئی۔ پھر قدار تلوار لئے ہوئے جلدی سے نکلا اس نے پہلے تو اونٹنی کے پاؤں کاٹے پھر اسے ذبح کردیا اونٹنی نے تین آوازیں نکالیں اور جان دے دی اس کا بچہ اس پہاڑ میں گیا وہ پہاڑ پھٹا بچہ اس میں سما گیا قوم نے اونٹنی کا گوشت آپس میں تقسیم کرلیا یہ واقعہ تفسیر روح البیان سے نقل کیا گیا باقی روح المعانی' خازن اور تفسیر کبیر تفسیر صاوی تفسیر ابن کثیر نے کچھ فرق سے بہت طویل بیان فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر نے بیان کیا کہ قدار ابن سالف ابن خدع پستہ قد نیلی آنکھ سرخ رنگ تھا اس کی ماں تھی تو سالف کی بیوی مگر اس نے ایک شخص سنان سے بدکاری کی جس سے یہ پیدا ہوا۔ بدترین مخلوق میں سے قدار ابن سالف ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گناہ کرنا گناہ کرانا گناہ پر مدد کرنا گناہ کا مشورہ دینا سب ہی جرم ہے سب پر عذاب آسکتا ہے یہ فائدہ **فعقروا** جمع فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اونٹنی کو ذبح کرنے والا ایک یا دو شخص تھے مگر فرمایا گیا کہ ان سب نے ذبح کیا کیونکہ مشورہ سب نے دیا تھا۔ **دوسرا فائدہ:** انبیاء کرام کی بارگاہ میں زاری چاہئے وہاں زور نہ دکھانا چاہئے' جنہوں نے وہاں زور دکھایا وہ مارے ہی گئے یہ فائدہ **وعتوا عن امر ربهم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حکم رسول دراصل حکم رب تعالیٰ ہے انکی فرماں برداری رب کی فرماں برداری ہے انکی نافرمانی رب کی نافرمانی ہے کہ وہ جو کچھ بولتے ہیں رب کے حکم سے بولتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **عتوا عن امر ربهم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کا مقابلہ دراصل رب تعالیٰ کا مقابلہ ہے دیکھو قوم ثمود نے خدا تعالیٰ سے نہیں کہا تھا کہ ہم پر عذاب بھیج بلکہ صالح علیہ السلام سے کہا تھا **یا صالح ائتنا بما تعدنا الخ** مگر رب تعالیٰ نے اسے اپنا مقابلہ قرار دیا بارگاہ الٰہی بہت ہی غیور ہے ساری مخلوق سے بڑھ کر غیرت والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور سے زیادہ غیرت والا اللہ تعالیٰ ہے **واللہ اعلم**

منی اعلیحضرت نے عرض کیا۔

تیری غیرت کے نثار اے مرے غیرت والے آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردہ تیرا!

تجربہ ہے کہ حضور کے نام لیوا نہ دنیا میں کبھی ذلیل ہوں نہ بھوکے مریں اللہ تعالیٰ ہم کو ان کا نام لیوا ان کے آستان کا نوکر بنائے۔

پہلا اعتراض: **فعقروا** کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود نے اونٹنی کے پیدا ہوتے ہی اسے ذبح کر دیا حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے عرصے تک اونٹنی ان میں رہی ف کے معنی ہیں فوراً"؟ **جواب:** کبھی **ف** بمعنی ثم بھی آتی ہے یعنی پھر عرصہ کے بعد اور کبھی بمعنی بعد بھی آتی ہے یہاں اسی معنی میں ہے جیسے **فحملته فانتبذت به مكانا قصيا** اور جیسے **فاجاءها المخاض الی جذع النخلة**۔ ان سب جگہ میں **ف** بمعنی فوراً" نہیں یا ذبح کی اسکیم و تیاری کے لحاظ سے **ف** ارشاد ہوئی کام کی تیاری کو کام کہا جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت ربیع الاول میں کی مگر سنہ ہجری محرم سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ارادہ ہجرت محرم سے ہی ہو گیا تھا واللہ عالم۔ **دوسرا اعتراض:** اونٹنی ذبح کرنے والے ایک یا دو آدمی تھے مگر یہاں صیغہ جمع ارشاد ہوا **فعقروا** ان سب نے ذبح کیا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ چونکہ ساری قوم نے ذبح کا مشورہ دیا سب نے مل کر گوشت کھایا سب نے تعاون کیا اس لئے ان سب کو ذبح کرنے والا قرار دیا گیا اس لئے **ذبحوا** نہ فرمایا **عقروا** فرمایا۔ **تیسرا اعتراض:** اونٹنی ذبح کرنے کے علاوہ انہوں نے اور کونسا جرم کیا تھا جس کے بارے میں فرمایا گیا **وعتوا عن امر ربهم** **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ خود ذبح میں سرکشی ہے یہ عطف تفسیری ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی آپ کے معجزات کا انکار سرکشی ہے آپ کی نبوت کا انکار بت پرستی یہ سب انکی نافرمانیاں ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** صالح علیہ السلام کی اونٹنی آپ کا معجزہ تھی اور نورانی مخلوق تھی پھر اسے قوم نے ذبح کیسے کر دیا نور پر ان کا قابو کیسے چل گیا اور نبی کے معجزے کو مٹانے پر وہ قادر کیسے ہو گئے معجزہ کے معنی ہیں عاجز کرنے والی چیز اس اونٹنی سے یہ لوگ عاجز کیوں نہ ہوئے۔ **جواب:** اگرچہ اونٹنی نورانی مخلوق تھی مگر شکل میں جسمانی تھی اس لئے اس پر جسم کے احکام جاری ہو گئے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب سانپ بن جاتا تھا تو دوڑتا کھاتا پیتا بھی تھا **تلقف ما یافکون** جب بعض انبیاء کرام بھی کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے **ویقتلون النبین بغیر حق** حالانکہ نبی بھی نورانی ہوتے ہیں تو اگر ان کے معجزہ اونٹنی کو ذبح کر دیا تو کیا اعتراض ہے۔ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس کے مقابلہ پر عاجز ہوں واقعی کفار ثمود پتھر سے اونٹنی نکالنے سے عاجز تھے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ لوگ اس کے مقابل کلام بنانے سے عاجز ہیں کبھی قرآن مجید آگ میں جل جاتا ہے پھاڑا جاسکتا ہے پانی سے دھل جاتا ہے یہ جلاڈالنا پھاڑ دینا پانی سے دھو دینا اس کے معجزہ ہونے کے خلاف نہیں بلکہ اونٹنی کا ذبح کر دینا ثمود کی ہلاکت کا ذریعہ تھا۔ لہذا اس کی موت بھی معجزہ تھی کہ ان پر عذاب آگیا۔ **پانچواں اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہ توچرایا جاسکتا ہے اور جب وہ سانپ بن جاتا تھا تو اسے کوئی سپیرا نہ مار سکتا تھا نہ اسے قبضہ میں کر سکتا تھا وہ بھی تو معجزہ تھا اسے فرعونی لوگ فنا کیوں نہ کر سکے۔ **جواب:** عصاء موسوی معجزہ بھی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا محافظ بھی آپ کے دل کے اطمینان کا ذریعہ بھی ان وجوہ سے اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی آپ کی محافظ نہ تھی۔ صرف معجزہ تھی اس لئے کوئی کافر عصا موسوی نہ چرا سکا نہ مار

سکا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے بستی قلب کی طرف صالح روح کو بھیجا تاکہ یہ صالح دل کی بستی میں رہنے والوں کی سفلی، ظلمانی، حیوانی ردی صفات سے نکال کر نورانی، روحانی علوم حمیدہ اخلاق کی طرف رہبری کرے مگر نفس امارہ اور اس کی صفات ردیہ نے سر قلب کی ناقہ کو مخالفت حق تکبر و غرور نافرمانی الٰہی کی چھری سے ذبح کر دیا اور نفس بجائے قلب کی اطاعت کرنے کے اس کے مقابل آ گئے اور عذاب الٰہی کے مستحق ہو گئے (روح البیان) عقل انسانی اگر قلب کے ماتحت رہے تو اللہ کی رحمت ہے اور اگر نفس کے ماتحت ہو جائے تو عذاب ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عقل زیر حکم دل رحمانی است   چوں زدل ازلو شد شیطان است

صوفیاء فرماتے ہیں اونٹنی حلال بھی ہے اس کا ذبح بھی جائز۔ جائز اور حلال چیز پر عذاب نہیں آتا مگر چونکہ اسے رب تعالیٰ کی طرف نسبت تھی اور اس کو حرام قرار دیا گیا تھا تو نہ اس کا گوشت کھانے کے قابل رہا نہ اس کا ذبح جائز دیکھو قربانی کا جانور حلال ہوتا ہے مگر تاریخ سے پہلے کا ذبح جائز نہیں۔ ہدی کا جانور حلال ہے مگر حرم اور تاریخ کے بغیر اس کا ذبح جائز نہیں حرم کا شکار بذات خود حلال ہے مگر اس کو شکار کرنا جائز نہیں یوں ہی جس آدمی کو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی نسبت ہو جائے اسے ستانا عذاب کا باعث ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جو میرے ولی سے دشمنی رکھے اسے میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ

پس پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے پس ہو گئے وہ اپنے گھر میں منہ کے بل   پس اعراض کیا ان سے
تو انہیں زلزلے نے آ لیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو صالح نے

وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ

اور فرمایا اے قوم میری البتہ تحقیق پہنچایا میں نے تم کو پیغام رب کا اپنے اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری
ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بیشک تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور تمہارا

لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

اور لیکن نہیں پسند کرتے تم خیر خواہوں کو
بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کی غرض ہی نہیں

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قوم ثمود کے اونٹنی ذبح کرنے کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اونٹنی کے ذبح پر ساری قوم ہلاک کر دی گئی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ قوم ثمود نے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق جو کج بحثی کی اس کے قولی جوابات صالح علیہ السلام دیتے رہے

اب ارشاد ہے کہ جب انہوں نے ہمارے پیارے نبی کی ذات کے متعلق ڈھٹائی کی کہ کہا کہ اگر تم سچے رسول ہو تو عذاب لے آؤ تو انہیں عملی جواب رب تعالیٰ نے دیا کہ انہیں ہلاک کر دیا تاکہ پتہ لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی عزت کیسی عزیز ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر تھا اب اس دعوت کو قبول نہ کرنے والوں کو سزا کا ذکر ہے دعوت پیغمبر قبول کرنے والوں کے لئے رحمت ہوتی ہے انکاریوں کے لئے عذاب۔

تفسیر: **فاخذتھم الرجفۃ** یہاں بھی **ف** بمعنی فوراً" نہیں ہے کیونکہ قوم ثمود پر عذاب اونٹنی ذبح کرتے ہی فوراً" نہیں آیا بلکہ کچھ دن بعد جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ چونکہ قوم ثمود پر عذاب ان کے گھروں میں ہی آگیا وہ فرعون کی طرح بستی سے نکال کر ہلاک نہیں کئے گئے اس لئے **اخذت** فرمایا گیا **ھم** کا مرجع قوم ثمود کے سارے کفار ہیں اونٹنی ذبح کرنے والے بھی اس سے راضی ہونے والے بھی اس میں مدد کرنے والے بھی۔ غرضیکہ ساری کی ساری کافر قوم۔ **رجفۃ** کے معنی ہیں سخت لرزہ زمین کے تیز زلزلہ کو بھی کہتے ہیں اور دل کی تیز دھڑکن کو بھی یہاں معنی میں ہے۔ خیال رہے ثمود کے عذاب کے متعلق مختلف آیات میں مختلف چیزوں کا ذکر ہے۔ یہاں تو **رجفۃ** یعنی زلزلہ کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ہے **فاخذتھم الصیحۃ** انہیں چیخ نے پکڑ لیا۔ تیسری آیت میں ہے **فاھلکوا بالطاغیۃ** مگر ان میں تعارض نہیں اس لئے کہ ثمود پر اوپر سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چیخ آئی اور نیچے سے زمین کا زلزلہ گویا ان پر دو طرفہ عذاب آیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر چیخ کا عذاب آیا چیخ سے زمین میں زلزلہ آگیا جیسے آج دھمکہ سے زمین کانپ جاتی ہے۔ اور **اھلکوا بالطاغیۃ** میں ب سببیہ ہے اور **طاغیۃ** کے معنی ہیں اس قوم کی سرکشی یعنی قوم ثمود اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی۔ لہذا آیات قرآنیہ تعارض تقابل سے پاک صاف ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ثمود پر عذاب آنے سے پہلے مقدمات عذاب اور علامات غضب نازل ہوتے رہے جیسا کہ ان شاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا ان چیزوں کے نزول کی احادیث بھی اس آیت کے خلاف نہیں۔

فاصبحوا فی دارھم جاثمین یہاں **ف** بمعنی فوراً" ہے کیونکہ یہ واقعہ ان پر عذاب آتے ہی ہوا۔ **اصبحوا** بمعنی **صاروا** ہے اس کا فاعل وہی قوم ثمود کے کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ **دار** بمعنی ملک ہے یا بمعنی علاقہ جیسے کہا جاتا ہے۔ **دار الحرب یا دار الاسلام** یا جیسے دار اور اگر بمعنی گھر ہے تو اس سے جنس دار مراد ہے۔ بہرحال یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں **فی دیارھم جاثمین** کہ وہاں دیار سے مراد ان کے الگ الگ گھر ہیں اس لئے وہاں جمع ارشاد ہوا۔ **جاثمین** یا تو **اصبحوا** کی خبر ہے یا اس کے فاعل سے حال جبکہ **اصبحوا** فعل ناقص ہو جاثم بنا ہے جثوم سے بمعنی زمین پر اس طرح اوندھا پڑ جانا کہ بالکل حس و حرکت نہ ہو یعنی وہ لوگ عذاب آنے پر اپنے گھروں اپنی زمین میں ایسے اوندھے رہ گئے کہ ان کے گھٹنے زمین سے لگے تھے ران پنڈلیوں سے اور پیٹ رانوں سے۔ اس طرح مر گئے خدا کی پناہ۔ **فتولی عنھم** یہاں **ف** بمعنی فوراً" نہیں کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ واقعہ عذاب الٰہی آنے سے کچھ دن بعد ہوا کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام مومن جماعت کے ساتھ عذاب آنے سے پہلے ہی اس بستی سے نکل کر کسی دور جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ جب ان پر عذاب آچکا اور یہ سب ہلاک ہو چکے تو آپ اس جنگل سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے راہ میں اس بستی پر گزرے ان کی لاشیں غور سے حسرت سے ملاحظہ فرمائیں پھر نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا۔ یہ واقعہ یہاں مذکور ہے **تولی** کے معنی اس کی صورتیں کئی بار ذکر کی جا چکی ہیں۔ **تولی** کا فاعل حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور **عنھم** میں **ھم** کا مرجع وہ ہلاک شدہ کفار ثمود ہیں یعنی عذاب آ

چکنے کے بعد صالح علیہ السلام مع مومن قوم کے ان کی لاشوں پر گزرے پھر نفرت کے ساتھ ان سے منہ پھیرا **و قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالتہ ربی و نصحت لکم** یہ کلام شریف اول میں حسرت ہے آخر میں نفرت اس میں اس قوم پر اللہ کی تین نعمتوں کا ذکر ہے اور اس قوم کی ناقدری کا تذکرہ پہلی نعمت یقوم ہے یعنی تم لوگ نبی کی قوم تھے نبی کی قوم ہونا اللہ کی نعمت ہے اور دین و دنیا میں باعث برکت اگر ایمان کے ساتھ۔ دوسری نعمت **لقد ابلغتکم** الخ ہے تیسری نعمت **و نصحت** الخ۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے میری نافرمان قوم میں نے تجھے اس عذاب سے بچانے کی بہت کوشش کی تجھ پر یہ عذاب بے خبری میں نہیں آیا بلکہ خبردار کر کے آیا۔ خیال رہے کہ یہاں ابلغت کے معنی ہیں پورا پورا پہنچایا۔ یا کسی طرح کی کمی نہ کی رسالتہ سے مراد جنس پیغام ہے اور جن آیات میں ہے **و رسالات ربی** جمع کے ساتھ وہاں افراد پیغام مراد ہیں اس میں بشارت، نذارت، وعدے وعید ہیں۔ احکام عقائد سب کی تبلیغ داخل ہے۔ یعنی میں نے تجھے ڈرایا۔ دھمکایا خوشخبریاں دیں اور صرف تبلیغ کی ڈیوٹی ہی ادا نہ کی بلکہ دل سے ہمیشہ تمہاری خیر خواہی کی ہمیشہ چاہا کہ تم مومن ہو جاؤ مگر تم نے قدر نہ کی میری ایک نہ مانی۔ **و لکن لا تحبون الناصحین** حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی کرم نوازی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی سرکشی نالائقی کا ذکر فرمایا کبھی گزشتہ واقعہ کو حال سے تعبیر کرتے ہیں ناصحین سے مراد خیر خواہ ہیں نبی ہوں یا مومنین یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے سارے خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے بلکہ ان سے عداوت و بغض ہی رکھتے ہو تم نے مجھ سے بغض رکھنے کا انجام دیکھ لیا آپ کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہو کر ابو جہل وغیرہ کفار مکہ کی لاشوں پر تشریف لے گئے ان سے فرمایا کہ اے ابو جہل اے امیہ ابن خلف ہم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا بولو تم نے بھی سچا پایا یا نہیں اب بولو جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور بے جان جسموں سے کلام کیوں فرما رہے ہیں فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں اسی قسم کا یہ کلام اور یہ خطاب ہے۔ میت سنتی ہے اگرچہ کافر کی ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : تم نے حضرت صالح علیہ السلام کی حکیمانہ تعلیم اور قوم کی ہٹ دھرمی اور عملی نافرمانی سن لی۔ اب سنو کہ اس کا انجام یہ ہوا کہ قوم ثمود کو سخت زمینی زلزلے نے آپکڑا اور تمام کے تمام اپنی بستی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے کہ وہ زلزلہ کی وجہ سے زمین سے لپٹ گئے اور ہلاک ہو گئے حضرت صالح علیہ السلام جو مومنوں کو لیکر یہ بستی چھوڑ کر دور جنگل میں نکل گئے تھے آپ یہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے راستے میں اس اجڑی بستی ان لوگوں کی لاشوں پر گزرے تو ان کی حالت میں حسرت سے غور کیا پھر نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے میری ضدی قوم میں نے اس عذاب سے تجھے بہت بچانا چاہا تجھ تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا اس عذاب کی تجھے پہلے سے خبر دی مگر تیرا حال یہ ہے کہ تو اپنے خیر خواہوں یعنی مجھے اور دوسرے مومنوں سے بجائے محبت کرنے کے نفرت کرتی ہے اب تو نے اپنی حرکتوں کا انجام دیکھ لیا بلکہ آزما لیا۔

قوم ثمود کی ہلاکت : جب قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پہلے تیر مارا تو اس نے ایک چیخ ماری انہوں نے اسے گرا کر ذبح کر دیا اونٹنی کا بچہ اس پہاڑ کی طرف بھاگا جس سے یہ اونٹنی نکلی تھی قوم اس کے پیچھے تھی اس نے تین چیخیں ماریں وہ صالح علیہ السلام کی طرف دیکھتا تھا۔ اور روتا تھا پھر پہاڑ میں گھسا پہاڑ اس کے لئے پھٹا وہ اس میں سما گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ بچے نے تین چیخیں ماریں ہیں تم کو اب صرف تین دن کی مہلت ہے۔ رب فرماتا ہے **تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام ذالک وعد غیر مکذوب** یہ لوگ اب بھی صالح علیہ السلام کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں اس زمانہ میں ان کی زبان میں ہفتہ

کے دنوں کے نام حسب ذیل تھے اتوار کو اول کہتے تھے پیر کو اھون منگل کو دبار بدھ کو جبار جمعرات کو مونس جمعہ کو عروبہ اور ہفتہ کو سنیچر کو شیار۔ ان لوگوں نے بدھ کے دن اونٹنی ذبح کی تھی صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کل مونس یعنی سنیچر کے دن سب کے منہ کالے ہو جائیں گے۔ پھر یوم اول یعنی اتوار کے دن تم پر عذاب آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جمعرات کے دن ان کے چہرے ایسے پیلے ہو گئے جیسے ان میں زعفران مل دیا گیا ہے عورت و مرد چھوٹے و بڑے سب کا یہی حال ہوا اب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا پھر جمعہ کے دن ان کے منہ ایسے سرخ ہو گئے۔ جیسے ان پر تازہ خون مل دیا گیا ہے یہ لوگ رونے پیٹنے اور چیخنے لگے ہفتہ کے دن ان کے منہ ایسے کالے ہو گئے جیسے ان پر تارکول مل دیا گیا ہے اب یہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہماری ہلاکت کا وقت آ گیا۔ صبح اتوار تھا حضرت صالح علیہ السلام اس رات مومنین کو اپنے ساتھ لے کر شام کی طرف کوچ کر گئے حتی کہ رملہ فلسطین میں آپ نے قیام فرمایا۔ اتوار کے دن صبح سویرے یہ لوگ کفن اوڑھ کر خوشبو مل کر مرنے کے لئے زمین پر اوندھے پڑ گئے کبھی منہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیتے اور پھر زمین پر چہرہ رکھ دیتے کہ دیکھئے کس طرف سے اور کس طرح عذاب آئے گا حتی کہ اتوار کے دن دوپہر ہو گئی کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک کڑک کی سی آواز آئی جس سے زمین میں بڑا عظیم زلزلہ پیدا ہوا ان سب کے دل پھٹ گئے تمام کے تمام مر گئے ایک بے دست و پا لونڈی جس کا نام ذریعہ بنت سالف تھا جسے حضرت صالح علیہ السلام سے بہت ہی عداوت تھی وہ بچ رہی۔ اللہ کی شان کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھل گئے یہ اس علاقہ سے بھاگی حتی کہ وادی القریٰ پہنچی وہاں کے باشندوں کو قوم ثمود کی ہلاکت کا آنکھوں دیکھا واقعہ سنایا بولی مجھے سخت پیاس لگی ہے پانی پلاؤ اسے پانی پلایا گیا وہ پانی پیتے ہی وہاں ہی ڈھیر ہو گئی گویا اس لونڈی کو ہلاکت کی خبر پہنچانے کے لئے اتنی مہلت دی گئی۔

حدیث شریف : مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت فرمایا کہ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے مقام حجر سے گزرے جہاں قوم ثمود پر عذاب آیا تھا تو صحابہ کرام کو حکم دیا ٹھہرو نہیں بلکہ خوف الٰہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ بعض لوگوں نے اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ پانی پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا ضائع کرو اور کبھی اپنے نبی سے معجزات نہ مانگو۔ غور کرو کہ قوم ثمود نے اپنے نبی سے معجزہ مانگا یعنی اونٹنی پھر ان کا انجام کیا ہوا روایات میں ہے کہ قوم ثمود کا ایک آدمی ابو رغال اس وقت حرم مکہ معظمہ میں تھا وہ عذاب سے بچ رہا۔ جب وہ حرم شریف سے نکلا تو وہ بھی ہلاک ہو گیا اسے قوم نے دفن کر دیا اور اس کی قبر میں سونے کی چھڑی بھی دفن کر دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رغال کی قبر صحابہ کو دکھائی صحابہ نے تلواروں سے اس کی قبر کھولی تو وہ چھڑی موجود پائی۔ حضرت صالح علیہ السلام پر کل چار ہزار آدمی ایمان لائے۔ حق یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام مکہ معظمہ میں رہے وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مطاف شریف میں آپ کی قبر ہے آپ کی عمر شریف اٹھاون سال ہوئی۔ آپ نے بیس سال اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی یہ واقعہ مفسرین نے قدرے اختلاف سے بیان فرمایا ہے۔ ہم نے تفسیر خازن وغیرہ سے نقل کیا مثنوی شریف میں یہ واقعہ پہلے دفتر کے آخر میں اس عنوان پر مذکور ہے۔

"درمیان حقیر دیدن خصمان ناقہ صالح را"

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ہر مفید چیز سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھاتا۔ نبی کی نبوت ان کے معجزات اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتے ہیں مگر اس سے فائدہ صرف خوش نصیب لوگ ہی اٹھاتے ہیں بد نصیب اس سے

نقصان ہی لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **فاخذتهم الرجفة** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی نہ عمارات نہ کوٹھیاں نہ قلعے اس سے صرف نبی کا دامن ہی بچا سکتا ہے وہی دار الامان ہے۔ یہ فائدہ **فاصبحوا فی دارهم** الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ہر چیز اللہ کی فوج ہے جس کو جس چیز سے چاہے ہلاک کردے قوموں پر کھٹمل 'جوں' زلزلے کے عذاب آئے 'کوئی شخص کسی وقت کسی حالت میں اپنے کو رب کی قدرت سے باہر نہ سمجھے۔ یہ فائدہ **الرجفة** فرمانے سے حاصل ہوا اس کا مشاہدہ اب بھی ہو رہا ہے۔ چوتھا فائدہ: مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں۔ یہ فائدہ **و قال یا قوم** سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مردے کو دفن کرکے زندے چلتے ہیں تو مردہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے فارغ ہو کر ابوجہل وغیرہ کفار کی لاشوں سے کلام فرمایا جیسے کہ صالح علیہ السلام نے ان کفار کی لاشوں سے کلام کیا۔ نیز فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جب قبرستان میں جاؤ تو مردوں کو سلام ان سے کلام کرو لیکن اگر مردے سنتے نہ ہوں تو یہ کام عبث ہوں گے۔ پانچواں فائدہ: مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء ہے دیکھو حضرت صالح علیہ السلام نے مردہ کفار سے خطاب کیا انہیں یا کہہ کر پکارا **و قال یا قوم** جب مردہ کفار کو پکارنا ان سے کلام کرنا درست بلکہ سنت انبیاء سے ثابت ہوا تو وفات یافتہ اولیاء اللہ شہداء انبیاء حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا 'ان سے عرض معروض کرنا ان سے اپنے دکھ درد کہنا 'ان سے شفاعت وغیرہ مانگنا بالکل جائز ہے کہ وہ حضرات تو زندہ ہیں لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ **اسئلک الشفاعة یا رسول الله** اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔ چھٹا فائدہ: اپنے احسانات کا ذکر اور قوم کی ناقدری پر اظہار افسوس کرنا جائز بلکہ سنت نبی ہے۔ یہ فائدہ **نصحت لکم** اور **لا تحبون الناصحین** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: نبی ولی صالح مومنین ہمارے سچے خیر خواہ ہیں ہم کو سب چھوڑ دیتے ہیں یہ حضرات نہیں چھوڑتے یہ فائدہ **الناصحین** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ہم انہیں اپنا خیر خواہ سمجھیں۔ آٹھواں فائدہ: نبی اور مومنین سے دلی محبت چاہئے یہی نجات کا ذریعہ ہے بغیر محبت والی اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے مگر تھے کافر۔ یہ فائدہ **لا تحبون الناصحین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قوم ثمود زلزلہ سے ہلاک ہوئی۔ دوسری آیت میں ہے کہ وہ چیخ سے ہلاک ہوئی۔ تیسری آیت میں ہے کہ طاغیہ یعنی پانی کے طوفان سے ہلاک ہوئی ان آیات میں تعارض ہے بتاؤ کہ کون سی آیت درست ہے۔ جواب: یہ ساری آیات درست ہیں ان میں تعارض قطعاً" نہیں اولاً" حضرت جبرئیل کی چیخ آئی جس سے زمین تھرتھرائی ان دونوں چیزوں سے وہ ہلاک ہوئے قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا کہ وہ پانی میں غرق ہوئے۔ **اهلکوا بالطاغیة** میں **طاغیة** کے معنی پانی کا سیلاب نہیں بلکہ ان کی سرکشی ہے ب سببیہ ہے یعنی وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کئے گئے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ قوم ثمود اتوار کے دن دوپہر کے وقت ہلاک ہوئی مگر یہاں فرمایا گیا **فاصبحوا فی دارهم جاثمین** وہ صبح کے وقت ہلاک ہوئی۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **اصبحوا** کے معنی ہیں صاروا یعنی ہو گئے یہ معنی نہیں کہ صبح کے وقت ہو گئے دوسرے یہ کہ دوپہر تک کو صبح کہتے ہیں اور بعد دوپہر کو مساء یعنی شام کہا جاتا ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فی دارهم** یعنی دار کی جمع۔ آیتوں میں اختلاف ہے۔ جواب: دار کے معنی گھر بھی ہیں اور بستی بھی 'ملک بھی' جیسے دار الحرب دار الاسلام یہاں دار بمعنی بستی ملک ہے اس آیت

میں دیار بمعنی مکانات ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **فتولی عنھم** تو کیا صالح علیہ السلام عذاب کے وقت قوم ہی میں رہے۔ بعد عذاب وہاں سے دوسری جگہ گئے۔ کیونکہ **فتولی** میں **ف** ہے جو بعدیت بتا رہی ہے حالانکہ عذاب کے وقت نبی وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ آپ عذاب کے وقت شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے' بعد عذاب وہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ تب ان کی تباہ شدہ بستی اور ہلاک شدہ قوم پر گزرے تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور یہ فرمایا۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود کو ان کی زندگی میں بھی یا قوم کہہ کر پکارا اور مرے بعد بھی مردہ کافروں سے محبت کرنا انہیں یا قوم کہنا کیونکر جائز ہوا۔ **جواب:** پہلے آپ نے انہیں اپنی قوم فرمایا تبلیغ کو موثر بنانے کے لئے کیونکہ نرم الفاظ کی تبلیغ دل میں اتر جاتی ہے اب انہیں یا قوم فرمایا اللہ کی نعمت اور ان کی ناقدری ظاہر کرنے کے لئے کہ تم کو رب نے یہ نعمت دی کہ میری قوم بنایا نبی کی قوم شان والی ہوتی ہے اور تم نے ناقدری کی کہ میری قوم ہو کر کافر رہے۔ بہرحال دونوں جگہ یہ لفظ کفار سے محبت کی وجہ سے نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کنعان کو اپنا بیٹا کہا تو ان پر عتاب ہو گیا۔ **یا نوح انہ لیس من اھلک** مگر آپ نے کفار کو اپنی قوم کہا ان کی زندگی میں بھی اور بعد موت بھی تو ان پر عتاب نہ ہوا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** وہاں نوح علیہ السلام نے رب سے عرض کیا کہ کنعان میرا بیٹا ہے کیوں ڈوب گیا؟ اس میں شفاعت کی مہک و خوشبو ہے اور کفار کی شفاعت درست نہیں' وہاں بھی کنعان کو بیٹا کہہ کر پکارنے پر عتاب نہیں ہوا۔ **یا بنی ارکب معنا** یہاں شفاعت کی خوشبو نہیں بلکہ ملامت و نفرت کے لئے یا قوم فرمایا۔ لہٰذا فرق ظاہر ہے۔ **ساتواں اعتراض:** مردے سنتے نہیں حضرت صالح علیہ السلام کا ان سے یہ خطاب ایسا ہی تھا جیسے ہوا یا پانی سے خطاب کر دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **انک لا تسمع الموتی** اور فرماتا ہے **وما انت بمسمع من فی القبور** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ **جواب:** ہوا یا پانی کو شاعر لوگ اپنے باطل تخیل سے خطاب کرتے ہیں وہ خطاب حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا۔ حضرت صالح علیہ السلام کا وہ کلام حقیقت پر مبنی تھا۔ جھوٹا خیال نہ تھا اس کلام کو رب تعالیٰ نے بغیر تردید نقل فرمایا یہ نہ کہا کہ یہ ان کا محض جھوٹا خیال تھا سائل نے قرآن مجید کی آیت پوری نقل نہیں کی اس آیت میں آگے سائل کا جواب موجود ہے پوری آیت یہ ہے۔ **انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یومن بایاتنا** یعنی آپ نہ تو مردوں کو سنا سکتے ہیں' نہ بہروں کو پکار سکتے ہیں' نہ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں' ایمان کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہاں مردے' بہرے' اندھے سے مراد دل کے مردے دل کے اندھے دل کے بہرے ہیں یعنی کفار لہٰذا آیت واضح ہے۔ اگر مردے سنتے نہیں تو قبرستان میں سلام کرنے کے کیا معنی' التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے کیا معنی' اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **ولکن لا تحبون النا صحین** تم لوگ خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے ہو وہ لوگ تو مر چکے تھے انہیں بصیغہ حال **لا تحبون النا صحین** کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کبھی گزشتہ چیز کو حال کے صیغہ سے بیان کر دیتے ہیں اس کا وہ حال ذہن نشین کرانے کے لئے ایسے ہی یہاں ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے اردو میں بھی کبھی ایسا کرنے میں خواب بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے پرسوں خواب میں دیکھا کہ

ایک جنگل ہے میں اس میں جارہا ہوں' دریا سے گزر رہا ہوں وغیرہ۔ **نواں اعتراض:** یہاں ناصحین جمع کیوں ارشاد فرمایا آپ تو اکیلے تھے یا تولا **تحبونني** فرماتے یا **لا تحبون الناصح** فرماتے۔ **جواب:** چونکہ قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی بھی دشمن تھی اور آپ پر ایمان لانے والے مومنین کی بھی حالانکہ مومنین بھی ان کے خیر خواہ تھے اس لئے ناصحین جمع فرمانا بالکل ہی مناسب ہے کفار سارے مومنوں کے دشمن ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسانوں کے دل زمین ہیں کلمہ طیبہ اعلیٰ درجہ کا تخم ہے حضرات انبیاء و اولیاء اس تخم کو اس زمین میں کاشت کرنے والے ہیں اگر یہ زمین اس تخم کو قبول کرے تو اس سے ایمان کا درخت نکلتا ہے۔ جس میں عرفان' ایقان کے پھل پھول لگتے ہیں اگر زمین ہی اچھی نہ ہو تو وہاں کاشت بیکار ہوتی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام بہترین کاشت فرمانے والے تھے۔ تخم بھی نہایت ہی اعلیٰ تھا مگر قوم ثمود کے دل کی زمین ناقابل کاشت تھی اس لئے حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ نے ان میں کوئی اثر نہ کیا۔ جس کا انجام قوم ثمود کی ہلاکت ہوا۔ جس قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی ولی مومنین نکال لئے جاتے ہیں یونہی جس دل پر عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی کا اور ولی کا فیض مومنوں کی محبت نکال لی جاتی ہے۔ جس دل میں نبی کا لوب' ولی کی محبت' مومنوں سے لگاؤ نہ ہو وہ دل عنقریب ہلاک ہونے والا ہے اس آیت میں **فتولي** اور **نصحت لكم** اور **لا تحبون الناصحين** تینوں عبارتیں قابل غور ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قوم ثمود ہلاکت کے دن یعنی اتوار کو سجدہ میں گر گئی رب تعالیٰ سے معافی مانگنے لگی اسی حالت میں اس پر عذاب آیا چونکہ ان کے دل نبی کی طرف نہیں جھکے صرف سر سجدہ میں جھکے اس لئے رب نے انہیں ساجدین نہ کہا جاثمین کہا یعنی اوندھے پڑے ہوئے اور ساحرین فرعون کو فرمایا ساجدین کیونکہ ان کے سر سجدہ میں تھے اور زبان پر اللہ تعالیٰ اس کے نبی کا نام تھا۔ **رب موسیٰ و ہارون** اور قوم یونس علیہ السلام علامات عذاب دیکھ کر حضرت یونس کی طرف بھاگی انہیں نہ پایا تو ان کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی گویا اپنی پناہ کے پاس جانے لگی اس لئے اس سے آیا ہوا عذاب ہٹایا گیا ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں نبی کی الفت ان کی طرف جھکاؤ نہ ہو اور سجدہ کیا جائے تو وہ سجدہ نہیں اوندھے گر جانا ہے اور آفات میں نبی کو چھوڑ کر رب کی طرف بھاگنا عذاب کا باعث ہے توحید پاور ہے رسالت اس کا اوپر والا غلاف پاور بغیر غلاف کے جان لے لیتا ہے اور غلاف کے ساتھ سینکڑوں کام بناتا ہے۔ توحید بغیر رسالت کے ایمان لے لیتی ہے رسالت کے سایہ میں ہے تو ایمان عرفان سب کچھ بخشتی ہے' ابلیس کے پاس توحید بغیر رسالت تھی مارا گیا بارش سے پناہ چھت یا درخت کے ذریعہ ہے گناہوں میں پناہ دامن نبی ہے۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور لوط کو جب کہا انہوں نے قوم سے اپنی کیا کرتے ہو تم بے غیرتی کہ نہیں سبقت کی تم پر اس میں کسی نے جہان والوں

اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی

مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ

میں سے تحقیق تم آتے ہو لڑکوں کے پاس شہوت سے بغیر عورتوں کے بلکہ تم

تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ

قوم ہو حد سے بڑھنے والی اور نہ ہوا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالو تم ان کو

حد سے گزر گئے اور اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی

مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

بستی سے اپنی بے شک یہ لوگ بڑے پاکیزہ بنتے ہیں

سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان تین پیغمبروں کا اور ان کی قوموں کا تذکرہ ہوا جو حضرات ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے۔ اب اس پیغمبر کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم گروہ انبیاء میں ایک حد فاصل کی مثل ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ سے نبوت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت انبیاء کرام کی تبلیغ ایمان اور درستی عقائد کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ احکام کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کفر و شرک سے بچنے کے ساتھ ایک خاص بد عملی سے بچنے کا بھی حکم دیا یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ کا بھی۔ **تیسرا تعلق:** حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق یہ بیان ہوا کہ انہوں نے آپ کی اونٹنی کو ذبح کیا تو ان پر عذاب آیا۔ اب ذکر ہے قوم لوط کا جن پر صرف اطاعت رسول نہ کرنے سے عذاب آیا کسی معجزے کا مقابلہ انہوں نے نہیں کیا۔

تفسیر: **و لوطا** اس فرمان عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہاں **ارسلنا** پوشیدہ ہے اس صورت میں یہ واؤ عاطفہ ہے اور معطوف ہے نوحا پر دوسرے یہ کہ یہاں **اذکر** فعل پوشیدہ ہے یا **نقص** پوشیدہ ہے یعنی ہم آپ کو حضرت لوط کا قصہ سناتے ہیں۔ ان صورتوں میں یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے۔ حق یہ ہے کہ لفظ لوط عجمی نام ہے مگر چونکہ اس میں تین حرف ہیں بیچ کا حرف ساکن اس لئے یہ غیر منصرف نہیں ہوا منصرف رہا بعض نے فرمایا کہ لاط یلوط سے ہے اس کے معنی ہیں چپٹانا کہا جاتا ہے۔ لطف الحوض میں نے حوض کو مٹی سے لیس کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ **هذا لوط بقلبی** یہ بات میرے دل کو خوب لگتی ہے اس صورت میں اس کا منصرف ہونا ظاہر ہے چونکہ ہر حالت میں آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ رہے آپ سے لپٹے رہے لہٰذا آپ کو لوط کہا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں کیونکہ آپ حضرت ہاران ابن تارخ کے بیٹے ہیں ہاران ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہیں بعض نے فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد یا خالہ زاد بھائی ہیں جناب سارہ آپ کی بہن ہیں اور حضرت ابراہیم آپ کے بھائی ہیں (روح المعانی) آپ بابل میں جو عراق کی مشہور بستی

تھی رہتے تھے جب ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے گویا تین صاحبوں کے مختصر قافلہ نے ہجرت کی حضرت ابراہیم جناب سارہ حضرت لوط علیہم الصلوۃ والسلام ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں مقیم ہوئے اور لوط علیہ السلام شام کے شہر حمص کے پاس ایک بستی اردن میں قیام پذیر رہے آپ وہاں کی چار بستیوں کے نبی ہوئے۔ سدوم 'امور' عامور 'صبویر' برلین۔ ان میں قریباً "ایک لاکھ جوان آباد تھے بوڑھے بچے عورتیں ان کے علاوہ سدوم بڑا شہر تھا وہاں ہی لوط علیہ السلام نے قیام فرمایا انہی بستیوں کو کہتے ہیں موتفکات یعنی الٹی جانے والی بستیاں (روح المعانی) مگر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہے' جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے۔ نبی چند قسم کے ہیں بعض کی نبوت وہبی ہے بعض کی نبوت عطائی دعا سے۔ نبوت کسبی چیز نہیں۔ خیال رہے کہ پچھلے زمانوں میں بیک وقت چند نبی ہوتے تھے کبھی تو ایک ہی جگہ چند کہ ایک سلطان باقی وزیر جیسے حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ہارون یا حضرت سلیمان کے ساتھ ایک ہزار نبی کبھی علاقے بٹے ہوئے جیسے حضرت لوط کہ آپ حضرت ابراہیم کے ہم زمانہ تو ہیں مگر ہم مکان نہیں حضرت ابراہیم بیت المقدس میں نبی اور آپ سدوم میں۔ **اذ قال لقومہ** عبارت یا تو ارسلنا کو رہ کا ظرف ہے یا لوطا کا بدل ہو کر مذکورہ **اذکر** کا مفعول بہ ہے قوم سے مراد وطنی نسبی قوم نہیں کیونکہ ان بستیوں والے نہ تو لوط علیہ السلام کے نسبی رشتہ دار تھے یعنی یہاں قوم سے مراد امت ہے خواہ امت دعوت ہو یا امت اجابت جیسے تاقیامت سارے انسان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ **اتاتون الفاحشۃ** قوم لوط میں بہت بری بری حرکتیں تھیں ڈکیتی راہزنی غریبوں پر ظلم و ستم' آپس کی مجلسوں میں نہایت نالائق بدتمیزیاں آپ نے ان سب سے انہیں روکا جن کا ذکر دوسری آیات میں ہے۔ **و تقطعون السبیل و تاتون فی نادیکم المنکر** مگر ایک حرکت نہایت ہی ناجائز تھی یعنی لڑکوں سے شہوت رانی (اغلام) فاحشہ سے وہی مراد ہے چونکہ یہ ایسی بری حرکت ہے جسے عقل انسانی تو کیا طبیعت حیوانی بھی برا سمجھتی ہے کوئی جانور یہ کام نہیں کرتا اس لئے اسے فاحشہ فرمایا آپ نے اس قوم کو بیس سال تک تبلیغ فرمائی ان حرکات سے روکا (روح البیان) **ما سبقکم بھا من احد من العلمین** یہ عبارت یا تو فاحشہ کا بیان ہے یا اس کی صفت یا حال۔ **بھا** میں **ب** تعدیہ کی جیسے **سبقک بھا عکاشہ** میں **ب** تعدیہ کی ہے۔ **من احد** میں **من** زائدہ ہے استغراق کے لئے اور **من العلمین** میں **من** تبعیض کے بیان کے لئے ہے یعنی تم ایسا فحش اور گندہ فعل کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا حتیٰ کہ جانوروں نے بھی۔ خیال رہے کہ اس حرکت کی موجد قوم لوط ہے۔ مشہور یہ ہے کہ سور یہی حرکت کرتا ہے واللہ اعلم مگر وہ بھی اس زمانے کے بعد سے کرتا ہے اس سے پہلے وہ بھی نہیں کرتا تھا۔ **انکم لتاتون الرجال شھوۃ** " یہ **الفاحشۃ** کا بیان ہے یا نیا جملہ ہے جو **الفاحشۃ** کی تفسیر کر رہا ہے۔ **تاتون** معنی **تجامعون**۔ **رجال** سے مراد امرد بچوں سے بے حیائی کرتے تھے۔ پھر جوانوں سے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کرنے لگے تھے۔ لہذا **الرجال** فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ **شھوۃ تاتون** کا مفعول لہ ہے یا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ۔ شہوت فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قوت مردمی اولاد حاصل کرنے نسل چلانے کے لئے عطا فرمائی ہے صرف شہوت رانی اور لذت کے لئے نہیں بخشی لڑکوں سے یہ حرکت کرنا محض شہوت رانی ہے اس لئے تم اپنا تخم ضائع کرتے ہو۔ **من دون النساء** یہاں **دون** معنی چھوڑ کر یا معنی نہ کہ ہے **نساء** سے مراد ان مردوں کی بیویاں ہیں یعنی تم اپنی بیویوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے ناجائز حرکت کرتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اپنی بیویوں سے قطع تعلق ہی کر لیا تھا یہ مطلب ہے کہ وہ عورتوں کے قائل رہے تھے۔

تھے کیونکہ ایسی حرکت کرنے والا عورتوں کے قابل نہیں رہتا۔ تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ جیسے ان کے مرد لڑکوں سے شہوت پوری کرتے تھے ایسے ہی ان کی عورتیں عورتوں سے اپنی شہوت پوری کرتی تھیں۔ مرد عورتوں سے بے پرواہ ہو گئے تھے تو عورتیں مردوں سے بے نیاز ہو گئی تھیں عجیب قوم تھی **بل انتم قوم مسرفون** یہ عبارت **لتاتون الخ** پر معطوف ہے۔ **مسرف** بنا ہے **اسراف** سے بمعنی حد سے بڑھ جانا یعنی تم اس جرم کے علاوہ اور کاموں میں بھی حد سے بڑھ گئے ہو۔ چوری' ڈکیتی' مسافروں کو ستانا آپس میں غریبوں پر ظلم کرنا تمہاری عادت ہو گئی ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری یہ حرکت حد سے بڑھنا ہے کہ حلال چھوڑ کر حرام سے منہ کالا کرتے ہو۔ خیال رہے کہ اس فعل میں بہت سی قباحتیں ہیں۔ جو تفسیر کبیر نے یہاں بیان فرمائیں۔ (1) یہ حرکت فطرت کے خلاف ہے۔ (2) اس حرکت میں مرد مفعول کی انتہائی ذلت و خواری۔ (3) یہ حرکت منشاء الٰہی کے بالکل خلاف ہے کہ مادہ منویہ نسل بڑھانے اولاد حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہے نہ کہ مفت بہانے کے ہے۔ (4) اس حرکت میں انقلاب حقیقت ہے کہ مرد پیدا ہوا ہے فاعلیت کے لئے اور اسے بنایا جاتا ہو مفعول۔ (5) اس حرکت سے لڑائیاں بلکہ کبھی قتل بھی واقع ہو جاتے ہیں کہ اس سے مفعول اور اس کے عزیز و اقارب کو سخت شرمندگی ہوتی ہے وہ فاعل سے اس کا بدلہ لینے کے لئے کبھی اسے قتل بھی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ فعل شوہر و بیوی بلکہ ان کے کنبوں میں محبت و الفت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (6) عورت میں قدرت نے رحم رکھا ہے۔ جس میں منی چوسنے کی جذب کرنے کی طاقت ہے۔ مرد میں یہ نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے فاعل کو بہت سخت بیماریاں' جریان' سوزاک بلکہ کبھی آتشک بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اطباء فرماتے ہیں (تفسیر کبیر) لہذا آپ کا انہیں **قوم مسرفون** فرمانا بالکل درست تھا۔ انہیں وجوہ سے اس کی سزا اسلام میں بہت سخت ہے امام اعظم کے ہاں فاعل مفعول دونوں کو بہت بلند مقام پہاڑ یا اونچی عمارت سے گرا کر اسے پتھر مار کر ہلاک کر دینا ہے۔ امام مالک کے ہاں دونوں کو سنگسار کر دینا ہے خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے (تفسیر صاوی) گویا اس کی سزا زنا سے سخت ہے زنا کی سزا کنوارے کے لئے صرف سو کوڑے ہیں مگر اس کی سزا مطلقاً جان لینا ہے۔ **وما کان جواب قومہ** یہ کلام رب العالمین کا ہے۔ جس میں قوم کا جواب نقل فرمایا گیا **قومہ** سے مراد یا تو ان کے نوجوان ہیں جو یہ حرکات کرتے تھے یا ان کی ساری قوم بوڑھے' جوان' بچے' مرد' عورتیں چونکہ سب لوگ اس حرکت سے راضی تھے فاعل ہوں یا نہ ہوں لہذا سب نے یہی جواب دیا یہاں واؤ سے ارشاد ہے دوسری جگہ **فما کان ف** سے ارشاد ہوا ہے۔ دیکھو سورہ نمل اور سورہ عنکبوت۔ کیونکہ یہاں **ما کان** جملہ فعلیہ سے پہلے **مسرفون** گزرا ہے جو کہ اسم ہے اور وہاں **فما کان** سے پہلے فعل ہی گزرا ہے۔ **قوم تجھلون** لہذا وہاں ف اور یہاں واؤ مناسب تھا (روح المعانی) **الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم** یہ عبارت **ما کان** کی خبر ہے **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی آپ کی قوم نے آپ کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا دل جلانے والا جواب ہی دیا بہر حال یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے لہذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں قوم لوط کے اور جوابات بھی مذکور ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اولاً" تو ان لوگوں نے اور جوابات دیئے مگر آخر میں صرف یہی جواب دینے لگے۔ بعض نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے اور جوابات دیئے مگر ان کے اکثر نے یہی جواب دیا بہر حال حصر بالکل درست ہے۔ یعنی انہوں نے یہی کہا کہ ان کو اور ان کے ساتھ ان کے بال بچوں ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ وہ سمجھے کہ اس حرکت کو سب تو اچھا کہتے ہیں یہ اکیلے برا کہتے ہیں جمہور کے مقابل شخصی بات نہیں ماننی چاہئے نیز ہماری قوتیں طاقتیں دولت ہماری اپنی چیزیں ہیں جس طرح چاہیں خرچ کریں یہ روکنے والے کون ہیں نیز انسان آزاد ہے جو

چاہے کرے یہ ہماری آزادی سلب کرتے ہیں لہذا انہیں نکالو۔ ان بدنصیبوں نے رب کے مقابل سب کی بات نہیں انی آزادی اور بے قیدی میں فرق نہیں کیا اپنی دولت و قوت کو اپنی چیز سمجھا یہی تیں غلطیاں گناہوں بدکاریوں کی جڑیں ہیں کیونکہ **انھم اناس یتطھرون** قوم کی یہ بکواس حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا مذاق اڑانے کے لئے تھی یعنی یہ لوگ بڑے پاک ستھرے بنتے ہیں۔ ایسے مزے دار لذیذ کام سے ہم کو روکتے ہیں ہماری بستی میں ان کی کوئی جگہ نہیں یہ یہاں نہ ہوں گے تو ہم کو اپنی ہوس پوری کرنے میں آزادی ہوگی کوئی ہم کو روکنے والا نہ ہوگا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام نہایت پاکیزہ ستھرا ہے یہ لوگ اس کام سے بچنے کو پاکیزگی سمجھتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یا کفار مکہ کو حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر بھی سناؤ جب انہوں نے سدوم وغیرہ کے باشندوں سے فرمایا کہ اے قوم تجھے کیا ہو گیا تو ایسی بے حیائی کا کام کرتی ہے جو تجھ سے پہلے کسی مخلوق نے نہیں کیا جو فطرت انسانی بلکہ فطرت حیوانی کے خلاف ہے کہ تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے شہوت رانی کرتے ہو تم تو حد سے بڑھ گئے' تم نے وہ حد توڑی ہے جو کسی نے نہ توڑی ہوگی تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک باز صاف ستھرے بنتے ہیں ان کا ہماری بستی میں کیا کام ہے۔ **خیال رہے** کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو شروع سے ایسے نام دیتا ہے جو آگے چل کر ان کے اعمال احوال کے مطابق ہوتے ہیں دیکھو لوط علیہ السلام آگے چل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہونے والے تھے تو انہیں اول سے ہی لوط نام دیا۔ حضرت ابوبکر آگے چل کر ہر جگہ اول رہنے والے تھے تو اول سے ہی آپ کا نام ابوبکر ہوا یعنی اولیت والے حضرت عمر آگے چل کر دین کو آباد کرنے والے تھے تو اول سے ہی آپ کا نام عمر ہوا یعنی دین کو آباد کرنے والے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ ہر طرح تعریف ہونے والی تھی تو اول سے ہی آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوا۔ اس کے برعکس ابولہب آگے چل کر دوزخی ہونے والا تھا تو اول سے ہی ان کا نام ابولہب ہوا۔ یعنی آگ کے شعلوں والا یہ پاور ہے۔ **اس حرکت کی ابتدا** قوم لوط کی یہ چاروں پانچوں بستیاں نہایت سرسبز شاداب تھیں ان میں باغات سرسبز کھیت نہریں وغیرہ بہت تھیں ان بستیوں کی اردگرد کی زمین قریباً" خشک تھی۔ وہاں خشک زمین کے لوگ ان کے لڑکے اس سبز علاقہ میں آتے تھے ان کے باغات کے پھل پھول چوری سے کھا جاتے تھے۔ ویسے ظاہر ظہور بھی ان لوگوں کو بہت تنگ کرتے۔ قوم لوط کے لوگ ان سے بہت پریشان تھے۔ ایک روز ابلیس نہایت حسین جمیل لڑکے کی شکل میں ایک باغ میں پہنچا اور پھل توڑنے لگا باغ والے نے اسے پکڑ لیا اور مارنا پیٹنا چاہا۔ ابلیس نے کہا کہ تم مجھے مارو مت بلکہ تم میرے ساتھ یہ حرکت کر لو۔ باغ والے نے اس کے بتانے سے ابلیس سے یہ حرکت کی اسے بہت لذت محسوس ہوئی پھر ابلیس بولا کہ اب جو بھی لڑکا تمہارے باغوں میں پھل توڑے تم اس سے ایسا ہی کرنا۔ تمہیں لطف حاصل ہوگا اور لڑکے اس ڈر سے تمہارے باغوں میں آنا چھوڑ دیں گے اس شخص نے اپنے دوسرے عزیزوں رشتہ داروں کو یہ سنایا یہ بتایا ہوتے ہوتے یہ حرکت ان سب میں پھیل گئی۔ (تفسیر خازن وغیرہ) **خیال رہے** کہ جیسے مشینوں ہوائی جہاز راکٹ کے موجد مختلف لوگ ہیں ایسے نیکیوں اور گناہوں کے موجدین بھی مختلف ہیں آدم علیہ السلام گریہ وزاری کے موجد ہیں کہ آپ زمین پر روتے ہوئے آئے اب بھی ہر بچہ روتا ہوا پیدا ہوتا ہے کہ دادا کی سنت ہے **ظلماً قتل** کا موجد قابیل ہے (اغلام) کی موجد شیطان کی تعلیم سے یہی قوم لوط ہے۔ موجد خیر کو سارے عالمین کا ثواب ملتا

ہے۔ اور موجدین شر کو تمام عالمین کا گناہ لہٰذا تاقیامت اس حرکت کے گناہ میں قوم لوط کا حصہ ضرور ہے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان اگر سیدھا رہے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے اگر اوندھا چلے تو جانوروں سے بدتر ہو جاوے دیکھو قوم لوط انسان ہی تھی مگر جب بگڑی تو اس نے وہ کام کئے جو جانور بھی نہ کریں۔ یہ فائدہ **ما سبقکم بها من احد من العالمین** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ **دوسرا فائدہ:** نبی جس قوم کی طرف بھیجے جائیں وہ قوم ایک معنی سے ان کی اپنی قوم ہوتی ہے قومیت کے لئے دین یا ملک یا نسب کا ایک ہونا ضروری نہیں۔ یہ فائدہ **اذ قال لقومه** سے حاصل ہوا کہ قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کی نہ ہم مذہب تھی نہ ہم ملک نہ ہم نسب مگر اس کے باوجود آپ نے انہیں اپنی قوم فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** تبلیغ نرم الفاظ سے کی جائے نرمی سے وہ کام نکلتے ہیں جو سختی سے نہیں نکلتے۔ یہ فائدہ بھی **یا قوم** سے حاصل ہوا کہ آپ نے اس سرکش قوم کو **یقوم** کہہ کر تبلیغ فرمائی۔ شہد کی ایک بوند بہت سی مکھیوں کو پھانس لیتی ہے سرکہ کا ایک گھڑا ایک مچھر کو بھی نہیں پھانس سکتا۔ **چوتھا فائدہ:** لڑکوں سے بدفعلی گناہ کبیرہ بھی ہے اور عقل کے خلاف بھی۔ یہ فائدہ **الفاحشة** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفر و شرک کو فاحشہ نہیں فرمایا کہ وہ چیزیں ظاہری عقل انسانی کے خلاف نہیں مگر لواطت کو فاحشہ فرمایا کہ یہ عمل عقل انسانی تو کیا جانوروں کے حواس کے بھی خلاف ہے کفر و شرک سے فطرۃ" طبعی گھن نہیں کرتی مگر اس سے کرتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اغلام بازی قوم لوط کی ایجاد ہے ان سے پہلے کبھی کسی نے نہ کی۔ یہ فائدہ **ما سبقکم** الخ سے حاصل ہوا اس لئے اس بدکاری کو لواطت کہتے ہیں یہ لفظ لوط سے نہیں بلکہ لوطی سے بنا ہے۔ **مسئلہ:** اغلام حرام قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** معاملات کے کفار بھی مکلف ہیں یعنی ان پر بھی فرض ہے کہ بدکاریوں' حرام خوریوں سے بچیں۔ یہ فائدہ بھی **اتاتون** الخ سے حاصل ہوا دیکھو لوط علیہ السلام نے اپنی کافر قوم کو اس حرکت پر ملامت کی۔ ہاں کفار عبادات کے مکلف نہیں پہلے وہ مسلمان ہوں پھر نماز روزہ ادا کریں۔ **ساتواں فائدہ:** اغلام کا عادی مرد عورت کے قابل نہیں رہتا اس سے بدترین بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اس کی دنیا میں بھی قدرتی سزا مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ **من دون النساء** سے اشارۃ" حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نابالغ بچوں کو بھی **رجل** یعنی مرد کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ **لتاتون الرجال** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ عموماً" امرد (بے داڑھی والے) بچوں سے ہی بدکاری کرتے تھے مگر انہیں رجال فرمایا۔ **نواں فائدہ:** قرآن کریم کی زبان نہایت ہی مہذب ہے وہ نہایت گندے کاموں کو اشاروں سے بیان فرماتا ہے دیکھو اس حرکت کے لئے عربی میں خاص نام بھی ہے مگر اسے کیسے اشارہ سے بیان فرمایا **تا تون الرجال شهوة**۔ **دسواں فائدہ:** جب کسی کے دن برے آتے ہیں تو اسے الٹی سوجھتی ہے اس کی عقل اوندھا کام کرتی ہے دیکھو کسی بستی میں اللہ والوں کا رہنا اللہ کی رحمت ہے کہ ان کی برکت سے عذاب الٰہی نہیں آتا وہ حضرات اللہ کی امان ہیں مگر وہ بدنصیب خود اپنی بستی سے لوط علیہ السلام اور ان کی مومن قوم کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ فائدہ **اخرجوا هم** الخ سے حاصل ہوا بزرگوں کا کسی جگہ سے نکل جانا عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** عربی میں لفظ قریہ بڑے شہر کو بھی کہتے ہیں۔ یہ فائدہ **من قریتکم** الخ سے حاصل ہوا دیکھو سدوم بڑی بستی یعنی شہر تھا مگر اسے **قریتکم** فرمایا لہٰذا جس حدیث میں ہے کہ پہلا جمعہ قریہ جواثی میں ہوا وہاں بھی قریہ سے مراد شہر ہے جمعہ صرف شہر میں ہو سکتا ہے۔ **بارہواں فائدہ:** بدعقل کو اچھی صفات عیب معلوم ہوتے ہیں اور برے عیب ہنر نظر آتے ہیں۔ یہ فائدہ **یتطهرون** سے حاصل ہوا پاک و ستھرا ہونا صفت ہے مگر وہ

اسے عیب قرار دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض : اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیک وقت چند نبی ہوتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تو زمانہ حیات میں کوئی نبی ہوا نا تاقیامت۔ **جواب:** چراغ کی روشنی میں تعدد کی گنجائش ہے کہ بیک وقت ایک ہی جگہ یا چند جگہ میں چند چراغ جل سکتے ہیں مگر سورج کی روشنی میں تعدد کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ سارے جہان کا نور ہے اور اعلیٰ درجہ کا نور جس کے سامنے سارے نور بے نور اور نبی چراغ تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سورج ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور بعد میں اولیاء' علماء' خلفاء کیوں ہوئے۔ ان کے تعدد کی گنجائش کیسے ہوئی نبوت میں اور ولایت خلافت میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** حضرات انبیاء مثل چراغ کے ہیں حضرات اولیاء' خلفاء' علماء وغیرہ ذرات یا شیشے ہیں۔ سورج چراغوں کو بجھاتا ہے ذروں وغیرہ کو روشن کرتا ہے کیونکہ چراغ میں اپنا نور ہوتا ہے۔ شیشے ذرات خود نور سے بالکل خالی ہوتے ہیں ان میں صرف سورج کا نور ہوتا ہے۔ یونہی ولایت خلافت میں نور صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے۔ لہذا یہ تاقیامت باقی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے اغلام کو فاحشہ فرمایا مگر کفر و شرک کو فاحشہ نہ کہا حالانکہ وہ تو اس سے بدتر ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ فاحشہ وہ گناہ ہے۔ جس سے انسان طبعاً گھن و نفرت کرے' اسے چھپانے کی کوشش کرے۔ یہ بات کفر و شرک میں نہیں۔ لوگ علانیہ شرک و کفر کرتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ حرام ہونا اور بات ہے گھنونی چیز ہونا کچھ اور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **من العالمین** کیوں ارشاد ہوا **من الناس** کہنا چاہئے تھا کہ یہ حرکت انسان ہی کرتا ہے نہ کہ سارا جہان۔ **جواب:** لفظ عالمین بہت معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ساری مخلوق جیسے الحمدللہ رب العالمین۔ ساری جاندار چیزیں انسان ہوں یا غیر انسان۔ انسان کی مختلف جماعتیں' مطلقاً انسان جیسے **او لم ننهک من العالمین** یہاں العالمین یا معنی جاندار مخلوق ہے یا معنی انسان کی مختلف جماعتیں ہیں یعنی یہ ناشائستہ حرکت کوئی جانور بھی نہیں کرتا یا کسی قسم کا کوئی انسان نہیں کرتا تم کیسے بے حیاء ہو جو ایسی حرکت کرتے ہو لہذا مطلب واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **تاتون الرجال** رجل بالغ جوان مرد کو کہتے ہیں نابالغ بچہ کو صبی کہا جاتا ہے۔ یہاں بجائے رجال کے صبیان فرمانا چاہئے تھا کہ وہ مردود بچوں کے ساتھ یہ حرکت کرتے تھے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو بچوں کو رجال فرمایا آئندہ وہ رجال ہونے والے تھے یا وہ مردود جوان بلکہ بوڑھے مردوں سے بھی یہ حرکت کرتے تھے۔ **چھٹا اعتراض:** قوم لوط کے کفار حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مومنین کو بہت برا سمجھتے تھے۔ پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ **انهم اناس يتطهرون** یہ لوگ بہت ہی پاکیزہ ہیں اگر وہ ان حضرات کو پاکیزہ سمجھتے تو ان سے نفرت نہ کرتے یہ کلام کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** ان کفار نے بیان واقعہ کے لئے یہ نہ کہا تھا۔ بلکہ بطور طعن کہا تھا یعنی یہ لوگ بہت پاکیزہ بنتے ہیں ہم لوگوں کو گندا سمجھتے ہیں تو گندوں میں رہتے کیوں ہیں وہاں جائیں جہاں پاکیزہ لوگ رہتے ہوں لہذا ان کی بکواس بھی کفر تھی۔ **ساتواں اعتراض:** حضرت لوط علیہ السلام تو پانچ بستیوں کے نبی تھے اور ان سب ہی نے یہ کہا تھا پھر **من قريتكم** واحد کیوں ارشاد ہوا **من قراكم** کہنا چاہئے تھا۔ یعنی اپنی بستیوں سے نکال دو۔ **جواب:** یہاں قریہ اسم جنس ہے جو واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے یہاں جمع بولا گیا ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** دوسرے نبیوں نے پہلی تبلیغ میں لوگوں کو پہلے عقائد اور عبادت کی دعوت دی **اعبدوا الله ما لكم من اله غيره** مگر لوط

علیہ السلام نے اپنی تبلیغ میں ایک خاص بدکاری چھوڑنے کی دعوت دی۔ اصلاح عقائد و اعمال کا ذکر نہیں کیا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** یا تو آپ نے عقائد عبادات کی بھی تبلیغ فرمائی تھی مگر قرآن کریم نے ان میں سے اس ایک کا ذکر کیا یا یہ تبلیغ آئندہ تبلیغوں کی تمہید تھی کہ تم یہ بدکاری چھوڑو تاکہ اچھے عقائد' اچھے اعمال کی توفیق ملے۔ بعض گناہ خصوصاً" زنا و اغلام ایسے منحوس ہوتے ہیں کہ ان کے ہوتے انسان کو نہ ایمان کی ہدایت ملتی ہے نہ نیک اعمال کی بلکہ کفر و شرک سے بد تر سزا ان جرموں کی ہے سلطان اسلام کفار رعایا کو شرک و بت پرستی سے جبراً نہیں روکے گا مگر ان سے جبراً روکے گا کسی قوم کو ان کی اجازت نہ دے گا۔ نیز مرتد کی سزا قتل ہے مگر زنا کی سزا اس سے بد تر یعنی رجم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام روحانی حکیم ہوتے ہیں جو اپنی قوم کا روحانی علاج ہر طرح فرماتے ہیں۔ حکیم حاذق وہ ہے جو بیمار کی بیماری اور اس کی وجہ کا علاج کرے۔ یہ حضرات قوم کے مرض اور مرض کی وجہ سب سے واقف ہوتے ہیں جس بیمار کی قسمت میں شفا ہوتی ہے وہ حکیم کا ہر بات پر سر جھکا دیتا ہے مگر جس کی موت آئی ہو وہ حکیم کی مذاق اڑاتا ہے اس کے مشورہ پر دھیان نہیں دیتا۔

کسی نے بقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا اس نے کوئی نہیں روگ ایسا — دوا جس کی خالق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں — کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھے
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں — اسی طرح اپنے مرض کو بڑھائیں!

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو لواطت سے منع فرمایا اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کم تولنے سے روکا کفر سارے کفار کا مرض عام ہے۔ یہ حرکات ان کے خصوصی امراض تھے جن سے وہ حضرات ان کو باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان کے نصیب میں شفا نہ تھی اس لئے انہوں نے وہ اندھا جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔ رب تعالیٰ مقبولوں سے فیض لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ قوموں کے یہ حالات سنو اور عبرت پکڑو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ گزشتہ نبیوں کی قوموں میں ایک ایک جرم تھا قوم لوط میں یہ بدکاری قوم شعیب میں کم تولنا وغیرہ انہوں نے اپنے جرم نہ چھوڑے ہلاک ہو گئے مگر عرب میں ایک دو نہیں ہزارہا جرم تھے زنا پر فخر بچیوں کو جیتا دفن کرنا شراب کا پانی کی طرح استعمال' جنگ و جوئے کی بہتات۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہلاک نہ کرایا بلکہ انہیں توبہ کرا کر نیک بنایا ان تبلیغوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تمام نبیوں نے گنہگار مٹائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ مٹائے گنہگار نیک کار بنائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہ السلام وہ نبی ہیں جو ایسے شہروں میں بھیجے گئے جہاں نہ کوئی ان کا عزیز قریب تھا نہ ولی دوست اس لئے وہاں کے لوگوں نے انہیں بے یار و مددگار جانا کہ سدوم والوں نے آپ کو شہر سے نکال دینے کا مشورہ کیا اور عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو بلا قصور قید کر دیا جس کی داد نہ فریاد۔ اللہ تعالیٰ انہیں قوت روحانی دیتا ہے۔ مگر وہ حضرات ہر جگہ خرچ نہیں کرتے ورنہ خواجہ اجمیری کے مقابل راجہ واہرمات کھا گیا۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا

بس نجات دی ہم نے ان کو اور گھر والوں کو ان کے سوا ان کی بیوی جو تھی باقیوں میں سے اور برسائی

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک

عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۸۴﴾

ہم نے اوپر ان کے بارش بس دیکھو کیسا ہوا نتیجہ جرم والوں کا

مینہ برسایا تو دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم لوط کے جرموں کا ذکر ہوا اب ان کی دنیاوی سزا کا تذکرہ ہے گویا سبب عذاب کے بعد عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قوم لوط علیہ السلام نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی کہ ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ان سے مقابلہ کی ٹھانی اب اس مخالفت پیغمبر کے نتیجہ کا ذکر ہے گویا علت کے بعد معلول کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ کفر' گناہ' بدکاریاں' عذاب الٰہی کا سبب ہیں اور پیغمبر کی مخالفت عذاب کی علت ہے۔ بغیر مخالفت نبی کسی پر عذاب نہیں آیا خواہ وہ کیسا ہی کافر کیسا ہی بدکار تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامد بہ درد

فرعون برسوں تک خدائی کرتا رہا مگر ڈوبا کب جب حضرت کلیم اللہ کی بددعا لی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بستیوں سے نکالنے کی کوشش کی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ خود ان بستیوں سے ہی نہیں بلکہ دنیا سے ذلیل و خوار ہو کر نکل گئے۔ گویا نکالنے کے ارادے کے بعد ان کے خود نکلنے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **فانجیناہ** اس فرمان عالی میں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے۔ بمعنی فوراً" نہیں کیونکہ اس قوم پر عذاب فوراً" نہیں آیا بلکہ تیس سال کے بعد آیا۔ لوط علیہ السلام ان کو تیس سال تبلیغ فرماتے رہے۔ اس دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تشریف لاتے رہے انہیں سمجھاتے رہے (معانی) خیال رہے کہ کفار پر عذاب آنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کفار و مومنین سب کو بستی سے نکال کر کفار کو عذاب دیا گیا۔ جیسے فرعونی لوگ۔ دوسرے یہ کہ دونوں قوموں کو وہاں ہی رکھا گیا عذاب آیا تو صرف کافر ہلاک ہوئے مومن بچالئے گئے۔ جیسے طوفان نوح میں ہوا۔ تیسرے یہ کہ مومنوں کو بستی سے نکال دیا جائے کفار پر وہاں بستی میں ہی عذاب آجائے جیسے قوم عاد و ثمود۔ یہاں یہ تیسری صورت عذاب کی تھی پہلی دو صورتوں میں خود بستی قائم رہتی ہے دیکھو مصر اور کوفہ آج تک آباد ہیں مگر تیسری صورت میں وہ یعنی تاقیامت ویران رہتی ہے وہاں جانا' وہاں رہنا' وہاں کی چیزیں استعمال کرنا سب حرام ہوتا ہے۔ **انجینا** بنا ہے نجات سے جس کا مادہ ہے نجو بمعنی علیحدگی یا دوری اسی سے ہے مناجات۔ نجویٰ (سرگوشی) اور استنجاء کیونکہ یہ سارے کام علیحدگی میں ہوتے ہیں۔ حرف میں نجات کے معنی ہیں آفت سے نکال لینا۔ اور آفت سے دور رکھنا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ عذاب آنے سے پہلے

ہی لوط علیہ السلام کو مع مومن لوگوں کے وہاں سے نکال لیا گیا تھا اور نوح علیہ السلام کی نجات پہلے معنی سے تھی کیونکہ آپ مع مومنین کے طوفان میں رہے۔ مگر غرق سے بچے رہے۔ **و اھلہ** یہ عبارت معطوف ہے **انجینا** کی ضمیر پر **اھل** کے لغوی معنی ہیں والا۔ کہتے ہیں اہل علم' اہل مال' اہل خانہ' اہل فلاں۔ اصطلاح میں یہ لفظ چند معنی میں آتا ہے اہل بیت ولادت۔ جو گھر میں ہوں۔ جیسے اولاد' اہل بیت سکونت جو پیدا اور جگہ ہوں مگر رہیں اس گھر میں جیسے بیوی۔ اہل بیت خدمت جن کی نہ ولادت اس گھر میں ہو نہ سکونت۔ خدمت کے لئے آتے جاتے ہوں جیسے اپنے نوکر چاکر خدام۔ اہل بیت حفاظت جو اس گھر میں نہ رہیں نہ آئیں جائیں مگر ہماری حفاظت میں ہوں' ہم نے ان کو اپنے دوسرے گھر میں رکھا ہو نبی کی فرمانبردار امت خواہ کسی جگہ رہے نبی کی اہل بیت حفاظت ہے بادشاہ کے ملازمین کسی جگہ رہیں بادشاہ کی امان میں ہیں۔ امت کے گھر نبی کے حفاظتی گھر ہیں۔ یہاں حضرت لوط کے گھر میں رہنے والے بھی مراد ہیں اور وہ مومنین بھی جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے یہاں
حضرت لوط کے گھر میں رہنے والے بھی مراد ہیں اور وہ مومنین بھی جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے یہاں
مومنین کا ذکر علیحدہ نہ کیا بادشاہ کی اپنی کوٹھی بھی بادشاہ کا گھر ہے۔ اس کے نوکروں کے کوارٹر بھی' اس کے جانوروں کا طویلہ بھی اس کے حکام کے بنگلے۔ یہ سب کچھ بادشاہ کے گھر ان میں رہنے والے بادشاہ کے گھر والے ہیں۔ آپ کی اس وقت دو لڑکیاں تھیں۔ زعوزا' ریثا' کچھ مومنین تھے ان سب کو عذاب سے بچا لیا گیا (از روح البیان و معانی) **الا امراتہ** چونکہ اہل میں بیوی بھی داخل تھی اسے اس حکم سے نکالا گیا۔ لہذا یہ مستثنیٰ متصل ہے آپ کی ایک ہی بیوی تھی جس کا نام والہہ یا وایہ تھا (روح المعانی) یہ کافرہ تھی کفار سے مل کر آپ کو بہت ستاتی تھی بلکہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آپ کے ہاں بطور مہمان آئے تو اس نے قوم کو خبر دی تھی کہ آؤ ہمارے گھر میں تمہاری لذت کا سامان آیا ہے یعنی خوبصورت لڑکے۔ **کانت من الغابرین** یہ عبارت **امراتہ** کا حال یا نیا جملہ ہے کانت یا تو بمعنی صارت ہے یا اپنے معنی میں ہی ہے غابر بنا ہے۔ غبر سے غابر کے بہت معنی ہیں' باقی' محفوظ' ہالک۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے پہلے سدوم سے نکل گئی تھی حکم یہ تھا کہ کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے یہ نہ مانی اس نے پیچھے پھر کر عذاب کو دیکھا۔ بولی ہائے میری قوم تو ایک پتھر اس کے بھی لگا یہ وہاں ہی ڈھیر ہو گئی۔ لہذا غابر بمعنی ہالک ہے۔ (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ آپ کے ساتھ شہر سے نکلی ہی نہ تھی ان کے ہاں غابر بمعنی باقی ہے۔ چونکہ ہلاک ہونے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی اور مرد عورت سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے تغلیباً "غابرین" جمع مذکر ارشاد ہوا غابرات جمع مونث نہ فرمایا (عام تفاسیر) **و امطرنا علیھم مطرا** ظاہر ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ **امطرنا** عذاب کی بارش کے لئے بولا جاتا ہے اور مطر رحمت کی بارش کے لئے چونکہ ان پر قہر و غضب کی بارش ہوئی تھی۔ لہذا **امطرنا** فرمایا۔ اسی لئے اس کے بعد علی ارشاد ہو جو نقصان کے لئے آتا ہے۔ (معانی) **مطراً** سے مراد ایک خاص قسم کی بارش ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل**۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان پر پانی کی بارش نہ ہوئی بلکہ گندک اور آگ کے پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔ خیال رہے کہ قوم لوط کے متعلق دوسری جگہ ان کی بستیوں کے الٹے جانے کا ذکر ہے۔ **جعلنا عالیھا سافلھا**۔ اور یہاں پتھر برسنے کا ذکر کیا تو دونوں عذاب ان پر آئے کہ پہلے پتھر برسے بعد میں ان کی بستیاں الٹی گئیں یا اس کے برعکس یا گھر کے باشندوں پر ان کی بستی الٹی گئی اور ان کے مسافروں پر پتھر برسے چنانچہ ان کا ایک تاجر اس وقت حرم مکہ معظمہ میں تھا ایک پتھر اس کے لئے چالیس دن

ہوا میں معلق رہا جب وہ حرم شریف سے نکلا تب وہ پتھر اس پر گرا اور وہ وہاں ہی ڈھیر ہوگیا (معانی روح وغیرہ) لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین** اس میں خطاب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو **نظر** سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا اور اگر خطاب ہر قرآن پڑھنے سے ہے تو **نظر** سے مراد ہے غور کرنا۔ **مجرمین** سے مراد وہ قوم لوط ہے جن کا ذکر ابھی ہوا۔ یعنی اے محبوب آپ نظر فرماؤ دیکھو یا اے مسلمان غور کرو کہ ان مجرموں کا انجام کیسا خطرناک اور بھیانک ہوا۔

خلاصہ تفسیر: جب قوم لوط کا کفر' سرکشی' بدکاری حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے اپنے پیغمبر کی وہ بے حرمتی کی جس کا ذکر ہوچکا تو اس کا انجام یہ ہوا کہ ہم نے جناب لوط اور ان کے گھر والے یعنی ان کی لڑکیوں ان کے خدام اور دوسرے مومنوں کو تو عذاب سے بچالیا ہاں ان کی بیوی واہلہ عذاب میں گرفتار ہوئی کیونکہ وہ آپ پر ایمان نہ لائی تھی اور کفار پر ہم نے پتھروں کی بے پناہ بارش کی جس سے وہ سارے فنا ہوگئے۔ اے محبوب آپ ان کا عذاب دیکھو کیونکہ آپ کی نظر سے اگلی پچھلی چیزیں اوجھل نہیں یا اے قرآن پڑھنے والے تو ان واقعات میں غور کر تاکہ تجھ میں اللہ کی عبادت نبی کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ قوم لوط کی عذاب میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ عذاب لانے والے فرشتے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس گئے انہیں اس کی خبر دی پھر قوم پر عذاب لائے کیونکہ حضرت ابراہیم کی دعا سے لوط علیہ السلام نبی بنے تھے آپ کے مقرر کرنے سے اس علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ وہ حضرت ابراہیم کے مقرر کردہ تھے۔ اس لئے انہی کی اجازت لے کر انہیں سب کچھ سمجھا کر عذاب بھیجا گیا یہ ہے پیغمبر کی عظمت بارگاہ الٰہی میں۔ ورنہ عذاب کسی سے پوچھ کر نہیں آتا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآنی اصطلاح میں بیوی' بیٹیاں خاص خدام' متبعین یہ سب اہل بیت میں داخل ہیں۔ صرف بیٹیوں یا صرف بیویوں کو اہل بیت ماننا دوسروں کو اس سے خارج کرنا قرآنی اصطلاح کے خلاف ہے۔ یہ فائدہ **واھلہ** اور **الا امراتہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں اہل لوط میں یہ تمام داخل ہیں ان سب کو نجات ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت حفاظت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں ہے ان کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر ہیں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے اور ہر جگہ کرم کا دروازہ کھلا ہوا ہے سورج کا نور صرف چوتھے آسمان پر نہیں بلکہ ہر جگہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت کے سورج ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان کے بغیر نبی کا گھر والا ان کا رشتہ دار ہونا بالکل بیکار اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ فائدہ **کانت من الغابرین** سے حاصل ہوا دیکھو واہلہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی مگر کافرہ تھی اس لئے عذاب میں گرفتار ہوگئی کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا کافر تھا۔ طوفان عذاب میں غرق ہوگیا۔ مگر حضرت آسیہ اگرچہ فرعون کی بیوی تھیں مگر مومنہ تھیں اللہ کی مقبول بندی ہوئیں۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کی بیوی کافرہ ہوسکتی ہے بلکہ ہوئی ہے ہاں فاجرہ فاحشہ یعنی بدکار زانیہ نہیں ہوسکتی یہ فائدہ بھی **من الغابرین** سے حاصل ہوا واہلہ حضرت لوط نبی کی زوجہ تھی مگر تھی کافرہ۔ **پانچواں فائدہ:** اگر رحمت خداوندی دستگیری نہ کرے تو اعلیٰ صحبت بھی فائدہ نہیں دیتی نبی کی صحبت انسان کو صحابی بنادیتی ہے مگر واہلہ حضرت لوط علیہ السلام کی صحبت میں ان کے گھر میں رہی آپ کی نصیحت وعظ سنتی رہی مگر کچھ فائدہ حاصل نہ کرسکی کیونکہ رحمت خداوندی شامل حال نہ تھی۔ یہ فائدہ بھی **من الغابرین** سے حاصل ہوا۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش است   تربیت نا اہل راچوں گردگاں بر گنبد است

چھٹا فائدہ: بدکاری لواطت وغیرہ بدترین جرم ہے دیکھو لوط علیہ السلام کی بدکار قوم پر وہ عذاب آیا جو دوسری کافر قوموں پر نہ آیا۔ اب بھی اسلام میں زنا کی سزا قتل کی سزا سے بھی بدتر ہے۔ یعنی سنگسار کرنا' قاتل مرتد کو قتل کیا جاتا ہے سنگسار نہیں کیا جاتا۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ سواء سور کے اور کوئی جانور بھی نر سے بدکاری نہیں کرتا۔ مرد لڑکے کو شہوت سے بوسہ دینا ستر بار زنا سے بدتر ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خرابت کند شاہد خانہ کن   برد خانہ آباد گرداں بہ زن

مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ   کہ فرزند خو۔شد برآید تباہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابلیس سے پوچھا کہ بدترین گناہ کیا ہے وہ بولا مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے صحبت یعنی بحق۔

حکایت : حضرت امام محمد جب امام اعظم ابو حنیفہ کے پاس پڑھنے آئے تو آپ کم سن اور خوبصورت تھے۔ امام اعظم نے انہیں حکم دیا کہ میرے پیچھے یا مسجد کی ستون کی آڑ میں بیٹھا کرو (دیکھو روح البیان) ایک روز دھوپ میں آپ انہیں سبق دے رہے تھے کہ آپ کی داڑھی کا عکس کتاب پر پڑا تو پوچھا کہ محمد کیا تمہارے داڑھی نکل آئی ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا اب میرے سامنے آ جاؤ۔ عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں مگر خوبصورت لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان۔ نابالغ بچوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا بھی ممنوع ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ۔

چو خواہی کہ قدرت بماند بلند   دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند

مسئلہ: لڑکے کے دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ بیوی سے دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا منکر بھی کافر ہے وطی حالت حیض پر قیاس کرنے کی وجہ سے۔ مسئلہ: جنت میں یہ حرکت قطعاً" نہ ہو گی کہ اسے قرآن کریم نے فاحشہ فرمایا جنت میں فحش کا کیا کام وہاں غلمان گھر کے کام کاج کے لئے ہوں گے۔ مسئلہ: لوطی آدمی کی سزا قتل ہے خواہ تلوار سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ مسئلہ: جانور سے صحبت کرنا حرام ہے اس کی سزا اس شخص کا قتل اور جانور کو ذبح کر کے دفن کر دینا ہے۔ مسئلہ: جلق یعنی ہاتھ سے منی نکالنا ممنوع ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت کی گئی ہے۔ جس شخص پر شہوت کا غلبہ اور اس میں نکاح کی طاقت نہ ہو تو وہ نہ متعہ کرے نہ جلق لگائے کہ یہ دونوں کام حرام ہیں بلکہ وہ روزے رکھے۔ حدیث شریف میں یہی حکم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **من ابتغی وراء ذالک فاولئک هم العادون**۔ جو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا کسی اور ذریعہ کی تلاش کرے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ ساتواں فائدہ: گذشتہ قوموں کے حالات ان کے عذاب کا پڑھنا' ان پر غور کرنا عبادت ہے تاکہ اپنے دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہو۔ یہ فائدہ **فانظر کیف کان** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا یونہی گذشتہ مقبول بندوں کے تاریخی حالات پڑھنا ان میں غور کرنا عبادت ہے تاکہ اپنے دل میں نیکیوں کی رغبت ہو اور اطاعت خدا رسول کا جذبہ پیدا ہو۔ آٹھواں فائدہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سارے اگلے پچھلے واقعات میں کوئی شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپی نہیں۔ یہ فائدہ **فانظر کیف کان** الخ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور نظر بمعنی دیکھنا ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے الخبیثات للخبیثین۔ کافرہ عورت خبیثہ ہے وہ نبی کے نکاح میں کیسے آگئی نبی تو طیب بلکہ طیبوں کے سردار ہوتے ہیں۔ جواب: تمہاری پیش کردہ آیت میں خبیثات سے مراد کافرہ عورتیں نہیں بلکہ فاحشہ' زانیہ' بدکار عورتیں مراد ہیں۔ واقعی کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ آیت اس کے متعلق اتری ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگائی گئی تھی۔ دوسرا اعتراض: مشرکہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست نہیں تو لوط علیہ السلام کا نکاح والہہ سے کیسے درست ہوا جو مشرکہ تھی؟ جواب: یہ حکم ہمارے اسلام کا ہے ان دینوں میں مومن مرد کا نکاح مشرکہ سے درست تھا ہمارے اسلام میں بھی پہلے مومن و کافر کا نکاح درست رہا۔ پھر منسوخ ہوا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں مگر فرعون کے نکاح میں رہیں جو کافر و مشرک بلکہ مشرک گر تھا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی اہل بیت میں داخل نہیں ہوتی صرف بیٹیاں داخل ہوتی ہیں دیکھو والہہ کے بعد فرمایا گیا الا امراتہ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج آپ کی اہل بیت نہیں صرف فاطمہ زہرا ہیں۔ (روافض)۔ جواب: یہی آیت بتارہی ہے کہ ازواج پاک اہل بیت ہیں اگر بیوی اہل بیت میں داخل نہ ہوتی تو اس کے استثناء کرنے کی ضرورت نہ تھی یعنی ہم نے ان کی بیوی کے سوا باقی سارے اہل بیت کو نجات دیدی ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہ استثناء متصل ہے۔ چوتھا اعتراض: یہاں قوم لوط کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم نے ان پر بارش کی پتھروں کی مگر دوسری آیت میں ہے کہ ہم نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا آیتوں میں تعارض ہے۔ کون سا واقعہ درست ہے۔ جواب: دونوں واقعات درست ہیں ان پر پتھر بھی برسے اور ان کی بستیاں بھی الٹی گئیں یا اس طرح کہ پہلے پتھر برسے پھر زمین الٹ دی گئی یا برعکس یا اس طرح کہ گھروں میں ٹھہرے ہوؤں پر زمین الٹی گئی اور جو لوگ جنگل یا سفر میں تھے ان پر پتھر برسے۔ پانچواں اعتراض: اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام کی بیوی کو بھی ہدایت نہ دے سکے۔ جواب: اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا اظہار ہے کہ اگر وہ کرم کرے تو غیروں' اجنبیوں کو ہدایت دیدے اگر کرم نہ کرے تو خاص نبی کے گھر والے کو ہدایت نہ ملے۔ نیز تاقیامت نبی کی اولاد کو سبق ہے کہ کوئی اپنی پیغمبرزادگی پر فخر نہ کرے اللہ تعالیٰ سے رحمت ہدایت مانگے ہم نے دیکھا ہے کہ بعض پڑھے لکھے سید زادے قادیانی بلکہ بہائی ہو کر مرے اس بہائی فرقہ کا پیشوا سید محفوظ الحق علمی ہے میں نے خود اس کی کتاب دیکھی ہے بہائی فرقہ کی تبلیغ کے سلسلے میں۔ یہ پہلے اہلسنت کا بڑا عالم تھا۔ ہر شخص کو ہمیشہ بری صحبتوں' بری کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز چاہئے۔ ایمان ایک دولت ہے اس کی حفاظت کرو والہہ اپنی کافر قوم میں گھلی ملی رہتی تھی۔ چھٹا اعتراض: قوم لوط نے کہا تھا کہ حضرت لوط کو اپنی بستی سے نکال دو آخر کار اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں وہاں سے نکالا اور قوم پر عذاب بھیجا۔ بہتر تو یہ تھا کہ آپ کو وہاں ہی رکھا جاتا اور قوم کو ہلاک کردیا جاتا تاکہ ان کی یہ بات پوری نہ ہوتی؟ جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو وہاں سے نکال لیا اور قوم کو بذریعہ عذاب وہاں سے نکال دیا' نکال لینے میں رحمت ہے نکال دینے میں قہر وہ نکال دینا چاہتے تھے ناکام رہے۔

تفسیر صوفیانہ : نسب اور زوجیت خونی یا نکاحی رشتہ سے حاصل ہوتے ہیں اس رشتہ سے مال میراث ملتی ہے مگر نسب اور کرامت روحانی رشتہ سے نصیب ہوتی ہے اس سے کمال بلکہ حال کی میراث ملتی ہے نسیب یعنی نسب والے اور منسوب یعنی نسبت والے میں بڑا فرق ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی خونی ازدواجی رشتہ میں حضرت لوط علیہ السلام سے وابستہ تھی اس

لئے اسے امراتہ فرمایا گیا مگر روحانی رشتہ میں وہ کافر قوم سے منسلک تھی۔ اس لئے اسے من الغابرین فرمایا۔ اس روحانی رشتہ کی وجہ سے جو باقی قوم کا حال ہوا وہی اس کا حال ہوا۔ نسبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر روحانی نسبت موت سے بھی ٹوٹتی نہیں۔ طریقت اور تصوف کا مقصد یہی ہے کہ ہم گنہگاروں کو اللہ کے محبوب سے نسبت نصیب ہو جائے۔ ایمان' عرفان' تقویٰ' آخرت میں بخشش سب اسی نسبت کی بہاریں ہیں۔ اجنبی مومنوں کو حضرت لوط علیہ السلام کا اہل بیت قرار دیا گیا کہ وہ آپ سے نسبت والے تھے ان پر رحمت کی بارشیں ہوئیں اور ماری گئی خاص منکوحہ بیوی۔ بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافرہ بیوی حضرت لوط کے گھر میں رہ کر گھر والی نہ بنی یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچی غیر لوگ مومنین اپنے گھر میں رہتے ہوئے حضرت لوط کے گھر والے ہوئے انہیں اھلہ فرمایا۔ جن گھروں میں عبادات ذکر اللہ رسول ہوتا ہو وہ نبی کے گھر ہیں یعنی ان کے حفاظتی گھر اور وہاں کے رہنے والے نبی کے گھر والے ہیں مگر جن گھروں میں کفر فسق شراب ناچ وغیرہ رہیں وہ گھر شیطان کے گھر ہیں اور اس کے باشندے شیطان کے گھر والے ہیں جبکہ وہ شیطانی کاموں میں مشغول رہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور طرف مدین کے ان کے بھائی شعیب کو فرمایا اے قوم پوجو اللہ کو نہیں ہے واسطے تمہارے

اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب علیہ السلام کو بھیجا کہا اے قوم میری اللہ کی عبادت کرو

غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

کوئی معبود سوا اس کے یقیناً آئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے رب تمہارے کے پس پورا کرو ناپ اور

اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ

وزن کو اور نہ کم دو لوگوں کو چیزیں اور نہ فساد کرو زمین میں بعد سنورنے درستی

ہے تو ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں

اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸۵

کے اس کی یہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے۔

انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان نبیوں کی کافر قوموں کا ذکر ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھے۔ جیسے صالح علیہ السلام یا آپ کے ہم زمانہ تھے' جیسے حضرت لوط علیہ السلام اب ان پیغمبروں کی کافر قوموں کا ذکر ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام جو جناب موسیٰ

علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قوم لوط کاذکر ہوا جو کفر کے ساتھ فحاشی 'بدکرداری میں گرفتار تھی اب شعیب علیہ السلام کی قوم کاذکر ہے جو کفرو شرک کریں گے ساتھ بد معاملگی یعنی کم تولنے میں گرفتار تھی تاکہ پتہ لگے کہ لوگوں کے حق مارنا' معاملات خراب رکھنابھی عذاب الہی کاباعث ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ایک ملکی فساد کا ذکر تھاجس کا تعلق اخلاقیات سے ہے اب دوسری قسم کے فساد کاذکر ہے جس کا تعلق تجارت اور لین دین سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ ملک جب باامن رہ سکتا ہے جب وہاں کے باشندے اخلاقیات اور معاملات میں درست و صحیح ہوں گویا تہذیب اخلاق کے بعد سیاست مدنی کاتذکرہ ہے۔

تفسیر: **و الی مدین اخاھم شعیبا**"۔ یہ نیاجملہ ہے اس لئے اس کاواؤ ابتدائیہ ہے اور الی سے پہلے **ارسلنا** پوشیدہ ہے مدین کے متعلق بہت گفتگو ہے حق یہ ہے کہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کانام ہے پھرایک قبیلہ کانام مدین ہوا جومدین ابن ابراہیم کی اولاد تھا۔ پھرایک بستی کانام مدین ہو گیاجہاں یہ قبیلہ آباد تھایہ لفظ غیر متصرف ہے عجمہ اور علم ہے لہٰذا اسارے مفسرین ٹھیک کہتے ہیں۔ بعض نے کہاکہ بستی کانام ہے بعض نے کہاقبیلہ کانام وہ سب ہی ٹھیک کہتے ہیں اس بستی اور اس قبیلہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ مدین شہر مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر یعنی افریقہ میں واقعہ تھا(صاوی) اخ بمعنی بھائی ہے مگر بھائی سے مراد دینی بھائی نہیں بلکہ نسبی یا ملکی بھائی مراد ہے یعنی برداری کے ایک فرد کیونکہ مومن کافر کا بھائی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ نبی کسی کافر کے بھائی ہوں نیز نبی تو مومن کے بھی بھائی نہیں ہوتے وہ مثل والد کے ہوتے ہیں توکافر کے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و ازواجہ امھاتھم**۔ شعیب کے متعلق گفتگو ہے کہ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔ بعض کے خیال میں یہ لفظ عربی ہے بنا ہے شعب سے یہ اس کی تصغیر ہے شعب کہتے ہیں پہاڑی راستہ کو۔ خیال رہے کہ نبی کے نام ان کے کسی عضو' کسی چیز کی تصغیر کرنا جائز نہیں لیکن پہلے ہی سے تصغیر شدہ نام رکھنا جائز ہے لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو مکھڑا کمبل شریف کو کمبلا کہنا ناجائز ہے ایسے ہی لفظ احمد یا محمد کو احمدیا ممدو کہنا حرام ہے (از تفسیر روح المعانی) بعض کے خیال میں یہ لفظ عجمی ہے مگر پہلا قول قوی ہے اگر یہ عجمی ہوتا تو غیر متصرف ہوتا عجمہ اور علم کی وجہ سے آپ کے نسب شریف میں بہت اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ مدین ابن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں حضرت اسحاق و یعقوب علیہ السلام کے سلسلہ سے نہیں لہٰذا آپ بنی اسرائیل سے نہیں ہیں آپ شعیب ابن میکیل ابن یشجو ابن مدین ابن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ مدین نے لوط علیہ السلام کی بیٹی جناب رتیا سے نکاح کیا جس سے یشجو پیدا ہوئے لہٰذا آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ یکے بعد دیگرے چند قوموں کے نبی ہوئے پہلے قوم مدین کے ان کی ہلاکت کے بعد ایکہ والوں کے ان کی ہلاکت کے بعد اصحاب الرس کے۔ (معانی 'صاوی وغیرہ) روح المعانی نے یہاں کہاکہ شعیب علیہ السلام خوف الہی میں روتے روتے نابینا ہو گئے تھے مگر حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام گنگ' اندھاپن اور نفرت والے امراض سے محفوظ ہوتے ہیں (معانی)۔ حضرت شعیب علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں کہ آپ کی بیٹی صفورا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے نکاح میں آئیں آپ ہی کے ہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو عصاملاجو آدم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا۔ آپ ہی کی بکریاں موسیٰ علیہ السلام نے چرائیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ۔ اس کی تفسیر بارہا کی جاچکی ہے کہ عبادت سے مراد دلی عبادت یعنی ایمان ہے کیونکہ کافر پر پہلے ایمان لانا فرض ہے۔ ایمان کے بعد عبادات لازم ہیں اس فرمان عالی میں تو ان لوگوں کو شرک و کفر سے بچنے توحید پر ایمان لانے کی دعوت ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایمان لاکر عبادت کرو مشروط کے حکم میں شرط کا حکم بھی ہوجاتا ہے بے وضو سے کہو کہ نماز پڑھو یعنی وضو کر کے نماز پڑھو **مالکم** الخ میں اشارۃً فرمایا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو وہ تمہارے لئے بنی ہیں تمہاری خادم ہیں اس کی عبادت کرو جس کے لئے تم بنے۔ وہ ایک ذات ذوالجلال ہے دنیا و آخرت ہمارے لئے ہے لہذا ان دونوں کی کوئی چیز لائق عبادت نہیں تم اسی کے لئے بنے جو ان سب کا خالق ہے۔ **قد جاء تکم بینۃ من ربکم**۔ اس فرمان عالی میں اپنی نبوت کا اظہار ہے اور ان کو رسالت کی تبلیغ کیونکہ توحید بغیر رسالت کے مانے ہوئے نہ ایمان بنے نہ نجات کا ذریعہ۔ **بینۃ** سے مراد آپ کا معجزہ ہے۔ یعنی رب کی طرف سے تم کو میرا معجزہ پہنچ گیا۔ جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں آپ کے معجزے کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے پیغمبروں کے معجزات کا تذکرہ نہیں خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا معجزات کا ذکر نہیں قرآن مجید یا شق القمر یا معراج جیسے چند معجزوں کا ذکر ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ کا معجزہ یہ تھا کہ جب آپ اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے تھے تو وہ پہاڑ خود جھک جاتا اور آپ بہ آسانی اس پر چڑھ جاتے۔ (روح البیان) غالباً" اسی سے آپ کا نام شعیب ہوا ہوگا یعنی پہاڑی راستوں کے بادشاہ **واللہ اعلم**۔ اور ہوسکتا ہے کہ **بینۃ** سے مراد خود آپ کی اپنی ذات والاصفات ہو کیونکہ نبی رب تعالیٰ کی ذات و صفات کی کھلی دلیل ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا ہے۔ **قد جاء کم برھان من ربکم** یعنی قوی دلیل یونہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو برہان فرمایا **لولا ان رای برھان ربہ** اس صورت میں آپ نے اپنی خدا تعالیٰ کے ذریعہ پہچان کرائی کہ جس کا بھیجنے والا ایسا رب ہے سمجھو کہ وہ نبی کیسا ہوگا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنے ذریعہ خدا تعالیٰ کی پہچان کرائی کہ جب میں ایسا ہوں تو سمجھ لو کہ میرا بھیجنے والا کیسا ہوگا۔ **فاوفوا الکیل والمیزان**۔ یہ عبارت مرتب ہے **قد جاء تکم** الخ پر یعنی جب تم میرا معجزہ دیکھ چکے میری نبوت جان چکے تو میں بہ حیثیت نبی تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم ناپ تول میں انصاف سے کام لیا کرو۔ چونکہ یہ معاملات کا مسئلہ ہے اور معاملات کی درستی کفار پر بھی لازم ہے اس لئے آپ نے ایمان کے ساتھ ہی اس کا حکم دیا۔ **کیل** یا تو مصدر ہے بمعنی ناپنا یا ناپ یا بمعنی کیمال ہے یعنی ناپنے کا آلہ میزان تو اسم آلہ ہی ہے بمعنی ترازو یعنی تولنے کا آلہ۔ یہ لوگ تاجر تھے اور بڑے بے ایمان تھے ڈنڈی مارنا ترازو میں پاسنگ رکھنا ناپ کے برتن کم رکھنا وغیرہ۔ اس لئے آپ نے یہ حکم دیا **ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم**۔ یہ فرمان عالی یا تو **اوفوا الکیل** کا بیان ہے اور اس کی وجہ یعنی کم ناپ تول اس لئے چھوڑ دو کہ اس میں لوگوں کا حق مارنا ہے اور حق عبد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا یہ نیا حکم ہے یہ لوگ اپنے گاہکوں کو اس طرح بھی دھوکہ دیتے تھے کہ ان کا درست و صحیح سکہ لے کر کھوٹا سکہ واپس کرتے اور کہتے کہ تو نے یہی دیا تھا یہ کھوٹا ہے یا گنتی میں فرق کر دیتے تھے کہ دس کے نو یا آٹھ گنتے اور کہتے کہ تو نے اتنے ہی دیئے ہیں (روح المعانی) یا گاہکوں کو اچھا مال دکھا کر کھوٹا خراب مال دیتے تھے۔ **ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا**۔ یہ عبارت یا تو **لا تبخسوا** کا بیان ہے تو فساد سے مراد ہے لوگوں کے حق مارنا کم تول کر دھوکہ سے خراب مال دے کر اور اصلاح سے مراد ہے ان خرابیوں کو روکنے کی کوشش کرنا لوگوں کو درستی معاملات کا حکم دینا جو حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی مومن جماعت کی طرف سے برابر جاری تھا یا فساد سے مراد ہے کفر و شرک اور اصلاح سے مراد ہے

ایمان و توحید یا فساد سے مراد ہے ڈکیتی ' چوری ' راہزنی وغیرہ اصلاح سے مراد ہے زمین میں امن و امان۔ کیونکہ قوم شعیب علیہ السلام دن میں ڈکیتی رات میں چوری بھی کرتی تھی لہٰذا یہ فرمان عالی بہت جامع ہے یا تو زمین سے مراد زمین کے باشندے ہیں یا خود مدین کی زمین۔ بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں **ذالکم خیر لکم** یہ جملہ گزشتہ احکام کی علت ہے **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ بالا احکام کی طرف ہے۔ **خیر** سے مراد یا تو دنیا میں بہتر ہے یا آخرت میں بہتر یا دونوں جگہ بہتر آخری معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **ان کنتم مومنین** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم ایمان رکھتے ہو تو میری باتوں پر عمل کرو یا یہ **ذالکم خیر لکم** کی شرط مؤخر ہے یعنی اگر تم ایمان قبول کرلو تو تمہارے لئے یہ مذکورہ کام دنیاوی خیریت کے ساتھ آخرت میں بھی خیر ہیں کہ تم کو ان پر ثواب بھی ملے گا دنیا کی خیر سے مراد ہے مال میں برکت ' حصول عزت و عظمت اخروی خیر سے مراد ہے رضاء الٰہی و دخول جنت۔ اگر کافر تاجر تجارت درست کرے تو دنیاوی خیر یعنی تجارت میں ترقی نیک نامی اسے بھی مل جاتی ہے مگر اخروی خیر صرف مومن تاجر ایماندار کو ملے گی۔ لہٰذا اس جملہ شریف کی بھی بہت تفسیریں ہیں اور ہر تفسیر کے الگ الگ فوائد۔

خلاصہ ء تفسیر : ہم نے قوم مدین یا شہر مدین میں انہیں کے برادری کے ایک صاحب شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کی ایمانی ' اعمالی خراب حالت کو ملاحظہ فرما کر انہیں دونوں قسم کی ہدایتیں دیں چنانچہ انہیں نہایت نرمی سے فرمایا کہ اے میرے خاندانی لوگو میری قوم مدین کے فرد و خدا تعالیٰ کے سواء تمہارا سچا معبود لائق عبادت کوئی نہیں ' تم اسی کی عبادت کرو خواہ دلی عبادت ہو ' ایمان یا بدنی عبادت ہو ' سجدہ و سجود یا مالی عبادت صدقات و خیرات تم تک میری نبوت کی کھلی نشانی یعنی میرا معجزہ پہنچ چکا تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا یا تم تک میں یہ نشان نبوت تشریف لایا میرا وجود مسعود رب کی کھلی نشانی ہے۔ لہٰذا مجھ کو اپنے رب کا نبی مانو مجھ پر ایمان لاؤ میں تم کو چند عمل نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ خرید و فروخت ناپ تول برابر رکھو ' خریدتے وقت زیادہ نہ ناپو تولو اور فروخت کرتے وقت ان میں کمی نہ کرو۔ بہرحال پورا ناپ تول کر۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کو ان کی حق کی چیزیں دھوکہ سے کم نہ دو ان کی کھری رقم کھوٹی کے عوض نہ لے لو۔ تیسرے یہ کہ زمین مدین وغیرہ میں ڈکیتی ' چوری ' راہزنی ' راہ ماری وغیرہ سے فساد نہ پھیلاؤ جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی کہ میں یہاں تشریف لے آیا میں نے اور میرے متبعین نے احکام شرعیہ کی تبلیغ شروع فرما دی یہ تینوں چیزیں تمہارے لئے بہت ہی بہترین ' حلال روزی میں برکت بھی ہے۔ عزت بھی لوگوں میں وقار بھی تمہارا اعتبار بھی اگر تم ایمان لا کر یہ کام کرو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہو کہ تم ان سب پر آخرت میں ثواب بھی پاؤ گے اپنے رب کی رضا بھی حاصل کر لو گے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: سارے اعمال پر ایمان مقدم ہے انسان پہلے ایمان لائے پھر اور نیک اعمال کرے۔ یہ فائدہ **اعبدوا اللہ** کو **اوفوا الکیل** پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا اگر عبادت سے مراد ایمان ہو۔ **دوسرا فائدہ**: کبھی علت سے معلول کو پہچانتے ہیں جیسے سورج سے دن یا دھوپ کو جاننا یا جیسے رب تعالیٰ سے نبی کو پہچاننا اسے دلیل انی کہتے ہیں کبھی معلول سے علت کو جیسے دھوپ یا دن سے سورج کو پہچاننا اسے دلیل لمی کہتے ہیں یا جیسے نبی سے رب کو پہچاننا کبھی ایک معلول سے دوسرے معلول کو پہچاننا جیسے دھوپ سے دن کو یا نبی اللہ سے کتاب اللہ کو یا اس

کے بر عکس پہچاننا یہاں دوسری صورت ہے۔ یہ فائدہ بینۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد آپ کی ذات ہو۔ **تیسرا فائدہ:** رب کی عبادت درستی معاملات پر مقدم ہے کہ اس سے درستی معاملات میں مدد ملتی ہے درست طریقہ سے عبادت کرنے والا ان شاء اللہ معاملات بھی درست کر لیتا ہے یہ فائدہ بھی عبادت کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا اگر عبادت سے مراد بدنی' مالی عبادات ہوں۔ **چوتھا فائدہ:** نجات کے لئے صرف رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو مان لینا کافی نہیں بلکہ نبی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ **قد جاء تکم** الخ سے حاصل ہوا کہ شعیب علیہ السلام نے رب کی وحدانیت کے ساتھ قوم کو اپنی نبوت کی بھی تبلیغ فرمائی کہ بینۃ سے مراد آپ کا معجزہ ہے اور معجزہ سے نبی کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** درستی معاملات کے کفار بھی مکلف ہیں ان کو بھی حکم ہے کہ ناپ تول درست رکھیں ڈکیتی' چوری نہ کریں۔ یہ فائدہ **فاوفوا الکیل** الخ سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنی کافر قوم کو ان مذکورہ معاملات کی درستی کا حکم دیا۔ **چھٹا فائدہ:** پاسنگ والی ترازو رکھنا تول میں ڈنڈی مار کر چیز فروخت کرنا۔ خریدتے وقت زیادہ تول لینا یہ سب کچھ حرام ہے یہ تمام باتیں ایک **اوفوا الکیل** سے حاصل ہوئیں جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دھوکہ دے کر خریدار کو بری چیز دے دینا فریب و چالاکی سے اس کے کھرے سکے کھوٹوں سے تبدیل کر دینا حرام ہے۔ یہ فائدہ **لا تبخسوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اس کی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** راہزنی' ڈکیتی' چوری وغیرہ سخت جرم ہیں جن کی سزا دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے۔ یہ فائدہ **ولا تفسدوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ:** درستی معاملات سے کافر کے مال میں بھی برکت ہوتی ہے دیانتدار سچا تاجر اگر کافر بھی ہو تو تجارت میں کامیاب رہتا ہے۔ یہ فائدہ **فالکم خیر لکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** معاملات کی درستی' صدقات و خیرات پر ثواب آخرت صرف مومن کو ملے گا کافر خواہ کتنا ہی دیانتدار ہو کیسا ہی امانت دار ہو ثواب یا نجات کا مستحق نہیں ان چیزوں کے لئے ایمان ضروری ہے۔ یہ فائدہ **ان کنتم مومنین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ ہاں کفار کو ان کی بعض نیکیوں کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ جیسے حاتم طائی' نوشیرواں' یا ابوطالب وغیرہم کہ ان کو اگرچہ عذاب ہو گا۔ مگر بہت ہلکا نوشیرواں کو عدل و انصاف کی وجہ سے' حاتم طائی کو سخاوت کی وجہ سے' ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے یہ رعایت ملے گی۔ بلکہ ابولہب کو پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اسے کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف' شروع کتاب الرضاع۔

پہلا اعتراض: حضرت شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو عبادت الٰہی کا حکم کیوں دیا کافر کی عبادت نہ درست ہے نہ قبول عبادات تو ایمان کے بعد ہیں آپ نے کیوں فرمایا **اعبدوا اللہ**۔ **جواب:** یہاں یا تو عبادت سے مراد دلی عبادت یعنی ایمان ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر عملی عبادات مراد ہوں تو مطلب یہ ہو گا کہ ایمان لا کر عبادت کرو جیسے بے وضو یا غسل والے سے کہا جائے کہ نماز پڑھ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وضو اور غسل کر کے نماز پڑھ نہ کہ یونہی بغیر وضو' بغیر غسل پڑھ لے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں بینۃ من ربکم سے کون سی نشانی ربانی مراد ہے اس کی تفصیل کیوں نہ کی گئی؟ **جواب:** یہاں بینۃ سے مراد یا تو خود حضرت شعیب علیہ السلام کی ذات پاک مراد ہے کہ نبی بذات خود رب کی ذات و صفات کی دلیل ہوتے ہیں رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم** یا آپ کا وہ معجزہ مراد ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا یعنی آپ کے لئے پہاڑ کا جھک جانا۔ قرآن پاک میں ہر چیز کی تصریح نہیں تاکہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علماء کے حاجتمند

رہیں۔ نماز، زکوٰۃ اور روزے کی تفصیل بھی قرآن مجید میں نہیں قرآن سمجھو صاحب قرآن سے۔ **تیسرا اعتراض:** شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو درستی معاملات یعنی ناپ تول پورا کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کفار پر اسلامی احکام جاری نہیں ہوتے؟ **جواب:** یہ غلط ہے معاملات کی درستی کفار پر بھی فرض ہے حتی کہ کافر چور ڈاکو کو سلطان اسلام سزا دے گا چور کے ہاتھ کٹوائے گا اور ڈاکو کو ایک صورت میں سولی دے گا لہذا آپ کا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے یہ کیوں فرمایا کہ یہ اعمال تمہارے لئے خیر ہیں اگر تم مومن ہو صفائی معاملات تو کافر کے لئے بھی خیر ہیں؟ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ ہے کہ خیر سے مراد ہے باعث ثواب اور باعث رضاء الٰہی یہ بات صرف مومن کو ہی میسر ہے کہ ثواب کے لئے قبولیت ربانی ضروری ہے اور قبولیت کے لئے ایمان لازم۔

تفسیر صوفیانہ: ناپ تول میں کمی لوگوں کے حقوق مارنا نفس کی خساست، حرص کے غلبے، ہوی کی اتباع، کم ہمتی وغیرہ کی وجہ سے ہے ہم کو ان صفات کی تبدیلی، نفس کے تزکیہ کا حکم دیا گیا ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ مال اور عزت کی حرص دین کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں اور وہ بکریوں کا نقصان کریں اور فرماتے ہیں کہ ناپ و تول امانت ہیں اے تاجرو تم لوگ ایسی چیز کے ذمہ دار بنائے گئے ہو جس میں گذشتہ قومیں ہلاک ہو چکی ہیں بہت احتیاط کرو (روح البیان) اگر نفس کی اصلاح ہو جائے تو ناپ تول خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے اس کے پاس شریعت کی ترازو اور طریقت کا پیمانہ چاہئے جس سے دل اور نفس بلکہ خالق و مخلوق کے حقوق وزن کر کے ناپ کر صحیح ادا کرے اگر آدمی عبادات کے ذریعہ خالق کے حقوق کو ادا کرے مگر معاملات میں مخلوق کے حقوق مارے وہ بھی مجرم و خائن ہے اور جو شخص معاملات درست کرے مگر عبادات میں سستی کر کے خالق کے حقوق مارے وہ بھی مجرم ہے۔ حکم ہے۔ **اوفوا الکیل والمیزان۔** یونہی اپنے نفس کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اسے نہ بگاڑو، نہ ضائع کرو۔ رب نے اس کی اصلاح کر کے تم کو یہ زمین کاشت کے لئے عطا فرمائی ہے اس میں اچھے صفات اچھے اعمال اعلیٰ احوال کی خوب کاشت کرو اسے خوف خدا کا کھاد آنکھوں کے آنسوؤں کی پانی دیتے رہو ان شاء اللہ ایسا باغ لگے گا کہ تم اس کے پھل دنیا و آخرت میں کھاؤ گے۔ یہ خیال نہ کرو کہ یہ احکام صرف قوم شعیب کے لئے تھے ہم میں بھی بہت لوگ قوم شعیب کے سے کام کرتے ہیں۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست لیک اورا عون مارا عون نیست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو دو نبیوں سے نسبت حاصل ہے جناب ابراہیم اور جناب لوط سے اور ایک نبی سے سسرالی نسبت یعنی موسیٰ علیہ السلام سے یہ آپ کی خصوصی شرافت و عظمت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں یہ ان کی خصوصی شرافت ہے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو کسی سے شرف نہیں ملا بلکہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے شرف حاصل ہوا حتی کہ قرآن مجید تمام آسمانی کتب سے افضل ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ورنہ ساری کتب آسمانی اللہ کا کلام ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے قرآن پاک کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گیت قرآن نے گائے **وانہ لذکر لک و لقومک** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی عظمت بڑھی۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور مت بیٹھو ہر راستہ پر کہ خوف دلاؤ تم اور روکو تم راستے سے اللہ کے ان کو جو ایمان لائیں اس پر

اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا

اور تلاش کرو تم اسے ٹیڑھا اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے پس زیادہ کیا تم کو

ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس نے تمہیں بڑھا دیا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۸۶)

اور غور کرو کہ کیسا ہوا انجام فساد پھیلانے والوں کا

اور دیکھو فسادیوں کا کیسا انجام ہوا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں قوم شعیب کی چند بد عملیوں کم تولنے، فساد پھیلانے وغیرہ کا ذکر ہوا تھا اب ان کی دوسری بد عملیوں کا تذکرہ ہے لوگوں کو ایمان سے روکنا وغیرہ گویا دنیاوی بد معاملگی کے بعد ان کی دینی بد معاملگی کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب کو ان کی بری خصلتوں سے روکا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انہیں یاد دلائی جارہی ہیں کہ یہ یاد کرو اور اس کریم کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کو برائیوں سے روکا گیا تھا اب انہیں گذشتہ قوموں کے عذاب یاد دلائے جارہے ہیں تاکہ وہ اس خوف سے رب کی فرمانبرداری کریں۔

تفسیر: **ولا تقعدوا بکل صراط توعدون** یہ عبارت معطوف ہے **ولا تفسدوا** الخ پر لہذا اس کا واؤ عاطفہ ہے قعود اور جلوس دونوں کے معنی ہیں بیٹھنا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھڑے سے بیٹھنے کو قعود کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے کو جلوس اسی لئے عذاب قبر کی احادیث میں آتا ہے **فیجلسانہ** یہیں نہیں آیا **فیقعدانہ** کیونکہ وہاں فرشتے میت کو لیٹے سے اٹھا کر بٹھا لیتے ہیں یہاں بمعنی ٹھہرنا ہے خواہ وہاں لیٹے رہیں یا کھڑے رہیں یا بیٹھے رہیں صراط سے مراد یا تو ایمان کا راستہ ہے چونکہ ایمان کے راستے بہت ہیں نیز ایمان کے ہر شعبے کا علیحدہ راستہ ہے نماز کا اور راستہ ہے' روزہ وغیرہ کا دوسرا راستہ پھر' عرفان کا اور راستہ' ایقان کا دوسرا راستہ۔ اس لئے **کل صراط** فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کے چند اور ستر شعبے ہیں چاہئے کہ ہر شعبہ کا راستہ الگ ہو تو اتنے ہی راستے ہوئے یہ لوگ ان کو ایمان سے روکتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے آتے تھے یا صراط سے مراد ہے مدین کا راستہ چونکہ مدین کو مختلف سمتوں سے مختلف راستے آتے تھے اس لئے **کل صراط** ارشاد ہوا یہ لوگ مدین کے راستوں پر پہرہ دار بن کر ہر وقت بیٹھے رہتے تھے جو مسافر باہر سے آتا اس سے کہتے تھے کہ مدین میں حضرت شعیب کے پاس نہ جانا وہ جادوگر ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ مدین کے راستوں پر ڈکیتی قزاقی کرنے کے لئے نہ بیٹھو یہ لوگ ڈاکو قزاق تھے **توعدون** بنا ہے عیاد سے بمعنی ڈرانا اس کا او عد ہے۔ جب یہ ضرب سے ہو تو بمعنی وعدہ کرنا ہوتا ہے جب

باب افعال سے ہو تو بمعنی ڈرانا ہوتا ہے یہاں اس معنی میں ہے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تم ایمان لانے والوں کو ڈراتے دھمکاتے ہو کہ اگر تم ایمان لائے تو ہم تم کو یہ سزا دیں گے یا لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کا مال چھینتے ہو یہ عبارت **لا تقعدوا** کے فاعل سے حال ہے۔ **و تصدون عن سبیل اللہ من امن بہ** یہ عبارت معطوف ہے **توعدون** پر اور حال ہے **لا تقعدوا** کی ضمیر سے۔ خیال رہے کہ اللہ کی راہ سے روکنے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے ہزار حیلوں بہانوں سے انہیں بازار وغیرہ سے واپس کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو ایمان کا ارادہ کریں انہیں ڈرا دھمکا کر اس سے روکا جائے۔ تیسرے یہ کہ انہیں لالچ دے کر روکا جائے۔ لالچ خواہ مالی ہو یا اور قسم کا (کبیر)۔ لہذا یہ عبارت **توعدون** سے عام ہے۔ **سبیل اللہ** سے مراد یا تو ایمان ہے یا حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کا راستہ یا خود شعیب علیہ السلام کہ آپ خدا رسی کا ذریعہ ہیں۔ **من امن** مفعول بہ ہے **تصدون** کا اس سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو ایمان لا چکے یا وہ لوگ جو ایمان لانے کا ارادہ کریں انہیں ایمان سے روکتے ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم مومنوں کو نماز وغیرہ نیک اعمال سے روکتے ہو انہیں عبادات کی آزادی نہیں دیتے۔ **و تبغونھا عوجا** یہ عبارت معطوف ہے **تصدون** پر **تبغوننا** بغی سے ہے بمعنی چاہنا، تلاش کرنا **ھا** کا مرجع وہی **سبیل** ہے کیونکہ سبیل کے لئے مذکر مونث دونوں ضمیریں آسکتی ہیں **عوجا** تو مصدر ہے بمعنی ٹیڑھا پن بمعنی **اعوجا** جا صفت شبہ ہے بمعنی ٹیڑھا اس عبارت کے بہت معنی کئے گئے ہیں آسان معنی یہ ہیں کہ تم ہمیشہ ٹیڑھا راستہ ہی ڈھونڈتے ہو سیدھے راستے سے دور بھاگتے ہو' ایمان سیدھا راستہ ہے' کفر ٹیڑھا' دیانتداری سیدھا راستہ ہے بددیانتی ٹیڑھا۔ شعیب علیہ السلام کی اتباع سیدھا راستہ ہے ان کی مخالفت ٹیڑھا ملک میں امن قائم رکھنا سیدھا راستہ ہے بدامنی پھیلانا ٹیڑھا تجارت میں ناپ تول صحیح رکھنا سیدھا راستہ ہے اس میں فرق کرنا کم تول کرنا ٹیڑھا تجارتی چیزیں' خالص دینا' سیدھا راستہ ہے۔ ان میں ملاوٹ کرنا' ٹیڑھا درستی معاملات سیدھا راستہ ہے غلط معاملات ٹیڑھا۔ تم یہ سارے راستے ٹیڑھے ہی اختیار کرتے ہو جب جاتے ہو اوندے جب چلتے ہو الٹے۔ جو رب تعالیٰ تک پہنچائے وہ سیدھا راستہ ہے جو دوزخ تک پہنچائے وہ ٹیڑھا راستہ تم دوزخ والا راستہ ہی اختیار کرتے ہو تمہارا کانٹا شیطان نے بدل دیا ہے کانٹا بدل جانے پر ریل کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ **و اذکروا اذ کنتم قلیلا فکثرکم** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں ان کو اطاعت الٰہی اور ایمان کی رغبت دی گئی اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ذکر** سے مراد ہے زبان سے تذکرہ کرنا یا دل میں سوچنا یا آپس میں ایک دوسرے سے اس نعمت کا چرچا کرنا یا اللہ کے نبی کی اطاعت کرنا کہ یہ بھی عملی ذکر و شکر ہے۔ **اذ** ظرفیہ **اذکروا** کا مفعول بہ ہے قلت اور کثرت میں چند احتمال ہیں۔ تم تعداد میں تھوڑے تھے تمہیں زیادہ کر دیا۔ تم مال میں تھوڑے تھے تم کو مالدار کر دیا۔ تم طاقت و قوت میں تھوڑے تھے کمزور تھے تم کو طاقتور کر دیا (تفسیر کبیر و معانی و روح) غرضیکہ یہ زیادتی عدد زیادتی مال زیادتی عزت سب کو شامل ہے **وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین** یہ جملہ معطوف ہے **اذکروا** پر وہاں ترغیب تھی یہاں ترہیب یعنی وہاں اللہ کی نعمتیں یاد دلا کر مائل بہ اسلام کیا گیا تھا۔ یہاں اللہ کے عذاب یاد دلا کر دعوت ایمان دی گئی **انظروا** بنا ہے **نظر** سے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا **المفسدین** سے مراد گذشتہ تباہ شدہ کافر قومیں ہیں۔ جیسے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود چونکہ ان تباہ شدہ قوموں کے واقعات اس زمانہ میں مشہور تھے اور ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ان کے کھنڈرات یہ لوگ دیکھتے رہتے تھے۔ اس لئے **انظروا** فرمانا بالکل درست ہوا یعنی گذشتہ تباہ شدہ کافر قوموں کے حالات میں غور کرو اور سوچو کہ اگر تم نے ان کی سی حرکتیں کیں تو تمہار

انجام بھی یہی ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی کافر قوم سے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ مدین کی طرف آنے والے راستوں پر ڈکیتی' قزاقی کے لئے یا لوگوں کو ایمان سے روکنے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دو۔ اس وقت تمہارا حال یہ ہے کہ مسافروں کو ڈراتے دھمکاتے بھی ہو اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے بھی ہو جو ایمان لا چکے انہیں مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو' جو ایمان لانا چاہیں انہیں دھمکیوں' لالچوں سے قومی دباؤ کے ذریعہ ایمان سے روکتے ہو اور تم ہمیشہ عقائد میں اعمال میں ٹیڑھا راستہ ہی اختیار کرتے ہو سیدھے راستہ سے بچتے ہو۔ یہ حرکتیں چھوڑ دو تم یہ یاد کرو کہ تم پہلے تھوڑے تھے' غریب تھے' کمزور تھے' تمہیں زیادہ اور امیر اور طاقت والا بنا دیا ایسے رب کی نافرمانی چھوڑ دو' اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو یہ بھی غور کرو کہ تم سے پہلے قوم نوح' قوم لوط' قوم عاد و ثمود جو تم سے زیادہ تعداد والے' طاقت والے' جتھہ والے تھے ان کا انجام کیا ہوا آج ان کی اجڑی بستیاں' ان کے کھنڈرات' ان کی تباہی کی خبریں دے رہی ہیں اگر تم نے بھی ان جیسی حرکتیں کیں تو تمہارا انجام بھی یہی ہوتا ہے ہوش کرو اور میری مخالفت رب تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار ایمان سے روکنے کی بہت تدبیریں ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں مگر اللہ کا نور کسی بادل سے کسی گرد و غبار سے بجھ نہیں سکا اور نہ آئندہ بجھ سکے گا یہ فائدہ **ولا تقعدوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مدین والے لوگوں کو ایمان سے روکنے کے لئے مدین کے راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جیسے کفار مکہ نے بہت عرصہ تک یہ حرکت کی۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

دوسرا فائدہ: ڈکیتی کے لئے راستوں پر بیٹھنا' لوگوں کو ڈرانا ہر دین میں ہمیشہ حرام رہا ہے اسلام میں اس کی سزا نہایت سخت ہے۔ یہ فائدہ **ولا تقعدوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ رلو پر بیٹھنے سے مراد ہو ڈکیتی کے لئے بیٹھنا۔ تیسرا فائدہ: سیدھا راستہ محض عقل سے کبھی نہیں مل سکتا یہ تو نبی سے ہی ملتا ہے۔ اس کے لئے عقل انسانی کافی نہیں یہ فائدہ **تبغونها عوجا** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: افراد کی کثرت قوم کی قوت کا ذریعہ ہے اللہ کی نعمت ہے انہیں افراد سے فوجیں بنتی ہیں اور آج کثرت رائے سے صدر سے لے کر ممبران تک کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **فكثركم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کثرت سے مراد ہو تعداد کی زیادتی' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محبت کرنے والیوں' زیادہ بچے دینے والیوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت سے فخر کروں گا **انكحوا لو لودا لودود فانى مكاثر بكم الامم**۔ بعض سرپھرے ہزار بہانوں سے قوم کو گھٹانا چاہتے ہیں۔ برتھ کنٹرول وغیرہ سے۔ ولادت کم کرنے کی کوشش ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں حالانکہ آنے والی روح رک نہیں سکتی۔ مسئلہ: ضرورت کے وقت تولد روکنے کی کوشش کرنا شرعاً جائز ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا **لا عليكم ان لا تفعلوا** اگر یہ کام نہ کرو تو تم پر حرج نہیں حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں **كنا نعزل والقران نبلل**۔ پانچواں فائدہ: دولت' قوت' عزت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں

ہیں اس کی قدر اور اس کا شکر چاہئے۔ یہ فائدہ فکثر کم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کثرت سے مراد ہو دولت عزت قوت کی زیادتی۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں قولاً "عقیدۃ" "عملاً" یاد کرنا یاد رکھنا ان کا تذکرہ کرنا بالکل جائز بلکہ حکم نبی ہے۔ یہ فائدہ واذکروا الخ سے حاصل ہوا ہم کو حکم ہے واما بنعمۃ ربک فحدث لہٰذا بزرگوں کے عرس میلاد شریف جائز ہیں کہ یہ اللہ کی نعمت کا ذکر ہے۔ ساتواں فائدہ: انسان پر دو وقت آتے ہیں چڑھاؤ کا اور گراؤ کا۔ چڑھاؤ کے وقت اپنے گرے وقت کو یاد رکھے اس سے رب تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی۔ اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ نیز دل کو بے حد خوشی ہوگی۔ یہ فائدہ واذکروا اذ کنتم قلیلا " الخ سے حاصل ہوا۔ مگر گرے وقت میں چڑھے وقت کو ہرگز یاد نہ کرے کہ اس سے صدمہ اور ناشکری ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ اس وقت اپنے سے نیچے کو دیکھے تاکہ شکر کرے۔ آٹھواں فائدہ: تاریخی حالات معلوم کرنا قوموں کے بننے بگڑنے سے عبرت حاصل کرنا حکم الٰہی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی عبادات کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ وانظروا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ نظر سے مراد ہو غور کرنا۔ نواں فائدہ: عذاب والی قوموں کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھنا بلکہ وہاں سفر کر کے جانا جائز بلکہ حکم الٰہی ہے۔ یہ فائدہ وانظروا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ نظر سے مراد ہو آنکھوں سے دیکھنا ہم کو فرمایا گیا قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین اسی طرح بزرگ اور مقبول بندوں کی نورانی بستیاں ان کے نورانی مزارات دیکھنا وہاں کے ہجوم خلق' قرآن خوانی وغیرہ میں غور کرنا اس لئے وہاں سفر کر کے جانا بالکل جائز ہے تاکہ عبادات کی رغبت ہو ان چیزوں کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ولا تقعدوا بکل صراط ڈکیتی یا ایمان سے روکنے کے لئے ہر راستہ پر نہ بیٹھو تو کیا ان مقاصد کے لئے بیٹھنا ممنوع ہے وہاں کھڑا رہنا جائز ہے صرف بیٹھنے کی ممانعت کیوں آئی۔ جواب: ان جیسے مقامات پر بیٹھنے سے مراد ہوتا ہے ٹھہرنا موجود رہنا خواہ کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اردو میں بھی کہا جاتا ہے۔ وہاں پہرہ بٹھا دیا گیا۔ دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ہر راستہ پر نہ بیٹھو تو کیا بعض راستوں پر بیٹھنا ڈکیتی کرنا جائز ہے ہر کا ذکر کیوں ہوا۔ جواب: یہاں ہر راستہ سے مراد ہر قسم کا راستہ ہے سڑک جرنیلی' عام سڑک' گلیاں کوچے کھیتوں کے بنے وغیرہ جہاں سے لوگ آتے ہوں۔ چونکہ وہ لوگ ہر قسم کی راہ پر ڈکیتی کرتے بیٹھتے تھے اس لئے یہ ارشاد ہوا جیسے رب فرماتا ہے کہ دوگنا تگنا سود نہ کھاؤ اس کے معنی یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو بلکہ جو مروج تھا اس کا ذکر فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تم مومنوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو اس روکنے میں مومنوں کی قید کیوں لگائی گئی اللہ کی راہ سے روکنا مطلقاً منع ہے مسلمان کو روکا جائے یا کافر کو؟ جواب: اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں اشارۃً" ذکر کئے گئے ایک یہ کہ جو ایمان لانا چاہتے ہیں تم انہیں ایمان لانے سے روکتے ہو یعنی امن سے مراد ہے ارادہ ایمان کرنے والا دوسرے یہ کہ جو ایمان لا چکے ہیں تم انہیں ایمان پر قائم رہنے سے روکتے ہو انہیں مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو' تیسرے یہ کہ جو ایمان لا چکے ہیں تم انہیں نیک اعمال نماز وغیرہ سے روکتے ہو۔ خیال رہے کہ کافر کی کوئی نیکی فی سبیل اللہ نہیں ہوتی نہ اس پر اسے ثواب ملتا ہے کہ نیکی کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ چوتھا اعتراض: یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے کثرت یعنی زیادتی تعداد کو بھی شمار کیا کہ فرمایا فکثرکم۔ زیادتی تعداد تو وبال ہے نعمت نہیں؟ جواب: کثرت تعداد بیوقوفوں کے خیال میں وبال ہے اہل عقل سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کی نعمت ہے

اسی تعداد سے ملک آباد ہوتے ہیں اسی سے فوجیں تیار ہوتی ہیں۔ اسی کثرت سے آج صدارت وزارت ممبری حاصل ہوتی ہے۔ اسی کثرت سے دوسری قوموں پر رعب طاری ہوتا ہے مٹھی بھر جماعت کسی کام کی نہیں۔ ان کی غذا وغیرہ خالق کے ذمہ کرم پر ہے **نحن نرزقهم و اياكم**

تفسیر صوفیانہ : اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بہت ہی قابل غور ہیں ایک تو **فی سبیل الله** دوسرے **تبغونها عوجا**۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ کا راہ قرار دیا کیونکہ رب تعالیٰ تک صرف نبی کے ذریعہ پہنچ سکتے ہیں۔ پھر نبی کی تعلیم سے جو کام کیا جائے وہ سبیل اللہ ہے نماز، روزہ، کلمہ طیبہ اور تمام نیکیاں سبیل اللہ ہیں۔ مگر جبکہ نبی کی تعلیم ان کی اطاعت کے ماتحت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر ساری عبادات کرو کوئی چیز بھی سبیل اللہ نہیں بلکہ سبیل الشیطان ہو گی۔ جیسے منافقوں کا کلمہ پڑھنا یا شیطان کے سجدے بجود بلکہ عبادات وغیرہ رب رسی کا دراز راستہ ہیں اور عشق رسول قریب راستہ صرف اطاعت کے لئے یہ اعمال نہ کرو بلکہ اطاعت اور عشق رسول کے لئے یہ تمام کام کرو۔ دیکھو فرعونی جادوگر ایک آن میں، کتنے مراتب طے کر گئے دوسرے **تبغونها عوجا**۔ خیال رہے کہ عقل انسانی دنیاوی کاموں میں خوب رہنمائی کرتی ہے مگر آخرت کے متعلق بالکل بیکار بلکہ مضر ہے۔ جو محض عقل سے رب تک پہنچنا چاہے وہ شیطان تک پہنچے گا۔ رحمان تک نہ پہنچے گا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں خدا وندا مجھے واقف جنوں کر

جیسے خشکی کی سواریوں سے دریائی راستہ طے نہیں ہو سکتا نہ اس کے برعکس دریائی جہاز سے خشکی کا راستہ طے ہوں۔ نہ فضائی راستہ دریائی اور خشکی کی سواری سے طے ہوں ایسے ہی راہ خدا عقل کی سواری سے طے نہیں ہو سکتا کہ یہ تو دنیاوی راستوں کے لئے بنی ہے راہ خدا جنوں و عشق رسول کی سواری سے ہی طے ہو سکتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے دنیا میں بھی بہت جگہ عقل کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ قرآن مجید کے متشابہ آیات میں عقل بیکار ہے خود اپنی روح اپنی حقیقت کے معلوم کرنے میں عقل ناکارہ ہے۔

عشق آمد عقل خود بے چارہ شد شمس آمد شمع خود ناکارہ شد

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس راہ میں عقل ایسا جن ہے جو صرف جنوں کی لاٹھی سے بھاگتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنوں کی ضرورت ہے مقصد یہ ہے کہ تم لوگ عقل کا ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہو اس سے باز آ جاؤ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور گذشتہ عقل والی قوموں کا انجام دیکھو اگر تم بھی ایسے عاقل بنو گے تو مار کھا جاؤ گے۔ صوفیاء کے نزدیک جنوں ہی وہ نعمت ہے جس کی برکت سے قصور معاف ہوتے ہیں۔ دیوانہ پر عتاب کوئی نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے قصور ہوا مگر رب نے ان پر عتاب نہ کیا اپنے حبیب سے شکوہ کیا۔ **عبس و تولى ان جاءه الاعمى**۔ اس جنوں کی برکت سے دل رنج و غم سے آزاد رہتا ہے دنیا کی کوئی مصیبت آفت دل پر اثر نہیں کرتی اس جوش عشق کی برکت سے حضرت حسین نے کربلا کے مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لئے۔

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست رہ عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْ

اور اگر ہو ایک ٹولا تم میں سے جو ایمان لائے ساتھ اس کے کہ بھیجا گیا میں ساتھ اس کے اور ایک ٹولا نہیں ایمان لایا

اور اگر تم میں کا ایک گروہ اس پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں

مِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

پس صبر کرو تم حتی کہ فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے

تک کہ اللہ ہم میں فیصلہ کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام** کے قوم مدین کو ڈرانے اور یاد دلانے کا ذکر تھا اب اس کا ذکر ہے کہ آپ نے مومن قوم کو تسلی کس طرح دی۔ گویا پچھلی آیت میں روئے سخن کفار سے تھا اب اس آیت میں تعلق کلام مومنین سے ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں** حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا کہ پچھلی کافر قوموں کے انجام کا خیال کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے فرمایا اپنے انجام کا انتظار کرو اس فرمان میں اظہار کرم تھا اس میں اظہار غضب ہے۔ **تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت شعیب علیہ** السلام کا امید والا کلام نقل ہوا کہ آپ ان کے ایمان کی امید رکھتے تھے اب ان کے مایوسی والے کلام کو نقل فرمایا جارہا ہے کہ مجھے تمہارے ایمان کی امید نہیں رہی اب اللہ کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

تفسیر : **و ان کان طائفة منکم امنوا**۔ قوم مدین کے غربا اور مساکین حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے مالدار لوگ کافر بڑے فسادی تھے۔ یہ کفار کہا کرتے تھے کہ حق پر ہم ہیں رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے ان مومنوں سے ناراض ہے یہ باطل پر ہیں دیکھ لو ہم لوگ عیش و آرام میں ہیں۔ ہمارے نوکر چاکر ان سے اچھے ہیں اس سے مومنوں کو صدمہ پہنچتا تھا تب آپ نے بظاہر کفار سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ مگر درحقیقت مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ **منکم** اور **فاصبروا** میں خطاب کفار سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب مومنین سے ہو یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب دونوں جماعتوں سے ہو۔ یہاں ان شک کے لئے نہیں کیونکہ بعض کا ایمان لانا اور بعض کا کافر رہنا ظاہر ظہور تھا۔ بلکہ یہ فرمان ایسا ہے جیسے ایک مہربان باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اس قسم کا کلام رغبت دینے یا ڈرانے دھمکانے کے لئے ہوتا ہے۔ طائفہ کے معنی اس کا ماخذ بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں طائفہ سے مراد غرباء و مساکین کا ٹولہ ہے۔ **منکم** میں **من** **تبعیضیہ** ہے چونکہ مومنین ان کفار کے ہم وطن ہم نسب ہم زبان تھے۔ لہذا **منکم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **امنوا** کا فاعل طائفہ ہے چونکہ طائفہ لفظاً" واحد ہے معنی جمع لہذا **امنوا** جمع فرمانا بالکل درست ہے **بالذی ارسلت بہ** اس کا تعلق **امنوا** سے ہے۔ **الذی** سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کے سارے احکام سارے فرمان ہیں اس میں توحید، رسالت، شرعی احکام آپ کے سارے فرمان اس میں داخل ہیں چونکہ ان سب پر ایمان لانا اس لئے ہوتا ہے کہ نبی کو یہ چیزیں عطا فرما کر بھیجا گیا ہے اس لئے توحید وغیرہ کی بجائے **الذی ارسلت** الخ فرمایا اس کے بعد دو متعلق پوشیدہ ہیں **من اللہ** اور **الیکم** کیونکہ رسول اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف پیام و احکام لاتے ہیں **و طائفة لم یومنوا** یہ عبارت معطوف ہے **طائفة منکم** پر اس ٹولہ سے مراد

ان کے امیروں کاٹولہ سرداروں کی جماعت ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا **فاصبروا حتی یحکم اللہ بیننا** یہ عبارت جزا ہے **ان کان** کی۔ یہاں خطاب یا تو کافروں سے ہے یا مومنین سے یا دونوں سے اگر کفار سے خطاب ہے تو صبر بمعنی انتظار عذاب ہے یعنی ببول بو کر فورا" کانٹے نہیں کاٹے جاتے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد تم درخت خاردار بو رہے ہو اس کا نتیجہ آئندہ دیکھو گے اور اگر دونوں سے خطاب ہے تو کفار کے لئے عذاب کا انتظار مومنوں کے لئے رحمت الٰہی کا انتظار مراد ہے اور اگر خطاب صرف مومنوں سے ہے تو اس سے صرف صبر مراد ہے صبر کے معنی اس کے اقسام دوسرے پارہ میں **ان اللہ مع الصابرین** کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں گناہوں سے صبر' نیکیوں پر صبر' بلاؤں میں صبر اور انتظار کا صبر۔ حتیٰ کہ صبر کی انتہائی بیان کرنے کے لئے ہے **یحکم** بنا ہے حکم سے بمعنی فیصلہ فرمانا فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے یعنی کفار کو عذاب دینا مومنوں پر رحمت کرنا یہ فیصلہ آخرت میں تو ہو گا ہی کبھی دنیا میں بھی ہو جاتا ہے کہ کفار ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ غالبا" آپ کی مراد یہی ہے کیونکہ آپ کو کفار دین کے عذاب کی خبر تھی۔ **وھو خیر الحاکمین** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **حاکمین** سے مراد ہیں دنیا کے حکام اور حکم (پنچ) یعنی اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ دنیاوی حکام غلطی سے یا ظلما" یا رشوت سے یا دباؤ یا لالچ سے غلط فیصلے بھی کر دیتے ہیں اللہ کے فیصلوں میں اس کا امکان بھی نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : قوم شعیب کے کفار نے تین اعتراض کئے تھے۔ دو حضرت شعیب علیہ السلام پر اور ایک مومنین قوم پر۔ (1) آپ کا کلام کلام الٰہی نہیں کیونکہ یہ ہمارے دل میں اثر نہیں کرتا کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کلام اللہ کے بندے کے دلوں میں اثر نہ کرے۔ (2) کیا وجہ ہے کہ ہم ان احکام پر عمل نہیں کرتے۔ رب کے احکام پر عمل ضروری ہوتا ہے جیسے بیماری' تندرستی' زندگی' موت' امیری' غریبی وغیرہ۔ (3) اے مسلمانو رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے نہ کہ تم سے دیکھ لو اس نے ہم کو امیر کیا آرام سے رکھا تم غریب ہو تکلیف میں ہو ان تینوں سوالوں کے جواب میں آپ نے ان کو ہر طرح سمجھایا بجھایا۔ آخر میں جب ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو ان کفار سے یا ان میں سے جو ایمان لا چکے تھے ان سے یا دونوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اے قوم تم میں سے کچھ لوگ تو ان تمام باتوں پر ایمان لے آئے جو میں رب کی طرف سے لے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں یعنی اچھے عقیدے' اعلیٰ عبادات' بہترین معاملات' کامل اخلاقیات وغیرہ یہ نئی بات نہیں کسی نبی پر سارے لوگ ایمان نہیں لائے بعض مومنین ہوئے' بعض کافر حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل آپ پر ایمان نہیں لایا سورج کی روشنی بارش سے سارے فائدہ نہیں اٹھاتے' چمگادڑ سورج سے' کھاری زمین بارش سے فائدہ نہیں لیتی۔ ایمان لانے والے عموما" غرباء و مساکین ہیں چونکہ امیروں کے دلوں میں غرور غریبوں میں عجز و انکسار ہوتا ہے اس لئے فیض نبوت غرباء ہی پاتے ہیں۔ اور اکثر لوگ ایمان نہ لائے جیسے قوم کے امیر' سردار اور ان کے زیر اثر لوگ انہوں نے مجھے ستاتے' مومنوں کو ایذا پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ کفار مومنوں کی غریبی' بے کسی' اپنی امیری' سرداری سے دھوکہ نہ کھائیں۔ دنیا میں مال مل جانا رب کی رضامندی کی علامت نہیں بلکہ مال کے ذریعہ نیک اعمال کی توفیق ملنا رضاء الٰہی کی دلیل ہے یونہی غریبی رب کی ناراضی کی دلیل نہیں بلکہ غریبی میں راہ خدا سے ہٹ جانا غضب کی دلیل ہے اور اس کے دروازے پر آ جانا رحمت کی دلیل۔ اے کافرو! ذرا ٹھہر جاؤ اے مومنو ذرا صبر سے کام لو حتیٰ کہ وہ منتقم حقیقی عملی فیصلہ تم دونوں میں صادر فرمائے اس طرح کہ کفار کو دنیا ہی میں عذاب دے اور مومنوں کو نجات دے اپنے انعام و اکرام سے نوازے وہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد و سخت گیرد مر ترا

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضرات انبیاء کرام پر سب لوگ ایمان نہیں لائے کچھ لائے کچھ نہ لائے ہاں بعض نبی ایسے بھی ہیں جن پر کوئی ایمان نہیں لایا جیساکہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فائدہ **طائفة منکم امنوا الخ** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا کوئی عالم کوئی شیخ یہ تمنا نہ کرے کہ سب لوگ مجھے مانیں میری باتوں پر عمل کریں مخلوق کی زبان کسی کو نہیں چھوڑتی۔

ما نجی اللہ والرسول معا" من لسان الوری لکیف انا

قیل ان الالہ ذو ولد قیل ان الرسول قدکھن

دوسرا فائدہ: ایمان کا معیار نبی کی ذات ہے یعنی ایمان یہ ہے کہ انسان نبی کی تمام لائی ہوئی باتوں کو دل سے قبول کرے۔ اس میں توحید، کتاب، حشر نشر، حساب کتاب وغیرہ سب ہی آجاتی ہیں۔ معیار ایمان نبی کی ذات ہے۔ یہ فائدہ **بالذی ارسلت بہ** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ایمان اجمالی بھی قبول ہے یعنی انسان یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احکام و فرمان پر میرا ایمان ہے۔ یہ فائدہ بھی **بالذی ارسلت بہ الخ** سے حاصل ہوا۔ حجۃ الوداع میں جب حضرت علی یمن سے آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کا احرام باندھا۔ عرض کیا کہ میں نے رب سے کہا کہ جو تیرے محبوب کا احرام ہے وہ میرا احرام۔ یہ ہے میرا اجمالی احرام۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام دنیا میں خالی نہیں آتے بلکہ رب کی طرف سے مخلوق کے لئے بہت کچھ لاتے ہیں اسی لئے انہیں رسول کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **ارسلت بہ الخ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: دنیاوی مصیبتوں آفتوں میں گھبرانا نہیں چاہئے صبر سے کام لینا چاہئے کہ اس کا انجام اچھا ہے۔

مشیں ترش تو از گردش ایام کہ صبر گرچہ تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ ظالم کی پکڑ مظلوم کی مدد ضرور فرماتا ہے مگر کبھی دیر سے اس تاخیر سے گھبرانا نہیں چاہئے انتظار کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **فاصبروا الخ** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے اور بہت قسم کے حکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ فائدہ **الحاکمین** کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا اسی طرح رب نے آخرت کے حکام مقرر فرمائے۔ حضرات انبیائے کرام بعض اولیاء اللہ بعض علماء کرام حق تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حکام ہیں انہیں حاکم ماننا شرک نہیں **لتحکم بین الناس**۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مقرر کردہ حاکم مطلق ہیں۔ آپ کی حکومت تاقیامت جاری ہے۔ آٹھواں فائدہ: دنیاوی حکام کبھی غلطی بھی کرجاتے ہیں یا دانستہ طور پر غلطی کرتے ہیں مگر رب تعالیٰ کے فیصلے بالکل درست اور حق ہیں ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ یہ فائدہ **خیر الحاکمین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : یہاں ارشاد ہوا **وان کان۔ ان** آتا ہے شک کے لئے حالانکہ بعض اہل مدین کا مومن ہونا بعض کا کافر رہنا بالکل یقینی تھا پھر آپ نے یقینی چیز کو شک سے کیوں بیان فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ **ان** شک کے لئے نہیں بلکہ کفار پر عتاب اور مومنوں پر کرم کے لئے ہے **ان** شک کے علاوہ اور معانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے **ان کنت علی بینتہ من ربی** یا جیسے **ان کان للرحمن ولد** ان تمام مقامات میں **ان** شک کے لئے نہیں۔ دوسرا

اعتراض: امنوا کے بعد بالذی ارسلت بہ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف امنوا فرمانا کافی تھا ایمان میں سب کچھ آجاتا ہے۔ جواب: کافر اپنے کفر کو مشرک اپنے شرک کو ایمان ہی کہتے ہیں۔ سب لوگ اپنے ایمان کی قسم کھاتے ہیں اس لئے امنوا کے بعد یہ ارشاد ہوا۔ ایمان و کفر میں فرق صرف نبی کی ذات سے ہوتا ہے جیسے فرعونی جادو گروں نے پہلے کہا امنا برب العالمین ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے فرعون کہہ سکتا تھا کہ رب العالمین تو میں ہوں اس لئے فوراً" بولے رب موسیٰ وہارون' رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ وہارون اپنا رب کہتے ہیں۔ یونہی یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا تھا نعبد الھک و الہ اباء ک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق معلوم ہوا کہ سچے جھوٹے معبود میں بھی فرق نبی ہی سے ہوتا ہے۔ نیز ارسلت بہ بہت جامع کلمہ ہے۔ جس میں خدائی کتاب رسول کے سارے فرمان داخل ہیں بلکہ اسلامی سارے عقیدے واعمال داخل ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ان کان طائفتہ تو شرط ہے اور فاصبروا ہے اس کی جزاء' جزاء شرط پر موقوف ہوتی ہے یہاں یہ موقوفیت سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب: توقف بالکل ظاہر ہے اگر سارے لوگ ایمان لے آتے تو مومنوں کو نہ تو کوئی ستانے والا ہوتا نہ انہیں صبر کی ضرورت پیش آتی فرمایا گیا کہ چونکہ سب لوگ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ بعض مومن ہو گئے 'بعض کافر رہے 'کافروں نے مومنوں کو بہت ستایا' لہذا اے مومنو تم صبر کرو اللہ اچھا فیصلہ کرے گا۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا خیر الحاکمین جس سے معلوم ہوا کہ حاکم بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے اچھا حاکم ہے۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ان الحکم الا اللہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں اس آیت میں حقیقی دائمی سچا حاکم مراد ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے یہاں ہر قسم کے حاکم مراد ہیں حقیقی ہوں یا عارضی' سچے ہوں یا جھوٹے وہ بہت ہیں۔ لہذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ رب فرماتا ہے فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا۔

تفسیر صوفیانہ: ہمارا جسم گویا مدین شہر ہے ایسی بستی میں نفس اور نفسانیات قوم مدین کے کفار ہیں۔ قلب اور قلبی واردات گویا مدین کے مومنین ہیں روح انسانی گویا ان کے شعیب ہیں۔ ایک جسم میں کفار و مومنین دونوں کا اجتماع ہے شعیب روح ان دونوں سے خطاب کرتی ہے کہ اے قلب و نفس تم صبر کرو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام رب تعالیٰ کی طرف سے خبریں بھی لاتے ہیں اور وہاں سے فیوض و برکات بھی لے کر آتے ہیں۔ پہلی حیثیت سے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ دوسری شان سے رسول کہا جاتا ہے الذی ارسلت بہ میں انہیں فیوض و برکات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ احسانات و انعامات ہی انسان کو اطاعت رسول کی طرف رغبت دیتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا بالذی ارسلت بہ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں حاکم اور حکم بہت ہیں جن میں سے بعض نفسانی حاکم ہیں جن کے فیصلے غلط ہوتے ہیں 'بعض روحانی حاکم جن کے فیصلے بالکل درست اور ناقابل تردید ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلے در حقیقت رب تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں لب و زبان ان کی ہوتی ہے 'کلام و فرمان رب تعالیٰ کا وھو خیر الحاکمین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب رب خیر الحاکمین ہے تو اس کے نائب اس کی طرف سے فیصلے کرنے والے بھی خیر اور بہتر ہی ہیں۔

و صلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا

محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔ برحمتہ

وھو ارحم الراحمین

وھو خیر الحاکمین

الحمدللہ کہ تفسیر نعیمی پارہ **ولوانّنا** بتاریخ 25 جمادی الاول 1387ھ مطابق یکم ستمبر 1967ء کو شروع ہوا اور آج انیس (19) شعبان 1388ھ مطابق 11 نومبر 1968ء ایمان افروز طغیان سوز دوشنبہ مبارک ختم ہوا۔ رب تعالٰی اسے قبول فرمائے۔ اسے صدقہ جاریہ اور میری سیہ کاریوں' بدکاریوں کا کفارہ بنائے۔ آمین۔ آمین یا رب العالمین۔ **و صلی اللہ علی سیدنا محمد و الہ اصحابہ اجمعین۔**

احمد یار خان نعیمی اشرفی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات' پاکستان

19 شعبان 1388ھ دوشنبہ